besturdubooks.wordpress.com
قادیانیت
کا
سیاسی تجزیہ
جلد اوّل
ترتیب و تحقیق
صاحبزادہ طارق محمود

ضروری وضاحت

قادیانیت کی بجائے کادیانیت کیوں؟

لفظ قادیانی کو ہم نے زیادہ تر ک کتابی سے یعنی کادیانی لکھا ہے' اس لیے کہ کادیانی فتنہ کی بنیاد ہی دجل و فریب پر ہے۔ کد و کید کا مطلب بھی یہی ہے۔ عربی زبان کی معروف لغت میں کد و کید کے تحت یہ بحث موجود ہے۔

قبل ازیں بعض اکابر اور بالخصوص آغا شورش کاشمیری" اور سید عطاء المنعم شاہ بخاری نے اسی نظریہ کے تحت لفظ قادیانی کو کادیانی ہی لکھا ہے۔ انصاف کی تمام عدالتوں: سپریم کورٹ' ہائی کورٹ اور وفاقی شرعی عدالت نے مرزا کادیانی کو کافر' کاذب' دغاباز اور مکار قرار دے کر کادیانی مذہب کے دجل و فریب پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اسی تناظر میں ہمیں چاہیے کہ لفظ ک کو عام کیا جائے۔

نوٹ: بعض جگہ حوالہ جات میں بھی ق (قادیانیت) کی بجائے ک (کادیانیت) کمپوز ہوگیا ہے۔ اس غیر اختیاری غلطی پر ہم معذرت خواہ ہیں۔۔۔۔۔

(مصنف)

پہلا باب

○ —— ڈھول کا پول 15

○ —— اسلام اور کلوانیت 44

○ —— نماز اور حج 94

○ —— جنازہ 99

○ —— نکاح 105

○ —— میل جول 111

آئینہ مضامین

باب اول

- ڈھول کا پول 15
- اسلام اور کادیانیت —— متوازی مذہب 44

دوسرا باب 123

- کادیانی فتنہ ' برطانوی استعمار کی ضرورت اور ایجاد 124
- روح جہاد کی تحریک بحالی میں علماء کی عزیمت و استقلال 135
- تاریخی دستاویزات اور مرزا غلام احمد کادیانی کی نبوت کا پس منظر 141
- محاسبہ کادیانیت کی سیاسی ' دینی ' علمی اور روحانی تاریخ کا تجزیہ 233

تیسرا باب 283

- بین الاقوامی سطح پر کادیانی جماعت کا تعارف اور قیام 284
- فلسطین میں اسرائیل کا ناسور اور کادیانیت کا ظہور 293
- کادیانیوں کے یہودیوں سے روابط اور تعلقات کا تجزیہ 300
- اسرائیل میں کادیانی مشن کے دستاویزی ثبوت 306
- کادیانی مشن کے مقاصد ' خدمات اور حقائق 313

- چوتھا باب — 443
  - برصغیر پاک و ہند کی تقسیم میں کادیانی جماعت کا کردار — 444
  - قیام پاکستان کی مخالفت کے اسباب و حقائق — 451
  - سامراج کا ٹٹو (ظفر اللہ خان) بمقابلہ ذوالفقار علی بھٹو — 547
- پانچواں باب — 589
  - پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کا قتل — 590
  - 1965 کی پاک بھارت جنگ میں کادیانیوں کا کردار — 639
  - مسئلہ کشمیر اور کادیانیت — 683
  - فرقان فورس یا سرطان فورس؟ — 805
  - 1970 کے عام انتخابات اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں کادیانی جماعت کا رول — 838
- * دستاویزات — 921

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○
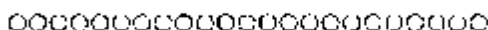
کچھ نہ کچھ لکھتے رہو تم وقت کے صفحات پر
نسل نو سے اک یہی تو واسطے رہ جائیں گے

پوسٹ مارٹم

- قادیان ——— قبلہ
- ربوہ ——— اصلاحی مرکز
- تل ابیب ——— تربیتی کیمپ
- لندن ——— آبائی بنگلہ
- ماسکو ——— استاد
- مغربی جرمنی ——— پناہ گاہ

اور

- واشنگٹن ——— اس کا بینک ہے

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

آوازِ خلق نقارہ خدا است

ہماری جماعت وہ جماعت ہے جسے شروع سے ہی لوگ کہتے چلے آئے ہیں کہ یہ خوشامدی گورنمنٹ کی پٹھو ہے' بعض لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم گورنمنٹ کے جاسوس ہیں۔ پنجابی محاورہ کے مطابق ہمیں جھولی چک اور نئے زمینداری محاورہ کے مطابق ہمیں ٹوڈی کہا جاتا ہے ———

میاں محمود احمد صاحب (مرزا بشیرالدین محمود) خلیفہ قادیان

(اخبار "الفضل" قادیان' 11 نومبر 1934ء)

آئینہ دل

کچھ مدت پہلے مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور کے تاریخی دفتر واقع بیرون دہلی دروازہ میں ہر ماہ رد قادیانیت پر سلسلہ وار لیکچر کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ یہ غالباً مارچ 1986 کی بات ہے' عزیزم محمد متین خالد اور جناب طاہر رزاق صاحب نے راقم کو اس پروگرام میں مدعو کیا۔ میرا موضوع "قادیانیت کا سیاسی تجزیہ" تھا۔ راقم نے دو گھنٹے سے زائد وقت میں قادیانی تحریک کے تاریخی پس منظر کے تناظر میں حقائق' شواہد' دستاویزات اور انکشافات کا ڈھیر لگا دیا۔ پروگرام کے اختتام پر بعض دوستوں نے اس لیکچر کو کتابچے کی صورت میں شائع کرنے کی فرمائش کی۔ چند دنوں بعد متین خالد صاحب کے پیہم اصرار پر راقم نے عجلت میں قلم اٹھایا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت ننکانہ کے زیراہتمام 50 صفحات پر مشتمل کتابچہ منظر عام پر آیا' تو یکے بعد دیگرے اس کے کئی ایڈیشن نکل گئے۔ محاورہ سچ ہے "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ متین خالد صاحب نے بار بار شائع کرنے کے تردد سے بچنے کے لیے راقم سے قادیانی تحریک کے سیاسی احتساب پر کتاب لکھنے کی فرمائش کر دی۔ یہ کام کس قدر مشکل اور دشوار گزار ہے' اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں' جو اس شعبہ سے متعلق ہیں۔ برادر مکرم مولانا اللہ وسایا نے باضابطہ طور پر یعنی جماعتی فیصلہ کے مطابق کتاب لکھنے کا حکم دیا' تو بندہ نے 1989 میں قادیانیت کی سیاسی تاریخ کے احتساب پر لکھنا شروع کر دیا۔

قادیانی تحریک کے سیاسی احتساب کے ضمن میں جناب الیاس برنی کے بعد آغا شورش کاشمیری" مرتضیٰ میکش' جناب پروفیسر خالد شبیر اور بعض دوسرے حضرات نے

قلم اٹھایا ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی جامع' مستند اور بھرپور کتاب منظر عام پر نہیں آ سکی۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے' میں خود اس سے مطمئن نہیں کیونکہ قادیانی تحریک پر اتنا مواد موجود ہے جس پر تحقیقاتی کام (Research work) کی ضرورت ہے۔ اگر اس انداز میں کام ہو جائے تو اس صیہونی تحریک کی تاریخ' مکروہ عقائد' ناپاک عزائم' سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے بارے میں شاہکار قسم کی تاریخی دستاویز مرتب ہو سکتی ہے۔

یہ کتاب عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ میں لاہور کے محاذ پر خدمات سرانجام دینے والے جناب طاہر رزاق اور متین خالد کے اصرار اور ان کی مخلصانہ کاوشوں کا ثمر ہے۔ یہ دونوں نوجوان تردید مرزائیت کے سلسلہ میں جس جذبے' ولولے' بانکپن اور جوش و خروش سے کام کر رہے ہیں' راقم ان کے جذبہ ایمانی سے بہت متاثر ہے۔ یہ نوجوان بلاشبہ تحریک ختم نبوت کے شاہین ہیں۔ کتاب کی ابتدائی تیاری سے لے کر طباعت تک تمام مراحل میں عزیزم متین خالد نے جانفشانی اور اخلاص سے حصہ لیا۔ راقم کے من سے ان کے لیے ڈھیروں دعائیں نکلتی ہیں۔ بندہ مولانا اللہ وسایا' مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری اور دفتر مرکزیہ کا شکرگزار ہے' جنہوں نے ہر قسم کے حوالہ جات اور کتب مجھ تک پہنچائیں۔ محمد ندیم نائب مدیر لولاک نے حقیقی نائب کی طرح اس کتاب کی تیاری میں معاونت کی۔ میں جناب محمود صاحب کمپوزر کا بھی شکرگزار ہوں' جنہوں نے شبانہ روز محنت اور ریاضت سے میری کنجلک تحریروں کو ترتیب کا حسن دیا۔ ستم ظریفی ہوگی اگر میں اپنے محسن علمی برادر مکرم فیاض حسن سجاد' چیف رپورٹر روزنامہ "جنگ" کوئٹہ کو اس موقعہ پر یاد نہ کروں' جنہوں نے سب سے پہلے مجھے مشورہ دیا تھا کہ آپ قادیانیوں کی مذہبی گرفت کے بجائے ان کا سیاسی محاسبہ کریں کیونکہ غیر مسلم اقلیت قرار پا جانے کے بعد قادیانیوں کی مذہبی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ چونکہ قادیانی جماعت اول و آخر ایک سیاسی تحریک اور سیاسی تنظیم ہے' جو انگریزوں کی خود ساختہ اور پروردہ ہے۔

قادیانی تحریک کا تحقیق اور تنقیدی مشاہدہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت ایک ایسی صیہونی تحریک ہے' جو عالم اسلام بالخصوص عربوں اور پاکستان کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں سرگرم عمل رہتی ہے۔ قادیانی جماعت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی انگریزی استعمار کی ایجاد تھے۔ قادیانیت کا خمیر انگریزی سامراج نے نظریہ ضرورت کے تحت تیار کیا تھا' جس کا بنیادی مقصد برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد نکال کر برطانوی اقتدار کو استحکام بخشنا تھا تاکہ برصغیر میں انگریزی سامراج کے قدم مضبوط ہو سکیں اور یہاں اس کے راج کا سکہ چل سکے۔ تاریخی حقائق و شواہد کو مدنظر رکھتے ہوئے قادیانیت کا تجزیہ کیا جائے تو قادیانی جماعت کے ڈھول کا پول کھل جاتا ہے' کہ انگریزی حکومت کے قیام' استحکام' اور اس کے مفادات کے تحفظ کے لیے جہاد کی منسوخی اور مخالفت اس اسلام دشمن جماعت کا محور رہی ہے۔ قادیانی فتنہ کے موجد خبطی غلام احمد قادیانی نے جہاد کی اہمیت و فضیلت اور اس کی حرمت کو ختم کرنے کے لیے الہامی سند مہیا کی۔ اس مقصد کے سبب قادیانی جماعت نے سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے مذہب کا لبادہ اوڑھا۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے متعارف نہ کروائے جاتے' اور قادیانی تحریک مذہب کی آڑ نہ لیتی تو یہ تحریک کم سنی میں ہی دم توڑ دیتی اور آج اس کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔ جس طرح ایک سمجھدار چور یا ٹھگ کسی راہ گیر کو لوٹنے کے لیے راہ گیر کا روپ اختیار کرتا ہے' یا مسافر کو اپنی واردات کا نشانہ بنانے کے لیے مسافر کا روپ دھارتا ہے' اسی طرح قادیانی جماعت نے انگریزی اقتدار کو ہندوستان میں استحکام اور دوام بخشنے کے سبب کے لیے بعینہ ٹھگ کی طرح مذہب کا لبادہ اوڑھا تاکہ اس روپ کے ذریعہ وہ سیاسی مقاصد حاصل کر سکے' جو انگریزی سامراج نے اس کے ذمہ لگائے تھے۔

راقم نے پہلی جلد میں قادیانی تحریک کی سو سالہ تاریخ کا احتسابی جائزہ پیش کیا ہے۔ میری یہ پوری کوشش رہی ہے کہ معمولی سے معمولی بات بھی بغیر حوالہ کے نہ لکھی جائے۔ قادیانیت کے سیاسی احتساب میں یہ کتاب بلاشبہ ریفرنس بک (Book

(Reference کی حیثیت رکھتی ہے۔ اکثر مقامات پر بطور حوالہ کے اخبارات اور رسائل کے مضامین سیاق و سباق کے ساتھ دے رہے ہیں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی رہے اور یہ تمام ریکارڈ محفوظ ہو کر تاریخ کا حصہ بن جائے۔ کتاب کی دوسری جلد بھی انشاء اللہ جلد منظرعام پر آئے گی۔ دوسری جلد اس لحاظ سے نہایت اہم ہوگی کہ اس میں کادیانی جماعت کی مختلف تنظیموں' ان کے فنڈز' نظام' طریق کار' بجٹ کے علاوہ انڈر گراؤنڈ سازشوں' ریشہ دوانیوں' دہشت گردی' تخریب کاری اور طریقہ واردات کے بارے میں سنسنی خیز انکشافات اور دستاویزات کو منظرعام پر لایا جائے گا۔ عقیدۂ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے ہر سپاہی اور کارکن کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف کادیانی فتنہ کے مذہبی عقائد سے آگاہ ہو' بلکہ وہ اسی تحریک کی سیاسی گرفت کے ضمن میں اسلام اور وطن دشمن جماعت کی اندرونی و بیرونی سرگرمیوں سے بھی آگاہ ہو۔ مجھے توقع ہے کہ یہ دستاویز کادیانیت کے لیے انشاء اللہ ضرب کلیمی ثابت ہوگی۔

تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد

طالب دعا

صاحبزادہ طارق محمود

ایڈیٹر ہفت روزہ "لولاک"

فیصل آباد

13 اکتوبر 1993

شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب
امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کا پیغام

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ رب العزت کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کو' اندرون و بیرون ملک' عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانی فتنہ کی محاسبہ تحریک میں علمبردار اور داعی کی حیثیت عطا کر رکھی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں قادیانیت کے خلاف تقریر و تحریر' مناظرہ و مباہلہ کے علاوہ عوام کی عدالت سے لے کر عدالت عظمیٰ تک ہر محاذ پر شکست فاش دی جاچکی ہے۔ گذشتہ چند برسوں سے مجلس کے شعبہ نشر و اشاعت نے تردید مرزائیت کے سلسلہ میں' تصنیف و تالیف کا کام شروع کر رکھا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے مذہب اور اس کے عقائد کو بے نقاب کرنے میں' مجلس تحفظ ختم نبوت نے قلم کے میدان میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ حالانکہ مشہور ہے کہ اس قافلے کے لوگ تقریر کے دھنی اور تحریر کے فن سے نا آشنا ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصی زندگی سے لے کر اس کے مذہبی عقائد کے محاسبہ پر بے شمار کتابیں لکھی جاچکی ہیں' لیکن قادیانی تحریک کے سیاسی احتساب پر کسی جامع اور مستند کتاب کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جارہا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے فاضل نوجوان' ادیب و خطیب' صاحبزادہ طارق محمود نے اس ضرورت کو بطریق احسن پورا کر دکھایا ہے۔ صاحبزادہ طارق محمود نے قلمی جراحت سے' قادیانی فتنہ کی سیاسی تحریک کے تاریخی پس منظر کو رقم کر کے بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قادیانیت کسی مذہب کا نام نہیں' بلکہ یہ ایک سیاسی تحریک کا نام ہے' جسے برطانوی سامراج نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں پر حکومت کرنے اور انہیں غلام رکھنے کے لیے پیدا کیا تھا اور اسے

پروان چڑھایا تھا۔ صاحبزادہ طارق محمود نے قادیانی جماعت کی ابتدا سے' اب تک' مختلف ادوار میں اس کے سیاسی کردار' ناپاک عزائم' مکروہ سازشوں' ریشہ دوانیوں کی پوری تاریخ کو حوالہ جات کے ذریعے اس طرح یکجا کیا ہے کہ وہ قادیانیت کے سیاسی احتساب کا انسائیکلوپیڈیا معلوم ہوتی ہے ———— قلم کے میدان میں صاحبزادہ طارق محمود کی اس تصنیف کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ موصوف نے بلاشبہ' اپنے والد محترم' مجاہد ختم نبوت مولانا تاج محمود رحمتہ اللہ علیہ کی جانشینی کا حق ادا کیا ہے۔

فقیر دعاگو ہے کہ رب العزت صاحبزادہ طارق محمود کی اس مخلصانہ کاوش کو منظور و قبول فرمائے اور انہیں اپنی دینی و دنیاوی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

دعاگو

فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ

از خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی

15 اکتوبر 1993ء

قادیانیت ایک استعماری تحریک

قادیانیت بلاشبہ ایک سیاسی تحریک ہے جس نے مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے ابتداء میں خود استعمار نے کئی ایسی تحریکوں کی بنیاد رکھی ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں پروان بھی چڑھایا اگر اس تناظر میں ان تحریکوں خصوصاً قادیانیت کا مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف اس کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ اس کے دور رس سیاسی اثرات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا تقریباً ایک چوتھائی ہے۔ اتنی بڑی تعداد اور اس کے سیاسی اثرات کا جائزہ ایک طویل عرصے سے مغربی ممالک میں لیا جاتا رہا ہے اور ایسے لٹریچر کی کوئی کمی نہیں جو مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کو جو کہیں اکثریت اور حکومت میں ہیں اور کہیں اقلیت میں' کے اتحاد اور ایک ایسی قوت بننے سے روکنے کے لئے کئی طرح کی تجاویز دیتا رہا بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ خود مسلمانوں کے اندر سے ایسی تنظیموں کا پیدا کرنا بھی ضروری سمجھا گیا جو "دام ہم رنگ زمین" کا کام دے سکیں۔ ایک طویل عرصے تک قادیانیت کو مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ سمجھا جاتا رہا اور ان کے خلاف آواز اٹھانے والے کو فرقہ واریت کا لقب دیا جاتا رہا۔ خود جب حضرت علامہ اقبال نے اپنا معرکتہ الآراء مقالہ "اسلام اور احمدیت" انگریزی میں تحریر فرمایا جس کے پائے کا تجزیہ آج تک سامنے نہیں آیا تو پنڈت جواہر لعل نہرو نے حضرت علامہ رحمتہ اللہ کو یہ طعنہ دیا کہ عالمی سطح کے تسلیم شدہ ایک عظیم فلسفی کو یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ فرقہ واریت کی سطح پر اتر آئے۔ تو حضرت علامہ نے اس کے جواب میں ایک ایسی بات کہی جو میرے خیال میں ان کے مقالے سے بھی زیادہ موثر اور سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ اگر پنڈت جواہر لعل نہرو کو یہ علم ہوتا کہ اسلام کی ساری عمارت کی بنیاد اسی عقیدہ ختم نبوت پر ہے تو وہ مجھ پر اعتراض نہ کرتے۔ اسلام اسی لئے کامل دین ہے کہ قرآن میں اضافہ ناممکن ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی لئے آخری نبی اور رسول ہیں کہ آئندہ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسے وحی یا الہام کا اعزاز حاصل ہے جس پر ایمان لانا لازمی ہو۔

اسی عقیدے کی تصدیق سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں اس طرح ہوتی ہے

"یومنون بما انزل علیک و ما انزل من قبلک"

جس کا تذکرہ مرحوم و مغفور مفتی محمود صاحب نے قومی اسمبلی کے 1974ء کے اس اجلاس میں کیا تھا جس میں قادیانی جماعت کا سربراہ بھی موجود تھا اور ارکان نے دونوں طرف کے دلائل سننے کے بعد وہ تاریخی آئینی ترمیم منظور کی تھی جس کے نتیجے میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا اور مذہبی طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی حقیقت کو آئین کا حصہ بنایا گیا اور جس کی تکمیل 1984ء میں ایک آرڈیننس کے ذریعے سے صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے کی۔ جس کے نتیجے میں قادیانیوں کا مرکز پاکستان سے منتقل ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قادیانیت کی تحریک کو اس کے اصلی خدوخال کے ساتھ پیش کیا جائے تو نہ صرف اس کی مزید ترویج رک سکتی ہے بلکہ وہ لوگ جو اس تحریک کے بارے میں اپنی کم علمی یا کم فہمی یا دنیاوی لالچ کی بناء پر اس کے ساتھ منسلک ہو گئے ہیں وہ بھی اس سے تائب ہو سکتے ہیں۔ اس کے لئے ایک مسلسل ذہنی اور علمی کوشش کی ضرورت ہے جس کی بنیاد صرف وقتی ردعمل پر نہ ہو۔

صاحبزادہ طارق محمود صاحب نے جس اچھوتے اور منفرد انداز میں اپنی اس تالیف کو پیش کیا ہے اس کے دور رس اور عالمگیر نتائج انشاء اللہ پیدا ہوں گے اور میری خواہش ہے کہ یہ کتاب زیادہ سے زیادہ لوگوں کے مطالعے کے لئے پیش کی جائے اور اس کے تراجم انگریزی' فرانسیسی اور روسی زبانوں اور رسم الخط میں بھی کیے جائیں تاکہ وہ خطے جہاں اسلام کے نام پر اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش ہو رہی ہے ان کا تدارک ہو سکے۔

صاحبزادہ طارق محمود صاحب سے یہ توقع بعید نہ ہو گی کہ دین کے دشمنوں کو بے نقاب کرنے کے لئے اپنی وراثتی ذمہ داریاں پوری کریں گے وہ ہمارے جذبہ تشکر اور دعاؤں کے مستحق ہیں۔

ظفرالحق

(سینیٹر راجہ محمد ظفرالحق)
سیکرٹری جنرل موتمر عالم اسلامی اسلام آباد

03.01.94

باب اول

ڈھول کا پول

کادیانی جماعت (جماعت احمدیہ) کے رہنماؤں کا دعویٰ ہے کہ ان کی جماعت دینی جماعت ہے' جس کے کوئی سیاسی عزائم نہیں۔ یہ دعویٰ محض ایک ڈھونگ ہے کیونکہ کادیانی جماعت کی بنیاد ہی سیاسیات پر رکھی گئی ہے۔ انگریزی سامراج کی وفاداری بشرط استواری جس کا نصب العین تھا۔ ہم اگلے ابواب میں کادیانیوں کے سیاسی کردار اور ناپاک عزائم کا تجزیہ پیش کریں گے۔ سرآغاز کادیانیت کے مکروہ سیاسی چہرے کی نقاب کشائی ضروری ہے تاکہ یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ کادیانی جماعت نے ہر دور میں مذہب کی آڑ لے کر سیاست کا ناٹک رچایا ہے۔ مختلف حوالہ جات کے علاوہ کادیانی جماعت کے جرائد و رسائل اور اخبارات کے حوالہ جات سے بھی استعمار کی ایجاد کے حقیقی سیاسی روپ اور ظاہری بہروپ کی قلعی کھل جاتی ہے۔۔۔ لیجئے آئینہ حاضر ہے۔

سیاست سے لاتعلقی

ہفت روزہ "لاہور" راوی ہے کہ حکومت انگلشیہ کے ایماء پر ایک سرکاری وفد 21 مارچ 1908ء کو کادیان میں بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد کادیانی سے ملا اور آپ سے براہ راست سیاست کے بارے میں سوال کیا۔ لیکن مرزا صاحب نے سیاسیات

سے قطع لاتعلق کا اظہار کیا۔۔۔ سوال کیا گیا—— آپ کا مسلم لیگ کے بارے میں نیز اس میں جماعت احمدیہ کی شمولیت کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا۔

"مسلم لیگ ایک سیاسی جماعت ہے اور جماعت احمدیہ ایک مذہبی۔۔۔ ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ سیاسی کاموں میں دخل دینے سے ہمارے تبلیغی مقاصد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے"۔

(وقت روزہ "لاہور" 21 اگست 1936ء)

1913ء

احساس برتری

قادیانیت اپنے ابتدائی دور سے ہی سیاسی مقاصد و عزائم میں احساس برتری میں مبتلا رہی ہے۔ مرزا محمود کی تقریر کے اس اقتباس سے قادیانیوں کے سیاسی ذوق کی عکاسی ہوتی ہے۔

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں سیاسیات میں بھی ایسی ہی برتری عطا کی' جیسی دوسرے امور میں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتا ہے۔ ہماری اپنی قابلیتوں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اب بیسیوں بڑے بڑے سیاستدان یورپ اور ہندوستان کے لوگوں کی تحریریں موجود ہیں' جن میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ہم نے ہندوستان کے نظم و نسق کے متعلق جو رائے پیش کی ہے' وہ بہت صائب ہے"۔

{تقریر میاں محمود احمد صاحب۔ خلیفہ قادیان۔ جلسہ سالانہ۔ مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 18' نمبر 82' مورخہ 12 جنوری 1963ء}

1917ء

پولٹیکل مرکز

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کے معروف محاورے کے مطابق قادیانیوں کے لاہوری گروپ نے قادیانی جماعت کی سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی معاملات پر تنقید کرتے ہوئے جس اچھوتے انداز میں پردہ چاک کیا' وہ حسب ذیل ہے۔

"اب تو قادیان' ہاں وہ قادیان جہاں سے کبھی علوم دینیہ کے چشمے پھوٹتے تھے' ایک اچھا خاصا پولٹیکل مرکز بن چکا ہے۔ ہندوستان کے ہر حصہ کے لوگوں سے وہاں پولٹیکل امور کے متعلق خط و کتابت ہوتی رہتی ہے۔ لوگ وہاں آتے ہیں تو کوئی دین سیکھنے کے لیے نہیں' بلکہ محض سیاسی امور کے متعلق' جناب خلافت مآب سے مشورہ لینے اور ان سے گفتگو کرنے کے لیے۔ صرف ہندوستان کے لوگ ہی نہیں' بلکہ بہت سے دیگر ممالک افغانستان وغیرہ سے بھی لوگ اسی غرض کو لے کر آتے ہیں' حالانکہ ہندوستان کے پولٹیکل معاملات ان سے بالکل علیحدہ ہیں' لیکن میاں صاحب ہیں کہ برطانوی حکومت کے مفاد کو مدنظر نہ رکھتے ہوئے ان لوگوں سے ان باہر کے آئے ہوئے لوگوں کے ساتھ ان پولٹیکل معاملات پر گفتگو کرتے ہیں' ان سے خط و کتابت جاری رکھتے ہیں اور لوگ چل کر ان سے ملنے آتے ہیں تاکہ قادیان کے اندر بیٹھ کر ان سے ان معاملات پر بات چیت کریں۔ کیا ان حالات میں ان خود فرمودہ واقعات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا بعید از انصاف ہوگا کہ دین کی آڑ میں میاں محمود احمد صاحب جو کچھ کر رہے ہیں' وہ بڑے بڑے پولٹیکل سازشیوں سے بھی ناممکن ہے۔

تعجب ہے کہ خود خلافت مآب پولٹیکل امور میں اس قدر سرگرم ہوں کہ ہر وقت چہار حصص ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک افغانستان وغیرہ سے بھی

ملکی امور پر ان کی خط و کتابت ہوتی رہتی ہو' لوگ ان کے پاس ملکی مشورہ کے لیے آئیں اور قادیان کو تو اب خیر۔۔۔ چنداں واسطہ ہی نہیں' ایک اچھا خاصا پولٹیکل مرکز بنایا جائے"۔

(قادیانی جماعت لاہور کا اخبار "پیغام صلح" لاہور۔ جلد 5' صفحہ 43' مورخہ 5 دسمبر 1917ء)

1918ء

سیاسی دکانداری

دین کی آڑ میں جماعت احمدیہ کی سیاسی دکانداری پر بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے قادیانی لاہوری گروپ کا ترجمان اخبار لکھتا ہے:

"سیاسی مسائل میں ان لوگوں (قادیانی صاحبان) کا انہماک یہاں تک ترقی کر چکا ہے کہ اب قادیان میں بھی بقول میاں (محمود احمد) صاحب اگر کوئی بات چیت ہوتی ہے تو وہ سیاسی مسائل پر ہی ہوتی ہے۔ باہر سے خط و کتابت بھی سب کی سب مسائل سیاسیہ ہی کے متعلق کی جاتی ہے۔ قادیان آنے والے لوگ بھی انہی مسائل سیاسی میں ہی غور و فکر کرنے کے لیے آتے اور میاں صاحب کے آگے زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے' محض سیاست ہی سیاست ہے اور دین کا نام و نشان تک نہیں"۔

(قادیانی جماعت لاہور کا اخبار "پیغام صلح"۔ جلد 5' صفحہ 63' مورخہ 20 فروری 1918ء)

1922ء

دنیا کا چارج

دین کو چھوڑ کر دنیاوی حرص کی شکار قادیانی جماعت کے سیاسی عزائم کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

"نہیں معلوم ہمیں کب خدا کی طرف سے دنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے' ہمیں اپنی طرف سے تیار رہنا چاہیے کہ دنیا کو سنبھال سکیں"۔

(روزنامہ "الفضل" قادیان' 27 فروری 29 مارچ 1922ء)

احمدی حکومت

جماعت احمدیہ ابتداء سے ہی سیاسی عزائم کی حامل جماعت رہی ہے' حکومت کا حصول جس کا مطمح نظر مقصود تھا۔ 1922ء میں قادیانی جماعت کی خواہش ملاحظہ کریں۔

"اصل تو یہ ہے کہ ہم نہ انگریز کی حکومت چاہتے ہیں نہ ہندوؤں کی' ہم احمدی حکومت چاہتے ہیں"۔

(روزنامہ "الفضل" مرزا محمود احمد۔ 14 فروری 1922ء)

احمدی حکومت کے مدفون خزانے

"انگریز اور فرانسیسی وہ دیواریں ہیں جن کے نیچے احمدیت کی حکومت کا خزانہ مدفون ہے اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ دیوار اس وقت تک قائم رہے جب تک کہ خزانہ کے مالک جوان نہیں ہو جاتے۔ ابھی احمدیت چونکہ بالغ نہیں ہوئی اور بالغ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس خزانے پر قبضہ نہیں کر سکتی' اس لیے اگر اس وقت یہ دیوار گر جائے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ دوسرے لوگ اس پر قبضہ جما لیں گے"۔

(روزنامہ "الفضل" 20 فروری 1922ء)

سیاسی چیمپئن

قادیانی جماعت کی بنیاد ہی سیاست پر رکھی گئی۔ دینی جماعت ہونے کی دعویدار تنظیم کو سیاست سے کس قدر دلچسپی ہے' اس کا اندازہ حسب ذیل تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔

"پس جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم میں سیاست نہیں' وہ نادان ہیں' وہ سیاست کو سمجھتے ہی نہیں——————اور اصل بات تو یہ ہے کہ ہماری سیاست گورنمنٹ کی سیاست سے بھی زیادہ ہے"۔

("الفضل" 13 اگست 1926ء)

حکومت کے خواب

قادیانی جماعت کا مستقبل منصوبہ حکومت کا حصول تھا جس کے سہانے خواب وہ دیکھتی رہی۔ درج ذیل حوالہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قادیانی جماعت حصول حکومت کے لیے کس قدر حریص تھی۔

"اس وقت حکومت احمدیت کی ہوگی۔ آمدنی زیادہ ہوگی۔ مال و اموال کی کثرت ہوگی۔ جب تجارت اور حکومت ہمارے قبضہ میں ہوگی' اس وقت اس قسم کی تکلیف نہ ہوگی"۔

("الفضل" 8 جون 1926ء)

حکومت اور بادشاہی کی خواہش

قادیانی جماعت حکومت اور اقتدار کے حصول کے لیے کس قدر حریص رہی ہے اس کا اندازہ قادیانی جماعت کے دوسرے سربراہ کے بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

"آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ پس دوسری بادشاہتوں کو خطرہ ہے کہ وہ ٹوٹ جائیں گی مگر ہمیں امید ہے کہ بادشاہت دی جائے گی۔ حکمران ڈر رہے ہیں کہ ان کی حکومت جاتی رہے گی مگر ہم (قادیانی) خوش ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں دی جائے"۔

خلیفہ ثانی قادیان

(اخبار "الفضل" 3 اپریل 1928ء)

مشکوک سیاست

قادیانی لاہوری گروپ کا اخبار "پیغام صلح" قادیانی جماعت کے سربراہ کی سیاسیات میں مشتبہ کارروائیوں پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے

"چند ماہ سے قادیانی جماعت اور اس کے امام محترم (مرزا بشیر الدین محمود) سیاسیات میں خاص دلچسپی لے رہے ہیں اور ان کی طرف سے تحفظ حقوق مسلمین کے پر فریب نام سے نہایت مشتبہ کارروائیاں کی جا رہی ہیں اور اس سلسلہ میں بعض نہایت عجیب و غریب باتیں معلوم ہوئیں اور جستجو پر بہت سے خوفناک اور رنجدہ انکشافات بھی ہوئے"۔

(لاہوری جماعت کا اخبار "پیغام صلح" لاہور۔ مورخہ 15 جولائی 1930ء)

سیاسی واقفیت

قادیانی جماعت کے ناظر امور عامہ کی چٹھی کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"اپنے اپنے علاقے کی سیاسی تحریکات سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے"۔

(اخبار "الفضل" 22 جولائی 1930ء)

سیاسی رہنمائی

"غرض سیاست میں مداخلت کوئی غیر دینی فعل نہیں' بلکہ یہ ایک دینی مقاصد میں شامل ہے' جس کی طرف توجہ کرنا وقتی ضروریات اور حالات کے مطابق لیڈران قوم کا فرض ہے ـــــ پس قوم کے پیش آمدہ حالات کو مدنظر رکھنا اور اس کی تکالیف کو دور کرنے کی تدبیر کرنا اور ملکی سیاست میں رہنمائی کرنا خلیفہ وقت سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالٰی کی نصرت اور تائید اس کے شامل حال ہوتی ہے اور اس زمانہ میں گزشتہ پندرہ سال کے تاریخی واقعات ہمارے اس بیان کی صداقت پر مہر لگا رہے ہیں"۔

("الفضل" 25 ستمبر 1932ء)

سیاست کی باگ ڈور

قادیانی جماعت نے اپنے مخالفین کے لیے کبھی نرم گوشہ نہیں رکھا۔ قادیانی

جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا محمود احمد نے اپنے بغض کا اظہار کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا تھا کہ جب سیاست کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آئے گی تو ان کے مخالفین کی حیثیت چوہڑے چماروں جیسی ہوگی۔ قادیانی رہنما نے اپنے سالانہ جلسے کے افتتاحی خطاب میں کہا۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بنیاد' جو اس وقت بہت کمزور نظر آتی ہے' اس پر عظیم الشان عمارت تعمیر ہوگی۔ ایسی عظیم الشان کہ ساری دنیا اس کے اندر آ جائے گی اور جو لوگ باہر رہیں گے' ان کی کوئی حیثیت نہ ہوگی' جیسا کہ خدا تعالیٰ سے خبر پا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کی حیثیت چوہڑے چماروں کی ہوگی"۔

("الفضل" قادیان۔ 29 جنوری 1933ء)

1935ء

بادشاہت کا خواب

1935ء میں قادیانی جماعت کی طرف سے سیاسی تمنا کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے۔

"کہ اس وقت تک کہ تمہاری بادشاہت قائم نہ ہو جائے' تمہارے راستے سے یہ کانٹے ہرگز دور نہیں ہو سکتے"۔

("الفضل" 8 جولائی 1935ء)

اعتراف سیاست

قادیانی جماعت کے آنجہانی سربراہ مرزا محمود سیاسی کاموں میں حصہ لینے کا اعتراف کرتے ہیں۔

"یہ ایک سیاسی بات تھی مگر ہم نے اس وقت اس میں دخل دیا۔ پس سیاسی کاموں میں ہم پہلے بھی حصہ لیتے رہے ہیں"۔

(خطبہ جمعہ میاں محمود' اخبار "الفضل" قادیان۔ 5 فروری 1935ء)

جب حکومت احمدیت (مرزائیت) کی ہوگی تو 1/10 حصہ تو کنجریاں بھی دیں گی (خلیفہ قادیانی)

"ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ جب 1/10 حصہ تو کنچنیاں (کنجریاں) بھی داخل کرنے کو تیار ہو جاویں گی' اس وقت حکومت احمدیت (مرزائیت) کی ہوگی"۔

(ارشادات خلیفہ قادیانی' ضمیمہ الوصیت' ص 67)

ہمارے پاس ہٹلر یا مسولینی کی طرح حکومت ہو تو ہم ایک دن کے اندر عبرت ناک سزا دیں (خلیفہ قادیانی)

"حکومت ہمارے پاس نہیں کہ ہم جبر کے ساتھ ان لوگوں کی اصلاح کریں اور ہٹلر یا مسولینی کی طرح جو شخص ہمارے حکموں کی تعمیل نہ کرے' اس کو ملک سے نکال دیں اور جو ہماری باتیں سننے اور عمل کرنے پر تیار نہ ہو اس کو عبرت ناک سزا دیں۔ اگر حکومت ہمارے پاس ہوتی تو ہم ایک دن کے اندر اندر یہ کام کر لیتے"۔

(تقریر خلیفہ قادیانی' "الفضل" قادیان۔ 2 جون 1936ء۔ جلد 22' ص 286)

1937ء

سیاست اور اقتصادیات

"اس وقت اسلام کی ترقی خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہے۔ یاد رکھو کہ سیاسیات اور اقتصادیات اور تمدنی امور حکومت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پس جب تک ہم اپنے نظام کو مضبوط نہ کریں اور تبلیغ اور تعلیم کے ذریعہ سے حکومتوں پر قبضہ کرنے کی کوشش نہ کریں' ہم اسلام کی ساری تعلیموں کو جاری نہیں کر سکتے"۔

("الفضل" 5 جنوری 1937ء)

حکومتوں اور ملکوں کی فتح

"یہ مت خیال کرو کہ ہمارے لیے حکومتوں اور ملکوں کا فتح کرنا بند کر دیا گیا ہے' بلکہ ہمارے لیے بھی حکومتوں اور ملکوں کا فتح کرنا ایسا ہی ضروری ہے"۔

("الفضل" 8 جنوری 1937ء)

1938ء

ہر شعبہ میں سرداری

"مجلس شوریٰ یا صدر انجمن احمدیہ' انتظامیہ ہو یا عدلیہ' فوج ہو یا غیر فوج' خلیفہ کا مقام بہرحال سرداری کا ہے"۔

("الفضل" یکم ستمبر 1938ء)

کمانڈر؟

"انتظامی لحاظ سے وہ صدر انجمن کے لیے بھی رہنما ہے اور آئین سازی و بجٹ کی تعیین کے لحاظ سے وہ مجلس شوریٰ کے نمائندوں کے لیے بھی صدر اور رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ جماعت کی فوج کے اگر وہ جصے تسلیم کر لیے تو وہ اس کا بھی سردار ہے اور اس کا بھی کمانڈر ہے اور دونوں کے نقائص کا وہ ذمہ دار ہے اور دونوں کی اصلاح اس کے ذمہ واجب ہے"۔

("الفضل" 27 اپریل 1938ء)

انصاف کا ترازو

قادیانیوں کے نزدیک عدل و انصاف کا تصور حکومت اور اقتدار کے بغیر ناممکن ہے۔

"پس پہلی ذمہ داری جو ان پر عائد ہوتی ہے' وہ احمدیت کی ہے۔ احمدیت کا کام ساری دنیا میں انصاف قائم کرنا ہے"۔

(خطاب مرزا بشیر الدین محمود۔ 11 نومبر 1948ء)

سیاسی و مذہبی برتری

قادیانی جماعت کو اپنی سیاسی برتری کا اس قدر زعم تھا کہ وہ تھوڑے عرصے ہی میں پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے کا خواب دیکھنے لگے تھے۔ اس ضمن میں قادیانی جماعت کے سربراہ کا بلند و بانگ دعویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

"ہم میں سے ہر ایک شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ تھوڑے عرصہ کے اندر ہی' خواہ ہم اس وقت تک زندہ رہیں یا نہ رہیں' لیکن بہرحال وہ عرصہ

غیر معمولی طور پر لمبا نہیں ہو سکتا' ہمیں تمام دنیا پر نہ صرف عملی برتری حاصل ہوگی بلکہ سیاسی اور مذہبی برتری بھی حاصل ہو جائے گی۔ اب یہ خیال ایک منٹ کے لیے بھی کسی سچے احمدی کے دل میں غلامی کی روح پیدا نہیں کر سکتا۔ جب ہمارے سامنے بعض حکام آتے ہیں تو ہم اس یقین اور وثوق کے ساتھ ان سے ملاقات کرتے ہیں کہ کل یہ نہایت ہی عجز و انکسار کے ساتھ ہم سے استمداد کر رہے ہوں گے"۔

("الفضل" 22 اپریل 1938ء)

1939ء

احمدی حکومتیں

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کے دماغ میں احمدی حکومت کے قیام کا بھوت سوار تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ ساری حکومتیں ختم ہو جائیں اور احمدی حکومتیں بن جائیں۔

"میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ انگریزی حکومت چھوڑو' دنیا میں سوائے احمدیوں کے اور کسی کی حکومت نہیں رہے گی۔ پس جبکہ میں اس بات کا قائل ہوں بلکہ اس بات کا خواہشمند ہوں کہ دنیا کی ساری حکومتیں مٹ جائیں اور ان کی جگہ احمدی حکومتیں قائم ہو جائیں تو میرے متعلق یہ خیال کرنا کہ میں اپنی جماعت کے لوگوں کو انگریزوں کی دائمی غلامی کی تعلیم دیتا ہوں' کہاں تک درست ہو سکتا ہے"۔

("الفضل" 21 نومبر 1939ء)

1945ء

نظام حکومت کا خواب

نظام حکومت کا خواب دیکھتے ہوئے قادیانی جماعت کا تبصرہ حسب ذیل ہے۔

"جب تک جماعت احمدیہ نظام حکومت سنبھالنے کے قابل نہیں ہوتی' اس وقت تک ضروری ہے کہ اس دیوار (انگریزی حکومت) کو قائم رکھا جائے تاکہ یہ نظام کسی ایسی طاقت (مسلمان ہی مراد ہو سکتے ہیں) کے قبضہ میں نہ چلا جائے جو احمدیت کے مفادات کے لیے زیادہ مضر اور نقصان رساں ہو"۔

(الفضل" 3 جنوری 1945ء)

احمدی صوبہ

حکومت اور اقتدار کی بھوکی احمدیہ جماعت بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے کی آرزو رکھتی تھی۔ قادیانی جماعت کی تحریر ان کے سیاسی عزائم کی آئینہ دار ہے۔

"بلوچستان کی کل آبادی 5 یا 6 لاکھ ہے۔ زیادہ آبادی کو احمدی بنانا مشکل ہے' لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا تو کوئی مشکل نہیں۔ پس جماعت اس طرف پوری توجہ دے تو اس صوبے کو بہت جلد احمدی بنایا جا سکتا ہے۔ اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں گے۔ پس میں جماعت کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ لوگوں کے لیے عمدہ موقع ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اسے ضائع نہ ہونے دیں۔ پس تبلیغ کے ذریعے بلوچستان کو اپنا صوبہ بنالیں تاکہ تاریخ میں اپنا نام رہے"۔

(مرزا بشیر الدین محمود کا بیان" الفضل" 3 اگست 1945ء)

1947ء

برطانوی جانشین

منیر انکوائری رپورٹ کے قادیانی نواز جسٹس منیر بھی قادیانیوں کی سیاست کاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"1945ء سے لے کر 1947ء کے آغاز تک احمدیوں کی بعض تحریروں سے منکشف ہوتا ہے کہ وہ برطانیہ کے جانشین بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں——"

(منیر انکوائری رپورٹ۔ فسادات پنجاب۔ ص 209)

غلط تقسیم

قادیانی جماعت نے برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کو غلط قرار دیا۔

"ہم نے یہ بات پہلے بھی کئی بار کہی اور اب بھی کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تقسیم (پاکستان بننا) اصولاً غلط ہے"۔

("الفضل" 12 اپریل 1948ء)

فوجی تیاری

دینی جماعت ہونے کا دعویٰ رکھنے والی جماعت کو فوجی تیاری کرنے یا فوج میں

اپنی اقلیت کو بھیجنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے کہ جہاد پر ایمان نہ رکھنے والی جماعت فوجی تیاری کی بات کرے ـــــــ

"پاکستان میں اگر ایک لاکھ احمدی سمجھ لیے جائیں تو 9 ہزار احمدیوں کو فوج میں جانا چاہیے ـــــ فوجی تیاری نہایت اہم چیز ہے' جب تک آپ جنگی فنون نہیں سیکھیں گے' کام کس طرح کریں گے؟"

("الفضل" 11 اپریل 1950ء)

بڑا بول

قادیانی جماعت کو اپنی قوت اور طاقت کے بارے میں اس قدر زعم تھا کہ وہ اقتدار کے حصول کے بعد اپنے مخالفین کو مجرموں کی حیثیت سے دیکھنا چاہتی تھی۔

"وہ وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ (مسلمان) مجرموں کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش ہوں گے"۔

(مرزا بشیر الدین محمود۔ خطاب سالانہ کانفرنس ربوہ۔ دسمبر 1951ء)

1952ء

انقلاب کا شوق

کسی بھی ملک میں انقلاب برپا کرنے کے دو ہی طریقے ہیں' طاقت یا تنظیم ـــــ قادیانی جماعت کے سربراہ نے تنظیم پر زور دیا تاکہ ان کی جماعت انقلاب برپا کر سکے۔

"اگر ہم ہمت کریں اور تنظیم کے ساتھ محنت کریں تو 1952ء میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں"۔

"1952ء گزرنے نہ دیجئے۔ جب احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی' اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آگرے۔"

("الفضل" ۔ 16 جنوری 1952ء)

سرکاری و کلیدی عہدوں پر قبضہ

جماعت احمدیہ کے آنجہانی سربراہ مرزا محمود احمد نے سرکاری و کلیدی عہدوں پر گرفت مضبوط کرنے کے پروگرام کے سلسلہ میں حسب ذیل بھاشن دیا۔۔۔

"جب تک سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں' ان سے پوری طرح کام نہیں لے سکتے' مثلاً موٹے موٹے محکموں سے فوج ہے' پولیس ہے' ایڈمنسٹریشن ہے' ریلوے ہے' فنانس ہے' کسٹم ہے' انجینئرنگ ہے یہ آٹھ دس موٹے موٹے صیغے ہیں جن کے ذریعے سے جماعت اپنے حقوق محفوظ کرا سکتی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں بے تحاشا جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہماری نسبت فوج میں دوسرے محکموں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے اور ہم اس سے اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ باقی محکمے خالی پڑے ہیں۔ بے شک آپ لوگ اپنے لڑکوں کو نوکری کرائیں لیکن وہ نوکری اس طرح کیوں نہ کروائی جائے جس سے جماعت فائدہ اٹھا سکے"۔

(خطبہ مرزا بشیر الدین محمود۔ "الفضل" 11 جنوری 1954ء)

1965ء

سہانا سپنا

1965ء کی پاک بھارت جنگ سے پہلے لندن میں کادیانی کنونشن ہوا۔ اس میں کادیانی جماعت کے برسراقتدار آنے کی صورت میں جماعت احمدیہ کی پالیسی کا اظہار کیا گیا۔

"کنونشن میں شریک مندوبین نے اس بات پر زور دیا کہ اگر احمدی جماعت برسر اقتدار آ جائے' تو امیروں پر ٹیکس لگائے جائیں اور دولت کو ازسرنو تقسیم کیا جائے"۔ (مزید تفصیلات آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں)

(روزنامہ "جنگ" راولپنڈی ایڈیشن۔ 4 اگست 1965ء)

1966ء

احمدیت کی حکومت

کادیانی جماعت اقتدار کے حصول اور حکومت کے قیام میں کس قدر حریص واقع ہوئی ہے' اس کا اندازہ مرزا ناصر احمد کے بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔

"میں جماعت کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ آئندہ پچیس تیس سال جماعت احمدیہ کے لیے نہایت ہی اہم ہیں کیونکہ دنیا میں روحانی انقلاب عظیم پیدا ہونے والا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کونسی خوش بخت قومیں ہوں گی جو ساری کی ساری یا ان کی اکثریت احمدیت میں داخل ہوں گی۔ وہ افریقہ میں ہوں گی یا الجزائر میں یا دوسرے علاقوں میں۔ لیکن میں پورے وثوق کے ساتھ آپ کو کہہ سکتا ہوں کہ وہ دن دور نہیں جب دنیا میں ایسے ممالک اور علاقے پائے جائیں گے جہاں کی اکثریت احمدیت کو قبول کر لے گی یا وہاں کی حکومت احمدیت کے ہاتھ میں ہوگی"۔

(خطبہ جمعہ "الفضل"۔ 9 جون 1966ء)

انداز حکومت

کادیانی جماعت مدتوں حکومت کرنے کا خواب دیکھتی رہی۔

ایڈیٹر "الفضل" لکھتے ہیں۔

"آئندہ اگر کسی اسلامی ملک میں اسلامی نظام حکومت قائم ہوا تو ہماری مجلس مشاورت کے نمونہ پر ہی ہوگا۔ اس لیے اگرچہ آج ہماری مجلس ملکی معاملات پر غور نہیں کرتی تو کل اسی نمونہ کی مجلس تمام ملک کے سیاسی معاملات پر بھی رائے زنی کر کے فیصلے کیا کرے گی۔ اس لیے ہماری مجلس مشاورت کا قیام بھی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے عظیم کارناموں میں سے ایک نہایت اہم کارنامہ ہے جس سے اسلامی نظام حکومت کا صحیح حلیہ واضح ہو جاتا ہے"۔

("الفضل"۔ 29 مارچ 1966ء)

1967ء

تربیت اور ذمہ داریاں

کادیانی جماعت کے سربراہ نے اپنی قوم کو یہ اشارہ دیا کہ انہیں حکومت حاصل ہونے والی ہے' لہٰذا کادیانی حکومتی ذمہ داریوں کو اٹھانے کے لیے تیار رہیں۔

"مجھے یوں کہنا چاہیے کہ پہلے بڑوں کی تربیت کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے ان چھوٹوں کی تربیت کی جا سکے۔ بڑی ہی اہم ذمہ داریاں عنقریب پڑنے والی ہیں۔ یاد رکھیں اگر ہم نے اس میں غفلت برتی تو ہم پر خدا کا عذاب نازل ہوگا۔ ایک اور قوم پیدا کی جائے گی' جو خدا کے

وصدوں کی وارث بنے گی۔ پس اپنی جانوں کی فکر کرو اور ان ذمہ داریوں کو ملنے کے لیے تیار ہو جاؤ' جو الٰہی منشا کے مطابق ایک سکیم کے ماتحت آپ پر ڈالنے والا ہوں"۔

("الفضل" – 25 جون 1967ء)

1970ء

پاک فوج کی بھرتی کے لیے کادیانیوں کا اشتہار

یحییٰ خان کے دور حکومت میں پاکستان کی مسلح افواج میں بھرتی کے لیے ناظر امور عامہ ربوہ کی طرف سے اشتہار دیا گیا' حالانکہ فوجی بھرتی کے لیے فوج کے کسی شعبہ یا تعلقات عامہ کے کسی افسر کی طرف سے اشتہار آنا چاہیے تھا۔ اس اشتہار سے کادیانیوں کے ناپاک عزائم کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اشتہار حسب ذیل ہے۔

"مورخہ 70 - 10 - 20 یعنی منگل 8 بجے صبح ریسٹ ہاؤس چنیوٹ میں فوجی بھرتی ہوگی۔ امیدوار تعلیمی سرٹیفکیٹ ہیڈ ماسٹر کے دستخطوں سے اپنے ہمراہ ضرور لائیں۔ کم از کم معیار بھرتی:

قد	——	5 فٹ 6 انچ
وزن	——	113 پونڈ
چھاتی	——	"32 - "30
تعلیم	------	پانچ جماعت
عمر	——	17 سال سے 20 سال
میٹرک پاس کی عمر	------	17 سال سے 21 سال"

("الفضل" ربوہ – ص 7 – ناظر امور عامہ – 13 اکتوبر 1970ء – جلد 24/59' نمبر 234)

1973ء

بنگلہ دیش منظور

کادیانی جماعت کے ایک مبلغ ڈاکٹر ابراہیم نے ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ کادیانی جماعت کی پالیسی واضح کرتے ہوئے کہا کہ دس سال کے اندر مرزائیوں کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ نیز انہوں نے بتایا کہ کادیاں میں احمدیہ مشن نے بنگلہ دیش کو منظور کر لیا ہے۔

" 26 مارچ 1972ء کو ڈاکٹر ابراہیم مرزائی نے پریس کانفرنس میں کھلے بندوں اس بات کا اظہار کر دیا کہ ہم نے آج تک جو محنت کی ہے' وہ پاکستان کے لیے نہیں بلکہ ایک مرزائی حکومت کے قیام کے لیے ہے۔۔۔۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ مرزائیوں کی حکومت دس سال میں قائم ہو جائے گی۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر ابراہیم نے کہا کہ قادیان میں احمدیہ مشن نے بنگلہ دیش کو قبول کر لیا ہے"۔

(ہفت روزہ "المنبر" لائل پور' ص 23' جلد 18' شمارہ 16' 11 مئی 1973ء)

1974ء

اقتدار کا بھوت

احمدی اقتدار ملنے کی نوید سناتے ہوئے کادیانی جماعت کے تیسرے سربراہ آنجہانی مرزا ناصر احمد نے کہا۔

"پاکستان کا اقتدار اب ان کی جھولی میں آ کر گرنے ہی والا ہے اور موجودہ حکومت بھی ان کی دست بستہ غلام ہے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" لائل پور۔ جلد 10' شمارہ 37' 18 جنوری 1974ء)

احمدی حکومت

ربوہ جماعت ہونے کی دعویدار تنظیم کے ایک ذمہ دار مبلغ ڈاکٹر محمد ابراہیم نے 7 فروری 1974ء کو فیصل آباد میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ

"احمدیوں کی حکومت دس برس کے اندر اندر قائم ہو جائے گی"۔

(روزنامہ "عوام" لائل پور۔ 27 مارچ 1974ء)۔

غلبہ اسلام کی ترکیب

قادیانی جماعت کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر نے "حکومت کے غلبہ" کے لیے غلبہ اسلام کی ترکیب کو استعمال کیا۔ درحقیقت جماعت کے سربراہ نے قادیانیوں کو حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کا حکم دیا۔

"اتنے کروڑ روپے جمع کر دو' ایک لاکھ سائیکلیں اور اتنے ہزار گھوڑے مہیا کر لو غلیل بازی اور سو میل یومیہ سائیکل سواری کی مشق کر لو۔ ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ غلبہ اسلام کا زمانہ آگیا ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہماری جماعت کے ساری دنیا میں غالب آنے کا وقت آگیا ہے"۔

("الفضل" ربوہ ۔ 26 فروری 1974ء)

مرزا غلام احمد کی جے

بھٹو دور میں پاکستان ایئر فورس کے سربراہ ظفر چوہدری کٹر اور متعصب قادیانی تھے۔ ربوہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد جب تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو پاک فضائیہ کے دو جہازوں نے انہیں سلامی دی۔

جلسہ گاہ میں "مرزا غلام احمد کی جے" کے نعرے لگائے گئے۔ اس کے بعد قادیانی سربراہ نے تقریر شروع کی۔

"سالانہ جلسہ میں مرزا ناصر احمد تقریر کرنے کے لیے سٹیج پر آئے تو مائیک کے سامنے پہنچ کر خاموش کھڑے ہو گئے اور تقریر شروع نہیں کر رہے تھے۔ جیسا کہ انہیں کسی چیز کا انتظار ہو۔ اتنے میں ایک ہوائی جہاز جلسہ گاہ پر سے ڈپ مار کر گزرا۔ اس کے گزر جانے کے بعد بھی مرزا صاحب خاموش کھڑے رہے۔ گویا انہیں ابھی کسی اور چیز کا بھی انتظار تھا۔ اتنے میں دو اور جہاز جلسہ گاہ سے جھک کر گزرے اور اس طرح مبینہ طور پر مرزا ناصر احمد کو پاکستان ایئرفورس کی سلامی مکمل ہو گئی۔ اس پر جلسہ گاہ میں نعرہ لگایا گیا: مرزا غلام احمد کی جے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" لائل پور، ص 1، جلد 10، شمارہ 37، 18 جنوری 1974ء)

1975ء

ربوہ ریلوے سٹیشن پر غیر ملکی اسلحہ

"پولیس نے ربوہ ریلوے سٹیشن سے غیر ملکی اسلحہ کی بھاری تعداد پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ اسلحہ پیٹیوں میں بند کر کے ریل گاڑی کے ذریعہ ربوہ پہنچایا جا رہا تھا۔ خبر کے مطابق کافی عرصہ سے سپیشل پولیس کو یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ غیر ملکی اسلحہ کی بھاری تعداد ربوہ پہنچائی جا رہی ہے۔ اس غرض سے سپیشل پولیس کا ایک دستہ ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر متعین کیا گیا۔ گزشتہ روز جب ریلوے سٹیشن پر یہ پیٹیاں اتاری جا رہی تھیں، تو ایک پیٹی پلیٹ فارم پر گر کر ٹوٹ گئی جس سے غیر ملکی اسلحہ کھل گیا۔ سپیشل پولیس کا اہلکار اس کی اطلاع دینے کے لیے ربوہ سٹیشن پر گیا تو اس

دوران میں ریلوے کے عملہ نے ان پیٹیوں کو لڑھکانے لگانے کی کوشش کی' لیکن پولیس نے بروقت اسلحہ کی پیٹیوں پر قبضہ کر لیا"۔

(روزنامہ "امروز" لاہور۔ ۳۱ جولائی ۱۹۷۴ء)

تربیت یا گوریلا ٹریننگ

قادیانی جماعت نے 1974ء میں غیر مسلم اقلیت قرار پائے جانے کے بعد جارحانہ انداز اختیار کیا اور مستقبل میں جماعتی پالیسی کے لیے مختلف اصطلاحات' خاص طور پر "غلبہ اسلام" کی اصطلاح کو استعمال کیا گیا۔

"اگلے چودہ سال کا زمانہ میرے نزدیک تربیت پر بہت زور دینے کا زمانہ ہے' جس میں ہزاروں احمدیوں کو تربیت یافتہ ہونا چاہیے اور پھر اس کے بعد ہمیں غلبہ اسلام کی صدی کا استقبال کرنا ہے۔ پس انصار اللہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور تربیت کا پروگرام بنائیں تاکہ جب غلبہ اسلام کی اس عالمگیر اور ہمہ گیر جدوجہد میں وسعت پیدا ہو' اس وقت تک ہزاروں مربیوں کی ضرورت ہو تو ہزاروں لاکھوں مربی موجود ہوں تاکہ دنیا کو سنبھالا جا سکے"۔

(روزنامہ "الفضل" ربوہ۔ 21 فروری ۱۹۷۹ء)

پاکستان کے آئین سے بغاوت

1974ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ قادیانیوں نے آج تک اس فیصلہ کو قبول نہیں کیا۔

"ہم اپنے آپ کو غیر مسلم کیسے کہیں یا لکھیں' ہم خود کو "احمدی" لکھ سکتے ہیں لیکن غیر مسلم نہیں لکھ سکتے۔ اس بات کو پوری طرح تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ قانون یا دستور کی اغراض کے لیے ہمیں مسلمان نہیں سمجھا

گیا' خود ہمیں "قانوناً" مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے آپ کو غیر مسلم لکھیں۔
یہ جھوٹ ہوگا اور یہ "عقلاً" "قانوناً" اور "اخلاقاً" بھی درست نہیں اور
راست گوئی کے بھی خلاف ہوگا اور یہ امر ہر لحاظ سے واضح اور صریح
ہے۔ ہم "احمدی مسلمان" ہی کہلا سکتے ہیں۔ دیگر مواقع پر بھی یہی صورت
ہو سکتی ہے"۔

(روزنامہ "الفضل" - 17 مارچ 1975ء)

شاہ فیصل کی شہادت اور مرزائیوں کی خباثت

عالم اسلام کے مایہ ناز سپوت اور سعودی عرب کے عہد فرماں روا شاہ فیصل کی
شہادت پر جب پورا عالم اسلام اشکبار تھا' تو دنیا میں صرف دو مقام ایسے تھے جہاں پر
جشن مسرت منایا جا رہا تھا: ایک تل ابیب' دوسرا ربوہ۔

"شاہ فیصل کی شہادت کی خبر سننے کے بعد ربوہ میں مرزائی گھروں سے
باہر سڑکوں پر خوشی سے ناچتے ہوئے نکل آئے اور ایک دوسرے سے
معانقے کرنے لگے۔ ایک دوسرے کو مبارک بادیں دیں اور مٹھائیاں تقسیم
کیں۔ مغرب کے بعد ایک جلسہ ہوا جس میں ربوہ کی جماعت کے ایک
ذمہ دار عہدیدار ظہور احمد نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے خلاف
تحریک کا آغاز صوبہ سرحد سے ہوا تھا' اس کا مجرم شیرپاؤ قتل ہو چکا ہے۔
ہمارے خلاف شاہ فیصل نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا تھا' وہ بھی قتل ہو گیا
ہے۔ بھٹو صاحب نے ہمارے خلاف فیصلہ کیا تھا' عنقریب وہ قتل ہو جائیں
گے۔ یہ ہمارے مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں ہیں جو پوری ہو کر رہیں
گی"۔

(ہفت روزہ "لولاک" لائل پور - ج 12 ش 2 ' 7 اپریل 1975ء)

1984ء

شعائر اللہ کی حفاظت

امتناع قادیانیت آرڈیننس کے اجراء سے قبل پورے ملک میں تحریک جاری تھی۔ آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے اعلان کیا تھا کہ اگر اپریل 1984ء تک حکومت نے مطالبات تسلیم نہ کیے تو قادیانیوں کی عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا جائے گا۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے مسلمانوں کے اس اقدام کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی اقلیت کو تیار کیا۔ اس تیاری کا نام انہوں نے "جہاد" رکھا' حالانکہ ان کے عقیدہ کے مطابق جہاد قطعی حرام ہے۔

> "ربوہ ۔ 8 فروری (پ ۔ ر) جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے احمدیوں کو تلقین کی ہے کہ وہ متحد ہو جائیں اور شعائر اللہ کی حفاظت کی خاطر جہاد کے لیے تیار رہیں۔ ربوہ کی مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا: احمدی ہر سطح پر جہاد کی صف میں ہوں گے"۔

(روزنامہ "امروز" لاہور ۔ 9 فروری 1984ء)

1985ء

خوشخبری ـــــ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا

قادیانیوں کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر احمد نے ایک خطاب میں کہا کہ احمدی بے فکر رہیں۔ چند دنوں میں احمدی خوشخبری سنیں گے کہ یہ ملک صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو گیا۔ گو یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ قادیانیوں کا الہامی عقیدہ ہے کہ اکھنڈ بھارت بنے گا۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ دنیا کے نقشہ میں ابھرنے والی عظیم اسلامی سلطنت

ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

"اللہ تعالیٰ اس پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ آپ (احمدی) بے فکر رہیں۔ چند دنوں میں احمدی خوشخبری سنیں گے کہ یہ ملک صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو گیا"۔

(مرزا طاہر احمد کا خطاب۔ سالانہ جلسہ لندن از کیسٹ۔ 1985ء)

آئین و قانون سے بغاوت

کادیانیوں نے نہ صرف یہ کہ اقلیت کے لیے مختص شدہ نشستوں پر انتخاب میں حصہ لینے سے بائیکاٹ کیا' بلکہ کادیانی جماعت کی ہدایت کے مطابق کادیانیوں نے اپنے نام تک انتخابی فہرستوں میں نہیں لکھوائے۔ کادیانی جماعت کے ناظر امور عامہ کی طرف سے جاری کردہ اشتہار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کادیانی آئین و قانون کی پاسداری کس حد تک کرتے ہیں۔

انتخابات سے لاتعلقی کا اعلان

"چند روز ہوئے ذرائع ابلاغ نے قومی اسمبلی میں احمدیوں کے لیے مخصوص کی گئی نشست پر انتخاب کے پروگرام کا اعلان کیا تھا جسے قومی اخبارات نے بھی شائع کیا ہے۔ اس بارے میں جماعت احمدیہ کی طرف سے بار بار اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ قومی اسمبلی یا کسی بھی صوبائی اسمبلی میں احمدیوں کے لیے مختص کی گئی نشستوں پر انتخاب میں حصہ لینا احمدی اپنے اعتقاد اور ضمیر کے منافی سمجھتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے افراد نے اپنے ایمان' عقیدہ اور ضمیر کے عین

مطابق انتخابی فہرستوں میں بطور ووٹر اپنے ناموں کے اندراج نہیں کرائے اور اگر کسی احمدی کا ووٹ کسی انتخابی فہرست میں درج بھی ہے تو ایسا اس کی اطلاع اور رضامندی کے بغیر ہوا ہے اور ایسے ووٹوں کی منسوخی کے لیے متعلقہ افراد کی جانب سے متعلقہ حکام کو اطلاع دی جا چکی ہے۔

اس صورت حال میں کہ احمدیوں نے اپنے ووٹ نہیں بنوائے' احمدیوں کے حلقہ نیابت اور نمائندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ 1985ء کے انتخابات میں بھی قومی اور صوبائی اسمبلی میں احمدیوں کے لیے مختص کی گئی نشستوں پر کسی احمدی نے انتخاب میں حصہ نہیں لیا تھا اور یہ نشستیں خالی ہی رہی تھیں۔

اس واضح صورت حال کے بارے میں جماعت احمدیہ وفود کے ذریعہ بھی اور تحریری طور پر بھی چیف الیکشن کمشنر کو مطلع کر چکی ہے اور یہ بات بار بار ریکارڈ پر لائی جا چکی ہے کہ احمدیوں کے لیے مختص کی گئی نشستوں پر انتخاب کا کوئی بھی آئینی' قانونی یا اخلاقی جواز نہیں ہے اور ان نشستوں پر انتخاب انصاف' قانون اور نیابت کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی اور بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کے مترادف ہے۔

اس قسم کے انتخابات میں اگر کوئی مفاد پرست کسی نشست پر بطور احمدی حصہ بھی لیتا ہے تو وہ کسی بھی صورت میں احمدیوں کا نمائندہ نہیں کہلا سکتا اور نہ ہی اسے احمدی اپنا نمائندہ تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی اسے احمدیوں کا نمائندہ قرار دیا جانا چاہیے"۔ (مرزا خورشید احمد' ناظر امور عامہ)

(روزنامہ "جنگ" لاہور' جلد 9 شمارہ 288' 22 ستمبر 1989ء)

1990ء

پاکستان ــــ پاگل خانہ

کادیانی جماعت کے مفرور پیشوا مرزا طاہر احمد نے پاکستان کو پاگل خانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ کادیانیوں پر ظلم و زیادتی کرنے کی وجہ سے خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہے۔

"لندن (ریڈیو رپورٹ) قادیانیوں کا تین روزہ اجتماع شروع ہو گیا ہے۔ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مرزا طاہر نے کہا کہ قادیانیوں پر ظلم و زیادتی کرنے والوں پر خدا کا قہر نازل ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ لاقانونیت کی وجہ سے آج پورا پاکستان ایک پاگل خانہ بن چکا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ظالموں پر خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ایڈیشن۔ مورخہ 31 جولائی 1990ء)

قادیانی

- ○ یہ لوگ سیاسی طور پر مسلمانوں کے ساتھ صرف اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ عام مسلمانوں کے حقوق سے فائدہ اٹھائیں لیکن ان کا مذہبی اور معاشی مقاطعہ کر کے نہ صرف اپنی علیحدہ قوت تعمیر کرتے بلکہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔
- ○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ خواہ ظلی ہو یا بروزی نہ صرف اسلام پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ مسلمانوں میں انتشار عظیم پیدا کرنے کا بھی باعث ہے۔
- ○ یہ لوگ برٹش امپیریلزم کے کھلے ایجنٹ ہیں۔
- ○ ان کا وجود مسلمانوں کی داخلی زندگی کے لئے اسرائیل سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔
- ○ انگریزوں نے ان کے فرقے سے مسلمان ملکوں میں جاسوسی کا کام لیا ہے۔

مفکر احرار چوہدری افضل حق (مرحوم)

اسلام اور کادیانیت --- متوازی مذہب

کادیانی مذہب اور کادیانی تحریک کے بارے میں ہمارے پڑھے لکھے طبقے میں ابھی تک یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ کادیانی جماعت (جماعت احمدیہ) دیگر فرقوں کی طرح مسلمانوں کا ایک فرقہ (Sect) ہے لیکن کادیانیت کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ کادیانی گروہ مسلمانوں کے متوازی ایک الگ امت اور مستقل مذہب کی حیثیت رکھتا ہے' جسے اسلام جیسے عالمگیر اور ہمہ گیر مذہب میں نقب لگا کر پیدا کیا گیا۔ کادیانی اپنے خود ساختہ عقائد اور اپنے مخصوص طرز عمل کی بنا پر امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہوئے ہیں' ان کا مذہبی اور معاشرتی تشخص اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے برعکس ان کے مدمقابل ایک الگ مذہب کے داعی اور پیروکار ہیں۔

"حضرت مسیح موعودؑ (مرزا غلام احمد کادیانی بانی جماعت احمدیہ) نے غیر احمدیوں کے ساتھ وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں' ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ باقی کیا رہ گیا ہے' جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں: ایک دینی' دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا سب سے بڑا ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے' سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیے گئے"۔

(کلمۃ الفصل ص 169)

اسلام کے خلاف قادیانی تحریک کے متوازی مذہبی نظام پر مولانا ابوالحسن علی ندوی ؒ نے خالصتاً علمی اور دینی نکتہ نظر سے جامع اور مستند تبصرہ فرمایا ہے۔

"قادیانی تحریک اسلام کے دینی نظام اور زندگی کے ڈھانچہ کے مقابلے میں ایک نیا دینی نظام اور زندگی کا نیا ڈھانچہ پیش کرتی ہے۔ وہ دینی زندگی کے تمام شعبوں اور مطالبوں کو بطور خود خانہ پری کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو جدید نبوت' جدید مرکز محبت و عقیدت' نئی دعوت' نئے روحانی مرکز اور مقدسات' نئے مذہبی شعائر' نئے مقتداء' نئے اکابر' نئی تاریخی شخصیتیں' عطا کرتی ہے۔ غرض یہ کہ وہ قلب و دماغ اور فکر و اعتقاد کا نیا مرکز قائم کرتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اس کو ایک فرقہ اور فقہی یا کلامی دبستان یا مکتب خیال سے زیادہ ایک مستقل مذہب اور نظام زندگی کی شکل عطا کرتی ہے۔اس کے اندر اس بات کا ایک واضح رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ نئی مذہبی بنیادوں پر ایک نئے معاشرے کی تعمیر کرے اور مذہبی زندگی کو ایک نئی شکل اور مستقل وجود بخشے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ جو افراد خلوص اور جوش کے ساتھ اس تحریک و دعوت کو قبول کرتے ہیں اور اس کے دائرہ میں آجاتے ہیں' ان کے فکر و اعتقاد کا مرکز بدل جاتا ہے اور ان کی زندگی میں قدیم دینی مرکزوں اور اداروں (اپنے وسیع معنی میں) اور شخصیتوں کی جگہ پر جدید دینی مرکز اور ادارے اور شخصیتیں آجاتی ہیں اور وہ ایک نئی امت بن جاتے ہیں جو اپنے جذبات' طریق فکر' عقیدت و محبت میں ایک مستقل شخصیت اور وجود کے مالک ہوتے ہیں۔ انفرادیت اور تقابل کا یہ رجحان قادیانیت کے اندر شروع سے کام کر رہا ہے اور اب وہ بلوغ و پختگی کے اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ قادیانی اصحاب بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ اسلامی شعائر و مقدسات کے ساتھ قادیانی شعائر اور مقدسات کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان کا ہم پلہ اور مساوی قرار دیتے ہیں"۔

(قادیانیت ـــ مطالعہ و جائزہ ـ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ ص ۱۵)

اسلام اور قادیانیت دو الگ الگ مذہب ہیں۔ اسلام وہ عالمگیر مذہب ہے جس کی بنیاد حقانیت اور سچائی پر رکھی گئی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا لیبل لگا کر قادیانیت کی بنیاد جھوٹ اور کذب پر رکھی گئی ہے۔ "اسلام اور قادیانیت ـــ ایک تقابلی مطالعہ" مولانا محمد عبدالغنی پٹیالوی ؒ کی معروف کتاب ہے، جسے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام شائع کیا گیا ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت کے محافظ ہر طالب علم کے لیے نابغہ روزگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے قادیانی فتنہ کے عقائد باطلہ کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ اس کتاب میں اسلام اور قادیانیت کے عقائد کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

● جناب مرتضیٰ احمد میکش نے اچھوتے انداز میں قادیانیت کے مکروہ چہرے سے پردہ اٹھا کر بتایا ہے کہ قادیانیت نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے متوازی الگ مذہب اور قوم ہے، بلکہ اس فتنہ کی بنیاد دجل و فریب اور منافقت پر رکھی گئی ہے۔

"میرزائیت

جس کے موٹے موٹے خدوخال ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اپنی پیدائش کے دن ہی سے امت مسلمہ کے لیے شدید ترین روحانی اور فکری الجھنوں کا موجب بنی رہی ہے اور جب تک وہ اپنے موجودہ معتقدات و نظریات کو بحال و برقرار رکھتی ہوئی موجود ہے، امت مسلمہ کے لیے روحانی اور فکری الجھنوں کا موجب بنی رہے گی اور کسی وقت مادی طاقت حاصل کر کے مسلمانوں کے دینی اور دنیوی مشنوں پر ایسی ضرب لگائے گی جس کے زخم کی تلافی کرنے کے لیے مسلمانوں کو بہت کچھ کرنا پڑے گا۔ میرزائیت کے مذہبی معتقدات دین حقہ اسلام کا کھلا استہزاء ہیں، بلکہ اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں (علیہم السلام والصلوٰۃ) اور

حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (ابانا ھو و اسباتنا) کی توہین و تضحیک کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس امر کے شواہد صاف نظر آ رہے ہیں کہ میرزائیت کے پیروؤں کی گروہ بندی سیاسی اور تمدنی اعتبار سے پاکستان کے وجود اور اس کے داخلی امن کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے' جس کی طرف سے یا تسامح نہ صرف پاکستان کے لیے' بلکہ پورے عالم اسلام اور دین حقہ اسلام کے لیے بدرجہ غایت مضر رساں ثابت ہو سکتا ہے۔ ہم اسلام کی' پاکستان کی' عام مسلمانوں کی اور خود اس فرقہ ضالہ کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے جذبہ سے متاثر ہو کر اس موضوع پر قلم اٹھا رہے ہیں۔ ایسا کرنے سے ہمارا مقصد حاشا و کلا یہ نہیں کہ ہم پاکستان کی حدود میں بسنے والی دو قوموں کے درمیان منافرت کے ان جذبات کو ترقی دیں' جو پہلے ہی سے طرفین کے دلوں میں موجود ہیں۔ ہمارا مقصد اپنے ملک کے داخلی کوائف کی اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر ہم اپنے ہاں کے جمہور کو' جن میں مرزائی بھی شامل ہیں' اپنے ارباب حکومت کو اور اصحاب فکر و بصیرت کو ان خطرات سے آگاہ نہیں کرتے' جو ہمیں صاف نظر آ رہے ہیں' تو ہم ان فرض منصبی سے قاصر رہنے کے مجرم متصور ہوں گے جو ذمہ دارانہ صحافت کی جانب سے ہم پر عائد ہوتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ مرزائی جماعت کے لوگ اور ان کے ساتھ دوستی رکھنے والے کج فہم اور کوتاہ نظر مسلمان' حکومت کے احتسابی دوائر کو ہمارے خلاف حرکت میں لانے کی کوشش کریں گے اور وہ دوائر بھی مرزائیوں کے اور ان کے دوستوں کی تحریک سے متاثر ہو کر ہمیں بلاوجہ و بلا سبب پریشان کرتے رہیں گے۔ لیکن مخالفوں اور کج فہموں کی یہ روش ہمیں کلمۃ الحق کے اعلان سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ پاکستان کے لوگوں کو' جن میں ارباب حکومت بھی شامل ہیں' ان

خطرات سے آگاہ کرنا ضروری ہے جو ان کی نظروں سے اوجھل ہیں لیکن ہمیں مرزائی جماعت کے رجحانات و عزائم اور اس کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے بعد صاف نظر آ رہے ہیں۔

دجل و تلبیس کے کھیل میرزائیت بعض مخصوص عقائد و عزائم کی ایک ایسی تحریک ہے جو طرح طرح کی ابلہ فریبیوں کے بل پر قائم ہے۔ میرزائیت کے پیرو جملہ مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ دینی امور میں ان سے الگ تھلگ رہنا اپنے مذہبی عقیدے کی بناء پر لازمی تصور کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی نمازوں میں شریک نہیں ہوتے۔ ان کی میتوں کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کرتے۔ اسلام کے بنیادی ارکان و عقائد میں مسلمانوں کے ہم نوا نہیں۔ حج بیت اللہ پر قادیان کے سالانہ اجتماع کو مرجح سمجھتے ہیں اور قادیان کے چھن جانے کے بعد پاکستان میں اپنا نیا کعبہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ اپنے آپ کو مسلمانوں سے یکسر الگ قوم متصور کرتے ہیں لیکن مسلمان کہلاتے ہیں۔ عامتہ المسلمین کو دھوکہ دینے کے لیے بوقت ضرورت اپنے آپ کو مسلمانوں کے سواد اعظم کے فروعی اختلافات رکھنے والے فرقوں یا صلحائے امت میں سے کسی کے ساتھ اپنی نسبت ظاہر کرنے والی جماعتوں میں سے ایک فرقہ یا ایک جماعت ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ ان مسلمانوں کو' جو میرزائیت کی حقیقت و ماہیت سے آگاہ نہیں' یہ کہہ کر دھوکہ دیتے ہیں کہ احمدی بھی شیعہ' سنی' حنبلی' مالکی' شافعی' حنفی' اسماعیلی' اثنا عشری فرقوں کی طرح امت مسلمہ ہی کا ایک فرقہ ہیں یا صوفیائے کرام کے خانوادوں' نقش بندی' قادری' سہروردی' چشتی' صابری' نظامی' نوشاہی وغیرہ کی طرح ایک خانوادہ ہیں' جو مرزا غلام احمد سے بیعت کرنے کی بنا پر احمدی کہلاتے ہیں۔ بہت سے مسلمان' جن کو ان کے بنیادی عقائد اور ان

کی جداگانہ گروہ بندی کی ماہیت کا صحیح صحیح علم نہیں' ان کے اس فریب و استدلال کا شکار ہو کر انہیں بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھنے لگتے ہیں' حالانکہ وہ خود اپنے آپ کو ایسا نہیں سمجھتے' محض دوسروں کو دھوکہ دینے کے لیے بوقت ضرورت ایسا کہہ دیتے ہیں۔

یہ لوگ یعنی دین مرزائیت کے پیرو' اس وقت حکومت کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں' لیکن اپنے پیشوا کو "امیر المومنین" قرار دے کر کسی قدر ظاہر اور کسی قدر مخفیہ طور پر ایک متوازی حکومت کا نظام رکھتے ہیں۔ مرزائی فرقہ کے لوگ اس حکومت کے بجائے' جس کے زیر سایہ وہ زندگی بسر کر رہے ہیں' اپنے "امیر المومنین" کے اطاعت گزار ہیں' جو صرف ان کا مذہبی پیشوا نہیں' بلکہ سیاسی حیثیت کا امیر بھی ہے۔ یہ لوگ قادیان کو اپنا دینی مرکز و متبرک مقام' سیاسی دارالخلافہ خیال کرتے ہیں' جو اب ہندوستان کے قبضہ میں جا چکا ہے لیکن پاکستان میں "ربوہ" بنا رہے ہیں۔ ان کا امام اور امیر ہندوستان کو احمدیت کے فروغ کے لیے اللہ کی دی ہوئی وسیع بیس (مرکز) سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کو مرزائیوں کا ملک بنا لینے کی فکر میں ہے۔ یہ لوگ یعنی دین مرزائیت کے پیرو مسلمانوں کو کافر اور ان کے اسلام کو مردہ قرار دیتے ہیں اور انہی کی دینی اور ملی اصطلاحیں بلا تکلف استعمال کر رہے ہیں۔ مرزائے قادیان کو اللہ کا بھیجا ہوا نبی اور رسول' جملہ انبیائے کرام "صلحائے امت" صدیقین" شہداء" صحابہ کرام" اہل بیت پر ہر طرح کی فضیلت رکھنے والا شخص سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کفر و ارتداد اور الحاد بے دینی کے حکم سے بچنے کی خاطر یا لوگوں کو جعلائے فریب کرنے کی خاطر ظل و بروز' صوفیائے کرام کے مقامات سیر و سلوک وغیرہ کی اصطلاحوں کا سہارا لینے لگتے ہیں' غرض مرزائیت دینی اور سیاسی اعتبارات سے دجل و تلبیس کے رنگ برنگے پردوں کا ایک تماشہ

ہے' جو مسلمانوں کو دینی حیثیت سے نقصان پہنچانے کی غرض سے دکھایا جا رہا ہے۔ مرزائیت کی ہر بات اور ہر حرکت دجل و فریب اور منافقت پر مبنی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کے حال کی کیفیت مذہبی اور دنیوی حیثیت سے وہی ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن حکیم میں منافقوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے ارشاد فرمائی۔

"واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا و اذا خلوا الی شیطنھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون○" (14 - 2)

(اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو (مسلمانوں سے) مذاق کر رہے ہیں)

2 اشاعت دیروز میں ہم لکھ چکے ہیں کہ میرزائیت دجل و تلبیس کا ایک کھیل ہے جو مسلمانوں کو گمراہ کرنے' انہیں فریب دینے اور مادی حیثیت سے انہیں نقصان پہنچانے کی غرض اور نیت سے کھیلا جا رہا ہے۔

میرزائیت کے متعدد چہرے اور متعدد زبانیں ہیں' جن میں سے کبھی ایک کو' کبھی دوسرے کو میرزائیت کے پیرو دنیا کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ مرزائیوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اللہ کا بھیجا ہوا نبی اور رسول تھا۔ اس کی نبوت اور رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو اس پر ایمان نہیں لاتا' وہ کافر ہے اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں' وہی مومن کہلانے کے مستحق ہیں۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ مرزائی اپنے مذہب کے بانی کو مسیح موعود' نبی آخر الزمان' رودر گوپال کرشن اور نہ جانے کیا کیا مانتے ہیں اور اس کی ذات کو تمام نبیوں' رسولوں اور جملہ ادیان کی

برگزیدہ ہستیوں سے برتر اور بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ اپنے آپ کو دوسری ملتوں سے الگ یکسر نئی ملت خیال کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے اور خود کو مسلمان ظاہر کر کے دنیوی فائدے حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے کو مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ یا ایک جماعت ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ کہ مرزائی اپنے عقائد کے رو سے اپنے آپ کو مسلمانوں سے جداگانہ ملت سمجھ رہے ہیں اور اسی بنیادی عقیدہ کی بنا پر اپنی مذہبی اور سیاسی تنظیم کر رہے ہیں' خود ان کے اکابر کے دعووں اور قولوں سے ظاہر ہے"۔

("پاکستان میں مرزائیت" از میکش۔ ص 14 تا 15)

● مسلمان اور ہیں ' ہم مرزائی اور

مرزائی اخبار "الفضل" خود کہتا ہے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ نہیں مل سکتے کیونکہ ہم مرزا کو نبی مانتے ہیں اور مسلمان اسے نبی نہیں مانتے' اس لیے ہم مسلمانوں سے جدا اور علیحدہ فرقہ ہیں۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

○ "جب کوئی مصلح آیا تو اس کے ماننے والوں کو نہ ماننے والوں سے علیحدہ ہونا پڑا۔ اگر تمام انبیاء ماسبق کا یہ فعل قابل ملامت نہیں تو مرزا غلام احمد کو الزام دینے والے انصاف کریں کہ اس مقدس ذات (مرزا غلام احمد) پر الزام کس لیے؟ پس جس طرح حضرت موسیٰ کے وقت میں موسیٰ کی آواز اسلام کی آواز تھی اور حضرت عیسیٰ کے وقت میں عیسیٰ کی اور سیدنا و مولانا حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اسلام کا صور تھا' اسی طرح آج قادیان سے بلند ہونے والی آواز اسلام کی آواز ہے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 17' نمبر 90 مورخہ 27 مئی 1930ء)

مسلمانوں سے قطع تعلق

○ "تمہیں دوسرے فرقوں کو' جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں' کل ترک کرنا پڑے گا"۔

(حاشیہ تحفہ گولڑویہ- ص 27)

○ "غیر احمدیوں سے دینی امور میں الگ رہو"۔

(فتح الملل- ص 382)

مورخہ 20 جنوری 1903ء کو خان محمد عجب خان صاحب آف زیدہ کے استفسار پر کہ بعض اوقات ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے جو اس سلسلہ سے اجنبی اور ناواقف ہوتے ہیں' ان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں یا نہیں؟

(فتاویٰ احمدیہ- ص 19)

جواب میں مرزا صاحب نے فرمایا:

○ "اول تو کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں لوگ واقف نہ ہوں اور جہاں ایسی صورت ہو کہ لوگ ہم سے اجنبی اور ناواقف ہوں تو ان کے سامنے اپنے سلسلہ کو پیش کر کے دیکھ لیا کرو۔ اگر تصدیق کریں تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو ورنہ ہرگز نہیں' اکیلے پڑھ لو۔ خدا تعالیٰ اس وقت چاہتا ہے کہ ایک جماعت تیار کرے' پھر جان بوجھ کر ان لوگوں میں گھسنا' جن سے وہ الگ کرنا چاہتا ہے' منشاء الٰہی کی مخالفت ہے"۔

(فتاویٰ احمدیہ- ص 19)

تمام اہل اسلام کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج

○ "سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے' خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا' وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد

ہیں"۔

("آئینہ صداقت" ۔ ص 35 از مرزا محمود)

مسلمانوں کی اقتداء میں نماز حرام ہے

○ "خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ایک جماعت تیار کرے' پھر جان بوجھ کر ان لوگوں میں گھسنا' جن سے وہ الگ کرنا چاہتا ہے' منشاء الٰہی کی مخالفت ہے۔ میں تم کو بتاکید منع کرتا ہوں کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھو"۔

("الحکم" ۔ 7 فروری 1903ء)

○ "یاد رکھو کہ جیسے خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر و مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو"۔

(حاشیہ تحفہ گولڑویہ ۔ ص 27)

کسی مسلمان کے پیچھے نماز جائز نہیں

○ "ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی (مرزا غلام احمد) کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے"۔

("انوار خلافت" خ ۔ ص 90)

(خ سے مراد مصنف مرزا محمود خلیفہ قادیان ہے)

جائز نہیں! جائز نہیں!! جائز نہیں!!!

○ "باہر سے لوگ بار بار پوچھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تم جتنی دفعہ

بھی پوچھو گے اتنی دفعہ میں یہی کہوں گا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں! جائز نہیں!! جائز نہیں!!!"

("انوار خلافت" - ص 89 ج)

مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ حرام

خلیفہ قادیان لکھتا ہے کہ میرے باپ سے :

○ "ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا لیکن آپ نے اس کو یہی فرمایا کہ لڑکی بٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں میں لڑکی دے دی تو حضرت خلیفہ اول نے اس کو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی' حالانکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا"۔

("انوار خلافت" - ص 94 ج)

مسلمانوں سے رشتہ و ناطہ جائز نہیں

○ "غیر احمدیوں کو لڑکی دینے سے بڑا نقصان پہنچتا ہے اور علاوہ اس کے وہ نکاح جائز ہی نہیں۔ لڑکیاں چونکہ طبعاً" کمزور ہوتی ہیں' اس لیے وہ جس گھر میں بیاہی جاتی ہیں' اس کے خیالات و اعتقادات کو اختیار کر لیتی ہیں اور اس اپنے دین کو تباہ کر لیتی ہیں"۔

("برکات خلافت" - ص 37 ج)

○ "حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے"۔

("برکات خلافت" ج - ص 75)

○ "جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے' وہ یقیناً مسیح موعود کو نہیں سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہے کہ احمدیت کیا چیز ہے۔ کیا کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بے دین ہے جو کسی ہندو یا عیسائی کو اپنی لڑکی دے۔ ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو مگر تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے۔ مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دیتے ہو"۔

("ملائکۃ اللہ" ج - ص 46)

مسلمانوں کی نماز جنازہ ناجائز

مرزا قادیان کا اپنے فوت شدہ بیٹے سے سلوک

○ خلیفہ قادیان اپنے باپ کے متعلق روایت کرتا ہے:

"آپ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا جو آپ کی زبانی طور پر تصدیق کرتا تھا۔ جب وہ مرا تو مجھے یاد ہے آپ ٹہلتے جاتے اور فرماتے کہ اس نے کبھی شرارت نہیں کی تھی بلکہ میرا فرمانبردار ہی رہا۔ ایک دفعہ میں بیمار ہوا اور شدت مرض میں مجھے غش آ گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے پاس کھڑا نہایت درد سے رو رہا ہے اور یہ بھی فرماتے کہ یہ میری بڑی عزت کرتا تھا' لیکن آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔ حالانکہ وہ اتنا فرمانبردار تھا کہ بعض احمدی بھی نہ ہوں گے۔ محمدی بیگم کے متعلق جب جھگڑا ہوا تو اس کی بیوی اور اس کے رشتہ دار بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حضرت صاحب نے ان کو فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ اس نے طلاق لکھ کر حضرت صاحب کو بھیج دی۔ باوجود اس کے جب وہ مرا تو آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا"۔

("انوار خلافت" ج - ص 91)

فرمانبردار بیٹے سے جس گروہ کے بانی کا یہ سلوک ہو' ایسے گروہ کی مسلمانوں سے

جیسی ہمدردی ہو سکتی ہے' اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی خلیفہ قادیان ازخود ایک سوال پیدا کر کے اس کا جواب دیتا ہے:

○ "غیر احمدی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکر ہوئے' اس لیے ان کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے لیکن اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے' وہ تو مسیح علیہ السلام کا مکفر نہیں۔ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا جاتا؟"

(حوالہ مذکور)

کسی مسلمان کا جنازہ مت پڑھو

○ "قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص' جو بظاہر اسلام لے آیا ہے لیکن یقینی طور پر اس کے دل کا کفر معلوم ہو گیا ہے' تو اس کا بھی جنازہ جائز نہیں۔ (نہ معلوم یہ حکم کہاں ہے) پھر غیر احمدی کا جنازہ کس طرح پڑھنا جائز ہو سکتا ہے"۔

("انوار خلافت" ج - ص 92)

شعائر اللہ کی ہتک

تیرہ سو سال گزر چکے مگر اس عرصہ میں شعائر اسلامی کی ہتک اور انتہائی توہین کی کوئی شخص جرأت نہیں کر سکا۔ مکہ و مدینہ کی فضیلت مسلمہ چیز ہے۔ قرآن پاک نے صاف الفاظ میں ان مقامات کی عزت و حرمت بیان فرمائی۔ مسلمانوں کی ان مقامات سے انتہائی محبت کا آج بھی یہ حال ہے کہ اطراف و اکناف عالم سے سینکڑوں نہیں' ہزاروں بلکہ لاکھوں فرزندان توحید شعائر اسلامی کی زیارت اور فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں' کیونکہ خداوند کریم نے حج کو ایک صاحب توفیق پر فرض' قرار دیا ہے

اور صاف ارشاد فرمایا ہے کہ حج میں بے شمار برکتیں ہیں مگر خلیفہ قادیان اپنے خیالات کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے:

"قادیان تمام بستیوں کی ام (ماں) ہے۔ پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا' وہ کاٹا جاوے گا۔ تم ڈرو کہ تم میں سے کوئی نہ کاٹا جائے' پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا۔ آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے۔ کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں؟"

("حقیقۃ الرؤیا" ج - ص 46)

سالانہ جلسہ دراصل قادیانیوں کا حج ہے

خلیفہ قادیان لکھتا ہے:

○ "ہمارا سالانہ جلسہ ایک قسم کا ظلی حج ہے"۔

("الفضل" یکم دسمبر 1932ء)

اب حج کا مقام صرف قادیان ہے

○ "ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ خدا تعالیٰ نے قادیان کو اس کام (حج) کے لیے مقرر کیا ہے"۔

(ملخص از "برکات خلافت" ج - ص 5)

● مسلمانوں سے انتہائی دشمنی کے ثبوت میں حسب ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنا

انتقام لینے کا زمانہ

○ "اب زمانہ بدل گیا ہے۔ دیکھو پہلے جو مسیح آیا تھا اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا مگر اب میں اس لیے آیا کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارے۔۔۔۔ حضرت مسیح موعود نے مجھے یوسف قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں مجھے یہ نام دینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہی کہ پہلے یوسف کی جو ہتک کی گئی ہے' اس کا میرے ذریعہ ازالہ کر دیا جائے۔ پس وہ تو ایسا یوسف تھا جسے بھائیوں نے گھر سے نکالا تھا مگر اس یوسف نے اپنے دشمن بھائیوں کو گھر سے نکال دیا' پس میرا مقابلہ آسان نہیں"۔

("عرفان الٰہی" ج۔ ص 94 و 95)

مخالفین کو سولی پر لٹکانا

○ "خدا تعالٰی نے آپ (مرزا غلام احمد) کا نام عیسیٰ رکھا ہے تاکہ آپ سے پہلے عیسیٰ کو تو یہودیوں نے سولی پر لٹکایا تھا مگر آپ زمانہ کے یہودی صفت لوگوں کو سولی پر لٹکائیں"۔

("تقدیر الٰہی" ج۔ ص 29)

اب جبکہ قادیانی آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیے جا چکے ہیں' لہٰذا اس بحث میں پڑنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ قادیانی کیونکر الگ امت ہیں؟ اس سلسلہ میں قادیانی جماعت کے رہنما مرزا بشیر الدین محمود کا اپنا بیان ہی کافی ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیونکر الگ امت ہیں۔

○ "یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم' قرآن' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے (یعنی مسلمانوں سے) اختلاف ہے"۔

(خطبہ جمعہ مرزا بشیر الدین محمود' اخبار "الفضل" 13 جولائی 1931ء)

کادیانیوں کے آرگن اخبار میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ مسلمانوں اور کادیانیوں کا اسلام الگ ہے۔

○ "اور یہ کہ حضرت خلیفہ اول نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے"۔

(اخبار "الفضل" 31 دسمبر 1914ء)

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے موقع پر کادیانی جماعت کے سربراہ نے جو موقف اختیار کیا' اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ قوم سمجھتے ہیں۔

○ "اگر خدانخواستہ ایسی صورت حال پیدا ہوگئی تو ہم مسلمانوں کے ساتھ ہوں گے۔ جو حال ان کا وہی ہمارا۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہم پر بہت مظالم ڈھائے ہیں' ہمیں ان سے نہیں ملنا چاہیے۔ میں ہمیشہ ان کو یہی جواب دیا کرتا ہوں کہ بتاؤ احمدیت میں کون زیادہ شامل ہوئے ہیں۔ حقیقت میں ہمیں قدرتی ترقی حاصل ہوئی ہے' وہ مسلمانوں میں ہی ہوئی ہے۔ میں نے بسا اوقات دیکھا ہے کہ جب کبھی بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئی ہے' تو وہ ہمارے ساتھ مل جاتے ہیں اور ان کی عداوت بالکل کالعدم ہو جاتی ہے' جس سے پتہ لگتا ہے کہ انہیں ضرور ہم سے کوئی حقیقی تعلق ہے"۔

(روزنامہ "الفضل" کادیان' 5 اپریل 1947ء)

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

● کادیانیوں کا امت مسلمہ سے کوئی تعلق نہیں' وہ اپنے مخصوص عقائد اور طرز عمل کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ امت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کادیانی مسئلہ پر وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں جس سے کادیانیوں

ی شرعی و قانونی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔

"قادیانی امت مسلمہ کا حصہ نہیں ہیں۔ اس بات کو خود ان کا اپنا طرز عمل خوب واضح کرتا ہے۔ ان کے نزدیک تمام مسلمان کافر ہیں۔ وہ ایک الگ امت ہیں۔ یہ تناقض ہے کہ انہوں نے امت مسلمہ کی جگہ لے لی ہے اور مسلمانوں کو اس امت سے خارج قرار دیا ہے۔ مسلمان انھیں امت مسلمہ سے خارج قرار دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس امت سے خارج سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں ایک ہی امت میں سے نہیں ہو سکتے۔ یہ سوال کہ امت مسلمہ کے افراد کون ہیں؟ برطانوی ہندوستان میں کسی ادارے کے موجود نہ ہونے کی بنا پر حل نہ ہو سکا۔ لیکن اسلامی ریاست میں اس موضوع کو طے کرنے کے لیے ادارے موجود ہیں اور اس لیے اب کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔ مقننہ اور وفاقی شرعی عدالت اسے طے کرنے کے لیے بااختیار ہیں۔

قادیانیوں اور مسلمانوں کے مابین یہ کشمکش اور قطعی علیحدگی خود مرزا صاحب اور ان کے جانشینوں کی تحریروں کا نتیجہ ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی کتاب "انوار خلافت" میں اس نکتے پر مفصل گفتگو کی ہے اور استدلال کو واضح کیا ہے کہ کیوں قادیانی غیر احمدی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے اور غیر احمدیوں کا جنازہ نہیں پڑھ سکتے اور اپنی لڑکیوں کا نکاح غیر احمدیوں سے نہیں کر سکتے۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک غیر احمدی کافر ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ "لکھنؤ میں ہم ایک آدمی سے ملے جو بڑا عالم ہے۔ اس نے شیخ یعقوب علی' جو ہمارے ہمراہ تھے' سے کہا کہ آپ کے دشمن یہ مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ آپ غیر احمدی لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ میں نہیں مان سکتا کہ آپ ایسا وسیع حوصلہ رکھنے والے ایسا کہتے ہوں۔ میں نے ان کو کہا' آپ کہہ دیں

کہ واقع میں ہم آپ لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ یہ سن کر وہ حیران سا رہ گیا"۔

پھر اس نے دین اور دنیا کا فرق کرتے ہوئے قادیانیوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ دینی امور میں الگ ہو جایا کریں"۔

("انوار خلافت" - صفحہ ۹۰ - ۹۱)

○ "آئینہ صداقت" میں مرزا بشیرالدین محمود' مرزا صاحب کی ایک مزعومہ وحی کا ذکر کرتا ہے کہ "جو شخص مسیح موعود کے ایک لفظ کو بھی جھوٹا خیال کرے گا' وہ خدا کے دربار میں مردود ٹھہرے گا"۔ پھر وہ احمدیوں پر زور دیتا ہے کہ "وہ اپنے امتیازی نشانات کو نہ چھوڑیں کہ وہ ایک سچے نبی کو مانتے ہیں اور ان کے مخالف اسے نہیں مانتے"۔ مرزا صاحب کے زمانے میں ایک تجویز پیش کی گئی کہ احمدی اور غیر احمدی دونوں مل کر (اسلام کی) تبلیغ کریں۔ لیکن مرزا صاحب نے پوچھا "تم کس اسلام کی تبلیغ کرو گے؟ کیا تم خدا کی نشانیوں اور نعمتوں کو چھپاؤ گے جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں؟"

قادیانیوں کے اس طرز عمل میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ یہ عالمی مظہر ہے کہ ایک دین کے ماننے والے کسی بھی دوسرے دین کے پیروؤں کو کافر' منکر یا اپنے دین کے دائرے سے خارج قرار دیتے ہیں۔ یہی بات یہودیوں' عیسائیوں' مجوسیوں' ہندوؤں اور دوسرے لوگوں کے ہاں بھی ہے۔ یہ امر نہ صرف مذہبی گروہوں کے ہاں درست ہے بلکہ لادینی نظریاتی گروہوں مثلاً کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کے ہاں بھی موجود ہے"۔

(قادیانیوں کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ - ص ۱۵۱)

(ترجمہ: محمد بشیر - مذہبی وسے پلا(؟)نگ' اسلام آباد)

● 1984ء میں جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے امتناع قادیانیت آرڈیننس کے

نفاذ کا اعلان کیا۔ قادیانیت کی محاسبہ تاریخ میں اس فیصلہ کو یادگار حیثیت حاصل رہے گی۔ اس موقع پر حکومت پاکستان کی جانب سے قادیانی فتنہ کے اسلام دشمن عقائد اور اس کی غدارانہ سرگرمیوں پر مبنی ایک مختصر مگر جامع کتابچہ شائع کیا گیا جس میں قادیانی جماعت کا کچھ حصہ کچھ اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔۔۔۔۔

"قادیانی گروہ' لاہوری گروہ اور احمدیوں کی مخالف اسلام سرگرمیوں (امتناع و سزا) آرڈیننس (1984ء) کے نفاذ سے قادیانی مسئلہ اپنے حتمی حل کے آخری مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو اب تقریباً ایک سو سال کا ہو چکا ہے۔ اس کی ابتداء ایک استعماری طاقت کی انگیخت پر ہوئی اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' یہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا چلا گیا۔ اس نے نہ صرف برصغیر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے درمیان تلخی اور تفرقہ پیدا کیا بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک کی مسلمان اقوام' خصوصاً افریقی مسلمان بھی اسی طرح کی تلخی اور تفرقہ کا شکار ہوئے۔

ختم نبوت (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں) کا تصور اسلام میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں "کوئی بھی مذہبی معاشرہ' جو اپنی اساس کے لیے ایک نئی نبوت کا متقاضی ہو اور تمام ایسے مسلمانوں کو' جو (اس نئی نبوت کے) الہامات کو ماننے سے انکار کریں' کافر قرار دے' اسے ہر مسلمان اسلام کے استحکام کے لیے ایک شدید خطرہ سمجھتا ہے۔۔۔۔ ایسا ہونا ضروری ہے کیونکہ مسلمان معاشرے کے استحکام کا تحفظ صرف ختم نبوت کے تصور ہی سے ہوتا ہے۔

بطور نبی مرزا غلام احمد کے ساتھ قادیانیوں کی ارادت انھیں دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ قادیانیوں نے خود اپنے آپ کو مسلم قومیت سے الگ کیا ہے۔ قادیانی لٹریچر میں متعدد اظہارات اس امر کے ملتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ایسے تمام لوگ' جو

مرزا غلام احمد کی نبوت پر صاد نہیں کرتے' انہیں مسلمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ مرزا غلام احمد خود اپنی تصنیف "حقیقت الوحی" میں صاف طور پر بیان کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے مخالفین ہر دو فریق بیک وقت مسلمان نہیں تسلیم کیے جا سکتے"۔

("حقیقت الوحی" مطبوعہ قادیان' 1907ء ص 163' 164' 179' 180 وغیرہ)

"اپنی ایک اور تصنیف "انجام آتھم" میں وہ اپنے مخالفین کو "اہل جہنم" قرار دیتے ہیں"۔

("انجام آتھم" مطبوعہ قادیان۔ 1922ء ص 62)

"مرزا غلام احمد کے جانشین' جن میں ان کے بیٹے خلیفہ دوم اور قادیانیوں کے مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمد بھی شامل ہیں' بعینہ ایسے ہی خیالات رکھتے ہیں' تاہم اس ضمن میں شدید ترین بیان' جس میں قادیانیوں اور مسلمانوں کے اختلافات کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے' مولوی محمد علی کا ہے' جو خود ایک قادیانی فاضل ہیں لیکن قادیانی تحریک کے نرم ترجمے کے بانی بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں "اسلام کے ساتھ احمدیہ تحریک کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا عیسائیت کا یہودیت سے تھا"۔

آنے والے صفحات میں اس تخریب کار تحریک کی ابتدائی تاریخ' اس کے بنیادی اصولوں کا تجزیہ اور استعماری طاقتوں کے ساتھ اس کے تعاون کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مزید برآں امت مسلمہ کے قادیانی تحریک کے متعلق خیالات اور اس کے قادیانیت کے خلاف ردعمل کی صدائے بازگشت بھی ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ قضیہ نہ صرف تکلیف دہ ہے بلکہ خطرناک نتائج سے پر بھی ہے۔ قادیانی تحریک اس بنا پر اور بھی تہلکہ خیز ہے کہ یہ اسلام کے حصار کے اندر سے غدارانہ طور پر حملہ کرنے کی خواہاں ہے۔ ہرچند کہ اس کا اپنا تشخص پاکستان کے مروجہ قانون اور

کادیانی امت کی از خود امت مسلمہ سے علیحدگی کی روشنی میں اسلام کے بالکل برعکس ہے۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس مرتد سلسلے کی ابتدا' اس کے مقصودات اور اس کی سرگرمیوں سے آگاہ ہونا چاہیے' پاکستان کی حکومت اور عوام کی طرف سے انھیں ملت اسلامیہ سے حتمی طور پر الگ تھلگ کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں' کیونکہ قادیانی ملت اسلامیہ کا حصہ نہیں ہیں"۔

("قادیانیت اسلام کے لیے سنگین خطرہ" ص 3 شائع کردہ مطبوعات حکومت پاکستان)

کادیانیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے متوازی دینی و معاشرتی ہر دو لحاظ سے اپنا الگ تشخص برقرار رکھا۔ اس کا ثبوت کادیانی جماعت کے سرکردہ رہنما اور پاکستان کے پہلے کادیانی وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خاں کے اس نامناسب طرز عمل سے ملتا ہے' جب چوہدری صاحب نے اپنے محسن قائد اعظم محمد علی جناح کی نماز جنازہ میں وہاں موجود ہوتے ہوئے شرکت نہ کی۔ جب ظفر اللہ خاں سے قائد اعظم کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے جواب دیا:

○ "آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھ لیں یا مسلمان حکومت کا کافر نوکر"۔

(اخبار "زمیندار" لاہور - 8 فروری 1950ء)

انہی دنوں قومی اخبارات میں یہ ناخوشگوار واقعہ جب منظر عام پر آیا تو کادیانی جماعت کی طرف سے یہ وضاحت کی گئی۔

○ "جناب چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے قائد اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ قائد اعظم احمدی نہ تھے لہٰذا جماعت احمدیہ کے کسی فرد کا ان کا جنازہ نہ پڑھنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں"۔

(ٹریکٹ نمبر 22 عنوان "احراری علماء کی راست گوئی")

(نظارت دعوت و تبلیغ صدر انجمن احمدیہ' ربوہ)

منیر انکوائری کمیشن کے سامنے قائد اعظم کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے بارے میں سر ظفر اللہ خان نے جو موقف اختیار کیا' وہ حسب ذیل ہے:

○ "نماز جنازہ کے امام مولانا شبیر احمد عثمانی احمدیوں کو کافر' مرتد اور واجب القتل قرار دے چکے تھے' اس لیے میں اس نماز جنازہ میں شریک ہونے کا فیصلہ نہ کر سکا' جس کی امامت مولانا کر رہے تھے"۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت' پنجاب - ص 212)

سر ظفر اللہ خان کے قائد اعظم کے جنازہ میں موجود ہوتے ہوئے ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنا بلاشبہ ان کی دینی تعلیمات اور ان کے مذہبی عقائد کی عکاسی کرتا ہے۔

قادیانی جماعت کا آرگن "الفضل" اپنے قادیانی رہنما کی مذموم حرکت پر ندامت یا معذرت کرنے کی بجائے کچھ یوں حاشیہ آرائی کرتا ہے۔

○ "کیا یہ حقیقت نہیں کہ ابو طالب بھی قائد اعظم کی طرح مسلمانوں کے بہت بڑے محسن تھے' مگر نہ مسلمانوں نے آپ کا جنازہ پڑھا اور نہ رسول خدا نے"۔

("الفضل" 28 اکتوبر 1952ء)

قادیانیوں کی ایسی وضاحتوں اور تاویلوں کے بعد یہ فیصلہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں کہ قادیانیوں کا مذہب اور ان کے عقائد و نظریات نہ صرف مسلمانوں کے مذہبی اعتقادات کے متوازی ہیں' بلکہ ان کے بالکل متضاد ہیں۔ قادیانی جماعت کے بانی' ان کے پیشواؤں اور رہنماؤں کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیانی الگ امت اور قوم ہیں۔

بحیثیت مسلمان قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز سب سے پہلے مفکر پاکستان علامہ اقبال نے پیش کی تھی۔ لیکن اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ

کادیانیوں نے اپنے آپ کو الگ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ پہلے خود کیا تھا۔ کادیانی رہنما مرزا بشیر الدین محمود کہتے ہیں:

○ "میں نے اپنے نمائندے کی معرفت ایک بڑے ذمہ دار انگریز افسر کو کہلوا بھیجا کہ پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح ہمارے حقوق بھی تسلیم کیے جائیں۔ جس پر اس افسر نے کہا: وہ تو اقلیت ہیں اور تم ایک مذہبی فرقہ ہو۔ اس پر میں نے کہا کہ پارسی اور عیسائی بھی تو مذہبی فرقہ ہیں' جس طرح ان کے حقوق علیحدہ تسلیم کیے گئے ہیں' اسی طرح ہمارے بھی کیے جائیں۔ تم ایک پارسی پیش کرو' اس کے مقابلہ میں دو دو احمدی پیش کرتا جاؤں گا"۔

(مرزا بشیر الدین محمود' "الفضل" 13 نومبر 1946ء)

کادیانی رہنما مرزا بشیر الدین محمود کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دائرہ سے نکل کر ایک الگ مذہب کے داعی ہیں۔ پارسی یا عیسائی مذہبی فرقہ نہیں' بلکہ وہ الگ الگ مذہب کے پیروکار ہیں۔ مذکورہ بالا مطالبہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کادیانیوں کے حقوق کے حصول کا مطالبہ مذہبی نوعیت کا نہیں' بلکہ اپنے پس منظر میں سیاسی محرکات کا حامل ہے۔ انہی حقائق کی روشنی میں ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کادیانی جماعت مذہبی نہیں بلکہ خالصتاً" سیاسی جماعت' خطرناک سیاسی تنظیم' سازشی گروہ اور سامراجی اغراض و مقاصد اور ان کے مکروہ عزائم کا سیاسی جیتھہ ہے۔

○ مرزائی صاحبان کی جماعت لاہور کے امیر محمد علی لاہوری نے اس بات کا اعتراف کیا ہے:

○ "The Ahmadiyya movement stands in the same relation to Islam in which christianity stood to Judaism."

"احمدیت کی تحریک اسلام کے ساتھ وہی نسبت رکھتی ہے جو عیسائیت

کو یہودیت کے ساتھ تھی"۔

(ریویو آف ریلیجنز' انگریزی 1906ء)

● اسلام کے متوازی الگ مذہب اور الگ قوم کی حیثیت سے جناب مرتضیٰ اور میکش نے مرزائیت کا خلاصہ حسب ذیل نکات میں بیان کیا ہے۔

" (1) مرزائی مسلمانوں سے الگ ایک اور قوم ہیں' جس کا بنیادی اعتقادی نقطہ مرزا غلام احمد کادیانی کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا ہے' لیکن یہ قوم دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لیے بوقت ضرورت اپنے آپ کو مسلمانوں ہی کے متعدد فرقوں میں کا ایک فرقہ ظاہر کرنے لگتی ہے' جو فروعی اختلافات یا بزرگان دین سے نسبتی امتیاز ظاہر کرنے کے باعث بن چکے ہیں۔

(2) دین مرزائیت کے پیرو مسلمانوں کی دینی اور ملی اصطلاحات' ان کے صحیح محل کے علاوہ اپنے اکابر کے لیے بالاصرار استعمال کر کے دین اسلام اور عامۃ المسلمین کی غیرت کا استہزاء کرتے ہیں اور اس طرح مسلسل اشتعال انگیزی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ مرزا غلام احمد کے لیے "صلوٰۃ و سلام" مرزا کے ساتھیوں کو "صحابہ کرام" کا لقب دے کر ان کے لیے "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کی دعا کا استعمال' مرزا کی بیویوں کے لیے "امہات المومنین" کا لقب' مرزا کی بیٹی کے لیے "سیدۃ النساء" کا لقب' اپنے پیشوا کے لیے "امیر المومنین" کا لقب اور مرزائیوں کے متوازی نظام حکومت کے لیے "خلافت" کی اصطلاح بلا تکلف استعمال کر رہے ہیں۔ ان کی یہ حرکتیں پاکستان کی مسلمان اکثریت کے لیے ناقابل برداشت ہیں اور ان کے استعمال پر مرزائیوں کا اصرار ایک قسم کی شرارت ہے جو فساد انگیزی کی نیت سے مسلسل کی جا رہی ہے۔

(3) پاکستان کی اسلامی مملکت کے متعلق مرزائیوں کی ذہنیت

مشوش ہے۔ وہ اکھنڈ ہندوستان کو "احمدیت" کے فروغ کے لیے خدا کی دی ہوئی وسیع بیس سمجھنے پر مجبور ہیں اور پاکستان کی حمایت محض منافقت کے انداز میں کر رہے ہیں۔ قادیان حاصل کرنے کی خاطر وہ بھارت کی حکومت سے ہر قسم کا سودا کرنے کے لیے تیار ہیں' اور اس مقصد کی خاطر پاکستان کے ہر مفاد کو بلکہ خود پاکستان کو بھی قربان کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔

(4) "مرزائیت" کے دینی اور دنیوی مقاصد حاصل کرنے کے لیے انہوں نے ایسی تنظیم استوار کر رکھی ہے' جو صریح طور پر پاکستان کے نظام حکومت کے مقابلے میں مرزائیوں کا متوازی نظام حکومت بن چکی ہے۔

(5) پاکستانی سرکار کے مرزائی ملازم اپنے آپ کو پاکستان کے نظام حکومت کا تابع فرمان نہیں سمجھتے بلکہ اپنے "امیر المومنین" کی حکومت کا تابع خیال کرتے ہیں۔ ان کی یہ ذہنیت پاکستان کے تحفظ کے لیے بدرجہ غایت خطرناک ہے"۔

("پاکستان میں مرزائیت"، ص 50-51 از مرتضیٰ احمد میکش)

● جناب الیاس برنی کی تصنیف کردہ کتاب "قادیانیت کا علمی محاسبہ" تردید مرزائیت کی تاریخ میں انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں قادیانی کتب' رسائل و جرائد اور رہنماؤں کے بیانات سے ثابت کیا گیا ہے کہ قادیانیت اسلام کے اور قادیانی مسلمانوں کے بمقابل الگ مذہب اور امت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

1- مسلمانوں سے اختلاف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم' قرآن' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' غرض کہ آپ نے تفصیل

سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے"۔

(خطبہ جمعہ، میاں محمود احمد صاحب، خلیفہ قادیان، مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان، جلد ۱۹، نمبر 13 مورخہ 30 جولائی 1931ء)

2- کون سا اسلام

"تم اپنے امتیازی نشانوں کو کیوں چھوڑتے ہو؟ تم ایک برگزیدہ نبی (مرزا صاحب) کو مانتے ہو اور تمہارے مخالف اس کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت (مرزا صاحب کے زمانہ میں ایک تجویز ہوئی کہ احمدی غیر احمدی مل کر تبلیغ کریں، مگر حضرت (مرزا صاحب) نے فرمایا کہ تم کون سا اسلام پیش کرو گے، جو تمہیں خدا نے نشان دیے، جو انعام تم پر کیا، وہ چھپاؤ گے"۔

(تقریر میاں محمود احمد، مندرجہ اخبار "بدر" مورخہ 19 جنوری 1911ء "آئینہ صداقت" ص 53 مصنفہ میاں صاحب موصوف)

3- قادیانی اسلام

"عبداللہ کو نیلم نے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ایک مشن قائم کیا۔ بہت سے لوگ مسلمان ہوئے مسٹر ویب نے امریکہ میں ایسی اشاعت شروع کی، مگر آپ نے (مرزا صاحب) مطلق ان کو ایک پائی کی مدد نہ کی، اس کی وجہ یہ کہ جس اسلام میں آپ پر ایمان لانے کی شرط نہ ہو اور آپ کے سلسلہ کا ذکر نہیں کیا، اسے آپ اسلام ہی نہیں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خلیفہ اول نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہمارا (قادیانیوں کا) اسلام اور ہے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان، جلد 3، نمبر 85 مورخہ 31 دسمبر 1914ء)

4- احمدیت

"کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کام صرف اشاعت اسلام تھا اور اس کے لیے لوگوں کو تیار کرتا تھا اور یہی احمدیت ہے۔ اگر یہی احمدیت تھی تو اور لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں اشاعت اسلام کے لیے اٹھے تھے' ان کے لیے حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو خوشی کا اظہار کرنا چاہیے تھا اور...... آپ ان کی انجمنوں میں شریک ہوتے' انہیں چندہ دیتے' مگر آپ نے (مرزا صاحب نے) کبھی اس طرح نہیں کیا"۔

(خطبہ سید سرور شاہ صاحب قادیانی' مندرجہ "الفضل" قادیان' جلد 2 نمبر 28 جنوری 1915ء)

5- میری تبلیغ

"ہندوستان سے باہر ہر ایک ملک میں ہم اپنے واعظ بھیجیں' مگر میں اس بات کے کہنے سے نہیں ڈرتا کہ اس تبلیغ سے ہماری غرض سلسلہ احمدیہ کی صورت میں اسلام کی تبلیغ ہو۔ میرا یہی مذہب ہے اور حضرت مسیح کے پاس زندہ رہ کر اندر باہر ان سے بھی یہی سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اسلام کی تبلیغ یہی میری تبلیغ ہے۔ پس اس اسلام کی تبلیغ کرو جو مسیح موعود لایا"۔

("منصب خلافت" تقریر میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان 2)

6- مردہ اسلام

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا صاحب) کی زندگی میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تجویز پر 1905ء میں ایڈیٹر صاحب "اخبار وطن" نے ایک فنڈ اس غرض سے شروع کیا تھا کہ اس سے (رسالہ) "ریویو آف ریلیجنز" (قادیان) کی کاپیاں بیرونی ممالک میں بھیجی جائیں۔ بشرطیکہ اس میں حضرت مسیح موعود کا نام نہ ہو' مگر حضرت اقدس نے (مرزا صاحب) اس تجویز کو اس بناء پر رد

کر دیا تھا کو چھوڑ کر کیا مردہ اسلام پیش کرو گے۔ اس پر ایڈیٹر صاحب "وطن" نے اس چندہ کے بند کرنے کا اعلان کر دیا"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 16' نمبر 32' مورخہ 19 اکتوبر 1928ء)

7- اسلام کی آواز

"جب کوئی مصلح آیا تو اس کے ماننے والوں کو نہ ماننے والوں سے علیحدہ ہونا پڑا۔ اگر تمام انبیاء سابق کا یہ فعل قابل ملامت نہیں اور ہرگز نہیں تو مرزا غلام احمد کو الزام دینے والے انصاف کریں کہ اس مقدس ذات پر الزام کس لیے؟ پس جس طرح حضرت موسیٰ کے وقت میں موسیٰ کی آواز اسلام کی آواز تھی اور حضرت عیسیٰ کے وقت میں عیسیٰ کی اور سیدنا و مولانا حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اسلام کا صور تھا' اسی طرح آج قادیان سے بلند ہونے والی آواز اسلام کی آواز ہے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 7' نمبر 90' مورخہ 27 مئی 1920ء)

8- مرزا ساحر

"ساحروں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انسانوں کو بندر بنا دیتے ہیں' لیکن حضرت مرزا صاحب ایسے ساحر تھے کہ ان لوگوں کو' جو یہودی صفت ہو کر بندروں سے مشابہ ہو چکے تھے' انسان بنا دیتے تھے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 47' مورخہ 18 ستمبر 1919ء)

9- ایک فرقہ

"براہین احمدیہ" حصہ پنجم' ص 82 میں آپ (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"ان ہی دنوں میں سے ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جائے گی اور خدا اپنے منہ سے اس فرقہ کی حمایت کے لیے ایک قرنا بجائے گا اور اس قرنا کی آواز پر ہر ایک سعید اس فرقہ کی طرف کھینچ آئے گا۔ بجز ان لوگوں کے جو شقی ازلی ہیں' جو دوزخ کے بھرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں:

خدا نے یہ ہی ارادہ کیا ہے کہ جو مسلمان مجھ سے الگ رہے گا' وہ کاٹا جائے گا"۔

پھر ایک حضرت مسیح موعود کا الہام ہے' جو آپ نے اشتہار "معیار الاخیار" مورخہ 25 مئی 1900ء' صفحہ 8 پر درج کیا ہے اور وہ یہ ہے:

"جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا' وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے"۔

"اختصار کے طور پر اتنے حوالے دیے جاتے ہیں ورنہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے بیسیوں جگہ اس مضمون کو ادا کیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول (حکیم نور الدین صاحب) کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ چنانچہ جب ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت مرزا صاحب کے ماننے کے بغیر نجات ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

"اگر خدا کا کلام سچ ہے تو مرزا صاحب کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی"۔

(دیکھو اخبار "بدر" نمبر 2' جلد 12' مورخہ 11 جولائی 1912ء)

اب جبکہ یہ مسئلہ بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی تو کیوں خواہ مخواہ غیر احمدیوں کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

("کلمۃ الفصل" مصنف صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' (ریویو آف ریلیجنز) ص 129' نمبر 3' جلد 14)

10- غیروں سے الگ

"کیا مسیح ناصری نے اپنے پیروؤں کو یہود سے الگ نہیں کیا؟ کیا وہ انبیاء جن کی سوانح کا علم ہم تک پہنچا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ جماعتیں بھی نظر آتی ہیں' انہوں نے اپنی ان جماعتوں کو غیروں سے الگ نہیں کر دیا؟ ہر ایک شخص کو ماننا پڑے گا۔ بیشک کیا ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب بھی جو کہ نبی اور رسول ہیں' اپنی جماعت کو منہاج نبوت کے مطابق غیروں سے الگ کر دیا تو نئی اور انوکھی بات کون سی کی؟"

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 5' نمبر 69/70' مورخہ 26 جنوری' 2 مارچ 1918ء)

11- حضرت مسیح موعود کو مسلمان کہنا مسلمان بننے کیلئے کافی نہیں

(عنوان مندرجہ اخبار "الفضل" مورخہ 21 دسمبر 1918ء)

"آپ کے (مرزا صاحب) مبعوث کیے جانے کی غرض یہ نہ تھی کہ لوگ آپ کو مسلمان سمجھ لیں' اور بس۔ بلکہ یہ تھی کہ آپ کو قبول کریں اور آپ مسلمان را مسلمان باز کردند کے مطابق مسلمان کہلانے والوں کو سچے اور حقیقی مسلمان بنائیں۔ پس حضرت مرزا صاحب نے یہ کبھی نہیں کہا کہ جو مجھے مسلمان کہہ لے' وہ پکا مسلمان ہو جاتا ہے' بلکہ یہی کہا کہ جو مجھے مانے گا اور قبول کرے گا' وہی مسلمان ہوگا۔"

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 6' نمبر 46' مورخہ 21 دسمبر 1918ء)

مسلمان

12- مسلمان مسلمان نہیں

"چہ دور خسروی آغاز کردند
مسلمان را مسلمان باز کردند

اس الہامی شعر میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ کفر و اسلام کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں خدا نے غیراحمدیوں کو بھی مسلمان کہا ہے اور پھر ان کے اسلام کا انکار بھی کیا ہے۔ مسلمان تو اس لیے کہا ہے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور جب تک یہ لفظ استعمال نہ کیا جاوے' لوگوں کو پتہ نہیں چلتا کہ کون مراد ہے۔ مگر ان کے اسلام کا اس لیے انکار کیا گیا ہے کہ وہ اب خدا کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں' بلکہ ضرورت ہے کہ ان کو پھر نئے سرے سے مسلمان کیا جاوے"۔

("کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 143' نمبر 2' جلد 14)

13- مسلمان کا لفظ

"اس جگہ ایک اور شبہ بھی پڑتا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) اپنے منکروں کو حسب حکم الٰہی اسلام سے خارج سمجھتے تھے تو آپ نے ان کے لیے اپنی بعض آخری کتابوں میں مسلمان کا لفظ کیوں استعمال فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ --- کیا قرآن شریف میں عیسیٰ کی طرف منسوب ہونے والی قوم کو نصاریٰ کے نام سے یاد نہیں کیا گیا۔ ضرور کیا گیا اور بہت دفعہ کیا گیا مگر وہاں معترض نے اعتراض نہ کیا کہ جب وہ عیسیٰ کی تعلیم سے دور جا پڑے ہیں تو ان کو نصاریٰ کیوں کہا جاتا ہے؟ پھر اب یہاں اعتراض کیسا؟ اصل میں بات یہ ہے کہ عرف عام کی وجہ سے ایک نام کو اختیار کرنا پڑتا ہے' لیکن اس کا مطلب نہیں ہوتا کہ وہ چیز اسم بامسمیٰ ہو گئی۔ مثلاً دیکھو اگر ایک شخص سراج دین مسلمان سے عیسائی ہو جاوے تو اسے پھر سراج دین ہی کہیں گے' حالانکہ عیسائی ہو جانے کی وجہ سے وہ اب سراج دین نہیں رہا بلکہ کچھ اور بن گیا۔ لیکن عرف عام کی وجہ سے اسے اس نام سے پکارا جاوے گا' معلوم ہوتا ہے حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو بھی بعض وقت

اس بات کا خیال آیا کہ کہیں میری تحریروں میں غیر احمدیوں کے متعلق مسلمان کا لفظ دیکھ کر دھوکا نہ کھائیں' اس لیے آپ نے کہیں کہیں بطور ازالہ کے غیر احمدیوں کے متعلق ایسے الفاظ بھی لکھ دیے ہیں کہ "وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں" تا جہاں کہیں بھی مسلمان کا لفظ ہو' اس سے مدعی اسلام سمجھا جاوے نہ کہ حقیقی مسلمان ——— پس یہ ایک یقینی بات ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے جہاں کہیں بھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہہ کر پکارا ہے' وہاں صرف یہ مطلب ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں' ورنہ آپ حسب حکم الٰہی اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھتے تھے"۔

("کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 126 نمبر 3' جلد 14)

"یاد رکھنا چاہیے کہ ہم جہاں غیر احمدیوں کے لیے مسلمان کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد حسب پیش گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی ورکی ہوتی ہے' کیونکہ آخر وہ نہ تو ہندو ہیں نہ عیسائی' بدھ کلمہ پڑھتے ہیں اور قرآن شریف پر عمل کے مدعی ضرور ہے کہ ہم انھیں اسی نام سے پکاریں' جس کا وہ اپنے آپ کو مستحق سمجھتے ہیں۔ یہودیوں کے لیے **الذین هادوا** قرآن مجید میں آتا ہے اور عیسائی کے لیے نصاریٰ اور بعض اوقات عیسائی اور موسائی بھی کہہ لیا جاتا ہے' حالانکہ وہ نہ ہدایت یافتہ نہ حضرت عیسیٰ و موسیٰ کے متبعین۔ پس مسلمان کا لفظ بہ لحاظ قوم ہے اور شرعی فتوے' جو کسی نبی کے انکار سے لازم آتا ہے' وہ اور بات ہے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 12' نمبر 25' مورخہ 11 اکتوبر 1975ء)

14- سلام مسنون

"لیکن ہم پوچھتے ہیں' اگر سلام مسنون نہ کہنے سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مخاطب کرنے والے کے نزدیک **مخاطبین** مسلمان نہ تھے' بلکہ کافر تھے تو کیا اسی قسم کی مثال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش کی جائے تو پیغام اور اس کا امیر (مولوی

محمد علی صاحب قادیانی لاہوری) تسلیم کر لیں گے کہ مسیح موعود بھی ان لوگوں کو' جنہیں آپ نے بغیر سلام مسنون مخاطب کیا' مسلمان نہ سمجھتے تھے بلکہ کافر قرار دیتے تھے۔ دیکھئے حضرت مسیح موعود نے "آئینہ کمالات اسلام" میں ایک مکتوب بزبان عربی لکھا ہے۔ یہ عربی خط ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف ہی نہیں لکھا گیا' بلکہ اس کے مخاطب مشائخ ہند اور زہاد اور صوفیاء مصر و شام وغیرہ اسلامی ممالک بھی ہیں' مگر جب ہم خط کو دیکھتے ہیں تو وہ بغیر سلام مسنون بسم اللہ کے بعد اس طرح شروع ہوتا ہے۔

الی مشایخ الہند و متصوفۃ افغانستان و مصر و غیرھا من الممالک اما بعد فاعلموا ایھا الفقراء والمزھا' و مشائخ الھند و غیرھا من البلاد الذین و حقوا فی البدعا و الفساد

اور دیکھئے 1902ء میں جب علماء ندوہ کا جلسہ امرتسر میں ہوا تو اس وقت حضرت مسیح موعود کے متعلق ایک اشتہار شائع ہوا' جس کے جواب میں آپ نے (مرزا صاحب) ایک ہی دن میں "دعوۃ الندوہ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا' جس میں بغیر سلام مسنون کے "التبلیغ" کے عنوان سے علمائے ندوہ کو یوں مخاطب فرمایا: "**یا اھل دار الندوہ تعالوا الی کلمتہ سواء بینو بیکمراد ، تحکم الا القرآن**" پس اگر حضرت خلیفہ ثانی (میاں محمود احمد صاحب) کے سلام مسنون نہ لکھنے کا مطلب ہے کہ آپ نے اس مجمع کو مسلمانوں کا مجمع نہ سمجھا تو حضرت مسیح موعود نے' جو عام مسلمانوں کے مجمعوں کو نہیں' بلکہ علماء اور فضلاء کے مجمعوں کو بغیر سلام مسنون مخاطب فرمایا ہے' اس سے بہ درجہ اولیٰ ثابت ہوا کہ آپ بھی ان کو مسلمان نہ سمجھتے تھے' بلکہ کافر قرار دیں۔ ان کو کافر سمجھنا ہر ایک شخص کا فرض ہے' جو آپ کو راستباز اور خدا کا برگزیدہ سمجھتا ہو"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 8 نمبر 5 مورخہ 22 جولائی 1920ء)

15- زبانی دعویٰ

"لہذا یقینی اور قطعی طور پر یقینی ہے کہ اگر اس زمانہ کے یہودی صفت مسلمان نبی کریم کے وقت میں پیدا کیے جاتے تو آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے' جو انہوں نے اس زمانہ کے رسول (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) کے ساتھ کیا اور اگر وہ موسیٰ اور عیسیٰ کا زمانہ پاتے تو ان کا بھی اسی طرح انکار کرتے کیونکہ مسیح موعود (مرزا صاحب) اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے اور وہ آنکھ' جو اس نور کو نہیں دیکھ سکتی' وہ اندھی ہے' کسی اور نور کو بھی نہیں دیکھ سکتی۔ حضرت مسیح موعود نے بھی اس اصل کو بیان فرمایا ہے' جیسا کہ آپ مخالفوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسا شخص اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتا تو آپ کو بھی نہ مانتا اور اگر حضرت عیسیٰ کے زمانے میں ہوتا تو ان کو قبول نہ کرتا۔ پس مخالفین کا یہ دعویٰ کہ ہم مسلمان ہیں' ایک زبانی دعویٰ ہے"۔

("کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 103' نمبر 3' جلد 14)

16- خبیث عقیدہ

"حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) کی اس تحریر سے بہت سی باتیں حل ہو جاتی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت صاحب کو اللہ نے الہام کے ذریعہ اطلاع دی کہ تیرا انکار کرنے والا مسلمان نہیں اور نہ صرف یہ اطلاع دی بلکہ حکم دیا کہ تو اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھ! دوسرے یہ کہ حضرت صاحب نے عبدالحکیم خاں کو جماعت سے اس واسطے خارج کیا کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا تھا۔ تیسرے یہ کہ مسیح موعود کے منکروں کو مسلمان کہنے کا عقیدہ ایک خبیث عقیدہ ہے۔ چوتھے یہ کہ جو ایسا عقیدہ رکھے' اس کے لیے رحمت الٰہی کا دروازہ بند ہے۔ پانچویں یہ کہ جو شخص مسیح موعود کی دعوت کو رد کرتا ہے' وہ قرآن شریف کی نصوص صریحہ کو چھوڑتا

ہے اور خدا کے کھلے نشانات سے منہ پھیرتا ہے۔ چھٹے یہ کہ جو مسیح موعود کے منکروں کو راستباز قرار دیتا ہی' اس کا دل شیطان کے پنجے میں گرفتار ہے"۔

(کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 125' نمبر3' جلد 14)

17- دجالی طلسم

"اس تحریر سے ہم کو اتنی باتوں کا پتہ لگتا ہے۔ اول یہ کہ حضرت مولوی صاحب (یعنی حکیم نور الدین صاحب خلیفہ اول) کا یہ عقیدہ تھا کہ مسلمان کہلانے کے لیے ایمان بالرسل ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ رسل کے مفہوم میں سارے رسول شامل ہیں۔ خواہ کوئی رسول نبی کریم صلعم سے پہلے آئے یا بعد میں۔ ہندوستان میں یا کسی اور ملک میں۔ تیسرے یہ کہ حضرت مسیح موعود بھی اللہ تعالیٰ کے ایک رسول تھے اور ایمان بالرسل میں آپ پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔ چوتھے یہ کہ جو مسیح موعود کو نہیں مانتا' وہ اللہ کے رسولوں میں تفرقہ کرتا ہے' اس لیے وہ کافر ہے۔ اب کہاں وہ لوگ' جو کہتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھا کرتے تھے۔ وہ دیکھیں کہ مذکورہ بالا تحریر ان کے سارے دجالی طلسم کو پاش پاش کر دیتی ہے"۔

(کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 122' نمبر3' جلد 14)

18- فیصلہ

"اب مسیح موعود کے اس فیصلہ کے بعد ہم کسی ایسے شخص کی بات کو پرِ پشہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے' جو احمدی کہلا کر غیر احمدیوں کو مسلمان جانتا ہے۔ ہم مجبور ہیں۔ ہم نے مسیح موعود کو مصلحت وقت کے لیے نہیں' بلکہ خدا کی طرف سے اسے داتی حکم سمجھ کر مانا ہے اور اس کی ہر بات کو سچا پایا ہے' پس جب مسیح موعود (یعنی

مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) کہتا ہے کہ اس کے منکروں کو خدا مسلمان نہیں جانتا تو ہم کون ہیں کہ اس بات کا انکار کریں"۔

(کلمۃ الفصل" مصنف صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 132' نمبر 3' جلد 3)

تکفیر

19- تکفیر کی توسیع

"ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔ ہاں ضال اور جادۂ صواب سے منحرف ضرور ہو گا اور میں اس کا نام بے ایمان نہیں رکھتا"۔ (متن کتاب)

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے سے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے' جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدید لاتے ہیں' لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں' ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن سکتا"۔

((حاشیہ) "تریاق القلوب" ص 130' متن و حاشیہ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

"دیکھو جس طرح جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کو ماننے کا دعویٰ کر کے ان کے احکام کی تفصیلات مثلاً نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' تقویٰ' شہادت کو بجا نہ لائے اور ان احکام کو' جو تزکیہ نفس' ترک شر اور حصول خیر کے متعلق نافذ ہوئے ہیں' چھوڑ دے' وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اس پر ایمان کے زیور سے آراستہ ہونے کا اطلاق نہیں آ سکتا۔ اسی طرح سے جو شخص مسیح موعود کو نہیں مانتا یا ماننے کی ضرورت نہیں سمجھتا' وہ بھی حقیقت اسلام اور غایت نبوت اور غرض رسالت سے بے خبر محض ہے اور وہ اس بات کا حقدار نہیں ہے کہ اس کو سچا

مسلمان' خدا اور اس کے رسول کا سچا تابعدار اور فرمانبردار کہہ سکیں کیونکہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے قرآن شریف میں اور احکام دیے ہیں' اسی طرح سے آخری زمانہ میں ایک آخری خلیفہ کے آنے کی پیشگوئی بڑے زور سے بیان فرمائی ہے اور اس کے نہ ماننے والوں اور اس سے انحراف کرنے والوں کا نام فاسق رکھا ہے"۔

(حجتہ اللہ تقریر لاہور' از مرزا غلام احمد قادیانی صاحب' منقول از "النبوۃ فی الاسلام" ص 214' مولوی محمد علی صاحب' امیر جماعت لاہور)

"میں خدا کا ظلی اور بروزی طور پر نبی ہوں اور ہر ایک مسلمان کو دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے اور مسیح موعود ماننا واجب ہے اور ہر ایک' جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے' گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھہراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے' وہ آسمان پر قابل مواخذہ ہے' کیونکہ جس امر کو اس نے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا' اس کو رد کر دیا"۔

("تحفۃ الندوہ" ص 4' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

"علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا' وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا' کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیش گوئی موجود ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ آخری زمانے میں میری امت میں سے ہی مسیح موعود آئے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی تھی کہ میں معراج کی رات میں مسیح ابن مریم کو نبیوں میں دیکھ آیا ہوں' جو اس دنیا سے گزر گئے ہیں اور یحییٰ شہید کے پاس دوسرے آسمان میں ان کو دیکھا ہے۔

اور خدا نے میری سچائی کی گواہی کے لیے تین لاکھ سے زیادہ آسمانی نشان ظاہر کیے اور آسمان پر خسوف و کسوف رمضان میں ہوا۔ اب جو شخص خدا اور رسول کے احکام کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدا تعالیٰ کے نشانوں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے تو وہ مومن کیونکر ہو سکتا

ہے اور اگر وہ مومن ہے تو بوجہ افترا کرنے کے کافر ٹھہرا' کیونکہ میں ان کی نظر میں مفتری ہوں"۔

("حقیقۃ الوحی" ص 179' مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

"کفر دو طرح پر ہے: ایک کفر یہ کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتا' دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے' جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے' کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں"۔

("حقیقۃ الوحی" ص 179' مصنف مرزا قادیانی صاحب)

"خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص' جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے' وہ مسلمان نہیں ہے"۔

(ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب' مندرجہ رسالہ "الذکر الحکیم صاحب" منقول از اخبار "الفضل" مورخہ 15 جنوری 1935ء)

"جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہو گا اور تیرا مخالف رہے گا' وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے"۔

(الہام مرزا غلام احمد قادیانی صاحب' اشتہار "معیار الاخیار" مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد نہم' ص 27' مجموعہ اشتہارات مرزا صاحب)

"آپ نے (مسیح موعود) اس شخص کو بھی' جو آپ کو سچا جانتا ہے' مگر مزید اطمینان کے لیے اس بیعت میں توقف کرتا ہے' کافر ٹھہرایا ہے' بلکہ اس کو بھی جو آپ کو دل میں سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا' لیکن ابھی بیعت میں اسے کچھ توقف ہے' کافر ٹھہرایا ہے"۔

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان' مندرجہ "تشحیذ الاذہان" جلد 6' نمبر 4' 10 اپریل 1911ء
منقول از "عقائد احمدیہ" ص 108' مولفہ سید مدثر شاہ صاحب قادیانی لاہوری)

"کل جو مسلمان حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے' خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا' وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں"۔

("آئینہ صداقت" ص 35' مصنفہ میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان)

"یہ بات تو بالکل غلط ہے کہ ہمارے اور غیر احمدیوں کے درمیان کوئی فروعی اختلافات ہے ۔۔۔ کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے۔ ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ بتاؤ یہ اختلاف فروعی کیونکر ہوا؟ قرآن مجید میں تو لکھا ہے **لا نفرق بین احد من رسولہ** لیکن حضرت مسیح موعود کے انکار میں تو تفرقہ ہوتا ہے"۔

(تیح المطلے مجموعہ فتاویٰ احمدیہ' ص 274' مولفہ محمد افضل خان صاحب قادیانی)

"ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا' یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا' وہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے"۔

("کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 50 نمبر 3 جلد 14)

20- اصول تکفیر

"ایک دن نماز عصر کے بعد خود جناب خلیفہ (میاں محمود احمد) صاحب سے اس بارہ میں میری گفتگو ہوئی کہ وہ غیر احمدیوں کی کیوں تکفیر کرتے ہیں؟ اس گفتگو کا خلاصہ میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

خاکسار: کیا یہ صحیح ہے کہ آپ غیر احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں؟

خلیفہ صاحب: ہاں یہ درست ہے۔

خاکسار: اس تکفیر کی بنا کیا ہے؟ کیا وہ کلمہ گو نہیں ہیں؟

خلیفہ صاحب: بیشک وہ کلمہ گو ہیں، لیکن ہمارا اور ان کا اختلاف فروعی نہیں، اصولی ہے۔ مسلم کے لیے توحید پر، تمام انبیاء پر، ملائکہ پر، کتب آسمانی پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو ان میں سے ایک بھی نبی کا منکر ہو جائے، وہ کافر ہو جاتا ہے، جیسا کہ عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام تک تمام انبیاء کو مانتے ہیں، لیکن صرف رسول اکرمؐ کی رسالت کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے مطابق غیر احمدی مرزا صاحب کی نبوت سے منکر ہو کر کفار میں شامل ہیں۔ اللہ کی طرف سے ایک مامور آیا، جس کو ہم نے مان لیا اور انہوں نے نہ مانا"۔

(مضمون عبدالقادر صاحب، متعلم جامعہ علیہ، مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان، جلد 10، نمبر 99، مورخہ 21 جون 1923ء)

21- جزو ایمان

"ہمارے نزدیک مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا جزو ایمان ہے، کیونکہ آپ کے انکار کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار مستلزم ہے، چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا، وہ خدا اور رسول اکرم کو بھی نہیں مانتا"۔

("حقیقۃ الوحی" ص 163)

مسیح موعود کے انکار سے خدا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار لازم ہے تو **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میں خود مسیح موعود کا اقرار آ جاتا ہے، اس لیے جو شخص مسیح موعود علیہ السلام کا منکر ہو کر منہ سے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کہتا رہے، وہ اسی طرح مسلمان نہیں ہو سکتا، جس طرح کوئی شخص کلمہ طیبہ کا اقرار کرتا رہے، مگر ساتھ ہی گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے بعض یا تمام دیگر ایمانیات کا منکر رہے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' مورخہ 29 جون 1936ء' نمبر 313' جلد 13)

22- کیوں کافر

"اس کی وجہ کہ غیر احمدی کیوں کافر ہیں' قرآن کریم نے بیان کی ہے۔ وہ اصل جو قرآن کریم نے بتایا ہے' اس سب کا انکار یا اس کے کسی ایک حصہ کے نہ ماننے سے کافر ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا انکار کفر ہے۔ کتب الٰہی کا انکار کفر ہے' ملائکہ کے انکار سے انسان کافر ہو جاتا ہے' وغیرہ۔ ہم چونکہ حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور غیر احمدی آپ کو نہیں مانتا' اس لیے قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق کہ کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے' غیر احمدی کافر ہیں"۔

(میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان کا بیان بر اجلاس سب جج عدالت گورداسپور' مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' مورخہ 29 / 26 جون 1922ء' جلد 9' نمبر 29/31)

23- دو بڑے کافر

"اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالٰی نے اپنے کلام میں دو شخصوں کو سب سے بڑا کافر بیان فرمایا ہے۔ اول وہ جو اللہ تعالٰی کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرتا ہے' مثلاً کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالٰی نے الہام کیا ہے' حالانکہ درحقیقت اسے کوئی الہام نہیں ہوا۔ دوسرے وہ جو خدا کے کلام کی تکذیب کرتا ہے۔ جیسے فرمایا: **و من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او کذب بایاتہ**" ---- اس آیت میں ظالم سے کافر مراد ہے اور حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے بھی ظالم کے یہ ہی معنی کیے ہیں۔

(دیکھو "حقیقۃ الوحی" ص 163' حاشیہ)

اب مسیح موعود کا یہ دعویٰ کہ وہ اللہ تعالٰی اس کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے' دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو وہ نعوذ باللہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے اور محض افتریٰ علی

اللہ کے طور پر دعوے کرتا ہے تو ایسی صورت میں نہ صرف وہ کافر بلکہ بڑا کافر ہے اور یا مسیح موعود اپنے دعویٰ الہام میں سچا ہے اور خدا سچ مچ اس سے ہم کلام ہوتا تھا اور اس صورت میں بلاشبہ یہ کفر انکار کرنے والے پر پڑے گا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خود فرمایا ہے۔ پس اب تم کو اختیار ہے کہ یا مسیح موعود کے منکروں کو مسلمان کہہ کر مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگاؤ اور یا مسیح موعود کو سچا مان کر اس کے منکروں کو کافر جانو"۔

("کلمتہ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 133' نمبر 2' جلد 14)

24- صاف ظاہر

"پھر (مرزا صاحب کا) ایک اور الہام ہے' جس میں انکار کی گنجائش باقی رہتی ہی نہیں' سوائے اس کے کہ الہام کا انکار کر دیا جائے اور وہ الہام یہ ہے: **قل یا ایھا الکفار انی من الصادقین** (دیکھو "حقیقتہ الوحی" ص 92) ـــــ خدا مسیح موعود (مرزا صاحب کو) حکم دیتا ہے کہ تو کہہ' اے کافرو' میں صادقین میں سے ہوں۔ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ اس الہام میں مخاطب ہر ایک ایسا شخص ہے' جو حضرت مسیح موعود کو صادق نہیں سمجھتا کیونکہ فقرہ **انی من الصادقین** اس کی طرف صاف طور پر اشارہ کر رہا ہے' پس ثابت ہوا کہ ہر ایک' جو آپ کو (یعنی مرزا صاحب) کو صادق نہیں جانتا اور آپ کے دعاوی پر ایمان نہیں لاتا' وہ کافر ہے"۔

("کلمتہ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" قادیان' ص 143' نمبر 3' جلد 14)

25- آیت کے ماتحت

"پس اس آیت میں ہر ایک شخص' جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا

عیسیٰ کو مانتا ہے، مگر محمدؐ کو نہیں مانتا اور یا محمدؐ کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) کو نہیں مانتا، وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہ فتویٰ ہماری طرف سے نہیں ہے، بلکہ اس کی طرف سے ہے، جس نے اپنے کلام میں ایسے لوگوں کے لیے **اولئک ھم الکافرون حقا** فرمایا ہے"۔

("کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی، مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 110 نمبر 4، جلد 14)

"ہاں اگر اس بات کا ثبوت چاہو کہ حضرت مسیح موعود اپنے مخالفین کو اس آیت کے ماتحت سمجھتے تھے یا نہیں تو الحکم نمبر 30، جلد 4، 1900ء پڑھو تو ساری حقیقت کھل جائے گی۔ وہاں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب موصوف نے اس خطبہ کو **اولئک ھم الکافرون حقا** والی آیت سے ہی شروع کیا اور احمدیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم مسیح موعود کو ہر ایک امر میں حَکَم نہیں ٹھہراؤ گے اور اس پر ایمان نہیں لاؤ گے، جیسے صحابہ نبی کریم پر لائے تو تم بھی ایک گونہ غیر احمدیوں کی طرح اللہ کے رسولوں میں تفریق کرنے والے ہو گے۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم نے اس خطبہ میں یہ بھی کہا کہ اگر میں اس خیال میں غلطی پر ہوں تو میں التجا کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود مجھے میری غلطی سے مطلع فرمادیں۔ مگر حضرت صاحب نے ایسا نہیں کیا بلکہ جب مولوی صاحب آپ کو نماز جمعہ کے بعد ملنے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے (یعنی مرزا صاحب نے) فرمایا، کہہ دو! یہ بالکل میرا مذہب ہے جو آپ نے بیان کیا اور فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ معارف اپ کے بیان میں بلند چٹان پر قائم ہو گئے ہیں"۔

(دیکھو اخبار "الحکم" قادیان، نمبر 30، جلد 4، 1900ء)___ ("کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی، مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 166/167، نمبر 4، جلد 14)

26- خدا کی قسم

"کیا خلیفہ اول (حکیم نور الدین صاحب) کو مہدی جاننے والے اپنے مہدی کی بات ماننے کو تیار ہیں۔ وہ سنیں کہ میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کی جھوٹی قسم کھانا ایک لعنتی آدمی کا کام ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے حضرت خلیفۃ المسیح خلیفہ اول کو (اولئک ھم الکافرون حقا) والی آیت کو غیر احمدیوں پر چسپاں کرتے ہوئے اور رسل کے لفظ میں حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) کو شامل کرتے ہوئے سنا ہے۔ مجھے ایک عرصہ گزر جانے کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح اول کے الفاظ یاد نہیں ہیں مگر مجھے یہ اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے مذکورہ بالا آیت کو غیر احمدیوں پر چسپاں کیا' بلکہ سننے والوں نے اس دن بھی تعجب کیا تھا کہ حضرت مولوی صاحب نے خلاف عادت صریح الفاظ میں مسئلہ کفر کی تصدیق فرمائی۔ ورنہ عام طور پر مولوی صاحب کی عادت تھی کہ اگر کوئی آپ سے اس مسئلے کے متعلق سوال کرتا تو آپ یہ کہہ کر ٹال دیا کرتے کہ تمہیں دوسرے کے کفر و اسلام سے کیا' تم اپنی فکر کرو۔"

(کلمتہ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 120 نمبر 3' جلد 14)

27- پھر کس طرح

"پھر ہم کس طرح مان لیں کہ خدا تو ایک شخص کو کہے کہ انت منی بمنزلتہ ولدی انت منی بمنزلتہ توحیدی و تفریدی لیکن وہ شخص ایسا معمولی ہو کہ اس کا ماننا اور نہ ماننا قریباً برابر ہو' پھر ہم کس طرح مان لیں کہ ایک شخص کو اللہ تعالی بار بار اپنے الہام میں رسول اور نبی کہہ کر پکارے لیکن وہ لا نفرق بین احد من رسلہ کے لفظ رسل میں شامل نہ ہو اور اس کا منکر (اولئک ھم الکافرون حقا) سے باہر ہو۔"

(کلمتہ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 174 نمبر

28- موٹی سی بات

"پس اب کوئی شخص مسیح موعود (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) کی ظلی نبوت کا انکار کر دے' مگر آپ کو ظلی نبی مان کر پھر اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے منکرین کی نسبت وہی فتویٰ دیا ہے' جو قرآن کریم نے انبیا کے منکرین کے متعلق بیان فرمایا ہے یہ ایک موٹی سی بات ہے' جب مسیح موعود (مرزا صاحب) خدا کا ایک رسول اور نبی ہے تو پھر اس کو وہ سارے حقوق حاصل ہیں' جو اور نبیوں کو ہیں اور اس کا انکار ایسا ہی ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کے کسی اور نبی کا انکار۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص مسیح موعود (مرزا صاحب) کا انکار کرتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں تفریق کرتا ہے' یعنی باقی رسولوں کو تو مانتا ہے مگر مسیح موعود (مرزا صاحب) کو نہیں مانتا اس لیے اس کی طرف یہ قول منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ **(لا نفرق بین احد من رسلہ)** کیونکہ اس نے مسیح موعود کے انکار سے رسولوں میں تفریق کر دی۔ پس اس لیے وہ حق نہیں رکھتا کہ اسے مومن کے نام سے پکارا جاوے یہ ہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے دوسری جگہ ایسے لوگوں کو جو خدا کے بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے پکا کافر کہا"

("کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 69' نمبر 3' جلد 14)

29- ہتک اور استہزاء

"آنحضرت کی بعثت اول میں آپ کے منکروں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا' لیکن آپ کی بعثت ثانی میں آپ کے منکروں کو داخل اسلام سمجھنا یہ آنحضرت کی ہتک اور آیات اللہ سے استہزاء ہے' حالانکہ خطبہ الہامیہ میں حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے آنحضرت کی بعثت اول و ثانی کی باہمی نسبت کو ہلال اور بدر کی نسبت

سے تعبیر فرمایا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ بعثت ثانی کے کافر کفر میں بعثت اول کے کافروں سے بہت بڑھ کر ہیں"۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 3 ص 10 مورخہ 19 جولائی 1915ء)

"پس ان معنوں میں مسیح موعود (جو آنحضرت کے بعثت ثانی کے ظہور کا ذریعہ ہے) کے احمد اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا گویا آنحضرت کے احمد اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا ہے' جو منکر کو دائرہ اسلام سے خارج اور پکا کافر بنا دینے والا ہے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 3 مورخہ 29 جون 1915ء)

"خلاصہ کلام یہ کہ حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا صاحب) کا اللہ تعالٰی نے بار بار اپنے الہام میں احمد نام رکھا ہے' اس لیے آپ کا منکر کافر ہے' کیونکہ احمد کے منکر کے لیے قرآن میں لکھا ہے۔ **واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون**"

("کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 141 نمبر 3' جلد 14)

30- برابری

پھر اپنے رسالہ "کفر و اسلام" کے ص 6 پر مولوی محمد علی صاحب (قادیانی لاہوری) لکھتے ہیں "مسیح موعود کے نہ ماننے سے ایک شخص قابل مواخذہ ہے' مگر وہ دائرہ اسلام سے اس وقت تک خارج نہیں ہوتا' جو تک لا الہ الا اللہ کا انکار نہ کرے اگر مولوی صاحب موصوف کا واقعی یہ ہی اعتقاد ہے تو پھر ان کے نزدیک یہ فقرہ بھی درست ہونا چاہیے کہ نبی کریم کے نہ ماننے سے ایک شخص قابل مواخذہ ہے' مگر وہ دائرہ اسلام سے اس وقت تک خارج نہیں ہوتا جو تک کہ لا الہ الا اللہ کا انکار نہ کرے۔

("کلمۃ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 183 نمبر 4 جلد 14)

31- ایک اولوالعزم نبی

"اگر یہودی اس لیے بیت المقدس کی تولیت کے مستحق نہیں کہ وہ جناب مسیح اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے منکر ہیں اور عیسائی اس لیے غیر مستحق ہیں کہ انہوں نے خاتم النبیین کی رسالت و نبوت کا انکار کر دیا ہے تو یقیناً یقیناً غیر احمدی بھی مستحق تولیت بیت المقدس نہیں کیونکہ یہ بھی اس زمانہ میں مبعوث ہونے والے خدا کے ایک اولوالعزم نبی کے منکر اور مخالف ہیں اور اگر کہا جائے کہ حضرت مرزا صاحب کی نبوت ثابت نہیں تو سوال ہو گا کن کے نزدیک اگر جواب یہ ہو کہ نہ ماننے والوں کے نزدیک؟ تو اسی طرح یہود کے نزدیک مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسیحیوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی ثابت نہیں' اگر منکرین کے فیصلہ سے ایک نبی غیر نبی ٹھہر جاتا ہے تو کروڑوں عیسائیوں اور یہودیوں کا اجماع ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من جانب اللہ نبی اور رسول نہ تھے پس اگر ہمارے غیر احمدی بھائیوں کا یہ اصل درست ہے کہ بیت المقدس کی تولیت کے مستحق تمام نبیوں کے ماننے والے ہی ہو سکتے ہیں تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ احمدیوں کے سوا خدا کے تمام نبیوں کا مومن اور کوئی نہیں"۔

(اخبار "الفضل" قادیان مورخہ 7 نومبر 1921ء جلد 9 نمبر 36)

32- عظیم الشان نبی اللہ رسول اللہ

"جری اللہ فی حلل الانبیاء سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت احمد علیہ السلام ایک عظیم الشان نبی اللہ اور رسول اللہ ہیں اور ان کا انکار موجب غضب الٰہی اور کفر ہے"۔

(رسالہ "احمدی" نمبر 5، 6، 7 بابت 1919ء موسومہ النبوۃ فی الالہام ص 8 مولفہ قاضی محمد یوسف صاحب قادیانی)

33- لازمی شرط

خدا تعالیٰ نے (حضرت مرزا صاحب) کو فرمایا کہ جس کو میرا محبوب بننا منظور اور مقصود ہو' اس کو تیری اتباع کرنی اور تجھ پر ایمان لانا لازمی شرط ہے۔ ورنہ وہ میرا محبوب نہیں بن سکتا۔ اگر تیرے منکر اس تیرے فرمان کو قبول نہ کریں' بلکہ شرارت اور تکذیب پر کمربستہ ہوں تو ہم سزا دہی کی طرف متوجہ ہوں گے۔ ان کافروں کے واسطے ہمارے پاس جہنم موجود ہے' جو قید خانہ کا کام دے گا۔ یہاں صرف حضرت احمد علیہ السلام کے منکر اور اطاعت و تبعیت میں نہ آنے والے گروہ کو کافر قرار دیا ہے اور جہنم ان کے لیے بطور قید خانہ قرار دیا ہے۔

(رسالہ احمدی نمبر 5، 6، 7 بابت 1919ء موسومہ النبوۃ فی الالہام' ص 20 مولفہ قاضی محمد یوسف صاحب قادیانی)

34- حیران

"لکھنؤ میں ہم (یعنی میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان) ایک آدمی سے ملے' جو بڑا عالم ہے۔ اس نے کہا کہ وہ آپ لوگوں کے بڑے دشمن ہیں' جو یہ مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ آپ ہم لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ میں نہیں مان سکتا کہ آپ ایسا وسیع حوصلہ رکھتے

والے ایسا کہتے ہوں۔ اس سے شیخ یعقوب علی باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان کو کہا' آپ کہہ دیں کہ واقع میں ہم آپ لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ یہ سن کر وہ حیران سا ہو گیا"۔

("انوار خلافت" ص 92' مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان' قاضی محمد یوسف صاحب قادیانی)

35- تعجب کی بات

یہ تو احمدی غیر احمدی کا سوال ہوا' اب لیجئے قادیانی احمدی۔ ایسے احمدی کو' جو ان کی جماعت سے نکل کر لاہوری جماعت میں شامل ہو جائے مرتد کہتے ہیں' حالانکہ اصطلاحی لحاظ سے مرتد وہ ہوتا ہے جو اسلام چھوڑ دے۔

جب ایک ایسی جماعت کے ساتھ' جو حضرت مسیح موعود کو بروزی اور ظلی نبی بھی مانتی ہے' قادیانی احمدیوں کا یہ سلوک ہے تو ان کا سلوک غیر احمدیوں یا احرار کے ساتھ تو کہیں بدتر ہوگا اور اگر اس کے جواب میں احرار قادیانی حضرات (وہ تو لاہوریوں کو بھی اسی لپیٹ میں لاتے ہیں) کو کافر سمجھیں اور ان سے وہی سلوک روا رکھیں' جو خود احرار سے رکھا جاتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تعجب کی بات ہے"۔

(قادیانی جماعت لاہور کا اخبار "پیغام صلح" جلد 24' نمبر 49' مورخہ 13 اگست 1936ء)

36- مفتی صاحب کا فتویٰ

اخبار "بدر" پرچہ 9 مارچ 1906ء میں مولا بخش آف کورالی کے اس سوال کا کہ "کیا حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود نہ ماننے والے کو کافر ماننا چاہیے؟" حضرت مفتی (محمد صادق) صاحب (قادیانی) یہ جواب لکھتے ہیں:

"خدا تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان لانا سب درمیان میں سے ایک رسول کو (بالفرض مسیح ابن مریم ہی کو سہی) نہیں مانتا' کہتا ہے' وہ تو کافر تھا۔ بتلاؤ وہ شخص یہودی کہلائے گا یا مسلمان۔ حضرت مرزا صاحب بھی اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں۔ جو خدا کے رسولوں میں سے ایک رسول کا انکار کرتا ہے' اس کا کیا حشر

ہوگا؟ آپ ہی بتلایئے! مگر انصاف شرط ہے۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی الفاظ اس بات کے ثبوت میں ہوسکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ان (الفاظ کا) تو مستند واقعی اور حقیقی معنوں میں نبی اور رسول یقین کرتا ہے"۔

(محمد اسماعیل صاحب قادیانی کا رسالہ بعنوان "مولوی محمد علی صاحب کے اپنی سابقہ تحریرات کے متعلق جوابات پر نظر" ص 143)

37- میرے نزدیک حق نہ تھا

"میرے نزدیک غیر احمدی کافر ہیں"۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا بیان باجلاس سب جج عدالت گورداسپور' مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' مورخہ 26/29 جون 1922ء' جلد 9' نمبر 16/12)

"یعنی بعض لوگوں نے ہم پر کفر کا فتویٰ دیا ہے' وہ فتویٰ غلط ہے۔ ان کو حق نہ تھا کہ وہ ہم کو کافر کہتے"۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا بیان اجلاس سب جج عدالت گورداسپور' مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' مورخہ 26/29 جون 1922ء' جلد 9' نمبر 102/101)

38- ہم اور وہ

چودھری صاحب (ظفر اللہ خاں صاحب قادیانی) کی بحث تو صرف یہ تھی کہ ہم احمدی مسلمان ہیں۔ ہم کو کافر قرار دینا غلطی ہے' باقی غیر احمدی کافر ہیں یا نہیں' اس کے متعلق عدالت ماتحت میں بھی احمدیوں کا یہی جواب تھا کہ ہم ان کو کافر کہتے ہیں اور ہائی کورٹ میں بھی چودھری نے اس کی تائید کی"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 10' نمبر 21' مورخہ 14 ستمبر 1922ء)

"میں نے بتا دیا کہ ہم حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں' غیر احمدی نبی نہیں

مانتے۔ وہ ہمیں کافر محض جوش نفس سے کہتے ہیں"۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا بیان اجلاس سب جج عدالت گورداسپور' مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' مورخہ 29/26 جون 1922ء' جلد 9' نمبر 16/12)

39- چڑنے کا فلسفہ

"اگر ہم غیر احمدیوں کے نزدیک جھوٹے ہیں اور کسی کو کافر کہتے ہیں تو اسے برا کیوں لگتا ہے؟ دیکھو عیسائی ہمیں کافر کہتے ہیں' لیکن ہم ان کے اس کہنے سے نہیں چڑتے کیونکہ ہم انہیں سچا نہیں سمجھتے۔ پس اگر غیر احمدی ہمارے کافر کہنے سے چڑتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم کو سچا سمجھتے ہیں۔ ہم ان کو کہتے ہیں کہ جب وہی اسلام ہے' جو ہمارے پاس ہے تو تم اسے قبول کرلو۔ پھر ہم تمہیں کافر نہیں کہیں گے' بلکہ اپنا بھائی سمجھیں گے"۔ (قادیانی صاحبان' جو کافر کہلانے سے چڑتے ہیں' خود بھی مسلمانوں کی سچائی تسلیم کرتے ہیں ___ للمولف)

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 12' نمبر 86' مورخہ 5 فروری 1926ء)

نماز اور حج

40- نماز کی ممانعت

"صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو بہتری اور نیکی اس میں ہے اور اسی میں تمہاری نصرت اور فتح عظیم ہے اور یہی اس جماعت کی ترقی کا موجب ہے۔ دیکھو دنیا میں روٹھے ہوئے ایک دوسرے سے ناراض ہونے والے بھی اپنے دشمن کو چار دن منہ نہیں لگاتے اور تمہاری ناراضگی اور روٹھنا خدا کے لیے ہے۔ تم اگر ان میں رلے ملے جا رہے ہو تو خدا تعالیٰ جو خاص نظر تم پر رکھتا ہے وہ نہیں رکھے گا۔ پاک جماعت جب الگ ہو تو پھر اس میں ترقی ہوتی ہے"۔

(ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ اخبار "الحکم" قادیان 10 اگست 1901ء منقول کتاب منظور الٰہی ص 263 مولفہ منظور الٰہی صاحب قادیانی لاہور)

"میرا مذہب وہی ہے جو میں ہمیشہ سے ظاہر کرتا ہوں کہ کسی غیر مبائع شخص کے پیچھے خواہ وہ کیسا ہی ہو اور لوگ اس کی کیسی ہی تعریف کرتے ہوں نماز نہ پڑھو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا ہی چاہتا ہے۔ اگر کوئی شخص مترددیا مذبذب ہے تو وہ بھی مکذب ہی ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ اس طرح احمدی میں اور اس غیر میں تمحیص اور تمیز کر دے۔"

(ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ اخبار "الحکم" قادیان جلد 8 نمبر 41- 42 مورخہ 30 نومبر 10 دسمبر 1904ء اخبار "الفضل" قادیان جلد 5 نمبر 17 مورخہ 28 اگست 1917ء)

41- یاد رکھو

پس یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے' تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی کفر اور مکذب یا مترددکے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ اسی کی طرف حدیث بخاری کے ایک پہلو میں اشارہ ہے کہ **امامکم منکم** یعنی جب مسیح نازل ہو گا تو تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔ پس تم ایسا ہی کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کا الزام تمہارے سر پر ہو اور تمہارے عمل حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

(اربعین نمبر 3 ص 24 حاشیہ مرزا غلام احمد قادیانی)

42- حرام' قطعی حرام

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے صاف اور صریح الفاظ میں لکھا ہے کہ آپ کو خدا نے بتایا ہے کہ احمدیوں پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی کافر' مکذب

اور متردد کے پیچھے نماز پڑھیں۔ اگر کوئی احمدی ان تینوں قسم کے لوگوں میں سے کسی کے پیچھے نماز پڑھے گا تو اس کے عمل حبط ہو جائیں گے اور اس کو پتہ بھی نہیں لگے گا۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 5' نمبر 31' مورخہ 25 اکتوبر 1917ء)

43- نہیں' نہیں' نہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سختی سے تاکید فرمائی ہے کہ کسی احمدی کو غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ باہر سے لوگ اس کے متعلق بار بار پوچھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں تم جتنی دفعہ بھی پوچھو گے اتنی دفعہ ہی میں یہی جواب دوں گا کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں' جائز نہیں۔

(انوار خلافت مجموعہ تقاریر میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان' ص 86)

44- ہرگز نہیں

بہت سے غیر احمدی لوگ ہمارے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ احمدی (قادیانی) ہرگز غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا بیان باجلاس سب جج عدالت گورداسپور مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان مورخہ 26 - 29 جون 1922ء جلد 9 نمبر 101 - 102)

45- سوال

(مرزا صاحب) سے سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں یا نہ پڑھیں؟ حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا صاحب) نے فرمایا کہ پہلے تمہارا فرض ہے اسے واقف کرو پھر اگر تصدیق نہ کرے' نہ تکذیب تو وہ بھی منافق ہے۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔

(ملفوظات احمدیہ' حصہ چہارم' ص 148' مرتبہ محمد منظور الٰہی صاحب قادیانی لاہوری)

46- فرض

ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔

(انوار خلافت ص 90 مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

47- کسی قسم کے

ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ کسی قسم کے غیر احمدی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

(منکرین خلافت کا انجام' ص 83 مصنفہ جلال الدین شمس صاحب قادیانی)

48- دکھاوے کی نماز

1912ء میں سید عبدالحیٔ صاحب عرب مصر سے ہوتے ہوئے حج کو گئے۔ قادیان سے میرے نانا صاحب میر ناصر نواب بھی براہ راست حج کو گئے۔ جدہ میں ہم مل گئے اور مکہ مکرمہ اکٹھے گئے۔ پہلے ہی دن طواف کے وقت مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ میں بچہ تھا مگر راستے رک گئے تھے' نماز شروع ہو گئی تھی۔ نانا صاحب جناب میر صاحب نے فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح (حکیم نور الدین صاحب) کا حکم ہے کہ مکہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیے۔ اس پر میں نے نماز شروع کر دی۔ پھر اسی جگہ ہمیں عشاء کا وقت آ گیا' وہ نماز بھی ادا کی۔ گھر جا کر میں نے عبدالحیٔ صاحب عرب سے کہا کہ وہ نماز تو حضرت خلیفۃ المسیح کے حکم کی تھی اب آؤ خدا تعالیٰ کی نماز پڑھ لیں جو غیر احمدیوں کے پیچھے نہیں ہوتی اور ہم نے وہ دونوں نمازیں دہرا لیں۔

اور بیس دن کے قریب جو ہم وہاں رہے یا گھر پر نماز پڑھتے رہے یا مسجد کعبہ میں الگ اپنی جماعت کرا کے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کہ گو مسجد کعبہ میں چاروں مذہبوں کے سوا دوسروں کو الگ جماعت کی عام طور پر اجازت نہیں مگر ہمیں کسی نے کچھ نہیں کہا بلکہ پیچھے رہتے ہوئے لوگوں کے ساتھ مل جانے سے بعض دفعہ اچھی خاصی جماعت ہو جاتی تھی۔ کسی کو کیا معلوم کہ آپ مسلمانوں سے جدا ہو کر قادیانی نماز پڑھتے تھے۔ بڑی جماعت کے بعد عام طور پر نماز کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ خواہ فرداً فرداً خواہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے ساتھ۔ تاہم قادیانی صاحبان اس کو بڑا فضل سمجھتے ہیں کہ وہاں کسی کو ان کا پتہ نہ لگا۔ (للمولف)

چونکہ جناب نانا صاحب کا خیال تھا کہ ان کے اس فعل سے (یعنی مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے 'کوئی فتنہ ہوگا' انہوں نے قادیان آ کر حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے یہ سوال پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔۔۔ ایک صاحب حکیم محمد عمر نے یہ ذکر حضرت خلیفۃ المسیح کے پاس شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا ہم نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ ہماری یہ اجازت تو ان لوگوں کے لیے ہے جو روڑتے ہیں اور جن کے ابتلاء کا ڈر ہے۔ وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ اگر کسی جگہ گھر گئے ہوں تو غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیں اور پھر آ کر دہرا لیں۔ سو الحمد للہ کہ میرا فعل جس طرح حضرت مسیح موعود کے فتویٰ کے مطابق ہوا اسی طرح خلیفہ وقت کے منشا کے ماتحت ہوا۔ (مکہ معظمہ تو کیا کہنا بعض سربرآوردہ قادیانی صاحبان کے متعلق تو معتبر روایت ہے کہ کوئی موقعہ پیش آئے تو وہ مکہ مسجد (حیدر آباد) میں بھی مسلمانوں کی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ واقعی خلیفۃ المسیح کا فتویٰ بہت ضروری اور کارآمد ہے۔ (للمولف)

(آئینہ صداقت ص ۹۱ مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

49- حج باطل

مکرمی حضرت ابوبکر یوسف جمال جدہ کے ایک مشہور تاجر اور ہماری جماعت کے

ایک مخلص بزرگ ہیں اور آج کل قادیان میں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب مفتی جماعت احمدیہ کی خدمت میں ایک استفتاء پیش کیا۔ اب وہ استفتا مع فتویٰ جناب مفتی صاحب بغرض اشاعت بھیجتے ہیں۔ امید ہے کہ احباب کے علم میں اس سے اضافہ ہوگا۔ (عرفانی)

سوال ایک مسلمان نے حج فرض ادا کر لیا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بیعت کی پھر دوبارہ حج کرنے کے لیے احرام باندھتا ہے یعنی بعد بیعت کے یہ دوبارہ حج کی نیت نفل کرے یا حج فرض کی۔

الجواب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دعویٰ سے پہلے جس نے حج فرض ادا کیا ہے اس کا فرض ادا ہو گیا اور اس شخص کے احمدی ہونے کے بعد اس پر حج فرض لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ ادا کر چکا ہے اور سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دعویٰ کے بعد ایک وہ ابتدائی زمانہ ہے کہ جس میں نہ تو دعویٰ کی پوری اشاعت ہوتی ہے اور نہ اپنے ملک کے لوگوں پر اتمام حجت ہوا ہے اور وہی زمانہ ہے کہ جس میں حضور نے غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا اور نہ ہی ان کو کافر قرار دیا ہے۔ تو اگر کسی نے اس ابتدائی زمانہ میں حج فرض ادا کیا ہے تو اس کا بھی حج فرض ادا ہو گیا۔ لیکن جس نے اس زمانے میں حج ادا کیا ہو کہ آپ کا دعویٰ پوری طرح شائع ہو چکا اور ملک کے لوگوں پر عموماً اتمام حجت کر دیا گیا اور حضور نے غیر احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع فرما دیا تو پھر اس کا حج فرض ادا نہیں ہوا۔ لہٰذا احمدی ہونے کے بعد اس کی حالت ایسی ہو کہ جس وجہ سے حج فرض ہوتا ہے تو اس کو حج ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس نے جو پہلے حج کیا ہے' وہ ادا نہیں ہوا۔

(اخبار "الحکم" قادیان جلد 3' نمبر 16' مورخہ 7 مئی 1924ء)

جنازہ

50- اوائل کی بات

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی کافر کا جنازہ پڑھا تو وہ ابتدائے زمانہ اسلام کی بات تھی۔ جب کہ تبلیغ پورے طور پر نہ ہو چکی تھی۔ بعد میں مشرکین کو حرم میں آنے کی بھی اجازت نہ رہی۔ اگر حضرت مسیح موعود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منکرین کے جنازہ کی اجازت دی تو وہ بھی اوائل کی بات تھی۔ بعد میں اگر کسی نے اس فتویٰ کو جاری سمجھا تو وہ اس کی اجتہادی غلطی تھی جس کو حضرت خلیفہ اول (حکیم نورالدین صاحب) نے صاف حکم کے ساتھ رد کر دیا کہ غیر احمدی کا جنازہ ہرگز جائز نہیں۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 3، نمبر 10، مورخہ 29 اپریل 1916ء)

51- محض اس لیے

حضرت مرزا صاحب نے اپنے (فضل احمد صاحب) مرحوم کا جنازہ محض اس لیے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھا۔

(اخبار "الفضل" قادیان مورخہ 15 دسمبر 1921ء، جلد 9، نمبر 47)

52- ایسی جگہ

اگر یہ کہا جائے کہ کسی ایسی جگہ جہاں تک تبلیغ نہیں پہنچی' کوئی مرا ہوا ہو اور اس کے مر چکنے کے بعد وہاں کوئی احمدی پہنچے تو وہ جنازہ کے متعلق کیا کرے؟ اس کے متعلق یہ ہے کہ ہم تو ظاہر پر ہی نظر رکھتے ہیں چونکہ وہ ایسی حالت میں مرا کہ خدا تعالیٰ کے رسول اللہ اور نبی کی پہچان اسے نصیب نہیں ہوئی اس لیے ہم اس کا جنازہ نہیں پڑھیں گے۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 2، نمبر 142، مورخہ 6 مئی 1915ء)

53- جو لوگ

میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کا جنازہ جائز نہیں کیونکہ میرے نزدیک وہ احمدی نہیں ہیں۔ اسی طرح جو لوگ غیر احمدیوں کو لڑکی دے دیں اور وہ اپنے اس فعل سے توبہ کیے بغیر فوت ہو جائیں ان کا جنازہ بھی جائز نہیں۔ غیر مبائعین (لاہوری جماعت) کے گروہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام (مرزا صاحب) کو کسی قسم کی بھی نبوت حاصل نہیں تھی اور وہ نبوت کے معاملہ میں حضرت مسیح موعود کے الفاظ کو غلطی پر محمول کرتے ہیں ایسے لوگ بھی احمدی نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کا بھی جنازہ جائز نہیں۔

(میاں محمود احمد صاحب قادیانی خلیفہ قادیان کا مکتوب مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان مورخہ 13 اپریل 1926ء نمبر 102 جلد 13)

54- دعائے مغفرت کی ممانعت

سوال کیا کسی شخص کی وفات پر جو سلسلہ احمدیہ میں داخل نہ ہو یہ کہنا جائز ہے کہ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے۔

جواب غیر احمدیوں کا کفر بینات سے ثابت ہے اور کفار کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں۔

(روشن علی، محمد سرور قادیان) اخبار "الفضل" قادیان جلد 8، نمبر 59، مورخہ 7 فروری 1921ء)

قانون یہ ہے کہ 1- انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی کا بھی انکار کیا جائے تو انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

2- جو شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو بعد از موت اس کے لیے دعا و استغفار جائز نہیں۔ احمدیوں کی پوزیشن یہ ہے۔ (i)- وہ مرزا غلام احمد صاحب کو ایسا ہی نبی (بہ لحاظ حقیقت نبوت) مانتے ہیں جیسے حضرت محمد مصطفی صلعم نبی تھے۔

(ii)- اس لیے جو شخص حضرت مرزا صاحب کا انکار کرتا ہے وہ واقعی اسلام سے خارج ہے۔ اس لیے دعائے استغفار جائز نہیں۔

(اخبار "الفضل" قادیان مورخہ ۱۴ اکتوبر 1921 جلد 9 نمبر 30)

55- تین فتوے

ایک شخص کے خط کے جواب میں حضور (میاں محمود احمد صاحب) خلیفہ قادیان نے لکھوایا:

1- تلاوت قرآن کا ثواب مردہ کی روح کو نہیں پہنچتا۔

2- قبر پر قرآن پڑھنا بہ روایت و قولی حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) بے فائدہ بلکہ ڈر ہے کہ بد نتیجہ پیدا کرے۔

3 غیر احمدی بچے کا جنازہ پڑھنا درست نہیں۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 9، نمبر 86، 4 مئی 1922ء)

56- معصوم بچہ

ایک صاحب نے عرض کیا کہ غیر مبایع (لاہوری جماعت) کہتے ہیں غیر احمدی کے بچے کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے؟ وہ تو معصوم ہے اور کیا یہ ممکن نہیں وہ بچہ جوان ہو کر احمدی ہوتا۔

اس کے متعلق (میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان) نے فرمایا جس طرح عیسائی کا جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا اگرچہ وہ معصوم ہی ہوتا ہے اسی طرح ایک غیر احمدی کے بچے کا بھی جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا۔

(ڈائری میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 10، نمبر 32، مورخہ 23 اکتوبر 1922ء)

ایک اور سوال یہ رہ جاتا ہے کہ غیر احمدی تو حضرت مسیح موعود کے منکر ہوئے، اس

لیے ان کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔ لیکن اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے وہ تو مسیح موعود کا کفر نہیں ہے۔ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہندو اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ کتنے لوگ ہیں جو ان کا جنازہ پڑھتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جو ماں باپ کا مذہب ہوتا ہے شریعت وہی مذہب ان کے بچے کا قرار دیتی ہے۔ پس غیر احمدی کا بچہ غیر احمدی ہوا۔ اس لیے اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ بچہ گنہگار نہیں ہوتا اس کو جنازے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بچہ کا جنازہ تو دعا ہوتی ہے۔ اس کے پس ماندگان کے لیے اور اس کے پس ماندگان ہمارے نہیں بلکہ غیر احمدی ہوتے ہیں۔ اس لیے بچے کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔ باقی رہا کوئی ایسا شخص جو حضرت (مرزا) صاحب کو تو سچا مانتا ہے لیکن ابھی اس نے بیعت نہیں کی یا احمدیت کے متعلق غور کر رہا ہے اور ایسی حالت میں مر گیا ہے اس کو ممکن ہے خدا تعالیٰ کوئی سزا نہ دے۔ لیکن شریعت کا فتویٰ ظاہری حالات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں اس کے متعلق بھی یہی کرنا چاہیے کہ اس کا جنازہ نہ پڑھیں۔

(انوار خلافت ص 93 مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

57- قبرستان کا قصہ

حضرت (مرزا) صاحب نے تو کفار کے بچوں کے متعلق یہ فرمایا تھا مگر قادیانی مولف صاحب (یعنی محمد افضل خان صاحب قادیانی مولف مخ المصلی مجموعہ فتاویٰ احمدیہ) نے عنوان میں غیر احمدی خوردسال بچے سے لے کر دوسرے مسلمانان غیر از جماعت کے بچوں کو بھی اس میں شامل فرما لیا اور ایک لحاظ سے یہ درست بھی ہے۔ کیونکہ غیر احمدی جب ان کے نزدیک سب بلا استثنا کافر ہیں تو ان کے سال چھ مہینے کے بچے بھی کافر ہوئے اور جب وہ کافر ہوئے تو ان کو اسلامی قبرستان یا احمدی قبرستان میں دفن کیسے کیا جا سکتا ہے اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہوا کہ جب غیر احمدی (یعنی مسلمان) جواب میں احمدیوں

(یعنی قادیانیوں) کو کافر سمجھتے ہیں تو وہ احمدی بچوں کو اسلامی قبرستان میں کیسے دفن کرنے دیں گے.....

قادیانی بے شک تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں ان کے بچوں کا جنازہ تک ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ اس کی کوئی مثال اس وقت تک سامنے نہیں تاہم وہ بھی اپنے قبرستان میں کسی مسلمان بچے کی نعش دفن کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔

(قادیانیوں کی لاہوری جماعت کا اخبار "پیغام صلح" جلد 24 نمبر 49 مورخہ 3 اگست 1936ء)

58- فکر پیدا ہوئی

برادرم نیاز محمد احمدی سیکرٹری انجمن احمدیہ منٹگمری لکھتے ہیں۔

"میں نے اپنی ہمشیرہ سے کہا "مسلمان بن جاؤ خلیفہ ثانی (میاں محمود احمد صاحب) کے ہاتھ پر ورنہ میں تو جنازہ بھی نہیں پڑھوں گا۔ تب اسے فکر پیدا ہوئی وہ سمجھانے پر سمجھ گئی اور اب وہ حضرت مرزا صاحب کو اس زمانے کا نبی اور رسول مانتی ہے اور بیعت کی درخواست کر دی ہے"۔

(اخبار "الفضل قادیان جلد 2 نمبر 29 مورخہ 20 اپریل 1915ء) عنوان مندرجہ اخبار "الفضل" مورخہ 6 اکتوبر 1911ء)

59- احکام شرعی کا پاس

مجھے قادیان کی طرف آتے ہوئے چند دن بٹالہ میں بھائی فضل حق صاحب رئیس بٹالہ کے ہاں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ اتفاقاً ان ہی دنوں ان کے والد جو غیر احمدی تھے اسہال کبدی سے بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ بھائی فضل حق خان صاحب نے احمدی احباب کو ایسے موقع پر نہ بلایا تاہم ہم چار پانچ آدمی جنازہ کے موقع پر موجود تھے اور تنہا ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ غیر احمدیوں کی اچھی خاصی تعداد جنازہ کے لیے جمع ہو گئی تھی۔ اس مجمع میں

سے بھائی فضل حق خان صاحب کے چچا جو ان کے خسر بھی تھے ان کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ جنازہ نہ پڑھیں علیحدہ ہی پڑھ لیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں امام الوقت کے احکام کو بجالاؤں گا اور جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ میں نے ان کی زندگی ہی میں کہہ دیا تھا کہ اگر آپ احمدی نہ ہوں گے تو...... آپ کا جنازہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں پڑھے گا۔ پھر فاتحہ خوانی کی رسم کو آپ نے بالکل ادا نہیں کیا۔ بلکہ جو آیا اسے متانت سے سمجھاتے ہوئے منع کر دیا۔۔۔۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس قابل رشک نمونہ پر ہر ایک احمدی دوست عمل کر کے ثواب دارین حاصل کرے گا۔

(ایک قادیانی صاحب کی مراسلت مندرجہ اخبار "الفضل" قادیاں جلد 5 نمبر 28 مورخہ 6 اکتوبر 1917ء)

60- زندہ باش

تعلیم الاسلام ہائی اسکول (قادیاں) میں ایک لڑکا پڑھتا تھا۔ چراغ دین نام۔ حال میں جب وہ اپنے وطن سیالکوٹ گیا تو اس کی والدہ صاحبہ فوت ہو گئیں۔ متوفیہ کو اپنے نوجوان بچے سے بہت محبت تھی مگر سلسلے میں داخل نہ تھیں۔ اس لیے چراغ الدین نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔ اپنے اصول اور مذہب پر قائم رہا۔ شاباش اے تعلیم الاسلام کے غیور فرزند کہ (قادیانی) قوم کو اس وقت تجھ سے غیور بچوں کی ضرورت ہے۔ زندہ باش۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 2، نمبر 29، مورخہ 20 اپریل 1915ء)

نکاح

61- اعلان

یہ اعلان بغرض آگاہی عام شائع کیا جاتا ہے کہ احمدی لڑکیوں کے نکاح غیر احمدیوں سے کرنے ناجائز ہیں۔ آئندہ احتیاط کی جایا کرے۔

(ناظر امور عامہ قادیان) اخبار "الفضل" قادیان جلد 20، نمبر 97، مورخہ 14 فروری 1933ء)

62- زبردست حکم

حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو اپنی لڑکی نہ دے۔ اس کی تعمیل کرنا بھی ہر ایک احمدی کا فرض ہے۔

(برکات خلافت مجموعہ تقاریر میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان ص 75)

63- سخت ناراضگی

حضرت مسیح موعود نے اس احمدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جو اپنی لڑکی غیر احمدی کو دے۔ آپ سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا لیکن آپ نے اس کو یہی فرمایا کہ لڑکی کو بٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں کو لڑکی دے دی تو حضرت خلیفہ اول حکیم نور الدین نے اس کو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی۔ باوجودیکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا۔

(انوار خلافت ص 93 مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

64- ممانعت

غیر احمدی کو لڑکی دینے کی ممانعت حضرت خلیفۃ المسیح (میاں محمود احمد صاحب) نے نہیں کی۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام نے کی ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح اسی کی پابندی کرانا چاہتے ہیں۔ اس لیے پیغام کا یہ الزام کہ آپ نے یہ نیا عقیدہ بنا لیا ہے بالکل غلط ہے۔ دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کیسے صاف اور واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:

"اپنی لڑکی کسی غیر احمد کو نہ دینی چاہیے۔ اگر ملے تو بے شک لینے میں حرج نہیں

اور دینے میں گناہ ہے"۔

(الحکم 14 اپریل 1908ء)

ان الفاظ کو پڑھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ غیر احمدیوں کو لڑکی نہ دینے کا عقیدہ حضرت خلیفہ ثانی نے (میاں محمود صاحب) نے ایجاد کیا ہے۔

(اخبار "الفضل" قادیان مورخہ 29 مئی و یکم جون 1922ء نمبر 93 - 94 جلد 9)

65- سوال جواب

ایک شخص نے سوالات کیے۔ حضرت (میاں محمود احمد) صاحب نے مندرجہ ذیل جوابات لکھے۔

سوال کیا جو شخص احمدی کہلاتا ہے چندہ بھی دیتا ہے' تبلیغ بھی کرتا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود کے حکم صریحی کے خلاف کر غیر احمدی کو اپنی لڑکی نکاح میں دینا جائز نہیں اپنی لڑکی کا نکاح کر دیتا ہے۔ وہ ایک ہی حکم کے توڑنے سے مسیح موعود کے منکروں سے ہو سکتا ہے؟

جواب جو شخص اپنی لڑکی کا رشتہ غیر احمدی لڑکے کو دیتا ہے میرے نزدیک وہ احمدی نہیں۔ کوئی شخص کسی کو غیر مسلم سمجھتے ہوئے اپنی لڑکی اس کے نکاح میں نہیں دے سکتا۔

سوال جو نکاح خواں ایسا نکاح پڑھا دے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب ایسے نکاح خواں کے متعلق ہم وہی فتویٰ دیں گے جو اس شخص کی نسبت دیا جا سکتا ہے۔ جس نے ایک مسلمان لڑکی کا نکاح ایک عیسائی یا ہندو لڑکے سے پڑھا دیا ہو۔

سوال کیا ایسا شخص جس نے غیر احمدیوں سے لڑکی کا رشتہ کیا ہے دوسرے احمدیوں کو شادی میں مدعو کر سکتا ہے؟

جواب ایسی شادی میں شریک ہونا بھی جائز نہیں۔

[ڈائری میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 8 نمبر 94 مورخہ 23 مئی

1921ء]

66- تعلیم قرآن

غیر احمدی لڑکی کا نکاح (قادیانی) لڑکے سے تعلیم قرآن کے مطابق جائز ہے۔ جن بعض لوگوں نے ہم پر فتویٰ دیا ہے وہ فتویٰ غلط ہے۔ ان کو کوئی حق نہ تھا کہ وہ ہمیں کافر کہتے۔

احمدی (قادیانی) مردوں سے غیر احمدی عورتوں کا نکاح ہوا ہے۔ ہزاروں غیر احمدی عورتیں احمدیوں کے گھروں میں موجود ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ غیر احمدی عورتوں کا اس حال میں نکاح ہوا کہ مرد احمدی (قادیانی) تھا اور عورت غیر احمدی۔
کسی احمدی نے احمدیت (قادیانیت) کی حالت میں غیر احمدی سے احمدی (قادیانی) لڑکی کا نکاح نہیں کیا اس سے مراد وہی ہے جو حدیث میں آتا ہے **لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن** بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو کرتے وقت انسان ایمان سے نکل جاتا ہے اور اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص احمدیت کو صحیح تسلیم کرتا ہو اور پھر غیر احمدی کو اپنی لڑکی دے دے۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا بیان بعدالت مسٹر جج عدالت گورداسپور مندرجہ اخبار "الفضل"

قادیان مورخہ 26، 29 جون 1922ء جلد 9 نمبر 101، 102)

67- اہل کتاب

غیر احمدیوں کی ہمارے مقابلہ میں وہی حیثیت ہے جو قرآن کریم ایک مومن کے مقابلہ میں اہل کتاب کو قرار دے کر یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مومن اہل کتاب عورت کو بیاہ لا سکتا مگر مومنہ عورت کو اہل کتاب سے نہیں بیاہ سکتا۔ اسی طرح ایک احمدی عورت کو اپنے حبالہ عقد میں لا سکتا ہے مگر احمدی عورت شریعت اسلام کے مطابق غیر احمدی مرد

کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی۔۔۔۔ حضور (مرزا صاحب) فرماتے ہیں:

"غیر احمدی کی لڑکی لے لینے میں حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ بلکہ اس میں فائدہ ہے کہ ایک اور انسان ہدایت پاتا ہے۔ اپنی لڑکی غیر احمدی کو نہ دینی چاہیے۔ اگر ملے تو لے لے بے شک۔ لے لینے میں حرج نہیں اور دینے میں گناہ ہے"۔

(الحکم 14 اپریل 1920ء) اخبار "الفضل" قادیان جلد 8 نمبر 45، مورخہ 16 دسمبر 1920ء)

68- نکاح جائز

(حضور میاں محمود احمد صاحب) نے جواب لکھوایا۔

آپ پروفیسر صاحب سے یہ کہیں کہ ہندوستان میں ایسی مشرکات جن سے نکاح ناجائز ہے، بہت کم ہیں۔ مجانی ایسے لوگوں کی ہے جن کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے اس مسئلہ پر عمل کرنے میں زیادہ دقتیں نہیں سوائے سکھوں اور جینیوں کے۔ عیسائیوں کی عورتوں اور ان لوگوں کی عورتوں سے جو وید پر ایمان رکھتے ہیں نکاح جائز ہے۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 17 نمبر 65 مورخہ 18 فروری 1930ء)

میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان نے فرمایا ہندو اہل کتاب ہیں اور سکھ بھی کیونکہ وہ مسلمانوں ہی کا بگڑا ہوا فرقہ ہیں۔

(ڈائری میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان، مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 10، نمبر 5، مورخہ 17 جولائی 1922ء)

69- سادات کی قدر

حضرت مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے بڑی شان دی ہے اور موجودہ سادات کو آپ کی

غلامی' بلکہ آپ کی خاک پا کو سرمہ بنانا بھی بہت بڑا فخر ہے اور ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو آپ کی غلامی میں داخل نہیں ہوں گے وہ کٹ جائیں گے اور سید نہ رہیں گے۔ مگر وہ عظمت اور وہ شان جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے دل میں تھی اس کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے سادات سے تعلق کو بڑا فضل قرار دیا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ جو زمین اچھی ہوگی اس میں پھل بھی اچھے ہی پیدا ہوں گے اگر خراب بھی ہو جائیں تو بھی نیک اور خدا رسیدہ انسان کے ساتھ تعلق ہو جائے تو وہ زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی وجہ سے فطرت اچھی دی ہوئی ہے۔

(خطبہ نکاح از مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب قادیانی مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 8 نمبر 61 مورخہ 14 فروری 1921ء)

70- کفر کے فتوے

ایک خط کے جواب میں (میاں محمود احمد صاحب) نے لکھوایا جو شخص اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے اور ایسے کام جن کی وجہ سے انسان احمدیت سے خارج ہو جاتا ہے وہ نہیں کرتا تو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں حرج نہیں ہے۔ خارج از احمدیت ہونے سے میری مراد ایسے امورات ہیں کہ جس کی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگ سکتا ہے۔ چنانچہ غیر احمدی کو لڑکی کا رشتہ دینا بھی اسی قسم میں سے ہے۔

(ڈائری میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان) مورخہ 4 مئی 1922 جلد 9 نمبر 86)

71- فیصلہ کی تخصیص

اگر کوئی احمدی غیر احمدی کا جنازہ غیر احمدی امام کے پیچھے پڑھتا ہے اور غیر احمدی کو لڑکی دیتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ حضور (میاں محمود احمد صاحب) نے لکھوایا

اس کی رپورٹ ہمارے پاس کرنی چاہیے۔ فتویٰ یہ ہے کہ ایسا شخص احمدی نہیں ہو سکتا لیکن یہ فیصلہ کرنا ہمارا کام ہے آپ کا کام نہیں۔

(مکتوب میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان' مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' مورخہ 17'20 اپریل 1922ء

جلد 9 نمبر 81 - 82)

72- اخراج

چونکہ مندرجہ ذیل اصحاب نے اپنی اپنی لڑکیوں کے رشتے غیر احمدیوں کو دیئے ہیں اس لیے ان کو حضرت امیر المومنین خلیفہ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی منظوری سے جماعت سے خارج کیا جاتا ہے اور وہاں کی جماعت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ان سے قطع تعلق رکھیں۔

1- چودھری محمد دین صاحب ولد مراد قوم ارائیں سکنہ سید والہ ضلع شیخوپورہ۔

2- چودھری جھنڈا صاحب ولد چودھری جلال الدین صاحب ساکنان چندر کے منگولے ضلع سیالکوٹ۔

3- میاں جیون صاحب علاقہ آنبہ ضلع شیخوپورہ۔

4- میاں غلام نبی صاحب سکنہ چک نمبر 11 ضلع شیخوپورہ۔

5- چودھری علی بخش صاحب گوندی جھنگاں ضلع گورداسپور۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 22' نمبر 69' مورخہ 6 دسمبر 1934ء ناظر امور عامہ قادیان)

میل جول

73- صلح کل کا انجام

جو شخص ظاہر کرتا ہے کہ میں نہ ادھر کا ہوں نہ ادھر کا ہوں اصل میں وہ بھی ہمارا مکذب ہے اور جو ہمارا مصدق نہیں اور کہتا ہے کہ میں ان کو اچھا جانتا ہوں وہ بھی

مخالف ہے۔

(ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ اخبار "بدر" قادیان 24 اپریل 1903ء منقول از منکرین خلافت کا انجام' ص 82 مصنفہ جلال الدین شمس صاحب قادیانی)

یہ جو کہتے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو نیک مانتے ہیں لیکن وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے یہ لوگ بڑے جھوٹے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **و من اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او کذب بالحق لما جاءہ** دنیا میں سب سے بڑھ کر ظالم دو ہی ہیں۔ ایک وہ جو اللہ پر افتراء کرے' دوم وہ جو حق کی تکذیب کرے۔ پس یہ کہنا کہ مرزا نیک ہے اور دعاوی میں جھوٹا گویا نور و ظلمت کو جمع کرنا ہے۔ جو ناممکن ہے۔

(حکیم نور الدین صاحب قادیانی خلیفہ اول کا مضمون مندرجہ اخبار "بدر" قادیان' نمبر 9' جلد 10' مورخہ 9 مارچ 1911ء)

ایک دوست کا خط حضرت (حکیم نور الدین صاحب قادیانی خلیفہ اول) کی خدمت میں پیش ہوا کہ بعض غیر احمدی یہ لکھ دینے کو تیار ہیں کہ ہم مرزا غلام احمد (قادیانی) صاحب کو مسلمان مانتے ہیں۔ فرمایا پھر وہ مرزا صاحب کے دعویٰ اور الہام کے متعلق کیا کہیں گے؟ مدعی وحی و الہام کے معاملہ میں دو ہی گروہ ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و من اظلم ممن افتری علی اللہ او کذب بالحق لما جاءہ الیس فی جھنم مثوی للکافرین

"اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا پر افترا کرے۔ اسے خدا کی طرف سے الہام نہ ہوا ہو اور کہے کہ مجھے ہوا ہے۔ ایسا ہی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اس حق کی تکذیب کرے"۔

یا تو مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں سچے تھے۔ ان کو ماننا چاہیے یا جھوٹے تھے ان کا انکار کرنا چاہیے۔ اگر مرزا صاحب مسلمان تھے تو انہوں نے سچ بولا اور وہ فی الواقع مامور تھے اور اگر ان کا دعویٰ جھوٹا ہے تو پھر مسلمانی کیسی؟

(اخبار "بدر" قادیان نمبر 44' جلد نمبر 10' مورخہ 15 اپریل 1911ء)

ایک احمدی کا خط پیش ہوا کہ مجھے آپ کے میموریل جمعہ کے ساتھ اتفاق ہے میں اپنے خیال کے مطابق کسی مسیح کی آمد کا منتظر نہیں ہوں اور نہ کسی کی ضرورت ہے اور (مرزا غلام احمد قادیانی) صاحب مرحوم اور جناب یعنی (حکیم نورالدین صاحب قادیانی خلیفہ اول) کی مثال جیسے بزرگ دنیا میں پیدا ہوں کم ہیں۔ (حکیم نور الدین صاحب) نے فرمایا یہ مسئلہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے فقرات بولنے والے لوگ کیا مطلب اپنے الفاظ کا رکھتے ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ مسیح ہوں' مہدی ہوں' خدا مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ برابر اپنے الہام سناتے رہے۔ اب یا تو ایسا شخص اپنے دعوے میں سچا ہے اور اس قابل ہے کہ اسے مسیح مان لیا جائے اور یا وہ خدا پر افتراء کرتا ہے اور قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مفتری سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ راہیں تو دو ہی ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ تیسری راہ لوگوں نے کہاں سے قرض کر لی ہے۔

(اخبار "بدر" قادیان نمبر 44 جلد 11 مورخہ 15 اکتوبر 1911ء)

ایک دوست نے خلیفہ ثانی (میاں محمود احمد صاحب) کی خدمت میں لکھا کہ جو شخص حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کے سب دعاوی کا مصداق ہو مگر بیعت نہ کی ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے کہ نہیں۔ جواب میں حضور (محمود صاحب) نے لکھوایا غیر احمدی کے پیچھے جس نے اب تک سلسلہ میں باقاعدہ بیعت نہ کی ہو خواہ (مرزا) صاحب کے سب دعاوی کو بھی مانتا ہو نماز جائز نہیں اور ایسا شخص سب دعاوی کو مان بھی کس طرح سکتا ہے جو حضرت صاحب بلکہ خدا کا صریح حکم ہوتے ہوئے آپ کی بیعت نہیں کرتا۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 3 نمبر 19 مورخہ 15 اگست 1915ء)

74- قطع تعلق

یہ جو ہم نے دوسرے مدعیان اسلام سے قطع تعلق کیا ہے اول تو یہ خدا تعالیٰ کے

حکم سے تھا نہ اپنی طرف سے اور دوسرے وہ لوگ ریا پرستی اور طرح طرح کی خرابیوں میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور ان لوگوں کو ان کی ایسی حالت کے ساتھ اپنی جماعت کے ساتھ ملانا یا ان سے تعلق رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ عمدہ اور تازہ دودھ میں بگڑا ہوا دودھ ڈال دیں جو سڑ گیا ہے اور اس میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔ اس وجہ سے ہماری جماعت کسی طرح ان سے تعلق نہیں رکھ سکتی اور نہ ہمیں ایسے تعلق کی حاجت ہے۔

(ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ اخبار "الفضل" مندرجہ رسالہ "تشحیذ الاذہان" قادیان جلد 6 نمبر 8 صفحہ 311)

75- صاف حکم

اس کے بعد حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) نے صاف حکم دیا کہ "غیر احمدیوں کے ساتھ ہمارے کوئی تعلقات ان کی غمی اور شادی کے معاملات میں نہ ہوں" جب کہ ان کے غم میں ہم نے شامل ہی نہیں ہونا تو پھر جنازہ کیسا۔

(اخبار "الفضل" قادیان، جلد ۶، نمبر 120، مورخہ 18 جون 1916ء)

76- دونوں حرام

غیر احمدی سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی دوسرے دنیوی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیے گئے۔ اگر کہو تو ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔ ہاں اشد مخالفین کو حضرت مسیح موعود (مرزا

صاحب) نے کبھی سلام نہیں کیا اور نہ ان کو سلام کہنا جائز ہے۔ غرض ہر ایک طریقہ سے ہم کو حضرت مسیح موعود نے غیروں سے الگ کیا ہے اور ایسا کوئی تعلق نہیں جو اسلام نے مسلمانوں کے ساتھ خاص کیا ہو اور پھر ہم کو اس سے نہ روکا گیا ہو۔

("کلمتہ الفصل" مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" ص 69، نمبر 4، جلد 14)

77- تین امور

حضرت امام حکم و عدل (مرزا صاحب) علیہ السلام نے خصوصیات احمدیت میں ہر احمدی کے واسطے تین امور بطور فرمان عملی رکھے ہیں۔ جن کی اتباع ہر احمدی پر فرض ہے اور جو حضرت مسیح موعود کے حکم اور فیصلے کے خلاف کرتا ہے وہ احمدی ہی نہیں خواہ کوئی کیوں نہ ہو۔

حضرت امام ہمام (مرزا صاحب) علیہ السلام نے اول خصوصیت حرمت صلوۃ خلاف المنکرین المسیح الموعود قائم کی ہے۔ دوم خصوصیت حرمت صلوۃ الجنازہ علی المنکرین المسیح ہے۔ سوم خصوصیت ازدواج النساء المومنین بالمنکرین ہے۔ یہ عملی فرق ہے مابین احمدی اور غیر احمدی گروہ کے۔

بعض لوگ دیدہ دانستہ اپنی لڑکی غیر احمدیوں کو دیتے ہیں۔ مگر وہ اس وبال سے بے خبر ہیں۔ حضرت صاحب کے حکم کی خلاف ورزی ان لوگوں نے بھگتا ہے یا بھگتنا پڑے گا اور حضرت نورالدین اعظم نے تو ایسے لوگوں کو جماعت سے خارج کیا ہے اور صاف فرمایا کہ وہ احمدی ہی نہیں ہیں اور حضرت خلیفہ اول نے ان کی خلف میں منع صلوۃ کر دی ہے۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 7، نمبر 24، مورخہ 28 اکتوبر 1919ء)

جری اللہ فی حلل الانبیاء ــــــ احمد نبی اللہ مسیح موعود علیہ التحیات والثناء فداہ امی وابی اپنے متبعین کو فرماتے ہیں کہ غیر احمدی کا جنازہ

نہ پڑھو۔ غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھو خواہ وہ تمہارا ماں' باپ' بہن بھائی کتنا ہی حقیقی رشتہ دار ہو۔ اس کو لڑکی نہ دو۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 3' نمبر 109' مورخہ 25 اپریل 1926ء)

78- تنبیہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے کفر یا مکذب یا متردد کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور ارشاد ہے کہ تم پر حرام اور قطعی حرام ہے جو کسی مکفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ اسی طرح آپ کا صاف اور صریح حکم ہے کہ کسی احمدی کے لیے جائز نہیں جو اپنی لڑکی کا رشتہ کسی غیر احمدی سے کرے۔ حضور کے قائم کردہ ابدی مرکز (قادیان) سے روگردانی اختیار کرنے والے (لاہوری فریق) جہاں غیر احمدیوں کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لیے بے قرار ہے اور اس کے لیے قسم قسم کے حیلے تراش کر اپنے انقلاب علی عقبیہ کا ثبوت مہیا کرتے رہتے ہیں وہاں اس فعل حرام یعنی غیر احمدیوں کو رشتہ بنات دینے کے واسطے بھی میں دیکھتا ہوں کہ ان کی مسخ شدہ روحیں تڑپ رہی ہیں اور وہ کچھ نہ کچھ اس کے متعلق شائع کرنا اپنے پیپ آلود زخموں اور نہ اچھے ہونے والے ناسوروں کے لیے موجب اندمال سمجھتے ہیں۔ اے کاش وہ اپنے ہادی' اپنے رہنما مرزا صاحب کی ہدی اور لائے ہوئے دین الحق کو اتنی جلدی نہ بھول جاتے۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 11' نمبر 64' مورخہ 15 فروری 1924ء)

79- اسلامی سلوک

آپ نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ ہم آپ ایسے لوگوں سے کسی اسلامی سلوک کی امید رکھتے ہیں۔ ہمارے تو وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا کہ آپ لوگ اسلامی سلوک کرنے کے قابل ہیں یا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہ لوگ جو ایک نبی وقت (مرزا صاحب) کے منکر ہیں مسلمان ہی نہیں اور جب ہم انہیں مسلمان ہی نہیں سمجھتے تو پھر

ان سے اسلامی سلوک کی توقع کیا؟ یہ آپ کو محض غلط فہمی ہوئی ہے کہ ہم اسلامی سلوک کے امیدوار ہیں۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 5' نمبر69 ۔ 70' مورخہ 26 فروری' 2 مارچ 1918ء)

80- قادیانی چندہ

آپ لوگوں میں سے بہت سے احباب نے دیکھا ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنی زندگی میں غیراحمدیوں سے کیا تعلق تھا۔ کیا کوئی اس وقت حلفاً" کہہ سکتا ہے کہ کبھی آپ نے غیراحمدیوں سے چندہ مانگا۔ ہرگز نہیں میں تو حلفاً" کہہ سکتا ہوں اور اس خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ نہ میرے کانوں نے روایتاً" کسی سے سنا اور نہ میری آنکھوں نے کبھی دیکھا اور نہ یہ کہہ کر چندہ کی ان کو ترغیب دی کہ میرا کام تو فقط اشاعت اسلام ہے جو کہ ہمارا اور تمہارا مشترک فرض ہے۔

(خطبہ سید سرور شاہ صاحب قادیانی مندرجہ "الفضل" قادیان جلد 2' نمبر97' مورخہ 28 جنوری 1915ء)

81- کبھی نہیں (ج)

کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کام صرف اشاعت اسلام تھا اور اس کے لیے لوگوں کو تیار کرنا تھا اور یہی احمدیت ہے۔ اگر یہی احمدیت تھی تو اور لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں اشاعت کے لیے اٹھے تھے ان کے لیے حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو خوشی کا اظہار کرنا چاہیے تھے اور آپ کی انجمنوں میں شریک ہوتے' انہیں چندہ دیتے مگر آپ نے مرزا صاحب کبھی اس طرح نہیں کیا۔

(خطبہ سید سرور شاہ صاحب قادیانی مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 2' نمبر97' مورخہ 28 جنوری 1915ء)

82- ضرورت نہیں

ایک دوست نے دریافت کیا کہ موہلہ یتیم اور بیواؤں کے لیے لوگ چندہ مانگتے ہیں۔ اس امر میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیاں نے) فرمایا دوسرے لوگوں (مسلمانوں) کے ساتھ مل کر چندہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ چندہ نہیں ہے اپنا رسوخ بڑھانے کی کوشش ہے۔ اس قسم کی امداد اپنے طور پر دی جائے تو مفید ہوتی ہے۔

(اخبار "الفضل" قادیاں جلد 10، نمبر 45، مورخہ 7 دسمبر 1922ء)

83- چندہ قبول

اس وقت تک قصور میں احمدیوں کی کوئی مسجد نہ تھی۔۔۔۔ لیکن حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے جو ششماہی رپورٹ کا نقشہ تجویز فرمایا ہے اس میں ایک یہ بھی سوال درج ہے کہ آیا مسجد احمدیہ ہے یا نہیں؟ اس کو پورا کرنے کے لیے ہماری انجمن نے غور کیا اور ایک پرانی شکستہ غیر آباد بوسیدہ مسجد کو پاکر اسے آباد کرنا چاہا۔ چونکہ مسجد بہت ہی خستہ حالت میں تھی اس لیے اس کی مرمت کا ارادہ کیا گیا اور اس غرض کے لیے اپنی جماعت سے چندہ جمع کر کے کام شروع کرا دیا۔ جب مرمت کا کام شروع ہو گیا ایک غیر احمدی صاحب نے آکر دریافت کیا کہ آپ ہم سے بھی چندہ لے سکتے ہیں۔ جواب دیا گیا کہ بڑی خوشی سے آپ کا چندہ قبول کیا جاتا ہے۔ اس پر انہوں نے دس روپے دیے اور مجھے ساتھ لے کر تحصیل چندہ کے لیے بازار میں چلے آئے۔ ہماری تین چار گھنٹہ کی کوشش سے اڑھائی سو روپیہ کے قریب چندہ ہو گیا۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 4، نمبر 122، مورخہ یکم جولائی 1916ء)

سردست میں ایک اور معاملہ کی طرف جنہوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ (لندن میں) اس مسجد کے بن جانے کے سبب سے انگلستان میں تبلیغ کا کام بہت بڑھ گیا

ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے کام دو آدمیوں کی طاقت سے زیادہ ہے۔ اس کے متعلق مجھے پہلے شیخ یعقوب علی صاحب نے ولایت سے توجہ دلائی تھی۔۔۔۔

اس کے بعد اور چند دوستوں نے بھی اس طرف توجہ دلائی۔ اب خان صاحب منشی فرزند علی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ کام زیادہ معلوم ہوتا ہے اور عملہ بڑھانے کی ضرورت ہے۔

میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مسجد برلن کی تحریک کے وقت بعض غیر احمدی عورتیں بھی چندہ میں شامل ہونا چاہتی تھیں لیکن چونکہ اس وقت شرط تھی کہ صرف احمدی عورتوں کا چندہ ہو اس لیے اس کی اجازت نہ دی گئی تھی۔۔۔۔ لیکن اس وقت چونکہ عام تبلیغی اغراض کے لیے چندہ ہو رہا ہے اس لیے اس شرط کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی بہن اپنی خوشی سے اس چندہ میں حصہ لینا چاہیں تو ان کا چندہ بھی خوشی سے قبول کر لینا چاہیے۔

(مضمون میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 16' نمبر 33' مورخہ 23 اکتوبر 1922ء)

84- مسلمانوں سے بیزار

کیا غیر احمدیوں کے ساتھ سیدنا حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کا عمل در آمد کسی پر مخفی ہے آپ اپنی ساری زندگی میں نہ غیروں کی کسی انجمن کے ممبر ہوئے اور نہ ان میں سے کسی کو کسی اپنی انجمن کا ممبر بنایا اور نہ کبھی ان کو چندہ دیا اور نہ کبھی اس سے چندہ مانگا۔ (ابتداء میں تو مدت تک مرزا صاحب نے مسلمانوں سے خوب چندہ مانگا اور خوب وصول کیا۔ بلکہ اسی سے بنیاد جمی۔ البتہ یہ سچ ہے کہ مسلمانوں کی رفاہ میں مرزا صاحب نے کبھی پیسہ بھی نہیں دیا۔۔۔۔ للمؤلف)

حتیٰ کہ ایک دفعہ علی گڑھ میں قرآن مجید کی اشاعت کی غرض سے ایک انجمن بنائی گئی اور وہاں کے جناب سیکرٹری صاحب نے ایک خاص خط بھیجا کہ چونکہ آپ لوگ

علوم اور ماہر قرآن مجید ہو لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اس انجمن میں آپ صاحبان میں سے بھی کچھ شریک ہوں۔ مگر باوجود جناب مولانا مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی کوشش کے حضور نے انکار ہی فرمایا۔ پھر سرسید صاحب کے چندہ مدرسہ مانگنے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔ یہاں تک یہ وہ ایک روپیہ تک بھی مانگتے رہے۔ لیکن حضور (مرزا صاحب) نے شرکت سے انکار ہی فرمایا حالانکہ اپنا خود مدرسہ انگریزی جاری کیا ہوا تھا۔

(کشف الاختلاف ص 42 مصنفہ سید سرور شاہ صاحب قادیانی)

85- سکھوں سے پیار

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف سے ایک وفد لے جو سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" اور مولانا جلال الدین صاحب شمس پر مشتمل تھا۔ 22 فروری 1935ء کو کرنل سردار رگھبیر سنگھ صاحب سردار ڈیوڑھی سیکرٹری گوردوارہ پٹنہ صاحب کمیٹی کو مبلغ پانچ سو روپیہ کی رقم گوردوارہ پٹنہ صاحب کی تعمیر کے لیے پیش کی۔ یہ وفد ہزہائی نس مہاراجہ ادھیراج پٹیالہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ جو گوردوارہ پٹنہ صاحب کی تعمیری کمیٹی کے صدر ہیں۔ ہزہائی نس نے جماعت احمدیہ کے اس طریق عمل کی بہت تعریف کی۔

(قادیانی جماعت کا اخبار "الفضل" قادیان جلد 22 نمبر 108 مورخہ 8 مارچ 1935ء)

86- مسلمانوں سے مقابلہ

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عام مومن دو مخالفوں پر بھاری ہوتا ہے اور اگر اس سے ترقی کرے تو ایک مومن دس پر بھاری ہوتا ہے اور اگر اس سے بھی ترقی کرے تو صحابہ کے طرز عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک ایک نے ہزار کا مقابلہ کیا ہے۔ ہماری جماعت مردم شماری کی رو سے پنجاب میں چھپن ہزار ہے گویا بالکل غلط ہے اور صرف اسی ضلع گورداسپور میں ہزار احمدی ہیں مگر فرض کر لو یہ تعداد

درست ہے اور فرض کرلو کہ باقی تمام ہندوستان میں ہماری جماعت کے بیس ہزار افراد رہتے ہیں تب بھی یہ 75، 76 ہزار آدمی بن جاتے ہیں۔ اور اگر ایک احمدی سو کے مقابلہ میں رکھا جائے تو ہم 75 لاکھ کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اگر ایک ہزار کے مقابل پر ہمارا ایک آدمی ہو تو ہم ساڑھے سات کروڑ کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اتنی ہی تعداد دنیا کے تمام مسلمانوں کی ہے۔ (کیسے صحیح اور وسیع معلومات ہیں —— للمولف) پس سارے مسلمان مل کر بھی جسمانی طور پر ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم ان پر بھاری ہیں۔ پھر آج کل تو جسمانی مقابلہ ہے ہی نہیں اس لیے اس لحاظ سے بھی ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا خطبہ مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 21، نمبر 182 مورخہ 21 جون 1934ء)

(پروفیسر الیاس برنی)

(بحوالہ از ماہنامہ "قومی ڈائجسٹ" لاہور، قادیانیت اشاعت خاص، ص 187 تا 212 جلد 7، شمارہ 1 جولائی 1984ء، مدیر جناب مجیب الرحمن شامی، ماخوذ "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" ص 457 تا 494، فصل دسویں از جناب الیاس برنی)

دوسرا باب

- قادیانی فتنہ' برطانوی استعمار کی ضرورت اور ایجاد
- روح جہاد کی تحریک بحالی میں علماء کی عزیمت و استقلال
- تاریخی دستاویزات اور مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا پس منظر
- قادیانیت کی سیاسی' دینی' علمی اور روحانی تاریخ کا مختصر جائزہ

انگریزی سامراج کے قدم

کادیانیت کا سیاسی تجزیہ کرنے کے لیے ہمیں تاریخ کے جھروکوں میں سے جھانکنا پڑے گا تاکہ برطانوی استعمار کی خود کاشتہ اور پروردہ کادیانی تحریک کا پس منظر واضح ہوسکے کہ انگریزوں نے اس کی بنیاد کیونکر رکھی؟ اور اس فتنے کو کیونکر پروان چڑھایا؟ انگریز ہندوستان میں تاجر کے روپ میں آئے اور پھر ہندوستان کے مالک بن گئے۔ انگریزوں نے سیاسی ڈپلومیسی' فطری ہوشیاری اور روایتی چالاکی کے بل بوتے پر ہندوستان میں پھیلے ہوئے سیاسی انتشار اور بحران سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ بہادر شاہ ظفر ہندوستان کے آخری تاجدار تھے' جن کو انگریزوں نے گرفتار کر کے رنگون کی قید تنہائی میں ڈال دیا۔ بہادر شاہ ظفر ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت و وجاہت کے باب کا تمت بالخیر تھے۔ ایک روز کھانے والے طشت میں ان کے بیٹوں کے سر رکھ کر کپڑے سے ڈھانپ دیے گئے۔ یہ طشت بہادر شاہ ظفر کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا۔ بہادر شاہ ظفر نے کپڑا جو سرکایا تو اس میں ان کے شہزادوں کے سر پڑے تھے۔ بہادر شاہ صرف نام کا ہی بہادر نہ تھا' بے بسی اور جلاوطنی کے عالم میں انہوں نے کمال صبر و استقامت کا ثبوت دیا اور اس موقع پر ایک تاریخی فقرہ کہا:

"مجھے فخر ہے کہ تم نے اپنے جلیل القدر آباؤ اجداد کے سامنے مجھے رسوا نہیں کیا۔ تیموری شہزادے اپنے بزرگوں کے سامنے اسی طرح سرخرو ہو کر پیش ہوا کرتے ہیں"۔

(یاد رہے کہ ان میں سے ایک بیٹے کا نام سرخرو تھا۔)

بالآخر 1857ء میں سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا اور برطانوی سامراج کے ظلم و ستم' جبر و استبداد کا سورج طلوع ہوگیا۔

سرنگا پٹم کی یاد

قبل ازیں انگریزوں کے خلاف ٹیپو سلطان شہید نے عدیم المثال شجاعت کا مظاہرہ

کیا' جس نے غلامی کا طوق پہننے کی بجائے موت کو ترجیح دی۔ ٹیپو کا شہرہ آفاق جملہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا گیا ہے کہ "گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ سرنگا پٹم کی فتح اور ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کے اقتدار کے لیے راہیں عملاً ہموار ہو گئی تھیں۔ مسلمانوں کو شکست' ذلت اور رسوائی ہمیشہ اپنوں کی غداری کی بنا پر اٹھانا پڑیں۔ سرنگا پٹم کے میدان کارزار سے جب بہادر اور عظیم ٹیپو کی لاش برآمد ہوئی تو انگریز کمانڈر فرط مسرت سے بے ساختہ چلا اٹھا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں برطانوی سامراج سے ٹکرانے والی اور رزمگاہ شہادت پر ابھرنے والی شخصیت سید احمد شہید بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید اور ان کے جانثار رفقاء کی وہ جماعت تھی' جنھوں نے مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد کی روح کو بیدار کیا۔ انھوں نے اس کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے بالاکوٹ کے سنگریزوں کو اپنے لہو سے گلنار کیا۔

- شورش کاشمیری مرحوم "تحریک ختم نبوت" میں ہندوستانی مسلمانوں کے دور زوال اور عہد انحطاط کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علامہ اقبالؒ کے نزدیک سلطان کی شہادت ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت کا حرف آخر اور ان کے زوال کا وسط تھا۔ ہیسٹنگز' کلایو کا جانشین تھا۔ اس کے ہاتھوں 19ء میں روہیلوں کی خوفناک تباہی ہوئی اور 5 لاکھ انسان بے گھر ہوئے۔ 1799ء میں نانا فرنویس' حیدر علی' نظام دکن اور مرہٹہ ریاستوں میں اتحاد ہو گیا۔ حیدر علی نے مدراس پر چڑھائی کی اور انگریزوں کو شکست دی۔ نانا فرنویس نے بمبئی پر حملہ کیا اور جنرل گوڈارڈ کو بھگا دیا۔ اس سے گھبرا کر وارن ہیسٹنگز نے اس اتحاد کو رشوت و ترغیب کی چالوں سے پارہ پارہ کیا۔ آخر 1804ء میں انگریز تاجر ہندوستان کی سب سے بڑی حکمران طاقت بن گئے۔ میسور ختم ہو گیا' مرہٹہ معدوم ہو گئے' حیدر آباد مفلوج ہو گیا اور اودھ کا نصف علاقہ ان کے قبضہ

میں آ گیا۔ 1825ء میں ولیم بینٹنک نے تاج محل کو گرا کر سنگ مرمر فروخت کرنا چاہا، لیکن قلعہ آگرہ کی نیلامی تسلی بخش نہ ہوئی تو باز آ گیا۔ میران سندھ کو مغلوب کیا، ان کی بیگمات کا سونا لوٹا، ہندوستان کے باہر افغانستان پر چڑھائیاں کیں۔ 1842ء میں جنرل پالک کابل کے پررونق بازار کو آگ لگا کر واپس آ گیا۔ سرحد میں حضرت سید احمدؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ کی شہادت (6 مئی 1831ء) کے بعد اپریل 1849ء میں انگریزوں کی عملداری شروع ہو گئی۔ وہاں معرکہ بالاکوٹ کی فتح یابی کے بعد سکھ حکمران تھے اور یہ سب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قصر رفیع الشان کے تدریجی انہدام اور انحطاط کا نقشہ تھا۔ بالآخر 1857ء میں سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا اور انگریز برعظیم کے فرمانروا ہو گئے۔ بلاشبہ انگریز مستقبل کی ایک رنگا رنگ طاقت تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو جسمانی طور پر مغلوب کیا، پھر مختلف معرکوں اور عیاریوں کے بعد ان کی حکومت کا ہر نشان مٹا ڈالا۔ مگر ہر نوع استبداد کے باوجود مسلمانوں کو من حیث القوم دماغی طور پر مغلوب یا مفتوح نہ کر سکے۔

ادھر زمانہ اس حال میں تھا کہ اشجع شخصیتیں رزمگاہ شہادت میں قربان ہو رہی تھیں، ادھر اس زمانہ ہی میں نادرۂ روزگار وجود دین کے افق پر طلوع ہو رہے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ اور ان کا خاندان اس عہد انحطاط ہی کا اجالا تھا۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیلؒ اس دور ہی میں ولولہ جہاد پیدا کرتے ہوئے بنگال سے سرحد تک گئے تھے۔ المختصر مسلمانوں کا دینی اور تہذیبی سرمایہ اس دور ہی میں اپنی رفعت کو پہنچ رہا تھا، لیکن مسلمانوں میں جسمانی عجز وارد ہو چکا تھا۔ ان کا ذہنی علو معراج پر تھا۔ تمام یگانہ و بیگانہ رکاوٹوں کے باوجود مسلمانوں کے ذہن جہاد سے معمور تھے۔ انگریزوں کو ایک سو برس کی تگ و تاز میں بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کے لیے

جہاد حیاتِ تین (وتامن) کا درجہ رکھتا ہے اور وہ اس سے سرشار ہیں۔ ان میں علماء نے قرآن کی اساس پر ایک ایسی روح پھونک دی ہے کہ جہاد کا جذبہ ان کے شریانوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ جس طرح بعض نظریے انسانی فطرت میں دخیل ہو کر ان کی فطرت بن جاتے ہیں اور انہیں موت کی آخری ہچکی تک علیحدہ نہیں کیا جا سکتا' اسی طرح جہاد کو مسلمانوں کے جسد سے خارج کرنا ممکن نہیں۔ وہ ہمہ وجود اس کے شیدائی ہیں۔ انگریزوں کی دور اندیشی کے نزدیک مسلمانوں کی فطرت کا یہی حصہ خطرناک تھا۔ وہ کئی واسطوں سے محسوس کرتے تھے کہ اپنے بہیمانہ تشدد سے انہوں نے مسلمانوں کو ضرور دبا لیا ہے اور وہ لاچار ہو کر سپرانداز ہو گئے ہیں' لیکن ان میں دو چار فیصد غدار پیدا کیے جا سکتے ہیں' کچھ فیصد لاچار بھی نکل آئیں گے' لیکن قلبی وفادار پیدا کرنا ناممکن ہے۔ ان کے دل بہرحال باغی ہیں اور اس بغاوت کو حکومت کی معرفت فرو کرنا ممکن نہیں"۔

(تحریک ختم نبوت۔ ص 12 از شورش کاشمیری مرحوم)

● قادیانی تحریک کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ابو مدثرہ لکھتے ہیں:

"یہودی سامراجی گٹھ جوڑ: مرزا غلام احمد کی تحریک کی ابتداء اس کے مزاج اور اس کی حقیقی غرض و غایت (اس سلسلے کی دلچسپ بحث سابق مبلغ اسرائیل' محمد شریف قادیانی نے مرزا غلام احمد کی تالیف "الہدیٰ" کے عربی ترجمہ کے مقدمے میں کی ہے۔ یہ کتاب دسمبر 1951ء میں مطبع احمدیہ حیفا' اسرائیل سے طبع ہو کر قادیانی مشن اسرائیل سے شائع ہوئی) سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے ہمیں ایک تو برطانوی سامراج کی سیاسی پالیسی پر نظر رکھنی ہوگی' دوسرے یہودی تحریک قومیت' صیہونیت 1897ء کے رہنماؤں اور انگریز کے بڑھتے ہوئے روابط کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس پس منظر میں قادیانی تحریک کے کردار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی سول سروس کے یہودی

افسر اس تحریک کی کامیابی کے لیے ہر سطح پر کوشاں تھے' دراصل وہ ہر ایسی تحریک کے قیام اور اس کی سرپرستی کے لیے بیتاب تھے' جو برطانوی سامراج کے توسیع پسندانہ اغراض اور صیہونیت کے سیاسی عزائم کے دوہرے مقصد کو پورا کرنے کی اہل ہو۔ ان دونوں طاقتوں کا بڑا نشانہ ترکی کی عظیم سلطنت تھی' جس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہی علاقائی توسیع پسندی اور فلسطین میں یہودی ریاست کے خواب کو پورا کیا جا سکتا تھا۔

یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ انیسویں صدی کے وسط میں رسل اوتھ بل پاس ہونے کے بعد یہودی برطانیہ کی سیاست پر چھائے جا رہے تھے اور سول سروس میں اعلیٰ عہدے حاصل کر کے برطانوی نوآبادیات میں قدم جما رہے تھے۔ جدید سیاسی افکار نے یہودی اور عیسائی کے مذہبی امتیازات کو ختم کر دیا تھا۔ 1885ء سے 1902ء تک برطانیہ کے تین وزراء اعظم —— سالسبری' گلیڈ سٹون اور روزبری —— میں سے اول الذکر کٹر یہودی تھا اور دوسرے دو یہود نوازی اور ترک دشمنی میں اپنی مثال آپ تھے۔ تحریک صیہونیت (1897ء) کی بنیاد رکھ کر تھیوڈور ہرزل نے جب عثمانی حکومت کے قبضے سے فلسطین کو "آزاد" کرانے کا اعلان کیا تو برطانیہ نے صیہونی لیڈروں سے مضبوط روابط قائم کر لیے اور ایک مشترکہ سیاسی لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے مذاکرات کا آغاز کیا۔ یہودی ریاست کے سوال پر برطانوی سیکرٹری نوآبادیات جوزف چیمبرلین اور ہرزل کی طویل ملاقاتیں ہوئیں' جن کے نتیجے میں برطانیہ نے یوگنڈا میں یہودی ریاست کے قیام کی تجویز پیش کی لیکن یہود برادری نے اسے مسترد کر دیا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا' زیونزم)

1902ء میں دنیا کے تمام ممالک میں یہودیوں نے صیہونیت کے پروگرام کے مطابق یہودی ریاست کے قیام کے لیے وسائل کو بروئے کار

لانے کی جدوجہد کو تیز کر دیا۔ اس کی بڑی وجہ برطانیہ میں آرتھر جے بالفور کا وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہونا تھا۔ بالفور سابق وزیر اعظم برطانیہ سالسبری کا بھتیجا تھا اور اس کی لبرل یونینسٹ وزارت (1888ء تا 1892ء) میں چیف سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا۔ یہی بدنام زمانہ یہودی ہے جو اعلان بالفور (1917ء) کا مجوز تھا۔ اپنے دور وزارت (1902ء تا 1905ء) میں اس نے صیہونیت کے فروغ کے لیے زبردست تحریک چلائی اور دنیا کی تمام صیہونیت نواز (Pro-Zionist) تحریکوں کی بھرپور مدد کی۔ 1905ء میں سر ہنبریان وزیر اعظم برطانیہ بنا' فارن سیکرٹری سر ایڈورڈ گرے اس کا معتمد تھا۔ انہوں نے اپنے پیشروؤں کی ترک دشمن پالیسی پر پورا پورا عمل کیا' اس عہد میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن (1899ء تا 1907ء) ہندوستان کو بیس بنا کر مشرق وسطیٰ میں سامراجی سازشوں کی تکمیل میں سرگرم رہے۔ یہ تاریخی حقیقت بھی منظر عام پر آچکی ہے کہ یہود کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لیے ہندوستان کی سول سروس کے بعض غیر یہود افسر بھی سرگرم عمل تھے' جو اینگلو اسرائیلی ایسوسی ایشن لندن کے اراکین تھے اور مختلف فوجی اور انتظامی عہدوں پر فائز تھے' جن میں فوج کے جنرل اور گورنر تک کے عہدے شامل تھے۔

(سوشولوجیکل ریویو' لندن' مارچ 1968ء۔ مقالہ از سڈ ولسن)

یہ لوگ صیہونیت کے عمومی مقاصد کی تکمیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔

اسلامی تحریکیں : بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے خلاف سامراجی صیہونی سازش کی جا رہی تھی لیکن اسلامیان عالم' خصوصاً ہندوستان کے مجاہدین آزادی اپنی تمام تر مجبوریوں کے باوصف انگریز کے جابرانہ تسلط کے خلاف نبرد آزما تھے۔ 1893ء میں اسیا ---- (شمال مغربی سرحد) کے مقام

پر سید احمد شہیدؒ کے پیروکاروں نے برطانوی افواج سے اس جرات و پامردی سے مقابلہ کیا کہ خود برطانوی جرنیل براؤن لوکینز وغیرہ ان کی شجاعت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

(اولف کیرو' دی پٹھانز' میکملن' لندن۔ 1965ء - ص 366)

1864ء سے 1871ء تک سرحد کے غیور مجاہدوں نے اپنے خون سے آزادی کے چمن کی آبیاری کی۔ یہ سلسلہ برصغیر کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا اور جہاد کا اعلان کر کے مسلمان جو سرفروشانہ کارنامے سرانجام دے رہے تھے' ان سے انگریز خوفزدہ تھا۔ ان تحریکوں کی روک تھام کے لیے اس نے پورے ہندوستان سے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا۔ انبالہ' پٹنہ' مالدہ اور راج محل میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے گرفتار کیے جانے والے مجاہدوں پر مقدمات چلائے گئے۔ کئی مجاہدوں کو حبس دوام عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں لیکن انگریز کا جبر و تشدد ان دلوں کے جذبات آزادی کو دبانے میں' انیسویں صدی میں سامراجی طاقتوں کے نوآبادیاتی عزائم اور استعماری سازشوں کی خونچکاں داستان کئی ابواب پر مشتمل ہے' اس کے ڈانڈے 17 ویں صدی کے صنعتی انقلاب' امریکہ کی جنگ آزادی' انقلاب فرانس اور پرتگالی' فرانسیسی' ہسپانوی اور اطالوی سامراج کے معاشی اور سیاسی استحصال میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ 1869ء میں نہر سویز کھلنے سے عالمی سیاست میں انقلاب آ گیا۔ سامراجی طاقتوں نے اپنی نگاہیں مشرق وسطیٰ' خصوصاً مصر پر مرکوز کر دیں۔ مصر 1841ء تک عثمانی حکومت کا حصہ تھا' لیکن محمد علی کے پاشا بننے پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ برطانیہ اور فرانس دو بڑی طاقتیں تھیں' جو مشرق وسطیٰ قدم جمانے اور بحیرۂ احمر پر متصرف ہونے کے لیے بیتاب تھیں۔

استعماری طاقتوں کے درمیان مقابلہ آرائی سے یہودی پوری طرح

سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ فرانس وہ پہلا ملک تھا جس نے 1788ء میں انھیں شہریت کے حقوق دے ڈالے۔

(یوریل ایوانوف' کاشن زیونزم' ماسکو ص 31)

نپولین نے مشرق وسطیٰ کی مہمات میں ایشیائی اور افریقی یہودیوں کو فوج میں شامل کیا اور فرانس کے زیر اثر یروشلم میں ان کی مجوزہ ریاست کے قیام کا اعلان کیا اور ترکوں کا مقابلہ کر کے اس علاقے کو حاصل کرنے کا نعرہ لگایا۔ اگرچہ 1840ء کی لندن کانفرنس میں بھی یہودی مسئلہ اٹھایا گیا لیکن نہر سویز کے کھلنے کے بعد یہود کے سوال کو زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی۔ سامراجی طاقتیں اپنے سیاسی اور معاشی مقاصد کے لیے اس مسئلہ کو استعمال کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوششیں کرنے لگیں۔

(گالینا نکی تینا' دی سٹیٹ آف اسرائیل' ماسکو 1973ء ص 16)

یورپی سامراج کے جارحانہ اقدامات اور ان کی سیاسی چیرہ دستیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جو اسلامی تحریکیں اٹھیں' ان کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ حجاز میں محمد بن عبدالوہابؒ (1702ء تا 1782ء) نے تجدید و اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا تھا' اس کا ثمر انڈونیشیا میں ڈچ سامراج کے خلاف امام بونجولؒ کی تحریک (1827ء) اور ہندوستان میں سید احمد شہیدؒ کی تحریکات تھیں۔ سید احمدؒ کے مشن کی تکمیل میں صادق پور (پٹنہ) کے مولانا ولایت علیؒ (ف 1852ء) اور عنایت علیؒ (ف 1857ء) کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ روس میں داغستان کے علاقہ سے شیخ محمد شاملؒ (1870ء) نے زار روس کو للکارا اور الجزائر میں فرانسیسی سامراج کے خلاف امیر عبدالقادرؒ (1880ء) صف آراء ہوئے۔ جمال الدین افغانیؒ اسلامی اخوت کے داعی تھے۔ ان کے افکار سے متاثر ہو کر مصر کے اعرابی پاشا نے 1881ء میں اس علاقے میں برطانوی تسلط کے خلاف تحریک چلائی اور سوڈان سے مہدی

سوڈانیؒ نے علم جہاد بلند کیا۔

عالمی استعمار کے غلبہ کے خلاف اسلامیان عالم کی تحریکوں کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد ہم واپس ہندوستان کی طرف لوٹتے ہیں جہاں خفیہ طور پر علمائے حق جہاد کا درس دے رہے تھے اور آزادی کے لیے لائحہ عمل تیار کر رہے تھے' اگرچہ ان کی کوئی مرکزی قیادت نہ تھی اور نہ ہی ان کے پاس قابل ذکر مادی وسائل تھے' لیکن اسلام کے شیدائی' عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار آزادی کی منزل کی جانب رواں دواں تھے"۔

(مرزائیت سیاسی تحریک --- مذہبی بہروپ' ص 9 تا 13 - ایم مڈوی)

جہاد کی منسوخی کا ڈرامہ

● مرزا غلام احمد کادیانی استعماری سیاست کا خود کاشتہ پودا تھا۔ انگریز نے اپنے نظریہ ضرورت کے تحت کادیانی تحریک کو پروان چڑھایا۔ جناب مرتضیٰ احمد میکش رقمطراز ہیں

"دین مرزا برطانیہ کی استعماری سیاست کا ایک خود کاشتہ پودا ہے یعنی ایک ایسی سیاسی تحریک ہے جو انگریزوں کے مقبوضہ ہندوستان میں ایک ایسی مذہبی جماعت پیدا کرنے کے لیے شروع کی گئی جو سرکار برطانیہ کی وفاداری کو اپنا جزو ایمان سمجھے' غیر اسلامی حکومت یا نامسلم حکمرانوں کے استیلا کو جائز قرار دے اور ایک ایسے ملک کو شرعی اصطلاح میں دارالحرب سمجھنے کے عقیدہ کا بطلان کرے جس پر کوئی غیر مسلم قوم اپنی طاقت و قوت کے بل پر قابض ہو گئی ہو۔ انگریز حکمرانوں کی قہاریت اور جباریت کو مسلمان از روئے عقیدۂ دینی اپنے حق میں اللہ کا بھیجا ہوا عذاب سمجھتے تھے اور ان کی رضاکارانہ اطاعت کو گناہ متصور کرتے تھے۔ انگریز حکمران مسلمانوں کے اس جذبے اور عقیدے سے پوری طرح آگاہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس

سرزمین میں ایک ایسا "پیغمبر" کھڑا کر دیا جو انگریزوں کو اولی الامر منکم کے تحت میں لا کر ان کی اطاعت کو مذہبا" فرض قرار دینے لگا اور ان کے پاس ہندوستان کو دارالحرب سمجھنے والے مسلمانوں کی مخبری کرنے لگا۔ جس طرح باغبان اپنے خود کاشتہ پودے کی حفاظت و آبیاری میں بڑے اہتمام سے کام لیتا ہے' اسی طرح سرکار انگریزی نے دین مرزائیت کو فروغ دینے کے لیے مرزائی جماعت کو پرورش کرنا اپنی سیاسی مصلحتوں کے لیے ضروری سمجھا اور اس دین کے پیروؤں سے مخبری' جاسوسی اور حکومت کے ساتھ جذبہ وفاداری کی نشر و اشاعت کا کام لیتی رہی۔ 1919ء میں جب مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے خلافت اسلامیہ ترکی کی شکست سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو انگریزوں کی قابو چیانہ گرفت سے چھڑانے اور ارض مقدس کو عیسائیوں کے ہاتھ میں جانے سے بچانے کے لیے تحریک احیائے خلافت کے نام سے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی مہم شروع کی اور عام مسلمان مولانا محمد علیؒ اور دیگر زعمائے اسلام کی دعوت و تفسیر پر کان دھر کر انگریزی حکومت سے ترک موالات کرنے پر آمادہ ہو گئے' تو مرزائی جماعت نے اس دور کے وائسرائے کے سامنے سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے سرکار انگریزی کو یقین دلایا کہ مسلمانوں کے اس جہاد آزادی کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کے خادم موجود ہیں' جو سرکار انگریزی کی وفاداری کو مذہبی عقیدہ کے رو سے اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ چودھری ظفر اللہ خاں کا سیاسی عروج' جسے پاکستان کی حکومت نے اپنا وزیر امور خارجہ بنا رکھا ہے' اس نقطہ سے شروع ہوتا ہے کیونکہ مذکورہ بالا سپاسنامہ اسی چودھری نے پڑھا تھا' جو اس زمانہ میں ایک معمولی پایا کا وکیل تھا۔ اس سپاسنامہ کی بدولت وہ برطانوی سرکار کی نظروں میں چڑھ گیا' جس نے اسے اتنا نوازا' اتنا نوازا کہ آج پاکستان کی حکومت نے بھی اسے اپنا وزیر خارجہ بنا رکھا ہے۔ خیر یہ تو ایک

جملہ معترضہ تھا' ہم یہ کہہ رہے تھے کہ انگریزی حکومت کے عہد میں مرزائیوں کی سیاست کا انداز تھا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس پس منظر کے ساتھ مرزائیت کو نئے حالات سے دوچار ہونا پڑا کیونکہ عوامی تحریکوں نے سرکار انگریزی کو مجبور کر دیا کہ وہ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مطالبہ آزادی کے سامنے سر جھکاتے ہوئے بھارت اور پاکستان کی دو آزاد مملکتیں پیدا ہونے دے"۔

(پاکستان میں مرزائیت' ص 25 تا 27 از مرتضیٰ احمد میکش)

● "قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف" میں مختلف اسلامی ملکوں میں برطانوی سامراج کے غلبہ و استحکام حاصل کرنے کے پس منظر کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے

"مرزا صاحب کے نشوونما کا دور اور عالم اسلام کی حالت

انیسویں صدی کا نصف آخر' جو مرزا صاحب کے نشوونما کا دور ہے' اکثر ممالک اسلامیہ جہاد اسلامی اور جذبہ آزادی کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ برصغیر کے حالات تو مختصراً معلوم ہو چکے' ہم دیکھتے ہیں کہ یہی زمانہ ہے جب برصغیر کے باہر پڑوسی ممالک افغانستان میں 1878-79ء میں برطانوی افواج کو افغانوں کے جذبہ جہاد و سرفروشی سے دوچار ہونا پڑتا ہے' جو بالآخر انگریزوں کی شکست اور پسپائی پر ختم ہو جاتا ہے۔

ترکی میں 1876ء سے لے کر 1878ء تک کے انگریزوں کی خفیہ سازشوں اور درپردہ معاہدوں کو دیکھ کر جذبہ جہاد بھڑکتا ہے۔ طرابلس الغرب میں شیخ سنوسی' الجزائر میں امیر عبدالقادر (1880ء) اور روس کے علاقہ داغستان میں شیخ محمد شامل (1870ء) بڑی پامردی اور جانفشانی سے فرانسیسی اور روسی استعمار کو للکارتے ہیں۔ 1881ء میں مصر میں مصری

مسلمان سرگرم ہو کر انگریزوں کی مزاحمت کرتے ہیں۔

سوڈان میں انگریز قوم قدم جمانا چاہتی ہے تو 1881ء میں مہدی سوڈانی اور ان کے درویش جہاد کا پھریرا بلند کر کے بالآخر انگریز جنرل گارڈن اور اس کی فوج کا خاتمہ کرتے ہیں۔

اسی زمانہ میں خلیج عرب' بحرین' عدن وغیرہ میں برطانوی فوجیں مسلمانوں کے جہاد اور استخلاص وطن کے لیے جان فروشی اور جان نثاری کے جذبہ سے دوچار تھیں۔

مسلمانوں کی ان کامیابیوں کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز مصنف لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں دینی سرگرمی بھی کام کرتی تھی۔ کہتے تھے کہ فتح پائی تو غازی مرد کہلائے' حکومت حاصل کی۔ مر گئے تو شہید ہو گئے' اس لیے مرنا یا مار ڈالنا بہتر ہے اور پیٹھ دکھانا بیکار"۔

(تاریخ برطانوی ہند' ص 302 - مطبوعہ 1915ء)

(قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف' ص 149 - مکتبہ امدادیہ' ملتان)

بیش بہا قربانیاں

● جنگ پلاسی سے لے کر 1857ء کی جنگ آزادی تک ہندوستان میں انگریز کامیابیوں اور کامرانیوں کے زینے طے کرتے رہے۔ ان کے نہاں خانہ دماغ میں یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کو جبر و تشدد کے ذریعہ زیر کر لیں گے' لیکن ان کا یہ نظریہ خام خیالی نکلا۔ وہ مسلمانوں کے جسموں پر حکومت قائم کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے' لیکن برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کرنا ان کے بس کا روگ نہ بن سکا۔ مسلمانوں نے اپنے جذبہ ایمان کی دولت سے ثابت کر دیا کہ انہیں آزادی سے محبت اور غلامی سے نفرت ہے۔ مسلمانوں کا یہی جذبہ انگریزوں کے لیے سوہان روح بنا رہا۔ غلامی سے آزادی تک پیہم ایمان پرور جدوجہد میں علماء اور

حریت پسندوں نے بیش بہا قربانیوں کے نذرانے پیش کیے۔ برصغیر پاک و ہند کے علماء نے برطانوی راج کو غیر مستحکم کرنے کے لیے اور ان سے آزادی حاصل کرنے کے لیے قرآن کی اساس پر مسلمانوں میں ایسی روح پھونک دی کہ جہاد کا جذبہ ان کی شریانوں میں خون کے ساتھ گردش کرتا رہا۔ علمائے حق کے ایمانی اور روحانی کردار نے انگریز سرکار کو مسلسل پریشان کیے رکھا۔ ادھر برطانوی سامراج نے جذبہ جہاد سے سرشار مجاہدین، حریت پسندوں اور آزادی کے متوالوں کے ساتھ اس قدر سفاکانہ اور ظالمانہ برتاؤ کیا، جس کے ذکر سے انسانی شرافت بھی کانپ اٹھتی ہے۔ ہزاروں سلام ہوں شمع آزادی کے ان پروانوں پر جنہوں نے پروانہ آزادی کے حصول کے لیے موت کو سینے سے لگایا، ایسی تاریخی اور یادگار قربانیاں دیں، جن کی خوشبو سے آزادی کا چمن ہمیشہ مہکتا رہے گا۔ آزادی کے پرستار علماء اور مجاہدوں کو پھانسیوں پر لٹکایا گیا، توپوں کے دہانوں پر باندھ کر زہریلے بارود سے ان کے جسموں کے پرخچے اڑا دیے گئے، حریت پسندوں کو عمارتوں کی بنیادوں میں چنا گیا، چونے کی گرم بھٹیوں میں ڈالا گیا، تیل کے کھولتے کڑاہوں میں ڈال کر ان کی دلدوز چیخوں کا نظارہ کیا گیا، علماء کے جسموں پر سور کی چربی مل کر انہیں درختوں سے الٹا لٹکا کر دھیمی آگ میں جلایا گیا، تاکہ وہ تڑپ تڑپ کر جاں دیں، لیکن علماء کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی بلکہ

بڑھتا ہے ذوق جرم ہر خطا کے بعد

● "غلامی سے آزادی تک" کے مصنف قریشی غلام فرید تحریک آزادی میں علماء کی استقامت پر رقمطراز ہیں:

"1857ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے مشترکہ طور پر انگریز کے جابرانہ طرز حکومت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ لیکن چونکہ جنگ آزادی کی مرکزی قیادت مرزا مغل کے ہاتھ میں تھی اور مرہٹہ سردار نانا صاحب نے کانپور پر قبضہ کرتے وقت بہادر شاہ کا سبز جھنڈا لہرایا تھا، نیز

رانی جھانسی اور راجہ بلب گڑھ نے بھی بہادر شاہ کا جھنڈا لہرایا تھا' اس لیے انگریز کے دماغ میں یہ تصور پیدا ہوا کہ بغاوت کے اصلی اور حقیقی محرک صرف مسلمان ہیں۔

لہذا مسلمانوں کو خاص طور پر جبرو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ چنانچہ بہادر شاہ' واجد علی شاہ' بخت خاں' خان بہادر' فیروز شاہ' نجیب خاں اور دیگر قابل ذکر مسلمانوں کی سیاسی قوت کو ختم کیا۔ فیض آباد کے مشہور عالم دین مولوی احمد اللہ شاہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور مولوی رضی الدین کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کی جاگیریں ضبط کر لیں' ان کے گھروں کو خاکستر بنا دیا اور ان کے اہل و عیال کو مفلوک الحال بنا کر رکھ دیا۔ انگریز کی قاہرانہ قوت نے ہزاروں مسلمانوں کو موت کی بدحالیوں اور جانکاہ اذیتوں میں مبتلا کیا اور ان کے ہزاروں خاندان مٹا دیے گئے۔

لیکن انگریز کی وحشیانہ طاقت اور جورو استبداد کے باوجود 1859ء میں سر سید احمد خاں نے "اسباب بغاوت ہند" کے نام سے ایک کتاب لکھ کر انگریز کی بدعنوانیوں کا پردہ چاک کیا اور 1864ء میں مولانا ولایت علی' مولانا تبارک علی' مولانا یحیٰی علی' مفتی عنایت محمد' مفتی مظہر کریم' مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا محمد جعفر تھانیسری وغیرہ حضرات میدان میں آ گئے اور انگریز کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ ان سب کو حبس دوام عبور دریائے شور کی سزا دی گئی لیکن اس ظالمانہ سزا کے باوجود ان علمائے کرام نے اپنے عزم و استقلال سے ثابت کر دیا کہ مسلمان ہر قسم کی مشکلات کے باوجود اپنے روحانی نصب العین کی حفاظت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں' بلکہ ان کا مضبوط اسلامی کیریکٹر اور طاقتور اجتماعی نظم علی حالہ قائم ہے اور غلامی کے باوجود ان کا دل اور ضمیر آزاد ہے۔

مٹنے پہ بھی چدار ہستی وہی ہے

مکاں گرم ہے آگ کو بجھ گئی ہے

("غلامی سے آزادی تک" ابتدائیہ از قریشی غلام فرید' صفحہ ۹۔ ۱۰)

● خون آشام مظالم

مسٹر ایڈورڈ ٹامسن کی کتاب مترجم حسام الدین بی۔ اے مسمی بہ "انقلاب 57ء کی تصویر کا دوسرا رخ" میں انگریزی حکومت کے روح فرسا مظالم اور اذیت ناک سزاؤں کا تفصیلی ذکر موجود ہے' جسے پڑھ کر انسانی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کی تحریک کے بانی مبانی علمائے کرام تھے اور اس تحریک کے ذمہ دار مسلمان حریت پسند تھے۔ چنانچہ سر ولیم رقمطراز ہے:

"انگریز کی نگاہوں میں تحریک کے اصلی مجرم مسلمان تھے' خصوصاً علماء۔ ظاہر بات ہے کہ مظالم کا نشانہ بھی سب سے زیادہ انہی لوگوں کو بنایا گیا' چنانچہ مولانا احمد علی شاہ صاحب دلاور جنگ بہادری' جنہوں نے لکھنؤ میں حکومت قائم کی تھی' ان کو ایک مہاراجا کے ذریعے قتل کرایا گیا اور ان کا سر نیزے پر اٹھا کر اس کا ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں مظاہرہ کرایا گیا اور مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کو' جو کہ تحریک کے بہت بڑے رکن تھے اور بریلی' علی گڑھ اور اس کے ملحقہ اضلاع کے دوران تحریک میں گورنر تھے' آخر ان کو گھر سے گرفتار کیا گیا اور لکھنؤ میں ان کی سزا کے لیے ایک جیوری بیٹھی۔ جس مخبر نے ان کو گرفتار کرایا تھا' اس نے انکار کر دیا کہ مجھے معلوم نہیں فتویٰ جہاد پر جس نے دستخط کیے ہیں' وہ یہ فضل حق ہیں یا کوئی اور ہیں۔ اس نے پہچاننے سے انکار کر دیا اور مولانا خود اپنی طرف سے وکیل تھے۔ انہوں نے سب الزامات کو ایک ایک کر کے رد بھی کر دیا۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ مولانا کل رہا ہو جائیں گے۔ دوسرے دن عدالت فیصلے کے لیے بیٹھی تو مولانا نے فرمایا کہ مخبر نے

پہلے جو رپورٹ لکھوائی تھی' وہ بالکل صحیح تھی کہ فتویٰ میرا ہے۔ اب میری شکل و صورت سے مرعوب ہو کر یہ جھوٹ بول رہا ہے' یقیناً یہ فتویٰ میرا لکھا ہوا ہے اور اس پر میرے دستخط ہیں۔ قربان جایئے علامہ کی شان استقلال پر' خدا کا شیر گرج کر کہہ رہا ہے: "میرا اب بھی یہی فیصلہ ہے کہ انگریز غاصب ہے اور ان کے خلاف جہاد لڑنا فرض ہے"۔ خدا کے بندے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جان کی پروا کیے بغیر سربکف ہو کر میدان میں نکلتے ہیں اور پھر لومڑی کی طرح ہیر پھیر کر کے جان نہیں بچایا کرتے بلکہ شیروں کی طرح جان دینے کو فخر سمجھتے ہیں۔

چنانچہ جیوری مجبور ہو گئی اور عبور دریائے شور کی سزا کا حکم سنایا اور آپ کو کالے پانی بھیج دیا۔ آخر 1861ء میں آپ کا وہاں ہی انتقال ہو گیا اور ان کو وہاں ہی دفن کر دیا گیا۔ باقی مولانا فیض احمد صاحب بدایونی' مولوی عبدالقادر دہلوی' قاضی فیض اللہ دہلوی' مولوی وزیر خان اکبر آبادی' سید مبارک شاہ رامپوری اور مولوی ولایت علی شاہ والہ آبادی' ان سب کو پھانسی کا حکم ہوا اور پھانسی پر لٹک کر جان بحق ہو گئے۔

جیسے ایڈورڈ ٹامسن نے شہادت دی ہے کہ صرف دہلی شہر میں پانچ سو علماء کو پھانسی لگائی گئی ہے' اس سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ تمام ملک میں کس قدر علماء پر ظلم و ستم ہوا اور کتنوں نے آزادی وطن کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں۔ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب کے ساتھی مولانا حافظ رمضان صاحب بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ صرف حاجی امداد اللہ صاحب اور شاہ عبدالغنی صاحب نامعلوم طریقے سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور آخر تک وہیں رہے"۔

(از "تحریک ریشمی رومال" ص 43 مولانا حسین احمد مدنی)

"آزادی کی تحریک میں انگریزی سامراج نے ظلم و ستم کے جو بھیانک مظاہرے

کیجیے' اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں تا کہ پتہ چل سکے کہ متمدن قوم کے دعویداروں نے آزادی کے متوالوں کو کس طرح خاک و خون میں تڑپایا۔

مسز موبری تھامسن نے اپنے بعض قیدیوں کی دردناک سرگزشت سر ہیز کاٹن کو ذیل کے الفاظ میں سنائی:

"شام کے وقت ایک سکھ اردلی میرے خیمے میں آیا اور سلام کر کے پوچھنے لگا: آپ غالباً یہ دیکھنا پسند کریں گے کہ قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ میں فوراً لپک کے قیدیوں کے خیمے میں گیا' جہاں ان بدبخت مسلمانوں کو عالم نزاع میں بے حال دیکھا' یعنی مشکیں ان کی بندھی ہوئی تھیں اور وہ برہنہ زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کو گرم تانبے سے داغ دیا گیا تھا۔ اس روح فرسا نظارہ کو دیکھ کر میں نے اپنے پستول سے ان کا خاتمہ کر دینا ہی ان کے حق میں مناسب سمجھا"۔

("تصویر کا دوسرا رخ" ص 41)

تامسن صاحب ایک اخبار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"ٹائمز کے نامہ نگار نے لکھا تھا: میں نے دہلی کے بازاروں میں سیر کرنا مطلقاً" چھوڑ دیا ہے کیونکہ کل ایسا دردناک واقعہ دیکھنے میں آیا' جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی ایک افسر بیس سپاہی لے کر شہر کی گشت کو جانے لگا' تو میں بھی ان کے ہمراہ ہو لیا اور راستے میں ہم نے چودہ عورتوں کی لاشوں کو شالوں میں لپٹے ہوئے بازار میں پڑا پایا' جن کے سر دھڑوں سے ان کے خاوندوں نے خود جدا کیے تھے' چنانچہ ایک عینی شاہد سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دردناک حادثہ اس لیے ظہور پذیر ہوا کہ ان کے خاوندوں کو شبہ تھا کہ انگریز سپاہیوں کے قبضہ میں آ گئیں' تو وہ ان کی عصمت دری کریں گے' لہٰذا تحفظ ناموس کا یہی طریقہ مناسب

خیال کیا گیا' جس کے بعد خاوندوں نے بھی خودکشی کر لی' چنانچہ ان لاشوں کو ہم نے دیکھا"۔

("تصویر کا دوسرا رخ" ص 70 از "تحریک ریشمی رومال" ص 41)

شوق شہادت

تحریک آزادی میں بلا تخصیص مردوں عورتوں کا قتل عام کیا گیا۔ لیکن انگریز کو اصل خطرہ علماء کے طبقے کی طرف سے لاحق تھا' چنانچہ ہر داڑھی والے شخص کو مولوی سمجھ کر گولی مار دی جاتی۔ تحریک آزادی میں علماء نے ایثار و قربانی کا جو یادگار کردار ادا کیا' تاریخ میں اسے سنہری حروف سے لکھا جائے گا' کیونکہ علماء نے انگریز نفرت کا جو الاؤ روشن کیا' وہ خود اس بھٹی کا ایندھن بن گئے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہو گا کہ آزادی مانگنے کے جرم میں جن علماء کو پھانسی کی سزائیں سنائی جاتیں' وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے۔ انگریز سپرنٹنڈنٹ جیلوں نے سرکار کو لکھا کہ جن علماء کو موت یا پھانسی کی سزائیں سنائی جاتی ہیں' وہ شہادت کی لگن میں اس قدر لذت محسوس کرتے ہیں کہ ان کے چہرے دمک اٹھتے ہیں۔ مسرت و انبساط سے مخمور ہو کر ان کا وزن بڑھ جاتا ہے اور وہ بے تابی سے اپنے یوم شہادت کے انتظار میں دن اور گھڑیاں گنتے ہیں۔ چنانچہ برطانوی حکومت نے حریت پسند علماء کے اس ایمانی جذبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ان کی موت کی سزاؤں کو عمر قید اور کالے پانیوں میں تبدیل کر دیا۔ شہادت کے متلاشی علمائے حق انگریز کے ترمیمی فیصلہ پر کف افسوس ملتے اور اپنی بدنصیبی پر ماتم کناں نظر آتے۔

صیاد نے تیرے اسیروں کو آخر یہ کہہ کر چھوڑ دیا
یہ لوگ قفس میں رہ کر بھی گلشن کا نظارہ کرتے ہیں

● دستاویزی ثبوت

انگریزی استعمار اپنے تمام مظالم' جبر و استبداد کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کے جذبہ جہاد کے سامنے سپرانداز ہوگیا۔ انگریزوں کی پریشانی کا اندازہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر (W.W. Hunter) کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" (Our#Indian#Muslim) سے لگایا جا سکتا ہے' جس میں اس نے واضح طور پر لکھا ہے کہ جب تک مسلمانوں میں جہاد کا تصور اور اس کی روح باقی ہے' اس وقت تک برطانوی حکومت ہندوستان میں مستحکم نہیں ہو سکتی۔ انگلستان گورنمنٹ نے 1869ء کے اوائل میں ازاں برٹش پارلیمنٹ کے ممبوں' برطانوی اخبارات کے ایڈیٹروں اور چرچ آف انگلینڈ کے نمائندوں پر مشتمل ایک وفد سر ولیم کی زیر قیادت ہندوستان میں بھیجا تاکہ اس بات کا کھوج لگایا جا سکے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو کس طرح رام کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستانی عوام اور بالخصوص مسلمانوں میں وفاداری کیونکر پیدا کی جا سکتی ہے۔ برطانوی وفد ایک سال ہندوستان میں رہا اور حالات کا جائزہ لیا۔ 1870ء میں وائٹ ہال لندن میں اس وفد کا اجلاس ہوا' جس میں ہندوستانی مشنری کے پادری بھی تھے۔ کمیشن کے سربراہ سر ولیم نے بتایا کہ

> "مذہبی نقطہ نظر سے مسلمان کسی دوسری قوم کی حکومت کے زیر سایہ نہیں رہ سکتے۔ ایسے حالات میں وہ جہاد کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ جوش کسی وقت بھی انہیں ہمارے خلاف ابھار سکتا ہے"۔

اس وفد نے "The Arrival of British Empire in India" (ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی آمد) کے عنوان سے دو رپورٹیں لکھیں' جس میں انہوں نے لکھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے روحانی اور مذہبی پیشواؤں کی اندھا دھند پیروکار ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو الہامی سند پیش کرے تو ایسے شخص کو حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھا کر اس سے برطانوی مفادات کے لیے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں انگلستانی وفد کی رپورٹ

REPORT OF MISSIONARY FATHERS

"Majority of the population of the country blindly follow their "Peers" their spiritual leaders. If at this stage, we succeed in finding out some who would be ready to declare himself a Zilli Nabi (apostolic prophet) then the large number of people shall rally round him. But for this purpose, it is very difficult to persuade some one from the Muslim masses. If this problem is solved, the prophethood of such a person can flourish under the patronage of the Government. We have already overpowered the native governments mainly pursuing a policy of seeking help from the traitors. That was a different stage, for at that time, the traitors were from the military point of view. But now when we have sway over every nook of the country and there is peace and order every where we ought to undertake measures which might create internal unrest among the country."

(Extract from the Printed Report, India Office Library, London)

ترجمہ : "ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت اپنے پیروں اور روحانی رہنماؤں کی اندھی تقلید کرتی ہے۔ اگر اس موقع پر ہمیں کوئی ایسا شخص مل جائے، جو ظلی نبوت (حواری نبی) کا اعلان کرے، اپنے گرد پیروکاروں کو اکٹھا کرے لیکن اس مقصد کے لیے اس کو عوام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا، اس شخص کی نبوت کو حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھا کر برطانوی حکومت کے لیے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔ ہم نے مقامی حکومتوں کو پہلے ہی ایسی ہدایات دی ہوئی ہیں کہ غداروں سے معاونت حاصل کی جائے، اس وقت مسلح غداری ہوئی تھی اور صورت حال اور تھی، لیکن اب

ہم نے ہندوستان کے طول و عرض میں ایسے انتظامات کر لیے ہیں' ملک میں ہر طرف امن و امان ہے۔ ملک کی اندرونی بدامنی سے نمٹنے کے لیے ایسے اقدامات کیے جا چکے ہیں جو ملک میں اندرونی بدامنی پیدا کریں گے"۔

(رپورٹ: انڈیا آفس لائبریری۔ لندن)

● انگریزی حکومت نے جہاد کے خلاف فتوے حاصل کرنے کے لیے جو تگ و دو کی' اس کی تفصیل آغا شورش کاشمیری بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انگریزوں کی پریشانی کا اندازہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" (Our Indian Mussalmans) سے ہو سکتا ہے۔ اس نے واضح طور پر لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جہاد کا تصور ان کی سلطنت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے۔ انگریزوں نے ایک طویل استبداد کے بعد یہ محسوس کیا کہ بیمانہ تشدد اجتماعی ہو یا انفرادی' مسلمانوں سے اس جذبہ کو محو نہیں کر سکتا' تو انہوں نے جہاد کے خلاف مباحث پیدا کر کے علماء سے فتوے حاصل کرنا شروع کیے اور کلام اللہ کی تفسیروں کا مزاج بدلوانا چاہا۔ ڈاکٹر ہنٹر کی محولہ کتاب سے ان علماء و فضلاء کا پتہ چلتا ہے جو اس وقت تنسیخ جہاد کا فتویٰ دے رہے تھے۔ کتاب کے آخر میں مکہ معظمہ کے حنفی' شافعی اور مالکی مفتیوں کا فتویٰ درج ہے' جو ان سے حاصل کیا گیا اور ہندوستان کے مسلمانوں میں شد و مد سے تقسیم کیا گیا۔ استفتاء تھا کہ ہندوستان کے عیسائی حکمران اسلام کے تمام احکام مثلاً صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ میں مداخلت نہیں کرتے' تو کیا ہندوستان دارالاسلام ہے کہ نہیں؟

ہر سہ مفتیوں نے ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دیا اور لکھا کہ ہندوستان دارالحرب نہیں اور جہاد دارالحرب میں جائز ہے۔ ہنٹر نے

اس فتوئی کو عیاری قرار دیا اور اس سے بھی جہاد کے معنے پیدا کیے۔ ایک دوسرا استفتاء بھاگل پور میں کمشنر کے پرسنل اسسٹنٹ سید امیر حسین کی طرف سے تھا۔ اس کا جواب 17 جولائی 1870ء کو شمالی ہند کے نو علماء کی طرف سے تھا۔ ان علماء میں سے سات لکھنوی اور دو رامپوری تھے۔ انہوں نے لکھا کہ اس ملک میں جہاد واجب نہیں۔ ایک پخ یہ بھی لگائی ہے کہ جہاد کیا جائے' تو اس میں مسلمانوں کی فتح اور اسلام کی برتری کا قیاس غالب ہو۔ اگر اس قسم کے قیاس کا امکان نہ ہو تو جہاد ناجائز ہے۔ جن علماء کے نزدیک ہندوستان دارالاسلام تھا اور جہاد واجب نہیں تھا' ان کی مخالفت کرتے ہوئے محمڈن سوسائٹی کلکتہ کی جانب سے مولوی کرامت علی نے لکھا کہ اگر کوئی شخص دارالاسلام کے مقبوضہ پر انگریز حکمرانوں سے جنگ کرتا ہے تو مسلمان عوام اپنے حکمرانوں کا ساتھ دینے کے شرعاً" پابند ہیں۔ انہی دنوں سرکاری مسلمانوں نے کلکتہ میں ایک جلسہ کیا۔ مولوی کرامت علی جونپوری' شیخ احمد آفندی انصاری' مولوی عبدالحکیم اور خان بہادر مولوی عبداللطیف نے جہاد کے خلاف تقاریر کیں۔ شیخ آفندی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا کہ آپ مدینہ منورہ کے معزز شہری اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آفندی نے اسی شرف کے تحت انگریزوں کی وفاداری پر زور دیا اور جہاد سے پرہیز کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر ہنٹر نے شیخ احمد آفندی کی مذکورہ تقریر اپنی کتاب کے حاشیہ میں من و عن درج کی اور اس پر پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک کے سب سے بڑے مخالف مولانا فضل حق خیر آبادی (1861ء) ایجنٹ دہلی کے محکمہ میں سررشتہ دار اور دوسرے مخالف مولوی فضل رسول بدایونی (1872ء) بدایون میں کلکٹر کے سررشتہ دار تھے۔ انگریزوں نے ان کے علاوہ اس وقت کے بعض

نامور علماء اور کئی ایک جید فضلاء کو سرکاری خدمات کے لیے حاصل کر لیا۔ ان میں مفتی صدر الدین آزردہ (1868ء) مولوی فضل امام خیر آبادی (1829ء) اور خیر آباد کے علماء کا پورا قبیلہ تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی نامور لوگ تھے۔ انہوں نے منصب افتاء و قضاۃ سے انگریزوں کی منشاء کے مطابق تنسیخ جہاد کے فتوے جاری کیے اور اس طرح انگریزی اقتدار کو بحال و مضبوط کیا۔ انگریزوں نے تحریک مجاہدین کو وہابی کہہ کر اپنے ہمنوا علماء کے ہاتھ میں ایک ہتھیار دے دیا۔ پھر جو شخص انگریزوں کا باغی تھا' اس کو وہابی کہہ کر پچڑایا۔ ان دنوں "وہابی" اور "باغی" مترادف الفاظ تھے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ علماء سوء نے عوام کو بھڑکا کر مسجدوں میں ان کا داخلہ روک دیا۔ سر عبدالرحیم نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس 1925ء کے صدارتی خطبہ میں بیان کیا تھا کہ بنگال میں وہابی تحریک کی آڑ لے کر مسلمان زمینداروں کی تمام املاک' جو وسعت میں بنگال کا ایک چوتھائی تھا' انگریزوں نے ضبط کر لی اور انہیں افلاس و نامرادی کے حوالہ کر دیا اور وہ دربدر ہو گئے۔

("تحریک ختم نبوت" شورش کاشمیری۔ ص 14-15)

تاریخی حقائق اور دیگر دستاویزات سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ انگریزی سامراج نے مسلمانوں کے قلوب سے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لیے "قادیانی فتنہ" کی بنیاد رکھی۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخی روایات' مذہبی عقیدت اور ثقافتی ورثہ کا مشاہدہ اور تجزیہ کرنے کے بعد انگریز اس نتیجہ پر پہنچے کہ برصغیر میں مستحکم اور پائیدار حکومت کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد کی روح کو مسخ کر ڈالا جائے۔ انہیں صرف مسلمان سے ڈر تھا۔ بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سلطنت مسلمان حکمرانوں سے چھینی تھی' جس کا قلق مسلمانوں کو ہندوؤں سے سوا تھا۔ انگریزوں نے صحیح سمجھا کہ مسلمانوں کے پاس ایک ہتھیار ایسا

ہے جس کا مقابلہ ان کی ہمت سے باہر ہے اور وہ ہتھیار "عقیدۂ جہاد" تھا۔

برٹش پارلیمنٹ اور چرچ آف انگلینڈ کے اراکین نے ایک کانفرنس بلائی جس میں ہندوستان کے نمائندہ مشنریوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ برطانوی کمیشن اور مشنریوں کی طرف سے ہندوستان میں مذہبی تخریب کاری کے پروگرام کی دو الگ الگ رپورٹیں تیار ہوئیں' جن کو یکجا کر کے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا ورود (The Arrival of British Empire in India) کے نام سے مرتب ہوئی۔ اس میں علاوہ دیگر امور کے سامراجی ضروریات کی تکمیل کے لیے ایک ایسی مذہبی نبوت کی ضرورت بیان کی گئی تھی' جو مسلمانوں میں اٹھ کر پروان چڑھے اور ان کی ہدایات پر کام کرے۔

(بحوالہ "قادیان سے اسرائیل تک"۔ ص 24)

● نبی کی تلاش

رپورٹ کو مدنظر رکھ کر تاج برطانیہ کے حکم پر ایسے موزوں اور باعتبار شخص کی تلاش شروع ہوئی' جو برطانوی حکومت کے استحکام اور علمداری کے تحفظات میں الہامات کا ڈھونگ رچا سکے' جس کے نزدیک تاج برطانیہ کے مراسلات وحی کا درجہ رکھتے ہوں' جو ملکہ معظمہ کے لیے رطب اللسان ہو۔ برطانوی حکومت کی قصیدہ گوئی اور مدح سرائی جس کی نبوت کا دیباچہ ہو۔ برطانوی شہ دماغوں نے ہندوستان میں ایسے شخص کے انتخاب کے لیے ہدایات جاری کیں۔ پنجاب کے گورنر نے اس کام کی ڈیوٹی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے ذمہ لگائی۔ چنانچہ "برطانوی معیار" کے مطابق نبی کی تلاش کا کام شروع ہوا۔ آخر کار قرعہ فال منشی غلام احمد قادیانی کے نام نکلا۔

"برطانوی ہند کی سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لیے طلب کیا۔ ان میں سے مرزا غلام احمد قادیانی نبوت کے لیے نامزد کیے گئے"۔

("تحریک ختم نبوت" ص 23 از شورش کاشمیری)

منشی غلام احمد قادیانی ہر لحاظ سے انگریز حکومت کی خدمت اور برطانوی مفادات کے تحفظ کے لیے موزوں اور قابل اعتماد شخص تھا کیونکہ اس کا خاندان شروع ہی سے برطانوی سامراج کی خدمت اور کاسہ لیسی میں مشہور تھا۔ مرزا صاحب کے والد مرزا غلام مرتضٰی نے جنگ آزادی میں 50 گھوڑے بمعہ سواروں کے انگریزوں کی مدد کے لیے دیے تھے' جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر مشہور سفاک اور ظالم جنرل نکلسن کی فوج میں شامل رہا تھا اور اس نے مسلمانوں کے خون میں ہاتھ رنگے تھے۔ انگریزوں کی وفاداری اور تابعداری میں مرزا غلام احمد قادیانی اعتراف کرتے ہیں کہ:

○ "میں ایک ایسے خاندان سے ہوں' جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضٰی گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا' جس کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن کے "تاریخ رئیسان پنجاب" میں ہے اور 1857ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی۔ یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیے تھے"۔

("اشتہار واجب الاظہار شامل کتاب البریہ" ص 3 از مرزا غلام احمد قادیانی)

○ "میرے والد غلام مرتضٰی اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ 1857ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گزاری میں پچاس گھوڑے مع پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیے تھے اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا اور سرکار انگریزی کے حکام وقت سے بجا آوری خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان

کو ملی تھیں۔ چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے اپنی کتاب "رئیسان پنجاب" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لیے حکام وقت ڈپٹی کمشنران کے مکان پر آکر ان سے ملاقات کرتے تھے"۔

(اشتہار واجب الاظہار' مورخہ 10 ستمبر 1897ء صفحہ 3 تا 6' ملحقہ "کتاب البریہ")

انگریزی اطاعت کی خاندانی گھٹی مرزا غلام احمد کادیانی کے رگ و ریشہ میں رچی بسی ہوئی تھی۔ اس ذلت کا اعتراف خود مرزا صاحب اس طرح کرتے ہیں:

○ "مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی' وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک میں اور نیز دوسرے بلاد اسلام میں ایسے مضمون شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے' لہٰذا ہر ایک مسلمان کا فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکرگزار اور دعاگو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو' فارسی' عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں اور یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں مکے اور مدینے میں بھی بخوشی شائع کر دیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں' جہاں تک ممکن تھا' اشاعت کر دی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلط خیالات چھوڑ دیے' جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں ان کی نظیر کوئی مسلمان دکھا نہیں سکتا"۔

("ستارہ قیصرہ" ص 373 - مرزا غلام احمد قادیانی)

یہی نہیں بلکہ مرزا غلام احمد کادیانی نے انگریزی حکومت کی تائید و حمایت میں

اس قدر کتابیں لکھیں' بقول ان کے:

"اگر وہ تمام کتابیں جمع کی جائیں تو ان سے 50 الماریاں بھر سکتی ہیں"۔

(تریاق القلوب' مصنف مرزا غلام احمد قادیانی' ص 15)

منشی سے نبوت تک

مرزا غلام احمد قادیانی برطانوی سرکار کی نظر انتخاب میں کس طرح آئے' اس کا ایک خاص پس منظر بیان کیا جاتا ہے۔

منشی غلام احمد قادیانی منشی سے نبوت تک کیسے پہنچے' اس مختصر مگر دلچسپ کہانی کو جناب ابو مدثرہ اپنے الفاظ میں یوں لکھتے ہیں:

" **مرزا صاحب کا انتخاب:** مرزا غلام احمد کی ابتدائی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے معمولی سی پڑھی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد نے سکھوں کے عہد میں چھن جانے والی جاگیروں کی بازیابی کے لیے مقدمات قائم کر رکھے تھے اور انگریز کے تعاون سے ان پر دوبارہ قابض ہونے کی فکر میں 1864ء میں آپ نے انگریز سے مل ملا کر آپ کو سیالکوٹ کی کچہری میں اہلمد کی ملازمت دلوا دی۔ اس دوران آپ نے یورپی مشنریوں اور بعض انگریز افسران سے تعلقات پیدا کیے اور مذہبی مباحث کی آڑ میں باہمی میل جول کو بڑھایا۔

1868ء کے لگ بھگ سیالکوٹ میں ایک عرب محمد صالح وارد ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس حرمین شریفین کے بعض مفتیان کرام کا ایک فتویٰ تھا' جس میں ہندوستان کو دارالحرب ثابت کیا گیا تھا۔ انگریز کے مخبروں نے آپ کو اعتماد میں لے کر گرفتار کرا دیا۔ آپ پر دو الزامات عاید کیے گئے: ایک امیگریشن ایکٹ کی خلاف ورزی اور دوسرے برطانوی حکومت

کے خلاف جاسوسی کرتا تھا۔ سیالکوٹ کچہری کے یہودی ڈپٹی کمشنر پارکنسن (Parkinson) نے تفتیش کا آغاز کیا۔ وہ ان تمام لوگوں کو گرفتار کرنا چاہتا تھا' جن سے ا ز لو اور عرب کا رابطہ تھا۔ دوران تفتیش ایک ایسے آدمی کی ضرورت پڑی' جو عربی کے مترجم کے طور پر کام کر سکے۔

(ڈاکٹر بشارت احمد' مجدد اعظم' لاہور' 1939ء' ص 42)

یہ خدمت مرزا صاحب نے ادا کی اور عرب دشمن اور برطانیہ نوازی کی وہ مثال پیش کی کہ پارکنسن آپ کا گرویدہ ہو گیا۔

ایک اور واقعہ جسے مرزا صاحب کی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے' وہ پادری بٹلر ایم۔ اے کی لندن واپسی ہے۔ یہ پادری برطانوی انٹیلی جنس کا ایک رکن تھا اور مبلغ کے روپ میں کام کر رہا تھا۔ مرزا صاحب نے مذہبی بحث کی آڑ میں ان سے طویل ملاقاتیں کیں اور برطانوی راج کے قیام کے لیے اپنی ہر قسم کی خدمات پیش کیں۔ 1868ء میں بٹلر ولایت جانے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خفیہ بات چیت ہوئی اور معاملات کو حتمی صورت دی گئی۔ مرزا غلام احمد کے صاحبزادے مرزا محمود اپنی تصنیف "سیرت مسیح موعود" میں لکھتے ہیں:

"ریورنڈ بٹلر ایم۔ اے' جو سیالکوٹ مشن میں کام کرتے تھے اور جن سے حضرت صاحب کے بہت سے مباحثات ہوتے رہتے تھے' جب ولایت واپس جانے لگے تو خود کچہری میں آپ کے پاس ملنے کے لیے چلے آئے اور جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا' کس طرح تشریف لائے تو ریورنڈ مذکور نے کہا' صرف مرزا صاحب کی ملاقات کے لیے! اور جہاں آپ بیٹھے تھے' وہیں سیدھے چلے گئے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے"۔

(مرزا محمود احمد "سیرت مسیح موعود" ربوہ' ص 15)

ایک خطبے میں مرزا محمود نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اس وقت پادریوں کا بہت رعب تھا لیکن جب سیالکوٹ کا انچارج مشنری ولایت جانے لگا تو حضرت صاحب کے ملنے کے لیے خود کچہری آیا۔ ڈپٹی کمشنر اسے دیکھ کر اس کے استقبال کے لیے آیا اور دریافت کیا کہ آپ کس طرح تشریف لائے۔ کوئی کام ہو تو ارشاد فرمائیں مگر اس نے کہا' میں صرف آپ کے اس منشی سے ملنے آیا ہوں۔ یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ آپ کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا جوہر ہے جو قابل قدر ہے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' 24 اپریل 1934ء)

اسی سال 1868ء میں مرزا صاحب بغیر کسی معقول ظاہری وجہ کے اچانک نوکری سے استعفیٰ دے کر قادیان چلے گئے اور تصنیف و تالیف کے کام میں لگ گئے۔

تحریک کا آغاز

عالمی تحریک صیہونیت' برطانوی سیاست میں یہودیوں کا دخل' خصوصاً ان کا وزرائے اعظم کے عہدے تک پہنچنا' اسلامیان عالم کی سیاسی و معاشی زبوں حالی' ہندوستانی مسلمانوں کی حصول آزادی کے لیے جدوجہد اور انگریز کے سیاسی اور مذہبی تخریب کاری کے لیے خطرناک عزائم' جو علی الترتیب ہنٹر رپورٹ اور مشنری فادرز رپورٹ سے عیاں ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک غدار خاندان کے فرد مرزا غلام احمد کا یہودی افسروں اور جاسوس مشنری اداروں کے سربراہوں سے ربط ضبط اور ان کا پارکنسن کی شہ اور جلدی کی اشیرواد پر نوکری چھوڑ کر نام نہاد اصلاحی تحریک کا آغاز کرنا—— یہ

سب واقعات اس عظیم سیاسی سازش کی طرف اشارہ کرتے ہیں' جو مذہبی روپ دھار کر احمدیت کی صورت میں منظرعام پر آئی۔

مرزا غلام احمد نے قادیان پہنچ کر عیسائیوں اور ہندو آریوں سے مباحث کا آغاز کیا اور اخبارات میں مضامین لکھ کر اپنا تعارف کرانے لگے۔

("تاریخ احمدیت" جلد اول' مولفہ دوست محمد شاہد قادیانی' ربوہ)

ایک کتاب "براہین احمدیہ" کی تصنیف کا کام شروع کیا اور اس کے بارے میں بلند بانگ دعوے کیے۔ لوگوں سے اسلام کی دیگر ادیان پر برتری ثابت کرنے کے لیے لٹریچر شائع کرنے کے نام پر چندے مانگے اور ان کی کثیر رقمیں ہضم کر گئے۔

(اشتہار مرزا غلام احمد' مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد سوم' قادیان' 1922ء' ص 34)

کتاب "براہین احمدیہ" میں جہاں آپ نے مسلمانوں کو یہ دھوکہ دیا کہ وہ ایسے دلائل پیش کریں گے کہ اسلام کی صداقت کو مانے بغیر چارہ نہ ہوگا اور غیر مسلم اس کا جواب دینے میں ناکام ہو جائیں گے' وہاں آپ نے اس کتاب ہی میں اپنے بہت سے الہامات درج کر دیے۔ مسلمانوں نے عمومی رنگ میں کتاب کے ابتدائی حصوں کی تعریف کی۔ کئی لوگ' جو مسلمانوں کی تصنیفی کاوشوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے عادی تھے' اس کی تعریف میں بعض خلاف واقعہ باتیں بھی لکھ بیٹھے' اگرچہ محتاط لوگوں نے ایسی خیال آرائیوں سے احتراز کیا' پھر بھی یہ بات کسی کے ذہن میں نہ تھی کہ اس کتاب کا مصنف اپنے الہامات کو' جنہیں وہ اس وقت خدا کی ہستی کے ثبوت میں پیش کر رہا ہے' آئندہ اپنے مجدد' مہدی' مسیح اور نبوت کے دعاوی کے لیے خام مواد کے طور پر استعمال کرے گا اور دین میں ایک مستقل فتنہ کی بنیاد رکھ دے گا۔

"براہین احمدیہ" میں آپ نے انگریز کی مکمل اطاعت اور ان سے وفاداری پر زور دیا اور وہ لوگ' جو ان کے خلاف باغیانہ خیالات رکھتے تھے اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کی فرضیت کے قائل تھے' انہیں نہایت سخت الفاظ میں مخاطب کیا اور بڑے گھٹیا لہجے میں ان کی مذمت کی۔ ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ جہاد کرنے کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔

برطانوی سامراج کی مدح و ستائش اور ان کے ظلم و جبر کے علی الرغم' ان کی حمایت نے قادیانی تحریک کے عزائم کو آشکار کر دیا۔ جہاد کی مخالفت (ریویو آف ریلیجنز' قادیان' مارچ 1905ء) اور سامراجی تسلط کے جواز میں تیار کیے جانے والے لٹریچر کی تقسیم کا سلسلہ ہندوستان تک ہی محدود نہ تھا بلکہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے کئی ہزار روپیہ پلے سے صرف کر کے اس لٹریچر کے عربی اور فارسی تراجم دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں بھجوائے۔

("تبلیغ رسالت" جلد ششم' مولفہ میر قاسم علی قادیان' ص 162)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان میں جہاد حرام تھا تو ان تمام ممالک میں' جو سامراجی طاقتوں کے خلاف صف آرا تھے' جہاد کیوں حرام ٹھہرا۔ دوسرے یہ ہزارہا روپیہ کن ذرائع سے مرزا صاحب کے پاس آیا۔ آپ کی مالی پوزیشن زیادہ اچھی نہ تھی اور تحریک کے آغاز سے پہلے آپ کے پاس کتاب چھپوانے کے لیے رقم نہ تھی اور آپ کو اللہ سے کافی ہونے کے الہامات ہو رہے تھے۔ اتنی کثیر رقم کو محض انگریزی حکومت کی برکات منوانے کے لیے بے دردی سے صرف کرنا بھی بڑی ہمت کا کام ہے' اور پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس لٹریچر کی تقسیم کے کون لوگ ذمہ دار تھے اور وہ کس طریقے سے بلاد اسلامیہ میں پہنچاتے تھے؟

ایسے کئی سوالات ہیں جو ایک شخص کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ ان

سوالوں کے جوابات قادیانیت کے سیاسی مزاج کی روشنی میں معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ برطانوی صیہونی ذرائع اس مواد کی تشہیر و اشاعت کے ذمہ دار تھے اور انٹیلی جنس کے اراکین اسے عرب دنیا میں پھیلاتے۔ قادیان نے سامراج اور صیہونیت کے بین الاقوامی پروپیگنڈا مرکز کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور اس سازش کو ایک تنگ دین اور تنگ وطن طائفہ پروان چڑھا رہا تھا' جس کا سربراہ مرزا غلام احمد تھا' جو نئے نئے روپ دھار کر لوگوں کے سامنے آتا۔

مہدی کا دعویٰ

مذہبی مصلح اور مجدد کے دعووں کے بعد 1891ء میں مرزا صاحب نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ مہدی کے اسلامی عقیدہ کے برعکس خود کو ایک امن پسند اور صلح جو مہدی بتایا' جو جنگ و خونریزی کو مٹانے آیا ہے۔

("تاریخ احمدیت" جلد اول)

لیکن اس خونریزی' جنگ اور ظلم کو نہیں' جو انگریز اور دیگر سامراجی طاقتوں کی طرف سے ایشیا' افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں جاری تھا اور جس کا بڑا نشانہ ترکی حکومت تھی بلکہ اس کا مقصد آزادی پسندوں کی مدافعانہ کوششوں کا خاتمہ کرنا اور مسلمانوں کی سامراجی طاقتوں کے خلاف جدوجہد کی روک تھام کرنا تھا تاکہ ان کی آزادی کے تحفظ کے لیے کوششیں سرد پڑ جائیں۔

مرزا صاحب کی متعدد تحریرات میں سے ایک سطر بھی آپ کو ایسی نہ ملے گی جس میں انگریز کی جارحیت اور آزاد ریاستوں کو محکوم بنانے کی مذموم پالیسی کی مذمت ہو بلکہ ہر جگہ انہوں نے خدا کی وحی کی رو سے

آزادی پسند مسلمانوں کو لعن طعن کی ہے کہ وہ انگریز کی حاکمیت کے خلاف ہیں اور جنگ و جدل اور جہاد کے "باطل نظریہ" پر عمل پیرا ہیں۔۔۔

مہدی کا دعویٰ کر کے مرزا صاحب نے ہندوستان کے علاوہ افریقہ میں برطانوی سامراج کی خدمت انجام دی۔ مشرق وسطیٰ میں بالعموم اور مصر میں بالخصوص انگریز کے خلاف تحریک آزادی جاری تھی۔ انیسویں صدی کے وسط میں مصر میں اعرابی پاشا نے سامراجی مظالم کے خلاف جہاد کیا لیکن ان کی تحریک حریت کو برطانیہ کے سفاک جرنیل یوکاسپ سیمور نے کچل ڈالا۔ مصری افواج کو تل الکبیر کے مقام پر شکست ہوئی اور 1882ء میں سر گارنٹ ولزے نے قاہرہ پر قبضہ کر لیا۔ اعرابی پاشا گرفتار کر کے سیلون (سری لنکا) جلاوطن کر دیئے گئے اور مصر کے نظم و نسق کے حقیقی اختیارات برطانوی قونصل جنرل ایولن بارنگ کے پاس چلے گئے۔

(انسائیکلو پیڈیا آف ورلڈ ہسٹری' ولیم ایل لینگز' لندن 1972ء زیر لفظ ایجپٹ)

مصر پر انگریز کا پوری طرح سے تسلط جمنے نہ پایا تھا کہ 1882ء میں سوڈان میں محمد احمدؒ نے تحریک جہاد کا اعلان کر دیا۔ آپ ہی کو مہدی سوڈانی کہا جاتا ہے۔ 1883ء میں آپ کے درویشوں نے الصید کی لڑائی میں برطانوی افواج کو عبرت ناک شکست دی۔ 1885ء میں انہوں نے برطانیہ کے مایہ ناز جرنیل گورڈن کو قتل کر کے خرطوم پر قبضہ کر لیا۔ اس عظیم فتح کے ایک روز بعد 21 جون 1885ء کو مہدی سوڈانی وفات پا گئے لیکن ان کے بیٹے عبداللہ نے خلافت کے قیام کا اعلان کر کے ایک ماہ کے اندر اندر پورے سوڈان پر حکومت قائم کر لی۔

(افریقہ میں برطانوی سامراج کی ریشہ دوانیوں کے سلسلے میں سید عفاف لطفی کی کتاب '

ایجپٹ' سنڈ کو مرز جان مرے ' لندن 1968ء باب دوم ملاحظہ فرمائیں)

تحریک مہدیت کے افریقہ اور مشرق وسطیٰ کی سیاست پر دور رس

اثرات پڑے۔ سوڈان میں اسلامی حکومت کا قیام سامراج کے سیاسی مفادات کے لیے تباہ کن تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ انگریز نے اس حکومت کے خاتمہ کے لیے سیاسی حکمت عملی کے طور پر ہندوستان کے نئے مدعی مہدیت کو' جو ان کا سیاسی پٹھو تھا' مہدی سوڈانی کی تحریک کے خلاف استعمال کرنے کی سازش کی' اس طرح ایک آزادی پسند مہدی اور ان کے خلیفہ کے خلاف قادیان کے سامراجی پٹھو نے مذہبی محاذ کھڑا کر دیا تاکہ فکر و نظر کے انتشار کو ہوا دی جا سکے۔ ہم مہدی سوڈانی اور ان کے صاحبزادے عبداللہ کے سیاسی کردار کا مرزا قادیانی کے دعووں سے تقابل کریں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنی بے سرو سامانی اور بے بضاعتی کے باوجود انگریز کو للکارا اور انہیں پے درپے شکستیں دیں۔ مسلمانوں کو محکومی سے نجات دلائی اور انہیں ایک مرکز پر جمع کیا۔ اس کے برعکس مرزا صاحب نے اسلام دشمن طاقتوں کے جابرانہ تسلط کے لیے خدا کی وحی کی تائید مہیا کی۔ جہاد کی مکمل تنسیخ کا راگ الاپا' اغیار کی غلامی کو رحمت اور خدا کا عظیم فضل بتایا اور وحدت اسلامی کو پاش پاش کرنے کی سازش کی۔ انہوں نے سوڈان میں قائم ہونے والی حکومت کے مقابلے میں انگریزی حکومت کی بڑھ چڑھ کر تعریف کی اور غیر ملکی تسلط کے خلاف نبرد آزما ہونے والے مہدی کو خونی' قاتل اور ڈاکو قرار دیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ سوڈان کے شیخ محمد احمدؒ نے خود کوئی دعویٰ نہ کیا۔ سید جمال الدین افغانیؒ کا اصرار تھا کہ آپ مہدی ہونے کے دعوے کی تردید نہ کریں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کو ایک ولولہ نو عطا ہوگا اور جہاد کی تحریک کو تقویت ملے گی۔ شیخ موصوف سے ان کے ایک دوست نے ایک نجی محفل میں سوال کیا کہ کیا آپ واقعی مہدی معہود ہیں یا لوگوں میں اس نام سے مشہور ہوگئے ہیں' تو آپ نے فرمایا کہ فرنگیوں کو سوڈان سے نکالنے کے لیے اگر

مجھے شیطان بھی بننا پڑے تو میں تیار ہوں۔

مہدی کا دعویٰ کر کے مرزا صاحب نے مصر میں لٹریچر کی تقسیم میں اضافہ کر دیا تاکہ سوڈان میں سامراجی مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ ان کی کتاب "حقیقت المہدی" ان کے پست خیالات کی آئینہ دار ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی متعدد تحریرات میں ان ملت فروشانہ کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے جو رسالہ "اعجاز المسیح" پیر مہر علی گولڑوی کے مقابل پر لکھا، اسے مناسب سمجھا کہ:

"بلاد عرب یعنی حرمین اور شام اور مصر وغیرہ میں بھی بھیجوں کیونکہ اس کتاب کے صفحہ 152 میں جہاد کی مخالفت میں ایک مضمون لکھا گیا اور میں نے بائیس برس سے اپنے ذمہ یہ فرض کر رکھا ہے کہ ایسی کتابیں، جن میں جہاد کی مخالفت ہو، اسلامی ممالک میں ضرور بھیج دیا کرتا ہوں۔ اس وجہ سے میری عربی کتابیں عرب کے ملک میں بھی بہت شہرت پا گئی ہیں۔ جو لوگ درندہ طبع ہیں اور جہاد کی مخالفت کے بارے میں میری تحریریں پڑھتے ہیں، وہ فی الفور چڑ جاتے ہیں اور میرے دشمن ہو جاتے ہیں —— یہ رسالہ کئی جگہ مصر میں بھیجا گیا، چنانچہ منجملہ ان کے ایڈیٹر "المینار" (علامہ رشید رضا) کو بھی پہنچا دیا گیا تاکہ اس کے غلط خیالات کی بھی اصلاح ہو اور مجھے معلوم ہے کہ اس مسئلہ جہاد کی غلط فہمی میں ہر ایک ملک میں کسی قدر گروہ مسلمانوں کا ضرور جتلا ہے۔ جو شخص سچے دل سے جہاد کا مخالف ہو، اس کو یہ علماء کافر سمجھتے ہیں بلکہ واجب القتل بھی! لیکن چونکہ اسلام کی تعلیم میں یہ بات داخل ہے کہ جو شخص انسان کا شکر نہیں کرتا، وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتا، اس لیے ہم لوگ

اگر ایمان اور تقویٰ کو نہ چھوڑیں تو ہمارا یہ فرض ہے کہ اپنے قول اور فعل سے ہر طرح اس گورنمنٹ برطانیہ کی نصرت کریں"۔

("تبلیغ رسالت" جلد دہم' میر قاسم علی قادیانی' قادیان' ص 26)

مرزا صاحب نے پیر مہر علی گولڑویؒ کے خلاف جو طوفان بدتمیزی بپا کر رکھا تھا' اس میں اور باتوں کے علاوہ اس امر کو بھی دخل تھا کہ پیر صاحب اور ان کے مرید اعلان کرتے رہتے تھے کہ مرزا مہدویت کے دعویٰ میں کاذب مطلق ہے اور مہدی سوڈانی افریقہ والے قابل تعریف ہیں۔ وہ پورے پورے عالم اور عامل بالحدیث والقرآن ہیں اور ان میں تمام آثار مہدی موجود ہیں۔

(مفتی محمد صادق قادیانی' واقعات صحیحہ' شائع کردہ انجمن فرقانیہ لاہور' مطبع انوار احمدی لاہور' نومبر 1900ء' ص 20)

(مرزائیت سیاسی تحریک --- مذہبی روپ' ص 16 تا 24 از ابوبکر)

● جناب پروفیسر خالد شبیر صاحب کی گراں قدر تصنیف "تاریخ محاسبہ قادیانیت" میں انہوں نے پہلے باب میں ص 19 تا 54 میں تک مرزا غلام احمد قادیانی کی پیدائش سے لے کر دعویٰ نبوت تک کی داستان کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ جناب خالد شبیر صاحب مرزا غلام احمد قادیانی کے خاندانی پس منظر کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"مرزا عطا محمد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مرزا غلام مرتضیٰ راجہ رنجیت کی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ چنانچہ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجوں نے فتح سنگھ اہلو والیا کی مدد سے ڈسکہ کو فتح کر کے قصور پر چڑھائی کی اور خان افتخار حسین خان والی ممدوٹ کے مورث اعلیٰ نظام الدین خان کو شکست دی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مرزا غلام مرتضیٰ کی فوجی خدمات کا

اعتراف کرتے ہوئے قادیان کی جاگیر کا ایک حصہ اسے واپس کر دیا اور یوں یہ خاندان ایک مرتبہ پھر حکمرانوں کی نظر میں وفادار بن کر بڑے آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔

مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضٰی نے رنجیت سنگھ کی فوج میں ملازم رہ کر مہاراجہ کی ہر فوجی مہم میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں سید احمد شہیدؒ کے حریت پسندوں کا جہاد دراصل اسی سکھ حکومت کے خلاف تھا' اس لیے کشمیر' پشاور اور ہزارہ پر سکھوں نے جتنے بھی حملے کیے تھے' وہ مسلمانوں کے خلاف تھے۔ ان حملوں میں مرزا صاحب کے والد اور بھائی مرزا غلام مرتضٰی اور مرزا غلام قادر سکھ فوج میں ملازم ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے۔ مرزا غلام مرتضٰی نے اپنی فوجی زندگی کا بیشتر حصہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کی ملازمت میں بسر کیا اور یہ وہی شیر سنگھ ہے' جس کی قیادت میں بالاکوٹ کے مقام پر سید احمد شہیدؒ کے مجاہدوں کے ساتھ سکھوں کی آخری جھڑپ ہوئی' جس میں اسلام کی یہ عظیم الشان تحریک جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اسلام کے نام پر قربان ہو گئی۔

جب سکھ حکومت پر زوال آیا تو اس خاندان کی تمام تر وفاداریاں انگریز حکومت کی طرف منتقل ہو گئیں۔ مغلیہ سلطنت کے دور زوال پر یہ خاندان سکھوں کے ساتھ منسلک ہو گیا تھا اور جب سکھوں پر زوال آیا تو انگریزوں کی حمایت کرنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے افراد میں موقعہ شناسی اور موقعہ پرستی کا جوہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ چڑھتے سورج کی پرستش کو جزو ایمان خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ 1857ء کی جنگ آزادی میں بھی مرزا غلام احمد کے خاندان نے مسلمان حریت پسندوں کے خلاف اور انگریزوں کے حق میں کارہائے نمایاں سرانجام

دیے۔ مرزا غلام مرتضیٰ نے' جو کہ اب بوڑھے ہو چکے تھے اور خود فوجی خدمات کے قابل نہ رہے تھے' پچاس گھوڑے مع سوار انگریزوں کی خدمت میں پیش کیے اور اپنے بڑے بیٹے مرزا غلام قادر (جو کہ مرزا غلام احمد سے بڑے تھے) کو باقاعدہ انگریزی فوج میں بھرتی کروایا' جس نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے ایماء پر شرکت کر کے سیالکوٹ کے حریت پسندوں کو تہ تیغ کیا کیونکہ وہ اس وقت 46 - نیو انفنٹری میں ملازم تھا' جو جنرل نکلسن کی قیادت میں اسی مہم پر مامور تھی۔ فوجی خدمات کے اعتراف میں جنرل مذکور نے مرزا غلام قادر کو ایک سند بھی عطا کی' جس میں لکھا تھا کہ "ان کا خاندان کادیاں' ضلع گورداسپور کے تمام دوسرے خاندانوں سے زیادہ نمک حلال رہا"۔

(تاریخ محاسبہ قادیانیت' ص 22 از خالد شبیر صاحب)

● خاندانی پس منظر

"اب میرے سوانح اس طور پر ہیں کہ میرا نام غلام احمد' میرے والد کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پردادا کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے' ہماری قوم مغل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے' جو اب تک محفوظ ہیں' معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔

سکھوں کے ابتدائی زمانے میں میرے پردادا صاحب مرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس نواح تھے۔۔۔ اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے پردادا فوت ہوئے تو بجائے ان کے' میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد صاحب فرزند رشید ان کے گدی نشین ہوئے۔ ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔۔۔ اس وقت

ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ان ہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی' پھر رنجیت سنگھ کے آخری زمانے میں میرے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ دیہات واپس ملے"۔

("کتاب البریہ" ص 134 از مرزا غلام احمد قادیانی)

● خاندانی زوال

مرزا غلام احمد کادیانی کی ایک تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا خاندان مالی زوال کا شکار ہوگیا۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"غرضیکہ ہماری ریاست کے ایام میں دن بدن زوال پذیر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آخری نوبت ہماری یہ تھی کہ ایک کم درجے کے زمیندار کی طرح ہمارے خاندان کی حیثیت ہوگئی"۔

("تحفہ قیصریہ" ص 16 از مرزا غلام احمد قادیانی)

"اس کے بعد انگریز آئے تو انہوں نے ہماری خاندانی جاگیر ضبط کرلی اور صرف سات سو روپیہ سالانہ کی ایک اعزازی پنشن نقدی کی صورت میں مقرر کردی' جو ہمارے دادا صاحب کی وفات پر صرف ایک سو اسی رہ گئی اور پھر تایا صاحب کے بعد بالکل بند ہوگئی"۔

("سیرت المہدی" حصہ اول' ص 32 مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی)

مرزا غلام احمد کادیانی پنجاب میں ضلع گورداسپور کے ایک قصبے کادیان میں پیدا ہوئے۔ یہ قصبہ امرتسر سے شمال مشرق کی طرف ریلوے لائن پر ایک قدیم شہر بٹالہ سے گیارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مرزا صاحب کی تاریخ پیدائش کا تذکرہ کئی کتابوں سے ملتا ہے' لیکن ان کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

غلام احمد کادیانی اپنی پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں:

○ "میری پیدائش 1839ء یا 1840ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں 1857ء میں سولہ برس یا سترھویں برس میں تھا اور ابھی ریش و بروت کا آغاز نہیں تھا"۔

(کتاب البریہ" ص 146 ' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

"لیکن بعد میں ان کے خاندان کے افراد میں ان کے سال ولادت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد' جو ان کے سوانح نگار اور سیرت المہدی کے مصنف ہیں' کے پہلے نظریے کے مطابق سال ولادت 1836ء یا 1837ء ہو سکتا ہے۔

(سیرت المہدی' جلد 2' صفحہ 150)

نظرثانی کے بعد انہوں نے تاریخ ولادت 13 فروری 1835ء مقرر کی۔

(سیرت المہدی' جلد 3' صفحہ 76)

ایک تخمینہ کے مطابق سال ولادت 1831ء ہو سکتا ہے۔

(ایضاً' ص 74)

معراج دین نے تاریخ ولادت 7 فروری 1832ء مقرر کی ہے۔

(ایضاً' ص 302)

جبکہ دیگر 1833ء یا 1834ء کو سال ولادت قرار دیتے ہیں۔

(ایضاً' ص 194)"

(قادیانیوں کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ' ص 44

اردو ترجمہ: محمد بشیر ایم۔ اے' اشاعت اول' جنوری 1985ء)

○ "بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ حضرت مسیح موعود فرماتے تھے کہ جب سلطان احمد پیدا ہوا' اس وقت ہماری عمر صرف سولہ برس کی تھی"۔

("سیرت المہدی" حصہ اول' ص 256' مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی)

○ مرزا بشیر الدین محمود نے 1922ء میں سرکار برطانیہ کی خدمت میں جو سپاسنامہ پیش کیا تھا' اس میں انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کا سن پیدائش 1836ء تحریر کیا ہے۔ 1857ء میں بقول مرزا غلام احمد قادیانی' وہ سولہ / سترہ برس کے تھے' جبکہ مرزا بشیر الدین محمود کے مطابق وہ اس وقت 21 برس کے تھے۔

○ شیخ محمد اکرم ایم۔ اے نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تاریخ پیدائش 1837ء تحریر کی ہے۔

(موج کوثر' ص 177)

○ مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیف "تریاق القلوب" سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ 1260ھ بمطابق 1845ء میں پیدا ہوئے۔

(تاریخ مرزا' ص 2 از مولانا ثناء اللہ امرتسری)

○ مولانا ابو الحسن ندوی نے اپنی کتاب "قادیانیت" کے صفحہ 23 کے حاشیہ پر تحریر کیا ہے کہ مرزا صاحب کی عمر میں ترمیم ایک خاص مقصد کے لیے کی گئی تھی تاکہ ان کی ایک پیشین گوئی کو سچ ثابت کیا جا سکے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ پیشین گوئی اربعین میں درج کی گئی ہے۔ وہ حسب ذیل ہے:

> "ہم تمہیں ایک پاک اور آرام کی زندگی دیں گے' 80 برس یا اس کے قریب قریب"۔

(اربعین نمبر 3' ص 30 از مرزا غلام احمد قادیانی)

نوٹ: یاد رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ پیشین گوئی بھی غلط ثابت ہوئی۔

● عجیب و غریب ولادت

مرزا غلام احمد قادیانی اپنی ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ اپنے باپ کا آخری فرزند ہو گا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوگی' جو اس سے پہلے نکلے گی اور وہ اس کے بعد نکلے گا۔ اس کا سر اس

دختر کے پیروں سے ملا ہوا ہو گا یعنی دختر معمولی طریق سے پیدا ہو گی کہ پہلے سر نکلے گا اور پھر پیر —— اور اس کے پیروں کے بعد بلا توقف اس پسر کا سر نکلے گا۔ جیسا کہ میری ولادت اور میری توام ہمشیرہ کی طرح ظہور میں آئی"۔

("تریاق القلوب" ص 354 '355 تصنیف مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا غلام احمد قادیانی کی پیدائش بھی عجیب و غریب ہوئی۔

"حضرت مرزا صاحب توام پیدا ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ پیدا ہونے والا دوسرا بچہ لڑکی تھی' جس کا نام جنت رکھا گیا تھا۔ وہ چند دنوں کے بعد فوت ہو گئی اور فی الواقع جنت میں چلی گئی۔ مرزا صاحب نے اس معصومہ کے فوت ہونے پر اپنا خیال یہ ظاہر کیا کہ

"میں خیال کرتا ہوں کہ اس طرح پر خدائے تعالیٰ نے انثیت کا مادہ مجھ سے بکلی الگ کر دیا"۔

("حیات النبی" جلد اول' ص 50 مولفہ یعقوب علی صاحب قادیانی)

("کتاب البریہ" ص 146 از مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا غلام احمد قادیانی کی اس مجہول تحریر پر ہم تبصرہ کر کے اپنی تحریر کو پراگندہ نہیں کرنا چاہتے۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

یہ ایک ایسے مخبوط الحواس شخص کی تحریر ہے' جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

● مرزا غلام احمد قادیانی نے ابتدائی تعلیم گھر سے ہی حاصل کی۔ وہ کسی باقاعدہ درسگاہ کے تعلیم یافتہ نہ تھے۔ مرزا صاحب نے گھریلو ملازموں سے فارسی' عربی پڑھی۔ پھر ایک شیعہ عالم مولوی گل علی شاہ سے نحو' منطق اور حکمت کی کتابوں کا درس لیا

لیکن مرزا صاحب کا سلسلہ تدریس ادھورا رہا۔ مرزا صاحب اپنی ابتدائی تعلیم کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

○ "ان دنوں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیے کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے' نیز ان کا یہ مطلب بھی تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر ان کے غموم و ہموم میں شریک ہو جاؤں۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ میرے والد صاحب اپنے آباؤ اجداو کے دیہات دوبارہ لینے کے لیے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے بھی لگا دیا۔ ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بے ہودہ جھگڑوں میں ضائع ہوگیا ـــــ وہ لکھتے ہیں: "اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا"۔

("کتاب البریہ" صفحہ 151 منقول از قادیانیت مولانا ابو الحسن علی ندوی' صفحہ 23 '24)

اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد کی تعلیم بعض نجی اور ناگزیر معاملات کی وجہ سے نامکمل اور ادھوری رہ گئی۔ اگرچہ انہیں اس بات کا غم بھی تھا۔ جب سلسلہ تعلیم منقطع ہوگیا تو اس کے فوراً بعد مرزا صاحب نے ملازمت اختیار کر لی۔ ملازمت میں بھی ان کا جی نہیں لگا اور چند برس کے بعد ہی ملازمت سے استعفا دے دیا۔ آئینہ تلبیس کے مصنف مولانا رفیق دلاوری ان کی تعلیم کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

○ "مرزا غلام احمد کے ایام طفولیت میں اس کے والد حکیم غلام مرتضیٰ صاحب قصبہ بٹالہ میں مطب کرتے تھے اور مرزا غلام احمد بھی باپ

ہی کے پاس بٹالہ میں رہتا تھا۔ اس نے چھ سات برس کی عمر میں قرآن پڑھنا شروع کیا۔ قرآن مجید کے بعد چند فارسی کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ابھی تیرہ چودہ سال ہی کی عمر تھی کہ باپ نے شادی کے بندھنوں میں جکڑ دیا۔ یہ پہلی بیوی قادیانی کے حقیقی ماموں کی بیٹی تھی۔ یہ وہی محترمہ حرمت بی بی خان بہادر مرزا سلطان احمد کی والدہ تھیں' جنہیں قادیانی نے معلقہ کر رکھا تھا۔ نہ کبھی نان و نفقہ دیا اور نہ طلاق دے کر ہی بیچاری کی گلو خلاصی کی۔ ابھی سولہ برس کی عمر تھی کہ غلام احمد کے گھر مرزا سلطان احمد متولد ہوئے۔ سترہ' اٹھارہ برس کی عمر میں والد نے غلام احمد کو گل علی شاہ بٹالوی نام کے ایک مدرس کے سپرد کر دیا' جو شیعی المذہب تھے۔ ان کی شاگردی میں منطق و فلسفہ کی چند کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بس یہی قادیانی کی ساری علمی بساط تھی۔ تفسیر' حدیث' فقہ اور دوسرے دینی علوم سے قطعاً محروم رہا"۔

("آئینہ تلبیس" ص 455' مصنف مولانا محمد رفیق دلاوری صاحب)

● ملازمت (1864ء)

زمانہ تعلیم ہی کی بات ہے کہ مرزا صاحب ایک مرتبہ اپنے چچا زاد بھائی مرزا امام الدین کے ہمراہ پنشن کی رقم لینے کے لیے گورداسپور چلے گئے۔ تقریباً سات صد روپے کی یہ رقم اس لحاظ سے اہم سمجھی جاتی تھی کہ خاندان کی معاشی ضروریات کا اسی پر انحصار تھا۔ رقم وصول کرنے کے بعد صلاح یہ ٹھہری کہ لاہور اور امرتسر کی سیر کی جائے' چنانچہ دو بھائی رقم وصول کر کے قادیان آنے کی بجائے لاہور اور امرتسر کی سیر میں مصروف ہوگئے۔ (بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمہارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلے گئے۔ جب آپ نے پنشن وصول کر لی تو آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادیان لانے

کے' باہر لے گئے اور ادھر ادھر پھراتا رہا اور پھر جب آپ نے سارا روپیہ اڑا دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود اس شرم سے گھر واپس نہیں آئے اور چونکہ تمہارے دادا کا منشا رہتا تھا کہ کہیں ملازم ہو جائے' اس لئے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔ "سیرت المہدی" حصہ اول' مصنف صاحبزادہ بشیر احمد' صفحہ 134 اور چند ہی روز میں پوری رقم سیر سپاٹے میں اڑا دی۔ اب گھر آنے کی بجائے سیالکوٹ جانے کا پروگرام بنا لیا گیا۔ یہاں پر مرزا صاحب کی ملاقات اپنے پرانے ہندو دوست لالہ بھیم سین سے ہوئی' جو بٹالہ میں دوران تعلیم ان کا ہم مکتب رہ چکا تھا۔ لالہ بھیم سین ان دنوں میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں ملازم تھا' جس کی کوشش سے مرزا صاحب بھی ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں پندرہ روپیہ ماہوار پر ملازم ہو گئے۔ ایک دفعہ مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کا دوست لالہ بھیم سین مختاری کا امتحان دے رہا ہے تو مرزا صاحب بھی امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ دونوں نے اکٹھا امتحان دیا لیکن لالہ بھیم سین کامیاب ہوئے' جبکہ مرزا غلام احمد ناکام رہے' جس کے بعد جلد ہی مرزا صاحب نے ملازمت سے استعفاء دے دیا۔ ملازمت کی یہ عمر چار سال بنتی ہے یعنی 1864ء میں ملازمت اختیار کی اور 1868ء میں استعفاء دے دیا۔

● مناظرے اور ملاقاتیں

مرزا صاحب نے ملازمت کے دوران ہی سیالکوٹ میں عیسائیوں سے مذہبی مناظرے شروع کر دیئے تھے اور اس امر کے بھی وافر ثبوت ہیں کہ مناظروں کے ساتھ ساتھ پادریوں کے ساتھ تخلیہ میں بعض اوقات ملاقات بھی ہو جاتی تھی اور دیر تک مرزا صاحب ان پادریوں کے ساتھ بات چیت میں مصروف رہتے تھے۔ بعد میں رونما ہونے والے حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ ملاقاتیں خاصی اہمیت اختیار کر جاتی ہیں' کیونکہ ان ملاقاتوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ پوپ و پادری' جو عوام میں مرزا صاحب سے بڑے تلخ و ترش مناظرے کیا کرتے تھے' علیحدگی میں مرزا صاحب

سے شیر و شکر ہو جاتے تھے۔ انہیں میں سے ایک پادری' جس کا نام "بٹلر" ہے' جو اکثر مرزا صاحب سے سیالکوٹ میں مناظرے کرتا تھا' لندن جانے سے پہلے مرزا صاحب کو بڑے ذوق و شوق اور پیار و محبت سے ملنے آتا ہے اور مرزا صاحب سے ملاقات کر کے لندن روانہ ہو جاتا ہے۔ اس ملاقات کی کہانی عبدالقادر صاحب اپنی کتاب "حیات طیبہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"مرزا صاحب کو اس زمانے میں مباحثے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبوں سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ پادری الائشہ صاحب سے' جو دیسی پادری تھے اور حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں رہا کرتے تھے' مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ نجات کی تعریف کیا ہے اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں۔ مفصل بیان کیجئے۔ پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہا کہ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔

پادری بٹلر صاحب ایم۔ اے' جو بڑے فاضل اور محقق تھے' سے مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔ یہ صاحب موضع گوہر پور کے قریب رہتے تھے۔ ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے کہ مسیح صاحب کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ سر تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھا' بری رہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے' پھر آدم کی نسل سے بریت کیسے اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی تھی' جس سے آدم نے درخت ممنوع کا پھل کھایا اور گنہگار ہوا۔ پس چاہیے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی محفوظ رہتے۔ اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔ پادری بٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو

کرتے۔ پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بڑی محبت تھی' چنانچہ پادری صاحب ولایت جانے لگے تو مرزا صاحب کی ملاقات کے لیے کچہری تشریف لائے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا' تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا' چونکہ میں وطن جانے والا ہوں' اس لیے ان سے آخری ملاقات کروں گا۔ چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے' وہیں چلے گئے اور فرش پر بیٹھے رہے اور ملاقات کر کے چلے گئے"۔

("حیات طیبہ" صفحہ 30 - 31 مصنف عبدالقادر)

آغا شورش کاشمیری مرزا غلام احمد کادیانی اور پادری بٹلر کی خفیہ ملاقاتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مرزا غلام احمد ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ (پنجاب) کی کچہری میں ایک معمولی تنخواہ پر 1864ء سے 1868ء تک ملازم تھے۔ آپ نے ملازمت کے دوران سیالکوٹ کے پادری مسٹر بٹلر ایم۔ اے سے رابطہ قائم کیا۔ وہ آپ کے پاس عموماً آتا اور دونوں اندر خانہ بات چیت کرتے۔ بٹلر نے وطن جانے سے پہلے آپ سے تخلیہ میں کئی ایک طویل ملاقاتیں کیں' پھر اپنے ہم وطن ڈپٹی کمشنر کے ہاں گیا' اس سے کچھ کہا اور انگلستان چلا گیا۔ ادھر مرزا صاحب استعفیٰ دے کر قادیان آ گئے۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد مذکورہ وفد (برٹش پارلیمنٹ کے اراکین اور چرچ آف انگلینڈ کے نمائندگان کا وفد) انگلستان پہنچا اور لوٹ کر مجوزہ رپورٹیں مرتب کیں۔ ان رپورٹوں کے فوراً بعد ہی مرزا صاحب نے اپنا سلسلہ شروع کر دیا۔ برطانوی ہند کے سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لیے طلب کیا۔ ان میں سے مرزا صاحب نبوت کے لیے نامزد کیے گئے"۔

("تحریک ختم نبوت" ص 23 از شورش کاشمیری)

مولانا محمد حسین بٹالوی سے ملاقات

مرزا صاحب 1868ء میں ملازمت سے مستعفی ہو کر قادیان واپس آئے اور دوبارہ اپنے گھریلو کاموں میں مصروف ہو گئے۔ لیکن ---- وہ ---- اپنے گرد و پیش کے حالات سے مطمئن نہ تھے۔ بزرگوں کے دیہات قبضے سے نکل چکے تھے' جنہیں واپس لینے کے لیے اگرچہ والد نے مقدمات دائر کر رکھے تھے لیکن آٹھ سال کے طویل عرصے کی مقدمہ بازی کے باوجود دیہات واپس نہ ملے۔

انہی دنوں مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کے بچپن کے رفیق اور ہم مکتب مولانا محمد حسین بٹالوی دہلی سے تعلیم حاصل کر کے واپس بٹالہ تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد حسین بٹالوی سے ملاقات کی غرض سے بٹالہ آئے اور دوران ملاقات اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ قادیان سے ان کا جی اچاٹ ہو چکا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی دوسرے شہر میں جا کر قسمت آزمائی کی جائے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کے ساتھ ملاقات میں مرزا غلام احمد نے نقل مکانی پر بات چیت کے علاوہ ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا' جس میں اسلام کے علاوہ دوسرے باطل ادیان کا مدلل طریقے سے رد منظور تھا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا صاحب کو اس کام کے لیے لاہور تجویز کیا اور ساتھ ہی ہر ممکن امداد کا یقین دلایا کیونکہ بٹالہ آنے سے پہلے ہی مولانا محمد حسین بٹالوی کو لاہور میں مسجد اہل حدیث چینیاں والی کی خطابت مل چکی تھی۔ مولانا نے مرزا صاحب سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ تالیف و تصنیف کے کام میں بڑی مشکل یہ ہے کہ کتابیں ایسے آدمی کی ہی پڑھی جاتی ہیں' جس نے کتاب لکھنے سے پہلے علمی میدان میں شہرت حاصل کر لی ہو۔ مشہور آدمی کی کتاب ہاتھوں ہاتھ بکتی ہے' جبکہ غیر معروف آدمی کو اس میدان میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے علمی شہرت کے لیے لاہور کو منتخب کیا اور قادیان سے لاہور منتقل ہو کر مولانا محمد حسین بٹالوی کے پاس ہی رہائش پذیر ہو گئے۔

جن دنوں مرزا صاحب لاہور منتقل ہوئے' ان دنوں لاہور کی مذہبی فضا کو ایک ہندو پنڈت "دیانند سرسوتی" کیا مناظروں نے اچھا خاصا مکدر کر رکھا تھا۔ پنڈت جی کیا علاوہ کبھی کبھی کوئی عیسائی پادری بھی مسلمانوں کیا ساتھ مناظرے اور مباحثے کیا لیے تیار ہو جاتا۔ مناظروں اور مباحثوں میں یہ لوگ اسلام کیا خلاف کافی زہر اگلتے تھے' جس کی وجہ سے مسلمان اچھے خاصے مشتعل تھے۔ ان مناظروں کیا لیے عموماً بیرون لوہاری دروازہ کا انتخاب جاتا۔ مرزا غلام احمد نے شاید لاہور میں کبھی ایسے مناظرے دیکھے یا نہیں' بہرحال مبلغ اسلام بن کر بطور مناظر' ان مناظروں میں شرکت کا پروگرام بنالیا۔

"مرزا صاحب نے لاہور پہنچ کر مولوی محمد حسین کی صوابدید کیا بموجب اپنے مستقبل کا جو لائحہ عمل تجویز ' اس کی پہلی کڑی غیر مسلموں کیا ساتھ الجھ کر شہرت و نمود کی دنیا میں قدم رکھنا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پنڈت دیانند سرسوتی نے اپنی ہنگامہ خیزیوں سے ملک کی مذہبی فضا میں سخت تموج و تکدر بپا کر رکھا تھا اور پادری لوگ بھی اسلام کیا خلاف ملک کیا طول و عرض میں بہت کچھ زہر اگل رہے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اس وقت اہل حدیث کی مسجد "چینیاں" لاہور میں خطیب تھے۔ مرزا صاحب نے لاہور پہنچ کر انہی کیا پاس مسجد "چینیاں" والی میں قیام اور شب و روز "تحفۃ الہند"۔ "تحفۃ الہنود"۔ "خلعت الہنود" اور عیسائیوں اور مسلمانوں کیا مناظروں کی کتابوں کیا مطالعے میں مصروف رہنے لگے۔ جب ان کتابوں کیا مضامین اچھی طرح ذہن نشین ہوگئے تو پہلے آریوں سے چھیڑخانی شروع کی اور پھر عیسائیوں کیا مقابلے میں "ھل من مبارز" (کوئی مقابلہ کرے گا) کا نعرہ لگایا۔ ان دنوں میں آریوں کا کوئی نہ کوئی پرچارک اور عیسائیوں کا ایک آدھ مشنری لوہاری دروازہ کیا باہر باغ میں آ جاتا اور آتے ہی قادیانی سے ان کی ٹکریں ہونے لگتی تھیں۔ غرض

اسلام کا یہ پہلوان ہر وقت کشتی کے لیے جوڑ کی تلاش میں رہتا اور اسے مجمع کو اپنے گرد جمع کر کے پہلوانی کمال دکھانے کی دھن لگی رہتی تھی۔ قادیانی اپنے مجادلوں اور اشتہار بازیوں میں اپنے تئیں خادم دین اور نمائندہ اسلام ظاہر کرتا اور نہ تو ابھی کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور نہ ہی الحاد و زندقہ کے کوچے میں قدم رکھا تھا۔ اس لیے ہر عقیدہ و خیال کا مسلمان اس کا حامی و ناصر تھا۔ چند ماہ تک مجادلانہ ہنگامے بپا رکھنے کے بعد مرزا غلام احمد قادیان چلا گیا اور وہیں سے آریوں کے خلاف اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کر کے مقابلہ و مناظرہ کے نمائشی چیلنج دینے شروع کر دیئے۔ چونکہ بحث و مباحثہ مقصود نہیں تھا بلکہ حقیقی غرض نام و نمود اور شہرت طلبی تھی' اس لیے آریہ لوگوں کی شرائط کے مقابلے میں بالکل چکنے گھڑے کے مصداق بنا ہوا تھا۔ ان کی ہر شرط اور مطالبہ کو بہ لطائف الحیل ٹال جاتا تھا اور اپنی طرف سے ایسی ناقابل قبول شرطیں پیش کر دیتا تھا کہ مناظرے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اگر میرے بیان کی تصدیق چاہو تو مرزا کے مجموعہ اشتہارات موسومہ بہ "تبلیغ رسالت" کی جلد اول کے ابتدائی اوراق کا مطالعہ کر جاؤ"۔

(رئیس قادیان" جلد دوم' مصنف رفیق دلاوری' ص 452' بحوالہ "تاریخ محاسبہ قادیانیت" ص 29 تا 35' از خالد شبیر صاحب)

● جناب الیاس برنیؒ نے "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" کے نام سے ایک معرکہ آراء کتاب تحریر کی ہے' جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کی مختصر سوانح' ان کے دعاوی اور ان کے پیش کردہ عقائد کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تردید مرزائیت کی تاریخ میں علمی محاذ پر نابغہ روزگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں پروفیسر الیاس برنیؒ نے مرزا قادیانی کے خاندانی پس منظر اور ان کی ابتدائی زندگی کا مکمل نقشہ پیش کیا ہے۔

دور اول

(1) "اپنا تعارف"

چونکہ میں' جس کا نام غلام احمد اور باپ کا نام میرزا غلام مرتضیٰ قادیان' ضلع گورداسپور پنجاب کا رہنے والا' مشہور فرقہ کا پیشوا ہوں' جو پنجاب کے اکثر مقامات میں پایا جاتا ہے اور نیز ہندوستان کے اکثر اضلاع اور حیدر آباد اور بمبئی اور مدراس اور ملک عرب اور شام اور بخارا میں بھی میری جماعت کے لوگ موجود ہیں' لہذا قرین مصلحت سمجھتا ہوں کہ یہ مختصر رسالہ اس غرض سے لکھوں کہ اس محسن گورنمنٹ کے اعلیٰ افسر میرے حالات اور میری جماعت کے خیالات سے واقفیت پیدا کر لیں۔

اور یہ مولف تاج عزت جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا کا واسطہ ڈال کر بخدمت گورنمنٹ عالیہ انگلشیہ کے اعلیٰ افسروں اور معزز حکام کے باادب گزارش کرتا ہے کہ براہ غریب پروری و کرم گستری اس رسالہ کو اول سے آخر تک پڑھا جائے یا سن لیا جائے۔

(کشف الغطاء ابتداء' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

میں تاج عزت عالی جناب حضرت کرمہ ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا کا واسطہ ڈالتا ہوں کہ اس رسالہ کو ہمارے حکام عالی مرتبہ توجہ سے اول سے آخر تک پڑھیں۔

(کشف الغطاء' صفحہ ۱ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

(2) روح کا جوش

سب سے پہلے یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میں ایسے خاندان سے

ہوں' جس کی نسبت گورنمنٹ نے ایک مدت دراز سے قبول کیا ہوا ہے کہ وہ خاندان اول درجہ پر سرکار دولت مدار انگریزی کا خیر خواہ ہے۔۔۔ ان تمام تحریرات سے ثابت ہے کہ میرے والد صاحب اور خاندان ابتداء سے سرکار انگریزی کے بہ دل و جان' ہوا خواہ اور وفادار ہے اور گورنمنٹ عالیہ انگریزی کے معزز افسروں نے مان لیا کہ یہ خاندان کمال درجہ پر خیر خواہ سرکار انگریزی ہے۔۔۔ ہمارے پاس تو وہ الفاظ نہیں' جن کے ذریعہ سے ہم اس آرام و راحت کا ذکر کر سکیں' جو اس گورنمنٹ محسنہ کو جزائے خیر دے اور اس سے نیکی کرے' جیسا کہ اس نے ہم سے نیکی کی۔ یہی وجہ ہے کہ میرا باپ اور میرا بھائی اور خود میں بھی روح کے جوش سے اس بات میں مصروف ہے کہ اس گورنمنٹ کے فوائد اور احسانات کو عام لوگوں پر ظاہر کریں اور اس کی اطاعت کی فرضیت کو لوگوں کے دلوں میں جما دیں۔

(درخواست بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان' مورخہ 24 فروری 1908ء مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ہفتم' صفحہ ۱۹۸ مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

(3) خاندانی خدمات

میں ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے' میرا والد میرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا' جن کو دربار انگریزی میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے اور 1857ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں

دیئے تھے۔ ان خدمات کی وجہ سے' جو چٹھیات خوشنودی حکام میں ان کو ملی تھی' مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہوگئیں' مگر تین چٹھیاں' جو مدت سے چھپ چکی ہیں' ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں۔ پھر میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی میرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور جب تموں کی گزر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا' تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔

("کتاب البریہ" اشتہار مورخہ 20 ستمبر 1897ء' صفحہ 6' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

(4) میرا باپ' بھائی اور میں

اور میرا باپ اسی طرح خدمات میں مشغول رہا' یہاں تک کہ پیرانہ سالی تک پہنچ گیا اور سفر آخرت کا وقت آ گیا اور اگر ہم اس کی تمام خدمات لکھنا چاہیں' تو اس جگہ سما نہ سکیں اور ہم لکھنے سے عاجز رہ جائیں۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ میرا باپ سرکار انگریزی کے مراحم کا ہمیشہ امیدوار رہا اور عند الضرورت خدمتیں بجا لاتا رہا' یہاں تک کہ سرکار انگریزی نے اپنی خوشنودی کی چٹھیات سے اس کو معزز کیا اور ہر ایک وقت اپنے عطاؤں کے ساتھ اس کو خاص فرمایا اور اس کی غم خواری فرمائی اور اس کی رعایت رکھی اور اس کو اپنے خیر خواہوں اور مخلصوں میں سے سمجھا۔ پھر جب میرا باپ وفات پا گیا' تب ان خصلتوں میں اس کا قائم مقام میرا بھائی ہوا' جس کا نام میرزا غلام قادر تھا اور سرکار انگریزی کی عنایات ایسی ہی اس کے شامل حال ہوگئیں کہ جیسی میرے باپ کے شامل حال تھیں اور میرا بھائی چند سال بعد اپنے والد کے فوت ہوگیا' پھر ان دونوں کی

وفات کے بعد میں ان کے نقش قدم پر چلا اور ان کی سیرتوں کی پیروی کی۔ لیکن میں صاحب مال اور صاحب املاک نہیں تھا۔۔۔ سو میں اس کی مدد کے لیے اپنے قلم اور ہاتھ سے اٹھا اور خدا میری مدد پر تھا اور میں نے اسی زمانہ سے خدا تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ کوئی مبسوط کتاب بغیر اس کے تالیف نہیں کروں گا' جو اس میں احسانات قیصرۂ ہند کا ذکر نہ ہو' نیز اس کے ان تمام احسانوں کا ذکر ہو' جن کا شکر مسلمانوں پر واجب ہے۔

("نور الحق" حصہ اول' صفحہ 28' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

(5) حق واجب

میں ایک گوشہ نشین آدمی تھا' جس کی دنیوی طریق پر زندگی نہیں تھی اور نہ اس کے کامل اسباب مہیا تھے' تاہم میں نے برابر سولہ برس سے یہ اپنے پر حق واجب ٹھہرا لیا کہ اپنی قوم کو اس گورنمنٹ کی خیر خواہی کی طرف بلاؤں اور ان کو سچی اطاعت کی ترغیب دوں' چنانچہ میں نے اس مقصد کے انجام کے لیے اپنی ہر ایک تالیف میں یہ لکھنا شروع کیا (مثلاً دیکھو "براہین احمدیہ"۔ "شہادۃ القرآن"۔ "سرمہ چشم آریہ"۔ "آئینہ کمالات"۔ "اسلام حمامتہ البشریٰ"۔ "نور الحق" وغیرہ) کہ اس گورنمنٹ کے ساتھ کسی طرح مسلمانوں کو جہاد درست نہیں اور نہ صرف اس قدر بلکہ بار بار اس بات پر زور دیا کہ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ برٹش انڈیا کی رعایا کی محسن ہے' اس لیے مسلمانان ہند پر لازم ہے کہ نہ صرف اتنا ہی کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے مقابل بد ارادوں سے رکیں' بلکہ اپنی سچی شکرگزاری اور ہمدردی کے نمونے بھی گورنمنٹ کو دکھلا دیں۔

(اشتہار لائق توجہ گورنمنٹ جو جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند اور جناب گورنر جنرل ہند اور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اور دیگر معزز حکام کے ملاحظہ کے لیے شائع کیا گیا۔ منجانب خاکسار

غلام احمد قادیانی' مورخہ 10 دسمبر 1894ء' مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد سوم' صفحہ 193 مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

(6) قابل گزارش

دوسرا امر قابل گزارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت' جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں' اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کروں' جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں ——— اور میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں پر میری تحریروں کا بہت ہی اثر ہوا ہے اور لاکھوں انسانوں میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔

اور میں نے نہ صرف اسی قدر کام کیا کہ برٹش انڈیا کے مسلمانوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی اطاعت کی طرف جھکایا' بلکہ بہت سی کتابیں عربی' فارسی اور اردو میں تالیف کر کے ممالک اسلامیہ کے لوگوں کو بھی مطلع کیا کہ ہم لوگ کیونکہ امن و امان اور آرام اور آزادی سے گورنمنٹ انگلشیہ کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایسی کتابوں کے چھاپنے اور شائع کرنے میں ہزارہا روپیہ خرچ کیا گیا' مگر باایں ہمہ میری طبیعت نے کبھی نہیں چاہا کہ ان متواتر خدمات کا اپنے حکام کے پاس ذکر بھی کروں' کیونکہ میں نے کسی صلہ یا انعام کی خاطر سے نہیں' بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا۔

(درخواست بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان' مورخہ 24 فروری 1898ء' مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ہفتم' صفحہ 10' مولفہ میر

(قاسم علی صاحب قادیانی)

(7) پچاس الماری

میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارہ میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل، جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں"۔

("تریاق القلوب" صفحہ 15 ب، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

(8) بزرگوں سے زیادہ

میں بذات خود سترہ برس سے سرکار انگریزی کی ایک ایسی خدمت میں مشغول ہوں کہ درحقیقت وہ ایک ایسی خیر خواہی گورنمنٹ عالیہ کی مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ میرے بزرگوں سے زیادہ ہے اور وہ یہ کہ میں نے بیسیوں کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں، بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ چنانچہ میں نے یہ کتابیں بصرف زر کثیر چھاپ کر بلاد اسلام میں پہنچائی ہیں، اور میں جانتا ہوں کہ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک پر بھی پڑا ہے اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں، وہ ایک ایسی جماعت تیار ہوتی جاتی ہے کہ جن کے دل

اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبالب ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت اعلیٰ درجہ پر ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام اس ملک کے لیے بڑی برکت ہیں اور گورنمنٹ کے لیے دل جاں نثار۔

(عریضہ بعالی خدمت گورنمنٹ عالیہ انگریزی جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ششم' صفحہ نمبر 65 مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

(9) بے نظیر کارگزاری

پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لیے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے' پوری استقامت سے کام کیا کہ اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں' جو میرے مخالف ہیں' کوئی نظیر ہے؟ کوئی نہیں۔

(ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ـــــ للمولف)

(کتاب البریہ" اشتہار مورخہ 20 ستمبر 1897ء صفحہ 7' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

(10) اسلام کے دو حصے

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب' جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں' یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں: ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرے' دوسرے اس سلطنت کی' جس نے امن قائم کیا ہو' جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے ـــــ سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں۔

(ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی' مندرجہ رسالہ جس کا عنوان ہے "گورنمنٹ کی توجہ کے لائق" صفحہ ج' مصنفہ مرزا صاحب موصوف)

(11) گویا اللہ اور رسول

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے کوئی کتاب یا اشتہار ایسا نہیں لکھا' جس میں گورنمنٹ کی وفاداری اور اطاعت کی طرف اپنی جماعت کو متوجہ نہیں کیا' پس حضرت (مرزا) صاحب کا اس طرف توجہ دلانا اور اس زور کے ساتھ توجہ دلانا اس آیت کے ماتحت ہونے کی وجہ سے گویا اللہ اور اس کے رسول کا ہی توجہ دلانا ہے۔ اس سے سمجھ لو کہ اس طرف توجہ کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔

(تقریر میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان' مندرجہ اخبار "الفضل" جلد 5- نمبر 13' 14 اگست 19.7ء)

(12) ہمارے مقاصد

جسمانی سلطنت میں بھی یہ ہی خدائے تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ایک قوم میں ایک امیر اور بادشاہ ہو اور خدا کی لعنت ان لوگوں پر ہے' جو تفرقہ پسند کرتے ہیں اور ایک امیر کے تحت حکم نہیں چلتے' حالانکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر** سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے مقاصد کا مخالف نہ ہو) اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے' وہ ہم میں سے ہے' اسی لیے میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے

مطیع رہیں۔

("ضرورۃ الامام" صفحہ 22، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

(13) سب سے زیادہ

سو اس نے مجھے بھیجا اور میں اس کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک ایسی گورنمنٹ کے سایہ رحمت کے نیچے جگہ دی' جس کے زیر سایہ میں بڑی آزادی سے اپنا کام نصیحت اور وعظ کا ادا کر رہا ہوں۔ اگرچہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے شکر واجب ہے' مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے' کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد' جو جناب قیصرۂ ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو سکتے' اگرچہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔

("تحفہ قیصریہ" صفحہ 27، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

(14) خدا کی طرف مشغول

والد صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد یہ عاجز (یعنی مرزا صاحب) دنیا کے شغلوں سے بکلی علیحدہ ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف مشغول ہوا اور مجھ سے سرکار انگریزی کے حق میں جو خدمت ہوئی' وہ یہ تھی کہ میں نے پچاس ہزار کے قریب کتابیں اور رسائل اور اشتہارات چھپوا کر اس ملک اور نیز دوسرے بلاد اسلامیہ میں اس مضمون کے شائع کیے کہ گورنمنٹ انگریزی ہم مسلمانوں کی محسن ہے' لہٰذا ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اس گورنمنٹ کی سچی اطاعت کرے اور دل سے اس دولت کا شکرگزار اور دعاگو رہے اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو' فارسی' عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ اسلام کے

دو مقدس شہروں مکہ معظمہ اور مدینہ میں بھی بخوبی شائع کر دیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا' اشاعت کر دی گئی' جس کا نتیجہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے' جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکا۔

("ستارۂ قیصریہ" صفحہ ۱۰ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

(15) فقیرانہ زندگی

اور چونکہ میری زندگی فقیرانہ اور درویشانہ طور پر ہے' اس لیے میں ایسے درویشانہ طرز سے گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی اور امداد میں مشغول رہا ہوں۔ قریباً انیس برس سے ایسی کتابوں کے شائع کرنے میں میں نے اپنا وقت بسر کیا ہے' جن میں یہ ذکر ہے کہ مسلمانوں کو سچے دل سے اس گورنمنٹ کی خدمت کرنی چاہیے اور اپنی فرمانبرداری اور وفاداری کو دوسری قوموں سے بڑھ کر دکھلانا چاہیے اور میں نے اسی غرض سے بعض کتابیں عربی زبان میں لکھیں اور بعض فارسی زبان میں اور ان کو دور دور ملکوں تک شائع کیا اور ان سب میں مسلمانوں کو بار بار تاکید کی اور معقول وجوہ سے ان کو اس طرف جھکایا کہ وہ گورنمنٹ کی اطاعت بہ دل و جان اختیار کریں اور یہ کتابیں بلاد عرب اور بلاد شام اور کابل اور بخارا میں پہنچائی گئیں۔

("کشف الغطاء" صفحہ ۱۰، ۱۱ مصنف مرزا غلام احمد قادیانی صاحب)

(16) گورنمنٹ کو اطلاع

جو ہدایتیں اس فرقہ کے سلسلے میں نے مرتب کی ہیں' جن کو میں نے ہاتھ سے لکھ کر اور چھاپ کر ہر ایک کو مرید کر دیا ہے کہ ان کو اپنا دستور العمل رکھے وہ ہدایتیں میرے اس رسالہ میں مندرج ہیں' جو 12 جنوری 1889ء میں چھپ کر عام مریدوں میں شائع ہوا ہے' جس کا نام "تکمیل تبلیغ مع شرائط بیعت" ہے' جس کی ایک کاپی اسی زمانہ میں گورنمنٹ میں بھی بھیجی گئی تھی۔ ان ہدایتوں کو پڑھ کر اور ایسا ہی دوسری ہدایتوں کو دیکھ کر' جو وقتاً "فوقتاً" چھپ کر مریدوں میں شائع ہوتی ہیں' گورنمنٹ کو معلوم ہو گا کہ امن بخش اصولوں کی اس جماعت کو تعلیم دی جاتی ہے' اور کس طرح بار بار ان کو تاکیدیں کی گئی ہیں کہ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے سچے خیر خواہ اور مطیع رہیں۔

(درخواست بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد قادیانی'

مورخہ 24 فروری 1898ء مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ہفتم' صفحہ نمبر 16' مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

(17) بیعت کی شرط

اب اس تمام تقریر سے' جس کے ساتھ میں نے اپنی سترہ سالہ مسلسل تقریروں سے ثبوت پیش کیے ہیں' صاف ظاہر ہے کہ میں سرکار انگریزی کا بہ دل و جان خیر خواہ ہوں اور میں ایک شخص امن دوست ہوں اور اطاعت گورنمنٹ اور ہمدردی بندگان خدا کی میرا اصول ہے اور یہ وہی اصول ہے جو میرے مریدوں کی شرائط بیعت میں داخل ہے' چنانچہ پرچہ شرائط بیعت' جو ہمیشہ مریدوں میں تقسیم کیا جاتا ہے' اس کی دفعہ چہارم میں ان ہی باتوں

کی تصریح ہے۔

("ضمیمہ کتاب البریہ" صفحہ 9 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

اس عام اصلاح کے علاوہ بھی ایک خاص امر کو اس جگہ ضرور بیان کر دینا چاہتا ہوں اور وہ حضرت مسیح موعود کا اپنی بیعت کی شرائط میں وفاداری حکومت کا شامل کرنا ہے۔ آپ نے قریبا اپنی کل کتب میں اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی ہے کہ وہ جس گورنمنٹ کے ماتحت رہیں' اس کی پورے طور پر فرمانبرداری کریں اور یہاں تک لکھا کہ جو شخص اپنی گورنمنٹ کی فرمانبرداری نہیں کرتا اور کسی طرح بھی اپنے حکام کے خلاف شورش کرتا اور ان کے احکام کے نفاذ میں روڑے اٹکاتا ہے' وہ میری جماعت سے نہیں۔

یہ سبق آپ نے جماعت کو ایسا پڑھایا کہ ہر موقع پر جماعت احمدیہ نے گورنمنٹ ہند کی فرمانبرداری کا اظہار کیا ہے اور کبھی خفیف سے خفیف شورش میں بھی حصہ نہیں لیا۔

("تحفۃ الملوک" صفحہ 124 مصنفہ میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان)

(18) خیر خواہ اور دعاگو

اس جماعت کے نیک اثر سے جیسے فوائد خلائق متمتع ہوں گی' ایسا ہی اس پاک باطن جماعت کے وجود سے گورنمنٹ برطانیہ کے لیے انواع و اقسام کے فوائد متصور ہوں گے' جن سے اس گورنمنٹ کو خداوند عزوجل کا شکرگزار ہونا چاہیے' ازاں جملہ ایک یہ کہ یہ لوگ سچے جوش اور دلی خلوص سے اس گورنمنٹ کے خیر خواہ اور دعاگو ہوں گے' کیونکہ بموجب تعلیم اسلام (جس کی پیروی اس گروہ کا عین مدعا ہے) حقوق عباد کے متعلق اس سے بڑھ کر کوئی گنہ کی بات اور خبث اور ظلم اور پلید راہ نہیں کہ انسان جس سلطنت کے زیر سایہ باامن و عافیت زندگی بسر کرے اور اس کی

حمایت سے اپنے دینی دنیوی مقاصد میں بار آور کوشش کر سکے' اس کا بدخواہ و بد اندیش ہو' بلکہ جب تک ایسی گورنمنٹ کا شکرگزار نہ ہو' تب تک خدا تعالیٰ کا بھی شکرگزار نہیں۔ پھر دوسرا فائدہ اس بابرکت گروہ کی ترقی سے گورنمنٹ کو یہ ہے کہ ان کا عملی طریق موجب انسداد جرائم ہے۔

("ازالہ اوہام" صفحہ 849 حاشیہ' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

(19) یاجوج و ماجوج

ایسا ہی یاجوج و ماجوج کا حال بھی سمجھ لیجئے۔ یہ دونوں پرانی قومیں ہیں' جو پہلے زمانوں میں دوسروں پر کھلے طور پر غالب نہیں ہو سکیں اور ان کی حالت میں ضعف رہا' لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کریں گی' یعنی اپنی جلالی قوت کے ساتھ ظاہر ہوں گی ——— یہ دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کر کے پھر ایک دوسرے پر حملہ کریں گی اور جس کو خدا تعالیٰ چاہے گا' فتح دے گا۔ چونکہ ان دونوں قوموں سے مراد انگریز اور روسی ہیں' اس لیے ہر ایک سعادت مند مسلمان کو دعا کرنی چاہیے کہ اس وقت انگریزوں کی فتح ہو' کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں۔ سخت جاہل اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہیں' جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھیں۔ اگر ہم ان کا شکر نہ کریں' تو پھر ہم خدا تعالیٰ کے بھی ناشکرگزار ہیں' کیونکہ ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پا رہے ہیں' وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں پا سکتے۔ ہرگز نہیں۔

("ازالہ اوہام" صفحہ 509 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

(20) اسلامی ممالک پر توجہ

میں نے مناسب سمجھا کہ اس رسالہ کو بلاد عرب یعنی حرمین اور شام اور مصر وغیرہ میں بھی بھیج دوں' کیونکہ اس صفحہ (153) میں جہاد کی مخالفت میں ایک مضمون لکھا گیا ہے اور میں نے بائیس برس سے اپنے ذمہ یہ فرض کر رکھا ہے کہ ایسی کتابیں' جن میں جہاد کی مخالفت ہو' اسلامی ممالک میں ضرور بھیج دیا کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے میری عربی کتابیں عرب کے ملک میں بھی بہت شہرت پا گئی ہیں۔

(تحریر مرزا غلام احمد قادیانی' مورخہ 18 نومبر 1901ء' مندرجہ "تبلیغ رسالت" دہم' ص 26)

(20 الف) جہاد کی بے ہودہ رسم

یہ وہ فرقہ ہے جو فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے اور پنجاب اور ہندوستان اور دیگر متفرق مقامات میں پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ فرقہ ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات میں سے جہاد کی بے ہودہ رسم کو اٹھا دے۔ (کیا عجب ہے کہ یہ بے ہودہ کوشش خود ہی بیٹھ جائے کہ اس کی شرمندگی سے قادیانی آئندہ نظر نہ اٹھا سکیں ---- للمولف برنی) چنانچہ اب تک ساٹھ کے قریب میں نے ایسی کتابیں عربی' فارسی' اردو اور انگریزی میں تالیف کر کے شائع کی ہیں' جن کا مقصد ہے کہ یہ غلط خیالات مسلمانوں کے دلوں سے محو ہو جائیں۔ اس قوم میں یہ خرابی اکثر نادان مولویوں نے ڈال رکھی ہے' لیکن اگر خدا نے چاہا تو امید رکھتا ہوں کہ عنقریب اس کی اصلاح ہو جائے گی۔

گورنمنٹ کی اعلیٰ حکام کی طرف سے ایسی کارروائیوں کا ہونا ضروری ہے' جن سے مسلمانوں کے دلوں میں منقوش ہو جائے کہ یہ سلطنت اسلام کے لیے درحقیقت چشمہ فیض ہے (کم از کم قادیانیوں کے حق میں چشمہ فیض بننا لازم ہے کہ یہ جماعت سرکار کا خود کاشتہ پودا مانی جاتی ہے----

للمولف برقی)۔ (قادیانی رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" بابت 1902ء جلد 11 نمبر(2) اقتباس معروضہ جو مرزا غلام احمد قادیانی نے حکومت میں پیش کیا۔ ایڈیٹر رسالہ مولوی محمد علی صاحب قادیانی فی الحال امیر قادیانی جماعت لاہور)

(20 ب) جہاد' حرام' قطعاً حرام

گورنمنٹ کا یہ اپنا فرض ہے کہ اس فرقہ احمدیہ کی نسبت تدبیر سے زمین کے اندرونی حالات دریافت کرے۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ یہ باتیں محض گورنمنٹ کی خوشامد کے لیے ہیں' مگر میں ان کو کس سے مشابہت دوں۔ وہ اس اندھے سے مشابہ ہیں' جو سورج کی گرمی محسوس کرتا ہے اور ہزارہا شہادتیں سنتا ہے اور پھر سورج کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس حالت میں ہمارے امام (مرزا غلام احمد قادیانی) نے ایک بڑا حصہ عمر کا' جو 42 برس ہیں' اس تعلیم میں گزارا ہے کہ جہاد' حرام اور قطعاً حرام ہے' یہاں تک کہ بہت سی عربی کتابیں بھی مضمون ممانعت جہاد لکھ کر ان کو بلاد اسلام عرب' شام' کابل وغیرہ میں تقسیم کیا ہے' جن سے گورنمنٹ بے خبر نہیں ہے۔ (گورنمنٹ کیوں بے خبر ہوگی' جبکہ خود اس کے منشاء پر کام ہوا ہو--- للمولف برقی) تو کیا گمان ہو سکتا ہے کہ اتنا لمبا حصہ زندگی کا' جس نے پیرانہ سالی تک پہنچا دیا' وہ نفاق میں بسر کیا ہے۔ (سرکار انگریزی سے تو حد درجہ خلوص و اخلاص رہا' پھر نفاق کا شبہ کون کر سکتا ہے--- للمولف برقی)

ہاں آپ نے (مرزا غلام احمد قادیانی نے) ہمارے لیے دروازہ کھول دیا ہے کہ ہم سچائی کو دلائل کے ساتھ پیش کریں اور گورنمنٹ برطانیہ کی حکومت کو غنیمت سمجھیں' کیونکہ کوئی دوسری اسلامی سلطنت اپنے مخالفانہ جوشوں کی وجہ سے کبھی ہماری برداشت نہیں کرے گی۔

[قادیانی رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" بابت 1903ء جلد 1 نمبر 2' مضمون ایڈیٹر رسالہ مولوی محمد علی صاحب قادیانی' بانی الحال امیر جماعت لاہور]

(21) حکومتوں کا فرق

ہمیں اس گورنمنٹ کے آنے سے وہ دینی فائدہ پہنچا کہ سلطان روم کے کارناموں میں اس کی تلاش کرنا عبث ہے۔

(اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی' مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ششم' صفحہ 5)

بلکہ اس گورنمنٹ کے ہم پر اس قدر احسان ہیں کہ اگر ہم یہاں سے نکل جائیں' تو نہ ہمارا مکہ میں گزارا ہو سکتا ہے اور نہ قسطنطنیہ میں' تو پھر کس طرح سے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے برخلاف کوئی خیال اپنے دل میں رکھیں۔

(ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی' مندرجہ "ملفوظات احمدیہ" جلد اول' صفحہ 146' احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں' نہ مدینہ میں' نہ روم میں' نہ شام' نہ ایران میں' نہ کابل میں' مگر اس گورنمنٹ میں' جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں' لہذا وہ اس الہام میں اشارہ فرماتا ہے کہ اس گورنمنٹ کے اقبال اور شوکت میں تیرے وجود اور تیری دعا کا اثر ہے اور اس کی فتوحات تیرے سبب سے ہیں' کیونکہ جدھر تیرا منہ' ادھر خدا کا منہ ہے۔

(اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی' مورخہ 22 مارچ 1897ء مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ششم' صفحہ 69)

میرا دعویٰ ہے کہ تمام دنیا میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرح کوئی دوسری ایسی گورنمنٹ نہیں' جس نے زمین پر ایسا امن قائم کیا ہو۔ میں سچ سچ کہتا

ہوں کہ جو کچھ ہم پوری آزادی سے اس گورنمنٹ کے تحت میں اشاعت حق کر سکتے ہیں' یہ خدمت ہم مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں بیٹھ کر بھی ہرگز بجا نہیں لا سکتے۔ اگر یہ امن اور آزادی اور بے تعصبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت عرب میں ہوتی' تو وہ لوگ ہرگز تلوار سے ہلاک نہ کیے جاتے۔ اگر یہ امن' یہ آزادی اور بے تعصبی اس وقت کے قیصر اور کسریٰ کی گورنمنٹوں میں ہوتی' تو وہ بادشاہتیں اب تک قائم رہتیں۔

("ازالہ اوہام" صفحہ 56 حاشیہ' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

(22) جشن جوبلی

ہم بڑی خوشی سے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا کے جشن جوبلی کی خوشی اور شکریہ کے ادا کرنے کے لیے میری جماعت کے اکثر احباب دور دور کی مسافت قطع کر کے 19 جون 1897ء کو ہی کادیان میں تشریف لائے اور یہ سب (225) آدمی تھے اور اس جگہ کے ہمارے مرید اور مخلص بھی ان کے ساتھ شامل ہوئے' جن سے ایک گروہ کثیر ہو گیا اور وہ سب 20 جون 1897ء کو اس مبارک تقریب میں باہم مل کر دعا اور شکر باری تعالیٰ میں مصروف ہوئے۔

اس تقریب پر ایک کتاب شکرگزاری جناب قیصرۂ ہند کے لیے تالیف کر کے اور چھاپ کر اس کا نام تحفہ قیصریہ رکھا گیا' اور چند جلدیں اس کی نہایت خوبصورت مجلد کرا کے ان میں سے ایک حضرت قیصرۂ ہند کے حضور میں بھیجنے کے لیے بخدمت صاحب ڈپٹی کمشنر بھیجی گئی اور ایک کتاب بحضور وائسرائے گورنر جنرل کشور ہند روانہ ہوئی اور ایک بحضور جناب نواب لیفٹیننٹ گورنر پنجاب بھیج دی گئی۔ اب وہ دعائیں' جو چھ زبانوں میں کی

گئیں' ذیل میں لکھی جاتی ہیں اور بعد اس کے ان تمام دوستوں کے نام درج کیے جائیں گے' جو تکالیف اٹھا کر اس جلسہ کے لیے قادیان میں تشریف لائے۔

(اعلان مرزا غلام احمد قادیانی' مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ششم' صفحہ 110' مولفہ میر قاسم علی قادیانی)

(23) جواب کی استدعا

اس عاجز (یعنی مرزا صاحب) کو وہ اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور محبت اور جوش طاعت حضور ملکہ معظمہ اور اس کے معزز افسروں کی نسبت حاصل ہے' جو میں ایسے الفاظ میں پاتا' جن میں اس اخلاص کا انداز بیان کر سکوں۔ اسی سچی محبت اور اخلاص کی تحریک سے جشن شصت سالہ جوبلی کی تقریب پر میں نے ایک رسالہ حضرت قیصرۂ ہند دام اقبالہا کے نام سے تالیف کر کے اور اس کا نام "تحفہ قیصریہ" رکھ کر جناب ممدوحہ کی خدمت میں بطور درویشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا اور مجھے قوی یقین تھا کہ اس کے جواب سے مجھے عزت دی جائے گی اور امید سے بڑھ کر میری سرفرازی کا موجب ہو گا۔۔۔ مگر مجھے نہایت تعجب ہے کہ ایک کلمہ شاہانہ سے بھی میں ممنون نہیں کیا گیا اور میرا کانشنس ہرگز اس بات کو قبول نہیں کرتا کہ وہ ہدیہ عاجزانہ یعنی رسالہ "تحفہ قیصریہ" حضور ملکہ معظمہ میں پیش ہوا ہو اور پھر میں اس کے جواب سے ممنون نہ کیا جاؤں۔ یقیناً کوئی اور باعث ہے' جس میں جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا کے ارادہ اور مرضی اور علم کو کچھ دخل نہیں' لہٰذا اس حسن ظن نے' جو میں حضور ملکہ معظمہ دام اقبالہا کی خدمت میں رکھتا ہوں' دوبارہ مجھے مجبور کیا کہ میں اس تحفہ قیصرہ کی طرف جناب ممدوحہ کو توجہ دلاؤں اور شاہانہ منظوری کے چند الفاظ سے

خوشی حاصل کروں۔ اسی غرض سے یہ عریضہ روانہ کرتا ہوں۔

(ستارۂ قیصریہ' صفحہ 2' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

میں نے (یعنی مرزا صاحب نے) تحفہ قیصریہ میں' جو حضور قیصرۂ ہند کی خدمت میں بھیجا گیا' یہی حالات اور خدمات اور دعوات گزارش کیے تھے اور میں اپنی جناب ملکہ معظمہ کے اخلاص وسیعہ پر نظر رکھ کر ہر روز جواب کا امیدوار تھا اور اب بھی ہوں۔ میرے خیال میں یہ غیر ممکن ہے کہ میرے جیسے دعاگو کا وہ عاجزانہ تحفہ' جو بوجہ کمال اخلاص خون دل سے لکھا گیا تھا' اگر وہ حضور ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا کی خدمت میں پیش ہوتا تو اس کا جواب نہ آتا' بلکہ ضرور آتا' ضرور آتا۔ اس لیے مجھے بوجہ اس یقین کے کہ جناب قیصرۂ ہند کے پر رحمت اخلاق و کمال وثوق سے حاصل ہے' اس یاددہانی کے عریضہ کو لکھنا پڑا اور اس عریضہ کو نہ صرف میرے ہاتھوں نے لکھا ہے' بلکہ میرے دل نے یقین کا بھرا ہوا زور ڈال کر ہاتھوں کو اس پر ارادت خط کے لکھنے کے لیے چلایا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خیرو عافیت اور خوشی کے وقت خدا تعالیٰ اس خط کو حضور قیصرۂ ہند دام اقبالہا کی خدمت میں پہنچا دے اور پھر جناب ممدوحہ کے دل میں الہام کرے کہ وہ اس سچی محبت اور سچے اخلاص کو' جو حضرت موصوفہ کی نسبت میرے دل میں ہے' اپنی پاک فراست سے اسے شناخت کر لیں اور رعیت پروری کی رو سے مجھے پر رحمت جواب سے ممنون فرمائیں۔

(ستارۂ قیصریہ' صفحہ 4' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

(24) مگر افسوس

میں اٹھارہ برس سے ایسی کتابوں کی تالیف میں مصروف ہوں کہ جو مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی محبت اور اطاعت کی طرف مائل

کرنے کو اکثر جاہل مولوی ہماری اس طرز اور رفتار اور ان خیالات سے سخت ناراض ہیں اور اندر ہی اندر جلتے اور دانت پیستے ہیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ وہ اسلام کی اس اخلاقی تعلیم سے بے خبر ہیں' جس میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص انسان کا شکر نہ کرے' وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتا یعنی اپنے محسن کا شکر کرنا ایسا فرض ہے جیسا کہ خدا کا۔

یہ تو ہمارا عقیدہ ہے' مگر افسوس کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس لمبے سلسلہ اٹھارہ برس کی تالیفات کو' جن میں بہت سی پرزور تقریریں اطاعت گورنمنٹ کے بارے میں ہیں' کبھی ہماری گورنمنٹ محسنہ نے توجہ سے نہیں دیکھا اور کئی مرتبہ میں نے یاد دلایا' مگر اس کا اثر محسوس نہیں ہوا۔ لہذا پھر یاد دلاتا ہوں کہ مفصلہ ذیل کتابوں اور اشتہاروں کو توجہ سے دیکھا جائے اور وہ مقامات پڑھے جائیں جن کے نمبر صفحات میں نے ذیل میں لکھ دیئے ہیں۔ (اس کے ذیل میں 1882ء لغایت 1894ء کل 24 کتابوں اور اشتہاروں کو توجہ کا حوالہ درج ہے' صفحہ 11 — مؤلف) ان کتابوں کے دیکھنے کے بعد ہر ایک شخص اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ جو شخص برابر اٹھارہ برس سے ایسے جوش سے' کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں' گورنمنٹ انگلیہ کی تائید میں ایسے پرزور مضمون لکھ رہا ہے اور ان مضمونوں کو نہ صرف انگریزی عملداری میں' بلکہ دوسرے ممالک میں بھی شائع کر رہا ہے' کیا اس کے حق میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اس گورنمنٹ محسنہ کا خیر خواہ نہیں۔ گورنمنٹ متوجہ ہو کر سوچے کہ یہ مسلسل کارروائی' جو مسلمانوں کو اطاعت گورنمنٹ برطانیہ پر آمادہ کرنے کے لیے برابر اٹھارہ برس سے ہو رہی ہے اور غیر ملکیوں کے لوگوں کو بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ ہم کیسے امن اور آزادی سے زیر سایہ گورنمنٹ برطانیہ زندگی بسر کرتے ہیں' یہ کارروائی کیوں اور کس غرض سے ہے اور غیر ملک کے لوگوں تک ایسی کتابیں اور

ایسے اشتہارات کے پہنچانے کا کیا مدعا تھا۔ (ع اگر اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے ——— للمؤلف)

(درخواست بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ' منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان' مورخہ 24 فروری 1898ء مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ہفتم' صفحہ 11 تا 13 مولفہ میر قاسم قادیانی)

(25) شدت تمنا

(1) قیصرۂ ہند کی طرف سے شکریہ۔ تشریح۔ یہ الہام متشابہات میں سے ہے اور یہ ایسا لفظ ہے کہ حیرت میں ڈالتا ہے کیونکہ میں ایک گوشہ نشین آدمی ہوں اور ہر ایک قابل پسند خدمت سے عاری اور قبل از موت اپنے تئیں مردہ سمجھتا ہوں۔ میرا شکریہ کیسا۔

(2) مبشروں کا زوال نہیں ہوتا۔ گورنر جنرل کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔

("البشریٰ" جلد دوم' صفحہ 57 مجموعہ الہامات مرزا غلام احمد قادیانی)

(26) تبلیغی معروضہ

اے ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند ہم (مرزا صاحب اور قادیانی صاحبان ——— للمؤلف) عاجزانہ ادب کے ساتھ تیری حضور میں کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں کہ تو اس خوشی کے وقت میں' جو شصت سالہ جوبلی کا وقت ہے' یسوع کے چھوڑنے کے لیے کوشش کر۔

("تحفہ قیصریہ" صفحہ 22 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

(27) دعا

اب میں اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری محسنہ ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کو عمر دراز دے کر ہر ایک اقبال سے بہرہ ور کرے اور وہ تمام دعائیں' جو میں نے اپنے رسالہ "ستارۂ قیصرہ" اور "تحفہ قیصرہ" میں ملکہ موصوفہ کو دی ہیں' قبول فرماوے اور میں امید رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ محسنہ اس کے جواب سے مجھے مشرف فرماوے گی۔ والدعا۔

(حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست عریضہ خاکسار غلام احمد قادیان' المرقوم 27 ستمبر 1899ء مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم' مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

(28) سیاسی خلوت

ایک دفعہ صوبہ کے بڑے افسر سے حضرت (مرزا غلام احمد) صاحب ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ یوں تو آپ کسی کے پاس نہ جایا کرتے تھے لیکن انھیں اپنا مہمان سمجھ کر چلے گئے۔ ان دنوں گورنمنٹ کا یہ خیال تھا کہ مسلم لیگ سے گورنمنٹ کو فائدہ پہنچے گا۔ ان افسر صاحب نے حضرت (مرزا) صاحب سے پوچھا کہ آپ کا مسلم لیگ کے متعلق کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اسے نہیں جانتا۔ خواجہ (کمال الدین) صاحب چونکہ اس کے ممبر تھے' انھوں نے اس کے حالات عجیب پیرائے میں آپ کو بتائے۔ فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ لوگ سیاست میں دخل دیں۔ صاحب بہادر نے کہا کہ مرزا صاحب مسلم لیگ کوئی بری چیز نہیں ہے' بلکہ بہت مفید ہے۔ آپ نے فرمایا' بری کیوں نہیں' ایک دن یہ بھی بڑھتے بڑھتے بڑھ جائے گی۔ صاحب بہادر نے کہا: مرزا صاحب' شاید آپ نے کانگریس کا خیال کیا ہوگا' لیگ کا حال۔ کانگریس کی بنیاد چونکہ خراب رکھی گئی تھی' اس لیے وہ مضر ثابت ہوئی' لیکن مسلم لیگ کے تو ایسے قواعد بنائے گئے ہیں کہ اس میں باغیانہ عنصر پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت صاحب

نے فرمایا: آج آپ کا یہ خیال ہے' تھوڑے دنوں کے بعد لیگ بھی وہی کام کرے گی' جو آج کانگریس کر رہی ہے۔

(میاں محمود احمد صاحب قادیان کی 27 دسمبر 1914ء والی تقریر' مندرجہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" بابت ماہ جنوری 1920ء)

(29) تاکیدی نصیحت

چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان دنوں میں بعض جاہل اور شریر لوگ اکثر ہندوؤں میں سے اور کچھ مسلمانوں میں سے گورنمنٹ کے مقابل پر ایسی ایسی حرکتیں ظاہر کرتے ہیں' جن سے بغاوت کی بو آتی ہے' بلکہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کسی وقت باغیانہ رنگ ان کی طبائع میں پیدا ہو جائے گا' اس لیے میں اپنی جماعت کے لوگوں کو' جو مختلف مقامات پنجاب اور ہندوستان میں موجود ہیں' جو بفضلہ تعالیٰ کئی لاکھ تک ان کا شمار پہنچ گیا ہے' نہایت تاکید سے نصیحت کرتا ہوں کہ وہ میری اس تعلیم کو خوب یاد رکھیں' جو قریباً سولہ برس سے تقریری اور تحریری طور پر ان کے ذہن نشین کرتا آتا ہوں' یعنی یہ کہ اس گورنمنٹ انگریزی کی پوری اطاعت کریں' کیونکہ وہ ہماری محسن گورنمنٹ ہے۔ ان کی ظل حمایت میں ہمارا فرقہ احمدیہ چند سال تک لاکھوں تک پہنچ گیا ہے اور اس گورنمنٹ کا احسان ہے کہ اس کے زیر سایہ ہم ظالموں کے پنجہ سے محفوظ ہیں۔

("مرزا غلام احمد قادیانی کا اعلان اپنی جماعت کے نام" مورخہ 7 مئی 1907ء مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد دہم' صفحہ 122' مولفہ میر قاسم علی قادیانی)

(30) بے نظیر خیر خواہی

میرے اس دعوے پر کہ میں گورنمنٹ برطانیہ کا سچا خیر خواہ ہوں' دو

ایسے شاہد ہیں اگر سول ملٹری جیسا لاکھ پرچہ بھی ان کے مقابلہ پر کھڑا ہو' تب بھی وہ دروغ گو ثابت ہوگا۔ اول یہ کہ علاوہ اپنے والد مرحوم کی خدمت کے' میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانان ہند پر اطاعت گورنمنٹ برطانیہ فرض اور جہاد حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نے کئی کتابیں عربی' فارسی تالیف کر کے غیر ملکیوں میں بھیجی ہیں' جن میں برابر یہی تاکید اور یہی مضمون ہے۔ پس اگر کوئی بد اندیش یہ خیال کرے کہ سولہ برس کی کارروائی میری کسی نفاق پر مبنی ہے تو اس بات کا اس کے پاس کیا جواب ہے کہ جو کتابیں عربی و فارسی' روم اور شام و مصر اور مکہ مدینہ وغیرہ ممالک میں بھیجی گئیں اور ان میں نہایت تاکید سے گورنمنٹ انگریزی کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں' وہ کارروائی کیونکر نفاق پر محمول ہو سکتی ہے کہ ان ملکوں کے باشندوں سے کافر کہنے کے کسی اور انعام کی توقع رکھی۔ کیا سول ملٹری گزٹ کے پاس کسی ایسے خیر خواہ گورنمنٹ کی کوئی اور بھی نظیر ہے؟ اگر ہے تو پیش کرے۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ جس قدر میں نے کارروائی گورنمنٹ کی خیر خواہی کے لیے کی ہے' اس کی نظیر نہیں ملے گی۔

(اشتہار لائق توجہ گورنمنٹ جو جناب ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند اور جناب گورنر جنرل ہند اور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب اور دیگر معزز حکام کے ملاحظہ کے لیے شائع کیا گیا۔ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد قادیانی' مورخہ 10 دسمبر 1894ء مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد سوم' صفحہ 196 مولفہ میر قاسم علی قادیانی)

(31) ہماری پرورش

اگر انگریزی سلطنت کی تلوار کا خوف نہ ہوتا' تو ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ لیکن یہ دولت برطانیہ غالب اور باسیاست' جو ہمارے لیے

مبارک ہے' خدا اس کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے' کمزوروں کو اپنی مہربانی اور شفقت کے بازو کے نیچے پناہ دیتی ہے۔ پس ایک کمزور پر زبردست کچھ تعدی نہیں کر سکتا۔ ہم اس سلطنت کے سایہ کے نیچے بڑے آرام اور امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور شکرگزار ہیں اور یہ خدا کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں کسی ایسے ظالم بادشاہ کے حوالے نہیں کیا' جو ہمیں پیروں کے نیچے کچل ڈالتا' کچھ رحم نہ کرتا' بلکہ اس نے ہمیں ایک ایسی ملکہ عطا کی ہے' جو ہم پر رحم کرتی ہے اور احسان کی بارش سے اور مہربانی کے مینہ سے ہماری پرورش فرماتی ہے اور ہمیں ذلت و کمزوری کی پستی سے اوپر کی طرف اٹھاتی ہے۔ سو خدا اس کو جزائے خیر دے' جو ایک عادل بادشاہ کو اس کی رعیت پروری کی وجہ سے ملتی ہے۔

("نور الحق" حصہ اول' صفحہ ۴۸' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

(32) حرز سلطنت

اطلاع : براہین احمدیہ (صفحہ 341) میں ایک پیشگوئی گورنمنٹ برطانیہ کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے: **وما کان اللہ من ھم وانت فی ھم این ما تولوا فثم وجہ اللہ۔** یعنی خدا ایسا نہیں ہے کہ اس گورنمنٹ کو کچھ تکالیف پہنچائے' حالانکہ تو ان کی عملداری میں رہتا ہو۔ جدھر تیرا منہ' خدا کا اسی طرف منہ ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ مجھے اس گورنمنٹ کی پرامن سلطنت اور ظلی حمایت میں دلی خوشی ہے اور اس کے لیے میں دعا میں مشغول ہوں' کیونکہ میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں' نہ مدینہ میں' نہ روم میں' نہ شام میں' نہ ایران میں' نہ کابل میں' مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں' لہٰذا وہ اس الہام میں ارشاد فرماتا ہے کہ اس گورنمنٹ کے اقبال

اور شوکت میں تیرے وجود اور تیری دعا کا اثر ہے اور اس کی فتوحات تیرے سبب سے ہیں کیونکہ جدھر تیرا منہ ادھر خدا کا منہ۔

اب گورنمنٹ شہادت دے سکتی ہے کہ اس کو میرے زمانہ میں کیا کیا فتوحات نصیب ہوئیں۔ یہ الہام سترہ برس کا ہے۔ کیا یہ انسان کا فعل ہو سکتا ہے۔ غرض میں گورنمنٹ کے لیے بمنزلہ حرز سلطنت کے ہوں۔

(عریضہ بعالی خدمت گورنمنٹ عالیہ انگریزی منجانب مرزا غلام احمد قادیانی "تبلیغ رسالت" جلد ششم' حاشیہ صفحہ 69 مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی)

(33) سرکاری تصدیق

خاکسار عرض کرتا ہے کہ کتاب پنجاب چیفس یعنی تذکرہ روسا پنجاب میں' جسے اولاً سرلیپل گریفن نے زیر ہدایت پنجاب گورنمنٹ تالیف کرنا شروع کیا اور بعد میں مسٹر میسی اور مسٹر کریک نے علی الترتیب گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے اسے مکمل کیا اور اس پر نظرثانی کی' ہمارے خاندان کے متعلق مندرجہ ذیل نوٹ درج ہے۔ (صفحہ 110)

اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد' جو غلام مرتضیٰ کا چھوٹا بیٹا تھا' مسلمانوں کے ایک بڑے مشہور مذہبی سلسلہ کا بانی ہوا' جو احمدیہ سلسلہ کے نام سے مشہور ہے۔ مرزا غلام احمد 1839ء میں پیدا ہوا تھا اور اس کو بہت اچھی تعلیم ملی۔ 1891ء میں اس نے بموجب مذہب اسلام مہدی یا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ چونکہ مرزا ایک قابل مذہبی عالم اور مناظر تھا' اس لیے جلد ہی بہت سے لوگوں کو اس نے اپنا معتقد بنا لیا اور اب احمدیہ جماعت کی تعداد پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ (حالانکہ مدتوں میں 1930ء کی تازہ ترین مردم شماری میں خاص اپنے مرکز پنجاب میں قادیانیوں

کی تعداد 55 ہزار تھی اور خود قادیانی صاحبان بقیہ ہندوستان میں اپنی تعداد بیس ہزار تخمینہ کرتے ہیں۔ اس طرح بھی مجموعی تعداد کل ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ 75 ہزار بنتی ہے اور یہ پچاس برس کی کوشش کا ماحصل ہے۔۔۔۔ (المولف) مرزا عربی' فارسی اور اردو کی بہت سی کتابوں کا مصنف تھا' جس میں اس نے مسئلہ جہاد کی تردید کی' اور یقین کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں نے مسلمانوں پر معتدبہ اثر کیا ہے۔

("سیرۃ المہدی" حصہ اول' صفحہ 110' 117 مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

(34) مرزا صاحب کی چٹھیاں

اسی طرح مختلف مواقع پر حضرت (مرزا صاحب) نے گورنمنٹ کو چٹھیاں لکھیں مثلاً جنگ ٹرانسوال کے موقع پر' جوبلی کے موقع پر' طاعون کے پھیلنے پر' جن میں گورنمنٹ کی وفاداری اور اس کے کام میں مدد دینے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان' مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' جلد 2' نمبر 107'

مورخہ 21 فروری 1915ء)

(35) فنانشل کمشنر صاحب کی آؤ بھگت

جب فنانشل کمشنر صاحب بہادر دورہ پر قادیان تشریف لائے تھے' تو آپ (مرزا صاحب) نے اس خبر کو سن کر تمام جماعت کے ذی حیثیت آدمیوں کو خطوط لکھ کر قادیان بلوایا اور ان کے قادیان آنے سے پہلے نئی مدرسہ میں ایک بڑا دروازہ لگوایا گیا تھا اور ان کے خیمہ تک ایک عارضی سڑک بنا دی گئی تھی اور جس وقت ان کی آمد کی امید تھی' تمام

جماعت کو' جس میں حضرت خلیفہ اول (حکیم نور دین صاحب) اور مولوی محمد علی صاحب بھی شامل تھے' حکم دیا تھا کہ اس دروازہ کے دونوں طرف دو رویہ کھڑے رہیں اور پھر مجھے اپنا قائم مقام کر کے آپ کے استقبال کے لیے آگے بھیجا تھا اور خواجہ کمال الدین صاحب کو میرے ساتھ کیا تھا کہ جہاں آپ ملیں' ان سے یہ بھی عرض کر دیں کہ میں بسبب ضعف اور بڑھاپے کے آگے نہیں آ سکتا' اس لیے بڑے بیٹے کو آپ کے استقبال کے لیے بھیجتا ہوں' جس پر اس وقت چہ میگوئیاں بھی ہوئی تھیں کہ آپ نے بڑا بیٹا کیوں فرمایا۔ غرضیکہ خواجہ صاحب میرے ساتھ گئے تھے اور قادیان سے ایک میل کے فاصلہ پر جناب فنانشل کمشنر صاحب سے ملاقات ہوئی تھی اور پھر ہم سب ان کے ساتھ ہی اس مقام تک آئے تھے' جہاں دروازہ پر تمام جماعت دو رویہ کھڑی تھی اور بڑے بڑے آدمیوں کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ پھر دوسرے روز خود حضرت مسیح موعود آپ سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے تھے ـــــ پس پہلے آپ حضرت مسیح موعود پر اعتراض کریں کہ اظہار وفاداری تو ہم سب کا شعار ہے اور احمدی جماعت کی وفاداری ایک مسلمہ امر ہے۔

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان' مندرجہ اخبار "الفضل" جلد 2' نمبر 107 مورخہ 21 فروری 1915ء)

1908ء میں اس خاکسار کو تکمیل تعلیم کے لیے لاہور جانا پڑا۔ اسی سال فنانشل کمشنر سر جیمس ولسن اپنے دورے کے موقع پر قادیان آئے اور قادیان میں اپنا مقام رکھا۔ حضرت مسیح موعود کی طرف سے بہت سی جماعتوں میں چٹھیاں لکھی گئیں کہ وہ سب اس موقع پر آئیں' چنانچہ پنجاب اور ہندوستان کی بہت سی جماعتوں سے کئی سو کی تعداد میں احباب قادیان پہنچے۔ خاکسار کو بھی اس موقع پر حاضر ہونے کا موقع ملا۔ حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی ہدایت کے ماتحت سب احباب نے کمشنر صاحب کا استقبال کیا۔ کمشنر صاحب نے حضور علیہ السلام سے ملاقات بھی فرمائی۔ حضور علیہ السلام نے ان کو دعوت طعام بھی دی۔ (اس تقریب سے مرزا قادیانی صاحب اور ان کی جماعت کی خوشامد گری اور احساس کمتری بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ دیوتا کی طرح انگریز کی پوجا ہوتی تھی اور اس میں شک نہیں کہ یہ پوجا ابتداء میں قادیانیوں کے بہت کام آئی۔ للمولف)

(روایت قادیان مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان نمبر (180) جلد 34' مورخہ 24 اگست 1946ء)

دار الفتوح (ریتی چھلہ) کے بڑ والے میدان میں پہلے طلبہ کی قطاریں تھیں' جن کے ساتھ ان کے اساتذہ اور ہیڈ ماسٹر صاحب تھے۔ دروازہ کے پاس جماعت احمدیہ کے مقامی اور بیرون جماعت کے شرفاء و معززین کھڑے تھے' مگر اس موقع پر بھی سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام موجود نہ تھے۔ گیارہ بجے کے قریب صاحب بہادر اپنے کیمپ پر پہنچے اور صاحب بہادر کی خواہش پر عصر کے بعد حضور نے اپنے معزز مہمان کو شرف ملاقات بخشا تھا۔ حضور جب تشریف لے گئے' تو صاحب بہادر نے خیمہ کے دروازے پر حضور کا استقبال کیا اور حضور کی واپسی پر بھی خیمہ سے باہر تک حضور کو رخصت کرنے آئے اور واقعات کا میں بھی چشم دید گواہ ہوں۔

(بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی کا بیان' مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان نمبر 27' جلد 34' مورخہ 4 فروری 1914ء)

(مندرجہ بالا روداد' جو بغرض تصحیح روایت لکھی گئی' اس سے بھی

صاف ظاہر ہے کہ میرزا قادیانی صاحب' جو انگریزوں کی آؤ بھگت' خوشامد کی حد تک کرتے تھے' اس سے خود قادیانی لوگ بھی خفت محسوس کرنے لگے اور لامحالہ انہوں نے ترمیم اور تاویل کا راستہ نکالا' مگر خود ترمیم اور تاویل سے بھی وہی خفت ظاہر ہوتی ہے' جس کا چھپانا مقصود ہے——(للمولف)

(36) فخر اور شرم

حضرت موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فخریہ لکھا ہے کہ میری کوئی کتاب ایسی نہیں' جس میں میں نے گورنمنٹ کی تائید نہ کی ہو' مگر مجھے افسوس ہے کہ میں نے غیروں سے نہیں' بلکہ احمدیوں سے یہ کہتے سنا ہے' میں انہیں احمدی ہی کہوں گا' کیونکہ نابینا بھی آخر انسان ہی کہلاتا ہے کہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی ایسی تحریریں پڑھ کر شرم آ جاتی ہے۔ انہیں شرم کیوں آتی ہے' اس لیے کہ ان کی اندر کی آنکھ نہیں کھلی"۔

(خطبہ جمعہ' میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان' مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' جلد 20' نمبر 3'

مورخہ 7 جولائی 1932ء)

("قومی ڈائجسٹ" ص 131 تا 143 اشاعت خاص "قادیانیت نمبر" ماخوذ از "قادیانیت کا علمی محاسبہ" ص 521 تا 540' فصل گیارہویں جناب الیاس برنی)

● بلی تھیلے سے باہر آ گئی

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے ذمہ لگے ہوئے مشن کی تکمیل کے لیے سوچے

کیجیے منصوبے کے تحت وسیع پیمانے پر عیسائی پادریوں سے مناظرے رچائے۔ جب سرکار نے پوچھا تو انھیں بتایا گیا کہ یہ سبھی کچھ میرے اس مشن اور مقصد کا حصہ ہیں' جو میرے ذمہ لگایا گیا ہے۔ مجھے مسلمانوں کا اعتماد تب ہی حاصل ہوگا' جب میں حکومت سرکار کے مذہب کے خلاف مناظرے کراؤں گا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا' پھر مجدد ہونے کا روپ دھارا اور بعد ازاں مہدی ہونے کا ڈھونگ رچایا۔ فرضی اور جعلی روحانی مراتب پر فائز ہونے کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود ہونے کی بشارت دی۔ مختلف دعاوی کے بعد آنجہانی متنبی غلام احمد قادیانی نے ظلی و بروزی نبی کی اصطلاحات ایجاد کیں۔ یہاں تک کہ 1901ء میں باقاعدہ نبوت کا دعویٰ کر ڈالا۔

قادیانیت کا مطالعہ کرنے اور جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1 پہلا دور

1857ء سے لے کر 1879ء تک کا ہے۔ اس میں مرزا صاحب نے کوئی دعویٰ نہیں کیا' بلکہ انھیں اسلام کے ایک ایسے مبلغ اور مناظر کی حیثیت سے شہرت حاصل تھی' جو شمالی پنجاب میں عیسائی مشنریوں' ہندو پنڈتوں اور آریہ سماجی دو والوں سے مذہبی مباحثوں میں مشغول نظر آتا تھا۔

2 دوسرا دور

1879ء سے لے کر 1891ء تک کا ہے اس زمانے میں مرزا صاحب نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ تجدید دین کا یہ منصب انھیں مثیل مسیحا کی حیثیت سے دیا گیا ہے۔ مثیل مسیح ایسا شخص ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کا ہو۔

3 تیسرا دور

1891ء سے 1901ء تک کا ہے' جس میں مرزا غلام احمد کادیانی نے مسیح موعود اور ظلی اور بروزی نبی کی اصطلاح میں نبوت کا دعویٰ کرنے کے علاوہ مختلف نوع کے دعاوی کی بھرمار کر دی۔

4 چوتھا دور

1901ء سے 1908ء تک کا دور رہ ہے' جس میں مرزا صاحب نے دعوائے نبوت کیا اور کہا کہ وہ لفظ نبی کے مکمل معنوں میں نبی ہیں اور یہ کہ انہیں باقاعدہ وحی اور الہام ہوتا ہے۔

مرزا غلام احمد کادیانی کے دعوے نہ صرف پر پیچ اور الجھے ہوئے ہیں' بلکہ باہم متصادم ہونے کی بنا پر مضحکہ خیز اور حیران کن بھی ہیں۔ مولانا رفیق دلاوری نے نہایت جانفشانی سے مرزا صاحب کے مختلف دعووں کو جمع کیا ہے' جن کی تعداد چھیاسی بنتی ہے۔ (86) مولانا رقم طراز ہیں:

> "بہت کم مدعی ایسے گزرے ہیں کہ جن کے دعووں کی تعداد دو یا تین تک پہنچی ہو ـــ البتہ ایک مرزا غلام احمد اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اس شخص کے دعووں کی کثرت اور تنوع کا یہ عالم ہے' کہ ان کا استقصا اگر دوسروں کے لیے نہیں تو کم از کم میرے لیے محال ہے۔ تاہم سطحی نظر سے کادیانی کے جو دعوے اس کی کتابوں میں دکھائی دیتے ہیں' ان کی تعداد چھیاسی ہے"۔

(آئمہ تلبیس' ص 454 مولانا رفیق دلاوری)

مرزا کادیانی کے مختلف دعاوی پر علماء نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق کام کیا ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع نے "دعاوی مرزا" میں مرزا کے 44 دعووں کو بیان کیا ہے' جبکہ

مولانا محمد ادریس کاندھلوی" نے مرزا قادیانی کے دعوؤں کی تعداد 60 بیان کی ہے۔ الہامی گرگٹ میں 71 دعوؤں کو نقل کیا گیا ہے' جبکہ مولانا تاج محمود مرحوم نے " قادیانیوں کے عقائد و عزائم" میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خصوصی اور عمومی دعوؤں کی تعداد 201 مع حوالہ جات لکھی ہے۔

مرزا صاحب نے انگریزی سلطنت کے استحکام و اطاعت اور فرمانبرداری کی بنیاد ہی اپنے الہام پر رکھی' اور پھر ربانی و الہامی سند کے مفروضے پر جہاد کی منسوخی کا اعلان کر دیا' جو مسلمانوں کے مذہب کی بنیاد اور اساس تھی۔ مرزا صاحب نے روح جہاد کو بیدار کرنے والوں اور جذبہ جہاد کو پروان چڑھانے والوں کو حرامی' قزاق اور چور تک کے القابات دیے۔ منشی غلام احمد قادیانی کا یہ سارا ڈرامہ تنسیخ جہاد کے لیے تھا۔ چنانچہ انہوں نے قادیانی جماعت کی بنیاد رکھی' انگریز کی اطاعت اور جہاد کی منسوخی' جس کا نصب العین تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے فرزند مرزا بشیر احمد نے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حرمت جہاد پر اس سوال کے جواب میں کہا:

"بعض احمق سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ کے لیے جہاد کرنا درست ہے کہ نہیں۔ یہ گورنمنٹ ہماری ہے' اس کا شکریہ ادا کرنا فرض اور واجب ہے۔ محسن کی بدخواہی ایک بدکار اور حرامی کا کام ہے"۔

("الفضل" جلد 27، 12 دسمبر 1939ء)

قادیانی جماعت اور اس کے پیروکار آج تک تنسیخ جہاد کے عقیدہ پر قائم ہیں۔ قادیانی جماعت کے تیسرے سربراہ آنجہانی مرزا ناصر کے دورۂ افریقہ کی رپورٹ' Africa Speaks کے نام سے شائع ہوئی ہے' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیانی عقیدۂ جہاد کی مخالفت اور تنسیخ میں تبلیغ کرتے ہیں۔

"One of the Main points of Ghulam Ahmad's has been Rejection of Holy Wars and Forcible Conversion."

(Africa Speaks, Page No. 33)

(Published by Majlis Nusrat Jahan Rahmah, Tarik i Jadid)

یعنی مرزا غلام احمد کے اہم معتقدات میں سے ایک مقدس جنگ (جہاد) کا انکار ہے۔

● سنسنی خیز انکشاف

مصر کے قارۃ الفکر عباس محمود' الشیخ محمد ابو زہرۃ' الشیخ محب الدین الخطیب اور الشیخ محمد المدنی نے ایک مراکشی سکالر کے حوالہ سے یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے قادیانی تحریک کے بارے میں سنسنی خیز انکشاف کیا تھا:

"مصر کے قارۃ الفکر عباس محمود العقاد' الشیخ محمد ابو زہرۃ' الشیخ محب الدین الخطیب اور الشیخ محمد محمد المدنی نے جہاں اس قادیانی فرقے کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس کے بین الاقوامی پس منظر سے پردہ اٹھایا ہے' وہاں ایک ممتاز مراکشی ریسرچ سکالر ڈاکٹر عبدالکریم غلاب نے یہودی ریشہ دوانیوں پر تحقیق کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ قادیانیوں کے عقائد اٹھارہویں صدی کے ان یہودی مستشرقین (Orientalists) کی پیداوار ہیں' جنہوں نے جہاد کو حرام قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ڈاکٹر غلاب نے جس کتاب کا حوالہ اپنے گراں قدر مقالے میں دیا ہے' وہ اتفاق سے میری ذاتی لائبریری میں نکل آئی۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ نہ صرف ڈاکٹر غلاب کی بات سو فیصد درست ہے بلکہ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اٹھارہویں صدی کے اوائل میں مناظرے کرنے کے بہانے میں دو تین یہودی ہندوستان بھی گئے تھے"۔

(ملاحظہ ہو مناہج المستشرقین' مطبوعہ بیروت 1931ء'

جلد اول' باب دوم' صفحہ 230)

اس سلسلے میں سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے مستشرقین نے سنت نبوت' جہاد' وحی وغیرہ پر جو تحقیق بددیانتیاں کی ہیں' اس کا مطالعہ بڑا عبرت

ناک ہے۔ ان تحقیق شہ پاروں میں اکثریت یہودی مستشرقین کے زرخیز دماغ کا نتیجہ ہیں۔ اس سلسلے میں دار المعارف مصر نے تین جلدوں میں مستشرقین کے علیہ و ماعلیہ پر مبسوط سلسلہ شروع کیا ہے"۔

(ملاحظہ ہو "الغارۃ الافریقیہ بین الحلقات الاستعماریہ و الوجہت التصوری" از ڈاکٹر سعید فوزی کراما، مطبوعہ پیرس 1968ء، باب چہارم صفحہ 113 تا 211)

(بہ شکریہ ہفت روزہ "چٹان" لاہور، 9 فروری 1970ء)

منشی غلام احمد کادیانی برطانوی سامراج کے خود کاشتہ اور پروردہ تھے۔ مرزا کادیانی کی تحریک اور تنظیم کا مرکز و محور دو باتیں تھیں

- تنسیخ جہاد
- اطاعت برطانیہ

چنانچہ مرزا غلام احمد کادیانی نے انہی مقاصد کی خاطر نبوت کا ڈھونگ رچایا۔ برطانوی اقتدار کے استحکام کے لیے ضروری تھا کہ عقیدۂ جہاد کی منسوخی اور ممانعت میں کام کیا جائے۔ چنانچہ مرزا کادیانی کی تحریریں شاہد ہیں کہ انہوں نے اس مشن کی خاطر تحریروں کے ڈھیر لگا دیے۔

منشاء و مقصد

(1) "جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے' ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے' کیونکہ مجھے مسیح و مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے"۔

("تبلیغ رسالت" جلد ہفتم ص 17)

(2) "میرے پانچ اصول ہیں' جن میں دو: حرمت جہاد اور اطاعت برطانیہ ہیں"۔

(3) "اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں

تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں"۔

("تریاق القلوب" ص 25 از مرزا غلام احمد قادیانی)

(4) "میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت (برطانیہ) کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل' جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں' ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں"۔

(ایضاً)

(5) "۔۔۔ اور یہ کتابیں میں نے مختلف زبانوں یعنی اردو' فارسی اور عربی میں تالیف کر کے اسلام کے تمام ملکوں میں پھیلا دیں اور یہاں تک کہ اسلام کے دو مقدس شہروں' مکے اور مدینہ میں بھی بخوبی شائع کر دیں اور روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ اور بلاد شام اور مصر اور کابل اور افغانستان کے متفرق شہروں میں جہاں تک ممکن تھا' اشاعت کر دی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے وہ غلیظ خیالات چھوڑ دیئے' جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے۔ یہ ایک ایسی خدمت مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ برٹش انڈیا کے تمام مسلمانوں میں سے اس کی نظیر کوئی مسلمان دکھلا نہیں سکتا"۔

("ستارۂ قیصرہ" ص 7)

(6) "آج سے دین کے لیے لڑنا حرام کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو دین کے لیے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے' وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے"۔

(اشتہار چندہ "منارۃ المسیح" ص ب ۔ ت' ضمیمہ خطبہ الہامیہ)

(7) "میں نے بیسیوں کتابیں عربی' فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے"۔

("تبلیغ رسالت" جلد ششم' ص 65)

(8) "آج کی تاریخ تک تیس ہزار کے قریب یا کچھ زیادہ میرے ساتھ جماعت ہے' جو برٹش انڈیا کے متفرق مقامات میں آباد ہے اور ہر شخص' جو میری بیعت کرتا ہے اور مجھ کو مسیح موعود مانتا ہے' اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانے میں جہاد قطعاً حرام ہے کیونکہ مسیح آ چکا۔ خاص کر میری تعلیم کے لحاظ سے اس گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیرخواہ اس کو بننا پڑتا ہے"۔

("گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" ضمیمہ' ص 7)

(9) "اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد"

("ضمیمہ تحفہ گولڑویہ" ص 39)

(10) "بعض احمق اور نادان سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ سو یاد رہے یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے' کیونکہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے' اس سے جہاد کیسا؟"

("شہادت القرآن" ص 84)

(11) "ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ اسلام کی دوبارہ زندگی انگریزی سلطنت کے امن بخش سایہ سے پیدا ہوئی ہے۔ تم چاہو دل میں مجھے کچھ کہو' گالیاں نکالو یا پہلے کی طرح کافر کا فتویٰ لکھو مگر میرا اصول یہی ہے کہ ایسی سلطنت سے دل میں

بغاوت کے خیالات رکھنا یا ایسے خیال' جن سے بغاوت کا احتمال ہو سکے' سخت بدذاتی اور خدا تعالیٰ کا گناہ ہے"۔

("تریاق القلوب" ص 26 از مرزا غلام احمد قادیانی)

(12) "اور جو لوگ مسلمانوں میں سے ایسے بدخیال' جہاد اور بغاوت کے' دلوں میں مخفی رکھتے ہیں' میں ان کو سخت نادان اور بدقسمت ظالم سمجھتا ہوں"۔

(ایضاً)

(13) "سخت جاہل اور نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہے جو اس گورنمنٹ (برطانیہ) سے کینہ رکھے"۔

("ازالہ اوہام" ص 211)

(14) "میں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ درحقیقت برٹش حکومت کی تائید و حمایت میں گزارا ہے۔ وہ کتابیں جو میں نے جہاد کی موقوفی اور انگریزی حکام کی اطاعت کی فرضیت پر لکھی ہیں' وہ پچاس الماریاں بھرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ سبھی کتابیں مصر' شام' کابل اور یونان وغیرہ اور عرب ممالک میں شائع ہوئی ہیں"۔

(15) "چنانچہ میں نے اس مقصد کے انجام کے لیے اپنی ہر ایک تالیف میں یہ لکھنا شروع کیا کہ اس گورنمنٹ (برطانیہ) کے ساتھ کسی طرح مسلمانوں کو جہاد درست نہیں۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ بار بار اس بات پر زور دیا کہ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ برٹش انڈیا کی رعایا کی محسن ہے' اس لیے مسلمانان ہند پر لازم ہے کہ نہ صرف اتنا ہی کریں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے مقابل بکر' ارادوں سے رکیں بلکہ اپنی سچی شکرگزاری اور ہمدردی کے نمونے بھی گورنمنٹ کو دکھلا دیں"۔

("تبلیغ رسالت" جلد سوم' ص 193 مؤلفہ میر قاسم علی)

(16) "دوسرا امر قابل گزارش یہ ہے کہ میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں' اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیرخواہی اور

ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کروں، جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔۔۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں پر میری تحریروں کا بہت ہی اثر ہوا ہے اور لاکھوں انسانوں میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہے"۔

(درخواست بحضور لیفٹیننٹ گورنر بہادر، مندرجہ حوالہ مذکور، جلد پنجم، ص 10)

(17) "پھر میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سرکار انگریزی کی امداد اور حفظ امن اور جہادی خیالات کے روکنے کے لیے برابر سترہ سال تک پورے جوش سے، پوری استقامت سے کام لیا، کیا اس کام کی اور اس خدمت نمایاں کی اور اس مدت دراز کی دوسرے مسلمانوں میں، جو میرے مخالف ہیں، کوئی نظیر ہے؟ کوئی نظیر نہیں ہے"۔

("کتاب البریہ" اشتہار مورخہ 20 ستمبر 1897ء، ص 7 از مرزا غلام احمد قادیانی)

(18) "میں سچ سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب، جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں، یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں: ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرے، دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو، جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے۔۔۔ سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں"۔

(ارشادات مرزا غلام احمد قادیانی، مندرجہ رسالہ "گورنمنٹ کی توجہ کے لائق")

(19) "میں نے مناسب سمجھا کہ اس رسالہ کو بلاد عرب یعنی حرمین اور شام اور مصر وغیرہ میں بھی بھیج دوں کیونکہ اس کتاب کے ص 152 میں جہاد کی مخالفت میں ایک مضمون لکھا گیا ہے اور میں نے بائیس برس سے اپنے ذمہ یہ فرض کر رکھا ہے کہ ایسی کتابیں، جن میں جہاد کی مخالفت ہو، اسلامی ممالک میں ضرور بھیج دیا کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے میری عربی کتابیں عرب کے ممالک میں بھی شہرت پا گئی ہیں"۔

("تبلیغ رسالت" جلد دہم، ص 26)

(20) "یہ وہ فرقہ ہے جو فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے اور پنجاب اور ہندوستان اور دیگر متفرق مقامات میں پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ فرقہ ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات میں سے جہاد کی بیہودہ رسم کو اٹھا دے۔ چنانچہ اب تک ساٹھ کے قریب میں نے ایسی کتابیں عربی' فارسی اور اردو اور انگریزی میں تالیف کر کے شائع کی ہیں' جن کا یہی مقصد ہے کہ یہ غلط خیالات مسلمانوں کے دلوں سے محو ہو جائیں۔ اس قوم میں یہ خرابی اکثر نادان مولویوں نے ڈال رکھی ہے لیکن اگر خدا نے چاہا تو امید رکھتا ہوں کہ عنقریب اس کی اصلاح ہو جائے گی"۔

(قادیانی رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" بابت 1902ء جلد نمبر1' نمبر12)

(21) "گورنمنٹ کا یہ اپنا فرض ہے کہ اس فرقہ احمدیہ کی نسبت تدبیر سے زمین کے اندرونی حالات دریافت کرے۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ یہ باتیں محض گورنمنٹ کی خوشامد کے لیے ہیں مگر میں ان کو کس سے مشابہت دوں۔ وہ اس اندھے سے مشابہ ہیں' جو سورج کی گرمی محسوس کرتا ہے اور ہزارہا شہادتیں سنتا ہے اور پھر سورج کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس حالت میں ہمارے امام (مرزا صاحب) نے ایک بڑا حصہ عمر کا (22 برس) اس تعلیم میں گزارا ہے کہ جہاد حرام اور قطعاً حرام ہے' یہاں تک کہ بہت سی عربی کتابیں بھی مضمون ممانعت جہاد میں لکھ کر ان کو بلاد اسلام' عرب' شام' کابل وغیرہ میں تقسیم کیا ہے"۔

(ایضاً)

(22) "بارہا بے اختیار دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جس گورنمنٹ کی اطاعت اور خدمت گزاری کی نیت سے ہم نے کئی کتابیں مخالفت جہاد اور گورنمنٹ کو اب تک معلوم نہیں کہ ہم دن رات کیا خدمت کر رہے ہیں۔ ہم نے قبول کیا کہ ہماری اردو کی کتابیں' جو ہندوستان میں شائع ہوئیں' ان کے دیکھنے سے گورنمنٹ عالیہ کو یہ خیال گزرا ہوگا کہ ہماری خوشامد کے لیے ایسی تحریریں لکھی گئی ہیں لیکن یہ دانشمند گورنمنٹ ادنیٰ توجہ سے سمجھ سکتی ہے کہ عرب کے ملکوں میں' جو ہم نے ایسی

کتابیں بھیجیں' جن میں بڑے بڑے مضمون اس گورنمنٹ کی شکر گزاری کے اور جہاد کی مخالفت کے بارے میں تھے' ان میں گورنمنٹ کی خوشامد کا کون سا موقع تھا۔ کیا گورنمنٹ نے مجھ کو مجبور کیا تھا کہ میں ایسی کتابیں تالیف کر کے ان ملکوں میں روانہ کروں اور ان سے گالیاں سنوں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک دن یہ گورنمنٹ عالیہ ضرور میری ان خدمات کا قدر کرے گی"۔

(اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی' 18 نومبر 1901ء "تبلیغ رسالت" جلد دہم' ص 28)

(23) "میں اٹھارہ برس سے ایسی کتابوں کی تالیف میں مصروف ہوں کہ جو مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی محبت اور اطاعت کی طرف مائل کرے۔ گو اکثر جاہل مولوی ہماری اس طرز اور انکو اور ان خیالات سے سخت ناراض ہیں اور اندر ہی اندر جلتے اور دانت پیستے ہیں' مگر میں جانتا ہوں کہ وہ اسلام کی اس اخلاقی تعلیم سے بھی بے خبر ہیں' جس میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص انسان کا شکر نہ کرے' وہ خدا کا شکر بھی نہیں کرتا۔ یعنی اپنے محسن کا شکر کرنا ایسا فرض جیسا کہ خدا کا"۔

("تبلیغ رسالت" جلد دہم' ص 11 تا 13)

(24) "میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانان ہند پر اطاعت گورنمنٹ برطانیہ فرض اور جہاد حرام ہے"۔

("تبلیغ رسالت" جلد سوم' 194)

(25) "خاکسار عرض کرتا ہے کہ کتاب "پنجاب چیفس" یعنی تذکرہ روسا پنجاب میں' جسے اولاً سر لیپل گریفن نے زیر ہدایت پنجاب گورنمنٹ تالیف کرنا شروع کیا اور بعد میں مسٹر میسی اور مسٹر کریک نے علی الترتیب گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے اسے مکمل کیا اور اس پر نظرثانی کی' ہمارے خاندان کے متعلق مندرجہ ذیل نوٹ درج ہے ــــ اس جگہ پر بیان کرنا ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد' جو غلام مرتضیٰ کا چھوٹا بیٹا تھا' مسلمانوں کے ایک بڑے مشہور مذہبی سلسلہ کا بانی ہوا' جو احمدیہ سلسلہ کے نام سے مشہور ہے۔ مرزا غلام احمد 1839ء میں پیدا ہوا تھا اور اس کو بہت اچھی

تعلیم لی۔ 1891ء میں اس نے بموجب مذہب اسلام مہدی یا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ چونکہ مرزا ایک قابل مذہبی عالم اور مناظر تھا' اس لیے جلدی بہت سے لوگوں کو اس نے اپنا معتقد بنا لیا اور اب احمدیہ جماعت کی تعداد پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ (اعداد و شمار کے حوالہ سے یہ تعداد بالکل جھوٹ اور گمراہ کن بیان کی گئی تھی) مرزا عربی' فارسی اور اردو کی بہت سی کتابوں کا مصنف تھا' جس میں اس نے مسئلہ جہاد کی تردید کی اور یقین کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں نے مسلمانوں پر معتدبہ اثر کیا ہے"۔

("سیرت المہدی" حصہ اول' ص 110 - 117 مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

مدح سرائی

مرزا غلام احمد قادیانی تنسیخ جہاد اور تاج برطانیہ کے استحکام کے مشن میں اس قدر آگے نکل گئے کہ انہوں نے انگریزی سرکار کی مدح سرائی اور خوشامد میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔

◆ ---- "اے بابرکت قیصرۂ ہند (ملکہ وکٹوریہ) تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک ہو۔ خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں۔ خدا کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے' جس پر تیرا ہاتھ ہے۔ تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے تاکہ پرہیزگاری اور پاک اخلاق اور صلح کاری کی راہوں کو دوبارہ دنیا میں قائم کروں"۔

("ستارۂ قیصرہ" ص 15)

◆ ---- "یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت' جس کو پچاس سال کے متواتر تجربے سے ایک وفادار جانثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ (برطانیہ) کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور خدمت

گزار ہے۔ اس خود کاشتہ پودے کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط سے اور تحقیق و توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو عنایت و مہربانی کی نظر سے دیکھیں"۔

("تبلیغ رسالت" جلد نمبر ۷ ص ۱۹)

◆ ——— "اس (خدا) نے اپنے قدیم وعدہ کے موافق' جو مسیح موعود کے آنے کی نسبت تھا' آسمان سے مجھے بھیجا تا میں اس مرد خدا کے رنگ میں ہو کر' جو بیت اللحم میں پیدا ہوا اور ناصرہ میں پرورش پائی' حضور ملکہ معظمہ (وکٹوریہ) کے نیک اور بابرکت مقاصد کی اعانت میں مشغول ہوں۔ اس نے مجھے بے انتہا برکتوں کے ساتھ چھوڑا اور اپنا مسیح بنایا تا وہ ملکہ معظمہ کے پاک اغراض کو خود آسمان سے مدد دے"۔

("ستارۂ قیصرہ" ص ۱۰)

◆ ——— "اے ملکہ معظمہ تیرے وہ پاک ارادے ہیں' جو آسمانی مدد کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اور تیری نیک نیتی کی کشش ہے' جس سے آسمان رحمت کے ساتھ زمین کی طرف جھکتا جاتا ہے۔ اس لیے تیرے عہد سلطنت کے سوا اور کوئی بھی عہد سلطنت ایسا نہیں ہے' جو مسیح موعود کے ظہور کے لیے موزوں ہو۔ سو خدا نے تیرے نورانی عہد میں آسمان سے ایک نور (مرزا صاحب) نازل کیا کیونکہ نور نور کو اپنی طرف کھینچتا ہے"۔

("ستارۂ قیصرہ" ص ۱۱)

◆ ——— "سو میرا مذہب' جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں' یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں: ایک یہ کہ خدا کی اطاعت کریں' دوسرے اس سلطنت کی' جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے"۔

("شہادۃ القرآن" ص 84)

◆ --- "والد صاحب مرحوم اس ملک کے ممتاز زمینداروں میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ گورنری دربار میں ان کو کرسی ملتی تھی اور گورنمنٹ برطانیہ کے وہ سچے شکرگزار اور خیرخواہ تھے"۔

("ازالہ اوہام" ص 58)

◆ --- "میرے والد مرحوم کی سوانح میں سے وہ خدمات کسی طرح الگ ہو نہیں سکتیں' جو وہ خلوص دل سے اس گورنمنٹ کی خیرخواہی میں بجا لائے۔ انھوں نے اپنی حیثیت اور مقدرت کے موافق ہمیشہ گورنمنٹ (برطانیہ) کی خدمت گزاری میں اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے وقت' وہ صدق اور وفاداری دکھلائی' کہ جب تک انسان سچے دل اور نہ دل سے کسی کا خیرخواہ نہ ہو' ہرگز دکھلا نہیں سکتا"۔

("شہادۃ القرآن" ص 84)

◆ --- "1857ء کے مفسدہ میں' جب کہ بے تمیز لوگوں نے اپنی محسن گورنمنٹ (برطانیہ) کا مقابلہ کر کے ملک میں شور ڈال دیا' تب میرے والد بزرگوار نے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر کے اور پچاس سوار بہم پہنچا کر گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کیے۔ اور پھر ایک دفعہ چودہ سوار سے خدمت گزاری کی۔ اور انہی خدمات کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ میں ہردلعزیز ہوگئے۔ چنانچہ جب گورنر جنرل کے دربار میں عزت کے ساتھ ان کو کرسی ملتی تھی اور ہر ایک درجہ کے حکام انگریزی بڑی عزت اور دلجوئی سے پیش آتے تھے"۔

("شہادۃ القرآن" ص 84)

◆ --- "اور انھوں (والد صاحب) نے میرے بھائی کو صرف گورنمنٹ کی خدمت گزاری کے لیے بعض لڑائیوں پر بھیجا اور ہر ایک باب میں گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل کی اور اپنی تمام عمر نیک نامی کے ساتھ بسر کر کے اس ناپائیدار دنیا سے گزر گئے"۔

(ایضاً)

♦ ——— "اس عاجز کا بڑا بھائی مرزا غلام قادر' جس قدر مدت تک زندہ رہا' اس نے بھی اپنے والد مرحوم کے قدم پر قدم مارا۔ اور گورنمنٹ (برطانیہ) کی مخلصانہ خدمت میں بہ دل و جان مصروف رہا۔ پھر وہ بھی اس مسافر خانہ سے گزر گیا"۔

(ایضاً)

♦ ——— "تیرے (وکٹوریہ) عدل کے لطیف بخارات بادلوں کی طرح اٹھ رہے ہیں' تا تمام ملک کو رشک بہار بنا دیں۔ شریر ہے وہ انسان جو تیرے عہد سلطنت کی قدر نہیں کرتا اور بدذات ہے وہ نفس جو تیرے احسانوں کا شکرگزار نہیں"۔

("ستارۂ قیصرہ" ص 15)

♦ ——— "اے ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند' خدا تجھے اقبال اور خوشی کے ساتھ عمر میں برکت دے۔ تیرا عہد حکومت کیا ہی مبارک ہے کہ آسمان سے خدا کا ہاتھ تیرے مقاصد کی تائید کر رہا ہے۔ تیری ہمدردی رعایا' نیک نیتی کی راہوں کو فرشتے صاف کر رہے ہیں"۔

(ایضاً)

♦ ——— "پس میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں ان خدمات میں یکتا ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میں ان تائیدات میں یگانہ ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میں اس گورنمنٹ کے لیے بطور ایک تعویذ کے ہوں اور بطور ایک پناہ (قلعہ) کے ہوں' جو آفتوں سے بچا سکتا ہے اور خدا نے مجھے بشارت دی اور کہا کہ خدا ایسا نہیں کہ ان کو دکھ پہنچاوے اور تو ان میں ہو۔ پس اس گورنمنٹ کی خیرخواہی اور مدد میں کوئی دوسرا شخص میری نظیر اور مثل نہیں اور عنقریب یہ گورنمنٹ جان لے گی' اگر مردم شناسی کا اس میں مادہ ہے"۔

("انوار الحق" حصہ اول' ص 33' 34)

♦ ——— "خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے میری اور میری جماعت کی پناہ

اس سلطنت (برطانیہ) کو بنا دیا ہے یہ امن جو اس سلطنت کے زیر سایہ ہمیں حاصل ہے' نہ یہ امن مکہ معظمہ میں مل سکتا ہے اور نہ مدینہ میں اور نہ سلطان روم کے پایہ قسطنطنیہ میں"۔

("تریاق القلوب" ص 28)

◆ —— "اگرچہ اس محسن گورنمنٹ کا ہر ایک پر رعایا میں سے شکر واجب ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ مجھ پر سب سے زیادہ واجب ہے۔ کیونکہ یہ میرے اعلیٰ مقاصد' جو جناب قیصرۂ ہند کی حکومت کے سایہ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں' ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیر سایہ انجام پذیر ہو سکتے۔ اگرچہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی"۔

("تحفہ قیصریہ" 47)

◆ —— "اور ہم پر اور ہماری ذریت پر یہ فرض ہو گیا کہ اس مبارک گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکر گزار رہیں"۔

("ازالہ اوہام" ص 58)

◆ —— "یہ عاجز صاف اور مختصر لفظوں میں گزارش کرتا ہے کہ بباعث اس کے کہ گورنمنٹ انگریزی کے احسانات' میرے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضیٰ مرحوم کے وقت سے آج تک اس خاندان کے شامل حال ہیں۔ اس لیے نہ کسی تکلف سے بلکہ میرے رگ و ریشہ میں شکر گزاری اس معزز گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے"۔

("شہادۃ القرآن" ص 84)

◆ —— "اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں' وہ ایک ایسی جماعت تیار ہوتی جاتی ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبالب ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت اعلیٰ درجہ پر ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام اس ملک کے لیے بڑی برکت ہیں اور گورنمنٹ کے لیے دلی جانثار ہیں"۔

("تبلیغ رسالت" جلد 6 ص 45)

◆ —— "اور میرا گروہ ایک سچا خیرخواہ اس گورنمنٹ کا بن گیا ہے جو برٹش انڈیا میں سب سے اول درجہ پر جوش اطاعت رکھتے ہیں' جس سے مجھے بہت خوشی ہے"۔

("استفتارۂ قیصریہ" ص 20)

◆ —— "ہم نے اس گورنمنٹ کے وہ احسانات دیکھے جن کا شکر کرنا کوئی سہل بات نہیں۔ اس لیے ہم اپنی معزز گورنمنٹ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اس گورنمنٹ کے اس طرح مخلص اور خیرخواہ ہیں جس طرح کہ ہمارے بزرگ تھے۔ ہمارے ہاتھ میں بجز دعا کے اور کیا ہے"۔

("شہادۃ القرآن" ص 84)

◆ —— "سو ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس گورنمنٹ کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھے اور اس کے دشمن (مسلمان۔ ہندو) کو ذلت کے ساتھ پسپا کرے"۔

(ایضاً)

✱ —— "تاج و تخت ہند قیصر کو مبارک ہو مدام
ان کی شاہی میں پاتا ہوں رفاہ روزگار"

("براہین احمدیہ" حصہ پنجم' ص 111)

✱ —— "حقیقت میں یہ حکومت "انگریز" ہم پر بڑی فیاض رہی ہے اور ہم اس کے شرمندۂ احسان ہیں کیونکہ اگر ہم یہاں سے چلے جائیں (یعنی اگر ہم اس ملک سے باہر چلے جائیں) تو ہم مکہ یا قسطنطنیہ میں پناہ نہیں لے سکتے۔ پھر ہم اس حکومت کے بارے میں کوئی بدخواہی کیسے کر سکتے ہیں؟"

("ملفوظات احمدیہ" جلد اول' ص 146)

✱ —— "میں اپنا یہ کام مکہ یا مدینہ میں ٹھیک طور سے نہیں کر سکتا۔ نہ ہی یونان' شام ایران یا کابل میں۔ لیکن میں یہ اس حکومت کے تحت کر سکتا ہوں جس کی عظمت و نصرت کے لیے میں ہمیشہ دعا کرتا ہوں"۔

("تبلیغ رسالت" مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی' جلد چہارم' ص 49)

* ---- "سو تھوڑا غور کرو' اگر تم اس حکومت کے سایہ کو چھوڑ دو گے تو روئے زمین پر کون سی جگہ تمہیں اپنی حفاظت میں لینا قبول کرے۔ اسلامی حکومتوں میں سے ہر ایک تمہارے وجود پر سخت غضبناک ہے' تمہارے خاتمہ کے لیے منصوبہ بنا رہا ہے اور بے خبری میں حملہ کرنے کے لیے منتظر ہے۔ کیونکہ ان کی نظر میں تم کافر و مرتد ہو گئے ہو۔ لہٰذا اس نعمت الٰہیہ (حکومت برطانیہ کا قیام) کو قبول کرو اور اس کی قدر کرو..... لیکن انگریزی حکومت اللہ کی رحمت اور برکت کا ایک پہلو ہے۔ یہ ایک ایسا قلعہ ہے جو خدا نے تمہاری حفاظت کے لیے تعمیر کیا ہے۔ انگریز تمہارے لیے ان مسلمانوں کے مقابلے میں ہزار درجہ بہتر ہیں جو تم سے اختلاف رکھتے ہیں کیونکہ انگریز تمہیں ذلیل کرنا نہیں چاہتے' نہ ہی وہ تمہیں قتل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں"۔

("تبلیغ رسالت" از مرزا غلام احمد قادیانی' جلد اول' ص 123)

* ---- "عرصہ بیس سال سے میں نے دلی سرگرمی کے ساتھ فارسی' عربی' اردو اور انگریزی میں کتابیں شائع کرنا کبھی ترک نہیں کیا' جن میں' میں نے بار بار دہرایا ہے کہ مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ خدا کی نظروں میں گنہگار بننے کے خوف سے اس حکومت کی تابعدار اور وفادار رعایا بنیں..... تو کم از کم یہ تو ان کا فرض ہے کہ اس حکومت کے ناشکرگزار نہ بنیں۔ کیونکہ اس حکومت سے غداری کر کے خدا کی نظروں میں گنہگار نہ بننا ان کا فرض ہے"۔

("تریاق القلوب" ص 307 از مرزا غلام احمد قادیانی)

* ---- "اب اپنی فیاض طبع حکومت سے پوری جرات مندی کے ساتھ یہ کہنے کا وقت آگیا ہے کہ گزشتہ بیس سالوں میں' میں نے یہ خدمات انجام دی ہیں اور ان کا مقابلہ انگریزی ہندوستان میں کسی بھی مسلم خاندان کی خدمات سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ لوگوں کو بیس سال جتنی طویل مدت تک ہی سبق پڑھانے میں ایسا استقلال کسی منافق یا خود غرض انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ ایسے انسان

کا کام ہے جس کا دل اس حکومت کی سچی وفاداری سے معمور ہے۔ میں حقیقت میں کہتا ہوں اور اس کا دعویٰ کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں میں سرکار انگریزی کی رعایا میں سب سے زیادہ تابعدار اور وفادار ہوں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے انگریزی حکومت کے تئیں میری وفاداری کو اس درجہ بلندی تک پہنچانے میں میری رہبری کی ہے

(1) میرے والد مرحوم کا اثر۔

(2) اس فیاض حکومت کی مہربانیاں۔

(3) خدائی الہام"۔

("تریاق القلوب" از مرزا غلام احمد قادیانی' ص 309 - 310)

* ——— "درحقیقت انگریزی حکومت ہمارے لیے ایک جنت ہے اور احمدی فرقہ اس کی سرپرستی میں مسلسل ترقی کر رہا ہے۔ اگر تم اس جنت کو کچھ عرصہ کے لیے الگ کر دو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے سروں پر زہریلے تیروں کی کیسی زبردست بارش ہوتی ہے۔ ہم اس حکومت کے کیوں نہ مشکور ہوں جس کے ساتھ ہمارے مفاد مشترک ہیں' جس کی بربادی کا مطلب ہماری بربادی ہے اور جس کی ترقی سے ہمارے مقصد کی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ اس لیے جب بھی اس حکومت کا دائرۂ اثر وسیع ہوتا ہے' ہمارے لیے اپنی دعوت کی تبلیغ کا ایک نیا میدان ظاہر ہوتا ہے"۔

("الفضل" قادیان' 19 اکتوبر 1915ء)

* ——— "احمدیہ فرقہ اور انگریزی حکومت کے درمیان تعلقات اس حکومت اور دوسرے فرقوں کے درمیان موجودہ تعلقات کی مانند نہیں ہیں۔ ہمارے حالات کے مقتضیات دوسروں سے مختلف ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ حکومت کے لیے سودمند ہے' وہ ہمارے لیے بھی سودمند ہے اور جوں جوں انگریزی عملداری وسیع ہوتی ہے' ہمیں بھی ترقی کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ اگر حکومت کو نقصان پہنچتا ہے' خدا نہ کرے' تو ہم بھی امن و امان کے ساتھ زندگی گزارنے کے قابل نہ رہیں

گے"۔

("الفضل" 27 جولائی 1918ء)

* ——— "ان کی سرپرستی میں شب کی سیاہی ہمارے لیے اس دن سے بہتر ہے جو ہم اصنام پرستوں کے زیر سایہ گزاریں۔ لہذا یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے شکرگزار ہوں' اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم گنہگار ہوں گے"۔

* ——— "اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم مسلم بادشاہوں کے ملک کو ہجرت کر جائیں تو بھی ہم اس سے زیادہ تحفظات اور اطمینان نہیں پا سکتے۔ یہ (انگریزی حکومت) ہمارے ساتھ اور ہمارے آباؤ اجداد کے ساتھ اتنی فیاض رہی ہے کہ ہم اس کی برکات کے لیے قرار واقعی شکریہ ادا نہیں کر سکتے"۔

("الفضل" بحوالہ قادیانی مذہب' ص 19 ۔ 20)

* ——— "اس حکومت کے پاس میرا کوئی ہم سر اور نصرت و تائید میں میرا مثیل نہیں۔ میرا وجود انگریزی حکومت کے لیے ایک قلعہ' ایک حصار اور تعویذ کی حیثیت رکھتا ہے"۔

(رسالہ "انوار الحق" از مرزا غلام احمد قادیانی)

* ——— "ہم نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنا خون دینے سے کبھی گریز نہیں کیا"۔

("تبلیغ رسالت" جلد ہفتم)

* ——— "مسیح موعود فرماتے ہیں میں مہدی ہوں' برطانوی حکومت میری تلوار ہے۔ ہمیں بغداد کی فتح سے کیوں خوشی نہ ہو۔ عراق' عرب' شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' 7 دسمبر 1918ء)

* ——— "میرا اس درخواست سے' جو حضور کی خدمت میں مع اسماء مریدین روانہ کرتا ہوں' مدعا یہ ہے کہ اگرچہ میں ان خدمات خاصہ کے لحاظ سے' جو میں نے

اور میرے بزرگوں نے محض صدق دل اور اخلاص اور جوش وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوشنودی کے لیے کی ہے' عنایت خاص کا مستحق ہوں..... گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے انہیں اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیرخواہ اور خدمت گزار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا اور نہ اب فرق ہے"۔

(تبلیغ رسالت" جلد ہفتم' 24 فروری 1898ء)

منشی غلام احمد قادیانی بانی تحریک احمدیہ کی تحریروں کے مندرجہ بالا اقتباسات سے ان کی اور ان کے خاندان کی برطانوی حکومت سے وفاداری' تابعداری اور نمک خواری کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ مرزا قادیانی بلاشبہ برطانوی سرکار کی اغراض کا پتلا تھا۔ ایک غیور' باضمیر انسان کو ایسا خوشامدانہ انداز زیب نہیں دیتا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے خود اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے انگریزی سرکار کی تائید و حمایت' خوشامد' کاسہ لیسی اور چاپلوسی میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو 50 الماریاں بھر سکتی ہیں۔ مرزا قادیانی نے اپنے آقا و مربی اور محسن سرکار کی مدح و ستائش پر جتنی کتابیں لکھیں' ان میں سے بعض تصانیف و تالیفات کے علاوہ برطانوی سرکار کی اطاعت و خیرخواہی کے تذکروں پر مشتمل کتب و رسائل و اشتہار کی فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر شمار	نام کتاب/اشتہار	تاریخ طباعت	نمبر صفحہ
1-	براہین احمدیہ حصہ سوم	1882ء	الف سے ب تک (شروع کتاب)
2-	براہین احمدیہ حصہ چہارم	1884ء	الف سے د تک

3- آریہ دھرم		
(نوٹس بوربارہ توسیع دفعہ 298)	22 ستمبر 1895ء	57 سے 64 تک آخر کتاب
4- التماس شامل آریہ دھرم		
(نوٹس بوربارہ توسیع دفعہ 298)	22 ستمبر 1895ء	1 سے 4 تک
5- درخواست شامل آریہ دھرم		
(نوٹس بوربارہ توسیع دفعہ 298)	22 ستمبر 1895ء	69 سے 72 تک
6- خط دربارہ توسیع دفعہ 298	21 اکتوبر 1895ء	1 سے 8 تک
7- آئینہ کمالات اسلام	فروری 1893ء	7 سے 20 تک اور 511 سے
8- نور الحق حصہ اول (اعلان)	1311ھ	528 تک، 23 سے 54 تک
9- شہادۃ القرآن		
(گورنمنٹ کی توجہ کے لائق)	22 ستمبر 1893ء	الف سے ع تک آخر کتاب
10- نور الحق حصہ دوم	1311ھ	49 سے 50 تک
11- سر الخلافہ	1312ھ	71 سے 73 تک
12- اتمام الحجۃ	1311ھ	25 سے 27 تک
13- حمامۃ البشریٰ	1311ھ	29 سے 42 تک
14- تحفہ قیصریہ	25 مئی 1897ء	تمام کتاب
15- ست بچن	نومبر 1895ء	153 سے 154 تک اور سرورق
16- انجام آتھم	جنوری 1897ء	تمام کتاب
17- سراج منیر	مئی 1897ء	صفحہ 74
18- تکمیل تبلیغ مع شرائط بیعت	12 جنوری 1889ء	ص 4 حاشیہ اور ص 6 شرط چہارم
19- اشتہار قابل توجہ گورنمنٹ کیلئے		
اور اطلاع عام	27 فروری 1895ء	تمام اشتہار یکطرفہ
20- اشتہار دربارہ سفیر سلطان روم	24 مئی 1897ء	1 سے 3 تک

21- اشتہار جلسہ احباب

بر جشن جوبلی تمام قادیان	23جون 1897ء	ا سے 4 تک

22- اشتہار جلسہ شکریہ جشن جوبلی

حضرت قیصرہ خرام ظلہا	7جون 1897ء	تمام اشتہار یک ورق
23- اشتہار مطلق بزرگ	25جون 1897ء	صفحہ 10

24- اشتہار لائق توجہ گورنمنٹ

مع ترجمہ انگریزی	10دسمبر 1894ء	تمام اشتہار 1 سے 7 تک"

(انگریزی نبی' مرتبہ مولانا منظور احمد چنیوٹی' ص 27)

قادیانی گماشتہ نے "کتاب البریہ" ص 4 تا 8 میں سرکار انگریزی کی ان چٹھیات کا عکس اتارا ہے جو اس وفادار خاندان کو لکھی گئیں۔ مرزا صاحب نے اس باب میں لکھا تھا:

"مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں مگر تین چٹھیات جو مدت سے چھپ چکی ہیں۔ ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں۔ پھر والد صاحب کی وفات کے بعد میرا بڑا میرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور جب تموں کے گزر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔ پھر میں اپنے والد اور بھائی کی وفات کے بعد ایک گوشہ نشین آدمی تھا۔ تاہم سترہ برس سے سرکار انگریزی کی امداد اور تائید میں اپنے قلم سے کام لیتا ہوں"۔

وفاداری کے اعتراف میں حکومت انگلشیہ کی تذکرہ اسناد کا عکس مع اردو ترجمہ پیش خدمت ہے' ملاحظہ کریں۔

مسٹر جے نکلسن کا خط مرزا غلام مرتضیٰ (مرزا غلام احمد قادیانی کے والد) کے نام

نقل مراسلہ (جے نکلسن صاحب) نمبر ۳۵۳ تہور پناہ شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان بعافیت باشند عریضہ شما مشعر بریاد دہانی خدمات و حقوق خود و خاندان خود بملاحظہ حضور اینجانب درآمد ما خوب میدانیم کہ بلاشک شما از ابتدائے دخل و حکومت سرکار انگریزی جانثار و وفا کیش ثابت قدم ماندہ اید و حقوق شما در اصل قابل قدر اند بہر نہج تسلی و تشفی دارید سرکار انگریزی حقوق و خدمات خاندان شمارا ہرگز فراموش نخواہد کرد بموقعہ مناسب بر حقوق و خدمات شما غور و توجہ کردہ خواہد شد باید کہ ہمیشہ ہوا خواہ و جان نثار سرکار انگریزی بمانند کہ دریں امر خوشنودی سرکار و بہبودی شما متصور است المرقوم ۱۱ جون ۱۸۴۹ء لاہور ۔ انارکلی	Translation of Certificate J. Nicholson To Mirza Ghulam Murtaza Khan Chief of Qadian. I have perused your application reminding me of your and your family's past services and rights. I am well aware that since the introduction of the British Govt. you and your family have certainly remained devoted faithful and steady subject and that your rights are really worthy of regard in every respect. You may rest assured & satisfied that the British Government will never forget your family's rights and services which will receive due consideration when a favourable opportunity offers itself. You must continue to be faithful & devoted subjects as in it lies the satisfaction of Govt. and your welfare. 11 . 6 . 1849

شہادت القرآن صفحہ 91 مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی ۔ ناشر: الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ

فنانشل کمشنر پنجاب سر رابرٹ ایجرٹن کا مرزا غلام قادر (مرزا غلام احمد قادیانی کے دادا) کے نام خط۔

نقل مراسلہ

(رابرٹ کسٹ صاحب بہادر کمشنر لاہور)

تہور و شجاعت دستگاہ مرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان بعافیت باشند۔

از آنجا کہ مفسدہ ہندوستان موقوعہ ۱۸۵۷ء از جانب آپ کے رفاقت و خیر خواہی و مدد دہی سرکار دولتمدار انگلشیہ درباب نگاہداشت سواران و بہمرسانی اسپان بخوبی بمنصہ ظہور پہنچی اور شروع مفسدہ سے آجتک آپ بدل ہوا خواہ سرکار رہے اور باعث خوشنودی سرکار ہوا۔ لہذا بجلدوی اس خیر خواہی و خیر سگالی کے خلعت مبلغ دو صد روپیہ کا سرکار سے آپکو عطا ہوتا ہے اور حسب منشاء چٹھی صاحب چیف کمشنر بہادر نمبری ۵۷۶ مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۵۸ء پروانہ ہذا باظہار خوشنودی سرکار و نیکنامی و وفاداری بنام آپکے لکھا جاتا ہے۔

مرقومہ تاریخ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۸ء

Translation of Mr Robert Cast's Certificate.

To,

Mirza Ghulam Murtaza Khan
Chief of Qadian

As you rendered great help in enlisting sowars & supplying horses to Govt in the mutiny of 1857 and maintained loyalty since its beginning up to date and thereby gained the favour of Govt a Khilat worth Rs 200/- is presented to you in recognition of good services and as a reward for your loyalty.

Moreover in accordance with the wishes of Chief Commissioner as conveyed in his No 576, 10th August 58 this Parwana is addressed to you as a token of satisfaction of Govt for your fidelity and repute

---

شہادت القرآن صفحہ 92 - 93 مؤلفہ مرزا غلام احمد قادیانی الناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ

فنانشل کمشنر پنجاب سر رابرٹ ایجرٹن کا مرزا غلام قادر (مرزا غلام احمد قادیانی کے دادا) کے نام خط۔

نقل مراسلہ

فنانشل کمشنر پنجاب

مشفق مہربان دوستان مرزا غلام قادر رئیس قادیان حفظہٗ

آپکا خط ۲ ماہ حال کا لکھا ہوا ملاحظہ حضور اینجانب میں گذرا مرزا غلام مرتضیٰ صاحب آپکے والد کی وفات سے ہمکو بہت افسوس ہوا۔ مرزا غلام مرتضیٰ سرکار انگریزی کا اچھا خیرخواہ اور وفادار رئیس تھا ہم آپکی خاندانی لحاظ سے اسی طرح پر عزت کریں گے جس طرح تمہارے باپ وفادار کی کیجاتی تھی ہمکو کسی اچھے موقعہ کے نکلنے پر تمہارے خاندان کی بہتری اور پابجائی کا خیال رہے گا۔

المرقوم ۲۹ جون ۱۸۷۶ء

الراقم سر رابرٹ ایجرٹن صاحب بہادر

فنانشل کمشنر پنجاب

Translation of Sir Robert Egerton Financial Commissioner's Murasla dated 29th June 1876

My dear friend Ghulam Qadir,

I have perused your letter of the 2nd instant and deeply regret the death of your father Mirza Ghulam Murtaza who was a great well wisher and faithful chief of Govt.

In consideration of your family services I will esteem you with the same respect as that bestowed on your loyal father. I will keep in mind the restoration and welfare of your family when a favourable opportunity occurs.

شہادت القرآن صفحہ 93 مؤلفہ مرزا غلام احمد قادیانی ناشر الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ

انگریزی جاسوس

انگریز حکومت کے وفادار خاندان کا تذکرہ (PUNJAB CHIEFS) رئیسان پنجاب کے حوالہ سے مرقوم ہو چکا ہے۔ اس میں بطور خاص مرزا صاحب کے بزرگوں کا بیان تھا۔ اس تناظر میں "قادیانی مولف دوست محمد شاہد لکھتے ہیں" "ان (محمد صادق مرزائی) کا نام بلیک لسٹ میں درج تھا"۔

("تاریخ احمدیت" جلد پنجم' ص 519)

اسی سے متعلق قادیانی ترجمان میں یہ خبر چھپی۔ "جاپانیوں نے ایک اور قادیانی محمد صادق کو بھی برطانیہ کے لیے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا اور جرم ثابت ہونے پر انھیں موت کی سزا کا حکم سنایا"۔

("الفضل قادیان" 24 فروری 1946ء)

جاوا کے ایک اعلیٰ افسر کا بیان

جاوا میں جاپانی حکومت نے مارچ 1942ء کے بعد تمام مشکوک افراد کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس موقع پر چند مرزائی جاسوس بھی گرفت میں آ گئے۔ قادیانی مبلغ عبدالواحد نے مرزا محمود کو 22 فروری 1946ء کو ایک خط لکھا جس کے مطالعے سے ان کی کارگزاریوں کی تفصیلات منظر عام پر آ جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"جاپانیوں کے غلبہ کے زمانے میں اس شبہ کی بناء پر کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی جاسوس ہے۔ مورخہ 8 مارچ 1944ء کو بندہ اور عبدالسمیع صاحب اور محمد یحییٰ صاحب' جو جماعت احمدیہ گاروت کے پریذیڈنٹ تھے۔ ہم تینوں کو رات کے 2 بجے جاپانیوں نے پکڑ کر بلڈنگ کے حراست خانہ میں ڈال دیا۔ جاپانی کن پتیائی (پولیس جاسوسی) نے ہم سے کئی کئی رنگ میں سوالات کیے۔۔۔۔ آخر کن پتیائی کے اعلیٰ افسر نے کہا' تمہاری جماعت کا نظام بتانے والا

دنیا کے بہترین دماغ کا مالک ہے۔ مگر شاید تم لوگوں کو معلوم نہ ہو اس کے پیچھے انگریزوں کے ہاتھ ہیں۔ اگرچہ ہماری طرف سے بار بار کہا گیا کہ انگریزوں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ مگر وہ اس بات پر اڑا رہا کہ صدر انجمن احمدیہ کے اوپر برطانوی ہاتھ کام کر رہا ہے"۔

("الفضل" قادیان 22 مارچ 1946ء)

ڈاکٹر بشارت احمد کی شہادت

"دنیا کے اکثر ممالک میں یہ قادیانی لوگ جاسوس سمجھے جانے لگے ہیں۔ خواجہ کمال الدین مرحوم فرماتے تھے کہ جس ملک میں گیا' وہاں کے لوگوں کو یہی کہتے سنا کہ یہ کادیانی لوگ گورنمنٹ کے خفیہ جاسوس ہیں۔ یہ بات غلط ہو یا صحیح' مگر لوگوں کے قلوب پر یہ اثر کیوں پڑا۔ اس لیے کہ میاں صاحب (مرزا محمود) گورنمنٹ کی خاطر ایسی خفیہ کارروائیاں کیا کرتے تھے جن کا انہوں نے خود اپنی تقریر میں اعتراف کیا ہے"۔

("مراۃ الاختلاف" ص 62 ڈاکٹر بشارت احمد' بار اول 1938ء)

اقبال جرم ——— سلطانی گواہ

"ایسی حالت میں جبکہ لوگوں پر یہ اثر تھا کہ احمدی انگریزی قوم کے ایجنٹ ہیں' تو تعلیم یافتہ طبقے کی اکثریت ہماری باتیں سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ گویہ مذہب کے نام سے تبلیغ کرتے ہیں مگر دراصل انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔ یہ اثر اتنا وسیع تھا کہ جرمنی میں جب ہماری مسجد بنی تو وہاں کی وزارت کا ایک افسر اعلیٰ بھی ہماری مسجد میں آیا۔ اس نے آنے کی اطلاع دی۔ اس وقت مصریوں اور ہندوستانیوں نے مل کر جرمنی حکومت سے شکایت کی کہ احمدی حکومت' انگریزی کے ایجنٹ ہیں اور یہاں اس لیے آئے ہیں کہ

انگریزوں کی بنیاد مضبوط کریں۔ ایسے لوگوں کی ایک تقریب میں ایک وزیر کا شامل ہونا تعجب انگیز ہے۔ اس شکایت کا اتنا اثر پڑا کہ جرمنی حکومت نے اس وزیر سے جواب طلبی کی کہ احمدی جماعت کے کام میں تم نے کیوں حصہ لیا۔ پھر یہ خیال کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی ایجنٹ ہے' لوگوں کے دلوں میں اس قدر راسخ تھا کہ بعض بڑے بڑے سیاسی لیڈروں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم علیحدگی میں آپ سے پوچھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ آپ کا انگریزی حکومت سے اس قسم کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر سید محمود جو اس وقت کانگریس کے سیکرٹری ہیں ایک دفعہ قادیان آئے اور انہوں نے بتایا کہ پنڈت جواہر لال نہرو صاحب جب یورپ کے سفر سے واپس آئے' تو انہوں نے سٹیشن سے اتر کر جو باتیں سب سے پہلے کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ میں نے اس سفر میں یہ سبق حاصل کیا ہے کہ انگریزی حکومت کو ہم کمزور کرنا چاہتے ہیں' تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے احمدیہ جماعت کو کمزور کیا جائے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ احمدی جماعت انگریزوں کی نمائندہ اور ایجنٹ ہے"۔

("الفضل" قادیان 6 اگست 1935ء)

مکتوب اقبالؒ بنام نہرو

21 جون 1936ء کو حضرت علامہؒ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام ایک خط ارسال فرمایا۔ اس خط میں ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم نے "اسلام اور احمدیت" کے عنوان سے پنڈت جی کے جواب میں لکھے گئے اپنے ایک مضمون کے مقاصد تحریر کو واضح کیا ہے۔ اصل تحریر انگریزی زبان میں تھی' یہاں اردو ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"کل آپ کا مرسلہ خط ملا' جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں نے جب آپ کے تحریر کردہ مضامین کا جواب لکھا تو میرا گمان تھا کہ آپ کو احمدیوں کے سیاسی رویہ کا علم نہیں۔ میرے ان جوابات کے لکھنے کی بنیادی وجہ

فی الحقیقت اس بات کو ظاہر کرتا اور خاص طور سے آپ پر یہ واضح کرتا تھا کہ مسلمانوں کے اندر جذبات وفاداری کیسے پیدا ہوئے۔ اور یہ کہ احمدیت نے ان کے لیے الہامی بنیاد کس طرح فراہم کی..... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان مضامین کو لکھتے وقت ہندوستان اور اسلام کی بہتری میرے پیش نظر تھی اور میں اپنے ذہن میں اس امر کے متعلق کوئی شبہ نہیں پاتا کہ احمدی' اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں"۔

("اقبال اور قادیانی" از نعیم آسی' ص 149، 150)

(I have no doubt in my mind that the Ahmadis are traitors both to Islam and to India.)

THOUGHTS AND REFLECTION OF IQBAL, Page 306,

By Syed Abdul Wahid.

● قادیانی محاسبہ تاریخ

قانون قدرت ہے کہ جب فرعون پیدا ہوتا ہے' تو قدرت موسیٰ کا اہتمام کرتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کا مقابلہ کرنے کے لیے بے شمار روحانی' دینی اور سیاسی راہنما میدان عمل میں آ گئے۔ روحانی محاذ پر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے قادیانی جماعت کے بانی کو ناکوں چنے چبوائے' تو دینی محاذ پر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے قادیانیت کا ناطقہ بند کیا۔ سیاسی' فکری اور عملی محاذ پر علامہ اقبالؒ نے ضرب کلیمی کا وار کر کے قادیانی تحریک کا پوسٹ مارٹم کیا۔ صحافتی محاذ پر مولانا ظفر علی خان کے قلم نے قادیانیوں کے سیاسی عزائم و کذبی عقائد کے بخیے ادھیڑ دیئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے خطابت کے میدان میں قادیانیت کا محاصرہ کیا' جبکہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مناظرہ و مباہلہ کے رنگ میں قادیانی مذہب کو تاک آؤٹ کیا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ علمائے لدھیانہ نے قادیانیت کا محاسبہ اور مقاطع کرنے میں پہل کی۔ ان مختلف محاذوں پر

کادیانی فتنہ کے خلاف بھرپور جدوجہد کے بعد کادیانیت کا مکروہ و مذموم چہرہ بے نقاب ہوا۔ دینی، روحانی، سیاسی اور علمی محاذوں پر کادیانی محاسبہ کی تاریخ بڑی طویل تھی جس پر ایک مفصل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

راقم کو امید ہے کہ مجلس تحفظ ختم نبوت اس موضوع پر ایک تفصیلی کتاب لکھنے کا اہتمام کرے گی۔

اقبال اور کادیانیت

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے علمی انداز میں کادیانی فتنہ کے سیاسی مضمرات کی نشاندہی کی۔ علامہ اقبال ہی پہلے راہنما تھے، جنہوں نے کادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے مطالبہ کی بنیاد رکھی۔ کادیانیت کے خلاف علامہ اقبال کو ذہنی طور پر تیار کرنے والی شخصیت مولانا انور شاہ کشمیری تھے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغ مولانا اللہ وسایا رقم طراز ہیں۔

"حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز ڈاکٹر جلال الدین کی روایت، مولانا خواجہ خان محمد صاحب نے اپنے شیخ مولانا محمد عبداللہ کے حوالہ سے بیان کی کہ ایک دن نحیف و ناتواں جسم، ہڈیوں کا مجموعہ، لیکن چہرہ پر ایمان کی روشنی، قندیلوں کی جھلکار، حسین و جمیل انسان میری دکان پر تانگہ سے اترا۔ میں نے بڑھ کر دیکھا تو وہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ تھے۔ مولانا کشمیری نے ڈاکٹر جلال الدینؒ سے فرمایا کہ مجھے علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال سے ملنا ہے۔ ڈاکٹر جلال صاحب نے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال سے وقت لیا۔ شاہ صاحب نے علامہ صاحب سے تین گھنٹے علیحدگی میں بات کی۔ واپس ہوئے تو ڈاکٹر جلال الدین نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ حضرت اتنی نقاہت و کمزوری کے باوجود یہ سفر کیا۔ فرمایا کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا پڑھے لکھے لوگوں پر اچھا اثر ہے۔ ان کو تیار کرنے آیا تھا کہ یہ قادیانیوں کے خلاف کچھ لکھیں۔ تاکہ امت کا ایمان

محفوظ ہو۔ آپ کی اس کوشش کا یہ صلہ ہے کہ علامہ محمد اقبال نے وہ تاریخ ساز معرکہ آرا خط و کتابت پنڈت جواہر لال نہرو سے کی کہ جس سے قادیانیت کے خط و خال واضح ہو گئے"۔

("قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت" ص 341-340 از مولانا اللہ وسایا)

علامہ اقبال اور قادیانیت

"شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اپنے بلند پایہ علمی افکار کی بنا پر ہمارے جدید حلقوں کا مرجع عقیدت ہیں' ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لوگوں نے جس فراخ قلبی سے تحقیق و تفتیش کا معرکہ سر کیا ہے' وہ ہمارے ماضی قریب کے کسی لیڈر کے حصہ میں نہیں آیا' لیکن علامہ مرحوم کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو' جو ان کے آخری دور حیات میں گویا ان کی زندگی کا واحد مشن بن گیا تھا' مصلحت پسندوں نے اسے اجاگر کرنے سے پہلو تہی کی۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ دیوبند کے ایک مرد قلندر (علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ) کے فیضان صحبت نے فطرت اقبال کے اس پہلو کی مشاطگی کی تھی۔ مولانا کشمیریؒ کے سوز جگر نے اقبال مرحوم کو قادیانیت کے خلاف شعلہ جوالہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ علامہ مرحوم جدید تعلیم یافتہ طبقے میں پہلے شخص تھے جن کو "فتنہ قادیانیت" کی سنگینی نے بے چین کر رکھا تھا۔ وہ اس فتنہ کو اسلام کے لیے مہلک اور وحدت ملت کے لیے سبب خطرہ تصور کرتے تھے۔ ان کی تقریر و تحریر میں "قادیانی ٹولے" کو "غداران اسلام" اور "باغیان محمدؐ" سے یاد کیا جاتا تھا' اس لیے کہ ان کے نزدیک اس فرقہ کے موقف کی ٹھیک ٹھیک تعبیر کے لیے اس سے زیادہ موزوں کوئی لفظ نہیں تھا' نہ ہو سکتا تھا۔ وہ اس فتنہ کے استیصال کو سب سے بڑا ملی فرض سمجھتے تھے۔ اور وہ ایک شفیق اور صاحب بصیرت سرجن کی طرح مضطرب تھے کہ اس "ناپاک ناسور" کو جسد ملت سے

کاٹ پھینکا جائے ورنہ یہ ساری امت کو لے ڈوبے گا۔ افسوس ہے کہ اقبال کے جانشینوں نے اقبال کی "بانگ درا" پر گوش بر آواز ہونے کی ضرورت نہ سمجھی، ورنہ اگر نقاش پاکستان کے انتباہ کو پر توجہ کی جاتی، تو اقبال کے پاکستان کی تاریخ، شہید ملت لیاقت علی خاں کے قتل سے شروع ہو کر مشرقی پاکستان کے قتل تک رونما ہونے والے واقعات سے یقیناً پاک ہوتی —— 7 ستمبر 1974ء کا فیصلہ پیغام اقبال کا جواب نہیں، بلکہ اس کی بسم اللہ ہے۔ اقبال کا پیغام یہ ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی اداروں میں اس باغی گروہ کی شرکت امت مسلمہ کی موت ہے۔ آج صرف پاکستان نہیں بلکہ پورا عالم اسلام (خصوصاً خطہ عرب اور مشرق وسطیٰ) ان باغیان اسلام کی سازشوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

("پیام اقبال" از مولانا محمد یوسف لدھیانوی، ہفت روزہ "لولاک" یکم مارچ 1976ء)

علامہ اقبالؒ کا تاریخی بیان

علامہ اقبال کے بیانات و ارشادات قادیانی خط و خال پر حرف آخر تھے' آپ کے دو بیانوں ہی نے قادیانی حصار توڑ ڈالا۔ جن مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں کے نزدیک قادیانی' ملت اسلامیہ کا فرقہ تھے' اور ان کے نزدیک قادیانی عقائد کے خلاف احتسابی تحریکیں منبرو محراب کا خاصہ تھیں' انھیں بخوبی معلوم ہوگیا کہ مرزائیت کا اور چھور کیا ہے؟ اس کے مذہبی ہفوات اور سیاسی مضمرات کیا ہیں؟ کن عوامل نے اس کو جنم دیا اور اس کا وجود کن مقاصد کے تابع ہے؟ جن خواص کے اذہان قادیانیت کے مسئلہ میں رواداد تھے' یا وہ اپنی یورپی ذہانت کے باعث متذبذب تھے' یا ان میں کچھ لوگ اساسات اسلام سے بے خبر ہونے کے باعث قادیانیوں کو مسلمان خیال کرتے تھے' انھیں کماحقہ' معلوم ہوگیا کہ میرزا غلام احمد کی استعماری نبوت' لیکن مصالح کی پیداوار تھی' اس کی امت فی الواقعہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اور قادیانی العقیدہ افراد ایک حد بگانہ اقلیت ہیں۔ ان بیانوں کے بعد مسلمان خواص نے قادیانی امت کو عقیدۃً" اپنے ذہن سے خارج کر ڈالا اور صرف وہ سرکاری و سیاسی مسلمان اس کے ساتھ رہ گئے جو مذہب سے متنفر' لیکن عمرانی طور پر مسلمان تھے یا وہ لوگ جنھیں قادیانی امت سے کسی دائرے میں کوئی فائدہ پہنچتا تھا اس طرز کے سرکاری و سیاسی مسلمان سات کروڑ مسلمانوں میں چند ہزار سے زائد نہ تھے۔

علامہ اقبال قادیانیت سے متعلق کبھی خوش رائے نہ تھے' لیکن اس کے مضمرات کا مطالعہ انھوں نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے تجرباتی دور 1931 - 32ء میں کیا۔ میرزا بشیرالدین محمود کمیٹی کے صدر تھے۔ علامہ اقبال ان کے شرعی اللے تللوں اور سیاسی لہو ولعب سے بیزار ہوگئے۔ میرزا نے 25 جولائی 1931ء کو بعض مسلمان اکابر کو جمع کیا' پھر ان سے مل کر آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی' لیکن علامہ اقبال اور ان کے بارہ احباب مثلاً سید محسن شاہ ایڈووکیٹ اور خان بہادر حاجی رحیم بخش وغیرہم پر جلد آشکار ہوگیا کہ میرزا بشیرالدین محمود اپنی امت کی معرفت کیا گل کھلا رہا اور کیا ناٹک کھیل رہا ہے۔ انھوں نے کمیٹی کو لکھ دیا

کہ آئندہ کشمیر کمیٹی کا صدر غیر قادیانی ہو۔ اس پر 17 مئی 1932ء کو لاہور مسلم ہوٹل میں میرزا بشیرالدین محمود مستعفی ہو گیا۔ علامہ اقبال صدر منتخب کیے گئے' لیکن علامہ نے محسوس کیا کہ میرزائیوں نے ایک ایسا جال بچھا رکھا ہے جس سے کشمیر کمیٹی کی افادیت ختم ہو چکی ہے۔ آپ نے 20 جون 1933ء کو صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور ایک پریس بیان میں کہا کہ:

"بدقسمتی سے کمیٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مذہبی فرقے (قادیانیت) کے امیر کے سوا کسی دوسرے کا اتباع کرنا سرے سے گناہ سمجھتے ہیں۔ مجھے ایسے شخص سے ہمدردی ہے جو کسی روحانی سہارے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کسی مقبرے کا مجاور یا کسی زندہ نام نہاد پیر کا مرید بن جائے۔"

علامہ اقبال کا یہ بیان 20 جون 1933ء کو شائع ہوا' دوسرا بیان 2 اکتوبر 1933ء کو جاری کیا' جس میں صدارت سے اپنی دستکشی کا سبب بیان کرتے ہوئے قادیانی امت کے پوشیدہ اغراض پر اشارات کیے کہ تحریک کشمیر کی آڑ میں اس نے اپنا دام تزویر بچھا کر مسلمانوں کو شکار کرنا چاہا' اس کے بعد علامہ قادیانیت کے بالاستیعاب مطالعہ میں مشغول ہو گئے اور سید سلیمان ندوی' علامہ انور شاہ اور سیدنا مہر علی شاہ کو خطوط لکھ کر بعض استفسارات کیے۔ پہلا بیان 3 مئی 1935ء کو جاری کیا۔ اس سے قادیانی قلعہ میں تھرتھری پیدا ہو گئی۔ انگریزوں کا مضطرب ہونا طبعی امر تھا کہ ان کی تخلیق کا مسئلہ تھا۔ ادھر پنڈت جواہر لال نہرو نے میرزائی امت کے دفاع میں "ماڈرن ریویو" کلکتہ میں تین مقالے تحریر کیے۔ علامہ نے ان مقالوں کے جواب میں اسلام اور احمدیت کے زیر عنوان ایک معرکہ آرا مقالہ لکھا' پنڈت جواہر لال نہرو خاموش ہو گئے' لیکن خود قادیانی فضلاء بھی اس مقالہ کے علمی نکات اور واضح سوالات کا جواب نہ دے سکے' علامہ نے پنڈت جواہر لال نہرو کو اپنے ایک نجی خط محررہ 21 جون 1936ء میں لکھا کہ میرے ذہن میں اس سے متعلق کوئی ابہام نہیں کہ احمدی اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں' سید سلیمان ندوی کے نام

علامہ نے اپنے ایک خط محررہ 7 اگست 1936ء میں لکھا "الحمد للہ' اب قادیانی فتنہ پنجاب میں رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے"۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی دو تین بیان چھپوائے ہیں۔

وہ بیان کہاں چھپے؟ راقم تلاش بسیار کے باوجود ان کا پتہ لگانے سے قاصر رہا' وہ بیان مل جاتے تو اس کتاب میں شریک ہو سکتے تھے۔

علامہ اقبال کا پہلا بیان

قادیانیوں اور جمہور مسلمانوں کے نزاع نے جو مسئلہ پیدا کیا ہے' وہ نہایت اہم ہے اور ہندوستان نے اس کی اہمیت کو حال ہی میں محسوس کرنا شروع کیا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ ایک کھلی چٹھی کے ذریعہ انگریز قوم کو اس مسئلہ کی معاشرتی اور سیاسی الجھنوں سے آگاہ کروں' لیکن افسوس کہ میری صحت نے ساتھ نہ دیا۔ البتہ فی الوقت ایک ایسے مسئلہ کے متعلق جو میرے نزدیک ہندی مسلمانوں کی پوری زندگی کو متاثر کرتا ہے' میں بہ مسرت مختصراً کچھ عرض کروں گا' لیکن آغاز ہی میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی مذہبی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا اور نہ میں قادیانی تحریک کے بانی کا نفسیاتی تجزیہ کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ پہلی چیز سے ان لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں جن کے لیے یہ بیان جاری کیا جا رہا ہے اور دوسری کے لیے ہندوستان میں ابھی وقت نہیں آیا۔ میرا نقطہ نظر تاریخ کے علاوہ موازنہ مذاہب کے ایک طالب علم کا ہے ہندوستان مختلف المذاہب اقوام کی سرزمین ہے۔ اسلام دینی حیثیت سے ان تمام مذاہب کی نسبت زیادہ گہرا ہے جو جزوی طور پر مذہب اور جزوی طور پر نسل سے تشکیل پاتے ہیں۔ اسلام نسلی تخیل و تصور کی کاملاً" نفی کرتا اور اپنی اساس قطعاً دینی اعتقاد پر رکھتا ہے؟ چونکہ اس کی اساس ہی دینی ہے جو سرتا پا روحانیت ہے' اس لیے خونی رشتوں سے کہیں زیادہ لطیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ایسی تمام تحریکوں کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہیں جنہیں وہ اپنی اساسی وحدت کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہے' لیکن اپنی بنیاد کسی نئی نبوت پر رکھتی اور ان تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتی

ہے جو اس کے مبینہ الہامات پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ مسلمان اس جماعت کو اسلام کی وحدت کے لیے ایک خطرہ تصور کرتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ وحدت اسلامی کا تحفظ ختم نبوت کے عقیدہ ہی سے ممکن ہے۔

انسانیت کی تمدنی تاریخ میں ختم نبوت کا تخیل اولین ہونے کے علاوہ تکمیلی و تخلیقی ہے۔ اس کی صحیح اہمیت کا اندازہ مغربی اور وسط ایشیا کے قبل از اسلام کے موبدانہ تمدن کی تاریخ کے بغور مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق موبدانہ تمدن میں زرتشتی' یہودی' نصرانی اور صابی تمام مذاہب شامل ہیں' ان تمام مذاہب میں نبوت کے تسلسل و اجراء کا تصور نہایت لازم تھا' اس لیے وہ مسلسل انتظار کی کیفیت میں رہتے تھے۔ موبدانہ انسان کی یہ حالت انتظار غالباً نفسیاتی خط کا باعث تھی۔ عہد جدید کا انسان روحانی طور پر موبدیت سے بہت زیادہ آزاد منش ہے۔ موبدانہ رویہ کا نتیجہ یہ تھا کہ پرانی جماعتیں ختم ہوتیں اور ان کی جگہ مذہبی عیار (سٹہ باز) نئی جماعتیں لا کھڑی کرتے۔ اسلام کی جدید دنیا میں جاہل اور جوشیلے ملاؤں نے جدید پریس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انتہائی ڈھٹائی سے بیسویں صدی میں قبل از اسلام کے موبدانہ نظریات کو رائج کرنا چاہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اسلام جو تمام قومیتوں کو ایک ہی رسی میں پرونے کا دعویٰ رکھتا ہے' ایسی تحریک کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھ سکتا جو اس کی موجودہ وحدت کے لیے خطرہ ہو اور مستقبل میں انسانی معاشرہ میں مزید افتراق و انتشار کا باعث بنے۔

قبل از اسلام کی موبدیت کے احیاء کی دو صورتوں میں سے میرے نزدیک بہائیت' قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے' لیکن موخرالذکر اسلام کی چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی' مگر باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے انتہائی مہلک ہے اس کا حاسد خدا کا تصور جس کے پاس مخالفین کے لیے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہیں اور نبی سے متعلق نجومی کا تخیل اور روح مسیح کے لیے تسلسل کا عقیدہ۔ یہ سب اس قدر یہودیانہ ہیں کہ اس تحریک کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی یہودیت کی طرف رجوع کر رہی ہے۔ روح مسیح کا تسلسل

خبث یہودیت کی نسبت یہودی باطنیت کا جز ہے' پول مسیح بال شیم (Baal Shem) کی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر بوبر لکھتا ہے۔ "کہا جاتا ہے کہ مسیح کی روح نبیوں اور صالح آدمیوں کے ایک طویل سلسلہ (جنہیں دور حاضر میں صادق کہا جاتا ہے) کے واسطہ سے زمین پر اتری۔ اسلامی ایران میں قبل اسلام کے موبدانہ اثرات کے تحت جو ملحدانہ تحریکیں اٹھیں۔ انہوں نے تناسخ کے اس تصور کو چھپانے کے لیے "بروز" "حلول" اور "ظلی" وغیرہ کی اصطلاحات وضع کیں۔ موبدانہ نظریہ کی وضاحت کے لیے نئی اصطلاحات کا وضع کرنا اس لیے ضروری تھا۔ وہ مسلمانوں کے قلوب کو ناگوار نہ گزریں۔ حتیٰ کہ "مسیح موعود" کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں بلکہ اجنبی ہے اور اس کا مبداء بھی قبل از اسلام کا موبدانہ تصور ہے۔

یہ اصطلاح ہمیں اسلام کے دور اول کے دینی اور تاریخی ادب میں نہیں ملتی۔ اس حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف پروفیسر ونسنک نے اپنی کتاب موسومہ "احادیث نبوی میں ربط" میں کیا ہے۔ یہ کتاب احادیث کے گیارہ مجموعوں اور اسلام کے تین اولین تاریخی شواہد پر حاوی ہے۔ اور یہ بات ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اسلاف نے اس اصطلاح کو کیوں استعمال نہ کیا؟ یہ اصطلاح غالباً انہیں اس لیے قبول نہ تھی کہ اس سے تاریخی عمل کا غلط نظریہ قائم ہوتا تھا۔ موبدانہ ذہن وقت کو مدور حرکت تصور کرتا تھا' لیکن صحیح تاریخی عمل کو بحیثیت ایک تخلیقی حرکت کے ظاہر کرنے کی عظیم سعادت مسلمان مفکر اور مورخ ابن خلدون کے حصہ میں آئی۔

ہندی مسلمانوں نے قادیانی تحریک کے خلاف جس شدت احساس کا ثبوت دیا ہے وہ جدید اجتماعیات کے طالب علم پر بالکل واضح ہے۔ عام مسلمان جسے پچھلے ہی دنوں ایک صاحب نے " سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں ملازدہ کا خطاب دیا تھا' اس تحریک کی مخالفت زیادہ تر حفظ نفس کے احساس کے تحت کر رہا ہے کیونکہ اسے عقیدہ ختم نبوت کے معانی و مطالب پر پوری دسترس نہیں۔ نام نہاد "تعلیم یافتہ" مسلمانوں نے اسلام میں ختم نبوت کے عقیدہ کے تمدنی پہلوؤں کو سمجھنے کی کوئی سی حقیق کوشش کبھی نہیں کی۔ حتیٰ کہ

مغربیت کی سست رو اور غیر محسوس اثر پذیری نے انھیں حفظ نفس کے جذبہ ہی سے عاری کر دیا ہے۔ بعض نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمان اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ اس معاملے میں اپنے مسلمان بھائیوں کو رواداری کا مشورہ دے رہے ہیں۔ میں ہربرٹ ایمرسن (گورنر پنجاب) کو تبلیغ و تلقین رواداری پر معذور سمجھتا ہوں کہ ایک ماڈرن فرنگی جس نے بالکل مختلف تمدن میں پرورش پائی ہو' اس کے لیے اتنی گہری نظر پیدا کرنی دشوار ہے کہ وہ ایک بالکل مختلف تمدن رکھنے والی جماعت کی ہیئت ترکیبی سے متعلق اہم مسائل کو سمجھ سکے۔

ہندوستان میں حالات اور بھی عجیب و غریب ہیں۔ مختلف مذاہب کا یہ ملک جس میں ہر مذہبی گروہ کی بقا اور مستقبل کا انحصار اس کے اپنے استحکام پر ہے کہ جو مغربی لوگ اس پر حکمران ہیں' ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ مذہب میں عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کریں۔ اس "آزادانہ" اور "ناگزیر" پالیسی نے ہندوستان ایسے ملک پر بدقسمتی سے بہت برا اثر ڈالا ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ہندوستان میں برطانیہ کے تحت مسلمانوں کا استحکام مقابلتاً" بہت ہی کم محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ حضرت مسیح کے زمانہ میں یہودی جماعت کا رومن کے ماتحت محفوظ تھا۔ ہندوستان میں کوئی سا مذہبی سٹے باز اپنی اغراض کی خاطر کوئی بھی دعویٰ کر سکتا اور ایک نئی جماعت کھڑی کر سکتا ہے اور یہ لبرل حکومت کسی خاص جماعت کے استحکام و یک جہتی کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتی' بشرطیکہ یہ سٹے باز حکومت کو اپنی اطاعت و وفاداری کے علاوہ اس امر کا یقین دلا دے کہ اس کے پیرو حکومت کی اطاعت کے فرائض اور سرکاری محصول باقاعدہ ادا کرتے رہیں گے۔ اسلام کے حق میں اس پالیسی کا مطلب ہمارے عظیم شاعر اکبر نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا' جب اس نے اپنے مطائباتی انداز میں کہا تھا۔

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

میں قدامت پسند ہندوؤں کے اس مطالبہ سے پوری ہمدردی رکھتا ہوں جو انہوں نے نئے دستور میں برینائے تحفظ مذہبی مصلحین کے خلاف پیش کیا ہے۔ یہ مطالبہ

مسلمانوں کی طرف سے یقیناً پہلے ہونا چاہیے تھا' جو ہندوؤں کے برعکس اپنے اجتماعی نظام میں' نسلی تصور کی قطعی نفی کرتے ہیں۔ حکومت کو موجودہ صورت حالات پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور اگر ممکن ہو تو اس معاملے میں جو قومی وحدت کے لیے اشد ضروری ہے۔ عام مسلمانوں کی ذہنیت کا اندازہ لگانا چاہیے۔ بہرحال جب کسی قوم کی وحدت خطرہ میں ہو تو اس کے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ معاندانہ قوتوں کے خلاف اپنا دفاع کرے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدافعت کا طریقہ کیا ہے؟ اور وہ طریقہ یہی ہے کہ حقیقی جماعت کسی مذہبی سٹے باز کو تلعب بالدین کرتے پائے تو اس کے دعاوی کو تحریر و تقریر کے ذریعہ جھٹلایا کرے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ اصل جماعت کو تو رواداری کی تلقین کی جائے جس کا استحکام اور وحدت خطرہ میں ہو اور باغی گروہ کو تبلیغ کی پوری اجازت ہو جبکہ وہ تبلیغ جھوٹ اور دشنام سے لبریز ہو۔

اگر کوئی گروہ جو حقیقی جماعت کے نقطہ نگاہ سے باغی ہے حکومت کی خصوصی خدمات انجام دے' تو حکومت اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے۔ دوسری جماعتوں کو اس سے کوئی شکایت نہ ہوگی' لیکن یہ توقع عبث ہے کہ خود جماعت ایسی قوتوں کو نظرانداز کر دے جو اس کے اجتماعی وجود کے لیے سنگین خطرہ ہوں۔ اس سلسلے میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مسلم فرقوں کے باہمی مناقشات کا ان بنیادی مسائل پر کچھ اثر نہیں پڑتا' جن پر سب فرقے باوجود اختلاف کے متفق ہیں۔ خواہ وہ ایک دوسرے کے خلاف الحاد کے فتوے ہی دیتے ہیں۔

ایک اور چیز بھی حکومت کی خصوصی توجہ کی محتاج ہے' ہندوستان میں اس بناء پر کہ وہ ترقی پسندانہ خیالات رکھتے ہیں' مذہبی سٹے بازوں کی حوصلہ افزائی سے لوگ مذہب سے بالعموم بیزار ہونے لگتے ہیں ـــــ اس طرح مذہب کا اہم عنصر ہندوستانی قوموں کی زندگی سے آخرکار خارج ہو جائے گا۔ نتیجتاً ہندوستانی دماغ ایسی صورت میں مذہب کی جگہ کوئی اور بدل پیدا کرے گا' جس کی شکل روس کی مادی دہریت سے کسی طرح مختلف نہیں

ہو گی۔

لیکن پنجابی مسلمانوں کو صرف اس مذہبی سوال ہی نے پریشان نہیں کر رکھا بلکہ کچھ تنازعے سیاسی نوعیت کے بھی ہیں' جن کی طرف سر ہربرٹ ایمرسن نے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ بلاشبہ یہ سوال خالصتاً سیاسی نوعیت کے ہیں' لیکن پنجابی مسلمانوں کے اتحاد پر مذہبی مسائل ہی کی طرح اثر انداز ہو رہے ہیں۔ جہاں مجھے پنجابی مسلمانوں کی وحدت کے احساس پر حکومت کا شکریہ ادا کرنا ہے' وہاں میں حکومت کو خود اپنا احتساب کرنے کا مشورہ بھی دوں گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ شہری اور دیہاتی مسلمانوں کی تفریق کا ذمہ دار کون ہے؟ جس نے مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ان کا دیہی حصہ خود کئی گروہوں میں بٹ گیا ہے جو ہر دم آپس میں برسرپیکار رہتے ہیں۔

سر ہربرٹ ایمرسن نے پنجابی مسلمانوں میں قیادت کے فقدان کا گلہ کیا ہے' لیکن اے کاش وہ محسوس کرتے کہ شہری دیہاتی کی تفریق جسے حکومت خود غرض سیاسی حیلہ بازوں کے ذریعے (جنہیں وحدت اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں) برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اس چیز نے اس قوم کو اس قابل ہی نہیں رہنے دیا کہ وہ صحیح راہنما پیدا کر سکے۔ میرے خیال میں اس حربہ کا استعمال ہی اس غرض سے کیا گیا ہے کہ صحیح قیادت پیدا ہی نہ ہو سکے۔ سر ہربرٹ ایمرسن مسلمانوں میں صحیح قیادت کے فقدان کا رونا روتے ہیں' لیکن میں حکومت کے اس نظام کو جاری رکھنے کا رونا روتا ہوں' جس نے اس صوبہ میں صحیح راہنما کی پیدائش ہی کو ناممکن بنا دیا ہے۔"

علامہؒ کے اس بیان سے میرزائی امت بوکھلا اٹھی اور سرکاری دائرہ میں کھلبلی مچ گئی' تو آپ نے ایک مختصر توضیحی بیان میں کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے اس بیان سے بعض حلقوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اور یہ تاثر لیا گیا ہے کہ میں نے حکومت کو یہ لطیف مشورہ دیا ہے کہ وہ قادیانی تحریک کا بزور انسداد کرے۔ میرا یہ مدعا ہرگز نہ تھا' میں نے اس امر کی وضاحت کر دی تھی کہ مذہب میں عدم مداخلت کی پالیسی ہی ایک ایسا طریقہ

ہے جسے ہندوستان کے موجودہ حکمران اختیار کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی پالیسی ممکن ہی نہیں' البتہ مجھے اعتراف ہے کہ میرے نزدیک یہ پالیسی مذہبی جماعتوں کے مفادات کے منافی ہے' لیکن اس سے بچنے کی اور کوئی راہ نہیں۔ اور جنہیں اس سے خطرہ ہے' انہیں اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے مناسب طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ میرے نزدیک حکومت کے لیے بہترین راستہ یہ ہے کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت قرار دے دے اور یہ ان کی اپنی پالیسی کے بھی عین مطابق ہوگا۔ ادھر مسلمان بھی ان سے وہی رواداری برتیں گے جو وہ باقی مذاہب کے بارے میں اختیار کرتے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے جواب میں

"ماڈرن ریویو" کلکتہ میں پنڈت جواہر لال نہرو کے تین مقالوں کی اشاعت کے بعد مختلف مذہبی اور سیاسی مسالک کے مسلمانوں نے مجھے متعدد خطوط بھیجے۔ ان خطوط کے محرروں میں سے بعض نے خواہش کی ہے کہ میں احمدیوں کے متعلق مسلمانان ہند کی روش کے بارے میں مزید توضیح کروں اور اس کے حق بجانب ہونے کا ثبوت بہم پہنچاؤں۔ بعض نے مجھ سے پوچھا ہے کہ احمدیت میں اصل تنقیح طلب مسئلہ میرے نزدیک کیا ہے' میں پیش نظر بیان میں سب سے پہلے ان تقاضوں کو پورا کرنا چاہتا ہوں جو میرے نزدیک بالکل بجا ہیں۔ پھر ان سوالات کا جواب دوں گا جو پنڈت جواہر لال نہرو نے پیش کیے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے اس بیان کے بعض حصے غالباً پنڈت جی کے لیے دلچسپی کا باعث نہ ہوں گے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ ان حصوں کو نظرانداز کر دیں تاکہ ان کا وقت بے جا صرف نہ ہو۔

میرے لیے یہ کہنا ضروری نہیں کہ جو مسئلہ مشرق اور غالباً پوری دنیا کے نہایت عظیم الشان مسائل میں سے ایک ہے اس کے ساتھ پنڈت جی کی دلچسپی کا خیر مقدم کرتا ہوں' میں سمجھتا ہوں کہ وہ پہلے قوم پرست ہندوستانی لیڈر ہیں جنہوں نے دنیائے اسلام کی موجودہ روحانی بے چینی کو سمجھنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اس بے چینی کے متعدد پہلو

اور امکانی اثرات ہیں' اس لیے حد درجہ مطلوب ہے کہ ہندوستان کے ذی فکر سیاسی لیڈر اس معاملے کے حقیقی مفہوم کے لیے دل کے دروازے کھولیں' جس نے اس وقت قلب اسلام میں ہیجان پیدا کر رکھا ہے۔

میں یہ امر پنڈت جی یا اس بیان کے کسی دوسرے خواہشمند سے چھپانا نہیں چاہتا کہ پنڈت جی کے مقالوں نے فی الوقت میرے دل میں ایک حد تک احساسات کی تکلیف دہ کش مکش پیدا کر دی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ پنڈت جی وسیع تمدنی ہمدردیوں کے انسان ہیں' لہٰذا میرا ذہن اسی طرف مائل ہو سکتا ہے کہ پیش کردہ مسائل کو سمجھنے کی خواہش میں وہ پرخلوص ہیں' لیکن جس طریق پر انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے ایک ایسی نفسیاتی کیفیت بے نقاب ہوتی ہے جسے پنڈت جی سے منسوب کرنا مجھے دشوار نظر آتا ہے۔ میرا میلان نظریہ ہے کہ قادیانیت کے بارے میں میرے بیان نے جو اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک مذہبی اصول کی تشریح جدید انداز میں کی گئی تھی۔ پنڈت جی اور قادیانیوں' دونوں کو مشکل میں ڈال دیا' اس لیے کہ دونوں (پنڈت جی اور قادیانی) مسلمانوں کے سیاسی و مذہبی اتحاد و یک جہتی کے ممکنات کو خصوصیت سے ہندوستان کے اندر ناپسند کرتے ہیں اگرچہ دونوں کے وجوہ مختلف ہیں۔ بدیہی ہے کہ ہندوستانی قوم پرست کو جس کی سیاسی تصوریت نے احساس حقیقت کو عملاً کچل ڈالا ہے' شمالی و مغربی ہند کے مسلمانوں میں خودمختاری کی خواہش پیدا ہونا گوارا نہیں۔ وہ سمجھتا ہے اور میرے نزدیک غلط سمجھتا ہے کہ قومیت ہند کی خاطر ملک کی تمام مستقل تہذیبوں کو مٹا دینا چاہیے' حالانکہ ان کے تعاون ہی سے ہندوستان ایک میر حاصل اور پائیدار ثقافت کو نشوونما دے سکتا ہے۔ جن طور طریقوں کا حامی ہندوستانی قوم پرست ہے ان کی بنا پر جو قومیت وجود پذیر ہوگی' اس کا نتیجہ باہم کشمکش' بلکہ تشدد کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح بدیہی ہے کہ قادیانی بھی مسلمانان ہند کی سیاسی بیداری پر مضطرب ہیں کیونکہ محسوس کرتے ہیں۔ مسلمانان ہند کا سیاسی اقتدار بڑھ جائے گا' تو قادیانیوں نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے اپنے ہندوستانی نبی کی نئی امت نکالنے کے جو منصوبے تیار کر رکھے ہیں وہ

یقیناً درہم برہم ہو جائیں گے۔ میں نے مسلمانان ہند کو یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ ہندوستان کے اندر ان کی تاریخ کے موجودہ نازک دور میں داخلی اتحاد و ہم آہنگی حد درجہ ضروری ہے اور میں نے ان انتشار انگیز قوتوں کے خلاف انھیں تنبیہہ کیا تھا' جو اصلاحی تحریکات کا لباس پہن کر بروئے کار آئی ہیں۔ میرے لیے یہ امر کم حیرت افزاء نہیں کہ میری ان کوششوں نے پنڈت جی کے لیے اس قسم کی قوتوں سے اظہار ہمدردی کا موقع بہم پہنچا دیا ہے۔

بہرحال میں پنڈت جی کے محرکات کی چھان بین کے ناخوشگوار کام کو طول نہیں دینا چاہتا۔ جو اصحاب قادیانیوں کے متعلق عام مسلمانوں کی روش کی مزید توضیح کے خواہاں ہیں۔ ان کے فائدے کے لیے میں ڈیورنٹ (Durant) کی کتاب "فلسفے کی کہانی" (Story of Philosophy) سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ جس سے قادیانیت کے سلسلے میں زیر غور مسئلہ عام خوانندہ کے روبرو زیادہ واضح ہو جائے گا۔ ڈیورنٹ نے سپینوزا (Sepinoza) مشہور ولندیزی فلاسفر (1677ء) ایمسٹرڈم میں پیدا ہوا۔ نسلاً یہودی تھا) جیسے عظیم القدر فلسفی کو جماعت بدر کیے جانے کے متعلق یہودیوں کا نقطہ نگاہ چند فقروں میں جامعیت سے پیش کر دیا ہے۔ خوانندگان بیان کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ اقتباس پیش کرنے سے میں خواہ مخواہ سپینوزا اور بانی احمدیت کے درمیان کسی قسم کے موازنے کا خواہاں ہوں۔ ان دونوں کے درمیان ذہن و دانش اور سیرت و کردار کے اعتبار سے بعد بعید ہے۔ "خدا مست" سپینوزا نے کبھی دعویٰ نہ کیا کہ وہ کسی نئی تنظیم کا مرکز ہے اور جو یہودی اس پر ایمان نہ لائیں وہ یہودیت کے دائرے سے خارج ہیں۔ لہٰذا سپینوزا کو جماعت بدر کرنے کے سلسلے میں یہودیوں کی روش کے متعلق ڈیورنٹ کا اقتباس قادیانیت کے سلسلے میں مسلمانوں کی روش پر بدرجہا بہتر انداز میں منطبق ہوتا ہے۔ اقتباس یہ ہے:

"مزید برآں اکابر یہود کی رائے تھی کہ ایمسٹرڈم (Amsterdam) میں یہودیوں کی چھوٹی سی جماعت کو انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے مذہبی وحدت

وہم آہنگی واحد ذریعہ تھی اور غالباً یہ اتحاد کو بچائے رکھنے کا ایک آخری وسیلہ تھا۔ یہودی قوم دنیا میں بکھر چکی تھی اس کی بقا کی یقینی تدبیر اور کوئی نہ تھی۔ اگر ان کی اپنی کوئی مملکت' کوئی ملکی قانون' سیکولر قوت و طاقت کے اپنے ادارے ہوتے' جن سے کام لے کر داخلی ہم آہنگی اور خارجی احترام حاصل کر سکتے تو غالباً وہ زیادہ روادار بن جاتے' لیکن مذہب ان کے لیے حب وطن بھی تھا اور ایمان بھی۔ عبادت گاہ ان کے نزدیک مذہبی مراسم و عبادات کے علاوہ عمرانی و سیاسی زندگی کا مرکز بھی تھی۔ جس بائبل کی صحت کو سپینوزا نے محل نظر قرار دے دیا تھا' وہ قوم یہودی کے لیے "سفری وطن" تھی۔ ان حالات میں انہوں نے مسلمہ عقائد سے انحراف کو غداری اور رواداری کو خودکشی قرار دے دیا"۔

یہودیوں کی حالت یہ تھی کہ وہ ایمسٹرڈم کے اندر اقلیت میں تھے' لہذا وہ سپینوزا کو ایک انتشار انگیز عامل قرار دینے میں بالکل حق بجانب تھے' جس سے ان کا جماعتی شیرازہ بکھر جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اسی طرح مسلمانان ہند بھی قادیانی تحریک کو ہندوستان کے اندر اسلامی اجتماعی زندگی کے لیے بدرجہا خطرناک قرار دینے میں بالکل حق بجانب ہیں اور قادیانی تحریک پوری دنیائے اسلام کے کافر ہونے کا اعلان کر چکی ہے اور مسلمانوں سے مجلسی مقاطعہ کرتی ہے۔ سپینوزا کا فلسفہ مابعد الطبیعیات یہودیوں کی اجتماعی زندگی کے لیے اتنا خطرناک نہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کا مسلمان رجہ انا" خاص نوعیت کے ان حالات کا صحیح احساس رکھتا ہے جن میں وہ ہندوستان کے اندر گھرا ہوا ہے اور اسے کسی دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے مقابلے میں انتشار انگیز قوتوں کا بدرجہا زیادہ احساس ہے۔ میرے نزدیک عام مسلمانوں کا یہ وجدانی ادراک قطعاً درست ہے اور مجھے کوئی شبہ نہیں کہ اس کی بنیاد مسلمانان ہند کے ضمیر میں بہت گہری ہے۔ جو لوگ ایسے معاملے میں رواداری کا نام لیتے ہیں وہ اس لفظ کے استعمال میں بے حد غیر محتاط ہیں' بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ رواداری کی حقیقت ہی سے واقف نہیں۔ رواداری کی روح انسانی

قلب کی بے حد مختلف روشوں سے رونما ہوتی ہے۔ گبن کہتا ہے ایک رواداری فلسفی کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں سچے ہیں۔ ایک رواداری مورخ کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر غلط ہیں۔ ایک رواداری سیاست دان کی ہے جو تمام مذاہب کو یکساں مفید سمجھتا ہے۔ ایک رواداری اس انسان کی ہے جو فکر و عمل دوسرے طور طریقوں کو برداشت کر لیتا ہے" کیونکہ وہ خود فکر و عمل کے مختلف طور طریقوں سے بالکل بے پروا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک رواداری کمزور آدمی کی ہے جو محض کمزوری کی بنا پر ان تمام ذلتوں کو قبول کر لیتا ہے جو اس کی محبوب اشیاء یا افراد کے لیے روا رکھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ رواداری کے یہ نمونے کوئی اخلاقی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس غیر مشتبہ طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس رواداری پر کاربند ہونے والا انسان روحانی اخلاق کا اظہار کر رہا ہے۔ حقیقی رواداری عقل و دانش کی وسعت اور روحانی پھیلاؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسی رواداری وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو روحانی اعتبار سے قوی ہوں۔ اپنے ایمانی حدود کی پوری پوری حفاظت کرتے ہوئے دوسرے معتقدات برداشت کر لیں بلکہ بعض کی قدر بھی کریں۔ ایسے روادار کا ایمان ترکیبی و امتزاجی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ دوسروں کے تعلق میں ہمدردی کے معانی بہ آسانی پیدا کر لیتا ہے اور ان کے ایمان کی قدر کر سکتا ہے" ہمارے عظیم القدر ہندوستانی شاعر امیر خسرو نے اس قسم کی رواداری کی حقیقت ایک بت پرست کی کہانی کے سلسلے میں بڑی خوبصورتی سے پیش کی ہے۔ بتوں کے ساتھ بت پرستی کی شدید محبت و عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے شاعر مسلمان خوانندگان کتاب کو خطاب کر کے کہتا ہے۔

اے کہ زبت طعنہ بہ ہندو بری
ہم زوے آموز پرستش گری

(ترجمہ) اے کہ تو ہندو کو بت کا طعنہ دے رہا ہے کیا یہ ضروری نہیں کہ تو اس سے پرستش و عبادت کا طریقہ سیکھ لے۔

خدا کا سچا پرستار ہی عبادت کی صحیح قدر و قیمت محسوس کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس کا

مرتبہ دیتا ہوں' جس پر خدا پرست کا کوئی عقیدہ نہیں۔ جو لوگ ہمیں رواداری کی تلقین کر رہے ہیں ان کی حماقت یہ ہے کہ اپنے مذہبی حدود کی پوری پوری حفاظت کرنے والے انسان کی روش کو ناروا داری قرار دیتے ہیں' ان کے نزدیک یہ روش اخلاقی کمتری کا نشان ہے۔ حالانکہ یہ رائے غلط ہے' وہ نہیں سمجھتے کہ اس روش کی قدر و قیمت اصلاً "حیاتیاتی ہے' جہاں کسی جماعت کے افراد وجدانا" یا معقول دلیل کی بنا پر محسوس کریں کہ عمرانی نظام کی اجتماعی زندگی خطرے میں ہے۔ ان کی دفاعی حیثیت کا جائزہ لیتے وقت زیادہ تر حیاتیاتی معیار پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہر فکر و عمل کا اندازہ اس طرح کرنا چاہیے کہ اس میں قدر بقا کی کیا کیفیت ہے۔ اس سلسلے میں اصل سوال یہ نہیں کہ جس شخص کو کافر یا ملحد قرار دیا گیا' اس کے بارے میں فرد یا جماعت کی روش اخلاقی اعتبار سے اچھی ہے یا بری۔ اصل سوال یہ ہے کہ یہ روش حیات بخش ہے یا حیات کش؟ پنڈت جواہر لال نہرو بظاہر یہ سمجھ رہے ہیں کہ جو معاشرہ مذہبی اصول پر مبنی ہوگا اس کے لیے لازماً ایک محکمہ احتساب و تعزیر کی ضرورت ہوگی۔ مسیحیت کے تعلق میں تو یہ خیال درست ہے' لیکن تاریخ اسلام پنڈت جی کی منطق کے برعکس یہ ثابت کر رہی ہے کہ اسلام کی گزشتہ تیرہ سو سال کی زندگی کے دوران میں محکمہ احتساب و تعزیر (Inquisition) مذہبی احتساب و تعزیر کا وہ محکمہ جس نے ہسپانیہ' اٹلی اور یورپ کے دوسرے ممالک میں مدت تک قیامت برپا کیے رکھی' سے تمام مسلم ممالک کا ملا" ناآشنا رہے۔ قرآن نے ایسے ادارے کی صریح ممانعت کر دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے' "دوسروں کی کمزوریاں تلاش نہ کرو اور ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہو"۔ (اشارہ بظاہر سورہ حجرات کی آیت کے اس ٹکڑے کی طرف ہے: **لا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا** ○) پنڈت جی تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہودی اور عیسائی اپنے وطنوں میں مذہبی تعزیر و تعذیب سے بھاگ کر ہمیشہ اسلامی سرزمینوں میں پناہ لیتے رہے۔ جن دو بنیادوں پر اسلام کا ڈھانچہ قائم ہے وہ اتنی سادہ ہیں کہ کفران حق میں تقریباً غیر ممکن ہے' جو کسی شخص کو دائرہ اسلام سے خارج کر دے۔ یہ بالکل درست ہے

کہ جب کوئی شخص ایسے اصول کا اعلان کرتا ہے جو موجب کفر ہوں اور جن سے موجودہ عمرانی نظام کے لیے خطرہ پیدا ہو جائے تو ایک آزاد مسلم مملکت یقیناً اس کے انسداد کے لیے قدم اٹھائے گی' لیکن اس حالت میں مملکت کا اقدام خالص مذہبی مصالح کے بجائے زیادہ تر سیاسی مصالح پر مبنی ہوگا۔ پنڈت جواہر لال ایک ایسے معاشرے میں پیدا ہوئے اور اسی میں انہوں نے پرورش پائی جس کے حدود بھی پوری طرح متعین نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں کوئی داخلی ہم آہنگی بھی نہیں۔ میں بخوبی اندازہ کر سکتا ہوں۔ ایسے شخص کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ایک مذہبی معاشرہ عقائد عوام کی چھان بین کے لیے مملکت کی طرف سے مقرر کردہ محکمہ احتساب کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے اور فروغ پا سکتا ہے۔ یہ حقیقت اس اقتباس سے بھی واضح ہے جو پنڈت جی نے کارڈینل نیومین (Cordinal Newman) کی تحریرات سے پیش کیا۔ وہ متحیر ہیں کہ آیا میں کارڈینل کے اصول کا اطلاق اسلام کے تعلق میں قبول کرلوں گا؟ میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام اور کیتھولک مسیحیت کے داخلی نظاموں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیتھولک مسیحیت میں پر پیچ اور عقل سے بالا نوعیت کے عقائد کی کثرت ہے' جن سے تازہ الحادی تعبیرات کے ممکنات برابر پرورش پاتے رہے اور یہ حقیقت مسیحیت کی تاریخ سے واضح ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دو بنیادوں پر قائم ہے۔ اول خدا ایک ہے (لا الہ الا اللہ) دوم محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور ان مقدس ہستیوں کے سلسلے میں آخری ہیں' جو وقتاً فوقتاً تمام ممالک اور تمام ادوار میں عالم انسانیت کو زندگی کا صحیح طریقہ سکھانے کے لیے وجود میں آتی رہیں۔ اگر عقیدہ ایسی چیز ہے جیسا کہ بعض مسیحی مصنفوں کی رائے ہے جو عقل سے بالا ہوتا ہے اور سیاسی اتحاد کے لیے اس سے اتفاق ضروری ہے' خواہ اس کا مابعد الطبیعی مفہوم سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ تو ان دو سادہ بنیادوں کو عقیدہ بھی قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ دونوں کی تائید عالم انسانیت کے تجربے سے ہو چکی ہے اور دونوں کا ثبوت عقلی استدلال کی بنا پر بخوبی پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کفر جس کے بارے میں یہ فتویٰ حاصل کرنا ضروری ہو کہ اس کا مرتکب دائرہ مذہب کے اندر رہا یا باہر نکل

گیا۔ صرف اس مذہبی معاشرے میں زیر غور آ سکتا ہے جو ایسی سادہ بنیادوں پر قائم ہو اور وہ بھی اس وقت جب ان سادہ بنیادوں میں سے دونوں یا کسی ایک کا رد مستلزم ہو۔ ایسا کفر تاریخ اسلام میں شاذ ہی واقع ہوا اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اسلام حدود کی حفاظت کے متعلق زیادہ سے زیادہ اہتمام کے باوجود ایسی تعبیر کی اجازت دیتا ہے جو اصل حدود کے اندر رہے۔ کیونکہ ایسے کفر کا اظہار جو اسلام کے حدود سے تعرض کرے' تاریخ اسلام میں شاذ ہی پیش آیا۔ لہذا اس قسم کی سرکشی کے باب میں عام مسلمانوں کے احساسات طبعاً" بہت شدید رہے' بہائیوں کے خلاف مسلمانان ایران میں شدت احساس کا سبب یہی تھا۔ اسی طرح قادیانیوں کے خلاف مسلمانان ہند کے شدید احساسات کا سبب بھی یہی ہے۔

یہ درست ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی فرقوں میں فقہ و الہیات کے فروعی مسائل میں اختلاف پر بھی کفر کے فتوے اکثر صادر ہوتے رہے۔ ان فتووں میں لفظ کفر فروعی مسائل الہیات کے اختلاف اور انتہائی کفر جو مرتکب کو ملت بدر کر دے' کے خلاف بھی بلاامتیاز استعمال کیا جاتا رہا۔ اس وجہ سے دور حاضر کے بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان جنہیں الہیات اسلامی کی تاریخ کے بارے میں حقیقتاً کچھ علم نہیں' سمجھ رہے ہیں کہ یہ ملت اسلامیہ کے عمرانی اور سیاسی انتشار کی علامت ہے۔ حالانکہ یہ تصور بالکل غلط ہے۔ اسلامی الہیات کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ فروعی اختلافات پر بھی کفر کے جو فتوے ایک دوسرے کے خلاف صادر ہوتے رہے وہ اشتعال انگیز ہونے کے بجائے حقیقتاً الہیات کے متعلق افکار میں ترکیب و ترتیب کے محرک بنتے رہے۔

پروفیسر ہرگرونج Hurgrounje کہتا ہے: "جب ہم فقہ اسلامی کے نشو و ارتقاء کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک طرف یہ دیکھتے ہیں کہ ہر عہد میں علمائے کرام معمولی محرک کی بنا پر ایک دوسرے کی مذمت میں اس حد تک پہنچتے رہے کہ کفر کا فتویٰ بھی صادر کر دیا۔ دوسرے طرف وہی علمائے کرام زیادہ سے زیادہ وحدت مقصد کے پیش نظر پیش روؤں کے ایسے ہی اختلافات میں موافقت کی کوششیں کرتے رہے"۔ اسلامی دینیات کا

طالب علم جانتا ہے کہ اس قسم کا کفر مسلم فقہا کے نزدیک اصطلاحاً "کفر دون کفر" (ایک کفر کا دوسرے سے کم ہونا) کہلاتا ہے یعنی کفر کی وہ قسم جس کا مرتکب ملت سے خارج نہیں ہوتا' البتہ اعتراف کرلینا چاہیے کہ جب یہ معمولی کفر ملاؤں کے ہاتھ میں پہنچتا ہے تو بڑے فتنے کا باعث بن سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ذہنی تساہل کی بنا پر دینی فکر کے سلسلے میں تمام مخالفتوں کو مطلق سمجھتے ہیں اور اختلاف میں اتحاد کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔ اس فتنے کے انسداد کی صورت یہی ہے کہ مدراس دینیات کے طلبہ کے سامنے اسلام کی ترکیبی و اتحادی روح کا تصور زیادہ سے زیادہ واضح طریق پر پیش کریں اور انہیں ازسرنو بتائیں کہ دینیات کے علم کلام میں منطقی تضاد اصول حرکت کا وظیفہ ادا کرتا ہے۔ باقی رہا بڑے کفر کا مسئلہ تو یہ صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی مفکر یا مصلح کی تعلیمات اسلام کے حدود پر اثرانداز ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے قادیانیت کی تعلیمات کے سلسلے میں یہ صورت موجود ہے۔

یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ تحریک احمدیت دو گروہوں میں بٹ ہوئی ہے' ایک گروہ قادیانیوں کا ہے اور دوسرا لاہوریوں کا۔ قادیانی گروہ بانی تحریک کو مکمل نبی تسلیم کرتا ہے' لیکن لاہوری گروہ نے اعتقاداً یا مصلحتاً یہی مناسب سمجھا کہ قادیانیت کو مدھم سروں میں پیش کیا جائے' تاہم یہ مسئلہ کہ بانی احمدیت ایسا نبی تھا جس کی بعثت کا انکار مستلزم کفر ہو' دونوں گروہ کے درمیان محل نزاع ہے۔ احمدیوں کی اس داخلی کشمکش کے سلسلے میں یہ فیصلہ کرنا کہ کون حق بجانب ہے' میرے پیش نظر مقصد کے لیے غیرضروری ہے۔ میں سمجھتا ہوں اور اس کے وجوہ ابھی پیش کروں گا کہ ایسے نبی کا خیال جس سے انکار ملت سے خارج ہونے کو مستلزم ہو' احمدیت کی اصل و اساس ہے اور قادیانیوں کا موجودہ امام لاہوری' امام کے مقابلے میں روح تحریک سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

اسلام میں ختم نبوت کے تصور کی تہذیبی و ثقافتی قدروقیمت کی پوری تشریح میں نے دوسری جگہ کردی ہے۔ اس کا مفہوم بالکل سادہ ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنہوں نے اپنے پیروؤں کو ایک قابل عمل قانون دے کر آزاد کردیا جو انسانی ضمیر کی

گہرائیوں سے ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ کسی دوسری انسانی ہستی کے آگے روحانی اعتبار سے سر تسلیم خم نہ کیا جائے۔ دینیات کے نقطہ نگاہ سے اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ جس عمرانی و سیاسی نظام کو اسلام کہا جاتا ہے' وہ کامل و مکمل اور ابدی ہے۔ رسول اللہ (صلعم) کے بعد کوئی ایسا الہام ممکن ہی نہیں جس سے انکار مستلزم کفر ہو۔ جو بھی شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرے وہ اسلام سے غداری کا مرتکب ہوگا۔ چونکہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ بانی احمدیت الہام کا حامل تھا لہٰذا وہ پوری دنیائے اسلام کو کافر قرار دیتے ہیں۔ خود بانی تحریک کا استدلال جو صرف قرون وسطیٰ کے کلامی کے لیے زیبا سمجھا جا سکتا ہے--- یہ ہے کہ اگر اسلام کے مقدس پیغمبر کی روحانیت دوسرے نبی کی تخلیق نہ کرے تو اس روحانیت کو ناکام سمجھا جائے گا' وہ اپنی نبوت کو اسلام کے مقدس پیغمبر کی نبوت پرور روحانی قوت کی شہادت قرار دیتا ہے' لیکن اگر آپ یہ سوال کریں کہ آیا رسول اللہ (صلعم) کی روحانیت ایک سے زیادہ پیغمبروں کی تربیت بھی فرما سکتی ہے تو اس کا جواب نفی میں دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہوا کہ محمد (صلعم) (معاذ اللہ) آخری نبی نہ تھے' آخری نبی میں ہوں۔

بانی احمدیت نے تاریخ انسانیت میں عموماً اور تاریخ ایشیا میں خصوصاً ختم نبوت کے اسلامی فکر کی ثقافتی و تہذیبی قدر و قیمت نہ سمجھی اور یہ تصور قائم کر لیا کہ ختم نبوت ان معنی میں رسول اللہ (صلعم) کا کوئی پیرو درجہ نبوت تک نہیں پہنچ سکتا رسول اللہ (صلعم) کی نبوت میں ناتمامی کا نشان ہے۔ میں اس کی نفسیات کا مطالعہ کرتا ہوں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اپنے ادعائے نبوت کی خاطر وہ اسلام کے مقدس پیغمبر کی اس خصوصیت سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ تخلیقی روحانیت قرار دیتا ہے' لیکن ساتھ ہی رسول اللہ (صلعم) کی "خاتمیت" سے انکار کرتا ہے کیونکہ اس روحانیت کی تخلیقی صلاحیت صرف ایک نبی یعنی بانی تحریک احمدیت تک محدود رکھتا ہے۔ اس طرح یہ نیا نبی چپ چاپ اس بزرگ ہستی کی خاتمیت پر متصرف ہو جاتا ہے جسے وہ اپنا روحانی مورث قرار دیتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ میں اسلام کے مقدس پیغمبر کا بروز ہوں۔ اس طرح وہ ثابت کرنا چاہتا

ہے کہ رسول اللہ (صلعم) کا بروز ہونے کی صورت میں اس کی خاتمیت حقیقتاً خود رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت ہے۔ گویا معاملے کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ دونوں خاتمیتوں کو (اس کی اپنی اور رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت) ایک قرار دے کر وہ تصور خاتمیت کے زمانی مفہوم سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

تاہم ظاہر ہے کہ لفظ بروز کامل مماثلت کے معنی میں بھی اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا کیونکہ بروز بہرحال اصل سے الگ ہوگا۔ صرف اوتار کی حیثیت میں بروز اصل سے متحد ہوتا ہے لہٰذا اگر ہم بروز کے معنی "روحانی صفات میں مماثل" قرار دیں تو استدلال بے اثر رہے گا' لیکن اگر اس کے برعکس ہم بروز کے معنی آریائی تصور کے مطابق اوتار لے لیں' تو استدلال بظاہر قابل قبول بن جائے گا مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اس طریق ظہور کا مجوزا ایک مجوسی ہے' جس نے بھیس بدل لیا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے اور اس سلسلے میں ہسپانیہ کے عظیم القدر مسلمان صوفی محی الدین ابن عربی کی سند پیش کی جاتی ہے کہ ایک مسلمان ولی کے لیے بھی روحانی ارتقاء کے دوران میں ایسے تجربات ممکن ہیں جنہیں صرف شعور نبوت سے مختص مانا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شیخ محی الدین ابن عربی کا یہ نظریہ نفسیات کے نقطہ نگاہ سے نامحکم ہے' لیکن اگر اسے درست بھی مان لیا جائے تو قادیانیوں کا استدلال شیخ محی الدین ابن عربی کے صحیح موقف سے متعلق کاملاً" غلط فہمی پر مبنی ہے۔ شیخ اسے ایک خالصتاً" ذاتی تجربہ قرار دیتے ہیں' جس کی بنا پر کوئی ولی ان لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دے سکتا' جو اس پر اعتقاد نہ رکھیں اور ایسا اصلاً ہو ہی نہیں سکتا۔ دراصل شیخ کے نقطہ نگاہ کے مطابق ایک عہد یا ایک ملک میں ایک سے زیادہ ولی ہو سکتے ہیں' جو شعور نبوت تک پہنچ سکتے ہیں' لیکن قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے' ایک ولی کے لیے نفسیاتی اعتبار سے عرفان نبوت حاصل کر لینا ممکن ہے تو اس عرفان کی عمرانی و سیاسی اہمیت کوئی نہیں کیونکہ وہ کسی نئی تنظیم کا مرکز نہیں بن سکتا۔ اور اس اعلان کا حقدار نہیں ہو سکتا

کہ وہی تعظیم رسول اللہ (صلعم) کے پیروؤں کے لیے ایمان و کفر معیار ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی کی صوفیانہ نفسیات سے قطع نظر کرتے ہوئے میں "فتوحات" سے متعلقہ عبارتوں کا مطالعہ غور و احتیاط سے کر چکا ہوں اور مجھے یقین ہو چکا ہے کہ یہ عظیم القدر ہسپانوی صوفی رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت کا ویسا ہی پختہ معتقد ہے' جیسا کوئی راسخ العقیدہ مسلمان ہو سکتا ہے' اگر اسے صوفیانہ کشف میں معلوم ہو جاتا کہ آگے چل کر مشرق میں تصوف کے بعض ہندوستانی اتائی اس کی صوفیانہ نفسیات کے پردے میں رسول اللہ (صلعم) کی خاتمیت پر زور لگانے کے لیے تیار ہو جائیں گے تو وہ علمائے ہند سے بھی پہلے دنیا کے مسلمانوں کو غداران اسلام کے خلاف متنبہ کر دیتا۔

اب میں احمدیت کی حقیقت پر آتا ہوں۔ تقابلی مذہب کے نقطہ نگاہ سے اس کے ماخذ پر بحث صدورجہ دلچسپ ہوگی۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی زیر غور آئے گا کہ اسلام سے پیشتر کے مجوسی تصورات کس طرح اسلامی تصوف کے ذریعے سے اس کے بانی پر اثرانداز ہوئے' لیکن میرے لیے یہاں یہ بحث شروع کرنا غیر ممکن ہے' صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ احمدیت کی اصل حقیقت قرون وسطیٰ کے تصوف اور دینیات کے کہر میں چھپی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے ہند نے اسے خالص دینی تحریک سمجھا اور اس کے انسداد کے لیے دینی حربے لے کر نکل پڑے' میں سمجھتا ہوں کہ اس تحریک سے نپٹنے کا یہ طریقہ مناسب نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں علماء صرف جزواً کامیاب ہوئے۔ بانی احمدیت کے الہامات کا نفسیاتی تجزیہ احتیاط سے کیا جائے تو یہ غالباً اصل شخصیت کی داخلی زندگی کا ایک ایک پہلو بروئے کار لانے کے لیے ایک موثر طریقہ ہوگا۔ مولوی منظور الٰہی نے بانی کے الہامات کا جو مجموعہ شائع کیا' میں اس کا ذکر کر دیتا ہوں اس مجموعے میں نفسیاتی چھان بین کے لیے سیر حاصل اور متنوع ذخیرہ موجود ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب بانی احمدیت کے کردار اور شخصیت کے لیے ایک کلید مہیا کرتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ کبھی جدید نفسیات کا کوئی نوجوان طالب علم اس کا سنجیدہ مطالعہ اپنا فرض منصبی قرار دے گا' اگر وہ قرآن مجید کو معیار بنا لے گا اور یہی اسے کرنا چاہیے۔ البتہ وجوہ یہاں

پیش نہیں کیے جا سکتے اور اگر وہ اپنے مطالعے کو بانی احمدیت اور معاصر غیر مسلم متصوفین مثلاً رام کرشن بنگالی کے تجربات کی تقابلی تحقیق تک توسیع دے گا تو اسے اس تجربے کی اصلی حیثیت کے متعلق ایک سے زیادہ مرتبہ سر مشق حیرت بننا پڑے گا جس کی بنا پر بانی احمدیت کے لیے نبوت کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔

عوام کے نقطہ نگاہ سے ایک اور طریقہ بھی ہے جو یکساں موثر اور زیادہ بار آور ہے۔ یعنی ہندوستان میں مسلمانوں کے دینی فکر کی تاریخ کم از کم 1799ء سے پیش نظر رکھ لی جائے اور اس کی روشنی میں احمدیت کی حقیقت سمجھی جائے۔ 1799ء دنیائے اسلام کی تاریخ میں صد درجہ اہم سال ہے۔ اس سال ٹیپو سلطان نے شہادت پائی اور اس کی شہادت کے ساتھ ہندوستان میں سیاسی وقار کے لیے مسلمانوں کی امیدوں کے تمام چراغ گل ہو گئے اسی سال نوارینو Nawarino (یونان کی ایک بندرگاہ جسے آج کل پائیلوس (Pylos) کہتے ہیں' یہاں 20 اکتوبر 1827ء کو برطانوی اور فرانسیسی بیڑے نے مصر اور ترکی کے متحدہ بیڑے کو تباہ کیا تھا' ترکی نے یونانیوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے قدم اٹھایا تھا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اسے ناکام بنا دیا۔ ٹیپو سلطان شہید کی تاریخ شہادت میں بظاہر اس واقعے کی طرف نہیں بلکہ نپولین کے حملہ کی طرف اشارہ ہے جو اسی دور کا واقعہ ہے' جس میں ٹیپو سلطان نے شہادت پائی۔ البتہ یہ درست ہے کہ ترکی بیڑے پر نوارینو میں سخت ضرب لگی اور اس کی جنگی قوت بری طرح مجروح ہوئی' اگرچہ یہ واقعہ ٹیپو سلطان کی شہادت سے کم و بیش اٹھائیس سال بعد پیش آیا) کی جنگ ہوئی جس میں ترکی بیڑا تباہ کر دیا گیا۔ جس شخص نے ٹیپو سلطان کی تاریخ شہادت کہی وہ بڑا بالغ نظر تھا۔ یہ تاریخ ٹیپو سلطان کے مقبرے کی دیوار پر کندہ ہے!

ذھب عز الروم والھند کلھا

(روم اور ہندوستان کی عزت و شان کا ملنا جاتی رہی)

یوں 1799ء میں ایشیاء کے اندر مسلمانوں کا سیاسی زوال آخری حد پر پہنچ گیا' لیکن جس طرح جنگ جینا (Jena) (یہ جنگ اکتوبر 1806ء میں ہوئی تھی اور نپولین نے اس میں

پروشیا کی قوت تباہ کر دی تھی) کے دن جرمنی کی ذلت خیز شکست سے جدید جرمن قوم اٹھی۔ اسی طرح یہ کہنا بھی بالکل بجا سمجھا جا سکتا ہے کہ 1799ء میں مسلمانوں کے سیاسی انحطاط سے دور حاضر کا اسلام پیدا ہوا اور اپنے ساتھ نئے مسائل لایا' اس نکتے کی توضیح میں آگے چل کر کروں گا۔ فی الحال میں خوانندگان کرام کی توجہ ان بعض مسائل کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں' جو ٹیپو سلطان کی شہادت اور ایشیا میں یورپی سامراج کے فروغ کے بعد اسلامی ہند میں بروئے کار آئے۔

کیا اسلام میں خلافت کا تصور ایک مذہبی ادارے کو مستلزم ہے؟ ہندوستان اور ان ملکوں کے مسلمان جو سلطنت ترکیہ کے دائرے سے باہر ہیں' ان کا رشتہ خلافت ترکی سے کیا ہے؟ کیا ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالسلام؟ اسلام میں اصول جہاد کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ قرآن مجید کا ارشاد ہے: "خدا کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے اصحاب امر و حکم ہوں' یعنی تمہارے فرمانروا"۔ **(یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولوا الامر منکم)** "تم میں سے" کا مطلب کیا ہے؟ رسول اللہ (صلعم) کی جن احادیث میں امام مہدی کے ظہور کے متعلق پیش گوئی کی گئی ہے' ان کی حیثیت کیا سمجھی جائے؟ یہ اور اس قسم کے دوسرے سوالات جو بعد میں پیدا ہوئے' بدیہی وجوہ کی بنا پر صرف مسلمانان ہند سے تعلق رکھتے تھے' لیکن جو یورپی سامراج اسلامی دنیا میں تیزی سے تسلط حاصل کرتا جا رہا تھا' اسے بھی ان سوالات سے گہری دلچسپی تھی۔ ان پر جو بحثیں ہوئیں وہ ہندوستان میں اسلامی تاریخ کا ایک نہایت دلچسپ باب ہیں۔ یہ داستان بہت طویل ہے اور تاحال کسی زبردست صاحب قلم کے انتظار میں ہے۔ جن مسلمان مفکروں کی نگاہیں زیادہ تر حقائق حال پر جمی ہوئی تھیں' وہ علماء کے ایک طبقے کو ایسے دینی استدلال پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے جو ان کے نزدیک وقتی حالات سے مطابقت رکھتا تھا' مگر محض منطق کے زور سے ان عقائد پر قابو پا لینا آسان نہ تھا' جو صدیوں سے جمہور مسلمانان ہند کے ضمیر پر مسلط چلے آ رہے تھے۔ ایسے حالات میں منطق یا تو سیاسی مصلحت کی بنا پر قدم آگے بڑھا سکتی ہے یا قرآن و احادیث کی تازہ تعبیر کا طریقہ اختیار کر

سکتی ہے۔ دونوں صورتوں میں ظاہر تھا کہ یہ عوام کو متاثر نہ کر سکے گی۔ مسلم عوام کی شدید مذہب پسندی کو صرف ایک چیز یقینی طور پر متاثر کر سکتی تھی اور وہ آسمانی سند تھی۔ نتیجہ عقائد کی موثر تبلیغ کی کے لیے ضروری سمجھا گیا کہ کوئی ایسی الہامی بنیاد تلاش کی جائے جو مذکورہ مسائل سے تعلق رکھنے والے دینی اصول کی تعبیر' سیاسی اعتبار سے موزوں طریق پر کر دے۔ یہ الہامی بنیاد احمدیت نے مہیا کی اور احمدی خود مدعی ہیں کہ برطانوی سامراج کے لیے یہ سب سے بڑی خدمت ہے جو انہوں نے انجام دی۔ سیاسی اہمیت کے دینی نظریات کی الہامی بنیاد کے لیے پیغمبرانہ دعوے کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اس مدعی کے نظریات قبول نہیں کرتے وہ مطلق کافر ہیں اور لازماً دوزخ کے شعلوں کی نذر ہوں گے۔ احمدیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح ایک عام فانی انسان کی طرح وفات پا گئے اور ان کے ظہور ثانی کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی شخصیت رونما ہو گی جو روحانی اعتبار سے مسیح کی مثیل ہو گی۔ جس حد تک میں احمدیت کی اہمیت سمجھتا ہوں' اس سے تحریک کو ایک حد تک معقول شکل مل گئی' لیکن روح تحریک کے لیے ایسی چیزیں ضروری نہیں۔ میری رائے میں یہ نبوت کی طرف ابتدائی اقدامات تھے اور تحریک کے اصل مقاصد نبوت ہی پورا کر سکتی تھی۔

جو ملک تہذیب و تمدن کی ابتدائی منزلوں میں ہیں وہاں منطق نہیں' بلکہ روحانی سند و اختیار سے کام لیا جا سکتا ہے۔ جہاں خاصی جہالت موجود ہو' نیز خوش اعتقادی حد درجہ عجیب امر یہ ہے کہ خوش اعتقادی اور ذہانت بعض اوقات پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں۔ پھر کسی شخص میں یہ اعلان کر دینے کی جسارت ہو کہ وہ ایسے ربانی الہام کا حامل ہے جس سے انکار دائمی لعنت کا موجب ہو گا' اس کے بعد کسی محکوم ملک میں ایسی سیاست آمیز دینیات ایجاد کر لینا اور ایک جماعت بنا لینا آسان ہے' جس کا عقیدہ سیاسی غلامی ہو۔ پنجاب کے سادہ لوح کسان جو صدیوں سے ہر قسم کے ناجائز تصرفات کا تختہ مشق چلے آئے ہیں' مبہم دینی اصطلاحات کے جال میں بھی بہ سہولت پھنس جاتے ہیں' خواہ وہ کتنا ہی فرسودہ ہو۔ پنڈت جواہر لال نہرو تمام مذاہب کے راسخ العقیدہ لوگوں کو مشورہ دیتے

ہیں کہ وہ متحد ہو جائیں اور اس چیز کے ظہور میں تاخیر پیدا کریں جسے وہ ہندوستانی قومیت سمجھتے ہیں۔ اس طنز آمیز مشورے میں فرض کر لیا گیا ہے کہ احمدیت ایک اصلاحی تحریک ہے۔ پنڈت جی کو علم نہیں کہ ہندوستان میں جس حد تک اسلام کا تعلق ہے' احمدیت میں انتہائی اہمیت کے مذہبی اور سیاسی مسائل مضمر ہیں۔ میں پہلے واضح کر چکا ہوں کہ اسلام کے مذہبی فکر کی تاریخ میں احمدیت کا وظیفہ ہندوستان کے اندر موجودہ سیاسی غلامی کے لیے الہامی بنیادیں مہیا کرنا ہے۔ خالص مذہبی مسائل کو چھوڑ دیجئے' صرف سیاسی مسائل کی بنا پر بھی پنڈت جی ایسے شخص کے لیے قطعاً زیبا نہیں کہ وہ مسلمانان ہند کو ارتجاعی قدامت پسندی سے متہم کریں' اگر وہ احمدیت کی حقیقی حیثیت سے آگاہ ہوتے تو مجھے کوئی شبہ نہیں کہ ایک مذہبی تحریک کے متعلق مسلمانان ہند کی روش کو مستحق ستائش سمجھتے جو ہندوستان کے مصائب و آلام کے لیے ربانی الہام کی مدعی ہے۔

خواندگان کرام پر واضح ہو چکا ہو گا کہ آج ہندوستان میں اسلام کے رخساروں پر احمدیت کی جو زردی نظر آ رہی ہے وہ اس ملک میں مسلمانوں کے مذہبی فکر کی تاریخ کا کوئی ناگہانی مظہر نہیں۔ جن افکار و تصورات نے بالآخر اس تحریک کی شکل اختیار کی' وہ بانی احمدیت کی پیدائش سے بھی بہت پہلے مذہبی مباحث میں نمایاں ہو چکے تھے۔ میرا یہ مطلب بھی نہیں کہ بانی احمدیت اور اس کے رفیقوں نے سوچ سمجھ کر اپنا پروگرام تیار کیا' میں کہہ سکتا ہوں کہ تحریک احمدیت کے بانی نے ضرور کوئی آواز سنی ہو گی' لیکن یہ آواز خدائے حیات و قدرت کی طرف سے آئی یا عوام کے روحانی افلاس سے اٹھی' اس کا انحصار پیدا کردہ تحریک کی حیثیت اور یہ آواز سننے والوں کے فکر و جذبہ کی نوعیت پر ہے۔ خواندگان کرام کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ میں استعاروں میں بات کر رہا ہوں۔ قوموں کی تاریخ حیات ہمیں بتاتی ہے کہ جب کسی گروہ کی زندگی میں مد کے بعد جزر پیدا ہوتا ہے تو انحطاط بجائے خود الہام کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ شاعر' فلسفی' اولیاء اور مدبر سب اس سے متاثر ہوتے ہیں اور واعیوں کی ایسی جماعت بن جاتے ہیں جو سحر آفریں فن یا منطق کی قوت سے زندگی کی تمام زشت و مکروہ چیزوں کو عظمت و شان کا لباس

پہنانے کے لیے وقف ہو جاتے ہیں۔ یہ دائمی نادانستہ ناامیدی کو درخشاں صورت میں پیش کرتے ہیں۔ کردار و عمل کی روایتی اقدار کی جڑ کھوکھلی کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کی روحانی قوت و ہمت تباہ کر ڈالتے ہیں جو ان کے حلقہ سحر میں آ جاتے ہیں۔ اس قوم کے عزم کی فرسودہ حالت کا صرف تصور کر لینا کافی ہے جو آسمانی سند کی بنا پر سیاسی ماحول کو آخری و قطعی چیز تسلیم کر لیتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ تمام کردار جنھوں نے احمدیت کے ڈرامے میں حصہ لیا۔ زوال و انحطاط کے ہاتھوں میں محض سادہ لوح حربے تھے۔ اسی قسم کا ڈرامہ ایران میں بھی کھیلا گیا' لیکن وہاں وہ مذہبی اور سیاسی مسائل پیش نہ آئے جو احمدیت نے ہندوستان میں اسلام کے لیے پیدا کر دیے۔ روس نے بابیت کے لیے رواداری کا انتظام کر دیا اور بابیوں کو اجازت دی کہ عشق آباد میں اپنا پہلا تبلیغی مرکز قائم کر لیں۔ احمدیوں کے لیے انگلستان نے ایسی ہی رواداری کا اظہار کیا اور انھیں ووکنگ میں اپنا پہلا تبلیغی مرکز قائم کر لینے کی اجازت دے دی اس سوال کا فیصلہ مشکل ہے کہ روس اور انگلستان نے یہ رواداری سامراجی مصلحت کی بنا پر اختیار کی یا یہ ان ملکوں کی خالص وسعت قلب کا نتیجہ تھی۔ البتہ اتنا قطعی طور پر واضح ہے کہ اس رواداری نے ایشیا میں اسلام کے لیے مشکل مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ اسلام کی ہیئت ترکیبی کے باب میں جو میرا تصور ہے اس کے پیش نظر میرے دل میں خفیف سا بھی شبہ نہیں کہ اسلام کے لیے اس طرح جو مشکلات پیدا کی گئی ہیں' ان سے وہ زیادہ پاک و صاف ہو کر نکلے گا۔ زمانہ بدل رہا ہے۔ ہندوستان میں حالات نے نیا رخ اختیار کر لیا ہے۔ جمہوریت کی نئی روح ملک کے اندر پھیل رہی ہے۔ یہ یقیناً احمدیوں کی آنکھیں کھول دے گی اور انھیں یقین دلا دے گی کہ انھوں نے دین میں جو نئی چیزیں پیدا کیں' وہ بالکل بے سود ہیں۔

اسلام قرون وسطیٰ کے تصوف کا احیاء بھی برداشت نہ کرے گا' جس نے اس کے پیرووں سے صحت مندانہ وجدانات چھین لیے اور ان کے بدلے میں محض مبہم افکار دے دیے۔ اس تصوف نے گزشتہ صدیوں میں اسلام کے بہترین دل و دماغ اپنے اندر جذب

کر لیے اور ملک داری کے معاملات اوسط درجے کے آدمیوں پر چھوڑ دیے۔ دورِ حاضر کا اسلام اس تجربے کے اعادے کا روادار نہیں ہو سکتا اور یہ بھی برداشت نہیں ہو سکتا کہ پنجاب کا تجربہ دہرایا جائے' یعنی مسلمانوں کو نصف صدی تک ان دینی مسائل میں الجھائے رکھا جن کا زندگی سے کوئی بھی تعلق نہ تھا۔ اسلام تازہ فکر و تجربہ کی وسیع روشنی میں پہنچ چکا ہے۔ کوئی ولی یا مدعی نبوت اسے قرونِ وسطیٰ کے تصوف کے گھر میں واپس نہیں لے جا سکتا۔

اب میں پنڈت جواہر لال نہرو کے سوالات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' میں سمجھتا ہوں پنڈت جی کے مقالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں اسلام یا انیسویں صدی کے اندر اس کی مذہبی تاریخ سے عملاً کوئی آگاہی نہیں اور نہ انھوں نے وہ سب کچھ پڑھا ہے' جو میں ان کے سوالات پر لکھ چکا ہوں۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ سب کچھ دہراؤں جو پہلے لکھ چکا ہوں نہ یہاں انیسویں صدی میں اسلام کی مذہبی تاریخ بیان کر سکتا ہوں۔ جس کے بغیر دنیائے اسلام کی موجودہ حالت کا اندازہ کرنا غیر ممکن ہے۔ ترکی اور دورِ حاضر کے اسلام پر سینکڑوں کتابیں اور مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ میں ان میں سے بیشتر پڑھ چکا ہوں اور اغلب ہے' وہ پنڈت جی کی نظر سے بھی گزر چکے ہوں۔ میں انھیں یقین دلاتا ہوں کہ ان کتابوں اور مقالوں کے مصنفوں میں سے ایک بھی نہیں' جس نے اس تکلول کی نوعیت سمجھی ہو یا اس علت کے بارے میں صحیح اندازہ کیا ہو جس سے تکلول رونما ہوا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انیسویں صدی میں ایشیاء کے اندر اسلامی فکر کی بڑی بڑی لہروں کا تذکرہ اختصاراً کر دیا جائے۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ 1799ء میں مسلمانوں کا سیاسی زوال آخری حد پر پہنچ چکا تھا' لیکن اسلام کی داخلی روحِ حیات کی بڑی شہادت اس واقعے کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی کہ اسے معاً اندازہ ہو گیا' دنیا میں اس کا اصل موقف کیا ہے۔ انیسویں صدی کے اندر سر سید احمد خاں ہندوستان میں' سید جمال الدین افغانی افغانستان میں اور مفتی عالم جان روس میں پیدا ہوئے۔ غالباً یہ اصحاب محمد بن عبدالوہاب سے متاثر ہوئے' جن کی ولادت

1734ء میں نجد کے اندر ہوئی۔ (مستند روایات کے مطابق شیخ محمد بن عبدالوہاب 115ھ (4-1703ء) میں بمقام عینیہ (نجد) پیدا ہوئے اور وفات ایک روایت کے مطابق 27 شوال 1206ھ (18 جون 1792ء) کو دوسری روایت کے مطابق اواخر ذی قعد 1206ھ (جولائی 1792ء) میں ہوئی)۔ یہی محمد بن عبدالوہاب اس تحریک کے بانی تھے' جسے عموماً وہابی تحریک کہا جاتا ہے اور جسے بجا طور پر دور حاضر کے اسلام میں زندگی کی پہلی دھڑکن سمجھنا چاہیے۔ سرسید احمد خاں کا اثر بحیثیت عمومی ہندوستان میں محدود رہا' تاہم اغلب ہے کہ دور حاضر کے مسلمانوں میں وہ پہلے فرد ہوں' جنہوں نے آنے والے دور کے مثبت کردار کی ایک جھلک پائی۔ سرسید کی تجویز تھی کہ مسلمانوں کی بیماریوں کا علاج دور حاضر کی تعلیم ہے۔ مفتی عالم جان نے روس میں یہی مسلک اختیار کیا' لیکن سرسید کی حقیقی عظمت کا راز یہ ہے کہ وہ پہلے ہندوستانی مسلمان تھے' جنہوں نے اسلام کو نئے نقطہ نگاہ سے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کی اور اس کے لیے سرگرم عمل ہو گئے ہم ان کے مذہبی نظریات سے اختلاف کر سکتے ہیں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ انہی کی حساس روح تھی جو دور حاضر کے تقاضوں کی بنا پر سب سے پہلے مصروف عمل ہوئی۔

مسلمانان ہند کی انتہائی قدامت پرستی زندگی کے حقائق پر گرفت کھو چکی تھی۔ وہ سرسید احمد خاں کی مذہبی روش کی حقیقی حیثیت کا اندازہ نہ کر سکے۔ شمال و مغربی ہندوستان ملک کے باقی حصوں کے مقابلے میں پسماندہ تھا اور یہاں پیروں کا تسلط بھی زیادہ تھا۔ سرسید کی تحریک سے جلد بعد احمدیت کی تحریک شروع ہو گئی۔ سامی و آریائی تصوف کا ایک عجیب ملغوبہ تھی جس کے نزدیک مذہبی احیاء کا مطلب یہ نہ تھا کہ فرد کی داخلی قدیم اسلامی صوفیت کے اصول کے مطابق پاک ہو جائے' بلکہ اس نے "مسیح موعود" کی خانہ پری سے عوام کے انتظار لیے اطمینان کا سامان بہم پہنچا دیا۔ پھر اس "مسیح موعود" کا وظیفہ بھی یہ نہ تھا کہ فرد موجودہ دور و انحطاط سے نجات حاصل کر لے۔ صرف یہ تھا کہ اپنی خودی کو غلامانہ حیثیت میں اس انحطاط کے حوالے کر دے۔ رد عمل میں ایک نہایت نازک تضاد موجود ہے' یعنی تحریک احمدیت نے اسلام کا ضبط و نظم قائم رکھا' لیکن

عزیمت کو تباہ کر دیا جسے تقویت پہنچانا اس ضبط و نظم کا مقصد تھا۔

مولانا سید جمال الدین افغانی مختلف وضع کے انسان تھے۔ قدرت کے طور طریقے عجیب ہیں' جس فرد کو فکر و عمل کے اعتبار سے ہمارے عہد میں سب پر سبقت حاصل تھی' وہ افغانستان میں پیدا ہوا' سید جمال دنیا کی تقریباً تمام اسلامی زبانوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انہیں خدا نے مسحور کن فصاحت و بلاغت سے فرمایا تھا' ان کی بے چین روح مختلف اسلامی ملکوں میں منتقل ہوتی رہی۔ ایران' مصر اور ترکی میں انہوں نے بعض نہایت ممتاز آدمیوں پر گہرا اثر ڈالا۔ ہمارے عہد کے سب سے بڑے علمائے دین مثلاً مفتی محمد عبدہ اور میں سے بعض لوگ جو آگے چل کر سیاسی لیڈر بنے مثلاً زغلول پاشا مصر میں انہیں کے شاگرد تھے۔ انہوں نے بہت کم' مذاکرات سے بہت زیادہ کام لیا۔ اسی ذریعے سے ان تمام افراد کو چھوٹے چھوٹے جمال الدین بنا کر ان کے دائرہ ربط و تعلق میں آ گئے۔ انہوں نے کبھی نبی یا مجدد ہونے کا دعویٰ نہ کیا' لیکن ہمارے عہد کا کوئی بھی جس نے سید سے بڑھ کر مسلمانوں کے روح و قلب میں جوش و ولولہ پیدا کیا ہو' سید کی روح اب تک دنیائے عالم میں کارفرما ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی کارفرمائی کہاں تک پہنچے گی۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ ان عظیم القدر مسلمانوں کا مقصد و نصب العین کیا تھا؟ جواب یہ ہے کہ ہم نے دنیائے اسلام میں تین بڑی قوتوں کو کارفرما دیکھا اور تمام توجہات انہیں قوتوں کے خلاف بغاوت کرنے پر مرتکز کر دیں۔

1- ملائیت

علماء ہمیشہ اسلام کے لیے بہت بڑی قوت کا سرچشمہ رہے' لیکن رفتہ رفتہ خصوصاً جاہی بغداد کے وقت سے انہوں نے حد درجہ قدامت پسندی اختیار کر لی اور اجتہاد (قانونی مسائل کے متعلق آزادانہ فیصلے کا حق) کی آزادی بھی دینے پر راضی نہ ہوئے۔ وہابی تحریک جو انیسویں صدی کے مسلم داعیان اصلاح کے لیے تحریک و عمل کا سرچشمہ تھی'

دراصل علماء کے اسی جمود کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ غرض انیسویں صدی کے مسلم داعیان اصلاح کا اولین مقصد یہ تھا کہ عقائد کی تجدید کی جائے اور روز افزوں تجربات کی روشنی میں قانون کی نئی تعبیر کے لیے آزادی دلائی جائے۔

2- تصوف

مسلم عوام پر ایسا تصوف مسلط تھا جس نے حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ لوگوں کی عملی قوت کمزور کی جا رہی تھی اور ان میں گوناگوں اوہام پرستوں کا دور دورہ تھا۔ تصوف روحانی تعلیم کی ایک ایسی قوت تھا جس کا درجہ بہت بلند تھا' لیکن رفتہ رفتہ یہ گرتے ہوئے عوام کی بے خبری و خوش اعتقادی سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ رہ گیا۔ تدریجاً" اور غیر مرئی طریق پر مسلمانوں کی عزیمت کمزور ہو گئی اور ان میں اتنی تن آسانی آ گئی کہ شریعت اسلام کے پختہ نظم و ضبط سے بچاؤ کے پہلو پیدا کرنے کی کوششوں میں لگ گئے۔ انیسویں صدی کے داعیان اصلاح نے اس تصوف کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ دنیائے حاضر کی تیز روشنی میں پہنچیں۔ یہ داعیان اصلاح مادہ پرست نہ تھے' ان کا نصب العین یہ تھا کہ مسلمانوں کی آنکھیں کھل جائیں۔ وہ روح اسلام سے آشنا ہو جائیں جس کا مقصد و مدعا مادی دنیا سے گریز نہیں بلکہ اس کی تسخیر تھا۔

3- مسلم ملوک

ان کی نظریں صرف اپنے خاندانی مفاد پر جمی ہوئی تھیں اور وہ جب تک اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے اپنے ملک کی زیادہ قیمت پیش کرنے والوں کے ہاتھ فروخت کر دینے میں بھی تامل نہیں کرتے تھے۔ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف بغاوت کے لیے مسلم عوام کو تیار کر دینا سید جمال الدین افغانی کا خاص مشن تھا۔

ان داعیان اصلاح نے دنیائے اسلام کے فکر و احساس میں جو انقلاب پیدا کیا اس کا

تفصیلی بیان یہاں ممکن نہیں' لیکن ایک امر واضح ہے انھوں نے بڑی حد تک کارفرماؤں کے دوسرے گروہ کے لیے زمین ہموار کر دی۔ مثلاً زغلول پاشا' مصطفیٰ کمال اور رضا شاہ داعیان اصلاح نے تعبیرات پیش کیں' استدلال سے کام لیا اور ضروری چیزیں کھول کر بیان کر دیں۔ جو لوگ ان کے بعد برسرکار آئے' وہ اگرچہ رسمی علوم میں فروتر تھے' تاہم وہ اپنے صحت مند وجدانات پر اعتماد کرتے ہوئے حوصلہ مندانہ روشن فضا میں پہنچ گئے اور وقت ضرورت جبر سے کام لے کر بھی زندگی کے نئے حالات کے تقاضے پورے کر دیے۔ ایسے آدمیوں سے غلطیاں ہو سکتی تھیں' لیکن قوموں کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بعض غلطیوں سے بھی اچھے نتیجے حاصل ہوئے۔ یہ لوگ منطق سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کے اندر زندگی خود جدوجہد سے اپنے مسائل حل کر لیتی ہے۔

یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ سرسید احمد خاں' سید جمال الدین افغانی اور آخرالذکر کے سینکڑوں پیرو اور شاگرد جو اسلامی ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے' مغربیت مآب مسلمان نہ تھے انھوں نے قدیم دبستانوں کے ملاؤں کے روبرو زانوئے ادب تہ کیا اور اسی ذہنی و روحانی فضا میں سانس لیتے رہے' جس کی از سرنو تشکیل کے لیے وہ آگے چل کر کوشاں رہے۔ جدید افکار کا دباؤ تسلیم کیا جا سکتا ہے مگر جو سرگزشت اختصاراً بیان کی جا چکی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ترکی میں جو انقلاب پیدا ہوا اور اغلب ہے وہ زود یا بدیر دوسرے اسلامی ملکوں میں برپا ہو۔ بڑی حد تک اندرونی قوتوں ہی کا آفریدہ ہے۔ دور حاضر کی دنیائے اسلام پر سطحی نظر رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا میں موجودہ بحران تمام تر بیرونی قوتوں کا رہین منت ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان سے باہر کی اسلامی دنیا اور خصوصاً ترکی نے اسلام چھوڑ دیا ہے؟ پنڈت جواہر لال نہرو سمجھتے ہیں کہ ترکی اب اسلامی ملک نہیں رہا۔ انھیں یہ اندازہ نہیں کہ کسی فرد یا قوم کے مسلمان نہ ہونے کا مسئلہ اسلامی نقطہ نگاہ سے خالص فقہی مسئلہ ہے اور اس کا فیصلہ اسلام کے بنیادی اصول کے مطابق ہونا چاہیے۔ جب تک کوئی شخص اسلام کے دو بنیادی اصول' خدا ایک ہے (لا الہ الا اللہ) اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول ہیں (محمد رسول اللہ) کا قائل ہے' تو اسے کٹر ملا بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں کر سکتا' اگرچہ وہ شریعت اور آیات قرآنی کی جو تعبیرات پیش کر رہا ہے' وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں۔

شاید پنڈت جواہر لال نہرو کے ذہن میں وہ مفروضہ یا حقیقی بدعات ہیں جو اتاترک نے جاری کیں۔ آیئے ہم تھوڑی دیر کے لیے ان کا جائزہ بھی لے لیں۔ کیا ترکی میں عام مادی نقطہ نگاہ کا نشوو ارتقاء ہے جو اسلام کے منافی نظر آتا ہے؟ مسلمان ترک دنیا میں خاصا وقت صرف کر چکے' اب وقت آگیا ہے کہ وہ حقائق پر نظر ڈالیں مادیت مذہب کے خلاف کوئی اچھا حربہ نہیں۔ لیکن پیشہ ور صوفیوں اور ملاؤں کے خلاف یہ خاصا موثر ہے جو مسلمانوں کو دانستہ فریب دیتے ہیں تاکہ ان کی بے خبری اور خوش اعتقادی سے فائدہ اٹھا سکیں۔ روح اسلام مادے کے ساتھ ربط ضبط سے ہرگز خائف نہیں' خود قرآن مجید کا ارشاد ہے: "دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول"۔ (یہ سورۃ قصص کی آیت نمبر 77 کا ایک ٹکڑا ہے۔ قارون کے ذکر میں فرمایا گیا ہے: " **وابتغ فیما اتک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا و احسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض**○ " یعنی اللہ نے جو تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر کما لے اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور بھلائی کر' جیسے اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی)۔ گزشتہ چند صدیوں میں دنیائے اسلام کی تاریخ کے پیش نظر ایک غیر مسلم کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ مادی نقطہ نگاہ کی ترقی خودشناسی کی ایک شکل ہے۔

پھر کیا قدیم لباس کا ترک اور لاطینی رسم الخط کا نفاذ اسلام کے منافی ہے؟ اسلام کسی خاص ملک کا مذہب نہیں۔ یہ ایک ایسا معاشرہ ہے جس کی کوئی خاص زبان اور کوئی خاص لباس نہیں۔ بلکہ ترکی زبان میں قرآن کی تلاوت بھی ایسی چیز نہیں کہ اسلامی تاریخ میں اس کا نمونہ موجود نہ ہو۔ "تنہا" میں اسے اندازے کی شدید غلطی سمجھتا ہوں' جن لوگوں نے دور حاضر میں عربی زبان و ادب کا مطالعہ کیا' وہ بخوبی جانتے ہیں کہ صرف ایک ہی غیر یورپی زبان ہے جس کا مستقبل یقینی و مسلم ہے اور وہ عربی زبان ہے۔ اطلاعات موصول

ہو چکی ہیں کہ خود ترکوں نے بھی مقامی زبان میں قرآن کی تلاوت ترک کر دی۔

کیا تعدد ازدواج کی تنسیخ اور علماء کے لیے اجازت نامے کا حصول اسلام کے منافی سمجھا جائے؟ شریعت اسلام کے مطابق اسلامی مملکت کے امیر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر شرعی "اجازت" سے کسی وقت خاص حالات میں عمرانی خرابی پیدا ہوتی نظر آئے تو انہیں منسوخ کر دے۔ باقی رہا علماء کے لیے اجازت نامے کا لائسنس لینے کا معاملہ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر مجھے اختیار حاصل ہو جائے تو یقیناً اسے اسلامی ہند میں جاری کر دوں۔ قصہ گو ملا ہی عام مسلمانوں کی حماقت کا بڑی حد تک ذمہ دار ہے۔ انہیں قوم کی مذہبی زندگی سے خارج کر کے اتاترک نے وہ کارنامہ انجام دیا جس سے ابن تیمیہ یا شاہ ولی اللہ کا دل خوش ہو جاتا۔ مشکوۃ میں رسول اللہ (صلعم) کی ایک حدیث بیان کی گئی ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی مملکت کا امیر اور اس کے مقرر کردہ فرد یا افرادہی لوگوں میں وعظ کہنے کے حقدار ہیں۔ مجھے علم نہیں کہ اتاترک اس حدیث سے آگاہ تھا یا نہیں تھا' لیکن یہ امر تعجب انگیز ہے کہ اسلامی ضمیر کی روشنی نے اس اہم مسئلے کے متعلق اس کے دائرہ عمل کو منور کر دیا۔

سوئزر لینڈ کا ضابطہ قوانین جس میں قانون میراث بھی شامل ہے' اختیار کرنا یقیناً ایک بہت بڑی غلطی ہے' جو محض نوجوانی کے جوش اصلاح میں سرزد ہوئی اور اس حد تک قابل معافی سمجھی جا سکتی ہے کہ قوم بہت آگے جانے کا زبردست جذبہ رکھتی ہے۔ جب مدت تک ملائیت کی بیڑیوں میں زندگی بسر کر چکنے کے بعد رہائی نصیب ہوتی ہے تو آزادی کی خوشی بعض اوقات کسی قوم کو عمل کے ناآزمودہ راستوں پر لے جاتی ہے' لیکن ترکی اور باقی اسلامی دنیا کو ابھی تک اسلامی قانون میراث کے ان اقتصادی پہلوؤں کا صحیح اندازہ کرنا ہے جو تاحال بروئے کار نہیں آئے اور یہ قانون میراث ایسا ہے جس کے متعلق فان کریمر (Von Kremer): "یہ اسلامی شریعت کی حد درجہ بے مثال شاخ ہے"۔

کیا خلافت کی تنسیخ یا مذہب و حکومت کی علیحدگی کو منافی اسلام قرار دیا جا رہا ہے؟

اسلام روح و اصل کے اعتبار سے سامراج نہیں۔ خلافت بنی امیہ کے وقت سے عملاً ایک قسم کی سلطنت بن چکی تھی۔ اس کی تنسیخ کے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ روح اسلام نے اتا ترک کے ذریعے سے کارفرمائی کی۔ خلافت کے معاملے میں ترکوں کے اجتہاد کو سمجھنے کے لیے ہمیں ابن خلدون کی رہنمائی پر نظر رکھنی چاہیے جو اسلام کا بہت بڑا فلسفی مورخ تھا اور اسے دور حاضر کی تاریخ نگاری کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ میرے لیے بہتر طریقہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کتاب "فکر اسلامی کی تشکیل جدید" سے یہاں ایک اقتباس پیش کر دوں:

"ابن خلدون اپنی مشہور کتاب "مقدمہ" میں اسلامی خلافت کے متعلق تین مختلف نظریے پیش کرتا ہے (1) عالمی امامت ایک ربانی ادارہ ہے' لہذا اس کے قیام سے مفر نہیں (2) اس کا تعلق محض وقتی مصلحت سے ہے (3) ایسے ادارے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آخری تعبیر خوارج نے اختیار کر لی' جو اسلام کا ابتدائی جمہوری گروہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جدید ترکی نے پہلی تعبیر چھوڑ کر دوسری تعبیر اختیار کر لی ہے' یعنی معتزلہ کا نظریہ جو عالمی امامت کو محض وقتی مصلحت سمجھتے تھے۔ ترکوں کا استدلال یہ ہے کہ ہمیں اپنے سیاسی فکر و نظر میں گزشتہ سیاسی تجربات کے مطابق عمل پیرا ہونا چاہیے۔ گزشتہ سیاسی تجربہ غیر مشتبہ طور پر واضح ہے کہ عالمی امامت کا تصور عملاً ناکام ہو چکا ہے۔ اس پر کاربند ہونا صرف اس وقت ممکن تھا جب مسلمانوں کی سلطنت متحد تھی۔ پھر اس سلطنت کا شیرازہ بکھرا اور خود مختار وحدتیں پیدا ہو گئیں۔ اب یہ تصور قابل عمل نہیں رہا اور یہ دور حاضر کی اسلامی تنظیم میں زندہ عامل کے طور پر کام نہیں دے سکتا"۔

مذہب حکومت کی علیحدگی بھی اسلام میں کوئی غیر مانوس تصور نہیں۔ امام کی "غیبت کبریٰ" کے عقیدے کے مطابق شیعہ ایران میں ایک لحاظ سے بہت پہلے یہ علیحدگی عمل میں آ چکی ہے۔ لیکن مذہبی و سیاسی وظائف کی تقسیم کے متعلق اسلامی تصور کو کلیسا اور

مملکت کی علیحدگی کے یورپی تصور سے خلط ملط نہ کرنا چاہیے۔ اسلام نے صرف وظائف کی تقسیم کی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں رفتہ رفتہ شیخ الاسلام اور وزراء کے مناصب پیدا ہو گئے یورپ میں یہ علیحدگی روح و مادہ کی مابعد الطبعی ثنویت پر مبنی ہے۔ مسیحیت ابتداء میں راہبوں کا ایک نظام تھی جسے معاملات دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا' اسلام ابتدا ہی سے ایک سول معاشرہ تھا جس کے سول قوانین تھے' اگرچہ اصلاً" ان کے متعلق الہامی ہونے کا عقیدہ تھا۔ مابعد الطبعی ثنویت نے جس پر یورپی تصور مبنی ہے۔ مغربی قوموں کے لیے نہایت تلخ ثمرات پیدا کیے۔ مدت ہوئی امریکہ میں ایک کتاب تصنیف کی گئی تھی جس کا نام تھا "اگر مسیح شکاگو آئے"۔ (Camelo Chicago) (If Christ) اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک امریکی مصنف لکھتا ہے:

> "مسٹر سٹیڈ (Stead) کی کتاب سے جو سبق حاصل کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ عالم انسانیت جن برائیوں کے ہاتھوں مصیبت میں پڑا ہوا ہے ان کا انسداد صرف مذہبی جذبات کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے' لیکن انسداد کا ضروری کام بڑی حد تک مملکت کے حوالے کر دیا گیا ہے پھر مملکت کا نظم و نسق ان سیاسی مشینوں کو سونپ دیا گیا ہے جو خرابی اور بداطواری کا سرچشمہ ہیں۔ ایسی مشینیں ان برائیوں کے انسداد کے لیے نہ صرف آمادہ ہیں بلکہ نااہل بھی ہیں۔ بے شمار انسانوں کو نکبت و فلاکت سے اور مملکت کو ذلت و پستی سے بچانے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں کہ فرائض عامہ کے متعلق شہریوں میں مذہبی بیداری پیدا کی جائے"۔

بہرحال مسلمانوں کے سیاسی تجربے کی تاریخ میں مذہب و مملکت کی علیحدگی صرف وظائف تک محدود تھی اصل تصورات سے اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا اسلامی ملکوں میں مذہب و مملکت کی علیحدگی کا مطلب یہ ہے کہ قانون سازی کے متعلق مسلمانوں کی سرگرمیاں عوام کے ضمیر سے آزاد ہو گئیں' جس نے صدیوں سے اسلامی روحانیت کی آغوش میں تربیت پائی ہے اور پھولا پھلا ہے۔ صرف تجربہ ہی بتا سکے

گا کہ دور حاضر کے ترکی میں یہ تصور کون سی عملی شکل اختیار کرتا ہے' ہم صرف دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اس سے وہ برائیاں پیدا نہ ہوں جو اس نے یورپ اور امریکہ میں پیدا کیں۔

میں نے ترکوں کی نئی اصلاحات پر اختصاراً جو بحث کی اس میں روئے سخن پنڈت جواہر لال سے زیادہ عام مسلمان خوانندگان کرام کی طرف تھا۔ جس نئی چیز کا ذکر پنڈت جی نے بہ طور خاص کیا ہے یہ ہے کہ ترکوں اور ایرانیوں نے نسلی اور قومی نصب العین اختیار کر لیے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ سمجھ رہے ہیں ایسے نصب العین اختیار کر لینے کا مطلب یہ ہوا کہ ترکی اور ایران اسلام سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ تاریخ کا طالب علم خوب جانتا ہے کہ اسلام کا ظہور ایسے زمانے میں ہوا تھا جب انسانوں کے درمیان اتحاد کے پرانے اصول مثلاً خونی رشتہ داری اور ملوکیت ناکام ثابت ہو رہے تھے۔ اسلام نے انسانوں کے درمیان اتحاد کی بنیاد خون اور ہڈیوں پر نہیں بلکہ انسانی قلوب پر رکھی۔ عالم انسانیت کے نام اس کا عمرانی پیغام یہ ہے: "نسلی قیود ختم کر دو' ورنہ خانہ جنگیوں میں تباہ ہو جاؤ گے"۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ اسلام فطرت کے نسل ساز منصوبوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور وہ اپنے خاص اداروں کے ذریعے سے ایک ایسا نقطہ نگاہ پیدا کرتا ہے جو فطرت کی نسل ساز قوتوں کا انسداد کرتا رہے گا۔ گزشتہ ایک ہزار سال کے اندر اس نے انسانی تربیت کے سلسلے میں ایسا کام انجام دیا جو مسیحیت اور بدھ مت کے دو ہزار سالہ کام سے بھی بدرجہا زیادہ اہم تھا' یہ واقعہ ایک معجزے سے کم نہیں کہ ہندوستان کا مسلمان مراکش پہنچتا ہے تو نسل اور زبان کے اختلاف کے باوجود اسے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ بہ ایں ہمہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام سرے سے نسل کا مخالف ہے' تاریخ سے ظاہر ہے کہ عمرانی اصلاحات کے سلسلے میں اسلام نسلی تعصب کو تدریجاً مٹانے کا قائل ہے اور وہ ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جس میں مزاحمت کا کم سے کم امکان ہو۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے: "ہم نے تمہیں نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا اس لیے کہ باہم پہچانے جاؤ (دراصل یہ تقسیم کوئی ذریعہ امتیاز نہیں اور خدا کے نزدیک امتیاز و

شرف اسی کے لیے ہے' جو سب سے زیادہ متقی یعنی زندگی میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہے"
۔ سورہ حجرات آیت نمبر13 یا یہا الناس انا خلقنکم من ذکر وا نثی و جعلنکم
شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ط ان اللہ علیم خبیر
○ غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ نسل کا مسئلہ بہت وسیع ہے' اور انسانوں میں سے
عصبیت کو ختم کرنے کے لیے بہت زیادہ وقت درکار ہے' لہٰذا اسلام نے اس مسئلے کے
متعلق ایسا طریقہ اختیار کیا کہ رفتہ رفتہ تعصبات و امتیازات مٹا دے اور خود نسل ساز
عامل نہ بنے یہی معقول اور قابل عمل طریقہ ہو سکتا ہے۔ سر آرتھر کیتھ Keith
Sir Arthur کی چھوٹی سی کتاب "مسئلہ نسل"
The problems of Race میں ایک نہایت عمدہ ٹکڑا ہے' جسے اقتباسا" یہاں
پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

> "اور اب انسان پر یہ حقیقت منکشف ہو رہی ہے کہ فطرت کا ابتدائی
> مقصد --- نسل سازی --- دور جدید کی اقتصادی دنیا کی ضرورتوں سے
> کوئی مطابقت نہیں رکھتا اور انسان اپنے دل سے پوچھ رہا ہے: مجھے کیا کرنا
> چاہیے؟ جس نسل سازی پر فطرت اب تک کاربند رہی کیا اسے ختم کروں
> اور دائمی امن حاصل کر لوں یا کیا فطرت کو کھلا چھوڑ دوں کہ وہ اپنے پرانے
> راستے پر بڑھی چلی جائے جس کا لازمی نتیجہ صرف ایک ہو گا یعنی جنگ۔ انسان
> کو پہلا یا دوسرا طریقہ چن لینا چاہیے' بین بین چلنا ممکن ہی نہیں"۔

غرض ظاہر ہے کہ اگر اتاترک کا محرک تورانیوں کا اتحاد ہے تو وہ روح اسلام کے
خلاف اتنا نہیں جا رہا جتنا روح زمانہ کے خلاف جا رہا ہے۔ اگر وہ نسلوں کی مطلقیت کا
معتقد ہے تو دور حاضر کی روح سے شکست کھائے گا جو روح اسلام کے عین پہلو بہ پہلو
جاری ہے۔ تاہم" میں نہیں سمجھتا کہ اتاترک تورانی اتحاد کے جذبے سے متاثر ہے۔
میں سمجھتا ہوں کہ یہ سلافی اتحاد' جرمنیت کے اتحاد اور اینگلو سیکشن اتحاد کے نعروں کا
صرف ایک سیاسی جواب ہے۔

جو کچھ میں اوپر لکھ چکا ہوں' اس کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا جائے تو یہ جان لینا مشکل نہیں کہ قومی نصب العین کے متعلق اسلام کی روش کیا ہے اگر قومیت کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ ہر شخص کو وطن سے محبت ہوتی ہے بلکہ وہ اس کی عزت کے لیے جان بھی دے سکتا ہے تو یہ قومیت مسلمانوں کے ایمان کا جزو ہے۔ اسلام سے قومیت کا تصادم اس وقت ہوتا ہے جب وہ ایک سیاسی تصور کا کردار اختیار کر لیتی ہے اور انسانوں کے اتحاد کا ایک اصول ہونے کی مدعی بن جاتی ہے۔ اس طرح مطالبہ کرتی ہے کہ اسلام محض ایک نجی عقیدے کے طور پر پس منظر میں چلا جائے اور قومی زندگی میں اس کے لیے زندہ عامل کی حیثیت باقی نہ رہے۔ ترکی' ایران' مصر اور دوسرے اسلامی ملکوں میں ایسا مسئلہ پیش ہی نہیں آ سکتا۔ ان ملکوں میں مسلمانوں کو بہت بڑی اکثریت حاصل ہے اور وہاں کی اقلیتیں ـــــ یہودی' مسیحی اور زرتشتی ـــــ شریعت اسلام کے مطابق "اہل کتاب" یا "مثل اہل کتاب" ہیں اور شریعت اسلام نے ان کے ساتھ عمرانی روابط قائم کر لینے کی آزادی دے دی ہے ان میں ازدواجی تعلقات بھی شامل ہیں۔ مسلمانوں کے لیے قومیت صرف ان ملکوں میں ایک مسئلہ بنتی ہے' جہاں وہ اقلیت میں ہیں اور قومیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کی مستقل ہستی بالکل مٹ جائے مسلم اکثریت والے ملکوں میں اسلامی قومیت کو گوارا کر لیتا ہے۔ کیونکہ ان ملکوں میں اسلام اور قومیت عملاً ایک ہیں' لیکن اسلامی اقلیت والے ملکوں میں تہذیبی وحدت کے طور پر مسلمانوں کے لیے خود مختاری کا مطالبہ بالکل حق بجانب ہے۔ دونوں صورتوں سے اسلام کو عین مطابقت ہے۔

سطور بالا میں دنیائے اسلام کی امروزہ حالت کا صحیح نقشہ خلاصتہً پیش کر دیا گیا ہے۔ اگر اسے ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ اسلامی اتحاد کے اساسات و معانی کسی خارجی یا داخلی قوت سے قطعاً متزلزل نہیں ہوتے' میں پہلے کھول کر بیان کر چکا ہوں کہ اسلامی اتحاد اسلام کے دو بنیادی عقیدوں پر مشتمل ہے ان میں پانچ مشہور ارکان اسلام کا اضافہ کر لینا چاہیے۔ یہ اسلامی اتحاد کے اساسی اجزاء ہیں اور یہ اتحاد رسول

اللہ (صلعم) کے عہد مبارک سے زمانہ حال تک قائم رہا۔ پچھلے دنوں اس میں ایران کے اندر بہائیوں نے اور ہندوستان کے اندر قادیانیوں نے خلا پیدا کیا۔ یہی اتحاد دنیائے اسلام میں عملاً یکساں روحانی فضا پیدا کرنے کا ضامن ہے۔ اسی کی بدولت اسلامی مملکتوں میں سیاسی اتحاد کے لیے سہولتیں مہیا ہوتی ہیں۔ مسلم مملکتوں کا اتحاد ایک عالمی مملکت کی صورت میں بھی اختیار کر سکتا ہے (اسے نصب العین سمجھنا چاہیے) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلم مملکتوں کی ایک جمعیت بن جائے یا متعدد خود مختار مملکتیں ایسے میثاق اور معاہدے کر لیں جو خالص سیاسی اور اقتصادی مصلحتوں پر مبنی ہوں۔ رفتار زمانہ سے اس سادہ مذہب کے تصوراتی نظام کے تعلق کی یہ کیفیت ہے۔ اس تعلق کی گہرائی کا اندازہ قرآن مجید کی خاص آیات ہی کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے' لیکن یہاں ان کی تفصیل ممکن نہیں کیونکہ اس معاملے سے انحراف کرنا پڑے گا جو اس وقت ہمارے سامنے ہے' سیاسی اعتبار سے اسلامی اتحاد صرف اس وقت متزلزل ہوتا ہے جب اسلامی مملکتیں ایک دوسرے جنگ کرتی ہیں اور مذہبی اعتبار سے اس وقت متزلزل کی نوبت آتی ہے جب مسلمان بنیادی عقیدوں اور ارکان خمسہ سے انحراف کریں۔ اس ابدی اتحاد کے مفاد کا تقاضا یہی ہے' اپنے حلقے کے اندر کسی سرکش گروہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ البتہ اس حلقے سے باہر ایسے گروہ کے ساتھ رواداری کا وہی برتاؤ کیا جائے گا جو دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے مرعی رکھا جاتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فی الوقت اسلامی ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے یہ سیاسی اتحاد کی ایک صورت سے منتقل ہو کر دوسری صورت کی طرف جا رہا ہے' جس کا تعین ابھی تک تاریخ کی قوتوں نے نہیں کیا۔ دنیائے حاضرہ میں واقعات ایسی تیزی سے پیش آ رہے ہیں کہ کوئی پیش گوئی کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اگر سیاسی اعتبار سے دنیائے اسلام متحد ہو گئی تو غیر مسلموں کے متعلق اس کی روش کیا ہو گی؟ اس سوال کا جواب صرف تاریخ ہی دے سکتی ہے۔ میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اسلام یورپ اور ایشیا کے عین درمیان واقع ہے اور یہ زندگی کے متعلق مشرق و مغرب کے نقطۂ نگاہ کا امتزاج ہے۔ اس کو مشرق و مغرب کے درمیان ایک قسم کا واسطہ بننا چاہیے'

لیکن اگر اہل یورپ کی حماقتوں نے مسلمانوں سے مصالحت ناممکن بنادی تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یورپ میں آج کل روز بروز جو حالات پیش آ رہے ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے متعلق یورپ کی روش میں بنیادی تبدیلی ہو جائے۔ ہم صرف یہی دعا کر سکتے ہیں کہ سامراجی حرص یا اقتصادی استحصال کے تقاضے سیاسی بصیرت پر پردہ نہ ڈال دیں۔

جس حد تک ہندوستان کا تعلق ہے' میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کے مسلمان کسی ایسے سیاسی نظریے کے روبرو سر تسلیم نہ کریں گے جو ان کی مستقل تہذیبی حیثیت کو تباہ کر دے۔ مستقل تہذیبی حیثیت کے متعلق اطمینان ہو جائے تو مذہب اور حب وطن کے تقاضوں میں ہم آہنگی کرنے کے لیے ان پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

میں ہز ہائی نس آغا خاں کے متعلق بھی ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ میرے لیے یہ معلوم کرنا دشوار ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے آغا خاں کو کیوں حملے کا نشانہ بنایا۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ قادیانی اور اسماعیلی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں' وہ بظاہر اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ اسماعیلیوں کی فقہی تاویلات کتنی ہی غلط کیوں نہ ہوں' اسلام کے بنیادی اصول پر ان کا ایمان ہے۔ بلاشبہ وہ دائمی امامت پر اعتقاد رکھتے ہیں' لیکن ان کے نزدیک امام ربانی الہام کا حامل نہیں ہوتا بلکہ صرف شریعت کا شارح ہوتا ہے۔ کل ہی کی بات ہے (ملاحظہ ہو سٹار Star الہ آباد 12 مارچ 1934ء) ہز ہائی نس آغا خاں نے اپنے پیروؤں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"شہادت دو کہ اللہ ایک ہے (اشہد ان لا الہ الا اللہ) شہادت دو محمد اللہ کے رسول ہیں (اشہد ان محمداً رسول اللہ) قرآن اللہ کی کتاب ہے' کعبہ سب کا قبلہ ہے۔ تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کے ساتھ تمہیں رہنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سلام' السلام علیکم کہہ کر کرو اپنے بچوں کے نام اسلامی رکھو۔ مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرو۔ روزے پابندی سے رکھو۔ اپنی شادیاں اسلامی قانون نکاح کے مطابق کرو۔ تمام مسلمانوں کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک روا رکھو"۔

اب پنڈت جواہر لال نہرو فیصلہ فرمائیں کہ آیا آغا خاں اسلامی اتحاد کی نمائندگی کر رہے ہیں یا نہیں۔ علامہ اقبال کے مندرجہ بالا بیانات پر آغا شورش کاشمیری نے اپنے مخصوص انداز میں حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

"علامہ کے ان دونوں بیانوں نے قادیانیت کو مسلمانوں کی ذہنی فضا سے نکال باہر کیا اور قادیانی قلعہ مسمار ہوگیا۔ علامہ ان بیانوں کے بعد کچھ دن کم تین سال زندہ رہے' اگر پاکستان بن جانے تک زندہ رہتے تو اغلب تھا کہ مرزائی امت آغاز ہی میں اقلیت کا درجہ پا جاتی۔ ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ نہ ہوتا اور قادیانی پاکستان میں اقتدار حاصل نہ کرتے جو مختلف الاصل سازشوں کا محرک ہوا پاکستان میں نہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت چلتی نہ مسلمانوں کا خون ارزاں ہوتا' نہ مارشل لاء لگتا' نہ ملک عسکری چنگل میں جاتا' نہ دولخت ہوتا' نہ قادیانیت عرب ملکوں میں صیہونیت کا ششی ہوتی۔ نہ عالمی سامراج اس سے گٹھ بندھن کرتا اور نہ عالمی سامراج کا آلہ کار ہونے کی حیثیت میں اسے کوئی حوصلہ ہوتا۔

علامہ اقبال کی رحلت کے بعد ملکی سیاست کے رجعتی مسلمانوں اور سرکاری دوائر کے لادین فرزندوں نے قادیانیت کی طرفداری کا ڈول ڈالا۔ جب پاکستان بنا تو ظفراللہ خاں قادیانیت کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہوگیا۔ قائداعظم کی وفات کے بعد سرکاری افسروں کی عیاشی اور بعض وزراء کی لادینی رنگ لائی۔ ان خواص ہی کی بدولت مرزائی مسلمانوں کی صف میں شامل ہوگئے۔ کئی ایک دانشوروں نے تنور شکم کا ایندھن لے کر سرکاری مسلک کی اعانت کا ناد پھونکا' لیکن کسی میں یہ حوصلہ نہ تھا کہ مرزائیوں کو مسلمان کہنے کے لیے عوام سے ہمکلام ہو وہ ان مجاہدین کے خلاف گل کترتے یا زہر اگلتے جو قادیانیت کا تعاقب کرتے اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ گردانتے تھے۔

سب سے افسوسناک پہلو یہ تھا کہ جو لوگ فہم و نظر کے میدانوں میں علامہ اقبال کے وارث کہلا رہے تھے اور ان کے سوانح و افکار کو اپنی ملکیت قرار دیتے' انہوں نے ایک آدھ استثنا کے سوا اس بات میں علامہ اقبال سے فرار کیا بلکہ صحیح تر یہ کہ غداری کی۔ علامہ اقبال کا عشق ختم المرسلینؐ' عام مسلمانوں کے دل میں راسخ ہو چکا تھا اور من حیث الجماعت وہ قادیانیوں کے اسلام پر صاد کرنے کو تیار نہ تھے"۔

("تحریک ختم نبوت" ص 98 ' 130 از شورش کاشمیری)

خلاصہ

علامہ اقبال نے قادیانیت کا محاسبہ فرماتے ہوئے لکھا تھا:

"اس سے قبل اسلامی موقت نے حال ہی میں جن دو صورتوں میں جنم لیا ہے' میرے نزدیک ان میں بہائیت' قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے۔ کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے لیکن موخرالذکر اسلام کی چند اہم صورتوں کو قائم رکھتی ہے لیکن باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے مہلک ہے۔ اس کا حاسد خدا کا تصور' جس کے پاس دشمنوں کے لیے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہیں۔ اس کا نبی کے متعلق نجومی کا تخیل اور روح مسیح کے تسلسل کا عقیدہ وغیرہ یہ تمام چیزیں اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہیں گویا یہ تحریک ہی یہودیت کی طرف رجوع ہے"۔

("حرف اقبال" ص 115 مولفہ لطیف احمد شروانی)

حکیم الامت نے تحریک احمدیہ کو یہودیت کا چربہ یوں ہی نہیں فرمایا بلکہ اس بارے میں ان کے پاس وسیع معلومات' ٹھوس حقائق اور ناقابل تردید دستاویزاتی ثبوت موجود تھے۔ 1935ء میں بیروت یونیورسٹی کے ایک صیہونی پروفیسر ہنری لیمنس کی ایک کتاب "اسلام" منظر عام پر آئی۔ مولف نے اس میں آمد مسیح کے معتقدات' امام مہدی کے

متعلق عقائد اور اسلامی فلسفہ جہاد پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس نے مرزائی نظریات کی دل کھول کر تعریف کی اور نظریہ جہاد کی منسوخی کے بارے میں لکھا۔

"جہاد کے متعلق سلسلہ احمدیہ کی طرف سے جو تعلیم دی جاتی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس جماعت کی طرف سے درحقیقت اصلاح کی کوشش کی جا رہی ہے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان' 13 ستمبر 1935ء بحوالہ "قادیان سے اسرائیل تک")

مرزا صاحب اپنی اندرونی کیفیت اور باطنی اضطراب کو ایک وحی میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"خدا نے فرمایا تیری جماعت کے لوگوں کو جو مخلص ہیں اور بیٹوں کا حکم رکھتے ہیں' میں بچاؤں گا۔ اس وحی میں خدا نے مجھے اسرائیل قرار دیا اور مخلص لوگوں کو میرے بیٹے۔ اس طرح وہ بنی اسرائیل ٹھہرے"۔

(اشتہار 21 اپریل 1905ء بحوالہ "الفضل" 4 اکتوبر 1947ء)

مراکش کے مشہور ریسرچ سکالر ڈاکٹر عبدالکریم غلاب کے بقول:

"یہودیوں نے سنت نبوی' رسالت' جہاد اور روح کے موضوعات پر جس قدر علمی اور تحقیقی بددیانتیاں کیں' کادیانیت ان کا بروز مجسم ہے"۔

یروشلم یونیورسٹی میں دانشوروں کا ایک گروپ شوڈ (Shod) ڈاکٹر میکسن کے تعاون سے کادیانی اور یہودی فلسفہ کی ممکنہ تطبیق و اشتراک پر کام کرتا رہا۔ 1927ء میں ایک آسٹروی یہودی جج' الیگزینڈر والڈام نے ایک دلچسپ مضمون "اسلام کی طرف جدید صیہونی راستہ اور احمدیہ تحریک" کے عنوان سے قلمبند کیا۔ 1946ء میں کادیانی مبلغ فلسطین چوہدری محمد شریف نے مرکز کو جو رپورٹ پیش کی' اس میں خاص طور پر یروشلم یونیورسٹی کی ایک یہودی خاتون سکالر مسز ایلیشے روبیل کے احمدیت کے لیے اخبارات میں مضامین لکھنے کا ذکر کیا ہے۔

کادیانی وحی ساز نے حضرت مسیح علیہ اسلام کی کردار کشی کی جو مذموم مہم چلائی۔ یہ

سوچ بھی درپردہ اینگلو اسرائیلی مسیح موعود اور اس مکتب فکر کے مصنفین سے مستعار ہے۔ اس کے ماخذ' جان ولسن کی تالیف "ہمارا اسرائیلی ورثہ"۔ ___ "دس گم شدہ قبائل کی برطانوی اقوام سے مشابہت" کے مصنفین ایف آر گوور اینڈ ایڈورڈ ہائن ــــ اور ڈبلیو کارپینٹر' امریکہ کے ڈبلیو ایچ پول' سی۔ پی سمائتھ' جی ڈبلیو گرین وغیرہ کے مقالے ہیں ـــــ یہواہ وٹنس تحریک اور امریکہ کی واچ ٹاور سوسائٹی بھی اس کی کڑیاں تھیں ــــ

"یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مرزا صاحب نے جو یہ نظریہ پیش کیا کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر تو چڑھائے گئے لیکن بے ہوشی کے عالم میں اتار لیے گئے' سب سے پہلے ایک یہودی "ونطوریتی" نے پیش کیا"۔

"یہ بات غور طلب ہے کہ ان تمام یہودیوں نے بھی دعویٰ کیا کہ مسیح علیہ السلام جو ـــ واقعہ صلیب سے نکل ہندوستان آئے اور کافی عرصہ یہاں قیام کیا۔ راسی کرشن سلسلہ کی سپریم گرینڈ لاج کے لیے فورنیا امریکہ کے ایک فاضل ڈاکٹر ایچ لیوس سپنر نے ایک کتاب "مسیح کی پراسرار زندگی" میں مسیح علیہ السلام کے ہند آنے اور ہندو جوگیوں کی مریدی کا ذکر کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ آپ جگ ناتھ جی کی یاترا کے لیے بنارس گئے اور ہندوؤں کے کئی شعبدے اور عجیب وغریب کمالات سیکھے اور فلسطین چلے گئے"۔

عجمی نبوت کے دعویدار مرزا آنجہانی نے اپنے رویاء کی بنیاد پر فقط اتنا اضافہ کیا کہ "اور فلسطین چلے گئے" کے الفاظ کاٹ دیئے اور اعلان فرمایا کہ آپ محلہ خانیار' سری نگری (کشمیر) میں مدفون ہیں۔

اسی طرح علاقائی تحریک (یسوعیت کے لیے) کا ایک اور علمبردار جان الیگزینڈر ڈوئی تھا۔ جو آسٹریلیا کا باشندہ اور روحانی معالج ہونے کا مدعی تھا۔ اس نے کرسچن اپاسٹولک چرچ میں صیہونیت کی بنیاد رکھی ہے ـــ ڈوئی صیہون شہر کا جنرل اوور سیئر تھا۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ وہ یہودی سلسلہ کے آخری نبی ملاکی کا حواری ہے۔ 1901ء میں

جب قادیان میں مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا' ڈوئی نے امریکہ میں ایلیاء نبی ہونے کا دعویٰ کیا' جو یہودی تعلیمات کے مطابق مسیح موعود سے قبل ظاہر ہو گا۔

یہ رویہ اور معاونت انتہائی حیران کن ہے کہ جب مرزا صاحب نے 1902ء کے بعد 1904ء میں اس (ڈوئی) کو دعوت مقابلہ دی تو امریکہ کے بتیس کثیرالاشاعت اخبارات میں یہودیوں کی طرف سے قادیان کے روحانی مقابلہ کو سراہا گیا اور اظہار مسرت کے ساتھ ساتھ اعلانات بھی شائع کروائے۔ یہود نے اپنے قومی مصلح سے مخالفت اور مرزائی دروغ باف کی موافقت کیوں کی؟ معلوم یوں ہوتا ہے' گویا دونوں بساط شطرنج کے استادہ مہرے تھے اور شاطر کی چال یہ تھی کہ انڈین مسلمان اس کے دعاوی سے مرعوب و متاثر ہو کر جبین نیاز جھکا دیں۔ کیا مسیلمہ ثانی سامراجی قوتوں کا سیاسی ایجنٹ تھا؟ جواب ایک موقر مرزائی جریدہ کے صفحات پر تلاش کرتے ہیں۔ ایک بار پنجاب کے فنانشل کمشنر مسٹر ولسن اور گورداسپور کے یہود نواز ڈپٹی کمشنر سی۔ ایم کنگ بنفس نفیس قادیان گئے۔ تخلیہ میں بات چیت ہوئی۔ اخبار ''الحکم'' قادیان خیر مقدم نمبر نکال کر قادیانی جماعت کی طرف سے سرکار انگریزی کو بھرپور حمایت کا یقین دلایا اور گورنمنٹ انگلشیہ کے برکات و محاسن کو ممالک اسلامیہ میں پھیلانے کے عہد کی تجدید کی۔ درون خانہ پختہ وپز کے بعد سیاسی مناکحت کے نئے رشتے استوار ہوئے اور مالی امداد کی نئی راہیں کھلیں۔

علامہ اقبال کی تشخیص

1984ء میں امتناع قادیانیت آرڈیننس کے نفاذ کے بعد حکومت نے فتنہ قادیانیت کی اسلام اور وطن دشمن سرگرمیوں سے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے ایک پمفلٹ شائع کیا۔ اس میں قادیانی جماعت کے بارے میں علامہ اقبال کے ذاتی تاثرات کو جامع اور موثر انداز میں پیش کیا گیا۔

"جب سے مرزا غلام احمد کی تحریروں میں انحراف کے اولین آثار نظر آنے لگے۔ سچے مسلمانوں نے واضح طور پر اس بات کا اظہار کر دیا کہ مرزا

اور ان کے پیرو کافر ہیں اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ باقی علماء کے مقابلے میں علامہ اقبال ان پر زیادہ سختی سے معترض تھے۔ وہ انھیں اسلام کا غدار کہتے ہیں۔ اگرچہ علمائے دین کا ایک بڑا طبقہ ایسا تھا جس نے مرزا کے ارادوں کو ان کے مذہبی منصب کو ابتداء ہی میں بھانپ لیا تھا۔ تاہم بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں عام لوگوں نے ان کے حتمی ارادوں کو سمجھا۔ علماء اپنی دینی بصیرت کے بل بوتے پر کادیانی مسئلہ کو مذہبی ہتھیاروں سے حل کرنے میں مصروف تھے کیونکہ ان کی نگاہ میں ایک خالصتاً "مذہبی تحریک تھی اور وہ اس کے مقابلے کے لیے ویسے ہی ہتھیار لے کر میدان میں اترے تھے۔ غالباً علامہ اقبال پہلے شخص تھے جنھوں نے اس تحریک کے چہرے سے نقاب اٹھایا۔ ان کا خیال تھا کہ بانی تحریک کے "الہامات" کی باحتیاط نفسیاتی تحلیل شاید اس کی شخصیت کی اندرونی زندگی کے تجزیے کے لیے موثر ثابت ہو سکے۔ قادیانی تحریک کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کی مذہبی فکر کی تاریخ میں احمدیت کا کردار یہ ہے کہ ہندوستان کی موجودہ سیاسی محکومی کے لیے ایک الہامی بنیاد مہیا کی جائے۔ کادیانیوں کے سیاسی کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں "یہ بات بھی اتنی ہی درست ہے کہ کادیانی بھی ہندی مسلمانوں کی سیاسی بیداری پر پریشان ہو رہے ہیں کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ہندی مسلمانوں کے سیاسی وقار میں اضافہ' ان کے اس ارادے کو کہ وہ رسول عربی کی امت میں سے ہندوستانی نبی کی امت تراش لیں' یقیناً ناکام بنا دے گا"۔

شاید علامہ اقبال ہی تھے جنھوں نے پہلی بار اس مسئلے کا آئینی حل تجویز کیا۔ ایک استعماری قوت کی حاکمیت کے ان دنوں میں اس مسئلے کا اس سے بہتر کوئی حل ممکن نہ تھا۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

"ہندوستان کے حکمرانوں کے لیے بہترین طریق کار میرے خیال میں یہ

ہے کہ وہ قادیانیوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دے دیں۔ یہ بات خود قادیانیوں کے اپنے طریق کار کے عین مطابق ہوگی اور ہندوستانی مسلمان ان کو ویسے ہی برداشت کر لیں گے جیسا کہ وہ باقی مذہبوں کے پیروؤں کو برداشت کرتے ہیں"

علامہ اقبال کا تجویز کردہ حل جلد ہی ہندی مسلمانوں کا ایک مشترکہ مطالبہ بن گیا لیکن اس کا امکان نہ تھا کہ برطانوی حکومت اسے قبول کر لے کیونکہ قادیانیت کی تحریک خود بانی تحریک کے الفاظ میں "حکومت برطانیہ کا خود کاشتہ پودا تھی"۔

("قادیانیت اسلام کے لیے سنگین خطرہ" ص 36-37، شائع کردہ مطبوعات پاکستان، پوسٹ بکس نمبر 1K12، اسلام آباد، پاکستان)

تیسرا باب

مرزائیت کا دوسرا دور

- بین الاقوامی سطح پر کادیانی جماعت کا تعارف اور قیام
- فلسطین میں اسرائیل کا ناسور اور کادیانیت کا ظہور
- کادیانیوں کے یہودیوں سے روابط اور تعلقات کا تجزیہ
- اسرائیل میں کادیانی مشن کے دستاویزی ثبوت
- کادیانی مشن کے مقاصد' خدمات اور حقائق

مرزائیت کا بین الاقوامی سطح پر تعارف

مرزا غلام احمد کادیانی مدعی نبوت برائے تنسیخ جہاد کے فرزند مرزا بشیر الدین محمود (میاں محمود احمد) نے اپنے آنجہانی باپ کے بعد احمدیہ تحریک کو برطانوی وفاداری بشرط استواری کے اصول کے تحت منظم و مستحکم کیا' اور اسے ایک ایسی سازشی تحریک کے قالب میں ڈھالا' جو خالصتاً" تاج برطانیہ کی اطاعت اور خدمت گزاری پر مامور رہی۔ مرزا بشیر الدین محمود نے برطانوی امپریلزم کی خدمت شعاری میں کادیانی جماعت کو بین الاقوامی خطوط پر ہموار کیا تاکہ ہندوستان کے علاوہ عالم اسلام کے جن ممالک میں انگریزی سامراج اپنے قدم جما رہا ہے وہاں اس کے مخصوص مفادات کے تحفظ کے لیے' اس کے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیے جا سکیں' عالم اسلام کو نو آبادی نظام میں جکڑنے کے لیے کادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے لندن میں اپنی جماعت کا دفتر قائم کیا۔ تاکہ جاسوسی اداروں کو منظم کر کے صیہونی سازشوں کو پروان چڑھایا جا سکے' اور عربوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ کر انگریزوں کے قدم اور یہودیوں کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں۔

25 نومبر 1917ء کو مرزا محمود یہودی وزیر ہند مسٹر مانٹیگو سے خصوصی ملاقات کر کے اپنا عندیہ ظاہر کر چکے تھے کہ ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کی اجازت نہ دی جائے۔ قبل ازیں نو کادیانی ممبروں پر مشتمل ایک وفد نے 15 نومبر 1917ء کو دہلی میں وزیر ہند اور وائسرائے ہند کو ایک ایڈریس بھی پیش کیا تھا اور استدعا کی گئی کہ آزاد حکومت (Self Government) قلیل التعداد جماعتوں کے لیے ہلاکت خیز ہے' لہٰذا یہ پروگرام موقوف کیا جائے۔

- مولف تاریخ احمدیت' مرزا محمود احمد صاحب کے دورۂ فلسطین (جولائی' اگست 1922ء) کے واقعات کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

> "حضور فرماتے ہیں وہاں کے بڑے بڑے مسلمانوں سے ملا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ وہ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہودیوں کو نکالنے میں کامیاب ہو

جائیں گے۔ مگر میرے نزدیک ان کی رائے غلط ہے۔ یہودی قوم اپنے آبائی ملک پر قبضہ کرنے پر تلی ہوئی ہے...... قرآن شریف کی پیش گوئیوں اور حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی ضرور اس ملک فلسطین میں آباد ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔ حاشیے میں مندرج ہے۔ "بعد کے واقعات نے حضور کے الفاظ کی لفظاً" لفظاً" تصدیق کر دی"۔۔۔۔

"تاریخ احمدیت" جلد پنجم، ص ۱۰۰

یہ بیان خلاف توقع یا حیرت انگیز نہ تھا۔ قادیانی طائفہ کے یہودیوں سے ہمیشہ گہرے روابط رہے۔ قادیانی آرگن "الفضل" اس سے بھی تین سال پہلے لکھ چکا تھا۔

"اگر یہودی اس لیے بیت المقدس کی تولیت کے مستحق نہیں کہ وہ جناب مسیح علیہ السلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے منکر ہیں اور عیسائی اس لیے غیر مستحق ہیں کہ انہوں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا ہے تو یقیناً یقیناً غیر احمدی (مسلمان) بھی مستحق تولیت بیت المقدس نہیں کیونکہ یہ بھی اس زمانے میں مبعوث ہونے والے خدا کے اولوالعزم نبی (مرزا غلام احمد قادیانی) کے منکر اور مخالف ہیں۔ اور اگر کہا کہ حضرت مرزا صاحب کی نبوت ثابت نہیں تو سوال ہوگا کہ کن کے نزدیک اگر جواب یہ ہو کہ نہ ماننے والوں کے نزدیک تو اسی طرح یہود کے نزدیک "مسیح" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیحیوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی ثابت نہیں۔ اگر منکرین کے فیصلہ سے ایک نبی غیر نبی ٹھہر جاتا ہے تو کروڑوں عیسائیوں اور یہودیوں کا اجماع ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسول نہ تھے۔ پس اگر ہمارے غیر احمدی بھائیوں کا یہ اصول درست ہے کہ بیت المقدس کی تولیت کے مستحق تمام نبیوں کے ماننے والے ہی ہو سکتے ہیں تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ احمدیوں

کے سوا' خدا کے تمام نبیوں کا مومن اور کوئی نہیں"۔

("الفضل" قادیان' جلد نمبر 9' نمبر 36' 7 نومبر 1921ء)

فلسطین میں خفیہ بات چیت' سیاسی سازباز اور یہودی وطن کے قیام میں گہری دلچسپی کی نوعیت خود مرزا محمود احمد صاحب کے بقول:

"فلسطین کے گورنر ہائی کمشنر کہلاتے ہیں' اصل ہائی کمشنر آج کل ولایت گئے ہوئے ہیں ان کی جگہ سر گلبرٹ کلیٹن کام کر رہے ہیں۔ میں ان سے ملا تھا۔ ایک گھنٹہ تک ان سے کمل معاملات کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔۔۔ سر کلیٹن صاحب کو پہلی ملاقات میں ہمارے سلسلے (مرزائیت) سے بہت ہی دلچسپی ہو گئی اور گو ہم نے دوسرے دن روانہ ہونا تھا مگر انہوں نے اصرار کیا کہ ڈیڑھ بجے ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں۔ چنانچہ ڈیڑھ گھنٹہ تک دوسرے دن بھی ان کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی اور فلسطین کی حالت کے متعلق بہت ہی معلومات مجھے ان سے حاصل ہوئیں"۔

("تاریخ احمدیت" جلد نمبر 5' ص 411)

یاد رہے یہ وہی گلبرٹ کلیٹن ہے جو مصر میں برٹش ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ فلسطین پر قبضہ جمانے میں جنرل ایلن بی کا مشیر خاص اور لارنس آف عریبیا کا معتمد معاون بھی رہا...... اصل ہائی کمشنر فلسطین سر ہربرٹ سیموئیل (1870ء - 1963ء) تھا۔ بعد میں اس کی شہرت وائی کونٹ سیموئیل کے نام سے ہوئی۔ یہ یہود برادری کا ایک ممتاز فرد اور تحریک احیائے یہودیت کا روح رواں تھا۔

("لارنس آف عربیا" بحوالہ "قادیان سے اسرائیل تک" از مولانا سمیع الحق' ص 94)

ریکارڈ گواہ ہے کہ جیوش ایجنسی کے سربراہ بن گوریان اور ایجنسی کی خارجہ سیاست کے شعبہ کے صدر وکٹر آرلوسوروف نے بھی ان کے دورۂ فلسطین اور سرگرمیوں میں واضح دلچسپی کا اظہار کیا اور مراسلت ہوئی۔ مرزا محمود معہ اپنے حواریوں کے لندن یاترا کے بعد اور دمشق روانگی سے قبل' یہودی اکابرین کو ان کی ریاست کے قیام کا مژدہ سنا

چکے تھے۔۔ ظفر اللہ خان اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں۔

"...... کیابیر سے ہم یروشلم گئے۔ ایڈن ہوٹل میں قیام ہوا۔ السید محی الدین الحسنی دو تین عرب زعماء کو مجھ سے ملنے کے لیے ایڈن ہوٹل آ گئے۔ ان حضرات نے مشورہ دیا کہ میں اپنا قیام ولا روز میری میں' جو ایک عرب ہوٹل ہے' منتقل کرلوں۔ کہا ایڈن ہوٹل میں آزادی سے بات چیت نہ ہو سکے گی۔ اور ولا روز میری میں ہمارے لوگ بلاتکلف تمہیں مل سکیں گے اور آزادی سے بات چیت کر سکیں گے۔ چنانچہ میں ولا روز میری میں منتقل ہو گیا۔ تین دن وہاں ٹھہرا۔ اس طرح زعماء سے ملاقاتیں ہوئیں اور مسئلہ فلسطین کے مختلف پہلوؤں کے متعلق عرب نقطہ نگاہ سے واقفیت ہوئی۔ عرب اداروں کے دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ عرب نقطہ نگاہ کو تفصیلی اور واضح طور پر مسٹر ہنری کیٹان نے بیان کیا جو فلسطین کے وکلاء میں بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے ان کے ساتھ بعد میں بھی بیروت اور دمشق میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کیابیر سے یروشلم آتے ہوئے راستے میں کچھ یہودی بستیاں پڑتی تھیں۔ ان کو بھی دیکھا۔ یروشلم میں یہودی ادارے بھی دیکھے۔۔۔۔۔۔ یہودی ایجنسی کے ڈاکٹر کوہن سے بھی ملاقات اور تبادلہ خیالات ہوا۔ اسرائیلی سرگرمیوں کو دیکھ کر میرا تاثر یہ تھا کہ جس سرعت سے یہ لوگ اپنے پاؤں جما رہے ہیں اس کا نتیجہ عربوں کی پسپائی ہوگا"۔

("تحدیث نعمت" از سر ظفر اللہ خان' مطبوعہ لاہور' ص 488)

"مارچ 1928ء میں جب فلسطین برطانوی انتداب میں تھا' ایک قادیانی مبلغ جلال الدین شمس وہاں پہنچے۔۔۔۔ 1930ء میں فلسطین کے علاقہ حیفہ کے صالح عبدالقادر عودہ اور ان کا خاندان قادیانیت کی آغوش میں چلا گیا۔ شام کے بعض سرکردہ قادیانی بھی فلسطین آ گئے۔ اس طرح شمس کو پہلے سے بنی بنائی ایک جماعت مل گئی۔ شمس نے فلسطین پہنچ کر یہودی ہائی کمشنر فیلڈ

مارشل ہربرٹ پلومر سے ملاقات کر کے ہدایات لیں۔ مرزا محمود اس اہم مشن کے قیام کے متعلق انڈیا آفس، وائسرائے ہند لارڈ اروِن، دفتر نوآبادیات لندن وغیرہ میں اطلاعات روانہ کر چکے تھے..... صیہونی یہود کے مفادات کی نگران جیوش ایجنسی نے قادیانی مشن کے قیام پر اطمینان کا اظہار کیا۔ مرزا محمود نے جلد ہی فلسطین مشن کو مشرق وسطیٰ کے ہیڈ کوارٹرز کا درجہ دے دیا..... فلسطین میں جلال الدین شمس نے گوناگوں سازشیں کیں۔ نئے یہودی ہائی کمشنر سر جان چانسلر کے مظالم کے خلاف فلسطین کے مسلمانوں نے مفتی اعظم فلسطین کی قیادت میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے زبردست تحریک کا آغاز کر چکے تھے۔ اس تحریک کو جہاد قرار دیا جاتا تھا۔ شمس نے شرمناک قادیانی عقائد کے پرچار کے علاوہ ایک رسالہ "الجہاد الاسلامی" تالیف کیا جو مرزا غلام احمد کے رسالے "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" کا چربہ تھا۔ اس میں انہوں نے جہاد کو حرام قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس تباہ کن پروپیگنڈے سے عیاں ہوتا ہے کہ فلسطین کے مظلوم مسلمان مذہبی اور سیاسی دونوں لحاظ سے قادیانی مشن کی استحصالی زد میں تھے"۔

("قادیان سے اسرائیل تک" ص 113 از مولانا سمیع الحق صاحب)

جب غیور فلسطینی مسلمان برطانوی سامراج سے برسرپیکار اور یہودی ریاست کے قیام میں مزاحم ہوئے تو قادیانی شرپسند اس سعی مذموم میں سرگرم عمل تھے کہ یہاں مذہبی مناظرہ بازی کو ہوا دے کر تحریک جہاد کا رخ مرزائی فتنہ کی سرکوبی کی طرف موڑ دیں۔ بقول مؤلف تاریخ احمدیت۔

"ان دنوں (1934ء) اس مشن کے انچارج مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری تھے۔ جنہوں نے عرب ممالک میں تبلیغ اسلام واحمدیت کی کوششیں اس سال پہلے سے زیادہ تیز کر دیں اور مناظروں اور مباحثوں کے ذریعے خاص طور پر احمدیت کا سکہ بٹھا دیا"۔

("تاریخ احمدیت" جلد نمبر 7، ص ۱۴۴)

فلسطینی مسلمانوں کے جائز مطالبات کی حمایت میں 3 ستمبر 1937ء کو مجلس عمل آف انڈیا فلسطین کانفرنس نے بڑے زور و شور اور جرات ایمانی کے ساتھ یوم فلسطین منایا۔ جلوس نکالنے اور کانفرنس منعقد کرنے کا مقصد یہ تھا کہ برطانوی گورنمنٹ کو اس مسئلے کی اہمیت و نزاکت کا احساس دلایا جائے اور مسلمانان ہند کے اس بارے میں جذبات و احساسات سامراجی قوتوں تک پہنچیں اور یہ کہ ہمارے فلسطینی بھائی ہمیں اپنے دکھ درد میں برابر کا شریک سمجھیں مگر قادیانی پرچہ نے اسے بھی نشانہ تنقید و استہزا بنایا اور کلکتہ میں منعقد ہونے والی فلسطین کانفرنس اور اس کی قراردادوں پر خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

"اب ان قراردادوں کو عملی جامہ پہنانے کے نام سے چندہ طلب کیا جائے گا اور پھر اگر وہ اسی مقصد کے لیے صرف کیا جائے تو بھی یہ بے نتیجہ کام ہو گا نہ لیگ آف نیشن میں شنوائی ہوگی' نہ یورپین ممالک ہندوستانی مسلمانوں کے وفد کے پہنچنے پر فلسطین کو برطانیہ کے انتداب سے آزاد کرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے' نہ برطانیہ اپنی پالیسی بدلنے کے لیے تیار ہو گا' پھر اس ضیاع مال و اوقات سے کیا فائدہ؟ اور اس طرح اپنی بے وقری کرانے کی کیا ضرورت؟ مگر کوئی نہ کوئی شاخسانہ اس قسم کا کھڑا ہی رہتا ہے اور مسلمانان ہند ناکامیوں اور نامرادیوں کے کچھ ایسے عادی ہو چکے ہیں کہ انہیں ناکامی کا کچھ احساس نہیں ہوتا اور اس طرح روز بروز ان کی قوت عمل سلب ہوتی جا رہی ہے۔ کاش وہ لوگ جو مسلمانوں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں' اس طرف توجہ کریں اور بے نتیجہ باتوں میں مسلمانوں کو الجھانے اور ان کا مالی اور جانی نقصان کرانے کی بجائے ان کی اندرونی اصلاح و ترقی کے لیے کوشش کریں۔ ان کی تعلیم اور اتحاد کو مضبوط بنائیں تاکہ مسلمان زندہ قوم کہلائیں اور ان کی کسی بات کا کسی پر اثر بھی ہو۔"

("الفضل" قادیان' 10 ستمبر 1937ء)

آزادی فلسطین کے لیے مجاہدین کی تحریک جہاد' قادیانی اکابرین کے نزدیک غنڈہ گردی کا درجہ رکھتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کاران مرزائیت قیام اسرائیل کے خواہش مند تھے اور حتی المقدور کوشش بھی کی۔ مندرجہ ذیل اقتباس پر توجہ مبذول کریں۔

"فلسطین میں قتل و غارت اور دہشت انگیزی پھیلانے والے لوگوں کی جماعت اکثر شام کی سرحد کو عبور کر کے فلسطین میں داخل ہوتی تھی اور مقامی دہشت پسندوں سے اتحاد و تعاون کر کے امن کو تباہ کرتی تھی چنانچہ حکومت نے سرحدات پر کڑی نگرانی بٹھا دی ہے اور فرانسیسی حکومت کا تعاون حاصل کیا جا رہا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو سرحد فلسطین میں آنے سے روکے"۔

("الفضل" قادیان' 6 اکتوبر 1937ء)

" 31 جنوری 1939ء کو عید قربان تھی۔ شمس (قادیانی مبلغ) نے لندن مسجد احمدیہ میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس کی صدارت کے فرائض کرنل سر فرانسس ینگ ہسبنڈ نے انجام دیے۔ شمس نے اپنی تقریر کے دوران قیام امن کی کوششوں کے لیے برطانوی وزیراعظم کو خراج تحسین ادا کیا اور اجلاس کے نمائندگان اور حکومت کو اخلاص اور غیر جانبدارانہ رنگ میں مسئلہ فلسطین کا حل تلاش کرنے کا مشورہ دیا۔ خاص بات یہ ہے کہ اس جلسہ میں صیہونی نمائندے کے طور پر سابق یہودی ہائی کمشنر فلسطین آرتھر واکوپ نے بھی شرکت کی"۔

("تاریخ احمدیت" جلد نمبر 8 ص 556)

اقرار جرم کی ایک اور بازگشت خود مجرم کے قلم سے

"15 جولائی 1946ء کو رائٹرز کی اطلاع کے مطابق شمس کی جگہ لندن میں چوہدری مشتاق احمد باجوہ کو مبلغ مقرر کیا گیا۔ 20 جولائی کو شمس کو الوداعی پارٹی

دی گئی جس کی صدارت کے فرائض سر ظفر اللہ خان نے ادا کیے۔ پارٹی میں برطانوی سول سروس کے سابق افسر اور بعض صیہونیت نواز عہدوں نے شرکت کی۔ جن میں سر ایڈورڈ میکلیگن (سابق لیفٹیننٹ گورنر پنجاب) سر فرینک بیون' آنریبل ہف لائیز' ڈیڈ ممبر پارلیمنٹ 'لارڈز لیفیڈ' لیڈی واسن' مسٹر للی اور روٹری کلب کے چار یہودی ممبر شامل تھے"۔

("الفرقان" ربوہ' شمس نمبر 1968ء)

ایک دفعہ لاہور میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نامہ نگار نے شمس صاحب سے انٹرویو کیا۔ ان سے فلسطین کے مسئلہ پر تاثرات معلوم کیے گئے تھے۔ مبلغ مذکور نے بتایا کہ میرے نزدیک اس کا موزوں حل کنفیڈریشن کے قیام میں مضمر ہے۔ سیلو رہے' تباہ کن منصوبے پر بھی یہ تجویز قبل ازیں یہودی لارڈ پریذیڈنٹ آف کونسل مسٹر ماریسن پیش کر چکا تھا۔

(جارج لیسی رووا سکی۔ دی مڈل ایسٹ ان ورلڈ افیئرز نیویارک'

ص 385 بحوالہ "قادیان سے اسرائیل تک")

شمس صاحب نے انگریز نوازی کے جذبہ میں سرشار حقائق کے منہ پر زناٹے دار طمانچہ رسید کرتے ہوئے یہ تاثر بھی دیا کہ

"انگریز مسئلہ فلسطین کے بارے میں مسلمانوں کے حق میں نظر آتے ہیں"۔

("الفضل" قادیان' 10 اکتوبر 1946ء)

● مئی 1947ء میں امت مرزائیہ کے خلیفہ ثانی مرزا محمود کا ایک دلچسپ رویاء شائع ہوا۔ عالمی سامراج کے سیاسی کلاغن کا زاویہ نگاہ شریک جرم ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ مندرج ہوا:

"پرسوں یا ترسوں رات کے وقت جب میری آنکھ کھلی تو بڑے زور کے ساتھ میرے قلب پر یہ مضمون نازل ہو رہا تھا کہ برطانیہ اور روس کے

درمیان ایک ماڈس فائیڈ تریتی ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں بڑی بے چینی اور تشویش پھیل گئی۔ فرمایا: ماڈی فائیڈ کے معنی ہوتے ہیں' سمویا ہوا وسطیٰ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ غالباً بیرونی دباؤ اور بعض خطرات کی وجہ سے برطانیہ مخفی طور پر روس کے ساتھ کوئی ایسا سمجھوتہ کرے گا جس کی وجہ سے روسی دباؤ مشرق وسطیٰ پر بڑھ جائے گا۔ اس وقت میرے ذہن میں عراق' فلسطین اور شام کے ممالک آتے ہیں۔ یعنی ان ممالک کے اندر روس اور انگریزوں کے سمجھوتہ کر لینے کی وجہ سے گھبراہٹ اور تشویش پیدا ہو گئی کہ انگریز جو سختی کے ساتھ روس کی مخالفت کر رہے تھے انہوں نے یہ سمجھوتہ اس سے کس بنا پر کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ جو ہمیشہ روس کے مفاد کے رستے میں حائل رہتے تھے' اب بعض سیاسی حالات یا اغراض کے ماتحت اس کی مخالفت کو چھوڑ دیں گے اور ادھر روس بھی جو بعض باتوں میں برطانیہ اور امریکہ سے چپقلش رکھتا تھا اب ان کی مخالفت کو ترک کر دے گا"۔

یاد رہے کہ 1948ء میں اسرائیل کے غاصبانہ قیام کے موقع پر "الفضل" نے اس رویاء کو مرزا محمود کے خدائی مامور اور سچے ملہم ہونے کے ثبوت میں پیش کیا تھا۔

فلسطین کو کادیانیوں کا ہیڈکوارٹر بنانے کے لیے مرزا بشیرالدین محمود 1922ء میں بہ نفس نفیس فلسطین گئے۔ وہاں برطانیہ کی جاسوسی کے محکمہ کا افسر اعلیٰ ایک یہودی کو بنایا گیا۔ اس موقع پر کادیانی جماعت کے سربراہ نے اعلان کیا کہ یہودی اس خطے کے مالک ہو جائیں گے۔ مرزا بشیرالدین محمود کے دور میں کادیانی جماعت کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے آغا شورش کاشمیری رقم طراز ہیں۔

"مرزا محمود نے برطانوی مقاصد بر آوری کے لیے جنگ عظیم اول سے پہلے افریقہ میں مشن قائم کیے اور عرب ملکوں میں سکاٹ لینڈ یارڈ کے ماتحت اپنے معتمدین بھجوائے' جو اس کے حسب ہدایت کام کرتے' چنانچہ اسلامی ملکوں

میں کام کرنے کے لیے برطانیہ کے محکمہ جاسوسی کی تجویز پر مرزائی امت کا دفتر لندن میں قائم کیا گیا۔ تاکہ براہ راست کنٹرول ہو سکے۔ اس غرض سے خواجہ کمال الدین دسمبر 1912ء کو انگلستان روانہ ہو گئے۔ انہوں نے وہاں بات چیت کے بعد خلیفہ اول حکیم نور الدین کو لکھا' تو حکیم صاحب نے چودھری فتح محمد ایم۔ اے کو پہلا احمدی مبلغ مقرر کیا اور وہ 28 جون 1913ء کو لندن روانہ ہو گیا دوسرا مشن سکاٹ لینڈ یارڈ کے حسب ہدایت افریقہ کے جزیرہ یار شیئش میں قائم کیا گیا۔ اس کا انچارج صوفی غلام محمد بی۔ اے کو بنایا گیا جو فروری 1915ء میں روانہ ہو گیا اور پہلی جنگ عظیم کے دوران سکاٹ لینڈ یارڈ کے حسب ہدایت خدمات انجام دیتا رہا۔

پہلی جنگ عظیم 18 1914ء میں عرب ریاستوں کے احوال و آثار اور اسرار و وقائع چوری کرنے کے لیے مرزا محمود نے اپنے پیرووں کی ایک کھیپ مہیا کی۔ ہندوستانی فوج کی ہر کمپنی کے ساتھ جاسوسی کے فرائض انجام دینے کے لیے ایک یا دو قادیانی منسلک کیے گئے۔ کئی ایک معتمد ترکی بھیجے گئے' جنہوں نے مقامی ملازمت کے پردے میں سکاٹ لینڈ یارڈ کی حسب ہدایت کام کیا"۔

("تحریک ختم نبوت" ص 27-28 شورش کاشمیری)

مرزائیت فلسطین میں

عربوں کی وحدت کو نقصان پہنچانے اور فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کے سلسلہ میں قادیانیوں نے بھرپور کردار ادا کیا' فلسطین کے محاذ پر قادیانی جماعت کی غیر معمولی دلچسپی تاریخی حقائق سے ثابت ہوتی ہے۔ قادیانی جماعت کے موجودہ سربراہ مرزا طاہر احمد فلسطین کی سرزمین میں پہلے قادیانی مرکز کے قیام کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔۔۔

"اصل واقعہ یہ ہے کہ شام کے دارالخلافہ دمشق میں سلسلہ عالیہ احمدیہ

کی طرف سے مولانا جلال الدین صاحب شمس لواخر 1924ء سے فرائض تبلیغ سرانجام دے رہے تھے اس وقت شام پر فرانسیسی حکومت مسلط تھی۔ چنانچہ دمشق کے مشائخ و علماء فرانسیسی حکومت کے رئیس الوزراء کے پیش ہوئے اور درخواست کی کہ اس احمدی مبلغ کو یہاں سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ ان کی اس درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے حکومت نے 9 مارچ 1928ء کو آپ کو حکم دیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر شام سے نکل جائیں۔ جناب مولانا شمس صاحب نے حضرت خلیفہ المسیح کو بذریعہ تار اس واقعہ سے مطلع کر کے راہنمائی چاہی تو آپ کو حیفا جانے کا ارشاد ہوا۔ چنانچہ آپ دمشق میں ایک مقامی احمدی مسلمان جناب السید منیر الحصنی صاحب کو اپنا قائم مقام بنا کر 17 مارچ کو حیفا تشریف لے گئے اور اس طرح پہلی مرتبہ فلسطین میں جماعت احمدیہ کا تبلیغی مرکز قائم ہوا"۔

("ربوہ سے تل ابیب تک" پر مختصر تبصرہ' از مرزا طاہر احمد' ص 61)

فلسطین میں یہودی ریاست (اسرائیل) کے معرض وجود میں آنے سے پہلے اور بعد میں یہ خطہ قادیانیوں کی خصوصی دلچسپی کا مرکز بنا رہا۔ جب فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کو ان کے صدیوں پرانے وطن سے نکال کر مغربی استعمار یہودی ریاست کے قیام کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچا رہے تھے' قادیانی جماعت سامراجی عزائم و مقاصد اور ان کی خواہشات کے لیے عملاً اس کی راہیں ہموار کر رہی تھی۔ خطہ فلسطین میں قادیانی جماعت کی گہری دلچسپی کا اندازہ ایک قادیانی مبلغ کی تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔

"میں نے یہاں کے ایک اخبار میں اس پر آرٹیکل دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وعدہ کی زمین ہے جو یہودیوں کو عطا کی گئی تھی۔ مگر نبیوں کے انکار اور بالآخر مسیح کی عداوت نے یہود کو ہمیشہ کے واسطے وہاں کی حکومت سے محروم کر دیا اور یہودیوں کو سزا کے طور حکومت رومیوں کو دے دی گئی اور بعد میں عیسائیوں کو ملی' پھر مسلمانوں کو' اب اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے وہ زمین

نکلی ہے تو پھر اس کا سبب تلاش کرنا چاہیے۔ کیا مسلمانوں نے کسی نبی کا انکار تو نہیں کیا۔ سلطنت برطانیہ کے انصاف اور امن اور آزادی مذہب کو ہم دیکھ چکے ہیں' آزما چکے ہیں اور آرام پا رہے ہیں۔ اس سے بہتر کوئی حکومت مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ بیت المقدس کے متعلق جو میرا مضمون یہاں (انگلستان) کے اخبار میں شائع ہوا ہے' اس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ اس کے متعلق وزیراعظم برطانیہ کی طرف سے ان کے سیکرٹری نے شکریہ کا خط لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مسٹر لائڈ جارج اس مضمون کی بہت قدر کرتے ہیں"۔

("الفضل" قادیان' جلد 5' نمبر 75' مورخہ 19 مارچ 1918ء)

● قادیانی جماعت کی تصنیف تاریخ احمدیت کے حوالے سے موتمر المصنفین دارالعلوم اکوڑہ خٹک پشاور نے مسئلہ فلسطین اور اسرائیل کے قیام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"1947ء تک قادیانی سرگرمیاں فلسطین میں پھلتی پھولتی رہیں۔ مولوی اللہ دتہ جالندھری' محمد سلیم چوہدری' محمد شریف' نور احمد' منیر رشید احمد چغتائی جیسے معروف قادیانی مبلغ تبلیغ کے نام پر عربوں کو محکوم بنانے کی مذموم سازشیں کرتے رہے۔ 1934ء میں مرزا بشیرالدین محمود خلیفہ قادیان نے اپنے استعماری صیہونی مقاصد کی تکمیل کے لیے تحریک جدید کے نام سے ایک تحریک کی بنیاد رکھی اور جماعت سے سیاسی مقاصد کے لیے اس تحریک کے لیے بڑی رقم کا مطالبہ کیا۔ (تاریخ احمدیت' ص 19) تو بیرون ہند قادیانی جماعتوں میں سب سے زیادہ حصہ فلسطین کی جماعت نے لیا اور تاریخ احمدیت کے مطابق فلسطین کے جماعت حیفہ اور مدرسہ احمدیہ کبیر نے قربانی اور اخلاص کا نمونہ پیش کیا' اور مرزا محمود نے اس کی تعریف کی۔ (ایضاً' ص 40) بالآخر جب برطانوی وزیر خارجہ مسٹر بالفور کے 1917ء کے اعلان کے مطابق 1948ء میں بڑی ہوشیاری سے اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ تو چن چن کر فلسطین کے اصل باشندوں کو نکال

دیا گیا' مگر یہ سعادت صرف قادیانیوں کو نصیب ہوئی کہ وہ بلاخوف و جھجک وہاں رہیں اور انہیں کوئی تعرض نہ کیا جائے"۔

("قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف" ص 155'

موتمر المصنفین' دارالعلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک' ضلع پشاور)

● جاسوسی کا اڈہ

قادیانی اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے کہ قادیانی جماعت نے عرب ممالک میں چوری چھپے' جبکہ یورپی' افریقی ممالک کے علاوہ اسرائیل میں اپنے جاسوسی کے اڈے قائم کیے۔

"مغربی ممالک میں بے شک اس قسم کی اہمیت حاصل نہیں' جیسی ان یورپی اور افریقی ممالک میں ہے۔ پھر بھی ایک طرح کی اہمیت ہمیں حاصل ہوگئی ہے اور وہ یہ کہ فلسطین کے عین مرکز میں اگر مسلمان رہے تو وہ صرف احمدی ہیں"۔

(ترجمان قادیان' جماعت "الفضل" 30 اگست 1950ء)

عربوں کے قلب میں اسرائیل کا وجود ایک ناسور کی حیثیت رکھتا ہے۔ عربوں سمیت عالم اسلام کی تمام مسلمان ریاستوں نے اسرائیل کا بائیکاٹ کر رکھا ہے' سوائے احمدی مشن کے کسی مسلمان ملک یا ریاست کا کوئی مشن وہاں موجود نہیں۔ اسرائیل میں احمدیہ مشن کے بارے میں قادیانی جماعت کا موقف یہ ہے کہ ان کا مشن اسرائیل میں اسلام کی تبلیغ اور فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کی مدد اور اعانت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ قادیانی جماعت کے موجودہ سربراہ مرزا طاہر احمد لکھتے ہیں۔

① مشن 1928ء میں فلسطین میں قائم کیا گیا تھا۔ جبکہ اسرائیل کا ابھی کوئی وجود نہ تھا۔

② اس مشن کا سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا' نہ ہے اور نہ ہوگا۔

③ اگرچہ تحریک جدید کے عالمگیر بجٹ میں اس کا ذکر ملتا ہے' لیکن جہاں

تک پاکستان کے روپے کا تعلق ہے' ایک پیسہ بھی پاکستانی چندے سے اس پر خرچ نہیں کیا گیا۔ نہ ہی کبھی حکومت پاکستان سے اس کے لیے زرمبادلہ کی درخواست کی گئی۔

④ یہ تبلیغی مشن ہمیشہ فلسطین کے مسلمانوں کے حق میں کام کرتا رہا ہے اور ان کے لیے طاقت اور سہارے کا موجب رہا ہے' نہ کہ دشمنی اور نقصان کا۔

("ربوہ سے تل ابیب تک" پر مختصر تبصرہ' ص 11' از مرزا طاہر احمد'

شائع کردہ مکتبہ "الفرقان" لاہور)

● قادیانی جماعت کے سرکردہ راہنما اور پاکستان کے سابق وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان نے "آتش فشاں لاہور کو ایک تفصیلی انٹرویو دیا۔ اسرائیل میں قادیانی مشن کے بارے میں ان سے چند سوال کیے گئے۔

"س: لیکن یہ بات عام ہے کہ آپ لوگ اسرائیل کے جاسوس ہیں؟

ج: ہاں ہے ہمارا وہاں مشن' لیکن وہ اسرائیل کے قائم ہونے سے مدتوں پہلے سے ہے۔ اسرائیل کی ریاست کے قیام کے وقت اسرائیل کی حدود کے اندر ایک خاص تعداد مسلمان اور عیسائی عربوں کی تھی۔ جن میں بعض تو اپنا وطن ترک کر کے ساتھ کے عرب ممالک میں منتقل ہو گئے اور بعض وہیں مقیم رہے۔ ہماری جماعت میں سے بعض اسرائیل کی حدود سے باہر چلے گئے اور بعض وہیں مقیم رہے۔ تو بجائے اس کے کہ وہ دیکھیں کہ یہ اسرائیل میں بیٹھ کر بھی اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں' عقائد میں بعض فرق ہی سہی' لیکن بہرصورت لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ہی پڑھاتے"۔

("آتش فشاں" لاہور' ص 27' جلد 9' شمارہ 9' یکم مئی 1981ء)

اسی رسالہ کے صفحہ نمبر 29 پر ظفر اللہ خان ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

"حالانکہ یہ واضح بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں سب سے زیادہ کامیابی اب تک مسلمانوں میں سے ہوئی ہے اور مسلمانوں میں سے ہوگی"۔

اگر کادیانی جماعت کو کامیابی مسلمانوں میں سے ہوئی ہے' تو پھر اسرائیل میں ان کے مشن کا کیا جواز ہے؟ اسرائیل میں مسلمان نہیں یہودی بستے ہیں۔ کادیانیوں کے بارے میں عربوں کا عمومی تاثر یہی ہے کہ وہ ان کے خلاف اسرائیل کی جاسوسی کے فرائض سرانجام دیتے ہیں ــــــ۔

● اسرائیل میں جماعت احمدیہ کے تبلیغی مشن کے قیام کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ کادیانی یہودیوں میں تو اسلام کی تبلیغ کر نہیں سکتے' کیا کادیانی جماعت کے راہنما بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مشن کی معرفت اب تک کتنے اسرائیلی یہودیوں کو مسلمان بنایا ہے؟ مسلمانوں کو مسلمان بنانے کے لیے تبلیغی مشن کا قیام بھی عقل سے ماورا ہے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسرائیل میں کادیانیوں کا تبلیغی مشن کن مقاصد کے تحت کام کر رہا ہے؟ اور اس کے قیام کا کیا پس منظر ہے؟ دنیا جاننا چاہتی ہے کہ فلسطینی مسلمانوں کے حق میں اسرائیل کے کادیانی مشن نے کیا خدمات سرانجام دی ہیں؟ فلسطینی مسلمان جہاد پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ یہودیوں کے خلاف جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر برسرپیکار ہیں جبکہ احمدیہ جماعت کا جہاد کے عقیدہ پر قطعی ایمان ہی نہیں ہے۔ اس صورت حال میں کادیانی محکوم و مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی کیا مدد اور خدمت کر سکتے ہیں؟

پاکستان عربوں کا غیر متزلزل حمایتی ملک ہے۔ پاکستان نے بے شمار نازک مواقع پر عربوں کی ہر ممکن امداد اور اعانت کی ہے۔ پاکستان اسلامی برادری کا وہ واحد ملک ہے جو اسرائیل کے خلاف عربوں کی حمایت میں ان کے موقف کا بھرپور اور مضبوط ترجمان رہا ہے' کادیانیوں کی اسلام اور وطن دشمنی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نہ تو وہ عالم اسلام کی صف میں ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ پاکستان کی روایتی عرب دوستی میں شامل ہیں۔ پاکستان نے دیگر عرب و اسلامی ممالک کی طرح اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا۔ اسرائیل کے

قیام کے بعد وہاں کی حکومت نے تمام بیرونی مشن خصوصاً مذہبی اداروں کو نہ صرف سختی سے بند کر دیا بلکہ غیر ملکی مشنوں کو اسرائیل سے نکال باہر کیا۔ اسرائیل میں غیر ملکی مشنوں کے خاتمہ اور پابندی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں پر عیسائی مشنریوں پر بھی پابندی لگا دی گئی' اسرائیل کے حسب سے بڑی ربی شوگورین نے آرچ بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر ریمزے اور کارڈینل پادری ہی عان سے خصوصی ملاقات کر کے ان پر زور دیا کہ اسرائیل میں عیسائی مشنریوں پر پابندی عائد کریں۔

("مارننگ نیوز" کراچی' 26 ستمبر 1972ء)

اسرائیل میں یہودیوں نے غیر ملکی مشنریوں کے خلاف شدید رد عمل کا اظہار کیا' یہاں تک کہ اسرائیل میں عیسائی مشنوں کے خلاف منظم تحریک چلی' عیسائی مشنری مراکز پر حملے ہوئے' بائبل کے نسخوں کو نذر آتش کیا گیا۔ لیکن یہودیوں کی نوازش اور کرم نوازی صرف کادیانیوں کے حصے میں آئی۔ 1928ء سے لے کر اب تک مسلسل ان کا مشن اسرائیل میں موجود ہے اور اسے کسی قسم کا معمولی سا گزند بھی نہیں پہنچایا گیا۔ دنیا کے نقشے پر ابھرنے والا ملک اسرائیل نظریاتی بنیاد پر معرض وجود میں آیا ہے۔ کسی نظریاتی مملکت میں اس کے نظریہ کے خلاف پرچار برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اسرائیل کے یہودی فلسطین میں اسلام اور مسلمان کے وجود کو اپنے ہاں برداشت کرنے سے قاصر ہیں' تو وہ بھلا کیونکر اسلام کی تبلیغ کو برداشت کر سکتے ہیں؟ اسرائیل میں سرعام یا چوری چھپے اسلام کی تبلیغ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کادیانی نہ تو مسلم ہیں اور نہ ہی اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اگر کادیانی حقیقی مسلمان ہوتے تو اسرائیل جیسے اسلام دشمن ملک سے ان کے تبلیغی مشن کو پنپنے کا موقع ہی نہ دیا جاتا اور نہ ہی اسرائیل حکومتی سطح پر کادیانی مشن کی سرپرستی کرتا۔ اسرائیل میں کادیانی مشن درحقیقت تبلیغ اسلام کی آڑ میں استعماری جاسوسی کا مضبوط اور محفوظ اڈہ ہے۔ جہاں سے عالم اسلام کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بنے جاتے ہیں۔۔۔۔

ماں دی سوکن دھی دی سہیلی

اسرائیل پاکستان کی عرب دوستی' اسلامی اخوت اور عربوں سے روایتی عقیدت اور ناقابل تسخیر تعلقات کو بخوبی جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل نے ابھی تک پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا ہے' بلکہ اسرائیل پاکستان کی وحدت اور سالمیت کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں سرگرم عمل رہتا ہے کیونکہ وہ پاکستان کو اپنا ازلی ابدی حریف تصور کرتا ہے۔ اس بات کی تائید اسرائیل کے بانی ڈیوڈ بن گوریاں کی اگست 1967ء میں سار ابون یونیورسٹی پیرس میں کی گئی تقریر سے ہوتی ہے۔ جس میں موصوف نے پاکستان کو اسرائیل کے لیے آئیڈیالوجیکل چیلنج قرار دیا۔

"پاکستان دراصل ہمارا آئیڈیالوجیکل چیلنج ہے۔ بین الاقوامی صیہونی تحریک کو کسی طرح بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی پاکستان کے خطرے سے غفلت کرنی چاہیے"۔

ایسے حالات میں اسرائیل اپنے روایتی اور آئیڈیل حریف پاکستان کی اقلیتی جماعت احمدیہ کو کیونکر اپنے دامن میں پناہ دے سکتا ہے؟ اسرائیل میں قادیانی مشن پنجابی محاورہ کے مطابق "ماں دی سوکن دھی دی سہیلی" (ماں کی سوکن بیٹی کی سہیلی) والا معاملہ ہے۔

بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام میں سب سے زیادہ دلچسپی اسرائیل کو ہے کیونکہ اپنے تئیں وہ سمجھتا ہے کہ پاکستان عربوں کا سچا خیر خواہ ہے اور پکا ہمدرد ہے۔ اسرائیل کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام اس کے لیے ایک مستقل خطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسرائیل کے بانی ڈیوڈ بن گوریاں پاکستان کے بارے میں اس قدر حساس تھے کہ انہوں نے بہت پہلے اس خطرے کی نشاندہی کر دی تھی' بانی اسرائیل کہتے ہیں۔

"ہمیں پاکستان کے خلاف جلد سے جلد قدم اٹھانا چاہیے۔ پاکستان کا فکری سرمایہ اور جنگی قوت ہمارے لیے آگے چل کر سخت مصیبت کا باعث بن

سکتا ہے' لہٰذا ہندوستان سے گہری دوستی ضروری ہے۔ بلکہ ہمیں اس تاریخی عناد و نفرت سے فائدہ اٹھانا چاہیے' جو ہندوستان' پاکستان کے خلاف رکھتا ہے۔ یہ تاریخی عناد ہمارا سرمایہ ہے' ہمیں پوری قوت سے بین الاقوامی دائروں کے ذریعہ سے اور بڑی طاقتوں میں اپنے نفوذ سے کام لے کر ہندوستان کی مدد کرنی چاہیے اور پاکستان پر بھرپور ضرب لگانے کا انتظام کرنا چاہیے۔ یہ کام نہایت رازداری کے ساتھ اور خفیہ منصوبوں کے تحت انجام دینا چاہیے"۔

("یروشلم پوسٹ" 19 اگست 1967ء)

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' ص ا سورخہ 22 مئی 1972ء)

● اسرائیل اور قادیانیوں کے تعلقات اور روابط نے پاکستان کی وحدت اور سالمیت کو کس قدر نقصان پہنچایا' اس کا اندازہ مصر کے معروف صحافی جناب محمد حسنین ہیکل کے ایک انٹرویو سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم سے کیا تھا۔

"مصر کے عظیم صحافی جناب محمد حسنین ہیکل کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے صدر مملکت جناب بھٹو نے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا منصوبہ تل ابیب میں تیار کیا گیا تھا"۔

(روزنامہ "المنیر" لائل پور' ص 13' جلد 18' شمارہ 27' 20 جولائی 1973ء)

"اہل وطن کے لیے یہ خبر حیران کن اور تشویشناک ہوگی کہ 1971ء میں اندرونی سازش اور بیرونی جارحیت کے نتیجہ میں پاکستان دولخت ہوا اور جب ڈھاکہ (Fall) ہوا تو ہندو مسلح افواج کا ڈپٹی کمانڈر ایک یہودی تھا"۔

(ہفت روزہ "ظاہر" لاہور' 22 تا 28 دسمبر 1975ء)

بن گوریان نے پاکستان کے جس فکری سرمایہ اور جنگی قوت کا ذکر کیا ہے' وہ کونسی چیز ہے۔ اس کا جواب ہمیں مشہور یہودی فوجی ماہر پروفیسر ہرڈ سے مل جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"پاکستانی فوج اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی عشق

رکھتی ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس نے پاکستان اور عربوں کے باہمی رشتے مستحکم کر رکھے ہیں۔ یہ صورت حال عالمی یہودیت کے لیے شدید خطرہ رکھتی ہے اور اسرائیل کی توسیع میں حائل ہو رہی ہے۔ لہٰذا یہودیوں کو چاہیے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے پاکستانیوں کے اندر سے حب رسول کا خاتمہ کریں"۔

(ترجمان "نوائے وقت" لاہور 22 مئی 1972ء بحوالہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۔ برطانیہ میں

صیہونی تنظیموں کا آرگن "جیوش کرانیکل" 19 اگست 1967ء)

ڈیوڈ بن گوریاں کے اس بیان کی روشنی میں اسرائیل میں قادیانی مشن کی موجودگی کے کردار اور اسرار و رموز کا عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک منطقی بات ہے کہ اسرائیل اپنے حقیقی حریف پاکستان کی اقلیتی جماعت قادیانی مشن کو اپنے ملک میں پناہ دیے ہوئے ہے' تو لامحالہ اس کے ساتھ اسرائیل کے مخصوص مفادات وابستہ ہیں۔ کیونکہ قادیانیوں کا آبائی مرکز قادیاں (بھارت) میں واقع ہے۔ جبکہ ان کا ہیڈ کوارٹر ربوہ (پاکستان) میں ہے۔ اسرائیل پاکستان کو بھارت سے رابطہ کیے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتا' کیونکہ جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے عرب ممالک کے بعد ایران اور افغانستان دو اسلامی ریاستیں اس کی ڈھال ہیں' جبکہ عقب میں بھارت ہی ایسا ملک ہے' جو پاکستان کی وحدت و سالمیت پر شب خون مار سکتا ہے۔ اسرائیل کو ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو بھارت اور اسرائیل کے درمیان رابطے کا کام دے۔ اسرائیل اور بھارت دونوں پاکستان کے دشمن ہیں۔ پاکستان کے ان مشترکہ دشمنوں میں باہمی رابطہ کا کام صرف قادیانی جماعت ہی بخوبی سرانجام دے سکتی ہے' کیونکہ قادیانی بھی پاکستان کے نظریاتی دشمن ہیں۔

قادیانی مشن اسرائیل میں موجود ہے' تو اسرائیل کی مرضی و منشا کے بغیر اس کا وجود ممکن نہیں۔ قادیانیوں کا اسرائیل میں تبلیغ کے نام پر مشن برقرار رکھنا محض ایک ڈھونگ ہے۔ اسرائیل میں قادیانی مشن کا قیام بلاشبہ یہود و ہنود کے مشترکہ مقاصد اور عزائم کی آماجگاہ ہے۔۔۔۔ بن گوریان کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سمیع الحق لکھتے ہیں:

بن گوریان کے بیان کے پس منظر میں یہ بات تعجب خیز ہو جاتی ہے کہ

پاکستان سے اس شدت سے نفرت کرنے والے اسرائیل نے ایسی جماعت کو سینے سے کیوں لگائے رکھا جن کا ہیڈ کوارٹر بھی پاکستان ہی ان کے لیے نظریاتی چیلنج ہے۔ ظاہر ہے پاکستانی فوج کے فکری اساس رسول عربیؐ سے غیر معمولی عشق اور جنگی قوت کا راز جذبہ جہاد' ختم کرنے کے لیے جو جماعت نظریہ انکار ختم نبوت اور ممانعت جہاد کی علمبردار بن کر اٹھی تھی وہی پورے عالم اسلام اور پاکستان میں ان کی منظور نظر بن سکتی تھی۔ واضح رہے کہ بہت جلد جب سامراجی طاقتوں اور صیہونیوں کو مشرقی پاکستان کی شکل میں اپنے جذبات سفلہ نکالنے کا موقعہ ہاتھ آیا تو اسرائیلی وزیر خارجہ ابا ایبان نے نہ صرف اس تحریک علیحدگی کو سراہا بلکہ بروقت ضروری ہتھیار بھی فراہم کرنے کی پیش کش کی"۔

(ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک' ج ۲ ش ۹ ص ۱ بحوالہ ماہنامہ فلسطین بیروت)

"اس تاثر کو موجودہ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے اس بیان سے اور زیادہ تقویت ملتی ہے' جس میں انہوں نے انکشاف کیا کہ پاکستان کے عام انتخابات 70ء میں اسرائیلی روپیہ پاکستان آیا اور انتخابی مہم میں اس کا استعمال ہوا۔ آخر وہ روپیہ مرزائیوں کے ذریعے نہیں تو کس ذریعے سے آیا اور پاکستان کے وجود کے خلاف تل ابیب میں تیار کی گئی سازش جس کا انکشاف بھٹو صاحب نے الاہرام مصر کے ایڈیٹر حسنین ہیکل کو انٹرویو دیتے کیا' کیسے پروان چڑھی جبکہ پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ سوائے قادیانی مشنوں کے اور کوئی رابطہ نہیں تھا۔

اگر قادیانی جماعت بین الاقوامی صیہونیت کی آلہ کار نہ ہوتی اور عالم اسلام اور پاکستان کے خلاف اس کا کردار نہایت گھناؤنا نہ ہوتا تو کبھی بھی اسرائیل کے دروازے ان پر نہ کھل سکتے۔ قادیانی اس بارہ میں ہزار بار حربہ تبلیغ و دعوت اسلام کے پردہ میں پناہ لینا چاہیں مگر یہ سوال اپنی جگہ قائم رہے گا

کہ اسرائیل میں کیا یہ تبلیغ ان یہودیوں پر کی جا رہی ہے' جنھوں نے صیہونیت کی خاطر اپنے اوطان کو خیرباد کہا اور تمام عصبیتوں کے تحت اسرائیل میں اکٹھے ہوئے یا ان بچے کھچے مسلمان عربوں پر مشق تبلیغ کی جا رہی ہے جو پہلے سے محمد عربی علیہ السلام کے حلقہ بگوش ہیں اور صیہونیت کے مظالم سہ رہے ہیں"۔

("قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف'' ص 63'

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک' پشاور)

اسرائیل میں کادیانی مشن کے مقاصد

دین کی وسیع تبلیغ کا شرف اگر کسی جماعت کو حاصل ہے' تو وہ "تبلیغی جماعت" ہے' جو ساری دنیا میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے' لیکن تبلیغی جماعت کو بھی یہ سعادت حاصل نہیں ہو سکی کہ وہ اسرائیل میں کھلے بندوں تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دے سکے۔ پاکستان کا کوئی شہری یا جماعت اسرائیل کا ویزا حاصل نہیں کر سکتی' چونکہ پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات مفقود ہیں۔ ان حالات میں کادیانیوں کی اسرائیل میں موجودگی اور ان کے مشن کا قیام کسی معمہ سے کم نہیں ہے۔

● غالباً 1975ء کے اواخر میں کادیانی جماعت کے راہنما اور سابق وزیر خارجہ پاکستان چوہدری سر ظفر اللہ خان نے اچانک چین کا دورہ کیا۔ چینی لیڈروں کے علاوہ چوہدری صاحب نے چین کے وزیراعظم آنجہانی چو۔ این۔ لائی سے بھی ملاقات کی' اور ان سے درخواست کی کہ وہ انھیں چین میں اپنا تبلیغی مشن قائم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ چو۔ این۔ لائی نے جواب میں کہا تھا کہ آپ سامراجیوں کے آلہ کار ہیں' اسرائیل عالم اسلام کا دشمن ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسرائیل میں آپ کا مشن موجود ہے؟ اسرائیل اور آپ کی جماعت میں دوستانہ تعلقات ہیں۔ چوہدری سر ظفر اللہ اور چو۔ این۔ لائی کے درمیان ہونے والی ملاقات اور مذاکرات کا تفصیلی ذکر سر ظفر اللہ خا

کے بھیانک کردار کے باب میں آئے گا۔ (تفصیل ملاحظہ فرمائیں)۔

اسرائیل میں قادیانیوں کا مشن درحقیقت عرب ریاستوں کی جاسوسی' فوجی رازوں کو اسرائیل تک پہنچانے اور فلسطینی مسلمانوں کو محکوم اور غلام بنانے کا بدترین صیہونی اڈہ ہے' جہاں سے عالم اسلام اور بالخصوص عربوں کے خلاف سازشیں جنم لیتی ہیں اور پروان چڑھتی ہیں۔ اسرائیل میں احمدیہ مشن کا تجزیہ کرتے ہوئے آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔

"اسرائیل عربوں کے قلب میں ناسور ہے۔ تقریباً تمام مسلمان ریاستوں نے اس کا مقاطعہ کر رکھا ہے۔ پاکستانی مشن وہاں نہیں لیکن قادیانی مشن وہاں ہے۔ سوال ہے وہ کس پر تبلیغ کرتا ہے' مسلمانوں پر یا یہودیوں پر۔ آج جو چند مسلمان اسرائیل میں رہ گئے ہیں وہ قادیانی مشن کے استحصال کی زد میں ہیں۔ غور کیجئے جس اسرائیل میں عیسائی مشن قائم نہیں ہو سکا' وہاں اسلام کے لیے قادیانی مشن لطیفہ نہیں تو کیا ہے؟ اس مشن سے جو کام لیے جا رہے ہیں وہ ڈھکے چھپے نہیں' تمام عالم عربی میں اس کے خلاف احتجاج ہو چکا اور ہو رہا ہے' لیکن مشن جوں کا توں قائم ہے۔

① اس مشن کی معرفت عرب ریاستوں کی جاسوسی ہوتی ہے اس مشن کی وساطت سے حجاز و اردن کی فضائیہ کے پاکستانی افسروں سے جو بعض دفعہ قادیانی بھی ہوتے ہیں۔ وہاں کے راز حاصل کیے جاتے اور اسرائیل کو پہنچائے جاتے ہیں۔

② اس مشن کی معرفت اسرائیل کے بچے کھچے مسلمان عربوں کو عرب ریاستوں کی جاسوسی کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

③ اس مشن کی معرفت پاکستان کی اندرونی سیاست کے راز لیے جاتے اور اسلام دوستوں سے متعلق مطلوبہ خبریں حاصل کی جاتی ہیں۔

④ اس مشن کی معرفت پاکستان میں عالمی استعمار اور یہودی استحصال کی

راہیں قائم کی جاتیں اور سیاسی نقشے درآمد برآمد ہوتے ہیں۔ خود صدر بھٹو پاکستان میں تل ابیب کی سیاسی مداخلت اور صیہونی سرمایہ کی زمانہ انتخاب میں آمد کا انکشاف کر چکے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ تل ابیب کا سرمایہ پاکستان کے عام انتخابات میں مقامی مرزائیوں کی معرفت اسی مشن کی وساطت سے آیا تھا اور یحییٰ کے زمانہ میں اکثر وزراء نے خود راقم الحروف سے اس کی روایت کی تھی۔

⑤ پاکستان کو اس وقت جو خطرہ درپیش ہے' اس میں کادیانی امت اور تل ابیب کا گٹھ جوڑ عالمی استعمار کی مخفی خواہشوں کی سرعت وجود میں لانے کا ذریعہ (Link) بن چکا ہے"۔

("عجمی اسرائیل" ص 21-22' از شورش کاشمیری)

تاریخی حقائق

اسرائیل مشن کے بارے میں کادیانیوں کا یہی موقف رہا ہے۔ یہ مشن کادیان (بھارت) کے ماتحت ہیں۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ربوہ (پاکستان) کادیانیوں کا ہیڈ کوارٹر ہے اور کادیانی جماعت کی تمام تنظیمیں اسی مرکز سے وابستہ ہیں اور اسی کے زیر انتظام چلتی ہیں۔ کادیانی اپنے نام نہاد اور جعلی نبی کی طرح جھوٹ بولنے میں ماہر ہیں۔ اسرائیل میں کادیانی مشن کی موجودگی اور کادیانیوں کے اسرائیل کی حکومت کے ساتھ سفارتی تعلقات اور روابط کی قلعی تاریخی دستاویزات اور حقائق سے کھل جاتی ہے۔

● ربوہ کی تحریک جدید کے سالانہ بجٹ 67 - 1966ء سے ثابت ہوتا ہے کہ اسرائیل میں جماعت احمدیہ کا مشن کس کے زیر اہتمام چل رہا ہے؟ اس بجٹ کے صفحہ 25 کا فوٹو سٹیٹ ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ کادیانی اپنے موقف میں سچے ہیں یا جھوٹے۔

تفصیل آمد و خرچ مشن ہائے بیرون

حیفا 2.67 روپے — اسرائیلی پونڈ

خرچ — عملہ

شمار	نام مدات	اصل اعداد 64-65	بجٹ 65-66	بجٹ 66-67
1-	مرکزی مبلغین	972	972	972
2-				
	میزان عملہ	972	972	972

سائر

شمار	نام مدات	اصل اعداد 64-65	بجٹ 65-66	بجٹ 66-67
1-	اشاعت لٹریچر		40	40
2-	تبلیغی مجالس و عیدین		60	60
3-	" دورے و سفر خرچ		40	40
4-	مہمان نوازی		50	50
5-	کرایہ مکان فرنیچر		50	50
6-	بجلی پانی و گیس وغیرہ	1,557	"	"
7-	سٹیشنری		15	15
8-	ڈاک تار و ٹیلیفون		50	50
9-	کتب و اخبارات		50	50
10-	متفرق		50	50

11-	اخراجات رسالہ البشریٰ		700 700
	میزان سائر	1,55	1,55 1,55
	کل خرچ عملہ و سائر	2,027	2,027 2,027
	ریزرو مرکزی	1,373	1,373 1,373
	کل میزان	3,400	3,400 3,400

آمد

شمار	نام مدات	اصل امداد	بجٹ بجٹ
		64-65	66-67 65-66
1-	چندہ تحریک		1,450 1,450
2-	چندہ عام و حصہ آمد		1,600 1,600
3-	زکوٰۃ		100 100
4-	عید فنڈ	3400	125 125
5-	فطرانہ		— —
6-	متفرق		125 125
	میزان آمد	3400	3400 3400

آمد	3400
خرچ	3400

خالص خرچ

تصویریں بولتی ہیں

اسرائیل میں نام نہاد مذہبی جماعت (قادیانی جماعت) کی موجودگی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قادیانی مذہبی نہیں بلکہ ایک خالص پولیٹیکل جماعت ہے۔ یہودی وہ سرا بنیا ہے جو کبھی خسارے کا سودا نہیں کرتا۔ اسرائیل نے قادیانیوں کو اپنے نظریاتی ملک میں جو مذہبی آزادی دے رکھی ہے وہ اس کے اصول اور قواعد و ضوابط کے صریحاً خلاف ہے۔ قادیانی جماعت یہودی ٹکڑوں پر پلنے والا استعماری پٹھو ہے۔ قادیانیوں اور اسرائیل کے باہمی تعلقات اور روابط کا اندازہ قومی اخبارات میں 22 فروری 85ء کے "یروشلم پوسٹ" کے حوالے سے چھپنے والی اس تصویر سے لگایا جا سکتا ہے' جس میں دو قادیانی مبلغوں کو اسرائیلی صدر کے ساتھ نہایت مودب انداز میں ملاقات کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس تصویر میں اسرائیل میں سبکدوش ہونے والے قادیانی سربراہ شیخ شریف امینی نئے سربراہ شیخ محمد حمید کا اسرائیل کے صدر سے تعارف کروا رہے ہیں۔ اس موقع پر شیخ شریف نے قادیانیوں کو اسرائیل میں مکمل مذہبی آزادی دینے پر اسرائیلی حکومت کی تعریف کی اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ یہ تصویر قادیانیوں کی اسلام دشمنی اور یہودی دوستی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

"یروشلم پوسٹ" کے حوالہ سے شائع ہونے والی تصویر میں اصل عبارت سے قادیانیوں کے اسرائیل کے ساتھ باہمی روابط کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(14 جنوری 1986ء "نوائے وقت" لاہور)

ترجمہ ــــــ شیخ شریف احمد امینی (درمیان والے) بھارتی احمدیہ فرقے کے سبکدوش ہونے والے مبلغ حیفا میں ایک ہندی مسلمان مقامی فرقے کی حیثیت سے کامیابی کے ساتھ متعارف ہوئے۔ شیخ محمد حمید کاکلر کل پریذیڈنٹ ہم ہرزگ سے بیٹ نمی تھے فرقے کا نیا لیڈر، جو 1200 ساتھی اسرائیل میں رکھتا ہے، وہ کئی اختیارات ایک خاص راہنما کی صورت ہی میں پاکستان لایا۔ سبکدوش ہونے والا شیخ جو کہ ہندوستان سے آیا تھا اس نے اسرائیل کی تعریف کی کہ اس کے فرقے کو مکمل مذہبی آزادی کی اجازت ملی۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

صدر ایوب خان مرحوم کے دور میں 1962ء کی قومی اسمبلی میں میاں عبدالخالق مرحوم رکن قومی اسمبلی نے سوال اٹھایا کہ آیا اسرائیل میں کادیانی مشن موجود ہے؟ اس پر اس وقت کے وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے کہا کہ اگر کوئی صاحب اس سلسلہ میں ٹھوس معلومات فراہم کریں تو حکومت پاکستان ان کی مشکور ہوگی۔ اس موقع پر بھٹو صاحب نے یہ بھی بتایا کہ پاکستانی شہری اسرائیل نہیں جا سکتے اور نہ ہی پاکستان سے اسرائیل رقم بھیجی جا سکتی ہے۔ کیونکہ پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات نہیں ہیں۔ چنانچہ میرے والد مولانا تاج محمود مرحوم نے ربوہ لائبریری سے چنیوٹ کے ایک طالب علم پرویز کی معرفت کادیانی جماعت کے بیرونی مشنوں کے متعلق کتابیں منگوائیں۔ ایک کتاب (Our Foreign Mission) آور فارن مشن جو کادیانی جماعت کے زیر اہتمام ربوہ میں چھپی تھی اس کے صفحہ 97 پر کادیانی جماعت کے اسرائیل میں حیفہ کے مقام پر کادیانی مشن کی تفصیلات کا ذکر موجود ہے۔ میرے والد گرامی نے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو بذریعہ ٹیلی گرام یہ دستاویزی ثبوت بہم پہنچا دیئے۔ بعد ازاں آغا شورش کاشمیری نے اپنے جریدہ ہفت روزہ چٹان لاہور میں اس کتاب کی تحریر کے فوٹو شائع کیے۔ اس طرح پہلی مرتبہ یہ بات منظر عام پر آئی۔ اسرائیل میں کادیانی مشن کی بابت تفصیلات کا عکس ملاحظہ فرمائیں ـــــ یہ کتاب مرزا غلام احمد کے پوتے مرزا مبارک احمد کی تصنیف کردہ ہے۔

This substract has been taken from Page 79 of the fourth revised edition of the book styled as "OUR FOREIGN MISSION" written by Mirza Mubarak Ahmad son of Late Mirza Beshiruddin Mahmood Ahmad and Grandson of Mirza Ghulam Ahmad which published in 1965 by Ahmadiyya Muslim foreign Missions Rabwah, West Pakistan, and printed at Nusrat Art Press, Rabwah.

ISRAEL MISSION

The Ahmadiyya Mission in Israel is situated in Haifa at Mount Karmal. We have a mosque there, a Mission House, a library, a book depot, and a school. The mission also brings out a monthly, entitled *Al Bushra* which is sent out to thirty different countries accessible through the medium of Arabic. Many works of the Promised Masih have been translated into Arabic through this mission.

In many ways this Ahmadiyya Mission has been deeply affected by the Partition of what formerly was called Palestine. The small number of Muslims left in Israel derive a great deal of strength from the presence of our mission which never misses a chance of being of service to them. Some time ago, our missionary had an interview with the Mayor of Haifa, when during the discussion on many points, he offered to build for us a school at Kababeer, a village near Haifa, where we have a strong and well-established Ahmadiyya community of Palestinian Arabs. He also promised that he would come to see our missionary at Kababeer, which he did later, accompanied by four notables from Haifa. He was duly received by members of the community, and by the students of our school, a meeting having been held to welcome the guests. Before his return he entered his impressions in the Visitors' Book.

Another small incident, which would give readers some idea of the position our mission in Israel occupies, is that in 1956 when our missionary Choudhry Muhammad Sharif, returned to the Headquarters of the movement in Pakistan, the President of Israel sent word that he (our missionary) should see him before embarking on the journey back. Choudhry Muhammad Sharif utilized the opportunity to present a copy of the German translation of the Holy Quran to the President, which he gladly accepted. This interview and what transpired at it was widely reported in the Israeli Press, and a brief account was also broadcast on the radio.

(OUR FOREIGN MISSIONS)
(by Mirza Mubarak Ahmad)

ترجمہ ـــــ "احمدیہ مشن اسرائیل میں حیفہ (ماؤنٹ کرمل) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں ہماری ایک مسجد' ایک مشن ہاؤس' ایک لائبریری' ایک بک ڈپو اور ایک سکول موجود ہے۔ ہمارے مشن کی طرف سے "البشریٰ" کے نام سے ایک ماہانہ عربی رسالہ جاری ہے جو تیس مختلف ممالک میں بھیجا جاتا ہے۔ مسیح موعود کی بہت سی تحریریں اس مشن نے عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ فلسطین کے تقسیم ہونے سے یہ مشن کافی متاثر ہوا۔ چند مسلمان جو اس وقت اسرائیل میں موجود ہیں ہمارا مشن ان کی ہر ممکن خدمت کر رہا ہے اور مشن کی موجودگی سے ان کے حوصلے بلند ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہمارے مشنری کے لوگ حیفہ کے میئر سے ملے اور ان سے گفت و شنید کی۔ میئر نے وعدہ کیا کہ احمدیہ جماعت کے لیے کبابیر میں حیفہ کے قریب وہ ایک سکول بنانے کی اجازت دے دیں گے۔ یہ علاقہ ہماری جماعت کا مرکز اور گڑھ ہے۔ کچھ عرصہ بعد میئر صاحب ہماری مشنری دیکھنے کے لیے تشریف لائے۔ حیفہ کے چار معززین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کا پروقار استقبال کیا گیا' جس میں جماعت کے مرکزی ممبر اور سکول کے طالب علم بھی موجود تھے۔ ان کی آمد کے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد ہوا' جس میں انہیں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ واپسی سے پہلے میئر صاحب نے اپنے تاثرات مہمانوں کے رجسٹر میں بھی تحریر کیے۔ ہماری جماعت کے موثر ہونے کا ثبوت ایک چھوٹے سے مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ 1956ء میں جب ہمارے مبلغ چودھری محمد شریف صاحب ربوہ پاکستان واپس تشریف لا رہے تھے اس وقت اسرائیل کے صدر سے ہماری مشنری کو پیغام بھیجا کہ چودھری صاحب روانگی سے پہلے صدر صاحب سے ملیں۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر چودھری صاحب نے ایک قرآن حکیم کا نسخہ جو جرمن زبان میں تھا صدر محترم کو پیش کیا۔ جس کو خلوص دل سے قبول کیا گیا۔ چودھری صاحب کا صدر صاحب سے انٹرویو اسرائیل کے ریڈیو سے نشر

کیا گیا اور ان کی ملاقات کو اخبارات میں جلی سرخیوں سے شائع کیا گیا"۔

● پیپلز پارٹی کے اولین دور حکومت کے مذہبی امور اور سمندر پار پاکستانیوں کے سابق وزیر مولانا کوثر نیازی نے اسرائیل میں قادیانیوں کی موجودگی کے بارے میں تردیدی بیان دیا تھا کہ اسرائیل میں کوئی قادیانی ہے' تو اس کا تعلق پاکستان سے نہیں۔ وفاقی وزیر کا بیان حسب ذیل ہے۔

"اسرائیل میں پاکستانی احمدیوں کے موجود ہونے کی خبر قطعی غلط ہے' انہوں نے کہا کہ پاکستان کے پاسپورٹ پر اسرائیل میں جایا ہی نہیں جا سکتا اور پاکستان کی حکومت اپنے باشندوں کو ایک ایسے ملک میں جانے کی اجازت کیسے دے سکتی ہے؟ جس کی عربوں کے ساتھ دشمنی ہے اور جسے پاکستان نے تسلیم ہی نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہر ذریعہ سے حکومت نے ان خبروں کے صحیح ہونے کے بارے میں چھان بین اور تحقیقات کی ہے اور یہ معلوم ہوا ہے کہ کوئی احمدی پاکستان سے اسرائیل نہیں گیا' تاہم انہوں نے کہا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ ہوا ہو تو بھی وہ غیر قانونی ہوگا اور غیر قانونی طور پر اسرائیل جانے والے کسی بھی شخص کے بارے میں علم ہو گیا' تو ملکی قوانین کے تحت اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ انہوں نے کہا ابھی تک حکومت کو کسی بھی ایسے شخص کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ انہوں نے کہا مشرق وسطی میں اسرائیل کا وجود ناجائز اور انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے' اور اسرائیل میں موجود احمدیوں کا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے عوام کو تلقین کی ہے کہ وہ ایسے گمراہ کن پراپیگنڈے سے پریشان نہ ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اگر اسرائیل میں کوئی قادیانی ہے بھی تو اس کا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں"۔

(روزنامہ "وفاق" لاہور' کیم مئی 1976ء)

○ ایک بار مسٹر ظفر اللہ خاں (سابق وزیر خارجہ پاکستان) سے سوال کیا گیا کہ کیا اسرائیل میں ربوہ کا مشن قائم ہے؟ تو پاکستان کے مذکورہ وزیر نے بوکھلا کر جواب دیا۔ "حکومت کے نوٹس میں ایسی کوئی اطلاع نہیں"۔

○ مگر ستم ظریفی دیکھئے کہ کچھ دنوں بعد جب "ربوہ" کا سالانہ بجٹ شائع ہوا تو اس میں "اسرائیل مشن" کا میزانیہ بھی موجود تھا ــــ اس جگر خراش منافقانہ رویے پر جب لے دے ہوئی تو یہ لوگ بالکل بے ڈھنگی تاویل پیش کرنے لگے کہ اسرائیل میں قادیانی مشن تو قائم ہے اور ہے بھی ربوہ کے ماتحت لیکن وہ کوئی سیاسی مشن نہیں' بلکہ تبلیغی مشن ہے"۔

("ربوہ سے تل ابیب تک" از مولانا سید محمد یوسف بنوری' ص 12)

○ کچھ مدت پہلے ظفر اللہ خان نے نمائندہ جنگ کو انٹرویو دیتے ہوئے کادیانی جماعت اور اسرائیل کے تعلقات کے اعتراف میں کہا تھا۔

"جماعت احمدیہ کا اسرائیل میں اسرائیل کے قیام سے پہلے کا دفتر موجود ہے"۔

(سر ظفر اللہ خان کا انٹرویو' روزنامہ جنگ لاہور' 17 دسمبر 1982ء)

○ اس طرح اسرائیل میں کادیانی مشن کی موجودگی اور اسرائیل سے کادیانی جماعت کے تعلقات' روابط اور خدمات کے بارے میں بعض سوالات کا جواب ظفر اللہ خان نے اس طرح دیا۔

س: لیکن یہ بات عام ہے کہ آپ لوگ اسرائیل کے جاسوس ہیں؟

ج: کوئی دلیل۔

س: آپ کا وہاں مشن موجود ہے۔

ج: ہاں ہے ہمارا وہاں مشن' لیکن اسرائیل کے قائم ہونے سے مدتوں پہلے سے ہے۔

س: دوسری تبلیغی جماعتوں کے اسرائیل میں مشن ہیں۔

ج: میں نہیں جانتا۔

س: اسرائیل گورنمنٹ آپ کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالتی؟

ج: نہیں' کوئی خاص رکاوٹ نہیں۔ ہم سیاست میں کوئی دخل نہیں دیتے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے لیے یہ کوئی مشکل پیدا نہیں کرتے۔

س: کس حد تک وہاں کامیابی ہوئی' کسی یہودی کو بھی کنورٹ کیا۔

ج: کامیابی اس لحاظ سے تو نہیں ہوئی کہ یہودیوں میں سے مسلمان ہوگئے ہوں' لیکن بعض عربوں میں سے جو جو علاقے عربوں کے ان کے اندر آگئے اور پہلے سے بھی جو عربوں کے علاقے ہیں ان میں کامیابی ہوئی ہے۔ دو تین جامع الازہر (مصر) کے سند یافتہ علما بھی احمدی ہیں۔ اچھی خاصی جماعت ہے جس کے افراد تمام تر عرب ہیں' تو ایک گڑھ ہمارا اسرائیل کے سینے میں قائم ہے۔ اس طرف توجہ نہیں دیتے' یہی کہیں گے کہ ان کا وہاں مشن ہے' یہ ضرور ان کے جاسوس ہیں۔

س: وہ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ جب دوسرے لوگوں کو وہاں مشن قائم کرنے کی اجازت نہیں تو پھر آپ لوگوں کو کیوں خاص طور پر اس کی اجازت دی گئی۔ یا اجازت برقرار رکھی گئی۔

ج: کون کہتا ہے کہ ان کو اجازت نہیں۔ کون ہے جس نے کوشش کی ہو اور اسے اجازت نہ ملی ہو اور ہمیں مل گئی۔ ہم تو وہاں اسرائیل کے قیام سے پہلے تھے۔ اس لیے ہمیں تو کسی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ اگر ضرورت ہوتی تو وہ روکتے تو نہیں تھے۔ اور ہمارے تمام اراکین وہاں پہلے سے بسے ہوئے عرب ہیں۔ بیشک ہمارے پاسپورٹوں پر ہوتا ہے Israel Except (ماسوائے اسرائیل) ہم نے کبھی اعتراض نہیں کیا کہ ہمیں کیوں نہیں جانے دیتے۔ نہ ہمیں کوئی خاص شوق ہے کہ ہم جائیں۔

س: آپ کبھی اسرائیل گئے؟

ج : میں اسرائیل قائم ہونے سے پہلے 1945ء میں وہاں گیا تھا۔ کبابیر بھی گیا تھا جہاں ہمارا مشن ہے۔ حیفا جو شہر ہے اس کے اوپر پہاڑی ہے۔ اب تو کبابیر بھی حیفا کی میونسپل حدود میں آگیا ہے۔

س : ہیں وہ بھی آپ کے ربوہ مرکز کے انڈر ہی۔

ج : مرکز ربوہ کے تحت اس لحاظ سے کہ سارے جتنے افراد جماعت ہیں ان سب نے ہمارے امام جماعت کی بیعت کی ہوئی ہے اور جو ادارے قائم ہوتے ہیں وہ ان کی ہدایت کے مطابق برسر عمل ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری طرف سے کبھی کسی قسم کی کوئی خفیہ کارروائی نہیں ہوئی' جو کچھ ہم کرتے ہیں علی الاعلان کرتے ہیں۔ اس کا اخباروں میں چھپتا ہے اور جیسے میں نے کہا ہے کہ اسرائیل میں ہماری جماعت کے تمام افراد عرب ہیں جو شروع سے وہیں آباد ہیں۔ ابتدا میں ہماری طرف سے وہاں مبلغ گئے اور انہی کے ذریعے سے جماعت قائم ہوئی لیکن اسرائیل کی ریاست قائم ہو جانے کے بعد پاکستان سے یا کہیں اور جگہ سے ہماری طرف سے کوئی مبلغ وہاں نہیں گیا۔ وہ لوگ خود اپنا انتظام کرتے ہیں اور جماعت کی تبلیغ بھی کرتے ہیں' تو مشن سے ہماری مراد کوئی سیاسی مشن نہ کبھی تھا' نہ ہے۔ ہم مشن کا لفظ جماعت کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مفہوم کسی دوسرے کے ذہن میں کچھ اور ہو تو ہو ہمارے ذہن میں اس سے زیادہ اس کا مفہوم نہیں ہوتا"۔

(بہ شکریہ "آتش فشاں لاہور" ص 29-30' جلد 9' شمارہ 9' مئی 1980ء۔ انٹرویو منیر احمد منیر)

● وطن عزیز کے ایک موقر جریدہ میں چند سال قبل ایک سنسنی خیز خبر شائع ہوئی تھی۔ یہ اطلاع اس قدر اندوہناک تھی کہ بالخصوص پاکستانی مسلمان دل تھام کر رہ گئے اور ملک کے دانشور طبقہ نے تحریراً اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ اخبار میں مندرج تھا۔

لندن سے شائع ہونے والی کتاب "اسرائیل اے پروفائل"
(ISRAEL A PROFILE) میں انکشاف کیا گیا ہے کہ حکومت اسرائیل نے اپنی فوج میں پاکستانی قادیانیوں کو بھرتی ہونے کی اجازت دے دی ہے۔ یہ کتاب پولیٹیکل سائنس کے ایک یہودی پروفیسر آئی۔ ٹی۔ نہائی نے لکھی ہے اور اسے ادارہ پال مال' لندن نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ "1972ء تک اسرائیلی فوج میں چھ سو پاکستانی قادیانی شامل ہو چکے ہیں"۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور صفحہ 5' 29 دسمبر 1975ء)

مندرجہ بالا کرب انگیز انکشاف پر اہل فکر تشویش کا اظہار کر رہے تھے کہ قومی اسمبلی کے فاضل رکن ظفر احمد انصاری صاحب نے ایک ہفت روزہ کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ وہ آئندہ اجلاس میں اس مسئلے کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں —— اس سوال کے جواب میں کہ اسرائیلی فوج میں احمدیوں کی موجودگی ایک خوفناک انکشاف ہے' یہودیوں اور احمدیوں میں اس تعاون کی کیا تفصیل ہے اور آپ اسے پاکستان کی قومی اسمبلی میں کیوں زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔

پاکستان مسلم مملکت ہے اور یہودی ہر مسلم مملکت کو نیست و نابود کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ وہ اس کے لیے ہر ذریعے اور ہر واسطے کو استعمال میں لا رہے ہیں۔ ان کے آلہ کار بننے والوں میں یہ مرزائی یا قادیانی بھی شامل ہیں جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں۔ اسرائیل یہودی صیہونیت کا ہتھیار ہے۔ جس کے ذریعے یہودی عالم اسلام کو زیر کرنا چاہتے ہیں —— 1972ء تک اسرائیل میں موجود "احمدیوں" کی تعداد چھ سو تھی جن پر اسرائیلی فوج میں "خدمت" کے دروازے کھول دیے گئے تھے۔ یہ تفصیل پولیٹیکل سائنس کے یہودی پروفیسر آئی۔ ٹی۔ نہائی کی کتاب (ISRAEL A PROFILE) کے صفحہ 75 پر موجود ہے۔ یہ کتاب پال مال لندن 1972ء میں

تھی ہے۔ دلچسپ چیز یہ ہے کہ اس کتاب کے صفحہ 54 پر صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ عربوں پر یہ پابندی اب بھی قائم ہے کہ وہ کسی سرسبز گاؤں میں نہیں رہ سکتے اور اسرائیلی فوج میں بھرتی بھی نہیں ہو سکتے۔ اس کتاب کے صفحہ 75 پر یہ بھی موجود ہے کہ یہ "احمدی" پاکستان سے ہیں اور مسلمان بالخصوص پاکستانی مسلمان کے لیے یہ بات یوں بھی انتہائی افسوس کا موجب ہے کہ ان احمدیوں کو پاکستانی قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے بھی یہ تحریک التوا کے ذریعہ اسے پاکستان کے مقتدر ترین ایوان میں زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔

○ اب اسرائیل سے احمدیوں کے گٹھ جوڑ کی مصدقہ کہانی خود ان کے رسائل و جرائد سے حاضر ہے۔ ان شرمناک سرگرمیوں اور استحصالی ہتھکنڈوں کا سلسلہ تو بہت پرانا اور طویل ہے۔ تاہم چند واقعات ملاحظہ کریں۔ تحریک جدید کے مبلغ فلسطین رشید احمد چغتائی اسرائیل سے پاکستان ارسال کردہ ماہ اگست تا اکتوبر 1948ء اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

> "فلسطین کے شہر صور اپنے حیفا کے احمدی بھائیوں تک پہنچنے کے سلسلہ میں گیا۔ جہاں فلسطینی پناہ گزینوں میں تبلیغ کی۔ احمدی بھائیوں کی خواہش پر دو یوم قیام رہا۔ تبلیغ کے علاوہ ان کی تربیت کے لیے بھی وقت صرف کیا۔ یہاں 29 کس کو تبلیغ کی۔ ایک شخص سے خاص طور پر تبادلہ خیالات دو روز تک چار سے چھ گھنٹے تک ہوتا رہا۔ انھیں بعض کتب بھی مطالعہ کے لیے دی گئیں"۔

(اخبار "الفضل" 12 مارچ 1949ء)

○ چوہدری محمد شریف 15 اگست 1948ء سے جون 1949ء کے عرصہ کی اسرائیل سے پاکستان روانہ کی گئی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

"ہماری آنکھوں کے سامنے شہر کر گئے۔ آبادیاں ویران ہو گئیں' ان ایام میں جبکہ چاروں طرف گولیاں برستی تھیں اور ہر رات معلوم ہوتا تھا کہ صبح ہم پر طلوع ہوگی یا نہیں۔ دعوت احمدیت کا کام باوجود محصور ہونے کے جاری رکھا"۔

("تاریخ احمدیت" جلد نمبر 13' ص 131)

"نومبر 1955ء میں چوہدری شریف کی جگہ جلال الدین قمر کو اسرائیل میں نیا مبلغ مقرر کیا گیا۔ چوہدری صاحب 1938ء سے اسرائیل میں مصروف عمل تھے۔ شیخ نور احمد اور رشید چغتائی اسرائیل سے پاکستان آنے تک (1951ء) ان کے ساتھ کام کرتے رہے تھے۔ چوہدری صاحب بھی اسرائیل سے پاکستان آئے۔ یہ تینوں مبلغ تاوم تحریر (جنوری 1978ء) ربوہ میں موجود ہیں اور جلال الدین قمر جو 1955ء سے اسرائیل مشن کے انچارج ہیں ان کا سارا خاندان ربوہ میں ہے۔ بہرحال چوہدری شریف اسرائیل سے پاکستان آنے لگے تو اسرائیلی صدر بن زیوی نے ان کو خصوصی پیغام ارسال کیا کہ وہ وطن جانے سے پہلے ان سے ضرور ملیں۔ اسرائیلی صدر کا یہ اشتیاق بعض اہم حقائق کا عکاس ہے۔ 28 نومبر کو چوہدری صاحب نے ان سے ملاقات کی۔ مرزا محمود نے خطبہ جمعہ مورخہ 5 ستمبر 1958ء میں اس ملاقات کا ذکر بڑے تفخر و مباہات سے کیا ہے"۔

("تاریخ احمدیت" جلد نمبر 5' ص 507)

"مرزا مبارک احمد نے اس واقعہ کی بابت لکھا۔

"قارئین ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہمارے مشن کی پوزیشن کا اندازہ لگا سکیں گے' جو اسے اسرائیل میں حاصل ہے۔ 1956ء میں جب ہمارے مشنری چوہدری محمد شریف تحریک کے ہیڈ کوارٹرز پاکستان آنے لگے تو اسرائیل کے صدر نے انہیں پیغام ارسال کیا کہ وہ جانے سے قبل انہیں ملیں۔ چوہدری محمد شریف نے موقع سے فائدہ اٹھا کر (قادیانی) قرآن حکیم کے جرمن ترجمے کی ایک کاپی آپ کو پیش کی جو آپ نے بخوشی قبول کی۔ یہ انٹرویو اور اس کے احوال اسرائیلی پریس اور اسرائیلی ریڈیو نے نشر کیے"۔

("تاریخ احمدیت" جلد 5' ص 507)

قادیانی جماعت کی ربوہ سے شائع شدہ کتاب (Our Foreign Missions) کے صفحہ نمبر 79 پر ملاحظہ فرمائیں۔

"1956ء میں جب ہمارے مبلغ چوہدری محمد شریف صاحب ربوہ پاکستان واپس تشریف لا رہے تھے۔ اس وقت کے اسرائیل کے صدر نے ہماری مشینری کو پیغام بھیجا کہ چوہدری صاحب روانگی سے پہلے صدر صاحب سے ملیں"۔

1957ء میں سالانہ جلسے کی تقریب میں رائل فیملی کے ایک فرد نے اسرائیلی حکومت اور قادیانی مشن کے مابین تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

"اس وقت فلسطین میں جو چند مسلمان باقی ہیں ان کی تسلی اور ڈھارس صرف ہمارے مشن کے ذریعے ہی ہے' جو مسلمانوں کی بہبود اور ترقی کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ گزشتہ دنوں ہمارے مبلغ نے حیفا کے میئر سے ملاقات کی اور مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات کیا۔ چنانچہ ہماری تعلیمی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر انہوں نے کہا کہ وہ کبابیر میں مدرسہ کی عمارت بنا کر دینے کے لیے تیار ہیں اور کہا کہ میں کبابیر ملنے کے لیے آؤں گا۔

چنانچہ بعد میں وہ مقررہ تاریخ پر چار دیگر معزز آدمیوں سمیت آئے' جن میں مندوب البلاد بھی تھا۔ اس موقع پر جماعت کے دوستوں اور مدرسہ احمدیہ کے طلباء نے معزز مہمانوں کا استقبال کیا اور ان کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی گئی۔ واپسی سے قبل میئر صاحب نے مشن کے رجسٹر میں عمدہ تاثرات کا اظہار کیا۔ ہمارے دارالتبلیغ میں ایک صحافیہ ملنے کے لیے آئی' جس نے تبادلہ خیالات کیا اور بعد میں ہمارے مبلغ مسجد اور مشن ہاؤس کی تصاویر ایک اخبار میں شائع کروائیں اور جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کیا"۔

("اشاعت اسلام اور ہماری ذمہ داریاں" از مرزا مبارک احمد' ص 71 مطبوعہ ربوہ)

● ایک یہودی مصنف نے اپنی کتاب "اسرائیل میں عرب" میں انکشاف کیا ہے کہ 31 دسمبر 1965ء کو اسرائیل میں غیر یہود افراد کی تعداد تین لاکھ ستائیس تھی' جو تمام عرب تھے اور ایران سے آنے والے چند سو احمدی یہاں موجود تھے۔

جیلب ایم لانڈاؤ Jalob - M - Landau) "دی عرب' ان اسرائیل اے پولیٹیکل سٹڈی

آکسفورڈ یونیورسٹی" پریس لندن 1949ء "بحوالہ قادیان سے اسرائیل تک")

○ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی پسپائی پر علاقہ کبابیر' اسرائیل کے کلرائیوں نے جشن مسرت منایا اور چراغاں کیا"۔

(مرزائیل' از شورش کاشمیری)

○ ان پیچیدہ کڑیوں کو عقل و فہم کے میزان میں تولنے سے ہی حقیقت حال عیاں ہو سکتی ہے۔ یہودی اپنے نظریات میں کس قدر ہٹ دھرم اور مستقل مزاج ہیں۔ اس کا ذرا سا اندازہ پادریوں کے اس مطالبہ کے تناظر میں لگایا جا سکتا ہے۔

عیسائی مشنریوں نے بہت سے مواقع پر مطالبہ کیا ہے کہ اسرائیلی انہیں تبلیغ کی اجازت نہیں دیتے"۔

(روزنامہ "مارننگ نیوز" کراچی۔ 26 ستمبر 1973ء)

○ عیسائی، یہودیوں کے محسن و مربی ہیں۔ وہ اس امر سے محروم رہیں لیکن پاکستانی قادیانیوں کو اس کی اجازت مل جائے ــــــ تعجب ہے۔

مولانا سمیع الحق لکھتے ہیں۔

"جولائی 1976ء میں امریکہ، فرانس اور مغربی جرمنی کے سات یہودیوں کا ایک گروپ پاکستان میں سیاحوں کے بھیس میں وارد ہوا۔ انہوں نے پہلے ایک مقامی ہوٹل میں قیام کیا، پھر راولپنڈی کے ایک علاقے ڈھوک پراچہ نزد سیٹلائٹ ٹاؤن میں اپنا مرکز قائم کیا اور اپنی تنظیم "چلڈرن آف گاڈ" کا پرچار کرنے لگے۔ انہوں نے جدید یہودیت کا پرچار شروع کیا۔ عوام نے جب مقامی قادیانی جماعت کے مربی دین محمد شاہد اور کئی دوسرے قادیانیوں کو شہر کے مختلف مقامات میں ان کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھا تو وہ چوکنے ہو گئے"۔

("قادیان سے اسرائیل تک" ص 223، مولانا سمیع الحق)

○ ہوا یوں کہ اس خبر کے گردش کرتے ہی بعض رسائل و اخبارات کے چالاک نمائندے ان کے مابین گٹھ جوڑ کی ٹوہ لگانے پر مامور ہو گئے۔ آخرکار وفاقی حکومت نے چھان بین کرنے کے بعد 7 اگست 1976ء کو "چلڈرن آف گاڈ" نامی اس یہودی تحریک کو خلاف قانون قرار دیا اور اعلان کیا کہ اسے اسرائیل کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس تنظیم کے تین ارکان امریکی یہودیوں رونالڈ کٹیلر اور کارول کٹیلر اور مسٹر ڈونا، دو برطانوی یہود مسٹر رابرٹ ٹلوائنڈ اور مسٹر سمیلی فورڈور، مغربی جرمنی کے مسٹر پوٹر ساسی اور فرانس کی مس سیکہ کو بلیک لسٹ قرار دے کر انہیں پاکستان سے نکال دیا گیا۔

[روزنامہ "ڈان" کراچی، 8 اگست 1976ء]

○ 1974ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران برطانوی پارلیمنٹ کے بعض یہودی اراکین نے بھی قادیانیوں کے حق میں بیانات دیے۔ قادیانی مشن لندن نے اس تحریک

کے دوران عالمی پریس کے ردعمل کو کتابی صورت میں مدون کیا (اس میں پانچ چوٹی کے پریس کے تبصرے لائق مطالعہ ہیں)۔

(پی۔ اے رشی' فرام دی ورلڈ پریس لندن)

○ سقوط ڈھاکہ سے چند روز قبل سعودی عرب کے ایک موقر جریدہ نے اپنے نمائندہ خصوصی کے حوالہ سے ایڈیٹوریل میں لکھا تھا۔ "محمود قاسم نامی مجیب الرحمٰن کے ایک قریبی ساتھی نے اسرائیل کا دورہ کیا ہے۔ اسرائیل نے اسے باقاعدہ وفد کے ساتھ دوبارہ اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور جوش و خروش سے بنگلہ دیش کے موقف کو سراہا اور بیت المقدس میں اس کے لیے پریس کانفرنس کا انتظام کروایا گیا۔

(روزنامہ "المدینہ العربیہ" 17 ستمبر بحوالہ "قادیان سے اسرائیل تک" ص 218)

○ آخر میں یہ بھی دیکھتے چلیں کہ لاہوری مرزائی ایم۔ اے فاروقی اور ایم ایم احمد کا کردار کتنا گھناؤنا رہا۔ حقیقتاً وہ سامراج کے مہرے اور سی آئی اے کے آلہ کار تھے۔ مشرقی پاکستان کے معروف لیڈر مولانا فرید احمد مرحوم نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "سورج بادلوں کی اوٹ میں" (انگریزی) میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"موتمر عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل جناب عنایت اللہ نے انہیں کراچی میں بتایا تھا کہ یہودی ایم ایم احمد کی معرفت اپنی مذموم کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ انہیں سی آئی اے سے ہدایات ملتی ہیں۔ قادیانیوں اور یہودیوں کی سازباز اتنی عیاں ہے کہ نظرانداز نہیں کی جا سکتی"۔

("The Sun Behind Clouds" ڈھاکہ 1970ء' ص 98' از مولوی فرید احمد)

○ مکہ مکرمہ (سعودی عرب) سے شائع ہونے والے اخبار "الندوۃ" نے قادیانیت اور صیہونیت کے گٹھ جوڑ پر سعودی عرب کے علاوہ عالم اسلام کے مقتدر علماء کا مشترکہ بیان شائع کیا۔ جو حسب ذیل ہے۔

الندوة

القاديانية حرب على الإسلام وعلى وحدة هذه الأمة ورسالتها

صلات وثيقة بين القاديانية وإسرائيل

ومركز قادياني تنشط في الأراضي العربية المحتلة

(روزنامہ "الندوۃ" 16 جون 1973ء)

الندوۃ کے اس انکشاف سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قادیانیت' یہودیت اور صیہونیت کے درمیان کس طرح خفیہ رابطے موجود ہیں۔ اس مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے ہفت روزہ "خدام الدین" نے حسب ذیل اداریہ تحریر کیا۔

"قادیانیت اور صیہونیت کا گٹھ جوڑ

مکہ معظمہ کے روزنامہ "الندوۃ" نے مسئلہ قادیانیت پر سعودی عرب اور ممالک اسلامیہ کے ممتاز اور مقتدر علماء کا ایک مشترکہ بیان شائع کیا ہے۔ جس کا عکس صفحہ 4 پر شریک اشاعت ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ "قادیانیت' صیہونیت اور یہودیت" کے درمیان خفیہ رابطے موجود ہیں اور ان کی بنیاد پر اسرائیل میں قادیانیوں کا ایک بہت بڑا مرکز کام کر رہا ہے۔ یہ مشترکہ بیان روزنامہ "الندوۃ" کی 16 جون کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ بیان دینے والوں میں نائجیریا کے علماء دین الشیخ سید امین کبتی' الشیخ حسن المشاط اور الشیخ ابوبکر جری اور سعودی عرب کے علماء میں سے الشیخ محمد علوی المالکی' الشیخ اسماعیل زین' الشیخ محمود نعیم الفرازی' الشیخ عبداللہ بن سعد اور نائجیریا کے مسلمانوں میں سے الشیخ محمد نور سیف' الشیخ حسنین المخلوف مفتی مصر السابق۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ اسلام اور وحدت اسلامیہ کے خلاف قادیانیت برسرپیکار ہے چونکہ مسلمان استعماری طاقت کی راہ میں ہمیشہ رکاوٹ رہے ہیں اس لیے انگریزی استعمار نے قادیانیت کو پیدا کیا تاکہ اس کے ذریعے مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پیدا کیا جائے اور مسلمانوں کا "جذبہ جہاد" کمزور کیا جائے۔ آج قادیانیت اور یہودیت و صیہونیت کے درمیان خفیہ اور گہرے مضبوط رابطے موجود ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی

صفوں میں انتشار پیدا کر کے اسلامی قوت کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ اس غرض کے لیے مختلف عرب ممالک میں بھی قادیانیت کے مراکز کام کر رہے ہیں اور اسرائیل کے زیر قبضہ مصری' شامی' اردنی علاقوں میں بھی قادیانیت کے مراکز قائم ہیں اور قادیانی اپنے اغراض و مقاصد کے لیے کروڑوں روپے صرف کر رہے ہیں۔ مشترک بیان میں کہا گیا ہے کہ حال ہی میں قادیانیوں نے اپنا مرکز افریقہ منتقل کر لیا ہے اور افریقہ میں مسلمان مبلغین کی تعداد ناکافی ہے' اس لیے خدشہ ہے کہ قادیانیوں کا یہ مرکز افریقی مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے۔ اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاریاں کرنی چاہئیں۔ ہم تمام اسلامی حکومتوں اور جماعتوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ قادیانیت کے زبردست خطرہ کو پہچانیں اور اس کے مقابلے کا چیلنج قبول کریں۔ اس سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ تمام اسلامی حکومتیں پہلے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیں اور مسلمان ملکوں کی حدود میں اس گمراہ فرقے کو کام کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور قادیانیت کے خلاف جہاد کے لیے مکہ معظمہ کو مرکز بنایا جائے۔

ہم عالم اسلامی کی ان ممتاز دینی شخصیات کے پورے متفق اور مؤید ہیں جہاں تک قادیانیت اور صیہونیت کے گٹھ جوڑ کا تعلق ہے ممکن ہے دنیائے اسلام کے بعض علماء کرام کے لیے انکشاف کا درجہ رکھتا ہو کیونکہ وہ حضرات ان فتنوں سے دیر بعد مطلع ہوسکے ہیں لیکن برصغیر پاک و ہند کے علماء کرام تو ایک مدت سے قادیانیت اور صیہونیت کے گٹھ جوڑ اور ان فتنوں کی خطرناکیوں سے ملت اسلامیہ کو خبردار کر رہے ہیں۔

برصغیر کی مذہبی اور سیاسی جماعتوں میں سے مجلس احرار اسلام وہ پہلی دینی جماعت ہے جس نے قیام پاکستان سے بہت پہلے قادیانیت اور صیہونیت کے گٹھ جوڑ کا نہ صرف انکشاف کیا تھا بلکہ نشاندہی کی تھی کہ اگر ہندوستان

سے قادیانیت اور مشرق وسطیٰ سے صیہونیت کے فتنے ختم نہ کیے گئے' تو نہ برصغیر میں مسلمانوں کی ملی وحدت قائم رہ سکتی ہے اور نہ ہی صیہونیت کی سازشوں اور ان کی جارحانہ سرگرمیوں کے باعث عالم اسلام کی آزادی قائم رہ سکتی ہے۔۔۔ چنانچہ مجلس احرار اسلام نے برطانوی سامراج کے پنجہ استبداد سے آزاد کرانے کے لیے فلسطین کی آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ اور اہل اسلام کو خبردار کیا کہ مغربی طاقتیں فلسطین کا وجود ختم کر کے صیہونی ریاست اسرائیل قائم کرنے کے خوفناک منصوبے بنا رہی ہے۔ چنانچہ بعد میں یہودی فتنہ گروں نے فلسطین کی آزادی سلب کرنے اور اسرائیل کے قیام کے سلسلہ میں جو جو حرکتیں کیں مجلس احرار اسلام کے زیرک بصیرت و فراست رہنماؤں چوہدری افضل حق' امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری' مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی' مولانا محمد علی جالندھری' قاضی احسان احمد شجاع آبادی' شیخ حسام الدین' ماسٹر تاج الدین انصاری' مولانا مظہر علی اظہر' نوابزادہ نصراللہ خان' آغا شورش کاشمیری اور اس دور کے دیگر احرار رہنماؤں نے قادیانیت اور صیہونیت کے فتنوں سے قوم کو آگاہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ ادھر مشرق وسطیٰ میں السید جمال عبدالناصر مرحوم سابق صدر متحدہ عرب جمہوریہ پہلی شخصیت تھے' جنہوں نے قادیانیت اور صیہونیت کے فتنوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر ان کے انسداد کے لیے موثر کارروائی کی تھی۔ چنانچہ مصر میں قادیانیت اور صیہونیت دونوں کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ بعد ازاں قادیانیوں نے اپنا دفتر تل ابیب (اسرائیل) میں قائم کر لیا اور پاکستانی جماعتوں یا فرقوں میں سے صرف قادیانیت واحد تنظیم ایسی ہے کہ پاکستان کی طرف سے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کے باوجود اس ملک کی ایک جماعت کا دفتر ربوہ اور اسرائیل دونوں جگہ قائم

ہے۔ اور دونوں مقامات کے لوگوں کی آزادانہ آمد و رفت کا سلسلہ بھی قائم ہے۔

ایسی ناگفتنی صورتوں کی موجودگی میں بھی اگر پاکستانی ارباب اقتدار' یہاں کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں خصوصاً "حزب اختلاف" سے تعلق رکھنے والے رہنما اگر اس موضوع پر اظہار خیال کو غیر موزوں قرار دیں' قوم کو ان فتنوں سے آگاہ نہ کریں اور اپنے ذاتی اقتدار کے لیے اپنا پورا زور صرف کریں تو ہمیں ایسے رہنماؤں سے کوئی ہمدردی ہے اور نہ ان کے ذاتی پروگرام سے دلچسپی۔ ہم تو صرف ان رہنماؤں کے مداح' ان کے موید اور ان کے مخلص خادم ہیں' جو حضور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور قادیانیت و صیہونیت کے فتنوں کو اسلامی وحدت اور ملی یکجہتی کے خلاف خطرناک سازش قرار دیتے ہوئے ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے سرگرم عمل ہیں"۔

(ہفت روزہ "خدام الدین" ص 13' 3 جولائی 1973ء)

● یہودیت اور کادیانیت

ذیل کی عبارات دمشق کے ایک مطبوعہ رسالہ "القادیانیۃ" کے صفحہ 12 تا 14 سے اصل فوٹو سمیت نقل کی جاتی ہیں۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ دنیائے اسلام بالخصوص عرب ممالک کی ہم پاکستانیوں سے بدگمانی کے محرکات کیا ہیں؟

القادیانیة واسرائیل

اراد القادیانیة التبشیر بدینهم الجدید فی البلاد العربیة فحشروا فی البلاد التی یجدونها اکثر ملائمة لهم لیأسسوا فیها مرکز تبشیرهم فلم یجدوا خیرا من مدینة حیفا . ویرجع ذلک لسبب واحد هو الاستظلال بالرایة البریطانیة التی یجدون تحت ظلها مأوا وامنا واستقرارا وهکذا فقد اسسوا فی حیفا مرکزهم ومنه یرسلون دعاتهم الی البلدان العربیة ومنذ انسحبت الدولة الانکلیزیة من حیفا رغبة القادیانیون تحت ظل لواء (اسرائیل) امنا وسلاما وظلا ظلیلا ولایزال مرکزهم الی الآن فی فی مدینة حیفا یحتلون فلسطین ویخرجون منها الی البلاد العربیة .

تجسس القادیانیة

وبکل صراحة نقول ان التساهل مع القادیانیین تخشی عقباه خصوصا وان لهم سابقة فی التجسس فی الحرب العامة الاولی فقد فر من الجیش الانکلیزی قادیانی معروف یقال له ولی الله زین العابدین وادعی انه لاجیء الی الدولة العثمانیة حامیة الاسلام فانخدع به العثمانیون ورحب به قائد الجیش الخامس جمال باشا وعینه فی الکلیة الصلاحیة فی القدس معلما لتاریخ الأدیان فی سنة ۱۹۱۷ ولما دخل الجیش البریطانی دمشق انضم الیه ولی الله زین العابدین المذکور

(شکریہ ہفت روزہ "المنبر" لائل پور، جلد 18، شمارہ 21، 23 جولائی 1973ء)

کادیانی اور اسرائیل

اول: عقائد و نظریات

اس بحث میں ہم بتائیں گے کہ قادیانیت' یہودیت کا چربہ ہے' بالخصوص

1- نبوت کا جو معیار یہودیوں کے ہاں موجود ہے وہی معیار قادیانیت نے اپنے ہاں ملحوظ رکھا ہے۔

2- سیدنا مسیح ابن مریم علیہ السلام سے دشمنی اور ان پر الزامات' جس طرح اور جو جو الزامات یہود نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر عاید کیے ہیں وہی الزامات مرزا غلام احمد نے ان پر لگائے۔

دوم: سیاسی مقاصد اور سیاسی پالیسی

اس عنوان کے تحت یہ واضح کیا جائے گا کہ

1- قادیانی مسلمانوں سے دلی دشمنی رکھتے ہیں' ٹھیک اسی طرح جس طرح یہود کو قرآن نے "اشد عداوۃ" قرار دیا۔

2- اس کے بالمقابل قادیانیوں کا دلی تعلق کفار سے ہے' کفار سے عقیدت' محبت ان کی سرپرستی قبول کرنے اور ان کا قرب حاصل کرنے کے پیہم سعی' اس جماعت کی 70 سالہ تاریخ کا صحیح عنوان ہے۔

3- مسلمانوں کی جاسوسی۔

4- مسلمانوں اور کفار کی جنگ میں' مسلمانوں کے خلاف کفار سے تعاون اور ان کی امداد

5- مسلم ممالک کے خلاف سازشیں۔

6- مسلم ممالک پر کفار کے غلبہ پر اظہار مسرت۔

اسرائیل میں قادیانی مشن اور اخبارات کے تاثرات

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

میاں عبدالحق نے 2 جون 1966ء کو نیشنل اسمبلی میں یہ سوال کیا کہ اس امر میں کہاں تک صداقت ہے کہ اسرائیل میں کوئی احمدیہ مشن قائم ہے۔ جواب اثبات میں ہے تو اس مشن کے مالی وسائل کیا ہیں؟

وزیر خارجہ نے تحریری جواب میں کہا کہ حکومت کو نام نہاد مملکت اسرائیل میں احمدیہ مشن کے قیام کا قطعاً علم نہیں۔ کسی شخص یا کسی گروپ نے ایسی کوئی اطلاع حکومت کو مہیا نہیں کی اگر اس کے متعلق ٹھوس معلومات حکومت کو مہیا کی جائیں تو وہ خوش ہو گی۔

تعجب ہے کہ حکومت پاکستان کی وزارت خارجہ کو اسرائیل میں احمدیہ مشن کے وجود کا علم نہیں؟ کیا حکومت کی معلومات کے ذرائع ناقص ہیں یا اس نے جواب دینے میں مصلحت اختیار کی ہے' یا حکومت کے نزدیک قادیانی جماعت کا وجود اتنا غیر اہم ہے کہ وہ اس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا ضروری نہیں سمجھتی؟ حکومت بالخصوص وزارت خارجہ کی اطلاع کے لیے ہم مرزا مبارک احمد کی تالیف ہمارے بیرونی مشن کا سرورق اور ساتھ ہی صفحہ 79 کا انگریزی متن بہ عنوان اسرائیلی مشن مع ترجمہ اسی صفحہ پر تصویری عکس کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ اس شہادت کے بعد کسی دوسری شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ زیر نظر کتاب 105 صفحات اور بہت سی تصویروں پر مشتمل ہے۔ پانچواں ایڈیشن جو ہمارے پیش نظر ہے' نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا ہے۔ ناشر ہے احمدیہ مسلم فارن مشن ربوہ' تعداد ہے پانچ ہزار۔ فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیوں کے تقریباً 31 مشن مختلف عالمی ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ بالخصوص ان ملکوں میں جہاں انگریزوں کی عملداری رہی ہے یا مغربی طاقتوں کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ:

① اسرائیل میں احمدیہ مشن کی اجازت کیسے ہوئی؟

② متن سے ظاہر ہے کہ یہ مشن ربوہ کے ہیڈکوارٹر کی نگرانی میں ہے۔ ربوہ کو یہ حوصلہ کیونکر ہوا کہ جس ملک کے ساتھ پاکستان کے سفارتی تعلقات نہیں ہیں اور وہ اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا اس میں احمدیہ مشن قائم کرے۔

③ یہ احمدیہ مشن کس غرض سے وہاں ہے کیا ان یہودیوں میں تبلیغ اسلام مقصود ہے جو اسلام کا دل چیر کر عربوں کے قلب میں خنجر کی طرح ترازو ہو گئے ہیں' یا ان عرب مسلمانوں کو محمد عربیؐ سے منحرف کر کے غلام احمد کا متبع بنانا مطلوب ہے' جو بے قابو حالات کی بدولت اسرائیل میں رہ گئے ہیں۔

④ قادیانیوں نے پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ کی فتح پر چراغاں کیا۔ بالخصوص بغداد کے سقوط پر جشن رچایا تھا۔ مرزا غلام احمد اور ان کے جانشین مرزا بشیر الدین محمود کی تحریروں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ کیا یہ مشن اسی ذہن کے ساتھ کام نہیں کر رہا؟ ان کے نزدیک وہ تمام مسلمان کافر ہیں جو مرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس مشن کا مقصد برطانوی سراغرسانی کی کسی فصل کا حصہ تو نہیں؟ کیا اس کے سپرد اسرائیل کو اسلامی ملکوں سے سیاسی معلومات بہم پہنچانا ہے؟ آخر ایک پاکستانی مشن کو ایک مخصوص ماضی کے ساتھ ایک ایسی مملکت میں کام کرنے کی اجازت کیوں حاصل ہے جس کا وجود قلب اسلام میں ایک پھوڑا ہے۔

⑤ کیا اس مشن کے قیام اور احمدیہ جماعت کے وجود سے عرب ملکوں میں ہمارے خلاف بدگمانی پیدا ہونے کا امکان نہیں؟

یقین ہے کہ ان معلومات کے بعد حکومت کو خوشی نہیں بلکہ رنج ہو گا۔

(ہفت روزہ "چٹان" 13 جون 1991ء)

روزنامہ "سعادت" لائل پور

"پاکستان کی کامیاب خارجہ پالیسی کے پیش نظر پاکستان کے تعلقات تمام ممالک سے قائم ہیں جو پاکستان کے دوست یا عالمی برادری میں انصاف کے علمبردار ہیں۔ پاکستان کے اگر کسی ملک کے ساتھ تعلقات قائم نہیں ہیں' یا نہیں ہو سکے تو اس کا مطلب صاف ہے کہ ایسے ممالک پاکستان کے دشمن یا جانبدار پالیسی کے حامل ہیں۔ ان ممالک میں اسرائیل سرفہرست ہے جس کے متعلق ہمارے وزیر خارجہ جناب بھٹو نے صاف طور پر کہا ہے کہ:

> "پاکستان اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتا اس لیے ہمارے کسی قومیت کے سرکاری یا غیر سرکاری تعلقات اسرائیل سے نہیں ہیں۔ آپ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ پاکستانی شہری اسرائیل نہیں جا سکتا اور نہ ہی پاکستان سے کوئی رقم اسرائیل کو بھیجی جا سکتی ہے"۔

عرب ممالک سے پاکستان کے تعلقات نہ صرف برادرانہ بلکہ اسلامی جذبہ یگانگت کے تحت بڑے گہرے ہیں اور وہ عرب ممالک کے جذبات و احساسات کا پورا پورا احترام کرتا ہے۔

اسرائیل کے ساتھ پاکستان کے تعلقات قائم نہ ہونا اسی جذبہ اخوت کا مظہر ہے کیونکہ اسرائیل عرب ممالک کے لیے ایک عظیم خطرہ ہے۔ ان حالات میں کسی پاکستانی کا اسرائیل کے ساتھ تعلق رکھنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ پاکستان کا دشمن ہے۔ ہمارے لیے یہ انکشاف انتہائی طور پر تشویش ناک ہے کہ اسرائیل میں قادیانی مشن موجود ہے"۔ معاصر عزیز

ہفت روزہ "لولاک" لائل پور نے اس کا ثبوت اپنے حالیہ شمارہ میں بہم پہنچایا ہے اور اس سلسلہ میں قادیانیوں کی اپنی شائع کردہ کتاب "Our Foreign Mission" (آور فارن مشن) کے صفحہ 79 کا حوالہ دیا ہے جس میں تسلیم کیا گیا ہے کہ اسرائیل میں قادیانی مشن موجود ہے اور اس کی اسرائیل سے سرپرستی حاصل کر لی ہے۔ اب وہ قادیانی مشن کے تحت سکول معرض وجود میں آنے والا ہے' اس کے لیے اسرائیل ریڈیو سے قادیانی سربراہ کا انٹرویو بھی نشر ہو چکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پاکستان کے وزیر خارجہ جناب بھٹو نے 3 جون کو قومی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ اگر کوئی شخص اسرائیل میں قادیانی مشن کی موجودگی کے متعلق ہمیں ٹھوس معلومات بہم پہنچائے تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ انکشاف یقیناً ٹھوس معلومات کا حامل ہے' اور اگر اس میں شک کی گنجائش ہے تو پھر حکومت کو چاہیے کہ وہ اس شک کو دور کرے اور اس معاملہ کی حقیقت تک پہنچے اور اگر اسرائیل میں قادیانی مشن موجود ہے تو پھر وہ سوچے اور اس کے متعلق اپنی عظیم خارجہ پالیسی کے مطابق فوری اقدام کرے۔

اسرائیل میں اگر قادیانی مشن موجود ہے' تو پھر یہ مشن پاکستان کے خلاف وہاں ایک باقاعدہ سازشی اڈہ کی حیثیت رکھتا ہے' جو نہ صرف پاکستان کے مسلمانوں اور پاکستانی حکومت کے خلاف بلکہ پورے عرب اور اسلامی ممالک کے لیے ایک چیلنج ہے۔ ہم نے اس سے قبل "قادیانی مذہبی سرگرمیوں" کا شدت کے ساتھ کبھی محاسبہ نہیں کیا' لیکن ہم قادیانی مشن کی ان سیاسی سرگرمیوں کو کبھی نظرانداز نہیں کر سکتے۔

اسرائیل میں قادیانی مشن کا قیام پاکستان کے خلاف کھلی دشمنی ہے' جس سے قادیانی مذہبی سرگرمیوں کا بھی بھرم کھل جاتا ہے اور یہ بات

ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ فرقہ سیاست اور مذہب کی آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے یکساں طور پر دشمنی کر رہا ہے۔

ہم یہاں اس انکشاف پر مزید تبصرہ اس وقت تک کے لیے محفوظ رکھتے ہیں جب تک کہ اس کے متعلق ہماری حکومت کی طرف سے کوئی اقدام نہیں ہو جاتا۔ ہمیں یقین ہے کہ حکومت پاکستان اس انکشاف کو صدا بصحرا تصور نہیں کرے گی اور نہ ہی اسے کسی مجذوب کی بڑ خیال کرے گی بلکہ اسے باقاعدہ انتباہ خیال کرتے ہوئے' اس کے پس منظر اور پیش منظر کا پورا پورا پتہ چلائے گی' اس کے اسباب و علل پر غور کرے گی اور پھر تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد اس سے متعلق کوئی اہم اقدام کرے گی۔ ہمیں یہاں حکومت کے ارباب کو متوقع خطرات سے آگاہ کرنے کی ضرورت نہیں' کیونکہ ارباب حکومت اس بات کو بہتر جانتے ہیں کہ پاکستان کے دشمن ملک میں اس قسم کے مشن کا قیام پاکستان کے لیے کتنا سود مند یا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری حکومت اس طرف بغیر کسی تاخیر کے فوری توجہ دے گی' اور پھر اس ناسور کے خاتمہ کے لیے کوئی موثر تدبیر کرے گی"۔

(روزنامہ "سعادت" 15 جون 1966ء)

روزنامہ "ڈیلی بزنس" لائل پور

"گزشتہ دنوں قومی اسمبلی کے ایک معزز رکن میاں عبدالخالق کے اس استفسار پر کہ آیا حکومت کو اس بات کا علم ہے کہ اسرائیل میں احمدیوں کا کوئی مشن موجود ہے۔ وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے نادانستگی اور لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے برملا فرمایا تھا کہ اگر اس بارے میں انہیں ٹھوس واقعات اور معلومات مہیا کیے جائیں تو انہیں مسرت ہوگی۔ چنانچہ

وزیر خارجہ کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے ہفت روزہ "لولاک" کے مدیر سرپرست مولانا تاج محمود نے اپنے تازہ شمارے میں اس بارے میں نہ صرف ٹھوس اور مثبت معلومات اور حقائق و معارف ہی پیش کر دیئے ہیں بلکہ احمدیوں کی ایک بات اور فارن مشن کے حوالہ سے ثابت کر دیا ہے کہ احمدیہ مشن صرف وہاں موجود ہی ہے بلکہ اسرائیلی حکومت کے ارباب بست و کشاد سے ان کے تعلقات نہایت گہرے اور استوار ہیں۔ چنانچہ مولانا ممدوح نے اپنے اس موقف کی تائید میں احمدیوں کی متذکرہ بالا کتاب کے صفحہ 79 پر انگریزی زبان میں شائع شدہ ایک تحریر کا ترجمہ بھی "لولاک" میں درج کیا ہے' جس سے واضح ہوتا ہے کہ احمدیہ مشن اسرائیل میں حیفا (ماؤنٹ کرمال) کے مقام پر واقع ہے اور وہاں مشن ہاؤس کے علاوہ ایک مسجد ایک لائبریری اور ایک سکول بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ احمدیہ مشن کی تبلیغ و اشاعت کے لیے البشریٰ کے نام سے ایک ماہنامہ عربی رسالہ بھی جاری ہے۔ ہمارے خیال میں معاصر عزیز "لولاک" کے اس انکشاف کے بعد کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ اس انکشاف کے بعد اب ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت خصوصاً وزارت خارجہ اس طرف فوری طور پر متوجہ ہو۔

"ہم آج اس الزام کا مستند ثبوت پیش کر رہے ہیں اور یہ ثبوت ہے' ربوہ کے ایک پریس سے شائع شدہ بجٹ کا جو قادیانیوں کی قائم کردہ تحریک جدید برائے 65/66 منظور ہوا ہے' اس بجٹ کے صفحہ 25 پر ایک پورا صفحہ اس ترتیب سے چھپا ہے' جو ترتیب ہم یہاں دے رہے ہیں۔ اس دستاویزی ثبوت کے بعد ہم وزارت خارجہ کے موقف کا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیں گے کہ جب حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ نہ کوئی پاکستانی اسرائیل جا سکتا ہے اور نہ ہی پاکستانی سرمایہ وہاں

منتقل ہو سکتا ہے تو یہ کیسے ہوا کہ قادیانی مبلغ اسرائیل پہنچے' وہاں انہوں نے اپنا مشن قائم کیا اور وہ سالہا سال سے پاکستانی کرنسی کو اسرائیل میں منتقل کر رہے ہیں"۔

[المنبر" لائل پور' 10 جون 1966ء]

(بحوالہ ہفت روزہ "لولاک" لیصل آباد' جلد 3' شمارہ 15' 24 جون 1966ء)

حکومت پاکستان اور مرزائیت

پاکستان کے وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے 3 جون 1966ء کو قومی اسمبلی میں میاں عبدالحق صاحب کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"حکومت کو قطعا علم نہیں کہ کوئی احمدیہ مشن نام نہاد مملکت اسرائیل میں قائم کیا گیا ہے' البتہ اگر اس بارہ میں کوئی ٹھوس معلومات حکومت کو مہیا کی جائیں تو حکومت خوش ہوگی"۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس معاملہ میں معلومات بہم پہنچا بھی دی جائیں تو ہوگا کیا؟ یہ کہ "حکومت خوش ہوگی"۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حکومت احمدیہ مشن پر خوش ہوگی یا معلومات بہم پہنچانے والوں پر خوش ہوگی۔ "حکومت خوش ہوگی" کا جملہ مبہم سا ہے۔

جہاں تک احمدیہ مشن کی سرگرمیوں کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق پاکستان بننے کے بعد سے لے کر آج تک حکومت کو مطلع کیا جاتا رہا ہے کہ مرزائی فرقہ پاکستان کا وفادار نہیں ہے' اس کی ساری سرگرمیاں تخریبی ہیں' تعمیری نہیں۔ بھارت کی طرح انہوں نے بھی آج تک پاکستان کے قیام کو تسلیم نہیں کیا۔ یہ تقسیم ملک کے ہی مخالف تھے اور تقسیم ملک کے بعد ان

کی تمام کوششیں پاکستان کو ہندوستان میں مدغم کرنے کے لیے ہیں۔ چنانچہ 1953ء میں منیر انکوائری کمیٹی نے بھی صاف الفاظ میں اس کو تسلیم کیا کہ

"ان کی بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (مرزائی) تقسیم ملک کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ اگر ملک تقسیم بھی ہوگیا تو وہ اسے دوبارہ متحد کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کی وجہ واضح طور پر یہ تھی کہ احمدیت کے مرکز قادیان کا مستقبل غیر یقینی نظر آتا تھا۔ جس کے متعلق مرزا صاحب بہت سی پیش گوئیاں کر چکے تھے"۔

(تحقیقاتی رپورٹ، ص 209)

اس چیز کی تصدیق خود مرزا بشیرالدین کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں اس نے کہا ہے:

"میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے لیکن قوموں کی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے۔ یہ اور بات ہے ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے ہوں گے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائیں"۔

(الفضل، قادیان 14 مئی 1947ء)

یہ دونوں تحریریں ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں کہ مرزائیوں نے ابھی تک ملک کی تقسیم کو خوشی سے تسلیم نہیں کیا اور ان کے خلیفہ نے جو یہ کہا تھا کہ پھر بھی یہ کوششیں کریں گے کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائیں" وہ اس بات کے لیے برابر کوشش کر رہے ہیں۔ حکومت کو مختلف مواقع پر ہم نے ان کی ملک دشمن پالیسیوں سے متنبہ کیا' لیکن ارباب

اقتدار نے کوئی نوٹس نہ لیا۔

چودھری ظفراللہ نے اپنی وزارت خارجہ کے عہد میں بیرون ملک مرزائیت کی تبلیغ کے جو اڈے اپنے اس عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قائم کیے اور وزارت خارجہ کے بیرونی دفاتر کو اس غرض کے لیے مرزائیوں سے بھر دیا۔۔۔ علماء نے اس کے متعلق بھی 53ء میں اپنی کئی ملاقاتوں میں اس وقت کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم کو مطلع کیا۔ لیکن حکومت نے چودھری ظفراللہ اور امت مرزائیہ کے خلاف کوئی ایکشن نہ لیا۔ علماء نے یہ بھی بتایا کہ گورداسپور کے ضلع کی تقسیم چودھری ظفراللہ نے مرزا بشیر کے اشارے پر کروائی تھی' (جس کا اعتراف بعد میں جسٹس منیر نے بھی اپنے ایک مقالہ میں کیا) لیکن حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

پھر 48ء میں مرزائیوں کی "فرقان بٹالین" نے 45 روز میں کشمیر کے جہاد کو جو نقصان پہنچایا' اس کی تفصیلات آزاد کشمیر کی مسلم کانفرنس کے صدر جناب اللہ رکھا ساغر نے اپنے ایک بیان میں بتائیں۔ جس پر جنرل گریسی کے کہنے پر "فرقان بٹالین" کو توڑ دیا گیا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس بیان سے "فرقان بٹالین" کی حقیقت طشت ازبام ہو جائے گی۔ لیکن کئی حقائق پھر بھی فاش ہو گئے۔ ان سب واقعات پر حکومت کے چہرے پر ایک بھی شکن نہ پڑی اور وہ نہایت اطمینان سے یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔

پھر گورنر پنجاب سر فرانسس موڈی نے چند سو روپوں میں ربوہ کی کئی ہزار ایکڑ زمین مرزائیوں کو دے دی لیکن اس پر بھی حکومت کا ماتھا نہ ٹھنکا۔

53ء میں مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دینے پر ایک تحریک چلی جس کے دبانے کے لیے حکومت کو لاہور میں مارشل لاء تک لگانا پڑا' لیکن حکومت نے پھر بھی مرزائیوں کی سرگرمیوں پر کوئی بندش عاید نہ

کی بلکہ اور زیادہ مراعات سے ان کو نوازتی رہی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مقابلہ میں مرزا غلام احمد کی نبوت کی تبلیغ ایک ایسی حکومت میں علی الاعلان ہو رہی ہے جو جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے طفیل وجود میں آئی۔ ام المومنین' صحابہ کرام وغیرہ القابات جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ازواج مطہرات اور آپ کے صحابہ کے لیے مخصوص تھے' ان کو مرزا غلام احمد کی بیویوں اور اس کے ساتھیوں کے لیے برملا استعمال کیا جا رہا ہے لیکن حکومت کی طرف سے ان پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاتی۔

لہذا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ ثابت کر بھی دیا جائے کہ اسرائیل میں احمدیہ مشن قائم ہے اور وہ غلط ذرائع سے وہاں روپیہ بھی پہنچا رہے ہیں تو حکومت ان کے خلاف کیا ایکشن لے گی؟ یہی کہ "حکومت خوش ہوگی"۔

ہم ارباب اقتدار کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ مرزائیوں کے معاملہ میں ان کی یہ مراعات ملک و ملت دونوں کے لیے غیر مفید ثابت ہوں گی' کیونکہ مسلمان کسی بھی صورت میں یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ

○ - ان کی تبلیغ پر تو پابندیاں لگائی جائیں اور مرزائی مرد و زن کھلے بندوں ملک میں جھوٹی نبوت کی تبلیغ کرتے پھریں۔

○ - ان کے اوقاف تو حکومت کے قبضہ میں ہوں اور حکومت کے ایڈمنسٹریٹر اوقاف کی نگرانی میں چلیں اور مرزائیوں کے ربوہ کا اتنا بڑا وقف حکومت کی زیر نگرانی نہیں بلکہ ان کے خلیفہ مرزا ناصر احمد کی نگرانی میں چلے۔

○ - ان کے مدارس اور تبلیغی اداروں کو انکم ٹیکس کی مراعات نہ دی جائیں یا اگر دی جائیں تو کافی سالوں کے بعد دی جائیں اور مرزائیوں کا

"فضل عمر فاؤنڈیشن" اور دوسرے ادارے پہلے ہی روز سے ان مراعات کے مستحق ہو جائیں۔

○۔ ان کو جلسے کرنے کی اجازت تک نہ دی جائے اور مرزائیوں کے جلسے حکومت کے افسروں کی زیر نگرانی ہوں۔

○۔ ان کو تو دفتروں میں دین کی کوئی بات کرنے کی اجازت نہ ہو' لیکن مرزائی افسر اپنے ماتحتوں کو ترغیب و ترتیب سے مرزائی بنانے میں کوشاں رہیں' نیز اپنے عہدوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں سے مرزائی تبلیغ کے لیے چندہ فراہم کریں اور ان کو مرزائی جلسوں میں آنے کے لیے مجبور کریں۔

لہذا ہم وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو اور دیگر ارباب اقتدار سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ مرزائیوں کو دی گئی ناجائز مراعات کو فوراً واپس لے اور ان کے ملک و ملت کے خراب سرگرمیوں پر بندش عاید کرے۔ نیز مرزائی افسران کی کڑی نگرانی کرے تاکہ وہ اپنے عہدے کو مرزائیت کی تبلیغ میں استعمال نہ کر سکیں اور ربوہ کے اتنے بڑے وقف کو اپنی تحویل میں لے۔ امید ہے کہ ارباب اقتدار ہمارے اس مطالبہ پر غور فرمائیں گے۔ اور اس بارہ میں کوئی ضروری کارروائی کریں گے"۔

(ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور' مں 3' 10 جون 1966ء)

"اسرائیل میں احمدیہ مشن"

عربوں کے قلب میں ناسور

میاں عبدالحق نے 2 جون کو نیشنل اسمبلی میں یہ سوال کیا کہ اس امر میں کہاں تک صداقت ہے کہ اسرائیل میں کوئی احمدیہ مشن قائم ہے۔

جواب اثبات میں ہے تو اس مشن کے مالی وسائل کیا ہیں؟

وزیر خارجہ نے تحریری جواب میں کہا کہ حکومت کو نام نہاد مملکت اسرائیل میں احمدیہ مشن کے قیام کا قطعاً علم نہیں۔ کسی شخص یا کسی گوشے نے ایسی کوئی اطلاع حکومت کو مہیا نہیں کی۔ اگر اس کے متعلق ٹھوس معلومات حکومت کو مہیا کی جائیں تو وہ خوش ہوگی۔

تعجب ہے کہ حکومت پاکستان کی وزارت خارجہ کو اسرائیل میں احمدیہ مشن کے وجود کا علم نہیں؟ کیا حکومت کی معلومات کے ذرائع ناقص ہیں یا اس نے جواب دینے میں مصلحت اختیار کی ہے یا حکومت کے نزدیک قادیانی جماعت کا وجود اتنا غیر اہم ہے کہ وہ اس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا ضروری نہیں سمجھتی؟ حکومت بالخصوص وزارت خارجہ کی اطلاع کے لیے ہم مرزا مبارک احمد کی تالیف "ہمارے بیرونی مشن" کا سرورق اور ساتھ ہی صفحہ 79 کا انگریزی متن بہ عنوان اسرائیل مشن معہ ترجمہ اسی صفحہ پر تصویری عکس کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ اس شہادت کے بعد کسی دوسری شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ زیر نظر کتاب 105 صفحات اور بہت سی تصویروں پر مشتمل ہے۔ پانچواں ایڈیشن جو ہمارے پیش نظر ہے نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا ہے۔ ناشر ہے احمدیہ مسلم فارن مشن ربوہ' تعداد ہے پانچ ہزار۔ فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیوں کے تقریباً 31 مشن مختلف عالمی ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ بالخصوص ان ملکوں میں جہاں انگریزوں کی عملداری رہی ہے یا مغربی طاقتوں کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ:

1- اسرائیل میں احمدیہ مشن کی اجازت کیسے ہوئی؟

2- متن سے ظاہر ہے کہ یہ مشن ربوہ کے ہیڈ کوارٹر کی نگرانی میں ہے۔ ربوہ کو یہ حوصلہ کیونکر ہوا کہ جس ملک کے ساتھ پاکستان کے سفارتی

تعلقات نہیں ہیں اور وہ اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا اس میں احمدیہ مشن قائم کرے۔

3 - یہ احمدیہ مشن کس غرض سے وہاں ہے کیا ان یہودیوں میں تبلیغ اسلام مقصود ہے جو اسلام کا دل چیر کر عربوں کے قلب میں خنجر کی طرح ترازو ہوگئے ہیں' یا ان عرب مسلمانوں کو محمدؐ عربی سے منحرف کرکے غلام احمد کا متبع بنانا مطلوب ہے۔ جو بے قابو حالات کی بدولت اسرائیل میں رہ گئے ہیں۔

4 - قادیانیوں نے پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ کی فتح پر چراغاں کیا۔ بالخصوص بغداد کے سقوط پر جشن رچایا تھا۔ مرزا غلام احمد اور ان کے جانشین میرزا بشیر الدین محمود کی تحریروں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ کیا یہ مشن اسی ذہن کے ساتھ کام نہیں کر رہا؟ ان کے نزدیک وہ تمام مسلمان کافر ہیں جو میرزا غلام احمد پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس مشن کا مقصد برطانوی سراغرسانی کی کسی فصل کا حصہ تو نہیں؟ کیا اس کے سپرد اسرائیل کو اسلامی ملکوں سے سیاسی معلومات بہم پہنچانا ہے؟ آخر ایک پاکستانی مشن کو ایک مخصوص ماضی کے ساتھ ایک ایسی مملکت میں کام کرنے کی اجازت کیوں حاصل ہے جس کا وجود قلب اسلام میں ایک پھوڑا ہے۔

5 - کیا اس مشن کے قیام اور احمدیہ جماعت کے وجود سے عرب ملکوں میں ہمارے خلاف بدگمانی پیدا ہونے کا امکان نہیں؟"

(ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور' ص 11' 24 جون 1966ء)

● اسرائیل میں قادیانی مشن کی سرگرمیوں اور بجٹ کی تفصیل کے حوالہ سے تجزیہ کرتے ہوئے مضمون نگار ثابت کرتے ہیں کہ اسرائیل میں مرزائیوں کے مشن کا پاکستانی احمدیہ جماعت سے یقینی تعلق ہے اور مشن جماعت احمدیہ پاکستان سے ہی وابستہ ہے۔

"پچھلے دنوں قادیانیوں کے مشہور مناظر الفرقان ربوہ کے ایڈیٹر اور اس وقت خلیفہ ربوہ کے قائم مقام امام صلوٰۃ ابو العطاء اللہ دتہ جالندھری پشاور تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے اپنی جماعت کی نئی پالیسی کے تحت ایک عدد پریس کانفرنس بھی طلب فرمائی' جو پاکستان ہوٹل پشاور میں منعقد ہوئی اور بقول الفضل اس پریس کانفرنس میں اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں کے نمائندوں نے "خاص تعداد" میں شرکت کی۔

اس پریس کانفرنس میں ان سے منجملہ دوسرے سوالات کے یہ بھی پوچھا گیا کہ اسرائیل میں آپ کا قادیانی مشن ہے؟ انہوں نے بروایت الفضل' جواب میں اس بات کی پرزور تردید فرمائی کہ

"اسرائیل کے احمدیہ مشن کا جماعت احمدیہ پاکستان سے کوئی تعلق ہے' آپ نے فرمایا یہ بھی سراسر غلط ہے کہ جماعت احمدیہ پاکستان اسے کوئی مالی مدد دیتی ہے...."

انہوں نے مزید فرمایا:

"اس مشن کا تعلق ہندوستان کی جماعت احمدیہ سے ہے نہ کہ پاکستان کی جماعت احمدیہ سے"۔

("الفضل" 2 جون 67ء)

قادیانیوں کے نبی' ان کے خلفاء اور مناظرین سبھی کے بارے میں اگرچہ ہماری رائے صاف اور واضح ہے کہ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو ہمارے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور یہ اس لیے کہ نبی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا بقول قادیانیوں کے تشریعی ہو یا غیر تشریعی' بہرنوع خدا کا نبی ہے' اس پر ایمان نہ لانا کفر کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

لیکن اگر وہ جھوٹا ہے اور ہم خدا کو حاضر جان کر بارہا اعلان کر چکے کہ ہمارے نزدیک وہ قطعی طور پر جھوٹا ہے —— تو اسے نبی تسلیم کرنا ایسے ہی

ہے جیسے مسیلمہ کذاب کو نبی تسلیم کیا جائے اور جو لوگ ایسا کریں گے' ان کے کافر ہونے میں ذرہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں۔

لیکن بایں ہمہ ہمارا احساس یہ تھا کہ کچھ مناظر اس امت میں ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کے دل کے کسی گوشے میں خدا کا کوئی تصور موجود ہو اور وہ کلمہ ہے اس سے ڈریں بھی اور سچ یہ ہے کہ ہم مدیر الفرقان کو انہی میں سے شمار کرتے تھے' مگر حد ہو گئی جسارت اور خدا ترسی کی کہ ان جیسا مذہبی شکل و صورت رکھنے والا شخص بیانگ دہل صریح جھوٹ بولتا ہے اور خلق خدا کو ایسا دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے' جس کے بارے میں اسے یقین ہونا چاہیے تھا کہ اس جھوٹ کو ہضم نہیں کیا جا سکے گا۔

بہرحال مرزا غلام احمد کا امتی ہونے کے بعد ہر قادیانی سے ہمیں ہر بات کی توقع رکھنا چاہیے۔

قادیانیوں کا اسرائیلی مشن' پاکستان سے نہیں ہندوستان کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے' اس صریح کذب بیانی اور حکومت و باشندگان پاکستان کو دھوکہ دینے کی اس جسارت کی داد دیجئے۔

یہ ہمارے سامنے تقریباً 17x27/2 سائز کا مطبوعہ "بجٹ" ہے جو "نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم" کے ساتھ "و علی عبدہ المسیح الموعود" کی عبارت سے آراستہ ہے' اس پر جلی قلم سے

31 ویں سال کا بجٹ 66-1965ء

لکھا ہوا ہے۔

اس "کتابی نما" کتاب کے ٹائٹل اور ابتدائی دس صفحات چھوڑ کر باقی صفحات 44 ہیں۔ یہ کاپی طبع ہوئی ہے "ضیاء الاسلام پریس ربوہ" میں' اور اس کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے کہ یہ بجٹ "تحریک جدید احمدیہ پاکستان ربوہ" کا ہے۔

اس بجٹ کے صفحہ ج پر ایک گوشوارہ دیا گیا ہے جس میں قادیانیوں کی بیرونی جماعتوں کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

تفصیل آمد و خرچ مشن ہائے بیرون

حیفا — اسرائیلی پونڈ

عملہ — خرچ

شمار	نام مدات	اصل اعداد 63-64	بجٹ 64-65	بجٹ 65-66
1	مرکزی مبلغین	972	972	972
2	لوکل "	—	—	—
	میزان عملہ	972	972	972

سائرز

شمار	نام مدات	اصل اعداد 63-64	بجٹ 64-65	بجٹ 65-66
1	اشاعت لٹریچر		40	40
2	تبلیغی مجالس و عیدین		—	—
3	" دورے و سفر خرچ		60	60
4	مہمان نوازی		40	40
5	کرایہ مکان فرنیچر		50	50
6	بجلی، پانی و گیس وغیرہ	2,428	—	—
7	سٹیشنری		15	15
8	ڈاک تار و ٹیلیفون		50	50

9 -	کتب و اخبارات		50	50
10 -	متفرق		50	50
11 -	اخراجات رسالہ البشریٰ		700	700
12 -	مرکزی ریزرو		1,373	1,373
	میزان سائڈ	2,428	2,428	2,428
	کل خرچ	3,400	3,400	3,400

آمد

شمار	نام مدات	اصل اعداد 63-64	بجٹ 64-65	بجٹ 65-66
1 -	چندہ تحریک		1,450	1,450
2 -	چندہ عام و حصہ آمد		1,600	1,600
3 -	زکوٰۃ		100	100
4 -	عید فنڈ	3400	125	125
5 -	فطرانہ		—	—
6 -	متفرق		125	125
	میزان آمد	3400	3400	3400

خلاصہ

آمد	3400
خرچ	3400
خالص خرچ	•

اس گوشوارے کے مطابق بیرونی مشن نمبر 23 ہے مشرق وسطیٰ،

فلسطین" ـــــ گوشوارے کے مطابق اسے یوں پڑھئے۔

2 مشرق وسطی فلسطین 1 1 1 1

اس بجٹ کا ص 25 اس اسرائیلی مشن کے لیے وقف ہے۔ یہ پورا صفحہ یوں ہے:

ثابت شدہ حقائق

(1) اس گوشوارے سے پہلی بات تو یہ واضح ہوئی کہ حیفا میں جو قادیانی مشن کام کر رہا ہے' ربوہ کا ہے' قادیان کا نہیں۔

(2) اس مشن میں مقامی مبلغ کوئی نہیں۔

(3) مرکزی مبلغ یعنی ربوے سے گیا ہوا مبلغ ایک ہے۔

(4) اس مشن کے سالانہ مصارف 3400 اسرائیلی پونڈ' جو موجب وضاحت بجٹ ہذا ص 14' 9080 پاکستانی روپیہ بنتا ہے۔

(5) یہ 9080 روپے رقم آئی کہاں سے ہے؟ بجٹ ہمیں بتاتا ہے کہ (i) چندہ تحریک جدید 1450 پونڈ' (ii) چندہ عام حصہ آمد 1600 پونڈ' زکوۃ 100 پونڈ' عید فنڈ 125 پونڈ' فطرانہ x متفرق 125 پونڈ۔

اب سوال یہ ہے کہ ان اصطلاحات کا مفہوم کیا ہے؟ فرض کیجئے تحریک جدید کا چندہ اسرائیل کے قادیانیوں سے جو وصول ہوتا ہے' وہ 1450 پونڈ ہے' تو کیا اسرائیلی قادیانی عید فنڈ کے نام سے پونڈ سالانہ جمع کرتے ہیں۔ کیا عید فنڈ کی رقم فی کس ایک آنہ ہے یا اس سے زائد' اگر زائد ہے تو اس کی شرح کیا ہے اور اسرائیل میں کل قادیانیوں کی تعداد کتنی ہے' جو عید فنڈ تو جمع کرتی ہے' 125 پونڈ سالانہ' لیکن اس کے ہاں "فطرانہ" سرے سے جمع ہی نہیں ہوتا' حالانکہ قادیانی فطرانہ بھی ہر جگہ جمع کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ اسرائیلی قادیانی عید فنڈ تو جمع کرتے ہیں

125 پونڈ سالانہ' لیکن ان کی زکوۃ جو سال بھر جمع ہوتی ہے' وہ ہے ایک سو پونڈ یعنی زکوۃ کم عید فنڈ اس سے سوا گنا؟۔۔۔ پھر تحریک جدید کا چندہ زکوۃ سے ساڑھے؟؟ گنا' یعنی 1450 پونڈ اور عام چندہ و حصہ آمد (؟) اس سے بھی زیادہ' یعنی 1600 پونڈ۔

ہم اس سلسلے میں ربوہ کے ارباب بست و کشاد کی وضاحت کے طالب ہیں تاکہ اس مسئلے پر غور کیا جا سکے کہ اسرائیل میں کادیانی مشن کو مصارف ربوہ سے جاتے ہیں یا نہیں وغیرہ ذالک من الاسئلہ لیکن یہ حقیقت تو سورج سے زیادہ روشن ہے کہ اسرائیل میں قادیانی مشن موجود ہے اور ربوہ ہی اس کا سرپرست ہے اور۔۔۔ قادیانی' حکومت اور اسلامیان پاکستان سبھی کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ داخلی امور میں مطلق العنانی کے علاوہ خارجی پالیسی بھی حکومت کی مرضی کے خلاف ترتیب دے رہے ہیں"۔

(مشکریہ ہفتہ وار "المنبر" فیصل آباد' جلد 12' شمارہ 9' 28 جولائی 1967ء)

دس نمبریوں سے دس سوال

ہفت روزہ "المنبر" میں ایک مضمون نگار نے مرزائی رہنماؤں کے اس جھوٹ پر کہ اسرائیلی مشن کا جماعت احمدیہ پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس جھوٹ پر موصوف نے دس خوبصورت سوال کیے۔

"الفضل" ربوہ نے اپنی جماعت کے مشہور مبلغ و مناظر ابو العطاء اللہ دتہ جالندھری مدیر "الفرقان" کی ایک پریس کانفرنس کے ضمن میں یہ اعلان کیا کہ اسرائیل میں قادیانی مشن کا تعلق ربوہ سے نہیں قادیان سے ہے

اس صریح کذب بیانی کے خلاف' حقائق کا اظہار ہم "المنبر" کی

گزشتہ اشاعت میں کر چکے' اور خود ربوہ کی "تحریک جدید" کے بجٹ کے ایک صفحے کے عکس سے یہ ثابت کر چکے کہ اسرائیل میں جو مشن قادیانیوں کا قائم ہے وہ ربوہ کی ایک شاخ ہے' قادیان کی نہیں۔

اس سلسلے میں ہم چند اہم سوالات قادیانی امت کے اکابرین سے کر رہے ہیں اور متوقع ہیں کہ وہ ان کے غیر مبہم جوابات دے کر اپنی پوزیشن صاف کریں گے۔

① کیا یہ درست ہے کہ اسرائیل میں ایک گاؤں ایسا بھی ہے جس کے تمام باشندے قادیانی ہیں اور یہ قادیانیت کی اشاعت کے لیے سرگرم عمل بھی رہتے ہیں۔

② کیا یہ بھی واقعہ ہے کہ یہودی حکومت نے اقتدار حاصل کرنے کے فوراً بعد دس لاکھ کے قریب عرب مسلمانوں کو ان کے آبائی مکانات اور جائیدادوں سے بے دخل کر دیا اور وہ آج تک کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں؟

③ اگر یہ دونوں باتیں مبنی بر حقیقت ہیں تو براہ کرم واضح فرمایئے کہ یہ قادیانی گاؤں جوں کا توں کیسے آباد رہا اور یہودیوں نے اس گاؤں کو جب کہ اس کے باشندے قادیانیت کے فروغ کے لیے گرم جوشی کا مظاہرہ بھی کرتے رہتے ہیں کیسے برداشت کیا اور اس گاؤں میں سے ایک قادیانی کو بھی انہوں نے عرب مسلمانوں کی طرح پریشان نہیں کیا؟

④ کیا یہ بات صحیح ہے کہ یہودیوں نے قادیانی مشن کے مبلغین کو از خود یہ دعوت دی کہ وہ یہودی یونیورسٹی میں اپنے دین کی اشاعت کریں' چنانچہ قادیانی مبلغ نے یہ دعوت قبول کی اور یہودی یونیورسٹی میں تقریر کی' جس میں انہوں نے قادیانیت کو یہودی اساتذہ اور طلباء ہی کے سامنے نہیں بلکہ بطور خاص بلائے ہوئے بعض یہودی مستشرقین کے سامنے بھی

قادیانیت کو پیش کیا — اس کی وجہ کیا ہے کہ یہودی مسلمانوں کا تو وجود برداشت نہیں کرتے اور قادیانی مبلغین کو اپنی یونیورسٹی میں تقریر کی دعوت دیتے ہیں اور ان کی تقریر کے لیے یونیورسٹی کے پروفیسروں اور طلباء کے علاوہ باہر سے مستشرقین کو بلاتے ہیں؟

⑤ کیا یہ درست نہیں کہ یہودی ریاست کے دارالسلطنت حیفا کے میئر نے از خود قادیانیوں کو یہ پیشکش کی کہ وہ "کبابیر" کے مقام پر قادیانی سکول تعمیر کریں اس خصوصی پیشکش کا محرک کیا تھا؟

⑥ کیا یہ درست ہے کہ تقسیم پاک و ہند سے قبل جو قادیانی مبلغ فلسطین میں کام کر رہے تھے وہی یہودی ریاست میں قادیانی مشن کے سربراہ رہے — اور یہ قادیانی مبلغ پاکستانی تھے اور ربوہ کی جماعت کے ممبر بھی تھے اور اس کے ماتحت بھی اور یہیں سے انہیں باقاعدہ ہدایات جاتی رہیں' وہ اسی ربوہ کی جماعت کے حکم کے مطابق وہاں رہے اور اسی کے حکم کے مطابق پاکستان واپس لوٹے؟

قادیانی مبلغ کو صدر اسرائیل نے سویز پر حملہ کر کے چند ماہ قبل خصوصی ملاقات کے لیے بلایا اور "اہم" ملاقات ہوئی!

⑦ کیا یہ درست ہے کہ سویز پر یہودی ریاست کے حملہ سے چند ماہ قبل قادیانی مبلغ ربوہ آنے کی تیاریوں میں مصروف تھے' تو یہودی ریاست کے صدر نے اس قادیانی مبلغ کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ملک کو روانہ ہونے سے پہلے مجھ سے ضرور مل لیں۔

چنانچہ یہ مبلغ صدر اسرائیل سے ملا اور اس ملاقات کو یہودیوں اور قادیانوں' دونوں نے بے حد اہم ملاقات قرار دیا۔

⑧ کیا یہ درست ہے کہ اس اہم ملاقات کے بعد جب قادیانی مبلغ پاکستان آئے تو انہوں نے پاکستان کے متعدد شہروں میں تقاریر کیں اور ان

تقاریر میں بطور خاص بیان کیا کہ:

"اسرائیل حکومت دنیا میں مقبول ہو رہی ہے اور اسے پچاس سے زائد ملکوں نے تسلیم کر لیا ہے ——— مزید یہ کہ یہودی ریاست ایک جمہوری حکومت ہے' وہاں دس سے زائد سیاسی پارٹیاں ہیں اور تمام پارٹیوں کو عدل و انصاف سے حکومت میں شرکت کے مواقع میسر ہیں"۔

کیا بتایا جا سکتا ہے کہ اس قادیانی مبلغ کا یوں پاکستان میں یہودی ریاست کے حق میں پروپیگنڈہ کس مقصد کے تحت تھا اور یہودی ریاست کے صدر سے ملاقات میں اس سلسلے میں کیا تفاصیل طے ہوئی تھیں؟

⑨ کیا یہ واقع نہیں کہ صدر اسرائیل اور قادیانی مبلغ کی اس ملاقات کو' جسے اسرائیلی ریڈیو' اخبارات اور قادیانی جماعت سبھی نے بے حد اہم قرار دیا اس ملاقات کے بعد یہ قادیانی مبلغ ربوہ آ گئے——— اور یہاں آنے کے بعد قادیانیوں نے ایسے وسائل اختیار کیے جو بالآخر وزیراعظم پاکستان سہروردی مرحوم کے اس اقدام پر منتج ہوئے کہ انہوں نے اسرائیل کے بارے میں غلط موقف اختیار کیا اور اسی کی وجہ سے مصر اور پاکستان کے تعلقات کشیدہ ہو گئے اور صدر ایوب کی بے پناہ مخلصانہ کوششوں کے باوجود اب سے چند ہفتے قبل تک یہ تعلقات درست نہ ہوئے؟

⑩ کیا یہ درست ہے کہ حالیہ عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل قادیانی مشن' اسرائیل کی حمایت کرتا رہا ہے اور اس جنگ کے آغاز سے اب تک یہ مشن بدستور کام کر رہا ہے اور اس کے سیاسی طرز عمل کے نتیجے میں اسے یہودی ریاست کی جانب سے تمام مراعات حاصل ہیں———؟

ہم ان سوالات کے جوابات کے منتظر ہیں اور متوقع ہیں کہ قادیانی

امت کے اکابرین خود ہی ان سوالات کے جوابات دے کر حقیقت حال کی وضاحت کریں گے!

(ہفت روزہ "المنبر" لائل پور' ص 7' جلد 12' شمارہ 10' 4 اگست 1967ء)

اسرائیلی پارلیمنٹ میں کادیانی فرقے اور بہائی فرقے کے سربراہوں کی تصویریں

اسرائیل میں کادیانی مشن کی موجودگی اور یہودیوں سے کادیانیوں کے تعلقات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ اسرائیل کے لیے سیاسی اور فوجی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کادیانی اسرائیل کے مختلف محکموں میں اسرائیل کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ 1972ء تک اسرائیل میں چھ سو کی تعداد میں کادیانی موجود تھے۔ ظاہر ہے یہ تعداد اب پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہوگی۔ یہ تفصیل سائنس کے یہودی پروفیسر آئی۔ ٹی۔ نعمانی کی کتاب اسرائیل اے پروفائل (Israel a profile) کے صفحہ 75 پر موجود ہے یہ کتاب پال مال لندن سے 1972ء میں شائع ہوئی تھی۔

1984ء میں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق شہید نے جب امتناع کادیانیت آرڈی نینس کے نفاذ کا تاریخی اعلان کیا تو ساری دنیا کی مختلف تنظیموں نے اس یادگار فیصلہ کو سراہا۔ مقبوضہ فلسطین کے مسلمانوں نے بھی اس فیصلہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے صدر محمد ضیاء الحق شہید کو مبارک باد کا ٹیلی گرام دیتے ہوئے انکشاف کیا۔

○ _ اسرائیل کے فوجی اداروں میں 500 سو کادیانی کام کر رہے ہیں۔

○ _ اسرائیلی پارلیمنٹ میں کادیانی فرقے اور بہائی فرقے کے سربراہوں کی تصویریں آویزاں ہیں۔

کادیانیوں کے بارے میں صدارتی آرڈی نینس کے نفاذ پر مقبوضہ فلسطین کے مسلمانوں کے برقیہ کا پریس ریلیز 26 مئی 1984ء کو معاصر روزنامہ نوائے وقت لاہور

میں شائع ہوا۔ جو ہم من و عن پیش کرتے ہیں۔

"قادیانیوں کے بارے میں حالیہ آرڈی نینس کے نفاذ پر عالم اسلام میں اظہار اطمینان

مقبوضہ فلسطین' 25 مئی (خصوصی رپورٹ) قادیانی فرقے کے عجیب و غریب مذہبی دیومالائی اور الجھے ہوئے معتقدات پر حال ہی میں حکومت پاکستان نے جو نئی پابندیاں لگائی ہیں اس پر پورے عالم اسلام میں اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ مختلف مسلمان ملکوں میں پاکستان کے عوام اور حکومت کے نئے اقدامات پر بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گیا اور اس کو پورے عالم اسلام میں سراہا جارہا ہے۔ پہلا فوری رد عمل یہاں مقبوضہ فلسطین میں ہوا' جہاں سے مسلمانوں نے حکومت پاکستان کے نام تار کے ذریعے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس کا مطالبہ کیا ہے کہ اسرائیل میں قادیانی مشن کی پر اسرار سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا جائے۔ افریقی ممالک میں اسلام کے نام پر ارتداد پھیلانے کا جو کام یہ فرقہ کر رہا ہے اس کا ازالہ کیا جائے اور حکومت پاکستان اپنے سرکاری اداروں اور سفارت خانوں سے اس فرقے کے لوگوں کو پاک کرے کیونکہ اس طرح پاکستان کا نام داغدار ہو رہا ہے اور یہ لوگ پاکستان کی بدنامی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ مزید برآں مقبوضہ فلسطین میں الخلیج کے شہر کے بعض سربرآوردہ مسلمانوں نے اس کا انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل کے فوجی اداروں میں 500 قادیانی کام کر رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں کچھ قادیانی زائر کوسارنگا اور اٹلی کے پاسپورٹوں پر اسرائیل پہنچے ہیں۔ یاد رہے کہ لندن اور ادم' نیویارک لکسمبرگ' کوپن ہیگن میں اسرائیل کے سفارت خانوں اور قادیانی مراکز کے درمیان باقاعدہ رابطہ موجود ہے۔ یہاں الخلیج شہر کے بعض

سربرآوردہ حضرات نے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ اب یہ قادیانی انتقامی کارروائی کے لیے زیر زمین مدد یہودیوں سے لیں گے جب کہ ان کی زیر زمین کارروائیاں کچھ عرصے سے بہت تیز ہو گئی ہیں۔ پاکستان کے لیے آئندہ دس بارہ ماہ سخت آزمائش کے ہوں گے' جس میں یہ فرقہ ہر اس تخریبی عمل کے ساتھ متحرک تعاون کرے گا جو پاکستان میں بدامنی' افراتفری اور انتشار کو فروغ دے۔ اسرائیلی پارلیمنٹ میں اسرائیل کے دوستوں کی جو تصاویر لگی ہوئی ہیں ان میں قادیانی فرقے اور بہائی فرقے کے سربراہوں کی تصاویر بھی ہیں۔ اسرائیل میں قادیانی مشن اور قادیان (بھارت) کے درمیان براہ راست ربط موجود ہے اور وفود آتے جاتے رہتے ہیں۔ مقبوضہ فلسطین کے مسلمانوں نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ پورے ہوش کے ساتھ آپس میں یگانگت اور اتحاد قائم کریں اور تفرقہ اور انتشار و افتراق سے اجتناب کریں۔

پاکستان اور اسلام کے دشمنوں کا مقابلہ قومی وحدت اور مکمل اتحاد ہی سے کیا جا سکتا ہے"۔

(نوائے وقت لاہور ایڈیشن' صفحہ 1' 26 مئی 1984ء)

● محمد اقبال سہیل مقیم حال بیروت نے ہفت روزہ "چٹان" میں ایک مضمون رقم کیا۔ جس میں انہوں نے بتایا کہ اسرائیل میں بہائی اور قادیانی مشن سرگرم عمل ہیں ——— نیز پاکستان کے قادیانی روم کے راستے اسرائیل میں داخل ہوتے ہیں۔

"لندن کے (JEWISH CHRONICLE) کے مطابق اسرائیل میں قادیانی اور بہائی مشن' غیر ملکی مراکز میں سب سے بڑے خیال کیے جاتے ہیں۔ افریقہ میں صرف ان ہی ممالک میں قادیانیوں کا نفوذ و اثر کیوں ہے۔ جہاں پر اسرائیل کا بے حد گہرا اثر ہے؟ ان ہی افریقی مقامات میں کیونکر سرگرم عمل ہیں' جہاں پر عالمی صیہونی تحریک کی پوری گرفت

ہے؟ پھر پاکستان کے قادیانی روم کے راستے اسرائیل کیسے اور کیونکر جاتے ہیں"۔

1۔ ملاحظہ ہو "الجاسوسیہ بلا قناع" منشورات دار البصری بغداد' نیا ایڈیشن صفحہ 1969ء

2۔ (البہائیۃ ربیبۃ الاسرائیلیۃ المعاصرۃ' مطبوعہ بغداد 1965ء)

3۔ بشکریہ ہفت روزہ "چٹان" جلد نمبر 21- شمارہ نمبر 6' 9 فروری 1970ء

● قادیانیت اور بہائیت دونوں یہودیت کے جڑواں بچے ہیں۔ دونوں فتنوں کو یہود کی آشیرباد حاصل ہے۔ اسرائیل میں بہائیت اور قادیانی مشن کی موجودگی کے بارے میں انڈیا کے ایک معروف اور قابل اعتماد جریدے میں مراسلہ شائع ہوا' جس سے اسرائیل میں بہائیت اور قادیانیت دونوں کی سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"قادیانی امت کا اسرائیلی مرکز اسرائیل کے لیے جاسوسی کر رہا ہے

ایک اضطراب انگیز انکشاف جس پر حکومت پاکستان کو فی الفور متوجہ ہونا چاہیے کئی برس پہلے "المنبر" نے انکشاف کیا تھا کہ قادیانیوں کا ایک مرکز اسرائیل کے دارالسلطنت "حیفا" میں ہے۔ اس پر قادیانیوں میں کھلبلی مچ گئی اور قادیانی اخبارات نے "المنبر" کے خلاف اپنے محاذ کو تیز تر کر دیا اور نوبت ایں جا رسید کہ قادیانی مبلغوں کے سرخیل' ابوالعطاء اللہ دتہ جالندھری نے پشاور میں ایک پریس کانفرنس میں یہ "سچ" بولا کہ اسرائیل مرکز کا تعلق "قادیان" سے ہے' "ربوہ" سے نہیں۔ اس پر "المنبر" نے اہل ربوہ کی ایک "خفیہ دستاویز" کا عکس شائع کیا۔ جس میں انجمن احمدیہ ربوہ کے بجٹ اسرائیل میں قادیانی مرکز کی تفصیلات درج تھیں۔ اس کے بعد قادیانی اس موضوع پر تو خاموش ہو گئے لیکن "المنبر"

کے خلاف ریشہ کاریوں کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ "المنبر" نے بصراحت لکھا تھا کہ جب تک وزارت خارجہ کی زمام کار، قادیانیوں کے ہاتھ میں رہی، عرب ممالک میں پاکستان کے خلاف تعلقات ہی منقطع رہے اور اب جب کہ اسرائیل سے پاکستان کے تعلقات ہی منقطع ہیں، پاکستان ہر محاذ پر یہودی ریاست کے خلاف ہے۔ قادیانیوں کا اسرائیل سے رشتہ استوار کرنا اسلام اور پاکستان دونوں کے خلاف ایک سازش ہے۔

اس سازش کی حقیقی صورت اب پوری عرب دنیا میں دیکھی جا رہی ہے اور پاکستان جو متعدد بحر جاد عرب مسلم ممالک کے لیے کر رہا ہے، وہ اس سازش کی وجہ سے کماحقہ ثمر آور نہیں ہو رہا۔ اس ضمن میں انڈیا کے ایک قابل اعتماد پرچے میں ایک اہم مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"جولائی کا "شبستان" اردو ڈائجسٹ نظر سے گزرا جس میں سلامت علی مہدی کا قابل قدر مضمون ––– "اسرائیل" بہت پسند آیا ––– "شبستان" مسلمانوں کے اہم مسائل پر جو گراں قدر اور مفید مضامین شائع کر رہا ہے اس کے لیے دلی مبارکباد قبول فرمائیے"۔

سلامت علی مہدی نے اپنے نہایت مفید مضمون میں اسرائیلی بندرگاہ "حیفا" میں تحریک بہائیت کا ذکر کیا ہے اور نہایت خوبی سے ان سرگرمیوں کو اختصار سے بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مشرق وسطیٰ سے نہایت اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں، جن میں فرقہ بہائیت کا عالمی صیہونیت اور عالمی یہودی ریشہ دوانیوں سے تعلق وثائق و استناد سے ثابت کیا گیا ہے۔ حال ہی میں قاہرہ سے وہاں کے مشہور عالم و قانون دان جناب عبدالرحمن الوکیل کی کتاب شائع ہوئی ہے جس میں انہوں نے عالمی یہودی سازشوں اور فرقہ بہائیت کے گہرے تعلق سے پردہ اٹھایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ

فرقہ بہائیت دراصل یہودی ریشہ دوانیوں کا دوسرا قالب ہے ـــــ اس کتاب نے پورے مشرق وسطیٰ میں ہلچل مچا دی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ـــــ سلامت علی مہدی کو فرقہ قادیانیت کے اہم مشن کا اسرائیل میں ہونا معلوم ہے یا نہیں۔ یہاں اس امر کی جانب اشارہ ضروری ہے کہ اسرائیل میں بہائیت کے بعد سب سے بڑا غیر ملکی مشن قادیانیوں کا ہے اور حال ہی میں سینیگال سے ایک مشہور اجتماعیت کے پروفیسر بیروت آئے تھے۔ انہوں نے وہاں افریقہ میں یہودی ریشہ دوانیوں پر دو بے حد مفید لیکچرز دیئے۔ جن میں یہ بتایا گیا تھا کہ افریقہ میں قادیانی اور بہائی کس طرح اسرائیل کے لیے کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے نہایت مستند حوالوں سے عالمی صیہونی اور یہودی تحریک اور اسرائیل کے ساتھ قادیانیوں اور بہائیوں کے گہرے اشتراک عمل کو ثابت کیا"۔

(محمد اقبال سہیل مکہ المکرمہ سعودی عرب)

("شبستان" اردو ڈائجسٹ ـــــ نئی دہلی' شمارہ اکتوبر 1968ء صفحہ 146' عنوان "آئینہ خیال")

اسرائیل' قادیانی دوستی

قادیانیت اور یہودیت فتنوں کی مماثلت اور ان کی تحریکوں کے پس منظر کو بیان کرتے ہوئے جناب غلام نبی لکھتے ہیں:

"جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آ رہی ہے کہ قادیانی تحریک' جس کا آغاز عین اس زمانے میں ہوا جب یہودی قوم پرستی کی تحریک صیہونیت شروع کی گئی' بنیادی طور پر صیہونی تحریک کی ایک ذیلی شاخ تھی جس کا مقصد یہودیت کے قدیم فلسفہ و فکر کا احیاء اور سیاسی سطح پر برطانوی سامراج اور یہودی تخریب کاروں کی اعانت تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس

تحریک کے خدوخال نمایاں ہو رہے ہیں۔ مرزا صاحب کے زمانے کے واقعات کو صحیح پس منظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی تمام کارروائی' داخلی انتشار' برطانوی سامراج کی حمایت اور صیہونیت کی ترویج کے لیے تھی۔

مرزا صاحب نے اپنی سچائی کے نام نہاد ثبوتوں میں الیگزینڈر ڈوئی کے ساتھ ایک مقابلہ کو خوب اچھالا ہے اور اسے اپنی صداقت کا نشان قرار دیا۔ ہم پہلے ڈوئی کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ شخص کون تھا' اس کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے ساتھ مرزا صاحب کے مقابلے کی غرض و غایت کیا تھی۔ جان الیگزینڈر ڈوئی 25 مئی 1847ء کو پیدا ہوا۔ یہ اسکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرو کا باشندہ تھا۔ 1860ء میں جنوبی آسٹریلیا چلا گیا' جہاں دینی اجتماعات سے خطاب کرنے کا فریضہ ادا کرنے لگا۔ 1888ء میں ڈوئی امریکہ چلا گیا۔ دو سال بعد شکاگو پہنچ گیا۔ یہاں اس نے 22 فروری 1896ء کو ایک نئے دینی سلسلہ کی بنیاد رکھی اور ایک یہودی شہر صیہون (Zion) بسایا۔ صیہون میں قائم ہونے والے نئے سلسلے کا نام کرسچن کیتھولک اپاسٹالک چرچ رکھا گیا" (انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا' زیر لفظ ڈوئی جان الیگزینڈر) جس کا وہ جنرل اوور سیر تھا۔

1899ء میں ڈوئی نے دعویٰ کیا کہ وہ خدا اور اسرائیل کے درمیان طے پانے والے اس معاہدے کا پیغمبر ہے' جس کا حضرت ابراہیم " حضرت یعقوب" وغیرہ سے وعدہ کیا گیا تھا' جس کے مطابق اسرائیل نے خدا سے کچھ وعدے کیے تھے اور خدا نے ان کے جواب میں وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی حفاظت کرے گا اور ان کو اپنی برکات سے نوازے گا۔ ڈوئی کا دعویٰ تھا کہ ملاکی نبی کی پیش گوئی کے مطابق وہ الیاہ نبی ہے" (ڈکشنری آف امریکن بایوگرافی' جلد دوم' مولفہ ایلن جانسن اینڈ ڈیوس مالون' نیویارک 1959ء' ص 414) جو

یہود کو نجات دلائے گا اور خدا کے وعدوں کو پورا کرے گا۔ ملاکی نبی کی کتاب میں مذکور ہے:

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا اور خداوند جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنے ہیکل میں آموجود ہوگا۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزومند ہو' آئے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے..... تم میرے موسیٰ کی شریعت یعنی ان فرائض و احکام کو' جو میں نے حورب پر تمام بنی اسرائیل کے لیے فرمائے' یاد رکھو۔ دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا اور وہ باپ کا دل بیٹے کی طرف اور بیٹے کا باپ کی طرف مائل کرے گا۔ مبادا میں آؤں اور زمین کو ملعون کروں"۔

(عہد نامہ قدیم ملاکی' باب 3: 4 / 4 تا 6)

1901ء میں ادھر ہندوستان میں مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا' ادھر شکاگو (امریکہ) میں ڈوئی نے ایلیاہ نبی ہونے کا دعویٰ کرکے جھیل مشی گن کے کنارے یہودیوں کو شہر صیہون میں بسانے کے وسیع پروگرام پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ یہ شہر کل طور پر ڈوئی کی ملکیت تھا۔ دور دراز علاقوں سے لوگ اس علاقے میں آباد ہونے لگے۔ ڈوئی کی اس لحاظ سے بڑی شہرت تھی کہ وہ دعا کے ذریعے روحانی اور جسمانی بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔ (ڈکشنری آف بیاگرافی) ڈوئی کو ناکام کرنے کے لیے پادریوں اور ڈاکٹروں نے اس پر سو الزامات لگائے لیکن وہ عدالت میں انہیں ثابت نہ کرسکے اور ڈوئی بچ گیا۔ اس مقدمے کے بعد اس کے مریدوں کی تعداد میں خوب اضافہ ہوا۔ اس کے شہر صیہون میں پانچ ہزار افراد بستے تھے۔ کوئی تھیٹر'

ڈانس ہال' شراب خانہ وغیرہ وہاں موجود نہ تھا۔ نشہ استعمال کرنے اور سود کھانے پر سخت پابندی تھی اور عبادات سے پہلے سائرن بجائے جاتے تھے۔ شہری صنعتوں' ان کے بینکوں اور کالجوں پر اس کا مخصی کنٹرول تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے مریدوں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ چھ زبانوں میں اس کا لٹریچر چھپنے لگا اور یہودی سرمایہ کے بل بوتے پر مشن روانہ کیے جانے لگے۔ 1903ء میں ڈوئی اپنے تین ہزار مریدوں کو لے کر نیویارک پہنچ گیا' جہاں اس نے بحث و گفتگو کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا۔ (ڈکشنری آف بائیوگرافی)

اب اس بات کی طرف توجہ مبذول کی جاتی ہے کہ مرزا صاحب نے اس سے مقابلہ کیوں کیا اور اس مقابلہ سے یہودی صیہونیوں کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اس مسئلے کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انیسویں صدی کے اختتام پر یہودی قوم پرستی کے آغاز کے سلسلے میں بہت سی تحریکیں جاری تھیں۔ پیرس میں ہنگری نژاد یہودی (Max Nordau) یہودی ریاست کے قیام کے لیے راہ ہموار کر رہا تھا۔ جرمنی میں ولف سان (Wolf Sohn) اور انگلینڈ میں ڈی ہاس (De Haas) عیسائیوں کے تعاون سے اس تحریک کو پھیلا رہے تھے۔ (اکسوڈس (Exodus) از لیان یورس' نیویارک' ص 122) یہی کام امریکہ میں ڈوئی انجام دے رہا تھا لیکن یہ تمام یہودی چاہتے تھے کہ خدا کے وعدوں کے مطابق فلسطین میں یہودیوں کی ریاست قائم ہو لیکن ڈوئی ذاتی اغراض کے لیے امریکہ کے شہر شکاگو سے 42 میل دور جھیل مشی گن کے کنارے یہودی ریاست کی بنیاد رکھ رہا تھا اور یہ بات یہودیوں کے عالمی کنونشن منعقدہ بیسل (سوئٹزر لینڈ) کے پروگرام کے مخالف تھی۔ اس کنونشن میں' جس کے انعقاد' میں وی آنا کے صحافی اور صیہونیت کے بانی تھیوڈور ہرزل کی کوششوں کو بڑا دخل تھا' یہ

طے پایا تھا کہ فلسطین میں یہودی وطن قائم کیا جائے۔ (Heslzbery A. The Zionist Lob - New York 1959) تھیوڈور ہرزل نے اپنی ڈائری میں' جو 1934ء میں تل ابیب سے شائع ہوئی' لکھا ہے:

"باسل (Basle) میں میں نے یہودی ریاست قائم کر دی ہے۔ اگر میں اسے بلند آواز سے کہوں تو لوگ ہنسیں گے لیکن پانچ سالوں میں اور پچاس سالوں میں یقیناً اسے قبول کر لیا جائے گا"۔

(لیان یورس "Lion Uris")

یہودی قوم پرستی کی تحریک کے آغاز میں ہی برطانوی سامراج نے صیہونی تخریب کاروں سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ برطانوی سامراج کی نظریں مشرق وسطیٰ کی طرف لگی ہوئی تھیں اور وہ یہودیوں کو اپنے ساتھ ملا کر سلطنت عثمانیہ کا تختہ الٹنا چاہتا تھا۔ اس سازش کی تکمیل کے لیے یہودیوں کو پہلے جزیرہ نما سینائی میں آباد ہونے کی جگہ پیش کی گئی۔ اس کے بعد افریقہ کا علاقہ یوگنڈا پیش کیا گیا۔ یہودیوں نے ان علاقوں میں بسنے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کی اکثریت کا یہ دعویٰ تھا کہ انبیاء کی پیش گوئیوں کے مطابق ایسے کسی علاقے میں آباد کاری کا کوئی ذکر نہیں اور صرف فلسطین میں آباد ہو کر ہی ان نوشتوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ (لیول یورس) سیاسی صیہونی اس بات کے سخت مخالف تھی کہ فلسطین کے علاوہ کسی اور جگہ یہودی ریاست قائم کی جائے۔

1900ء میں پچاس ہزار یہودی فلسطین پہنچ چکے تھے اور صیہونیوں کی آباد کاری کی تنظیم (Zion Colonizing Society) عظیم یہودی سرمایہ دار دل روتھ چائلڈ اور ڈی شوان کے سرمائے سے زمین خریدنے میں معروف تھی۔ Schild Palestine Investment Corporation)

(Rath اور De Schumann Foundation کے علاوہ ایک اور آباد کاری کی سوسائٹی (Zion Settlement Society) فلسطین میں یہودی جلاوطنوں کو آباد کرنے میں ہاتھ بٹا رہی تھی۔ یہ جلاوطن روس' پولینڈ' آسٹریا وغیرہ سے ہزاروں کی تعداد میں آ رہے تھے۔ ان یہودیوں کی آمد کا سلسلہ اتنی تشویشناک صورت اختیار کر چکا تھا کہ ترکی کے خلیفہ سلطان عبدالحمید دوم کو ان کی آمد پر پابندی لگانی پڑی۔ (ایلوں یورس) واضح رہے کہ ہندوستان میں ترکوں کے خلاف یہودی قوم پرستی کی تحریکوں کے زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نہایت ذلیل پروپیگنڈا کیا (دیکھئے "تبلیغ رسالت" مرزا قادیانی کے اشتہارات کا مجموعہ) اور ان کے بعد ان کے بیٹے مرزا محمود نے یہ کام سنبھالا۔ (دیکھئے "تاریخ احمدیت" جلد پنجم)

ڈوئی کے منصوبے کی بدولت عالمی صیہونی تحریک کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ یورپ سے فلسطین کی طرف روانگی میں کمی واقع ہو گئی تھی اور مذہب کے دلدادہ یہودی ڈوئی کو ایلیاہ سمجھتے ہوئے امریکہ میں جمع ہو رہے تھے۔ ڈوئی کی تحریک پر مذہب کا رنگ حاوی تھا' اس لیے سطحی خیال کے مذہبی جنونی اس کی طرف متوجہ تھے۔ اس کے علاوہ وہ عیسائیت کی آڑ میں اس تحریک کو چلا رہا تھا۔ اس کے پروگرام کو ناکام بنانے کے لیے برطانوی سول سروس میں کام کرنے والے یہودیوں نے اپنے ازلی گماشتے مرزا غلام احمد قادیانی کی پیٹھ ٹھونکی اور انہیں ڈوئی سے بھڑوا دیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس مناظرہ بازی میں الجھا کر اس کی گرفت کو کمزور کیا جائے اور اس کے خلاف مذہبی جھگڑے استعمال کیے جائیں اور حربوں کے ذریعہ ناکام بنانے کا یہ بھی ایک حربہ تھا۔

مرزا صاحب نے اسے مباہلہ کا ایک مضمون روانہ کیا اور صیہونیوں کی مدد سے اسے امریکہ کے بڑے بڑے نامی اخباروں میں شائع کرایا گیا۔

ویسے اس نے مرزا صاحب کو جواب دینا تک گوارا نہ کیا۔ مرزا صاحب کی کتاب "حقیقتہ الوحی" میں 32 اخبارات کی فہرست درج ہے' جس میں یہ اشتہار چھپا۔ آخرکار ڈوئی نے اپنے پرچے میں یہ جواب دیا:

"ہندوستان میں ایک بے وقوف محمدی مسیح ہے جو مجھے بار بار لکھتا ہے کہ مسیح یسوع کی قبر کشمیر میں ہے اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو اس کا جواب کیوں نہیں دیتا اور یہ کہ تو کیوں اس شخص کا جواب نہیں دیتا مگر کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دوں گا' اگر میں ان پر اپنا پاؤں رکھوں تو میں ان کو کچل کر مار ڈالوں گا"۔

مرزا صاحب نے ڈوئی کو لکھا کہ وہ اپنے عقیدے میں جھوٹا ہے اور ان کی زندگی ہی میں مر جائے گا۔ اور اگر وہ مباہلہ نہ بھی کرے تب بھی عذاب سے نہ بچ سکے گا۔

نیو یارک کے دورے میں ڈوئی نے تین لاکھ ڈالر صرف کیے جس پر لوگوں نے اعتراض کیے لیکن اس نے توجہ نہ دی بلکہ تمام دنیا کے دورے کا پروگرام بنایا تاکہ مختلف علاقوں سے جلاوطن یہودیوں کو جمع کرے۔ اس نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اگر مطلوبہ رقم نہ دیں گے تو انہیں شہر صیہون سے نکال دیا جائے گا۔ (انسائیکلوپیڈیا امریکانا زیر لفظ ڈوئی) اس اعلان کے بعد خود وہ صیہونی بہشت (Zion Paradise Plantation) کے قیام کے لیے میکسیکو چلا گیا۔ (امریکن بیا گرافی) 24 ستمبر 1905ء کو اسے فالج ہوا اور اس کے مرید اسے جیکا لے گئے۔ اس عرصے میں اس کے خاص دوست ولبر گلن والیوا (Wilber Glen Voliva) نے' جسے صیہون کے تمام اختیارات حاصل تھے' بغاوت کر دی اور اپریل 1906ء میں ڈوئی کو معزول کر کے شہر صیہون کی جائیداد پر قابض ہو گیا۔ 1954, P 13CT)

ڈوئی پر [New Century Cyclopedia of Naples Vol I. New York
تعدد ازدواج اور دیگر سنگین الزامات لگا کر اس کی ممبر شپ منسوخ کر دی۔
ڈوئی نے شکاگو آ کر بڑے ہاتھ پاؤں مارے لیکن 9 مارچ 1907ء کو مر گیا
(Webster's Biographical Dictionary 1964) اور خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔

مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ ان کی پیش گوئی کی وجہ سے وہ "اپنے آباد کردہ شہر صیہون سے بڑی حسرت سے نکالا گیا' جس کو اس نے کئی لاکھ روپیہ خرچ کر کے آباد کیا تھا' نیز سات کروڑ نقد روپیہ سے' جو اس کے قبضہ میں تھا' اس کو جواب دیا گیا اور اس کی بیوی اور اس کا بیٹا اس کے دشمن ہو گئے اور اس کے باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے' پس اس طرح وہ قوم میں ولد الزنا ثابت ہوا اور یہ دعویٰ کہ میں بیماریوں کو معجزہ سے اچھا کرتا ہوں' یہ تمام لاف و گزاف اس کی جھوٹی ثابت ہوئی"۔
(دیکھئے "حقیقۃ الوحی" نیز لاہوری مرزائی میاں رحیم بخش کا پمفلٹ "The Best Forgotten")

ان تمام باتوں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ڈوئی کے ساتھ مقابلہ میں مرزا صاحب نے جس زور و شور کا مظاہرہ کیا' اس کی وجہ صیہونی یہودیوں کی سازش تھی اور مرزا صاحب ان کے آلہ کار کے طور پر کام کر رہے تھے۔ ڈوئی عالمی صیہونی پروگرام کو نقصان پہنچا رہا تھا اور مسیح سے قبل آنے والے ایلیاہ نبی ہونے کا دعویٰ کر کے امریکہ کے شہر شکاگو میں یہودی شہر صیہون کی بنیاد رکھ چکا تھا۔ یہ صیہونیوں کے مفاد کے خلاف تھا اور مرزا صاحب نے اسی لیے کالے کوسوں دور بیٹھے اس شخص سے مقابلہ کیا۔ ڈوئی بائبل کی پیش گوئی کے مطابق صیہونی شہر قائم کرنے کا مدعی تھا اور خود کو مسیح کا پہلا حواری بتاتا تھا' اس لیے بعض یہود نواز عیسائی بھی

اس کے ساتھ تھے۔ واضح رہے کہ اسی زمانے میں انگلستان کا وزیر اعظم سر بالفور تھا جو سکہ بند یہودی اور صیہونیت کا دلدادہ تھا۔ بالفور ڈیکلیریشن اسی کے نام سے مشہور ہے۔ غرض ذوقی سے مقابلہ مرزا قادیانی کی صیہونی یہود کے لیے ایک عظیم خدمت ہے اور اسرائیل کے قیام کے لیے ایک قربانی ہے۔ آپ کی انوٹ وفاداری کی وجہ ہی سے عرب ممالک میں اسرائیل کا ناپاک وجود قائم ہوا۔ آپ کا نام صیہونیت کے حاشیہ بردار اور عظیم تر یہودیت کے پرچارک کے طور پر ہمیشہ یاد رہے گا۔ (بہ شکریہ "البلاغ" کراچی' اپریل 1973ء)"

(برطانت مرزا قادیانی کی یہودیوں کے لیے عظیم خدمت از غلام مجتبیٰ' ص 6 تا 11)

جناب مولانا گلزار احمد مظاہری مرحوم یہودیت اور قادیانیت کے گٹھ جوڑ اور طریقہ واردات کے ضمن میں حقائق و شواہد پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

نیا طریقہ واردات

یہودیوں کے سازشی ذہن نے ملت اسلامیہ میں نقب زنی کے لیے سب سے آسان اور موثر راستہ جو تلاش کیا' وہ جھوٹی نبوت کا راستہ تھا۔ یہودیوں کے ذہن رسا نے چھوٹے موٹے نبی تو ہر دور میں پیدا کیے' لیکن عثمانی خلافت کے ترکی میں شبتے سبی اور انگریزی حکومت کے ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی کو بڑے ہی منظم طریقے سے مسیح موعود بنایا۔

ترکی کا "مسیح موعود"

1666ء میں شبتے سبی نے ترکی کے علاقے ازمیر اور سالونیکا میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ شبتے سبی پہلے یہودی تھا۔ سالونیکا میں بہت بڑی تعداد اس پر ایمان لائی۔ پھر اس نے اپنے تبلیغی سفر کا آغاز کیا۔

طرابلس' الغرب اور شام سے ہوتا ہوا بیت المقدس میں پہنچا' پھر یہاں سے سمرنا پہنچا اور ترکی میں دعوت عام کا آغاز کیا۔ شبتیے کے اثرات ترکی کی سرحدوں سے نکل کر اطالیہ' جرمنی اور ہالینڈ تک پہنچ گئے۔ دارالحکومت استنبول میں بھی اس کے حامی پیدا ہو گئے۔۔۔۔ جب سلطان محمد خاں چہارم نے اس کی گرفتاری کا اعلان کیا تو اس نے توبہ کر لی اور دائرہ اسلام میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ ترک اسے اور اس کے پیروؤں کو دونمہ مسلمان کہتے ہیں۔ انہوں نے مسلمان معاشرے میں شامل ہونے کے بعد اپنی سرگرمیاں اور تیز کر دیں۔۔۔۔۔۔ سرمایہ دار ہونے کی وجہ سے انہوں نے منڈی و بازار پر تو پہلے ہی قبضہ کر رکھا تھا' امت مسلمہ میں شامل ہو کر انہوں نے فوج اور سول کے مناصب پر بھی قبضہ کرنے کا باقاعدہ پروگرام بنایا اور اس طرح ترکی کے اسلامی معاشرے اور عثمانی خلافت کی جڑیں کاٹنے میں انہیں کوئی قانونی دشواری نہ رہی۔ امیر شکیب ارسلان نے اپنی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" میں ان کے گھناؤنے کردار سے پردہ اٹھایا ہے:

> "مسلمان رہنما اس بات کو خوب اچھی طرح جان گئے تھے کہ نوخیز ترکی کی قیادت مغرب پرست ملحد گروہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں ورنہ حقیقت میں زندیق یہودی ہیں۔ دونمہ کے معنی ہیں دو چہروں اور رخوں والے۔ یہ لوگ نہایت ذکی و فہیم تھے' خصوصاً اقتصادی امور میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ ترکی معاشرے میں انہیں اپنی تعداد سے کئی گنا زیادہ اثر و رسوخ حاصل ہو گیا!"

مسلم معاشرے میں مل جانے کی وجہ سے ان یہودیوں نے جو فوائد حاصل کیے تھے' ان میں یہ بہت بڑا فائدہ تھا کہ ان کے ہم رنگ زمین دام

کو کوئی سمجھ نہ سکا۔ ان کے نام مسلمانوں جیسے تھے۔۔۔۔ ان کے اعمال میں تقویٰ کی ظاہری چمک تھی۔ وہ مساجد کی طرف عام مسلمانوں سے بھی زیادہ ذوق و شوق سے جاتے تھے۔۔۔۔ ان کے ماتھوں پر محرابیں بنی ہوئی تھیں اور ان کے ہاتھ تسبیح کے منکوں پر گردش کرتے تھے۔ اس ظاہری تقویٰ کے ساتھ کوئی بھی ان کے گھناؤنے کردار کو نہ جان سکا' چنانچہ انہوں نے اپنی اس نام نہاد مسلمانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کلیدی مناصب حاصل کرنے کی پوری کوشش کی اور حکمرانوں کی چاپلوسی کر کے انہوں نے اعلیٰ عہدے حاصل کر لیے۔ فرانس کا مسیحی مصنف بارڑ جیس اپنی کتاب "جمہوریہ اسرائیل" میں لکھتا ہے:

"دونمہ یعنی وہ یہودی جو مسلمان ہو گئے تھے' بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ انہی میں سے صوبہ ڈیفیوپ کا گورنر مدحت پاشا تھا' جو ہنگری کے ایک شخص حاخام یہودی کا بیٹا تھا۔ اس حاخام نے مشرق قریب میں متعدد یہودی درسگاہیں قائم کی تھیں۔ انجمن اتحاد و ترقی کے اکثر قائدین دونمہ گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر ناظم' فوزی پاشا' طلعت پاشا اور سفرم آفندی وغیرہ"۔

یہ وہ طریقہ واردات تھا جس کے ذریعہ یہودی مسلم معاشرے میں گھس آئے۔ انہوں نے معیشت و معاشرت پر قبضہ کیا۔ انہوں نے منڈی و بازار پر قبضہ کیا۔ انہوں نے فوج اور سول پر قبضہ کیا اور پھر ایوان حکومت تک نقب لگائی۔ شیشے میں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مندرجہ ذیل مدارج سے گزرا:

1 اس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔

2 - اس نے تبلیغی سرگرمیاں' تبلیغی وفود روانہ کیے اور بیرون ملک

روابط رکھے۔

3- حکومت اور عوام کی مزاحمت پر مسلمانی کا روپ دھار لیا اور خود کو دائرۂ اسلام میں شامل رکھنے پر اصرار کیا۔

4- مسلم معاشرے کی معیشت پر قبضہ کرنے کے لیے بہترین اقتصادی ماہرین کا سہارا لیا۔

5- فوج اور سول میں ملازمتیں حاصل کیں اور اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے لیے جدوجہد کی۔

6- اس کے پیروکار ظاہری طور پر عبادات وغیرہ میں خاصے تیز تھے۔ انہوں نے اپنے عمل سے اپنے گھناؤنے کردار کا پتہ نہ چلنے دیا۔

7- انہوں نے ترکی کی عثمانی خلافت کے خاتمے کے لیے منظم سازشیں تیار کیں۔ انجمن اتحاد و ترقی کے نام پر سادہ لوح اور مخلص ترک نوجوانوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ ان کو ساتھ ملا کر عثمانی حکومت کی جڑیں کھوکھلی کیں اور ترکی کو الحاد و بے دینی کے راستے پر ڈال دیا۔

8- ایوان حکومت تک پہنچے اور سرکاری مناصب سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے اپنے جماعتی مفادات کا تحفظ کیا اور اپنے گھناؤنے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعی کی۔

یہ وہ آٹھ مدارج تھے جو ترکی کے نام نہاد مسیح موعود اور اس کے پیروکاروں نے طے کیے۔ اب ذرا برطانوی ہندوستان چلیے اور اسی سازش کا دوسرا ایڈیشن ملاحظہ کیجیے۔ وہی مدارج ہیں' وہی مقاصد ہیں' وہی مفادات ہیں' وہی چاپلوسی اور کاسہ لیسی ہے اور وہی منزل ہے۔ گویا تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس نے کہا:

"میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وہ آخری زمانے میں ظاہر ہوگا"۔

("تحفہ گولڑویہ" ص 195 مصنفہ مرزا قادیانی)

"مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے"۔

(اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" مندرجہ تبلیغ رسالت' ص ۱۷)

"اور یہی عیسیٰ ہے جس کی انتظار تھی اور الہامی عبارتوں میں مریم اور عیسیٰ سے میں ہی مراد ہوں۔ میری نسبت ہی کہا گیا کہ ہم اس کو نشان بنا دیں گے اور نیز کہا گیا کہ یہ وہی عیسیٰ ابن مریم ہے جو آنے والا تھا' جس میں لوگ شک کرتے تھے' یہی حق ہے اور آنے والا یہی ہے اور شک محض نافہمی ہے"۔

(کشتی نوح' ص 48)

"تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی۔ جس نے میرے لیے زبردست نشان دکھلائے۔ جس نے مجھے اس زمانہ کے لیے مسیح موعود کر کے بھیجا"۔

(کشتی نوح' ص 29 - 30)

تبلیغی سرگرمیاں

مسیح کی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی تبلیغی وفود روانہ کیے۔

عام مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسلام کی تبلیغ کا سہارا لیا اور دوسرے ممالک کے ساتھ اپنے روابط رکھے' چنانچہ تحریک جدید کی انیس سالہ یادگاری کتاب کے دیباچہ میں صاحبزادہ مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں:

"جن بیرونی ممالک میں تحریک جدید کے ذریعے احمدیت کا پیغام پھیلا ہے' وہ ساری دنیا میں اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ عملاً آزاد دنیا کا کوئی حصہ بھی ان سے خالی نہیں۔ برطانیہ' شمالی امریکہ' جنوبی امریکہ' جزائر غرب الہند' مغربی جرمنی' ہالینڈ وغیرہ وغیرہ میں تحریک جدید کے ذریعہ احمدیت کا پیغام پھیل رہا ہے"۔

اسلام کا لبادہ

ترکی کے یہودی مسیح موعود نے حکومت اور عوام کے دباؤ پر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ اسی طرح قادیانی حضرات نے بھی عوام کی طرف سے شدید مزاحمت سے ڈر کر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور اسلام کے نام پر اپنی جعل سازی کا کاروبار چلا رکھا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو گمراہ کرنے کے لیے حضورؐ کے ساتھ عقیدت و محبت کے جھوٹے دعوے کرتے ہیں' چونکہ قادیانی صرف مذہبی گروہ نہیں بلکہ ایک سیاسی سازش ہے' اس لیے ہر جھوٹ اور مکر کا سہارا لے کر امت مسلمہ کے اتحاد کو سبوتاژ کر رہے ہیں۔ چنانچہ جب نئے آئین کے تحت صدر اور وزیر اعظم کے لیے حلف اٹھاتے ہوئے ختم نبوت پر اپنے اعتقاد کا اظہار بھی ضروری قرار دیا گیا تو مرزا ناصر احمد خلیفہ ربوہ نے اپنے ایک بیان میں کہا:

"میں نے حلف کے الفاظ پر بہت غور کیا۔ میرے خیال میں ایک احمدی کے لیے اس حلف کے اٹھانے میں کوئی حرج

نہیں"۔

(خطبہ جمعہ' 4 مئی 1973ء "الفضل" ربوہ)

ظاہری عبادات کا لبادہ

یہودی منصوبے کے مطابق مرزائیوں نے ظاہری عبادات کا لبادہ اوڑھا۔ چنانچہ قادیانیوں کو نمازوں وغیرہ میں مشغول دیکھ کر امت کے سادہ لوح طبقہ نے دھوکا بھی کھایا لیکن جس طرح عبداللہ بن ابی کی نمازیں اسے ملت اسلامیہ میں نقب زنی کا موقع فراہم نہ کر سکیں' اسی طرح قادیانی بھی ملت کو دھوکا نہ دے سکے۔ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ قادیانیوں کا ظاہری عبادات کا یہ لبادہ اس حدیث مبارکہ کے عین مطابق ہے' جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دور کے فتنوں کی نشان دہی کرتے ہوئے بتایا تھا کہ یہ جھوٹے نبی نمازیں طویل پڑھیں گے تاکہ لوگ ان سے دھوکا کھا جائیں۔ (او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام)

سازشیں ہی سازشیں

قادیانیوں نے بھی شبتے کی طرح ملت کے اجتماعی وجود کا جگر پاش پاش کرنے کے لیے سازشیں تیار کیں۔ شبتے کی امت نے عثمانی حکومت کا خاتمہ کرنے کی سازش کی اور جب یہ سازش کامیاب ہو گئی تو شبتے کے ساتھی' مرزا غلام احمد کی امت نے اس پر جشن چراغاں منایا۔

"27 ماہ نومبر کو انجمن احمدیہ برائے امداد جنگ کے زیر انتظام حسب ہدایات حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ' اللہ تعالی گورنمنٹ برطانیہ کی شاندار اور عظیم الشان فتح کی خوشی میں ایک قابل یادگار جشن منایا گیا (ترکوں کی شکست پر) نماز مغرب

کے بعد دارالعلوم اور اندرون قصبہ میں روشنی اور چراغاں کیا گیا جو بہت خوبصورت اور دلکش تھا۔ منارۃ المسیح پر گیس کی روشنی کی گئی، جس کا نظارہ بہت دلفریب تھا۔ خاندان مسیح موعود کے مکانات پر بھی چراغ روشن کیے گئے"۔

(اخبار "الفضل" قادیان، جلد 6، مورخہ 3 دسمبر 1918ء)

یہودی سازش کا ایک گروہ عثمانی خلافت کے خاتمے کے لیے سرگرم عمل رہا اور دوسرے گروہ نے اس سازش کی کامیابی پر مسرت کا جشن منایا ——!

جس طرح قادیانی حضرات نے یہودی منصوبے کے مطابق سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے لیے کوششیں کیں، دعائیں مانگیں اور خاتمے پر مسرت کا جشن منایا، اسی طرح یہ قادیانی اسلامی ملت کی تباہی و بربادی کے لیے کوشاں رہے۔ یہودیوں کو ملت اسلامیہ کا اتحاد کبھی راس نہیں آیا، وہ اس کوشش میں رہے کہ اس اتحاد کا شیرازہ بکھیر دیں۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کو ابھارا اور مرزا قادیانی نے ان کے منصوبے کی تکمیل کے لیے ان کی ہر سازش کو پورا کیا۔

حکومت پر قبضہ

یہودی منصوبہ کی آخری کڑی حکومت پر قبضہ ہے۔ اس قبضے کی خواہش کا اظہار قادیانیوں کی طرف سے موقع بے موقع ہوتا رہا۔ انگریز کے جانے کے بعد وہ انگریز کی جانشینی کے خواب دیکھتے رہے (ملاحظہ ہو منیر رپورٹ) پھر انہوں نے بلوچستان پر قبضہ کا منصوبہ بنایا اور اس میں ناکامی کی صورت میں انہوں نے اندر ہی اندر ملت اسلامیہ کے اجتماعی نظام کو کھوکھلا

کیا۔۔۔۔ اور موجودہ حکومت کی صورت میں قادیانی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے اقتدار کی منزل قریب ہے' وہ ڈی میں پہنچ چکے ہیں اور اب کسی لمحے وہ ایک ہی ٹک میں گول کرلیں گے۔

ایک ہی سازش

یہودی مسیح موعود شبیہے اور مرزا غلام احمد قادیانی کے مختلف مدارج کا جائزہ اس حقیقت کو طشت ازبام کر رہا ہے کہ ایک ہی تصویر ہے' رنگ مختلف ہیں۔ ایک ہی ڈرامہ ہے' کردار مختلف ہیں۔ ایک ہی کتاب ہے' ایڈیشن مختلف ہیں۔ ایک ہی منزل ہے' راستے ذرا جدا ہیں۔ ایک ہی سازش ہے لیکن سٹیج مختلف ہیں اور ہر دو سازشوں کی کڑیاں آپس میں یوں ملتی ہیں کہ اسرائیل سے' ترکی سے ربوہ ایک ہی قطار میں نظر آتے ہیں۔ بصیرت و بصارت رکھنے والے اصحاب ان خفیہ تاروں کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں جن کے سہارے یہ کٹھ پتلیاں رقص کرتی ہیں۔

نظریاتی ہم آہنگی

قادیانیوں اور یہودیوں کی ہم آہنگی کی کئی بنیادیں بھی ہیں۔ سب سے اہم بنیاد نظریاتی ہم آہنگی ہے۔ قادیانی اپنے عقائد کے اعتبار سے یہودیت سے بہت قریب ہیں۔ مثلاً

حضرت عیسیٰ ؑ کی توہین

یہودی حضرت مسیح علیہ السلام پر جھوٹ اور افتراء باندھتے ہیں۔ ان پر الزامات عاید کرتے ہیں۔ انھیں گالیاں دیتے ہیں اور ان کی توہین کرتے

ہیں۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے وہی الزامات حضرت مسیحؑ پر عائد کیے جو یہودی کرتے رہے تھے۔ وہی افتراء باندھے جنہیں یہودیوں کے ذہن نے جنم دیا تھا۔ وہی جھوٹ بولے جو یہودیوں کی کتابوں میں درج تھے اور وہی گالیاں دیں جو یہودیوں کے ہاں حضرت مسیحؑ کے لیے موجود ہیں بلکہ مرزا صاحب نے یہود کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائیں۔

(دیکھو مکتوبات احمدیہ' حصہ اول' صفحہ 5)

اور ان کتب کی مدد سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر طعن و تشنیع کے یہودانہ فریضہ کو پورا کیا۔ مرزا صاحب نے بار بار تذکرہ کیا کہ یہود کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اعتراضات بہت قوی ہیں:

"الغرض قرآن شریف نے حضرت مسیحؑ کو سچا قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کی (حضرت عیسیٰؑ کی) پیشین گوئیوں پر یہود کے سخت اعتراض ہیں جو ہم کسی طرح ان کو دفع نہیں کر سکتے۔ صرف قرآن کے سہارے سے ہم نے مان لیا ہے اور بجز اس کے ان کی نبوت پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہیں"۔

(اعجاز احمدی' صفحہ 13' مصنفہ مرزا قادیانی)

"اور یہود تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اور ان کی پیش گوئیوں کے بارہ میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں۔ بغیر اس کے کہ ضرور عیسیٰ نبی ہیں کیونکہ قرآن نے اس کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل اس کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی' بلکہ ابطال نبوت پر کئی دلائل ہیں۔ یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا"۔

(اعجاز احمدی' ص ۱۳' مصنفہ مرزا قادیانی)

پھر مرزا صاحب نے یہودیوں کی سی زبان اختیار کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزامات عاید کیے:

"آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اس وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا ہو سکتا ہے"۔

(ضمیمہ انجام آتھم' مصنفہ مرزا قادیانی)

"ہاں آپ کو گالیاں دینے اور بد زبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آ جاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے مگر میرے نزدیک آپ کی حرکات جائے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی"۔

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ' مصنفہ مرزا قادیانی)

اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ کے معجزات کا بھی مذاق اڑایا ہے:

"عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق

بات یہ ہے کہ آپؑ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا اور جس دن سے آپؑ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا' اسی روز سے شریفوں نے آپؑ سے کنارہ کر لیا"۔

(ضمیمہ انجام آتھم' ص 6 حاشیہ)

"یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیحؑ مٹی کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ سچ کے جانور بنا دیتا تھا۔ نہیں' بلکہ صرف عمل ترب (یعنی مسمریزم) تھا۔۔۔ بہرحال یہ معجزہ صرف کھیل کی قسم میں سے تھا اور مٹی درحقیقت ایک مٹی ہی رہتی تھی جیسے سامری کا گوسالہ"۔

(ازالہ اوہام' صفحہ 322' مصنفہ مرزا قادیانی)

"ممکن ہے آپؑ نے کسی معمولی تدبیر کے ساتھ کسی شب کور وغیرہ کو اچھا کیا ہو یا کسی اور ایسی بیماری کا علاج کیا ہو' مگر آپؑ کی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اسی تالاب سے آپؑ کے معجزہ کی پوری حقیقت کھلتی ہے"۔

(ضمیمہ انجام آتھم' ص 7 حاشیہ)

حضرت مریمؑ پر بہتان

غرض کہ مرزا صاحب کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو یہودیوں سے یکی نظریاتی ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ جس طرح یہودی حضرت مریم علیہا السلام

پر بہتان باندھتے ہیں اور ان پر دشنام طرازی کرتے ہیں' اسی طرح مرزا صاحب نے بھی اپنی کتابوں میں یہودیوں کی طرف سے عاید کردہ اس ذمہ داری کو پوری طرح ادا کیا ہے۔ حضرت مریمؑ جیسی پاک دامن اور عفت مآب خاتون کے بارے میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"اور مریمؑ کی وہ شان ہے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا' پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم توراۃ عین حمل میں کیوں کیا گیا اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا اور تعدد ازدواج کی کیوں بنیاد ڈالی گئی۔ یعنی باوجود یوسف نجار کی پہلی بیوی کے ہونے کے' مریمؑ کیوں راضی ہوئی کہ یوسف نجار کے نکاح میں آوے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں۔ اس صورت میں وہ لوگ قابل رحم تھے نہ قابل اعتراض"۔

(کشتی نوح' ص 27' مصنفہ مرزا قادیانی)

یہودیوں کے ساتھ مرزائیوں کی نظریاتی ہم آہنگی کی حقیقت تو واضح ہو گئی کہ مرزائی بھی یہودیوں کی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام اور آپؑ کی والدہ مطہرہ پر بیہودہ الزامات عاید کرتے ہیں۔ قادیانیوں کے ہاں نبوت کا معیار بھی وہی ہے جو یہودیوں کے ہاں پایا جاتا ہے۔ قادیانی بھی کلام پاک میں اسی طرح تحریف کرتے ہیں جس طرح یہودی کرتے تھے۔ جس طرح قرآن میں کہا گیا ہے **و یحرفون الکلم عن مواضعہ** اسی طرح مرزا صاحب نے بھی قرآن پاک اور احادیث نبویہؐ میں سینکڑوں تحریفیں کیں۔ قادیانیوں اور یہودیوں کی اس ہم آہنگی کا سلسلہ صرف عقاید و نظریات تک محدود نہیں بلکہ قادیانی یہودیوں کے سیاسی مقاصد پورے کرنے کے لیے

سرگرم عمل ہیں۔

اسرائیلی ایجنٹ

اسرائیل عربوں کا دشمن ہے۔ اس نے قلب اسلام میں اپنی سازشوں کے خنجر گھونپے ہیں۔ اس نے امت مسلمہ سے بغض و عناد کو اپنی مملکت کا منشور بنایا ہے۔ اس نے ہمارے عرب بھائیوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ پاکستان نے اسی وجہ سے آج تک اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا۔ اسرائیل کی سرزمین پر کسی مسلمان کا داخلہ قانونی طور پر جائز نہیں لیکن اسی اسرائیل میں مرزائیوں کا مشن قائم ہے' ان کی مساجد موجود ہیں اور وہ اپنی تبلیغ جاری رکھے ہوئے ہیں' جیسا کہ مولوی جلال الدین شمس نے اپنی تقریر میں بتایا اور مسجدوں کے لحاظ سے ان کی نسبت یہ ہے: برطانیہ ایک' امریکہ میں چار' ہالینڈ ایک ـــــ اسرائیل ایک۔

(اسلام کا عالمگیر غلبہ)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسرائیلی حکومت' جس نے اپنی سرزمین پر پاکستانی مسلمانوں کا داخلہ بند کیا ہوا ہے' اس نے مرزائیوں کو مشن قائم کرنے اور مسجد بنانے کی اجازت کیسے دی۔ کیا اسلام کی خدمت کے لیے؟ کیا دین کی تبلیغ کے لیے؟ کیا مسلمان بھائیوں کی اعانت کے لیے؟ ـــــ نہیں اور ہرگز نہیں' بلکہ اس نے اجازت جس مقصد کے لیے دی ہے اور مرزائی وہاں جس مقصد کو پورا کر رہے ہیں' اس کا حال محمد خیر القادری کی زبانی سنیے۔ آپ دمشق کے مشہور ادیب ہیں۔ انہوں نے القادیانیہ کے عنوان سے دمشق سے مطبوعہ پمفلٹ میں بتایا:

"قادیانیوں نے اپنے نئے دین کو عرب ممالک میں پھیلانے کا ارادہ کیا تو ان شہروں میں پھیل گئے جن میں اپنے لیے زیادہ

ترقی اور حفاظت کے حالات دیکھے تاکہ ان میں وہ اپنا تبلیغی مشن قائم کریں لیکن انھیں اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے حیفا (اسرائیل) کے سوا کوئی دوسرا شہر نہ ملا اور یہ معاملہ بھی ایک ہی سبب اور حقیقت حال کی طرف لوٹتا ہے اور وہ ہے "برطانوی پرچم کا سایہ"۔ اس سائے میں قادیانیوں نے سلامتی اور قرار محسوس کیا۔ ان ہی حالات میں قادیانیوں نے حیفا (بہائی' جو بہاء اللہ کو مسیح موعود کہتے ہیں' ان کا مرکز بھی عکہ (متصل حیفا) اسرائیل میں ہے۔ یہ بڑا غور طلب مسئلہ ہے کہ پاکستانی مسیح کا مرکز بھی اسرائیل میں اور ایرانی مسیح کا بھی اسرائیل میں۔ اور اسرائیل یہودیوں کی ریاست ہے یعنی ان دونوں گروہوں سے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کا کام یہودی لے رہے ہیں) میں اپنا مرکز قائم کیا۔ اسی مرکز سے وہ اپنے تبلیغی مشن عرب شہروں میں بھیجتے ہیں۔ جب سے حکومت برطانیہ حیفا سے دستبردار ہوئی' قادیانیوں کو اسرائیلی علم کے زیر سایہ امن و سلامتی اور خصوصی سرپرستی حاصل ہوئی اور تاحال حیفا شہر میں ان کا مرکز قائم ہے' جہاں سے وہ فلسطین میں داخل ہوتے ہیں اور عرب شہروں میں جا نکلتے ہیں"۔

قادیانیوں کی جاسوسی

"اور ہم پوری صراحت سے کہتے ہیں کہ قادیانیوں سے نرمی اور اغماض کا انجام بڑا خوفناک ہوگا۔ پہلی عالمگیر جنگ میں جاسوسی سے ان کا تعلق رہا ہے' جیسا کہ ولی اللہ زین العابدین نامی ایک معروف قادیانی انگریزی فوج سے فرار ہوا اور دعویٰ کیا کہ میں مملکت عثمانیہ کا پناہ گزین اور اسلامی حمیت کا حامل

ہوں۔

اس طرح اس نے عثمانی ترکوں کو دھوکا میں رکھا۔ پانچویں بریگیڈ کے سالار جمال پاشا نے اسے خوش آمدید کہا اور 1917ء میں قدس شہر کے صلاحیہ کالج میں تاریخ ادیان کا لیکچرار مقرر کیا اور جب برطانوی فوج دمشق میں داخل ہوئی تو ولی اللہ زین العابدین عثمانیوں سے بھاگ کر انگریز فوج سے جا ملا"۔

(ترجمہ از القادیانیہ' صفحہ 12 - 14)

اسرائیل کی یہ وہ خدمت ہے جو قادیانی گروہ انجام دے رہا ہے' جس کے سبب اکثر عرب ممالک نے اپنے ہاں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا ہے۔ یہ لمبی داڑھیوں اور اسلام کے ظاہری روپ کے ساتھ عربی بولتے ہوئے عرب معاشرے میں داخل ہوتے ہیں اور اپنی سازشوں کے جال پھیلاتے ہیں۔ اسرائیل کی خدمت انجام دیتے ہیں اور یہودی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ انگریزوں کی طرح یہودیوں نے بھی قادیانیوں کو اپنی سازش کا آلہ کار صرف اس لیے بنایا کہ قادیانی جہاد کے مخالف ہیں اور یہودی امت مسلمہ سے جہاد کی روح ختم کرنا چاہتے ہیں۔

قادیانیوں نے یہودیوں کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیے۔ انہیں پاکستان کے اور بلاد عرب کے راز پہنچاتے رہے اور آج کل بھی یہی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ عرب ممالک ان کی اسی طرح کی سرگرمیوں سے پریشان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب جاوید الرحمٰن (قادیانی) کو سعودی عرب میں پاکستان کا سفیر بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تو سعودی حکومت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ گزشتہ دنوں جب آزاد کشمیر اسمبلی نے قرارداد منظور کی تو رابطہ عالم اسلامی اور دیگر علمائے عرب کی طرف سے سردار عبدالقیوم کے نام مبارکباد کے خطوط میں کہا گیا:

"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے اس گروہ کو اقلیت قرار دیا۔ اس گروہ نے تو ہمارے خلاف جاسوسی کا پورا نظام قائم کر رکھا ہے۔ ہم اس کے ہاتھوں بہت پریشان ہیں"۔

(اسرائیل سے ربوہ تک از نگزار احمد مظاہری

ادارۂ تحفظ و اشاعت اسلام' پاکستان)

دور ثانی

1- پولٹیکل مرکز

اب تو وہ کادیان' ہاں وہ کادیان' جہاں سے کبھی علوم دینیہ کے چشمے پھوٹتے تھے ایک اچھا خاصہ پولٹیکل مرکز بن چکا ہے۔ ہندوستان کے ہر حصہ کے لوگوں سے وہاں پولٹیکل امور کے متعلق خط و کتابت ہوتی رہتی ہے۔ لوگ وہاں آتے ہیں تو کوئی دین سیکھنے کے لیے نہیں' بلکہ محض سیاسی امور کے متعلق جناب خلافت مآب سے مشورہ لینے اور ان سے گفتگو کرنے کے لیے صرف ہندوستان کے لوگ ہی نہیں بلکہ بہت سے دیگر ممالک افغانستان وغیرہ سے بھی لوگ اسی غرض کو لے کر آتے ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کے پولٹیکل معاملات ان سے بالکل علیحدہ ہیں' لیکن میاں صاحب ہیں کہ برطانوی حکومت کے مفاد کو مدنظر نہ رکھتے ہوئے ان لوگوں سے ان باہر کے آئے ہوئے لوگوں کے ساتھ ان پولٹیکل معاملات پر گفتگو کرتے ہیں' ان سے خط و کتابت جاری رکھتے ہیں اور لوگ چل کر ان سے ملنے آتے ہیں۔ تاکہ کادیان کے اندر بیٹھ کر ان سے ان معاملات پر بات چیت کریں۔ کیا ان حالات میں ان خود فرمودہ واقعات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا بعید از انصاف ہوگا کہ دین کی آڑ میں میاں محمود احمد صاحب جو کچھ کرتے ہیں وہ بڑے بڑے پولٹیکل سازشیوں سے بھی

ناممکن ہے۔

تعجب ہے کہ خود خلافت مآب پولیٹیکل امور میں اس قدر سرگرم ہوں کہ ہروقت ہرچہار حصص ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک افغانستان وغیرہ سے بھی ملکی امور پر ان کی خط و کتابت ہوتی رہتی ہو۔ لوگ ان کے پاس ملکی مشورہ لینے کے لیے آئیں اور قادیان کو تو اب خیر —— چنداں واسطہ ہی نہیں' ایک اچھا خاصا پولیٹیکل مرکز بنایا جائے۔

(قادیانی جماعت لاہور کا اخبار "پیغام صلح" لاہور' جلد 5' صفحہ 43' مورخہ 5 دسمبر 1917ء)

2- سیاسیات ہی سیاسیات

سیاسی مسائل میں ان لوگوں (قادیانی صاحبان) کا انہماک یہاں تک ترقی کر چکا ہے کہ اب قادیان میں بھی بقول میاں (محمود احمد) صاحب اگر کوئی بات چیت ہوتی ہے تو وہ سیاسی مسائل پر ہی ہوتی ہے۔ باہر سے خط و کتابت بھی سب کی سب مسائل سیاسیہ ہی کے متعلق کی جاتی ہے۔ قادیان آنے والے لوگ بھی انہی سیاسی مسائل میں ہی غور و فکر کرنے کے لیے آتے ہیں اور میاں صاحب کے آگے زانوئے ادب تہ کرتے ہیں۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے' محض سیاست ہی سیاست ہے اور دین کا نام و نشان تک نہیں۔

(قادیانی جماعت لاہور کا اخبار پیغام صلح' جلد 5' صفحہ 63' مورخہ 20 فروری 1918ء)

3- سیاسیات میں برتری

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں سیاسیات میں بھی ایسی ہی برتری عطا کی جیسی دوسرے امور میں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتا ہے۔ ہماری اپنی قابلیتوں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اب بیسیوں بڑے بڑے سیاستدان یورپ اور ہندوستان

کے لوگوں کی تحریریں موجود ہیں' جن میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ہم نے ہندوستان کے نظم و نسق کے متعلق جو رائے پیش کی ہے وہ بہت صائب ہے۔

(تقریر میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان' جلسہ سالانہ مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' جلد- 18' نمبر 82' مورخہ 13 جنوری 1913ء)

4- پر فریب نام

چند ماہ سے قادیانی جماعت اور اس کے امام محترم سیاسیات میں خاصی دلچسپی لے رہے ہیں اور ان کی طرف سے تحفظ حقوق مسلمین کے پر فریب نام سے نہایت مشتبہ کارروائیاں کی جا رہی ہیں اور اس سلسلہ میں بعض نہایت عجیب و غریب باتیں معلوم ہوئیں اور جستجو پر بہت سے خوفناک اور رنجدہ انکشافات بھی ہوئے۔

(لاہوری جماعت کا اخبار پیغام صلح لاہور' مورخہ 15 جولائی 1930ء)

5- تخم ریزی

اسی سلسلہ میں (بہ مقام شملہ) خود حرم حضرت اقدس (میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان) نے ایک پردہ پارٹی دی' جس میں انگریز' ہندو' پارسی' سکھ اور مسلم خواتین کثیر تعداد میں شریک ہوئیں۔ ہمارے لاہور کے کمشنر صاحب مسٹر ایمزار ونگ کی خاتون بھی شریک پارٹی تھیں۔ سروجنی نائیڈو' کپور تھلہ کے شاہی خاندان کی خواتین' آنریبل مسٹر جناح کی بیگم صاحبہ اور بہت سی معزز اور سربر آوردہ بیگمات اس موقع پر موجود تھیں اور قریباً اڑھائی گھنٹے تک یہ جلسہ شملہ کی مشہور فرم ڈیوی کو کے ہال میں رہا' جہاں پردہ کا پورا اہتمام تھا اور نفیس ماکولات و مشروبات کا انتظام تھا۔ اس پارٹی میں حضرت ام المومنین (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی اہلیہ) کا وجود بابرکت بھی موجود تھا

اور پارٹی کو معزز میزبان کی طرف سے کامیاب بنانے میں حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ (مرزا صاحب کی صاحبزادی) نے جس دلچسپی اور قابلیت کا اظہار فرمایا وہ ہر طرح سے شکریہ کے قابل ہے۔ میں ان واقعات کو سرسری نظر سے نہیں دیکھ رہا ہوں۔ یہ واقعات ایک تخم رہے ہیں' آئندہ سلسلہ کی شاندار ترقیات کی۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 15' نمبر 27 - 26' مورخہ 30 ستمبر 1927ء)

6- بڑے احسان

گورنمنٹ برطانیہ کے ہم پر بڑے احسن ہیں اور ہم بڑے آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کرتے اور اپنے مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔۔۔ اور اگر دوسرے ممالک میں تبلیغ کے لئے جائیں تو وہاں بھی برٹش گورنمنٹ ہماری مدد کرتی ہے۔

(برکات خلافت' صفحہ 95 مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

چند ہی دنوں کا ذکر ہے کہ ہمارے مالابار کے احمدیوں کی حالت بہت تشویش ناک ہو گئی تھی۔ ان کے لڑکوں کو سکولوں میں آنے سے بند کر دیا گیا۔ مردے دفن کرنے سے روک دیئے گئے چنانچہ ایک مردہ کئی روز تک پڑا رہا۔ مسجدوں سے روک دیا گیا۔۔۔ گورنمنٹ نے احمدیوں کی تکلیف دیکھ کر اپنے پاس سے زمین دی ہے کہ اس میں مسجد قبرستان بنالو۔۔۔ ڈپٹی کمشنر نے یہ حکم دیا کہ اب اگر کوئی احمدیوں کو تکلیف ہوئی تو مسلمانوں کے جتنے لیڈر ہیں' ان سب کو نئے قانون کے تحت ملک بدر کر دیا جائے گا۔

7- ایسا ہی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت ایک جنگ ہوئی تھی اور اب بھی

ایک جنگ شروع ہے۔ مگر وہ جنگ اس کے مقابلہ میں بہت چھوٹی تھی۔ اس وقت کی حضرت مسیح موعود کی تحریریں موجود ہیں۔ اس وقت گورنمنٹ کے لیے چندے کیے گئے' مدد دینے کی تقریریں کی گئیں' دعائیں کرائی گئیں۔ آج بھی ہمارا فرض ہے کہ ایسا ہی کریں۔

(تقریر میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان' جلد 5' نمبر 13' مورخہ 12 اگست 1917ء)

8- قادیانی رنگروٹ

جو گورنمنٹ ایسی مہربان ہو' اس کی جس قدر بھی فرمانبرداری کی جائے تھوڑی ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر مجھ پر خلافت کا بوجھ نہ ہوتا تو میں موذن بنتا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر میں خلیفہ نہ ہوتا تو والنٹیر ہو کر جنگ یورپ میں چلا جاتا۔

(انوار خلافت مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان)

لارڈ چیمسفورڈ نے میرے نام اپنی چٹھی میں اس کا ذکر کیا کہ حکومت نے ایک کمیونک شائع کیا ہے کہ آپ کی جماعت نے بہت مدد دی ہے۔ پھر کابل کی لڑائی ہوئی اور اس موقع پر بھی ہم نے فوراً حکومت کی مدد کی۔ اپنے چھوٹے بھائی کو فوج میں بھیجا۔ جہاں انہوں نے بغیر تنخواہ کے چھ ماہ کام کیا۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان

مندرجہ اخبار "الفضل" جلد 22' نمبر 19' مورخہ 29 جنوری 1935ء)

9- دعائیہ جلسہ

موجودہ جنگ کی تیسری سالگرہ 4 اگست 1917ء کو تھی' جس کے متعلق تقدس ماب حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام نے قادیان میں ایک خاص دعائیہ جلسہ منعقد فرمایا۔ جس میں تمام قادیان کے احمدی دکاندار' اہلکاران اور طلبا

ہائی سکول و مدرسہ احمدیہ کے بلوائے گئے۔ بعد نماز عصر ایک تقریر فرمائی جس میں برٹش راج کے احسانات اور برکات کو واضح طور پر سامعین کے ذہن نشین کروا دیا اور برٹش راج سے پہلے مسلمانوں کی ذلیل حالت کا نقشہ کھینچ کر بتایا کہ سکھوں کے وقت میں ان کے مذہب کی کیا حالت تھی۔ بالخصوص حضور ممدوح نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا صاحب) کی وہ ہدایات یاد دلائیں' جن میں حضرت اقدس نے اپنی شرائط بیعت میں حاکموں کی فرمانبرداری کو بھی داخل فرمایا ہے اور تاکیداً حکم دیا ہے اور فرمایا کہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہی حکم نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کا بھی مسلمانوں کو حکم ہے کہ جو تم پر حاکم ہوں ان کی فرمانبرداری کرو۔ تو گویا گورنمنٹ کے برخلاف کسی امر میں حصہ لینے والا خدا کا نافرمان ہے اور مثالیں دیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعض کالج کے طلباء سے بھی جب انہوں نے سٹرائیک کرنے والوں کی حامی بھری تھی' قطع تعلق کر لیا تھا۔ تو خوب سوچو کہ جو محسن گورنمنٹ کا باغی ہوا' اس کا حضرت مسیح موعود کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے...... حضرت مسیح موعود نے بھی تم پر بھروسا کیا ہے کہ احمدی کبھی اپنی مہربان گورنمنٹ کے برخلاف نہیں ہوں گے اور خدا کے فضل سے احمدیوں نے موجودہ جنگ میں جس کو آج پورے تین سال ہو گئے ہیں' اپنی بساط سے بہت بڑھ کر تن' من' دھن سے حصہ لیا ہے۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد نمبر 12' مورخہ 11 اگست 1917ء)

10- کانگرس اور قادیانی جماعت

آج کل کانگرس والوں کو جہاں گورنمنٹ سے مقابلہ ہے وہاں قادیانیوں کا سامنا بھی ہے اور بیچارے سخت مشکل میں آئے ہیں...... گاؤں گاؤں گھوم پھر کر قادیانی مبلغین کانگرس کے پروپیگنڈے کو بے اثر بنا رہے ہیں۔ دھنکوں اور

لیکچروں کے ذریعہ گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کا سبق دیا جارہا ہے اور اولی الامر منکم کی تفسیر کے دریا بہائے جارہے ہیں۔ غرض گورنمنٹ کی سختیوں اور کادیانیوں کی بوالعجبیوں نے کانگرس والوں کا تو ان دنوں یہ حال کر رکھا ہے

غم صیاد' فکر باغباں ہے   دو عملی میں ہمارا آشیاں ہے

(قادیانی جماعت لاہور کا اخبار پیغام صلح' مورخہ 21 جون 1930ء)

میں نے پھر بھی کانگرس کی شورش کے وقت میں ایسا کام کیا ہے کہ کوئی انجمن یا فرد اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اگر میں اس وقت الگ رہتا تو یقیناً ملک میں شورش بہت زیادہ ترقی کر جاتی۔ یہ صرف میری ہی راہنمائی تھی جس کے نتیجہ میں دوسری اقوام کو بھی جرات ہوئی اور ان میں سے کئی کانگرس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

(خطبہ جمعہ میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان

مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' جلد 19' نمبر 137 مورخہ 28 مئی 1931ء)

11- شرمناک الزام

پیغام صلح نے جماعت احمدیہ پر یہ شرمناک الزام لگایا تھا کہ وہ کار خاص پر متعین ہے اور اس کے ثبوت میں ناظر صاحب امور خارجہ کادیان کی ایک چٹھی کا اقتباس شائع کیا تھا جو انہوں نے بیرونی جماعتوں کو ارسال کی تھی۔ اس چٹھی کے خاص فقرات یہ ہیں :

"اپنے علاقہ کی سیاسی تحریکات سے پوری طرح واقف رہنا چاہیے اور کانگرس کے اثر کے بڑھنے اور گھٹنے سے مرکز کو اطلاع دیتے رہیں۔ اگر کوئی سرکاری افسر سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتا ہو یا

کانگرسی خیالات رکھتا ہوں' تو اس کا بھی خیال رکھیں اور یہاں
قادیان اطلاع دیں"۔

(اخبار "الفضل" "قادیان" جلد 18- نمبر 10' مورخہ 22 جولائی 1930ء)

12- سیاسی مشورے

غرض جو کام اب کیا جائے گا جماعت پہلے بھی یہ کام کرتی رہی ہے' جیسے
گورنمنٹ کی طرف سے جب کانگرس کے جتھوں پر مار پیٹ شروع ہوئی اور
بعض جگہ ظلم ہونے لگا تو میں نے بحیثیت امام جماعت احمدیہ حکومت کو توجہ
دلائی کہ یہ امر گورنمنٹ کو بدنام کرنے والا ہے۔ میرے اس توجہ دلانے پر لارڈ
ارون نے مجھے لکھا کہ آپ اپنی جماعت کا ایک وفد اس امر کے متعلق تفصیلی
مشورے دینے کے لیے بھیجیں اور انہوں نے سر جافری سابق گورنر پنجاب کو
تاکید کی کہ ان کی باتوں کو غور سے سنا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ
ہمارا وفد گیا اور انہوں نے نہایت خوشی سے ہماری باتوں کو سنا اور اس کے بعد
سر جافری نے مجھے شکریہ کی ایک لمبی چٹھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجی۔ میں نے
اس وقت انہیں یہی بتایا تھا کہ آپ بغیر بدنام ہوئے کانگرس کے اثر سے لوگوں
کو بچا سکتے ہیں۔ یہ ایک سیاسی بات تھی' مگر ہم نے اس وقت اس میں دخل
دیا۔ پس سیاسی کاموں میں ہم پہلے بھی حصہ لیتے رہے ہیں۔

(خطبہ جمعہ میاں محمود احمد صاحب' خلیفہ قادیان

مندرجہ اخبار "الفضل" جلد 22' نمبر 14' مورخہ 5 فروری 1935ء)

انگریزوں کا اصل یہ ہے کہ ایجی ٹیشن ہونی چاہیے۔ میں نے حکام سے
کئی دفعہ اس امر پر بحث کی ہے کہ یہ غلط پالیسی ہے۔ میں نے سر ڈوائر پر اس
کے متعلق زور دیا۔ سر میکلیگن پر زور دیا اور انہیں سمجھایا کہ جب تک یہ
پالیسی ترک نہ کی جائے گی نہ امن قائم ہو سکتا ہے نہ انصاف۔

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان

مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 22' نمبر 91 مورخہ 3 فروری 1935ء)

مجھے ایک کانگرسی لیڈر نے بتایا کہ ایک ہندوستانی جج اپنی تنخواہ کا بیشتر حصہ کانگرس کو بطور چندہ دیتا ہے تاکہ اس سے ان مسلمان مولویوں کی تنخواہیں دی جائیں' جو مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے کانگرس میں رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے اس امر کے متعلق ایک دفعہ دوران گفتگو میں سابق گورنر پنجاب سرجافری سے ذکر کیا کہ سرکاری ملازم اس طرح کی بددیانتیاں کرتے ہیں تو انہوں نے ایک جج کا نام لیا اور مجھ سے دریافت کیا کہ یہ تو نہیں ہے اور کہا کہ ہمیں بھی اس کے متعلق شکایات پہنچی ہیں۔ مگر چونکہ ہمارا طریق جاسوسی اور شکایت کرنے کا نہیں اس لیے میں نے نام تو نہ بتایا مگر جس کا نام انہوں نے لیا وہ نہیں تھا جس کا مجھ سے ذکر کیا گیا تھا۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 22' نمبر 210"

مورخہ 29 جنوری 1935ء)

13- پچاس ہزار روپیہ

اس کے بعد ہر موقع پر جب کانگرس نے شورش کی' ہم نے حکومت کی مدد کی۔ گزشتہ گاندھی موومنٹ کے موقع پر ہم نے پچاس ہزار روپیہ خرچ کر کے ٹریکٹ اور اشتہار شائع کیے اور ہم ریکارڈ سے یہ بات ثابت کر سکتے ہیں۔ سینکڑوں تقریریں اس تحریک کے خلاف ہمارے آدمیوں نے کیں۔ اعلیٰ مشورے ہم نے دیئے۔ جنہیں اعلیٰ حکام نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

(خطبہ میاں محمود احمد مندرجہ اخبار "الفضل" جلد 22' نمبر 91 مورخہ 29 جنوری 1935ء)

14- آگ کا انگارا

سیلف گورنمنٹ یا حکومت خود اختیاری کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر کس و ناکس اس کے حصول کے لیے تیار ہو جائے۔ بلکہ کانٹوں کی مالا ہے، جسے گلے میں ڈالنے کے لیے خاص دل گردہ اور قابلیت کی ضرورت ہے اور جب تک قابلیت پیدا نہ ہولے اس وقت تک اس کا مطالبہ کرنا اسی طرح کا ہے، جس طرح ایک چھوٹا بچہ آگ کے انگارا کو چمکتا ہوا دیکھ کر اس کے پکڑنے کی کوشش کرے۔ اس وقت جس طرح اس کے دانا اور عقلمند محافظ کا فرض ہے کہ اسے انگارہ نہ پکڑنے دے اسی طرح اس وقت گورنمنٹ برطانیہ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو حکمت سے، تدبیر سے، اور اگر وہ نہ ہی مانیں تو اثر حکومت سے باز رکھے۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد ۲ نمبر ۱۸ مورخہ 28 جولائی 1914ء)

15- خوشی کی بات

پچھلے دنوں کی شورش میں جماعت احمدیہ نے گورنمنٹ کے متعلق جس وفاداری اور امن پسندی کا ثبوت دیا ہے وہ کسی صلہ یا کسی انعام حاصل کرنے کی غرض سے نہیں تھا۔ بلکہ اپنا مذہبی فرض سمجھ کر بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اور موجودہ امام جماعت احمدیہ کی تعلیم کے مطابق دیا تھا۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ گورنمنٹ پنجاب کے خاص اعلان کے علاوہ کئی مقامات کے ذمہ دار افسروں نے بھی جماعت احمدیہ کے افراد کے رویہ پر نہایت مسرت کا اظہار کیا اور اپنی خوشنودی کے سرٹیفکیٹ عطا کیے ہیں۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد ۶ نمبر 90 مورخہ 27 مئی 1919ء)

16- نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب سے خط و کتابت

پرائیویٹ سیکرٹری نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر تحریر فرماتے ہیں:

"جناب من! آپ نے جو خط ہز آنر لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب کے نام ارسال فرمایا تھا' اس کے متعلق مجھے یہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر نے آپ کی تحریر کو بڑی توجہ سے ملاحظہ فرمایا اور آپ کے اظہار وفاداری نیز اس نازک موقع پر اپنے پیروؤں کو ملک معظم اور ملک کے ساتھ دینے کی گراں بہا نصیحت کو استحسان اور قدر کی نظر سے دیکھا ہے۔ چند ہفتہ قبل ضلع گورداسپور کا دورہ کرتے وقت ہز آنر احمدی جماعت کے ایک وفد سے مل کر خوش ہوئے اور جو کچھ حضور نے اس وقت فرمایا تھا اس کا پھر اعادہ فرماتے ہیں وہ یہ کہ گورنمنٹ عالیہ نے جو وسیع مذہبی آزادی اپنی رعایا کو دے رکھی ہے اس کی بناء پر احمدی جماعت گورنمنٹ کی حفاظت پر بھروسہ کر سکتی ہے اور گورنمنٹ عالیہ کو بھی احمدی جماعت اور اس کے امام کی طرف سے نہ صرف وفادارانہ امداد کی امید بلکہ یقین ہے"۔

دستخط پرائیویٹ سیکرٹری ہز آنر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 2' نمبر 1' مورخہ 29 جنوری 1914ء)

17- قادیانی ایڈریس بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب

آئندہ مشکلات اور آنے والے واقعات کی نسبت سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا اور ہم نہیں جانتے کہ عرصہ کارگزاری میں واقعات کس رنگ میں ظہور پذیر ہوں گے مگر ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہو' جناب جماعت احمدیہ کو ملک معظم کا نہایت وفادار اور سچا خادم پائیں گے کیونکہ وفاداری گورنمنٹ' جماعت احمدیہ کی شرائط بیعت میں

سے ایک شرط رکھی گئی ہے اور بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی جماعت کو وفاداری حکومت کی اس طرح بار بار تاکید کی ہے کہ اس کی اسی کتابوں میں کوئی کتاب نہیں جس میں اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو اور اس کی وفات کے بعد اس کے اول جانشین (حکیم نورالدین صاحب) نے اپنے زمانہ میں اور دوسرے جانشین ہمارے امام (میاں محمود احمد صاحب) نے بھی بانی سلسلہ کی تعلیم کی اتباع میں جماعت کو تعلیم دیتے وقت اس امر کو خاص طور پر مد نظر رکھا ہے۔ پس جناب اور جناب کی گورنمنٹ ہر وقت ہماری جماعت کی عملی ہمدردی پر بھروسہ رکھ سکتی ہے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا یہ بھروسہ خطا نہیں کرے گا۔

ہم خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہماری جماعت کو بھی اس نازک وقت میں جب کہ برٹش گورنمنٹ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں گھری ہوئی تھی اور اس کے بعد جب کہ اسی جنگ کے نتائج کے طور پر اسے خود اندرون ملک اور سرحد پر بعض خطرات کا سامنا ہوا' اپنی طاقت اور اپنے ذرائع سے بڑھ کر خدمات کا موقع دیا اور اس جماعت کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر جو نہ صرف پنجاب ہی میں ہو رہی ہے بلکہ تمام علاقہ جات ہندوستان کے علاوہ انگلستان' مصر' نائیجیریا' روس' ترکستان' سیرالیون' ایران' افغانستان' ماریشس' سیلون وغیرہ دوسرے ممالک میں بھی ہو رہی ہے اور ان وعدوں پر ایمان لائے ہوئے جو بانی سلسلہ سے خدائے کون و مکان نے فرمائے ہیں امید کرتے ہیں برٹش گورنمنٹ کی قیام امن اور اشاعت تہذیب کی کوششوں میں ہم آئندہ اور بھی زیادہ مدد دیں گے۔

(قادیانی جماعت کا ایڈریس بخدمت سرایڈورڈ میکلیگن لیفٹیننٹ گورنر پنجاب مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 7' نمبر 48' مورخہ 22 دسمبر 1919ء)

18- ممبران پارلیمنٹ میں ایڈریس کی تقسیم

جماعت احمدیہ نے جس نے اپنا صدر مقام انجویز روڈ میں قائم کیا ہے' ممبران پارلیمنٹ کے نام ایک گشتی مراسلہ' ایک ایڈریس کی کاپی کے ساتھ جو سر ایڈورڈ میکلیگن کو پیش کیا گیا تھا' روانہ کیا ہے۔ خط منسلکہ میں لکھا گیا ہے کہ جماعت احمدیہ اسلام کی ایک نئی تحریک ہے' جو تیزی سے مختلف حصص سلطنت میں پھیل رہی ہے۔ بنا بریں ہم ان پر آشوب ایام میں اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کو اس جماعت کے سیاسی خیالات سے آگاہ کریں۔ اپنی حکومت کا وفادار رہنا اور اس پر خدا کی رحمت چاہنا اس کے اصولوں میں سے ایک ہے۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 7' نمبر 77' مورخہ 12 اپریل 1920ء)

19- نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب کو قادیان کی دعوت

جماعت احمدیہ' جس نے کہ مذہب دنیا میں بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے اس بات کی حق دار ہے کہ گورنمنٹ کا اعلیٰ افسر گورنمنٹ کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے اس جماعت کے مرکز (قادیان) کا گاہے گاہے ملاحظہ کرتے رہے اور بدیں وجہ ہم نے جناب سے قادیان آنے کی درخواست کی ہے اور اگر جناب اس وقت کثرت مشغولیت کی وجہ سے ہماری درخواست کو منظور نہیں کر سکیں گے لیکن ہم امید رکھتے ہیں کہ حضور اس صوبہ کی حکومت سے سبکدوش ہونے سے پہلے کوئی وقت قادیان میں تشریف آوری کے لیے ضرور نکالیں گے اور آپ کے جانشین بھی گاہے گاہے بخوشی قادیان میں تشریف لے جا کر ہماری جماعت کے حالات کو ملاحظہ فرمایا کریں گے۔ ہم حضور کی تشریف آوری پر حضور سے کسی قسم کے پولیٹیکل حقوق و مراعات لینے کے خواہش مند نہیں۔ صوبہ کے حاکم اعلیٰ کی تشریف آوری سے اخلاقی فوائد کا مترتب ہونا کچھ مستبعد نہیں۔

(الوداعی وفد کا ایڈریس بخدمت ہز ایکسیلنسی سر ایڈورڈ میکلیگن گورنر پنجاب مندرجہ اخبار"

الفضل" قادیان جلد 11' نمبر 29' مورخہ 16 نومبر 1921ء)

20- وزیر ہند سے ملاقات

اسی دن 6 بجے شام کا وقت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے لیے وزیر ہند صاحب کے ساتھ انٹرویو و ملاقات کا مقرر تھا۔ ٹھیک وقت پر حضرت خلیفۃ المسیح وہاں پہنچ گئے۔ ایک یوروپین صاحب احاطہ کے دروازہ تک آپ کے استقبال کے لیے آئے۔ جن کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح مع جناب چودھری ظفر اللہ خان صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا جو بطور ترجمان مقرر ہو چکے تھے' اندر تشریف لے گئے اور دروازہ کے پاس اس خیمہ میں بٹھائے گئے جو انتظار کے لیے مقرر تھا۔ دو تین منٹ کے بعد مسٹر رابرٹ ممبر پارلیمنٹ تشریف لائے اور ساتھ وزیر ہند صاحب کے خیمہ کی طرف لے گئے جو انتظار کے خیمہ سے سو گز سے زیادہ فاصلہ پر تھا۔ وزیر ہند صاحب نے نہایت خوش اخلاقی سے ملاقات کی اور 25 منٹ تک نہایت اہم ضروری امور پر آپ نے اور مسٹر رابرٹ ممبر پارلیمنٹ نے گفتگو فرمائی' جو نہایت کامیابی اور عمدگی کے ساتھ ہوئی اور مندرجہ بالا جلیل القدر اصحاب نے پوری توجہ سے سنی۔

امید ہے کہ یہ گفتگو ہماری جماعت کے لیے نہایت مفید اور بابرکت نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوگی۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 5' نمبر 41' مورخہ 20 نومبر 1917ء)

21- 1921ء کا قادیانی وفد بحضور وائسرائے ہند

حضور وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ کے خیر مقدم کا وفد جماعت احمدیہ کی طرف سے بمقام شملہ 23 جون 1921ء کو گیارہ بجے وائسریگل لاج میں پیش

ہوا۔ حاضر ممبران وفد کی تعداد تیس تھی' جو ہندوستان کے مختلف صوبہ جات سے آئے تھے اور اپنے اپنے علاقے کے لباس پہن رکھے تھے۔ چار فوجی افسران بھی اپنی وردیوں اور تمغوں میں موجود تھے۔ تمام جماعت فرودگاہ سے رکشوں میں بیٹھ کر وائسریگل لاج کی طرف روانہ ہوئی۔ رکشوں کی لائن تقریباً ایک فرلانگ لمبی تھی۔ اس کا شہر والوں پر خاص اثر ہوا۔ یعنی یہ بھی گویا ایک ذریعہ تبلیغ بن ہوگیا۔ کیونکہ سب دیکھ دیکھ کر پوچھتے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیا بات ہے؟ دروازہ پر استقبال کے لیے حضور وائسرائے کا اے ڈی کانگ حاضر تھا۔ جب سب ممبران وفد اپنی اپنی جگہ پر بٹھا دیے گئے تو حضور وائسرائے تشریف لائے اور ان کے پرائیویٹ سیکرٹری نے سب سے پہلے چودھری ظفر اللہ خان صاحب بیرسٹر لاہور سیکرٹری وفد کو انٹرڈیوس کرایا۔ پھر چودھری صاحب نے ممبران وفد کا ایک ایک کر کے انٹرڈیوس کرایا۔ حضور وائسرائے صاحب سب سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنی کرسی پر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد چودھری صاحب موصوف نے ایڈریس پڑھ کر سنایا' جس میں حضور وائسرائے کا سلسلہ احمدیہ کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود کے خاندان اور آپ کی تعلیم کا ذکر تھا۔ نیز مختصر طور پر سلسلہ کی خدمات برائے قیام امن کا تذکرہ تھا۔ اس کے بعد ہندوستان کی موجودہ حالت اور بے چینی کا ذکر تھا۔ اور اسی ضمن میں بعض باتوں کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلائی گئی۔ ایڈریس ختم ہونے کے بعد حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے ایک کاسکٹ میں ایڈریس پیش کیا۔ اس کے بعد حضور وائسرائے نے ایڈریس کا جواب دیا اور تقریباً بیس پچیس منٹ تک تقریر فرمائی اور سلسلہ کی خدمات کا اعتراف اور ان پر گورنمنٹ کی طرف سے اظہار خوشی کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ تمام حالات کے ماتحت گورنمنٹ آپ کی جماعت کی مدد پر بھروسہ کر سکتی ہے اور جن امور کی طرف حضور وائسرائے کو توجہ دلائی

گئی تھی ان کا بھی اپنے نقطہ خیال سے مفصل جواب دیا۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد ۸ نمبر ۹۳ مورخہ 27 جون 1921ء)

22- مختصر خاکہ

جناب عالی! یہ ایک نہایت ہی مختصر خاکہ ہے۔ ان خدمات کا جو ہمارا سلسلہ قیام امن کے لیے بادشاہ معظم کی وفاداری میں کرتا رہا ہے اور اس کے بیان کرنے کی یہ ضرورت پیش آئی ہے کہ ہم جناب کو بتائیں کہ اسی روح کو لے کر ہم آج جناب کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور اسی روح کے ساتھ ہم جناب کو ہندوستان میں ملک معظم کا سب سے بڑا قائم مقام سمجھ کر یقین دلاتے ہیں کہ ہم ہر ممکن اور جائز طریقے سے جناب کے ارادوں اور تجویزوں کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے اور ہندوستان میں قیام امن کی کوشش اور اس کی ترقی کے لیے سعی میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مل کر آپ کا ہاتھ بٹائیں گے اور مخالفوں کی مخالفت اور دشمنوں کی دشمنی ان شاء اللہ ہمیں اس مقصد سے پھیر نہ سکے گی۔

(قادیانی جماعت کا ایڈریس بخدمت ہز ایکسیلنسی لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہندوستان۔ اخبار "الفضل" قادیان' جلد ۹ نمبر ۱ مورخہ 4 جولائی 1921ء)

23- امام کی تعلیم

جناب عالی! جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں' ہمیں اپنے امام کی طرف سے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس گورنمنٹ کے ماتحت بھی رہیں اس کے پورے طور پر فرمانبردار رہیں اور امن میں خلل کبھی نہ ڈالیں اور یہ تعلیم ہمارے ہمیشہ مد نظر رہی ہے۔ ہم نے ہر مشکل کے اور بے امنی کے زمانہ میں برطانیہ کی گورنمنٹ کی وفاداری کی ہے اور جناب کے پیشرو کے ان الفاظ سے بھی اس

پر روشنی پڑتی ہے جو انہوں نے اپنے ایک خط میں ہماری جماعت کے موجودہ امام کے نام لکھے تھے چنانچہ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری لکھتے ہیں:

"میں حضور وائسرائے کی خواہش کے مطابق حضور وائسرائے کی طرف سے جناب کی چٹھی مورخہ 4 مئی کا جس میں آپ نے تفصیل کے ساتھ اپنی جماعت کی ان کوششوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے فسادات پنجاب کے دوران میں قیام امن کے لیے کیں' شکریہ ادا کرتا ہوں۔ گو اس سے پہلے بھی حضور وائسرائے کو پنجاب گورنمنٹ کے ذریعہ آپ کی خدمات کا (جن کا اعتراف گورنمنٹ پنجاب ایک سرکاری اعلان کے ذریعہ کر چکی ہے) علم ہو چکا ہے 'مگر وہ آپ کے کام کی تفصیل کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ہیں اور انہوں نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں ان کی طرف سے آپ کو ایسی مشکلات کے مقابلہ میں گورنمنٹ سے اظہار وفاداری کی مبارک باد دوں"۔

(قادیانی جماعت کا ایڈریس بخدمت ہز ایکسیلنسی لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند مندرجہ اخبار "الفضل" مورخہ 4 جولائی 1921ء جلد نمبر 9 نمبر 1)

24- ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند کی تقریر

"آپ صاحبان سے جو جماعت احمدیہ کے نمائندہ ہیں آج مجھے مل کر بہت خوشی ہوئی اور آپ نے جو اپنے سیکرٹری صاحب کے ذریعہ میرے وائسرائے ہند بننے پر مبارکباد دی ہے اس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے آپ کے سلسلہ کی ابتداء اور ترقی کے بیان کو نہایت دلچسپی سے سنا ہے اور آپ کی جماعت نے جو خدمات شاہنشاہ معظم کی کی ہیں ان کو سن کر مجھے اطمینان ہوا ہے۔

آپ صاحبان میں مختلف طبقوں اور پیشوں کے قائم مقام ہیں جنہیں دیکھ کر میں متاثر ہوا ہوں اور خاص کر یہ دیکھ کر کہ اس وفد میں آپ کے سلسلہ کے مقدس بانی کے دو فرزند بھی شامل ہیں' مجھے کمال خوشی ہوئی ہے۔

اور یہ بات اور بھی اطمینان کا موجب ہے کہ آپ میں سے بہت سے آدمی ایسے ہیں جو اپنے لباس' اپنی وردی اور اپنے سینوں پر کے تمغوں سے یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ اس وفاداری کو برقرار رکھنے کے لیے جو انہیں حضور ملک معظم سے ہے اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے آئندہ بھی اس طرح تیار ہوں گے' جیسے کہ وہ پہلے تیار تھے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کی جماعت کی خدمات کا اپنے پیشرو سے کم قدر دان نہیں ہوں۔ آپ نے جو وفاداری کی روح بعض دفعہ بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کر کے ظاہر کی ہے نیز وہ امداد جو آپ کی طرف سے گورنمنٹ کو پہنچی ہے وہ قابل مبارکباد ہے"۔

(ہز ایکسیلنسی لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کا جواب مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۲۱ء جلد ۹ نمبر ۱)

25 - قادیانی ایڈریس بخدمت ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز

"ہمارے تجربہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ تخت برطانیہ کے زیر سایہ ہمیں ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اکثر اسلامی کہلانے والے ملکوں میں ہم اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتے' مگر تاج برطانیہ کے زیر سایہ ہم خود اس مذہب کے خلاف جو ہمارے ملک معظم کا ہے' تبلیغ کرتے ہیں اور ان کی اپنی قوم کے لوگوں میں ان کے اپنے ملک میں جا کر اسلام کی اشاعت کرتے ہیں اور کوئی ہمیں کچھ نہیں کہتا اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اس سلسلہ کی اس قدر جلد

اشاعت میں حکومت برطانیہ کے غیر جانبدار رویہ کا بھی بہت کچھ دخل ہے جو حضور عالی! ہماری فرمانبرداری مذہبی امور پر ہے' اس لیے گو ہم حکومت وقت کی پالیسی سے کس قدر ہی اختلاف کریں کبھی اس کے خلاف کھڑے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم خود اپنے عقیدہ کی رو سے مجرم ہوں گے اور ہمارا ایمان خود ہم پر حجت قائم کرے گا۔ حضور ملک معظم کی فرمانبرداری ہمارے لیے ایک مذہبی فرض ہے۔ جس میں سیاسی حقوق کے ملنے یا نہ ملنے کا کچھ دخل نہیں۔ جب تک ہمیں مذہبی آزادی حاصل ہے ہم اپنی ہر ایک چیز تاج برطانیہ پر نثار کرنے کے لیے تیار ہیں اور لوگوں کی دشمنی اور عداوت ہمیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ہم نے بارہا سخت سے سخت سوشل بائیکاٹ کی تکالیف برداشت کر کے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ اگر ہزار ہا دفعہ پھر ایسا ہی موقع پیش آئے تو پھر ثابت کرنے کے لیے تیار رہیں"۔

(قادیانی جماعت کا ایڈریس بخدمت ہز رائل پرنس ہائی نس آف ویلز مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان' مورخہ 16 مارچ 1923ء جلد نمبر 9' نمبر 72)

26- ایڈریس کا شکریہ

منجانب چیف سیکرٹری ہز رائل ہائی نس شہزادہ ویلز بخدمت ذوالفقار علی خان ایڈیشنل سیکرٹری جماعت احمدیہ قادیان پنجاب مورخہ یکم مارچ 1922ء

"جناب من! حسب الحکم ہز رائل ہائی نس شہزادہ ویلز میں ممبران جماعت احمدیہ کے اس خیر مقدم کے ایڈریس کا شکریہ ادا کرتا ہوں' جو گورنمنٹ پنجاب کی وساطت سے حضور شہزادہ ویلز کو پہنچا ہے۔ ہز رائل ہائی نس شہزادہ ویلز نے شوق اور دلچسپی کے ساتھ سلسلہ احمدیہ کی ابتداء اور تاریخ کے حالات کا آپ کے ایڈریس میں مطالعہ کیا ہے اور حضور شہزادہ ویلز اس وقت کا انتظار

کر رہے ہیں جب وہ اس نہایت خوبصورت کتاب میں جو کہ ممبران جماعت احمدیہ کے چندہ سے بطور تحفہ میں پیش کی گئی ہے۔ سلسلہ کی تفصیل تاریخ کا مطالعہ فرمائیں گے۔ ہز رائل ہائی نس نہایت گرم جوشی کے ساتھ اس وفادارانہ جذبہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں' جس نے آپ کے ہزار ہا ہم عقیدہ اصحاب کو اس تحفہ کے پیش کرنے پر آمادہ کیا ہے اور حضور شہزادہ ویلز کی خوشی اس اظہار وفاداری کے قبول کرنے میں اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ آپ کو ہزا یکسیلنسی گورنر پنجاب کی طرف سے یہ علم دیا گیا ہے کہ جنگ عظیم کے دوران میں اور نیز اس کے بعد آنے والے سخت ایام میں جماعت احمدیہ نے تاج و سلطنت برطانیہ کی وفاداری میں غیر متزلزل ثبات دکھایا ہے۔

مجھے حضور شہزادہ ویلز کی طرف سے حکم ملا ہے کہ میں آپ کو یقین دلاؤں کہ نظر بایں حالات جماعت احمدیہ کو حضور شہزادہ ویلز کے التفات محبت آمیز کا ہمیشہ پورا یقین رکھنا چاہیے۔

میں ہوں جناب کا نیاز مند خادم جی۔ ایف۔ ڈی۔ مانٹ مورنسی چیف سیکرٹری ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز"۔

(اخبار "الفضل" قادیان مورخہ 6 مارچ 1922ء جلد 9 نمبر 69)

27- 1927ء کا قادیانی وفد بحضور وائسرائے ہند

25 فروری 1927ء بعد اڑھائی بجے جماعت احمدیہ کا وفد' جو مشتمل بر 29 اشخاص تھا' بحضور ہزا یکسیلنسی وائسرائے ہند لارڈ اردن وائسریگل لاج دہلی میں پیش ہوا۔ جب ممبران وفد کرسیوں پر بیٹھ گئے تو حضور وائسرائے تشریف لائے اور وفد کے ہیڈ چودھری ظفر اللہ خان صاحب سے ہاتھ ملا کر اپنی

کرسی پر بیٹھ گئے۔ چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے ایڈریس پڑھا ایڈریس ایک چاندی کے کاسکٹ میں رکھ کر حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب نے پیش کیا۔ اور مفتی محمد صادق صاحب نے سلسلہ کی چند کتابیں جو مخملی جزدان میں تھیں ایک ایک کر کے پیش کیں اور ہر ایک کتاب پیش کرنے کے وقت اس کتاب کا مختصر ذکر کیا۔ مثلاً یہ وہ لیکچر ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے ولایت میں پڑھے جانے کے واسطے لکھا تھا۔ وائسرائے بہادر نے کتابوں کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور فرمایا کہ میں ان کو پڑھوں گا۔ اس کے بعد وائسرائے نے کھڑے ہو کر ایڈریس کا جواب دیا۔ اس کے بعد چودھری صاحب نے ایک ایک ممبر کو الگ الگ پیش کیا۔ وائسرائے بہادر نے سب کے ساتھ ہاتھ ملایا اور فوجی ممبران وفد سے جنگی حالات دریافت کرتے رہے اور بعض کے تمغے دیکھے۔

(اخبار "الفضل" قادیان' مورخہ 8 مارچ 1927ء' نمبر 71' جلد 14)

28- نازونیاز

ہم اس موقع پر گورنمنٹ برطانیہ کا شکریہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس نے ہر حالت میں ہماری حفاظت کی ہے اور پچھلے دنوں میں ہی جناب کے زمانہ وائسرائلٹی میں ہمارے ایک مبلغ مولوی ظہور حسین صاحب کو جنہیں روسی گورنمنٹ نے قید کر لیا ہوا تھا' جناب کی گورنمنٹ نے نہایت سخت قید سے' جس کا گہرا اثر ان کی صحت پر پڑا ہے نکال کر بحفاظت تمام مرکز سلسلہ میں پہنچایا ہے۔ جس کا ہم ایک دفعہ پھر اس موقع پر بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

پس یہ خیال کرنا کہ چونکہ مرکز سلسلہ گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ ہے اور اپنے مذہبی اصول کے ماتحت اس سے تعاون کرتا اور اس کی خوبیوں کے اظہار سے کسی ذاتی مصلحت کی وجہ سے باز نہیں رہتا اس لیے سلسلہ احمدیہ

گورنمنٹ برطانیہ سے کوئی خفیہ ساز باز رکھتا ہے' حقیقت سے بالکل دور ہے۔

ہماری نسبت یہ شک کیا جاتا ہے کہ ہم گورنمنٹ سے ساز باز رکھتے ہیں اور اس کا بد نتیجہ ہمیں ہندوستان میں بھی اور ہندوستان سے باہر بھی پہنچ رہا ہے اور ہمارے آدمی نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بعض دوسری گورنمنٹوں کے ماتحت بھی اس شبہ کی وجہ سے سخت اذیتیں پا رہے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ اصول کا سوال ہے' ہم ان اذیتوں کو بہادری سے برداشت کر رہے ہیں۔

ہم ضمناً" اس جگہ یہ بات کہنے سے بھی رک نہیں سکتے کہ گورنمنٹ کی دیرینہ بد ظنی جو اسے ہمارے سلسلہ کے متعلق تھی وہ تو ایک حد تک دور ہو چکی ہے اور سلسلہ احمدیہ کی غیر متزلزل وفاداری کے غیر معمولی کارناموں نے حکام حکومت برطانیہ کو اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ سلسلہ سچی وفاداری کا ایک بے نظیر نمونہ ہے' لیکن باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری جماعت کے حقوق پوری طرح محفوظ نہیں ہیں۔

(قادیانی جماعت کا ایڈریس بخدمت لارڈ اردن وائسرائے ہند مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان مورخہ 8 مارچ 1927ء نمبر 71 جلد 14)

29- ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند کا خط:

لارڈ اردن کا جواب میاں محمود احمد صاحب کے نام

"جناب محترم آپ نے نہایت مہربانی سے مجھے جو کتاب بھجوائی ہے اور جو یور ہولینس کے نمائندہ وفد نے کل مجھے دی تھی اس کے اور نیز اس خوبصورت کاسکٹ کے لیے جس میں کتاب رکھی ہوئی تھی' آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ ان تمام کاسکٹوں سے جو میں نے آج تک دیکھے ہیں بے نظیر ہے اور

جماعت احمدیہ کے ممبروں کے ساتھ مختلف مواقع پر میری جو ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں یہ کاسکٹ ان کے لیے ایک خوشگوار یادگار کا کام دے گا۔ نیز امر میرے لیے بے حد دلچسپی کا باعث ہے کہ آپ کے تقریباً دس ہزار پیرووں نے اس خوبصورت تحفہ کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں۔ آپ یقین رکھیں کہ ہندوستان سے جانے کے بعد آپ کی جماعت سے میری دلچسپی اور ہمدردی کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا بلکہ بدستور جاری رہے گا اور میری ہمیشہ دلی آرزو رہے گی کہ مسرت و خوشحالی پوری طرح آپ نیز آپ کے متبعین کے شامل حال رہے"۔

(تحفہ لارڈ ارون مصنفہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان)

30- ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند سے ملاقات

یکم ستمبر 1927ء 10 بجے کا وقت ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند نے ملاقات کے لیے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کو دیا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس مع مفتی محمد صادق صاحب کے جو بحیثیت ترجمان ہمراہ گئے تھے وائسریگل لاج میں پہنچے حضرت (میاں محمود احمد صاحب) کے پہنچنے پر وائسرائے نے آگے بڑھ کر حضور سے ہاتھ ملایا۔ مزاج پرسی کے بعد تقریباً نصف گھنٹہ حضرت کے ساتھ موجودہ واقعات پر گفتگو کی اور فرمایا کہ آپ بھی کوشش کریں کہ ہندوؤں مسلمانوں میں صلح ہو جائے۔ بہت تفصیلی گفتگو واقعات حاضرہ پر ہوتی رہی۔ کل 3 ستمبر کو اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری وائسرائے نے مسٹر ایمرٹن کو حضرت نے چائے کی دعوت دی اور ایک گھنٹہ تک مختلف امور پر گفتگو رہی۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 10 نمبر 22 مورخہ 13 ستمبر 1927ء)

یہ ہمارا ہی خیال نہیں ہے بلکہ یہ وجہ خود حضور وائسرائے ہند نے حضرت امام جماعت ایدہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کی۔ جب کہ آپ نے اپنی ایک ملاقات میں ان سے ذکر کیا کہ سنٹرل کمیٹی کی نمائندگی نہ ہونے پر لوگ معترض ہیں اور اس وجہ کے معقول ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 10 نمبر 22 مورخہ 13 ستمبر 1927ء)

31- خط کا جواب

مکرمی مرزا صاحب (میاں محمود احمد صاحب)

میں حسب ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند جناب کے خط مورخہ 3 مئی 1930ء کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں اور اطلاع دیتا ہوں کہ ہز ایکسیلنسی نے جناب کے خط کا بہت غور سے مطالعہ فرمایا ہے۔

آپ نے جو بحیثیت امام جماعت احمدیہ اپنی قوم کی طرف سے حکومت کے ساتھ وفاداری اور تعاون کا یقین دلایا ہے وہ ہز ایکسیلنسی کی دلی مسرت کا موجب ہوا ہے۔ یہ اظہار تعلق جماعت احمدیہ کی دیرینہ روایات اور گزشتہ شاندار ریکارڈ کے عین مطابق ہے۔

(اقتباس جواب منجانب ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان جلد 17 نمبر 7 مورخہ 5 جون 1930ء)

32- ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند کا جواب

ہز ایکسیلنسی (لارڈ ولنگڈن) وائسرائے ہند نے ہمارے (یعنی قادیانی) ایڈریس کا جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"مجھے آپ کا ایڈریس سن کر بہت خوشی ہوئی اور سلسلہ احمدیہ

کی تاریخ سے واقفیت حاصل ہوئی اور معلوم ہوا کہ باوجود مخالفت کے اس سلسلہ نے اس قدر ترقی حاصل کی ہے۔ مجھے اس سے پہلے معلوم نہ تھا کہ جماعت احمدیہ اس قدر دور دراز ممالک میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کی وفاداری کے اظہار کو میں ملک معظم کے حضور پہنچا دوں گا۔ میرے اور لیڈی ولنگڈن کے متعلق جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہم ہر ایک فرقہ اور جماعت کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر حکومت سے کسی غلطی کا ارتکاب ہو تو اس سے اطلاع کر دینا قابل تعریف ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی وفاداری ہمیشہ قائم رہے گی اور یہ امر حکومت کے واسطے بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔ میں آپ کے کام میں ترقی اور کامیابی کی دعا کرتا ہوں"۔

(اخبار "الفضل" قادیان جلد 21' نمبر 118' مورخہ 13 اپریل 1934ء)

33- بے بنیاد الزام

جناب عالی! جماعت احمدیہ کا سیاسی مسلک ایک مقررہ شاہراہ ہے' جس سے وہ کبھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتے اور وہ حکومت وقت کی فرمانبرداری اور امن پسندی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے رسول دنیا کو امن دینے کے لیے نہیں آتے تو وہ یقیناً دنیا کے لیے رحمت نہیں کہلا سکتے۔ بعض لوگوں نے سلسلہ احمدیہ کی اس تعلیم سے یہ دھوکا کھایا ہے کہ شاید جماعت احمدیہ حکومت ہند سے ساز باز رکھتی ہے۔ لیکن جناب سے زیادہ کوئی اس امر کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا کہ جس قدر شدت سے یہ الزام لگایا جاتا ہے اتنا ہی یہ الزام بے بنیاد ہے۔

جناب کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ یہ الزام نہ صرف ہندوستان میں لگایا جاتا

ہے بلکہ بیرون ہند میں بھی۔ چنانچہ چند سال ہوئے ایک احمدی عمارت کی بنیاد کے موقع پر جرمن وزیر تعلیم نے شمولیت کی تو اس کے خلاف لوگوں نے یہ الزام لگایا کہ حکومت برطانیہ کی جاسوس جماعت کے ساتھ اس نے اظہار تعلق کیا ہے اور مجلس وزارت نے اس کے اس فعل پر جواب طلبی کی۔

(قادیانی جماعت کا ایڈریس جس کو قادیانی اکابر کے وفد نے بتاریخ 6 مارچ 1934ء ہز ا یکسیلنسی لارڈ ولنگڈن وائسرائے ہند کی خدمات میں بمقام دہلی پیش کیا۔ مندرجہ اخبار "الفضل" نمبر 118، جلد 21، مورخہ 13 اپریل 1934ء)

34- سیاسی شبہات

جناب عالی کو بعض وجوہ سے جن کی تفصیل میں ہم نہیں پڑنا چاہتے بعض برطانوی حکام یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ سیاسیات میں خلاف اپنی سابقہ روایات کے حصہ لینے لگی ہے۔ لیکن چونکہ ان کی وفاداری مذہبی جذبات پر مبنی ہے ہم ان شبہات کی پرواہ نہیں کرتے ہم نے جب بھی کوئی کام کیا ہے دیانتداری سے کیا ہے اور قانون کے اندر رہ کر کیا ہے۔ ہمارا یہ دستور رہا ہے کہ جب کسی امر میں حکومت برطانیہ کو غلطی پر سمجھیں تو ادب سے اور قانون کے اندر رہ کر اس کا اظہار کر دیا کرتے ہیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ صحیح برطانوی روح اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ پس بعض افراد کے شکوک یا مخالفت ہم کو برطانیہ کی وفاداری سے منحرف نہیں کر سکتی۔

(قادیانی جماعت کا ایڈریس جس کو قادیانی اکابر کے وفد نے بتاریخ 26 مارچ 1934ء ہز ا یکسیلنسی لارڈ ولنگڈن وائسرائے ہند کی خدمت میں بمقام دہلی پیش کیا۔ مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان، جلد 21، نمبر 118، مورخہ 13 اپریل 1934ء)

(بہ شکریہ "قومی ڈائجسٹ" قادیانیت نمبر، ص 144 تا 155، ماخوذ از "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" ص 542 تا 560 از پروفیسر الیاس برنی، فصل بارھویں)

دور ثالث

1- سرکاری بے اعتباری

احمدیت کی ابتدا میں انگریز مخالف تھے' سوائے چند ابتدائی ایام کے' جبکہ وہ مہدی کے لفظ سے گھبراتے تھے۔ مگر اب تو وہ بھی مخالف ہو رہے ہیں۔ بہت تھوڑے ہیں جو جماعت کی خدمات کو سمجھتے ہیں۔ باقی تو باغیوں سے بھی زیادہ غصہ سے ہمیں دیکھتے ہیں اور اگر انگریزوں کا فطری عدل مانع نہ ہو' تو شاید وہ ہمیں پیس ہی دیں۔

انگریز شاید خیال کرنے لگے ہیں کہ اتنی بڑی منظم جماعت اگر مخالف ہو گئی تو ہمارے لیے بہت پریشانیوں کا موجب ہوگی اور وہ اتنا نہیں سوچتے کہ جماعت احمدیہ کی مذہبی تعلیم یہ ہے کہ حکومت کی فرمانبرداری کی جائے' تو پھر جماعت احمدیہ گورنمنٹ کی مخالف ہو کس طرح سکتی ہے۔ لیکن شاید وہ گربہ کشتن روز اول کے مطابق ہمیں دبا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا خطبہ مندرجہ الفضل قادیان جلد 23' نمبر 26' مورخہ 31 جولائی 1935ء)

2- پتہ کی بات

پھر یہ بات ضلع کے حکام تک ہی محدود نہیں۔ اوپر کے بعض افسر بھی ایسا ہی سلوک کر رہے ہیں اور ان کو بھی ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جب بھی کوئی شکایت ان کے پاس کی جاتی ہے' وہ کہہ دیتے ہیں' احمدی مبالغہ کرتے ہیں۔ اخبار (الفضل) میں جھوٹی خبریں شائع ہوتی ہیں' بلکہ ہمارے دوست نے جب ایک سرکاری افسر سے ذکر کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح (یعنی میاں محمود احمد صاحب) نے گزشتہ خطبہ میں برطانوی قوم کی تعریف کی

ہے۔ اس نے کہا پھر کیا' اگلے خطبے میں کہہ دیں گے کہ بعض افسر غدار ہیں۔ یہ ایک ذمہ دار افسر کا بیان ہے' جس کے متعلق کسی کو امید نہ ہو سکتی تھی کہ وہ ایسا بے قابو ہو جائے گا۔

(میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کا خطبہ مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 23' نمبر22' مورخہ 11 جولائی 1935ء)

3- اصل میں

پھر اس کے بعد 1937ء میں مسلمانوں کی لاہور اور مختلف علاقوں میں جو حالت ہوئی' اس وقت کون تھے جو آگے آئے۔ ہم نے ہی اس وقت مسلمانوں کے لیے روپیہ خرچ کیا' تنظیم کی اور اس وقت ہر جگہ یہ چرچا تھا کہ احمدی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ سر میلکم ہیلی نے جو اس وقت گورنر تھے' مسٹر لنگلے سے جو اس وقت کمشنر تھے' مجھے خط لکھوایا کہ آپ تو ہمیشہ حکومت کا ساتھ دیتے رہے' آج کیوں اس ایجی ٹیشن میں حصہ لیتے ہیں اور میں نے انہیں جواب دیا کہ حکومت کی وفاداری سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کا غدار ہوں اور مسلمانوں کی خدمت سے یہ مراد نہیں کہ حکومت کا غدار ہوں۔ میں تو دونوں کا بھلا چاہتا ہوں۔ مجھے اگر سمجھا دیا جائے کہ مسلمان مظلوم نہیں' تو اب اس طریق کو چھوڑنے کو تیار ہوں۔ انہوں نے تحریراً تو اس کا جواب نہ دیا' مگر شملہ میں گیا' تو چیف سیکرٹری جو غالباً ہمارے موجودہ گورنر تھے' مجھے لکھا کہ لاٹ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں' اور جب میں ان سے ملا تو زبانی گفتگو اس پر تفصیلی کی مگر اس کا کیا نتیجہ نکلا' یہی کہ مسلمانوں میں سے ایک اثر رکھنے والے گروہ نے کہا کہ احمدیوں کا بائیکاٹ کرو' یہ اصل میں ہمارے دشمن ہیں۔

(خطبہ جمعہ میاں محمود احمد صاحب مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 22 نمبر 11 مورخہ 29 جنوری 1935ء)

4- قادیانی کہانی

ہماری جماعت' وہ جماعت ہے' جسے شروع سے ہی لوگ کہتے چلے آئے کہ یہ خوشامدی گورنمنٹ کی پٹھو ہے۔ بعض لوگ ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم گورنمنٹ کے جاسوس ہیں۔ پنجابی محاورہ کے مطابق ہمیں جھولی چک اور نئے زمینداری محاورہ کے مطابق ہمیں ٹوڈی کہا جاتا ہے ——— دراصل ان اعتراضات کی وجہ سے ہمیں رنج نہیں' بلکہ ہمیں رنج دو وجہ سے ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم نے گورنمنٹ کے ساتھ دوستی کی' ظاہر و باطن دوستی کی۔ مگر گورنمنٹ نے اس کے صلہ میں بغیر تحقیق کئے ہم پر ایک خطرناک الزام لگا دیا ——— پھر دوسری وجہ ہمارے شکوہ کی یہ ہے کہ گورنمنٹ نے ایسا راستہ اختیار کیا ہے' جس پر چلنے سے فساد برپا ہوتا اور ملک کا امن برباد ہوتا ہے۔

ہم نے ابتدائے سلسلہ سے گورنمنٹ کی وفاداری کی۔ ہم ہمیشہ یہ فخر کرتے رہے کہ ہم ملک معظم کی وفادار رعایا ہیں۔ کئی ٹوکرے خطوط کے ہمارے پاس ایسے ہیں' جو میرے نام یا جماعت کے سیکرٹریوں یا افراد جماعت کے نام ہیں' جن میں گورنمنٹ نے ہماری جماعت کی وفاداری کی تعریف کی۔ اسی طرح ہماری جماعت کے پاس کئی ٹوکرے تمغوں کے ہیں۔ ان لوگوں کے تمغوں کے جنہوں نے اپنی جانیں گورنمنٹ کے لیے فدا کیں۔ یہ اتنے ٹوکرے ہیں کہ افسر کے وزن سے بھی ان کا وزن زیادہ ہے۔ مگر ان تمام خدمات کے بعد اس تمام ادعائے وفاداری کے بعد اور اس تمام ثبوت وفاداری کے بعد گورنمنٹ نے بلاوجہ اور بغیر کسی حق کے بغیر اس کے کہ وہ انصاف اور عدل کے ماتحت فیصلہ کرتی' اندھا دھند اپنا قلم اٹھایا اور ہمیں

باغی اور سلطنت کا تختہ الٹ دینے والا اور سول ڈس اوبیڈی انیس کا مرتکب قرار دے دیا۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 22' نمبر 758۔ 11 نومبر 1934ء)

5- قادیانی اسٹالو

ہم نے پچاس سال سے دنیا میں امن قائم کر رکھا ہے۔ ہم نے لاکھوں روپیہ گورنمنٹ کی بہبودی کے لیے قربان کیا ہے' اور کوئی شخص بتا نہیں سکتا کہ اس کے بدلے ایک پیسہ بھی ہم نے گورنمنٹ سے کبھی لیا ہو۔ ہمارے پاس وہ کاغذات موجود ہیں' جن میں گورنمنٹ نے ہمارے خاندان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ اس خاندان کو وہی اعزاز دیا جائے گا' جو اسے پہلے حاصل تھا۔ ہمارے پردادا کو ہفت ہزاری کا درجہ ملا ہوا تھا' جو مغلیہ سلطنت میں صرف شہزادوں کو ملا کرتا تھا۔ پھر عضدالدولہ کا خطاب حاصل تھا۔ یعنی حکومت مغلیہ کا بازو (تو گویا سیاسی اولوالعزمیاں خاندانی ورثہ ہے للمولف) مگر ہم نے کبھی گورنمنٹ کے سامنے ان کاغذات کو پیش نہیں کیا۔ (غنیمت ہے کہ ان کا ذکر آ گیا۔ ایسا بھی کیا انکسار اور استغنار ہے۔ کم از کم ہفت ہزاری کی سند تو شائع کر دینی چاہیے۔ للمولف) اور نہ اپنی وفاداراتہ خدمات میں کمی کی بلکہ ہر روز زیادتی کرتے چلے گئے۔ ہم نے کانگریس کا مقابلہ کیا۔ ہم نے احرار موومنٹ کا مقابلہ کیا اور اس مقابلہ میں لاکھوں روپیہ صرف کیا (اپنی خاطر یا سرکار کی خاطر للمولف)۔ جانیں قربان کیں' جنگ کے موقع پر اپنی جماعت کے بہترین آدمی پیش کیے۔

سرا وڈوائر۔ لارڈ چیمسفورڈ اور لارڈ اروِن سر میلکم ہیلی سر جافری ڈی۔

مانٹ مورنسی اور دوسرے اعلیٰ حکام کی تحریریں' جن میں سے بعض ان کی دستخطی ہیں اور بعض ان کے ماتحتوں کی ہیں' میرے پاس موجود ہیں' جن میں وہ ہماری جماعت کی وفاداری اور انتہائی قربانی کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر آج گورنمنٹ کے حکام ہمیں یہ سناتے ہیں کہ تم امن کو برباد کرنے والے ہو۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 22' نمبر 50 مورخہ 21' اکتوبر 1934ء)

6۔ خدمت بلا معاوضہ

بحیثیت قوم ہم نے جو خدمت حکومت کی کی' اس کے بدلہ میں بحیثیت قوم ہم نے کبھی اس سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے خاندان کے متعلق تو اس شرط کو بھی اڑا دیتا ہوں۔ گورنمنٹ بتائے کہ ہم نے کبھی ذاتی طور پر اس سے کوئی فائدہ اٹھایا ہے۔ لوگ ہمیں کہتے رہے کہ یہ گورنمنٹ کے خوشامدی ہیں۔ لوگ ہمیں کہتے رہے کہ یہ گورنمنٹ سے نفعوں کی امید رکھتے ہیں۔ لوگ ہمیں کہتے رہے کہ گورنمنٹ ان کے ترانے آپ بھرتی ہے۔ مگر گورنمنٹ تو جانتی ہے کہ ہم نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور اگر اٹھایا ہو' تو اسے چاہیے کہ وہ پیش کرے۔ ساری عمر میں صرف ایک کام حکومت نے ایسا ہمارے بعض آدمیوں کے سپرد کیا تھا۔ جس کے متعلق اس نے کہا تھا کہ ہم اس میں دو ہزار روپیہ تک خرچ کر سکتے ہیں۔ لیکن جب وہ معاملہ میرے پاس آیا' تو میں نے روپیہ کے معاملہ کو نظرانداز کر دیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا اگر یہ دو ہزار روپیہ لے لیا گیا' تو کو یہ گورنمنٹ ہی کا کام ہے' مگر بعد میں جب بھی کوئی ذکر ہوا' یہ دو ہزار روپیہ تمہارے منہ پر مارا جائے گا کہ انہوں نے حکومت سے اتنا روپیہ لے

کر فلاں کام کیا۔ چنانچہ جو کام کرنے والے تھے۔ انہیں حکومت سے کسی قسم کی مالی امداد لینے سے روک دیا۔ اس کے سوا کبھی گورنمنٹ کی طرف سے کوئی چیز پیش کرنے کی خواہش بھی نہیں کی گئی۔ صرف یہ ایک واقعہ ہے جو پنجاب گورنمنٹ کا بھی نہیں' بلکہ حکومت ہند کا ہے۔ اس ایک معاملہ میں بھی ہم نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا' مگر مخالف کہتے ہیں' احمدیوں کے خزانے گورنمنٹ بھرتی ہے۔ اگر واقعہ میں یہ بات درست ہے' تو اب گورنمنٹ کے لیے خوب اچھا موقع ہے کہ وہ اعلان کر دے کہ فلاں موقع پر ہم نے احمدیوں کو اتنا روپیہ دیا۔ (لیکن "حساب دوستاں در دل" مکرر غور فرمایا جائے تو عجب نہیں کسی نہ کسی شکل میں معلوم ہو یاد آ جائے اور شکوہ رفع ہو جائے۔ للمؤلف)۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 23' نمبر 31 مورخہ 16 اگست 1935ء)

7- پچاس سالہ خدمات

تمہاری پچاس سالہ خدمات کا حکومت پر ایک بوجھ تھا۔ اس پر بوجھ تھا تم نے جنگ یورپ میں آدمیوں اور روپوں سے مدد کی۔ اس پر بوجھ تھا کہ تم نے رولٹ ایکٹ کی شورش کا مقابلہ کیا۔ اس پر بوجھ تھا کہ تم لوگوں نے ہجرت کی تحریک کا مقابلہ کیا اور اس نے تم کو کوئی بدلہ نہیں دیا۔ اس پر بوجھ تھا کہ تم نے نان کو آپریشن کا مقابلہ مفت لٹریچر تقسیم کر کے اور جلسوں اور لیکچراروں کے ذریعہ کیا اور حکومت اس کا بدلہ دینے سے عاجز رہی۔ اس پر بوجھ تھا تم نے سول ڈس اوبیڈی ینس کا مقابلہ کیا' ریڈ شرٹ کا مقابلہ کیا۔ بنگال میں ٹیررزم کا مقابلہ کیا اور اس نے کوئی قدردانی نہ کی۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا خطبہ جمعہ مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 22 نمبر 54' مورخہ یکم نومبر 1934ء)

ہم حکومت کی ایسی خدمت کرتے ہیں کہ اس کے پانچ پانچ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پانے والے ملازم بھی کیا کریں گے۔

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان یکم اپریل 1930ء)

8- رولٹ ایکٹ

مجھے تو بار بار وہ وقت یاد آتا ہے' جب حضور میاں محمود احمد صاحب نے رولٹ ایکٹ کے زمانہ میں ضلع گورداسپور کے لوگوں کو سمجھانے اور امن قائم رکھنے کے لیے ہر ایک تحصیل میں وفد روانہ کیے تھے اور میں پٹھان کوٹ کی تحصیل میں وفد کے ساتھ گیا تھا۔ حضور نے قریباً 5:30 بجے شام حکم دیا کہ وفود پیدل چلے جائیں اور رات جہاں آئے' وہاں گزاریں۔ حضور نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ گورنمنٹ اور لوگوں کے ساتھ عملی ہمدردی دکھلانے کا وقت ہے۔ ہم بغیر اس کے کہ شام کا کھانا کھا کے نکلتے' اسی وقت چل پڑے تھے۔ لوگوں کو نصیحت کرتے اور پیدل چلتے رہے۔ خدا گواہ ہے ہمارے پاؤں سخت زخمی ہو گئے تھے۔ گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس سے ہم ملے۔ وہ ہمارے دورہ کا مقصد سن کر حیران ہو گئے اور کہنے لگے کہ آپ لوگوں کو جان کا خطرہ ہے' کیونکہ امرتسر کے جلیانوالے باغ کے تازہ حادثہ سے عام لوگوں میں گورنمنٹ کے خلاف سخت جوش ہے۔ ہم آپ کو پولیس کی مدد دیں؟ ہم نے کہا' خدا تعالیٰ ہمارا محافظ ہے۔ ہم حکومت کی وفاداری اور امن کا پیغام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی طرف سے لے جا رہے ہیں۔ ہم اگر

اس راہ میں قتل بھی کیے گئے تو پروا نہیں خدا کے فضل سے ہم اس سفر میں کامیابی سے واپس آئے اور ضلع گورداسپور ہمارے کا سارا حضور کے ذریعہ امن میں رہا۔ ہم نے لوگوں سے کہا کہ رولٹ ایکٹ کا استعمال مفسد لوگوں کے لیے ہے نہ کہ شریفوں کے لیے۔ کجا وہ وقت اور کجا یہ کہ گورنمنٹ پنجاب ہر ایک مقابلہ میں احراریوں کی پشت پناہ بنی ہوئی ہے اور جماعت احمدیہ مظالم کا نشانہ بنائی جا رہی ہے۔

ہم پر کھلے کھلے ظلم کیے جا رہے ہیں' مگر گورنمنٹ پنجاب خاموش ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ گورنمنٹ ناشکری کر رہی ہے۔ ہم گورنمنٹ کے سچے ہمدرد تھے۔ ہم بزدل نہیں' ہم بے غیرت نہیں' ہم ڈرپوک نہیں۔ ہماری جان ہتھیلی پر ہے۔ ہم بہادر ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام نے ہم میں بہادری کی روح پھونک دی ہے' مگر ساتھ ہی حکومت کے قوانین کی پابندی سکھائی ہے' تاہم گورنمنٹ پنجاب کی موجودہ روش کی وجہ سے ہماری دلی ہمدردی جا رہی ہے۔ گورنمنٹ خدا کی ناشکری کی مرتکب ہو رہی ہے۔ لیکن اے خدا تو جلد اپنی قدرت دکھا اور ہماری مدد فرما۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ (میاں محمود احمد صاحب) ہماری جانیں حضور کے قدموں پر نثار ہونے کے لیے ہروقت حاضر ہیں۔

الفضل : اس متذکرہ بالا خط میں ان ہولناک ایام کا ذکر کیا گیا ہے' جب پنجاب میں حکومت کے خلاف خطرناک جوش پھیل گیا تھا۔ کئی ایک انگریز قتل کر دیے گئے تھے۔ کئی جگہ سرکاری عمارات جلا دی گئی تھیں اور ایک عام بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ (میاں محمود احمد صاحب) نے انگریزوں کی جانیں بچانے کے لیے اور لوگوں کو حکومت کے وفادار بنائے رکھنے کے لیے اپنے خدام کو اس کام میں لگا دیا اور حکم دے دیا کہ وہ اپنے آرام و آسائش کی قطعاً پروا نہ کریں' حتیٰ

کہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر حکومت کی خدمت بجا لائیں۔

وہ وقت گزر گیا۔ احمدیوں نے اس نازک وقت میں ہر جگہ بڑی بڑی خدمات سرانجام دیں اور سخت تکالیف اٹھائیں۔ خاص کر ضلع گورداسپور بدامنی سے بالکل محفوظ رہا۔ اس وقت حکومت نے ان کی خدمات کا کھلے الفاظ میں اعتراف بھی کیا' مگر آج اس کا جو بدلہ مل رہا ہے' وہ ظاہر ہے اور واقعات بتا رہے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔

(روزنامہ الفضل قادیان مورخہ یکم اگست 1935ء)

9- شکوہ و شکایت

حکومت نے بے انصافی اور ظلم کیا' جب اس نے ہمارے لیے اس قانون کو استعمال کیا' جو باغیوں اور انارکسٹوں کے لیے بنایا گیا ہے اور جسے پاس کرتے وقت حکومت نے ملک کے نمائندوں کو یقین دلایا تھا کہ اسے بڑی احتیاط سے استعمال کیا جائے گا ——— کیا کوئی معقول انسان سمجھ سکتا ہے کہ یہ صحیح استعمال ہے؟ اس قانون کا اس کے لیے (یعنی خلیفہ صاحب قادیان کے لیے) جس نے خود اس کے بنانے والوں سے بھی زیادہ قیام امن کی کوشش کی ہے' جس نے اور جس کی جماعت نے اس وقت سول نافرمانی اور اس قسم کی دوسری موومنٹوں کا مقابلہ کیا' جب یہ افسر جو آج ہمیں باغی قرار دے رہے ہیں' آرام سے اپنے بیوی بچوں میں بیٹھے ہوا کرتے تھے۔ پھر یہ لوگ تنخواہیں لے کر کام کرتے تھے اور میں نے اور میری جماعت نے لاکھوں روپیہ اپنے پاس سے خرچ کر کے بدامنی پیدا کرنے والی تحریکات کا مقابلہ کیا۔ پھر کس قدر ظلم ہے کہ جو قانون ان تحریکات کے انسداد کے لیے وضع کیا گیا' وہ سب سے پہلے ہمیں پر استعمال کیا جاتا ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ جب حکومت پر مصیبت آئے' تو وہ ہم

سے استمداد کرتی ہے۔ اس کی مصیبت کے وقت ہمارے لیکچرار جاتے ہیں اور مخالف تحریکوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جنگ میں ہم نے تین ہزار والنٹیرز دیئے۔ روپیہ ہم خرچ کرتے تھے' مگر آج احراریوں کی حفاظت کے لیے وہ ہمیں باغی بنا رہے ہیں۔

ابھی مئی کا واقعہ ہے کہ وائسرائے ہند کی طرف میں نے ایک خط لکھا تھا کہ جماعت احمدیہ کے ایڈریس کے جواب میں جو کچھ آپ نے فرمایا تھا' اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید حکومت کا خیال ہے کہ ہم بعض مواقع پر اس سے تعاون نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری نے لکھا ہے کہ ہز ایکسی لینسی کو یہ خیال ہرگز نہیں' بلکہ حضور وائسرائے اس کے برعکس ہمیشہ سے جماعت احمدیہ کو سب سے زیادہ قانون کی پابند اور وفادار جماعتوں میں ایک جماعت سمجھتے چلے آئے ہیں۔

ہم نے ملک معظم کی حکومت کو قائم کرنے کے لیے ملک کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ احرار کی تقریریں پڑھو' ان کو زیادہ غصہ اسی بات پر ہے کہ ہم حکومت کے جھولی چک ہیں۔ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہم اسی وجہ سے ان کے مخالف ہیں ——— کانگریس سے ہمیشہ ہماری یہی جنگ رہی ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم غلام ہیں' مگر ہم سمجھتے ہیں ہم ہرگز غلام نہیں ہیں۔ اب ہم انھیں کیا منہ دکھلائیں گے' کیونکہ اب تو پنجاب گورنمنٹ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ہندوستانیوں کو (حتیٰ کہ قادیانیوں کو) غلام سمجھتی ہے اور ان کی عزت کی قیمت اس کی نظر میں ایک کوڑی بھی نہیں۔

اس حکم کے جاری کرنے والے افسروں نے یہ خطرناک غلطی کی ہے کہ ہم پر اس کام کا الزام لگا دیا ہے' جسے ہم حرام سمجھتے ہیں اور جس کے لیے ہم باوجود اس کے کہ اس نے ہماری عزت کا پاس نہیں کیا' تیار نہیں ہیں۔ ورنہ غالب کی طرح ہم بھی کہہ سکتے تھے کہ بے وفا ہیں تو بے وفا ہی

سہی۔ مگر نہیں' ہمارے مذہب نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ حکومت کے وفادار ہیں' اس لیے وہ اگر ہمیں قید کر دے' پھانسی دے دے' تب بھی ہم وفادار ہی رہیں گے"۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 22 نمبر 54' یکم نومبر 1934ء)

10- پرانے قدردان مہربان

پھر اسی پنجاب میں سر اوڈائر جیسا آدمی بھی گزرا ہے۔ ان کے زمانہ میں ایک انگریز ڈپٹی کمشنر نے میرے ساتھ سخت لہجہ میں گفتگو کی اور سر موصوف کو اس کی اطلاع ہوئی' تو آپ نے اسے پہلے بدل دیا اور پھر اس کا تنزل کر دیا اور آخر اسے ریٹائر ہو کر واپس جانا پڑا۔ وہ فخر سے کہا کرتے تھے کہ میں پہلا شخص ہوں' جس نے ایک ہندوستانی کے مقابلے پر ایک انگریز افسر کو سزا دی۔

پھر اسی صوبہ میں سر جیفری ڈی مونٹ مورنسی جیسے انسان بھی گزرے ہیں۔ آج بھی یہ لوگ ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ مسٹر ٹامس چیف کمشنر دہلی کے متعلق مجھے یاد نہیں کہ ہم نے انہیں کوئی پیغام بھیجا ہو اور انہوں نے فوراً خندہ پیشانی سے ہمارا کام نہ کر دیا ہو۔ حالانکہ بعض اوقات ان کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔ پھر اسی ضلع میں منصف افسر رہے ہیں۔ (اخبار) مباہلہ والوں کی شورش کے ایام میں بھی انگریز ڈپٹی کمشنر تھے' جو اچھی طرح انصاف کرتے رہے۔ ان سے پہلے یہاں ایک ڈپٹی کمشنر مسٹر واٹسن گزرے ہیں۔ میں جب انگلستان گیا تو وہ لندن میں مجھ سے ملنے آئے' حالانکہ وہ کہیں باہر رہتے ہیں۔

میں سر ہادل کا نام پہلے لے چکا ہوں۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ وہ اول

درجہ کے نیک اور شریف افسر تھے۔ میرے ساتھ ان کو جیسی عقیدت تھی' وہ اس سے ظاہر ہے کہ میرے ایک عزیز کے خلاف ان کے انگریز افسر نے بالا افسروں کے پاس شکایت کی۔ مجھے پہلے تو علم نہ ہوا' مگر جب علم ہوا' تو میں نے سہارلی کو کہلا بھیجا کہ درست واقعات یوں ہیں۔ انہوں نے کہا میرا تعلق تو نہیں' لیکن میں کوشش کروں گا۔ اس کے متعلق انہوں نے اس محکمہ کے افسر کو جو چٹھی لکھی' اس کی ایک نقل مجھے بھی مل گئی۔ انہوں نے اس میں لکھا کہ گو شکایت کرنے والا انگریز افسر ہے' مگر مجھے جماعت احمدیہ کے امام کی طرف سے ان کے سیکرٹری نے بتایا ہے کہ واقعات یوں ہیں' اور اگرچہ واقعات ان کے چشم دید نہیں' لیکن مجھے ان پر اس قدر یقین ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ کوئی بات بغیر تصدیق کے پیش نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کی بات ضرور سچی ہے۔ پس آپ اس معاملہ کی بذات خود تحقیقات کریں' صرف رپورٹ پر انحصار نہ کریں۔

ابھی ابھی (عبدالرحیم) درد صاحب (قادیانی) ان سے (ولایت میں) ملے تھے اور انہیں موجودہ حالات سنائے تھے انہوں نے سن کر کہا کہ آپ کی جماعت تو مذہبی جماعت ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اس حکومت کے اوپر ایک اور حکومت ہے۔ اس لیے جو افسر ناانصافی کر رہے ہیں' وہ سزا سے ہرگز نہیں بچ سکیں گے اور میں امید کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی وجہ سے آپ ہماری دوستی کو نہیں توڑیں گے۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا خطبہ مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 21 نمبر 36 مورخہ 31 جولائی 1935ء)

11- یاد رفتگان

بہت سے افسر ایسے گزرے ہیں' جو فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے

اپنے حسن سلوک سے پچاس ہزار یا لاکھ بلکہ کئی لاکھ کی ایک ایسی جماعت (قادیانی) ہندوستان میں چھوڑی ہے' جو اپنی جانیں قربان کر کے بھی برطانیہ سے تعاون کرے گی۔ مگر موجودہ آفیسر جا کر کہہ سکتے ہیں سوائے اس کے صاحب فخریہ کہیں کہ ہم اس جماعت کے گروہ کو توڑ کر آئے ہیں۔ کیا یہ بات ان کی اپنی یا ان کی حکومت کی شہرت کا موجب ہوگی؟

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا خطبہ مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 21 نمبر 26'
مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۳۹ء)

12- عہدوں کی تقسیم

ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ ہم جماعت احمدیہ کی وفاداری کے بدلے اسے عہدے نہیں دے سکتے۔ یہ ایسی غلطی ہے' جو کئی انگریز افسروں کو لگی ہوئی ہے۔ وہ ایسے وقت جبکہ انہیں کسی وفادار جماعت کی ضرورت ہو' جماعت احمدیہ کو مدد کے لیے بلاتے ہیں۔ مگر جب عہدے دینے کا سوال ہو تو کانگرسیوں کو دے دیتے ہیں' مگر اس کا خمیازہ بھی گورنمنٹ بھگت رہی ہے اور اب یہ حالت ہے کہ حکومت کے اپنے راز بھی محفوظ نہیں۔

ایک دفعہ گورنمنٹ کے ایک سیکرٹری شملہ میں چائے پر میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ کی ہر بات کانگریس کے پاس پہنچتی رہتی ہے۔ آپ کو بھی کوئی ایسا انتظام کرنا چاہیے کہ ان کی باتیں ہمیں معلوم ہوتی رہیں۔ یہ حالت اس لیے ہوتی ہے کہ گورنمنٹ خیال نہیں رکھتی کہ وفادار جماعتوں کو اعلیٰ عہدوں پر پہنچائے۔ اگر اعلیٰ عہدوں پر اس کی وفادار جماعت کے ارکان ہوں تو اس کے راز مخفی رہیں اور کبھی بھی وہ حالت نہ ہو' جو آج کل ہے۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 22 نمبر 63'

(مورخہ 22 نومبر 1934ء)

13- ایک خط

"اس دوران مجھے ایک خط ملا۔ اس کے لحاظ سے ممکن ہے کہ اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ بھی جماعت میں موجود ہوں۔ جس خط کا میں نے ذکر کیا ہے' اس کا مضمون یہ ہے کہ ہم دیر سے محسوس کر رہے ہیں کہ انگریز لوگ بغیر شورش اور فساد کے کوئی بات نہیں مانا کرتے اور یہ کہ (اس دوست کے نزدیک) اب وقت آگیا ہے کہ ہم گورنمنٹ کے متعلق اس وفاداری کی تعلیم پر' جو ہمارے سلسلہ میں موجود ہے' دوبارہ غور کریں اور سوچیں کہ کیا اس کی تشریح حد سے بڑھی ہوئی تو نہیں اور کیا وفاداری کا جو مفہوم ہم سمجھتے چلے آئے ہیں' وہ خوشامد اور نکما پن تو نہیں"۔

اس دوست نے اپنے خط میں ایک واقعہ بھی پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ پبلک پراسیکیوٹر کے سلسلہ میں سب انسپکٹری کے لیے بطور امیدوار پیش تھے۔ لاہور کے سینئر سپرنٹنڈنٹ مسٹر ہارڈنگ کے سامنے جب انھوں نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں جماعت احمدیہ سے ہوں' اور احمدیہ جماعت وہ ہے' جو حکومت برطانیہ کی ہمیشہ وفادار رہی ہے' تو مسٹر ہارڈنگ نے کہا میں احمدیہ جماعت کی وفاداری کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتا۔

وہ دوست لکھتے ہیں کہ جب ہماری جماعت کی وفاداری کے کوئی معنی ہی نہیں' تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم لاکھوں روپیہ حکومت کی بہبودی کے لیے خرچ کریں اور اپنی سینکڑوں قیمتی جانوں کو خطرات میں ڈالیں' اور حکومت کی وفاداری ان معنوں میں کرتے چلے جائیں کہ نازک اور مشکل مواقع پر

اس کی حمایت کریں۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 22 نمبر 42، مورخہ 22 نومبر 1934ء)

14- قادیانی مشین

بعض حکام کے افعال نے جماعت احمدیہ کو ایک مشین بنا دیا ہے' جو قانون کی پابندی کرتی ہے اور کرے گی۔ لیکن مشین اپنا راستہ چھوڑ کر آقا کی خدمت نہیں کر سکتی۔ ایک پانچ روپیہ کا نوکر اپنا رستہ چھوڑ کر بھی دیکھے گا کہ مالک کا نقصان نہ ہو' مگر دس لاکھ کی مشین اس کا کوئی خیال نہیں رکھ سکتی' بلکہ وہ اپنے رستہ پر چلی جائے گی۔ تو ان حکام نے جماعت کو ایک مشین بنا دیا ہے۔ پہلے وہ اپنا راستہ چھوڑ کر بھی اس امر کا خیال رکھتی تھی کہ حکومت برطانیہ پر کوئی حرف نہ آئے' مگر اب وہ ایسا کہاں کرے گی' جب تک حکومت کی طرف سے اس ہتک کا ازالہ نہ کیا جائے اور ان حالات کے ذمہ دار حکام کو سزا نہ دی جائے۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 23، نمبر 31، مورخہ 3 جولائی 1935ء)

15- ناقدری کا راز

میں نے پہلے ہی لکھا تھا کہ جس وقت سے ملک میں حکومت خود اختیاری کا سوال پیدا ہوا ہے' حکومت ہمیشہ زبردست کا ساتھ دینے کی کوشش کرتی ہے' کیونکہ خواہ کوئی کتنا ہی دیانتدار ہو' اگر اس میں دیانتداری اور روحانیت نہیں' تو وہ قومی مفاد کے مقابلہ میں دیانتداری کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ جس کے اخلاق کیسے ہوں' وہ جہاں بھی قومی سوال

پیدا ہوگا' انہیں خیرباد کہہ دے گا۔ اس لیے میں نے پہلے بھی کئی بار کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ جوں جوں ہندوستان میں حکومت خود اختیاری کا سوال زور پکڑتا جائے گا' انگریز زبردست کی طرف جھکتے جائیں گے' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں زبردست کی حمایت کے بغیر ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔

آئرلینڈ میں دیکھو تو کیا ہوا۔ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر حکومت کا ساتھ دیا تھا' حکومت نے جب دیکھا کہ ملک میں مخالفت بڑھ گئی ہے' تو اس نے ان جانبازوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور ایسے ایسے قوانین پاس کر دیئے جنہیں ان بہادروں نے اپنی حق تلفی سمجھا۔ وہ لوگ ان کے ہم مذہب' ہم قوم اور وفادار تھے' لیکن ان تعلقات کے ہوتے ہوئے جب زبردست کے مقابلہ میں ان کی پروا نہیں کی گئی' تو صرف وفاداروں (مثلاً قادیانیوں) کا جو نہ ان کے ہم مذہب ہیں اور نہ ہم قوم' ساتھ چھوڑ دینا کون سی اچنبھے کی بات ہے۔

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان مورخہ 11 اکتوبر 1929ء)

16- وفاداری کا سودا

افسروں نے ثابت کرنا چاہا کہ ہم نے کانگریس کو دبا لیا ہے' باغی جماعتوں کو توڑ دیا ہے اور اب ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ ہمیں وفاداروں کی بھی ضرورت نہیں اور جب یہ بات دنیا کے سامنے آئے گی' تو ہر وہ شخص جس کے دماغ میں عقل ہے' یہی سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ اس حکومت کے پاس جانا خطرناک ہے۔ یہ دوست کو چھوڑتی ہے نہ دشمن کو' سب کو مارتی ہے۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 22' نمبر 34'

مورخہ یکم نومبر 1934ء)

میں اس امر کے آثار دیکھتا ہوں کہ حکومت کو جلد وفادار جماعتوں کی امداد کی پھر ضرورت پیش آئے گی۔ میں یہ کسی الہام کی بنا پر نہیں کہتا' بلکہ زمانہ کے حالات کو دیکھ کر عقل کی بنا پر کہتا ہوں۔ میں نے کانگریس کی تحریک کو خوب غور سے دیکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب کانگریس ایک ایسی سکیم تیار کر رہی ہے' جس سے گو بظاہر سمجھا جاتا ہے کہ وہ میدان سے ہٹ گئی' مگر عنقریب وہ گورنمنٹ کو ایسی مشکلات میں ڈال دے گی' جس کے لیے پھر اسے وفاداروں کی ضرورت محسوس ہوگی اور ہم پھر اپنے جھگڑے کو ایک طرف رکھ کر اس کی مدد کے لیے تیار ہو جائیں گے' مگر حکومت نے ہمیں سبق دے دیا ہے کہ سودا کیے بغیر تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ ہم خود بھی آئندہ حکومت سے سودا کریں گے اور دوسروں کو بھی سودا کرنے کا سبق پڑھائیں گے' سوائے اس صورت کے کہ حکومت ہم پر جو ظلم ہوا ہے' اسے دور کر دے۔ تب ہمارے تعلقات پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا' تو ہماری مدد سودا کرنے کے بعد ہوگی اور ہم اپنی خدمات کا معاوضہ طلب کریں گے۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 22' نمبر 58'

مورخہ 11 نومبر 1934ء)

17- قادیان تا انگلستان پرانے قدردان

جوں جوں انگلستان کے لوگ ان کارروائیوں سے اطلاع پا رہے ہیں' جو احرار اور ان کے بعض دوست حکام کی طرف سے احمدیوں کے خلاف ہو رہی ہیں' وہاں کے سنجیدہ طبقہ میں اس پر حیرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ایک سابق گورنر نے حالات سن کر کہا کہ آخر میرے زمانہ میں بھی تو احرار

موجود تھے۔ اس وقت کیوں ان لوگوں کو یہ جرات نہ ہوئی؟ میں ہمیشہ افسروں سے کہا کرتا تھا کہ خطرناک لوگ ہیں' ان کے فریب میں نہ آنا۔

اخبار آبزرور لکھتا ہے کہ 15 جولائی کو پیر کے دن امپائر ورکرز کونسل کے ان ممبروں کے جلسہ میں' جو مغربی لندن سے تعلق رکھنے والے ہیں' میٹنگ کے ختم ہونے پر کونسل کے سیکرٹری مسٹر چارلس فلر نے کہا کہ اس قوم (یعنی قادیانی جماعت) کا صرف یہ قصور ہے کہ وہ قانون شکنی کے مخالف ہیں اور حکومت کی اطاعت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ حملہ کرنے والے چند ہندو اور جماعت احرار کے لوگ ہیں' جو انتہا پسند کانگرسی ہیں۔

جلسہ کے اختتام پر بغیر کسی مخالفت کے بالاتفاق یہ ریزولیشن پاس ہوا۔ "ان مظالم کے خلاف' جو احمدیہ جماعت قادیان پر بعض ہندوؤں اور جماعت احرار کی طرف سے (جو کہ ایک پیشہ ور ایجی ٹیٹر اور سڈیشن پھیلانے والوں کی جماعت ہے) ہو رہے ہیں' امپائر ورکرز کونسل کا یہ جلسہ بڑے شد و مد سے احتجاج کرتا ہے"۔

اسی سلسلہ میں معلوم ہوا ہے کہ پارلیمنٹ کی ایک پارٹی کے بعض ذمہ دار افسر ایک نوٹ تیار کروا رہے ہیں' جو غور کرنے کے لیے پارٹی کے لیڈروں کے سامنے پیش ہوگا۔ امید کی جاتی ہے کہ حالات کا پورا مطالعہ کرنے کے بعد پارلیمنٹ کی ایک باا‌ثر پارٹی اس سوال کو خاص طور پر اپنے ہاتھ میں لے لے گی۔

(اخبار الفضل مورخہ 30 جولائی 1935ء)

18- ولایت کی تحریریں

پھر چونکہ ہماری جماعت انگلستان میں بھی موجود ہے' اس لیے جب پنجاب کی خبریں انگلستان جاتی ہیں اور وہ ہمارے آدمیوں کو دیکھتے ہیں' تو

وہاں کے افسر حیران ہوتے ہیں کہ یہ تو ہمارے دوست ہیں۔ ہم سے ملنے جلنے والے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ گورنمنٹ کے بدخواہ نہیں' بلکہ وفادار ہیں۔ پھر پنجاب کے بعض افسروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایک پر امن اور اطاعت شعار جماعت کے خلاف ہوا کرتی تھیں۔ مگر ہم تجربہ سے کہہ سکتے ہیں کہ صرف دشمن اس جماعت کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا تھا' اور اب دوستوں کا یہ برتاؤ ہے۔ مقام حیرت ہے للمولف)۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا خطبہ مندرجہ اخبار الفضل قادیان مورخہ 16 جنوری ۱۹۳۸ء)

19- سوال و جواب

پچھلے دنوں جب حکومت کے بعض افسروں نے ہمارے متعلق یہ کہنا شروع کیا کہ یہ حکومت کے غدار ہیں' تو ہم نے اس کے متعلق ولایت میں ان پرانے افسروں کے پاس ذکر کیا' جو ہمیں جانتے اور ہم سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس پر پارلیمنٹ کے بعض ممبروں نے وزراء سے سوال کئے اور انہوں نے یہاں سے دریافت کرایا' تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں' ہم تو انہیں بڑا وفادار سمجھتے ہیں۔ (غداری اور وفاداری کے نشیب و فراز قابل عبرت ہیں۔ للمولف)

(اخبار الفضل قادیان مورخہ 27 اپریل ۱۹۳۸ء)

20- سلطنت برطانیہ کا زوال

حضرت مرزا صاحب نے وہ کام تو کر دیا ہے' جو آنے والے مسیح کے لیے مقرر تھا۔ اب آنے والے کے لیے کوئی اور کام باقی نہیں اور اس لیے کسی اور کے آنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔ یہ بات بالکل عقل کے

خلاف ہے کہ کسی کے لیے خدا تعالیٰ نے کوئی کام مقرر کیا ہو اور اسے دوسرا آکر جائے۔ عیسائیت میں بھی تنزل کے آثار شروع ہو چکے ہیں اور عیسائیوں کا غلبہ مٹ رہا ہے۔ آج سے پچاس سال قبل کسی کو یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ انگریز ہندوستان کو حقوق دے دیں گے۔ لیکن اب وہ آہستہ آہستہ دے رہے ہیں۔ پھر ان کی تجارتی طاقت ٹوٹ رہی ہے۔ کوئی زمانہ تھا کہ انگریز کہتے تھے' ہم یورپ کی دو بڑی بڑی طاقتوں سے دوگنا بحری بیڑہ رکھیں گے۔ اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب نے پیشگوئی فرمائی۔

سلطنت برطانیہ تا ہشت سال بعد ازاں آثار ضعف و اختلال

اس کے کچھ عرصہ بعد جب ملکہ وکٹوریہ فوت ہو گئیں تو اس سلطنت میں آثار ضعف شروع ہو گئے۔ ہندوستان میں جو رو آج نظر آ رہی ہے' یہ دراصل جنگ ٹرانسوال کے زمانہ ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ اس وقت ہندوستانیوں نے خیال کیا کہ اگر یہ تمیں لاکھ انسان انگریزوں کو تنگ کر سکتے ہیں' تو ہم کیوں نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اسی وقت سے یہ کشمکش شروع ہوئی اور پھر روز بروز ضعف زیادہ ہی ہوتا چلا گیا۔

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل 7 مارچ 1930ء)

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس مجلس میں جس میں حاجی عبدالمجید صاحب نے یہ روایت بیان کی۔ میاں عبداللہ صاحب سنوری نے بیان کیا کہ میرے خیال میں یہ الہام اس زمانہ سے بھی پرانا ہے۔ حضرت صاحب نے خود مجھے اور حافظ حامد علی کو یہ الہام سنایا تھا' اور مجھے یہ الہام اس طرح پر یاد ہے۔

سلطنت برطانیہ تا ہشت سال بعد ازاں باشد خلاف و اختلال

میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے تھے کہ دوسرا مصرع تو مجھے پتھر کی لکیر کی طرح یاد ہے کہ یہی تھا اور ہفت کا لفظ بھی یاد ہے۔ جب یہ الہام ہمیں حضرت (مرزا) صاحب نے سنایا' تو اس وقت مولوی محمد حسین بٹالوی مخالف نہیں تھا۔ شیخ حامد علی نے اسے بھی جا سنایا۔ پھر جب وہ مخالف ہوا' تو اس نے حضرت صاحب کے خلاف گورنمنٹ کو بدظن کرنے کے لیے اپنے رسالہ میں شائع کیا کہ مرزا صاحب نے یہ الہام شائع کیا ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس الہام کے مختلف معنی کئے گئے ہیں۔ بعضوں نے تاریخ الہام سے میعاد شمار کی ہے۔ بعضوں نے کہا ہے' ملکہ وکٹوریہ کی وفات کے بعد سے اس کی میعاد شروع ہوتی ہے' کیونکہ ملکہ کے لیے حضرت نے بہت دعائیں کی تھیں۔ بعض اور معنی کرتے ہیں۔ میاں عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ میرے نزدیک آغاز صدی بیسویں سے اس کی میعاد شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں اور واقعات کے ظہور کے بعد ہی میں نے اس کے یہ معنے سمجھے ہیں۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ میرے نزدیک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت صاحب کی وفات سے اس کی میعاد شروع کی جاوے۔ کیونکہ حضرت صاحب نے اپنی ذات کو گورنمنٹ برطانیہ کے لیے بطور حرز کے بیان کیا ہے۔ پس حرز کی موجودگی میں میعاد کا شمار کرنا میرے خیال میں درست نہیں۔ اس طرح جنگ عظیم کی ابتدا اور ہفت یا ہشت سالہ میعاد کا اختتام آپس میں مل جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کے ہم لوگوں پر بڑے احسانات ہیں۔ ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے فتنوں سے محفوظ رکھے۔

(سیرۃ المہدی حصہ اول' صفحہ 61' مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب قادیانی)

21- نیشنل لیگ قادیان

اس زمانہ میں کامیابی کا رستہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح سولی پر چڑھنے کا رستہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم میں سے جو لوگ دعوے کرتے ہیں' کیا وہ سولی پر چڑھنے کو تیار بھی ہو سکتے ہیں؟ قید و بند کے مصائب جھیل سکتے ہیں؟ ماریں اور جوتیاں کھا سکتے ہیں؟ گالیاں سن سکتے ہیں؟ لٹھ کھانے کے لیے تیار ہیں؟ یا اور کسی رنگ کے مصائب جو ان کے لیے مقدر ہیں' اٹھانے کو تیار ہیں؟ اگر تیار ہیں تو ان کے لیے کامیابی بھی یقینی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کسی اور جماعت کو کھڑا کر دے گا۔ تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے وطن اور اپنی جان' مال کی قربانی کے لیے ہر وقت تیار رہے' کیونکہ یہی وہ چیز ہے' جس سے وہ اللہ تعالیٰ کامیابی کا رستہ کھولتا ہے اور اگر جماعت ان چیزوں کے لیے تیار نہیں' تو وہ کبھی بھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔ خواہ لاکھ ریزولیوشنز پاس کرتی رہے۔ ریزولیوشنز سے نہ خدا خوش ہو سکتا ہے اور نہ اس کے بندے اور نہ کوئی معقول انسان انھیں مفید سمجھ سکتا ہے۔ اسی لیے میں نے توجہ دلائی تھی کہ دھواں دھار تقریروں کے بجائے اپنے آپ کو منظم کریں۔ میں نے ایک رستہ بتایا تھا' اور وہ نیشنل لیگ کا رستہ ہے۔ جن لوگوں کو قانونی لحاظ سے نیشنل لیگ میں شامل ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں' وہ اپنے نام لکھوا دیں۔ اس کے بعد اپنے اپنے ہاں سیاسی انجمنیں اور مرکزی جماعت سے ان کا الحاق کریں اور اس کے بعد جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں' ان پر عمل کریں۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کی تقریر مندرجہ اخبار الفضل قادیان 16 اگست 1935ء)

22- کابلی کارنامہ

گورنمنٹ بھی اچھی طرح جانتی ہے کہ ہم بزدل نہیں ہیں۔ اسے خوب معلوم ہے کہ کس طرح ہمارے آدمیوں نے کابل میں جانیں دی ہیں۔ کیا ان واقعات کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم موت سے ڈرتے ہیں (سچ ہے' ڈرتے تو ایسے کام کیوں کرتے۔ للمولف) ایک یورپین کی کتاب میں لکھا ہے' جو اس زمانہ میں وہاں (افغانستان میں) اٹلی کا انجینئر تھا کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کو صرف اس لیے سنگسار کیا گیا تھا کہ وہ جہاد کے مخالف ہیں اور اس طرح گویا انگریزی حکومت کو طاقت پہنچاتے ہیں۔ پس قوم کے افراد انگریزوں کے لیے جانیں دے سکتے ہیں۔ کیا وہ دین کے خاطر نہیں دے سکتے (سخن دریں است۔ للمولف)

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کی تقریر مندرجہ اخبار الفضل قادیان مورخہ 20 جولائی 1925ء)

ہمارے آدمی کابل میں مارے گئے محض اس لیے کہ وہ جہاد کرنے کے مخالف تھے۔ اٹلی کے ایک انجینئر نے جو حکومت افغانستان کا ملازم تھا' صاف لکھا ہے کہ امیر حبیب اللہ خان نے صاحبزادہ سید عبداللطیف کو اس لیے مروا دیا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دے کر مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھیرتا تھا۔ پس ہم نے اپنی جانیں اس لیے قربان کیں کہ انگریزوں کی جانیں بچیں۔ مگر آج بعض حکام سے ہمیں یہ بدلہ ملا ہے کہ ہم سے باغی اور شورش والا سلوک روا رکھا گیا۔

(خطبہ جمعہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان مورخہ یکم نومبر 1934ء)

جماعت احمدیہ کلکتہ نے یہ خبر نہایت دکھ اور تکلیف سے سنی ہے کہ

دو اور احمدی کابل میں محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے سنگسار کر دیئے گئے تھیں اور زیر حراست ہیں' جو کہ اپنی بے رحم موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم حضور والا سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ افغانستان کے اس وحشیانہ فعل پر مداخلت فرماویں۔ اسلام ہرگز ایسی خلاف انسانیت باتوں کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر انسانی ضمیر کی آزادی کی حفاظت افغانستان میں نہ کی گئی' تو یقیناً ایسے ہی ظالمانہ اور وحشیانہ افعال کا اس کے ہمسایہ ملک ہندوستان میں بھی ہونے کا ڈر ہے۔

(اخبار الفضل قادیان مورخہ 5 مارچ 1920ء)

23- قدرتی بات

یہ قدرتی بات ہے کہ وعظوں' لیکچروں' کتابوں' اخباروں اور رسالوں میں چونکہ بار بار یہ ذکر آتا ہے کہ انگریز عادل و منصف ہیں اور وہ اپنی رعایا کے تمام فرقوں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ اور امن قائم رکھتے ہیں' اس لیے غیر ممالک کے احمدی بھی ہمارے لٹریچر سے متاثر ہو سکتے ہیں گو ہم انگریزوں کے ماتحت نہیں' لیکن چونکہ ہمارا مرکز ان کی تعریف کرتا ہے' اس لیے وہ برے نہیں' بلکہ منصف مزاج حکمران ہیں۔ اس ذریعہ سے ہزاروں کوئی امریکہ میں' ہزاروں آدمی ڈچ انڈیز میں اور ہزاروں آدمی باقی غیر ممالک میں ایسے تھے' جو گو اپنی اپنی حکومتوں کے وفادار تھے' مگر انگریزوں کے متعلق بھی کلمۃ الخیر کہا کرتے تھے۔ امریکہ جسے کسی وقت جرمن ایجنٹوں نے انگریزی گورنمنٹ کے خلاف کرنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دی تھیں' وہاں احمدی ہی تھے' جو اپنی جماعت کا لٹریچر پڑھنے سے جس میں انگریزوں کی تعریف ہوتی' آپ ہی آپ ان خیالات کا ازالہ کرتے تھے۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل مورخہ 14 اگست 1935ء)

24- ایجنٹ

ایسی حالت میں جب لوگوں پر یہ اثر تھا کہ احمدی' انگریزی قوم کے ایجنٹ ہیں' تو تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت ہماری باتیں سننے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ گو یہ مذہب کے نام سے تبلیغ کرتے ہیں' مگر دراصل انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا خطبہ مندرجہ اخبار الفضل مورخہ 16 اگست 1935ء)

دنیا ہمیں انگریزوں کا ایجنٹ سمجھتی ہے۔ چنانچہ جرمنی میں احمدیہ عمارت کے افتتاح کی تقریب میں ایک جرمن وزیر نے شمولیت کی' تو حکومت نے اس سے جواب طلب کیا کہ کیوں تم ایسی جماعت کی کسی تقریب میں شامل ہوئے' جو انگریزوں کی ایجنٹ ہے۔ لیکن دوسری طرف حکومت ہم سے یہ سلوک کرتی ہے کہ کہتی ہے تم (مرزا محمود احمد) سول نافرمانی کرنے والے ہو اور جب یہ واقعات کسی عقلمند کے سامنے پیش ہوں گے' تو وہ تسلیم کرے گا کہ حکومت کا یہ رویہ صحیح نہیں۔

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل مورخہ یکم نومبر 1934ء)

25- پنڈت جواہر لال نہرو

پھر یہ خیال کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کی ایجنٹ ہے' لوگوں کے دلوں میں اس قدر راسخ تھا کہ بعض بڑے بڑے سیاسی لیڈروں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم علیحدگی میں آپ سے پوچھتے ہیں' کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کا انگریزی حکومت سے اس قسم کا تعلق ہے؟

ڈاکٹر سید محمود جو اس وقت کانگریس کے سیکرٹری ہیں' ایک دفعہ قادیان آئے اور انہوں نے بتایا کہ پنڈت جواہر لال صاحب نہرو جب یورپ کے سفر سے واپس آئے' تو انہوں نے سٹیشن پر اتر کر جو باتیں سب سے پہلے کیں' ان میں سے ایک یہ تھی کہ میں نے اس سفر یورپ میں یہ سبق حاصل کیا ہے کہ اگر انگریزی حکومت کو ہم کمزور کرنا چاہتے ہیں' تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے جماعت احمدیہ کو کمزور کیا جائے' جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ احمدی جماعت انگریزوں کی نمائندہ اور ان کی ایجنٹ ہے۔

(میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا خطبہ جمعہ مندرجہ اخبار الفضل مورخہ 16 اگست 1935ء)

26- انقلاب

موجودہ زمانہ کو انقلاب کا دور کہا جاتا ہے۔ سورج ہر روز ایک نئے انقلاب کی خبر لے کر طلوع ہوتا ہے' لیکن اس کے باوجود بعض انقلابات ایسے ہوتے ہیں' جو دنیا کو محو حیرت کر دیتے ہیں۔ گزشتہ ماہ لاہور میں پنڈت جواہر لال نہرو کا قادیانی استقبال اسی قسم کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔۔۔۔ 29 مئی کو جب پنڈت جواہر لال نہرو صدر کانگریس لاہور تشریف لائے' تو قادیانی جماعت کی طرف سے ان کا شاندار استقبال ہوا۔ الفضل میں اس کی تفصیل بصد فخر نمایاں طریق پر "فخر وطن پنڈت جواہر لال نہرو کا لاہور میں شاندار استقبال" کے عنوان سے شائع کی گئی۔

(لاہوری جماعت کا اخبار پیغام صلح مورخہ 23 جون 1936ء)

27- قادیانی بے وفائی

معزز معاصر پارس (27 ستمبر 1941ء لاہور) ڈلہوزی کے اس واقعہ کے متعلق جس میں مسلح پولیس نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی کوٹھی پر کئی گھنٹے تک قبضہ کئے رکھا' لکھتا ہے:

"مرزا بشیر الدین' محمود احمد صاحب (امیر جماعت احمدیہ) تبدیل آب و ہوا کے لیے ڈلہوزی میں تشریف فرما تھے کہ پچھلے دنوں کے ساتھ ایک حد درجہ رنجدہ اور افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ مرزا صاحب موصوف نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 12 ستمبر 1941ء میں واقعہ مذکور کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈلہوزی کی پولیس نے انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے تقریباً سات گھنٹے تک خلیفہ صاحب کے بنگلہ کا نہ صرف خلاف قانون محاصرہ کئے رکھا' بلکہ چند سپاہی ان کے مکان کے اندر داخل ہو کر ڈرائینگ روم اور برآمدے میں ڈیرہ ڈالے پڑے رہے۔ حتیٰ کہ مرزا صاحب کے بیان کے مطابق ایک سپاہی نے زنانے کمرہ میں گھسنے کی کوشش کی لیکن پولیس کے اشتعال انگیز رویہ کے باوجود مرزا صاحب کے ذاتی اثر کی بدولت کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مرزا بشیر الدین' محمود احمد صاحب کو ملک میں' جو قابل رشک پوزیشن حاصل ہے' اس سے ہر شخص واقف ہے۔ جماعت احمدیہ کے ہر فرد کے لیے ان کا لفظ حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ ایک ایسی جماعت کے امیر ہیں جس کے بانی نے (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) بادشاہ وقت کی اطاعت کو ایک اصول کا درجہ دیا۔ حکومت برطانیہ کی وفاداری اور اس سے دوستی کو جماعت مذکور نے اپنا فرض قرار دیا' جس کے لیے اسے اپنے ہم وطنوں کے طعن و تشنیع برداشت کرنے پڑے۔ (ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ مولف)

گزشتہ اور موجودہ جنگ میں مرزا صاحب اور ان کے پیروکاروں نے

حکومت کی مالی اور بھرتی کے سلسلے میں جو مدد کی' وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن ان کے ساتھ حکومت کے کارندوں کی طرف سے جو نامناسب سلوک روا رکھا گیا ہے' وہ اس قابل نہیں کہ جسے آسانی سے نظرانداز کیا جا سکے (نیاز مند جو ممنون احسان ہوں' ان کو شکوہ شکایت کا حق کم رہتا ہے للمؤلف)

(مضمون مندرجہ اخبار الفضل قادیان نمبر 324 جلد 29 مورخہ کیم اکتوبر 1941ء)

1- نیا فرقہ

چونکہ مسلمانوں کا ایک فرقہ جس کا پیشوا اور امام اور ہادی یہ راقم ہے پنجاب اور ہندوستان کے اکثر میں تدور سے پھیلتا جاتا ہے اور بڑے بڑے تعلیم یافتہ مہذب اور معزز عہدہ دار اور نیک نام رئیس اور تاجر پنجاب ہندوستان کے اس فرقہ میں داخل ہوتے جاتے ہیں اور عموماً پنجاب کے شریف مسلمانوں کے نو تعلیم یافتہ جیسے بی۔ اے اور ایم۔ اے اس فرقہ میں داخل ہیں اور داخل ہو رہے اور یہ گروہ کثیر ہو گیا ہے' اس لیے میں نے قرین مصلحت سمجھا کہ اس فرقہ جدید اور نیز اپنے تمام حالات سے' جو اس فرقہ کے پیشوا ہوں حضور لیفٹیننٹ گورنر بہادر کو آگاہ کروں۔ (ص 7)

میں تدور سے کہتا ہوں اور دعوے سے گورنمنٹ کی خدمت میں اعلان دیتا ہوں کہ باعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے گورنمنٹ کا اول درجہ کا وفادار اور جان نثار یہی نیا فرقہ ہے' جن کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لیے خطرناک نہیں (ص 13)

میں گورنمنٹ عالیہ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ فرقہ جدید جو برٹش انڈیا کے اکثر مقامات میں پھیل گیا ہے' جس کا میں پیشوا اور امام ہوں گورنمنٹ

کے لیے ہرگز خطرناک نہیں ہے اور اس کے اصول ایسے پاک اور صاف اور امن بخش اور صلح کاری کے ہیں کہ تمام اسلام کے موجودہ فرقوں میں اس کی نظیر گورنمنٹ کو نہیں ملے گی۔ میرے اصولوں اور اعتقادوں اور ہدایتوں میں کوئی امر جنگ جوئی اور فساد کا نہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے مرید بڑھیں گے' ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔ (ص 16' 17)

چوتھی گزارش یہ ہے کہ جس قدر لوگ میری جماعت میں داخل ہیں' اکثر ان میں سے سرکار انگریزی کے معزز عہدوں پر ممتاز اور یا اس ملک کے نیک نام رئیس اور ان کے خدام اور احباب اور یا تاجر اور یا وکلاء اور یا نو تعلیم یافتہ انگریزی خواں اور یا ایسے نیک نام علماء اور فضلاء اور دیگر شرفاء ہیں' جو کسی وقت سرکار انگریزی کی نوکری کر چکے ہیں یا اب نوکری پر ہیں یا اب ان کے رشتہ دار اور دوست ہیں' جو اپنے بزرگ مخدوموں سے اثر پذیر ہیں اور یا سجادہ نشینان غریب طبع۔

غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے' جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اور مورد مراحم گورنمنٹ ہیں اور یا وہ لوگ جو میرے اقارب یا خدام میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد علماء کی ہے' جنہوں نے میری اتباع میں اپنے وعظوں سے ہزاروں دلوں میں گورنمنٹ کے احسانات جما دیے ہیں اور میں مناسب دیکھتا ہوں کہ ان میں سے اپنے مریدوں کے نام بطور نمونہ آپ کے ملاحظہ کے ذیل میں لکھ دوں۔ ص 18-

(درخواست بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان مورخہ 24 فروری 1898ء مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد ہفتم' مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

2- خود کاشتہ پودہ

میرا اس درخواست سے' جو حضور کی خدمت میں مع اسماء مریدین روانہ کرتا ہوں' مدعا یہ ہے کہ اگرچہ میں ان خدمات خاصہ کے لحاظ سے' جو میں نے اور میرے بزرگوں نے محض صدق دل اور اخلاق اور جوش وفاداری سے سرکار انگریزی کی خوشنودی کے لیے کی ہے' عنایت خاص کا مستحق ہوں۔ صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت' جس کو پچاس سال کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار' ایمان دار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں' اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا اور نہ اب فرق ہے۔ لہذا ہمارا حق ہے کہ ہم خدمات گزشتہ کے لحاظ سے سرکار دولت مدار کی عنایات اور خصوصی توجہ کی درخواست کریں تاکہ ہر ایک شخص بے وجہ ہماری آبرو ریزی کے لیے دلیری نہ کر سکے۔

اب کسی قدر اپنی جماعت کے نام ذیل میں لکھتا ہوں۔

(1) خان صاحب نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ' جن کے خاندان کی حکومت گورنمنٹ عالیہ کو معلوم ہیں وغیرہ اس فہرست میں 316 مریدوں کے نام درج ہیں۔ (للمولف)

(درخواست بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہٗ منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان مورخہ 24 فروری 1898ء مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد ہفتم' مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

3- یاد رہے

یاد رہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے یہ فرقہ' جس کا خدا نے مجھے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا ہے' ایک بڑا امتیازی نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ اس فرقہ میں تلوار کا جہاد بالکل نہیں اور نہ اس کی انتظار ہے' بلکہ یہ مبارک فرقہ نہ ظاہر طور پر اور نہ پوشیدہ طور پر' جہاد کی تعلیم کو ہرگز جائز نہیں سمجھتا۔

(مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کا اشتہار' مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد نہم' ص 82' مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

اس جہاد کے برخلاف نہایت سرگرمی سے میرے پیرو فاضل مولویوں نے ہزاروں آدمیوں میں تعلیم کی ہے اور کر رہے ہیں' جس کا بہت بڑا اثر ہوا ہے۔

(درخواست بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ' منجانب خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان' مورخہ 24 فروری 1898ء' مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد ہفتم' حاشیہ ص 18' مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

میں نے صدہا کتابیں جہاد کے مخالف تحریر کر کے عرب اور مصر اور بلاد شام اور افغانستان میں گورنمنٹ کی تائید میں شائع کی ہیں۔ کیا آپ نے بھی ان ملکوں میں کوئی ایسی کتاب شائع کی' باوجود اس کے میری یہ خواہش نہیں کہ اس خدمت گزاری کی گورنمنٹ کو اطلاع کروں یا اس سے کچھ صلہ مانگوں' جو انصاف کی رو سے اعتقاد تھا وہ ظاہر کر دیا۔

(مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کا اشتہار' مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد چہارم' حاشیہ 46' مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

4- یہ تو سوچو

میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں' نہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں' بلکہ میں ایمان اور انصاف کی رو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کی شکرگزاری کروں اور اپنی جماعت کو اطاعت کے لیے نصیحت کرتا ہوں۔ سو یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ ایسا شخص میری جماعت میں نہیں رہ سکتا' جو اس گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہم ظالموں کے پنجے سے بچائے جاتے ہیں اور اس کے زیر سایہ ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے۔ اس کے احسان کے ہم شکرگزار نہ ہوں—— یہ تو سوچو کہ اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے' ایسی سلطنت کا بھلا نام تو لو' جو تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گی۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہارے قتل کرنے کے لیے دانت پیس رہی ہے' کیونکہ ان کی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو۔ سو تم اس خداداد نعمت کی قدر کرو اور تم یقیناً سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے سلطنت انگریزی تمہاری بھلائی کے لیے ہی اس ملک میں قائم کی ہے اور اگر اس سلطنت پر کوئی آفت آئے تو وہ آفت بھی تمہیں نابود کر دے گی۔ یہ مسلمان لوگ' جو اس فرقہ احمدیہ کے مخالف ہیں' تم ان کے علماء کے فتوے سن چکے ہو۔ یعنی یہ کہ تم ان کے نزدیک واجب القتل ہو—— اور ان کی آنکھ میں ایک کتا بھی رحم کے لائق ہے' مگر تم نہیں۔ تمام پنجاب اور ہندوستان کے فتوے بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے فتوے تمہاری نسبت یہ ہیں کہ تم واجب القتل ہو—— سو یہی انگریز ہیں' جن کو لوگ کافر کہتے ہیں' جو تمہیں ان

خونخوار دشمنوں سے بچاتے ہیں اور ان کی تلوار کی خوف سے تم قتل کیے جانے سے بچے ہوئے ہو۔ ذرا کسی اور سلطنت کے زیر سایہ رہ کر دیکھ لو کہ تم سے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ سنو انگریزی سلطنت تمہارے لیے ایک رحمت ہے' تمہارے لیے ایک برکت ہے اور خدا کی طرف سے تمہاری وہ سپر ہے' پس تم دل و جان سے اس سپر کی قدر کرو اور ہمارے مخالف' جو مسلمان ہیں' ہزارہا درجہ ان سے انگریز بہتر ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیں واجب القتل نہیں سمجھتے' وہ تمہیں بے غیرت کرنا نہیں چاہتے۔

(اپنی جماعت کے لیے ضروری نصیحت' اشتہار منجانب مرزا غلام احمد قادیانی صاحب' مندرجہ تبلیغ رسالت' جلد دہم' ص 123' مولفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی)

5- زمانہ کی نزاکت

اس کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تبصرہ کے اس ارشاد پر بھی خاص طور پر دھیان دیا جائے' جو حضور نے زمانہ کی نزاکت اور حالات کی رو کو دیکھتے ہوئے مجلس مشاورت پر فرمایا تھا' یعنی یہ کہ "جو احباب بندوق کا لائسنس حاصل کر سکتے ہیں' وہ لائسنس حاصل کریں اور جہاں جہاں تلوار رکھنے کی اجازت ہے وہ تلوار رکھیں۔ لیکن جہاں اس کی اجازت نہ ہو وہاں لاٹھی ضرور رکھی جائے اور پھر جہاں تک ممکن ہو ان ہتھیاروں کا بھی سیکھنا چاہیے اور اس کے علاوہ دیگر فنون جنگ بھی' جو قانوناً ممنوع نہ ہوں' پوری توجہ اور دلی انہماک سے سیکھنے چاہئیں۔

(اخبار "الفضل" قادیان' جلد 18' نمبر 10' مورخہ 22 جولائی 1930ء)

("قومی ڈائجسٹ" قادیانیت نمبر' ص 155 تا 168 ماخوذ از "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" ص 561 تا 586' فصل تیرہویں از پروفیسر الیاس برنی)

چوتھا باب

مرزائیت کا تیسرا دور

- برصغیر پاک و ہند کی تقسیم میں قادیانی جماعت کا کردار
- قیام پاکستان کی مخالفت کے اسباب و حقائق
- سامراج کا ٹٹو (ظفر اللہ خان) بمقابلہ ذوالفقار علی بھٹو
- فرقان فورس یا سرطان فورس

نئی حقیقت پرانے خواب

منشی غلام احمد قادیانی کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تاج برطانیہ کے حقیقی ریزہ خوار تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیف کردہ "ستارہ قیصرہ" اور دیگر کتابوں میں انگلش مادر ملکہ کے قصیدے ان کی نمک حلالی اور تابعداری کے منہ بولتے شاہکار ہیں۔ تحریک احمدیہ کے بانی منشی غلام احمد قادیانی انگریزی حکومت کے سایہ عاطفت کو رحمت خداوندی کے مترادف سمجھتے تھے۔ مرزا صاحب اور ان کی جماعت کی دلی خواہش تھی کہ ہندوستان پر برطانوی اقتدار کا سورج کبھی غروب نہ ہو۔ برصغیر پاک و ہند پر انگریزی سامراج کا غاصبانہ قبضہ ایک نہ ایک دن ختم ہونا تھا۔ بالآخر برطانوی اقتدار کا سورج ہندوستان میں اپنی طبعی عمر پوری کرنے کے بعد غروب ہونے لگا۔ انگریزی سامراج نے رخت سفر باندھا۔ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم ناگزیر ہو گئی۔ پاکستان کا قیام یقینی ہو گیا تو قادیانی جماعت نے سیاسی ناٹک کا بھیانک اور پرفریب کردار ادا کیا۔ برصغیر کی تقسیم کے موقع پر ہی جماعت احمدیہ کی دینی حقیقت اور سیاسی اصلیت کھل کر سامنے آ گئی۔ قادیانی برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان دونوں کے مخالف تھے۔ قادیانی تقسیم کے مخالف اس لیے تھے کہ وہ ملکہ وکٹوریہ (ملکہ معظمہ) کی آغوش میں رہنا چاہتے تھے اور قیام پاکستان کے مخالف اس لیے تھے کہ ایک اسلامی ریاست میں ان کا مستقبل غیر محفوظ تھا۔ ایک مسلمان آزاد' خودمختار ریاست میں قادیانی فتنہ کیونکر پنپ سکتا تھا۔ بانی جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی کو اس امر کا بخوبی احساس تھا' اسی لیے تو مرزا صاحب نے کہا تھا:

> "یہ تو سوچو اگر تم اس گورنمنٹ کے سایہ سے باہر نکل جاؤ تو پھر تمہارا ٹھکانا کہاں ہے۔ ہر ایک اسلامی سلطنت تمہیں قتل کرنے کے لیے دانت پیس رہی ہے' کیونکہ ان کی نگاہ میں تم کافر اور مرتد ٹھہر چکے ہو"۔
>
> ("تبلیغ رسالت" ج دہم' ص 132)

اسلامی سلطنتوں میں قادیانیوں کے غیر یقینی مستقبل پر بانی جماعت احمدیہ نے جس

پیشگی خطرے کا اظہار کیا' اس کی تائید قادیانی جماعت کے آرگن اخبار "الفضل" 13 ستمبر 1914ء کی اشاعت سے لگایا جا سکتا ہے' جس میں قادیانیوں کو مسلمانوں کی تین بڑی سلطنتوں ترکی' ایران' افغانستان کی مثالیں دے کر سمجھایا گیا کہ کسی بھی اسلامی سٹیٹ میں ہمیں اپنے مقاصد کی تکمیل کی چھٹی نہیں مل سکتی' ایسے ممالک میں ہمارا حشر وہی ہو سکتا ہے' جو ایران میں مرزا علی محمد باب اور سلطنت ترکی میں بہاء اللہ اور افغانستان میں مرزائی مبلغین کا ہوا ہے۔

○ قادیانی جماعت اور اس کے رہنماؤں کی بھرپور مخالفت کے باوجود پاکستان جب زندہ حقیقت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھر آیا تو جماعت احمدیہ کے سربراہ نے کہا:

میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالٰی کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے لیکن قوموں کی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے ــــ یہ اور بات ہے ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح پھر متحد ہو جائیں"۔

("الفضل" 17 مئی 1947ء)

○ تقسیم سے قبل قادیانی جماعت کے ثانی سربراہ نے ایک نکاح کی تقریب میں اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا:

"ابتداء میں حضور نے اپنا ایک رویا بیان فرمایا جس میں ذکر تھا کہ گاندھی جی آئے ہیں اور حضور کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹنا چاہتے ہیں اور ذرا ہی دیر لیٹنے پر فوراً اٹھ بیٹھے اور گفتگو شروع کر دی۔ دوران گفتگو حضور نے گاندھی جی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے اچھی زبان اردو ہے۔ گاندھی جی نے بھی اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا: دوسرے نمبر پر پنجابی ہے۔ گاندھی جی نے اس پر تعجب کیا مگر آخر مان گئے۔ اس کے بعد رویا میں نظارہ بدل گیا اور حضور گاندھی جی کے کہنے پر

عورتوں میں تقریر کرنے کے لیے تشریف لے گئے مگر وہ بہت تھوڑی آئی ہوئی تھیں۔

اس رؤیا کی تعبیر میں حضور نے بیان فرمایا کہ یہ موجودہ فسادات کے متعلق ہے اور اس سے پتہ لگتا ہے کہ ہندو مسلم تعلقات ابھی اس حد تک نہیں پہنچے کہ صلح نہ ہو سکتی ہو۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد کوئی بہتر صورت پیدا ہو جائے۔۔۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا۔۔۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان میں ہمیں دوسری اقوام کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہیے اور ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مشارکت رکھنی چاہیے"۔

(عنوان اکھنڈ ہندوستان 'مجلس عرفان' مورخہ 1 ماہ شہادت

روزنامہ "الفضل" قادیان' ص 2' 5 اپریل 1947ء)

"بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں"۔

(روزنامہ "الفضل" قادیان 5 اپریل 1947ء)

○ قادیانیوں کے اکھنڈ بھارت کے الہامی عقیدے کے بارے میں مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش کیا خوب لکھتے ہیں:

"بھارت اور پاکستان کی دو آزاد مملکتیں پیدا ہونے دے۔ یہاں سے بھارت اور پاکستان کے متعلق میرزائیوں کی منافقانہ سیاست کا آغاز ہوا۔ جب تک میرزائی جماعت کے اکابر کو اس امر کا یقین نہ ہو گیا کہ پاکستان بن کر رہے گا' اس وقت تک وہ ہندوستان کو اکھنڈ رکھنے کے حامی بنے رہے بلکہ میرزائیوں کے دین کا موجودہ پیشوا مرزا بشیر الدین محمود اپنے پیروؤں کو حسب معمول اپنے رؤیاؤں اور الہاموں کے بل پر یہ نکتہ سمجھاتا رہا ہے کہ اکھنڈ ہندوستان "احمدیت" کے فروغ کے لیے اللہ کی دی ہوئی دستی ہیں

ہے' اس لیے میرزائیوں کو چاہیے کہ وہ اس معاملہ میں ہندوؤں اور عیسائیوں کے ساتھ مشارکت کرتے ہوئے ہندوستان کو اکھنڈ رکھنے کی کوشش جاری رکھیں لیکن جب اس نے دیکھا کہ پاکستان تو بن کر رہے گا اور ہندو اور سکھ ان کی مشارکت کو قبول نہ کریں گے تو مرزا محمود نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "ہم پاکستان کی حمایت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا حق ہے"۔ اس مقام پر یہ نقطہ نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ اکھنڈ ہندوستان کی حمایت کا جذبہ تو مرزا محمود کے رؤیا اور الہام پر مبنی تھا لیکن پاکستان کی حمایت کا اظہار محض واقعات کی رفتار کا نتیجہ ہے جس کے لیے مرزائیوں کے پاس کوئی رؤیائی یا الہامی سند موجود نہیں"۔

(پاکستان میں مرزائیت' ص 27 از مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس میں شک نہیں کہ بعض مسلمان رہنماؤں نے بھی قیام پاکستان کی مخالفت کی لیکن یہ ان کی سیاسی رائے تھی اور انہوں نے قیام پاکستان کے بعد نہ صرف پاکستان کی حقیقت کو ذہنی و قلبی طور پر تسلیم کیا' بلکہ پاکستان کے استحکام' اس کی سالمیت و بقا اور وقار کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں۔ مسلمان رہنماؤں نے قیام پاکستان کی مخالفت سیاسی نکتہ نظر سے کی' جبکہ قادیانی جماعت نے پاکستان کے قیام کی مخالفت بانی جماعت احمدیہ کے الہامی عقیدہ کی بنیاد پر کی۔

○ قیام پاکستان کی مخالفت کا بڑا الزام مجلس احرار اور اس کے رہنماؤں' بالخصوص سید عطاء اللہ شاہ بخاری پر لگایا جاتا ہے۔ احرار ہی وہ جماعت ہے جس نے سب سے پہلے احمدیہ جماعت کا پوسٹ مارٹم کیا اور قادیانی جماعت کو اس کے منطقی انجام تک پہنچایا۔۔۔۔ احرار کے سرخیل سید عطاء اللہ شاہ بخاری برصغیر پاک و ہند کے واحد راہنما تھے جنہوں نے قیام پاکستان کے بعد کھلے بندوں اپنی رائے کی ناکامی کا

اعتراف کیا۔ شاہ صاحب نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا "تم میری رائے کو خود فراموشی کا نام نہ دو۔ میری رائے ہار گئی اور اب اس کہانی کو یہیں ختم کر دو"۔

"تقسیم سے پہلے ایک مسئلہ پر میں نے لیگ سے دیانتدارانہ اختلاف کیا۔ صرف ایک سیاسی مسئلہ کا اختلاف تھا' رائے کی ٹکر تھی۔ برادری کے دو بھائیوں کے درمیان ایک سوال پر بحث تھی۔ میں نے تو شاہ جہاں کی مسجد میں لاکھوں مسلمانوں کے سامنے قائد اعظم کے جوتوں پر سفید داڑھی رکھی اور کہا کہ میری یہ ٹوپی لے جا کر ان کے قدموں میں رکھ دو' شاید ان تک میری رسائی ہو سکے۔ مگر آہ ۔

خلوت میں اسے بھار ہے کیوں کر ملئے

جلوت میں اسے عار ہے کیوں کر ملئے

میرے دل میں یہ چند خدشات تھے جن کے لیے وقت کی سیاسی فضا کوئی اطمینان بہم نہ پہنچا سکی اور قائد اعظم کی بارگاہ تک رسائی نہ ہو سکی! بہرحال قوم نے فیصلہ کر دیا اور جس دیانتداری سے ہم نے اختلاف کیا تھا' اسی دیانتداری سے ہم نے برادری کے فیصلے کو تسلیم کر لیا۔ اب یہ ملک میرا ہے' میں اس کا وفادار شہری ہوں۔ جنہوں نے جانا تھا وہ جا چکے ہیں' میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا۔ یہاں تو میری جنگ کا اختتام ہے اور وہاں جاؤں تو ابھی میری جنگ کا آغاز ہو گا"۔

(روزنامہ "آزاد" 14 نومبر 1949ء)

○ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے قیام پاکستان کے بعد دل و جان سے وطن عزیز کی سالمیت اور دفاع کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ شاہ جی کتنے بڑے محب وطن انسان تھے۔ اس کا اندازہ ان کے اس ایثار و قربانی سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے قیام پاکستان کے بعد عملی سیاست کو خیرباد کہہ کر اپنی ساری زندگی کی کمائی مسلم لیگ کے دامن میں ڈال دی۔ مجلس احرار اور سید عطاء اللہ شاہ

بخاری نے اپنے سرفروشوں' جیالوں اور رضاکاروں کو مسلم لیگ کی نیم عسکری تنظیم نیشنل گارڈز میں ضم کرنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے احرار رضاکاروں سے جو خطاب فرمایا' وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ آپ نے باوردی رضاکاروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"احرار رضاکارو! آج کے بعد تم احرار رضاکار نہیں رہے۔ جاؤ قومی رضاکاروں کی نیشنل گارڈز میں بھرتی ہو جاؤ۔ اب گلی کوچوں میں چپ و راست کا وقت نہیں رہا۔ فوجی ٹریننگ حاصل کر کے ملک و ملت پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ مجلس احرار کا سرمایہ تم ہو' میری ساری عمر کی کمائی ہو۔ میں تمہیں قوم کے سپرد کرتا ہوں اور خوش ہوں کہ ہماری عمر بھر کی کمائی صحیح کام آئی ــــ فوجی وردی میں ملبوس ہو کر رائفل پکڑو اور دین و ملت کی پاسبانی کے لیے جان قربان کرنے کی تربیت حاصل کرو"۔

(روزنامہ "آزاد" لاہور' 28 نومبر 1949ء)

○ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور احرار نے پاکستان کے قیام کی مخالفت کن وجوہات کی بنا پر کی۔ حیات امیر شریعت میں جانباز مرزا اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں:

"مسلم لیگ سے ہمارا اختلاف صرف یہ تھا کہ ملک کا نقشہ کس طرح بنے۔ یہ نہیں کہ ملک نہ بنے' بلکہ یہ کہ اس کا نقشہ کیونکر ہو۔ یہ کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا' نہ حلال و حرام کا' نہ گناہ و ثواب کا اور نہ مذہب کا' وہ تو ایک نظریے کا اختلاف تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ پورے چھ صوبے ملیں اور مسلم لیگ بھی چاہتی تھی۔ ہمارا اختلاف صرف مرکز کی علیحدگی پر تھا۔ مسلم لیگ بھی فرقہ وارانہ جماعت تھی اور مجلس احرار بھی' مسلم لیگ میں بھی کوئی غیر مسلم شامل نہیں ہو سکتا تھا اور مجلس احرار میں بھی' لیکن اختلاف تھا تو صرف اتنا کہ ہم کہتے تھے کہ آزادی مل جائے۔ ہم ذرا

سنبھل لیں' اور اس کے دس سال بعد مرکز سے بھی علیحدہ ہو جائیں گے۔ مگر لیگ کہتی تھی کہ نہیں ہمارا مرکز کے ساتھ کوئی الحاق نہیں رہ سکتا۔ ورنہ تقسیم ملک کے ہم بھی قائل تھے۔ کرپس فارمولا اب بھی موجود ہے۔ اس میں تقسیم ملک ہی کا حصہ درج ہے۔ ہم پورے چھ صوبوں پر مصر تھے' لیکن کانگریس نے تقسیم در تقسیم کو قبول کیا اور گئو ماتا کا قیمہ کر کے اس کے کوفتے بنا دیئے"۔

("حیات امیر شریعت" ص 327 از جانباز مرزا)

○ سرگودھا کے جواں سال ہونہار صحافی جناب زاہد منیر عامر نے عطاء اللہ شاہ بخاری اور پاکستان کے عنوان پر مجلس احرار اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی طرف سے قیام پاکستان کی مخالفت و موافقت پر تاریخی حقائق کے ذخیرہ کو بڑی خوش اسلوبی سے یکجا کیا ہے۔ "پاکستان کیا ہوگا" ناشر عطاء المومن بخاری کے حوالہ سے زاہد منیر رقمطراز ہیں:

"بالآخر حضرت شاہ صاحبؒ نے اس طرف سے مایوس ہو کر 26 اپریل 1946ء کو اردو پارک دہلی میں اپنے خدشات کا اظہار اس طرح فرمایا:

"ادھر مغربی پاکستان ہوگا' ادھر مشرقی پاکستان اور درمیان میں چالیس کروڑ ہندو کی حکومت ہوگی۔ لالوں کی حکومت' لالے دولت والے' لالے ہاتھیوں والے' ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرے گا۔ اسے کمزور بنانے کی ہر کوشش ہوگی' آپ کے دریاؤں کے پانی روک دیئے جائیں گے۔ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور آپ کی حالت یہ ہوگی کہ بوقت ضرورت مشرقی پاکستان' مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان' مشرقی پاکستان کی مدد کرنے سے قاصر ہوں گے۔ پاکستان پر چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان

زمینداروں اور صنعت کاروں کے خاندان ہوں گے جو اپنی من
مانی کارروائیوں سے عوام الناس کو پریشان کر کے رکھ دیں گے۔
غریب کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ امیر دن بدن امیر تر ہوتے
جائیں گے اور غریب غریب تر"۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور احرار کا جو نکتہ نظر تقسیم کے بارے میں تھا' اس کے بارے میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ نے اس نظریے کو سچ ثابت کر دیا۔

● برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے قبل قادیانی جماعت نے نہ صرف مسلم لیگ کی مخالفت کی بلکہ کانگریس کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے۔ اس کہانی کو خواجہ عبدالمجید بٹ بیان کرتے ہیں:

"1936ء میں اس فرقہ کے لیڈروں نے قادیان میں کانگریس کے لیڈروں کو بلا کر تقاریر کروائیں اور ان جلسوں میں مسلم لیگ کی بڑی شدومد سے مخالفت کی گئی' چنانچہ ان دنوں پنڈت جواہر لال نہرو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر تھے اور انہوں نے مسلم ماس کنٹکٹ تحریک چلائی تھی کہ مسلمانوں کو کانگریس میں پھنسایا جائے۔ چنانچہ قادیان میں مسز لاوڈ رانی زتشی مشہور کانگرسی لیڈر اور ان کے ہمراہ چند پنجاب کے کانگرسی لیڈروں کو بلایا اور شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور کو اس جلسہ کا صدر بنایا گیا جو کہ مرزائیوں کا معتمد وکیل تھا اور خلیفہ قادیان میاں محمود احمد کا رشتہ دار بھی ہے۔ اس جلسہ میں فتح محمد سیال مرزائی ناظر اعلیٰ قادیان نے بھی تقریریں کیں۔ اس جلسہ میں جی بھر کے مسلمانوں اور مسلم لیگ کے خلاف گند اچھالا گیا۔

ادھر مسلمانوں نے مسلم ماس کنٹکٹ تحریک کی سخت مخالفت کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو صدر آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے پنجاب کا دورہ کیا تو مسلمانوں نے اس کے دورہ کا بائیکاٹ کیا۔ مگر قادیانی فرقہ نے اس کا پرجوش

استقبال کر کے اپنے اخبار میں فخر کے ساتھ روئیداد شائع کی۔ ملاحظہ ہو:

صدر کانگریس کا شاندار استقبال

علی الصباح چھ بجے تمام باوردی (قادیانی) والنٹیرز باقاعدہ مارچ کرتے ہوئے ریلوے سٹیشن لاہور پہنچ گئے۔ یہ نظارہ حد درجہ جاذب توجہ و روح پرور تھا۔ ہر شخص کی آنکھیں اس طرف اٹھ رہی تھیں۔ استقبال کا تقریباً تمام انتظام (قادیانی) کور کر رہی تھی اور کوئی (مسلم) آرگنائزیشن اس موقعہ پر نہ تھی' سوائے کانگریس کے ڈیڑھ درجن والنٹیر کے۔ سٹیشن سے لے کر جلسہ گاہ تک اور پلیٹ فارم پر انتظام کے لیے ہمارے والنٹیرز موجود تھے۔ سٹیشن پر جناب چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر ایم۔ او۔ ایل موجود تھے۔ قائد اعظم آل انڈیا نیشنل لیگ کو

اب چوہدری صاحب اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل ہائیکورٹ پنجاب ہیں اور چوہدری ظفر اللہ خاں کے بھائی ہیں۔ مصنف اور باہر جہاں پنڈت جی نے آ کر کھڑا ہونا تھا' جناب شیخ صاحب موجود تھے۔ ہجوم بہت زیادہ تھا۔ بالخصوص پنڈت جی کی آمد کے وقت مجمع میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا اور لوگوں نے صفوں کو توڑنے کی کوشش کی۔ مگر ہمارے والنٹیروں نے قابل تعریف ضبط اور نظم سے کام لیا اور حلقہ کو قائم رکھا۔ شیخ بشیر احمد صاحب صدر آل انڈیا نیشنل لیگ (قادیان) نے لیگ کی طرف سے آپ کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ کور کی طرف سے حسب ذیل موٹو جھنڈیوں پر خوبصورتی سے آویزاں تھے۔

(1) Beloved of the nation,Welcome you.

(2) We join in civil liberties union.

(3) Long live Jawahir Lal.

کور کا مظاہرہ ایسا شاندار تھا کہ ہر شخص اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ ایسا شاندار نظارہ لاہور میں کم دیکھنے میں آیا۔

کانگریس لیڈر کور کے ضبط اور ڈسپلن سے حد درجہ متاثر ہوئے اور بار بار اس کا اظہار کرتے تھے' حتیٰ کہ ایک لیڈر نے جناب شیخ صاحب سے کہا کہ آپ لوگ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں تو یقیناً ہماری فتح ہوگی۔

(اخبار "الفضل" قادیان' ۱۵ مئی ۱۹۳۶ء)

عام مرزائیوں کے اعتراضات

خلیفہ قادیان میاں محمود احمد پسر مرزا غلام احمد مدعی نبوت نے کانگریس سے سازباز حالات کے بدلتے ہوئے رخ کو دیکھ کر کی کہ انگریز ہندو کے ہاتھ میں اقتدار دے کر جائے گا اور کانگریس کو اقتدار حاصل ہوگا تو پھر منہ مانگا انعام ملے گا مگر عام مرزائیوں کو اس سازباز کا علم نہ تھا' لہذا انہوں نے اعتراض کیے کہ کانگریس کی مخالفت احمدیت کا جزو تھا۔ جواہر لال یورپ سے یہ سبق حاصل کر کے آیا تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان سے ختم کرنے کے لیے برطانیہ کی اس جاسوس جماعت کو ختم کرنا ضروری ہے اور یہ بات ڈاکٹر سید محمود سیکرٹری کانگریس نے حضرت صاحب خلیفۃ المسیح کو قادیان میں ملاقات کے دوران میں جواہر لال نہرو کا خیال بتایا تھا۔ پھر اس کے باوجود اس کا شاہانہ استقبال کیوں کیا گیا ہے۔ یہ مسیح موعود کی توہین ہے اور ساری جماعت احمدیہ کی مٹی پلید ہوئی ہے اور ہم دنیا میں شرم کے مارے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے اور یہ ابن الوقتی ہمیں ذلیل کرے گی وغیرہ وغیرہ' تو حضرت خلیفۃ المسیح نے جو جواب دیا' ملاحظہ ہو:

جواہر لال کا استقبال اچھی بات ہے

اگر پنڈت جواہر لال نہرو یہ اعلان کر دیتے کہ احمدیت کو مٹانے کے لیے وہ اپنی طاقت خرچ کریں گے' جیسا کہ احرار نے کیا ہے تو اس قسم کا استقبال بے غیرتی ہوتا لیکن اگر اس کے قریب کے زمانہ میں پنڈت صاحب نے ڈاکٹر اقبال کے ان مضامین کو رد لکھا ہو جو انہوں نے احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ قرار دیے جانے کے لیے لکھے ہیں اور نہایت عمدگی سے ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر کے احمدیت پر اعتراض اور احمدیوں کو الگ کرنے کا سوال بالکل فضول ہے اور ان کے گزشتہ رویہ کے خلاف ہے تو ایسے شخص کا استقبال' جبکہ وہ صوبہ میں مہمان کی حیثیت سے آ رہا ہو' تو ایک سیاسی انجمن (نیشنل لیگ کور قادیان) کی طرف سے بہت اچھی بات ہے

(خطبہ جمعہ میاں محمود مندرجہ اخبار "الفضل" قادیان 13 جون 1946ء)

عیاں بات

اس امر پہ حیرانی کی کوئی وجہ نہیں کہ جواہر لال نہرو احمدیہ کو برطانوی جاسوس سمجھتا ہوا بھی کیوں اس فرقہ کی پشت پناہی پہ کھڑا ہوا۔ بات واضح ہے کہ ہندو امپریلزم' برٹش امپریلزم کی جگہ لے رہا تھا اور ہندو' انگریز اور مسلمانوں کو دشمن سمجھتا تھا۔ لہذا اس پودے کی پرورش "واشتہ بکار آید" ضروری تھی"۔

("فرقہ احمدیہ کا ماضی و مستقبل" ص 53 تا 56 از خواجہ عبدالحمید بٹ)

- جب تقسیم ناگزیر ہو گئی اور کلوپانیوں کو پاکستان بنتا نظر آیا تو انہوں نے مجبوراً پاکستان کا رخ کیا۔ مرزائیوں کے اسی کردار کو خواجہ عبدالحمید بٹ کچھ اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

"مارچ 47ء میں متحدہ ہندوستان و پنجاب میں فسادات زور شور سے شروع ہو گئے۔ مرزائیوں نے جواہر لال' چندو لال ترویدی' گورنر مشرقی پنجاب اور گاندھی جی کے پاس پہنچ کر کہا کہ پاکستان کے مسلمان' جن کو ہم ساری عمر کافر کہتے رہے اور ان کی ہر بات میں مخالفت کرتے رہے۔ وہاں ہمیں جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حکم جاری کردو کہ ہمیں قادیاں سے نہ نکلنا پڑے مگر ہندو سکھ لیڈروں سے بھی ندامت اٹھانی پڑی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور چار و ناچار پاکستان میں پناہ لینی پڑی اور مسلمان قوم کے ہی قدموں میں گرنا پڑا۔ مسلمان نے **لا تثریب علیکم الیوم** (آج تم سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا) کہہ دیا اور مسلمان کی اس رعایت سے مرزائیوں نے بے شمار الاٹ منٹوں پہ ہاتھ صاف کیا۔

قادیاں کے متعلق فرقہ احمدیہ نے اکثر ڈھینگ ماری ہے کہ ہمارے پاس ہوائی جہاز تھے' اسلحہ تھا' ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ سو یہ مرزائیوں کا محض جھوٹ ہے۔ ملاحظہ ہو:

تشویشناک حالات

"پہلے سکھوں نے اردگرد کے دیہات پر حملہ کر کے مسلمانوں کو مار بھگایا (اور قادیانی تماشہ دیکھتے رہے۔۔۔ مصنف) اور ان کے مال و متاع کو لوٹ کر جلا دیا' پھر قادیاں کا رخ کیا۔ حکومت کی مدد سے رسل و رسائل کے تمام اسباب منقطع کر دیئے' یہاں تک کہ قادیاں کے وہ ہوائی جہاز' جو اردگرد کی خبر لاتے تھے اور مصیبت زدہ مسلمانوں کی کچھ نہ کچھ مدد کرتے تھے' (یہاں مسلمانوں سے مراد فرقہ احمدیہ لیا ہے) ان کی پرواز بھی ممنوع قرار دے دی گئی۔۔۔

اسی اثنا میں سکھوں نے مختلف محلوں میں لوٹ مار شروع کر دی اور

جن مقامات سے عورتوں اور بچوں کو نکال کر محفوظ مقامات پر پہنچایا گیا تھا' ان پر قبضہ کر لیا۔ خان بہادر نواب محمد الدین سابق ڈپٹی کمشنر (جس نے میاں محمد ممتاز دولتانہ صدر مسلم لیگ موجودہ وزیر اعظم پنجاب کا 46ء کے الیکشن میں خضری ٹکٹ پہ مقابلہ کیا تھا اور بری طرح شکست کھائی۔۔۔ مصنف) و سابق وزیر جودھپور کا گھر لوٹ لیا گیا اور بھی کئی گھروں سے ہزاروں روپے کی مالیت کے زیورات نکال لے گئے۔۔۔۔۔ ان حالات کے پیش نظر خلیفہ صاحب قادیان نے اپنا مرکز جودھامل بلڈنگ لاہور میں تبدیل کر لیا ہے اور اس کا نام احمدیہ پاکستان مرکز رکھا گیا ہے۔ اس جگہ قادیان سے آئے ہوئے پناہ گزین فروکش ہیں اور اخبار "الفضل" یہیں سے شائع ہوتا ہے۔

جہاں تک احمدیہ مرکز پاکستان اور معاصر "الفضل" کی شائع کردہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے' حالات روبہ اصلاح ہونے کی بجائے دن بدن اور لحظہ بہ لحظہ خراب ہو رہے ہیں' جو بہت تشویشناک امر ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ ہمیں قادیان کے ساتھ بوجہ حضرت مسیح موعود کا مولد و مدفن ہونے اور بہت سے نیک لوگوں کی آرام گاہ ہونے اور اس نور کا سرچشمہ ہونے کے' جو خدا کے مامور نے دنیا میں پھیلایا اور اسلام کو دنیا کا غالب مذہب ثابت کیا' دلی محبت ہے۔ اور ہم خلیفہ صاحب قادیان سے' جو حضرت مسیح موعود کے نام لیوا ہیں' دلی ہمدردیوں کا اظہار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مقام کی حفاظت میں ان کی ہمتوں اور کوششوں میں برکت دے اور ان کو ظالموں اور درندوں کی دست برد سے بچائے"۔

(لاہوری احمدیوں کا اخبار "پیغام صلح" یکم اکتوبر 1947ء)

قادیاں میں قتل و غارت

"افسوس ہے کہ قادیاں کے حالات دن بدن زیادہ ابتر ہوتے جا رہے ہیں۔ تازہ اطلاعات سے یہ معلوم کرنا حد درجہ افسوسناک ہے کہ جناب میاں محمود احمد خلیفہ قادیاں کا مکان' بیت الحمد اور چودھری ظفراللہ خاں صاحب کی کوٹھی لوٹ لی گئی۔ محلّہ دارالرحمت اور دارالانوار میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا' جس میں کہا جاتا ہے کہ ڈیڑھ دو صد آدمی شہید ہوئے۔ مسجد میں گرد و نواح کے ہندو مکانات سے بم پھینکے گئے' جس سے دو آدمی شہید ہوئے"۔

(لاہوری احمدیوں کا اخبار "پیغام صلح" 8 اکتوبر 1947ء)

قادیاں چھوڑنے کے تاثرات

"ہم نے انڈین یونین کو اپنی پرانی روایات یاد دلاتے ہوئے کہا کہ قادیاں ہمارا مذہبی مرکز ہے' ہم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے اور عہد کرتے ہیں کہ ہم حکومت کے پورے پورے وفادار رہیں گے۔ ہمارے یقین دلانے اور عہد کرنے کے باوجود ملٹری اور سکھوں نے قادیاں کے نواحی گاؤں پہ حملے شروع کر دیئے ــــ حالات اس قدر نازک صورت حال اختیار کر گئے کہ عاشقان احمدیہ پاکستان آنے پہ مجبور ہو گئے اور اس قدر انہیں صدمہ ہوا کہ ہجرت کے بعد قادیانیوں کے بزرگ اور حضرت مسیح موعود کے بعض صحابہ اس دار فانی سے کوچ کر کے اپنے حقیقی مولا سے جا ملے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون** اے کاش انڈین یونین میری بات کو سمجھے کہ احمدیوں نے قادیاں اور قادیاں والوں کی خاطر ساری دنیا کو چھوڑا ہے' اب وہ ان کو چھوڑ کر کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ **اللھم صل علے محمد و علی ال محمد و علی عبد المسیح الموعود و بارک وسلم انک**

حمید ا – ("الفضل" 26 مئی 1948ء)

("فرقہ احمدیہ کا ماضی و مستقبل" ص 63 تا 66' از خواجہ عبدالحمید بٹ)

باؤنڈری کمیشن میں قادیانیوں کا موقف

جماعت احمدیہ کی بھرپور مخالفت کے باوجود جب تقسیم ناگزیر ہو گئی اور پاکستان کا قیام ممکن نظر آنے لگا تو قادیانیوں نے پاکستان کی جغرافیائی صورت کو نقصان پہنچانے کی بھیانک کوشش کی۔ کشمیر اپنی تاریخی ہیئت اور جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے تھا۔ چونکہ پاکستان میں بہنے والے سارے دریاؤں کا منبع اور سرچشمہ کشمیر ہے' بھارت ہمارے دریاؤں کا پانی بند کر کے ہمارے سرسبز کھیتوں اور لہلہاتی فصلوں کو تباہ کر سکتا تھا۔ کشمیر اور پاکستان مذہبی' سیاسی اور ثقافتی نکتہ نظر سے بھی ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے۔ اس لیے قائد اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ حد بندی کمیشن جن دنوں بھارت پاکستان کی حد بندی کی تفصیلات طے کر رہا تھا' کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندے اپنا اپنا موقف بیان کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کی طرف سے سر ظفراللہ خان وکالت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ باؤنڈری کمیشن اس وقت ورطہ حیرت میں پڑ گیا' جب جماعت احمدیہ کی طرف سے الگ میمورنڈم (محضرنامہ) پیش کیا گیا' جس میں قادیانی جماعت نے اپنے بانی کے مولد و مرکز قادیان کو ویٹیکن سٹی (Vitigen City) قرار دینے کا مطالبہ کیا۔

○ جماعت احمدیہ کے میمورنڈم میں قادیانیوں کے علیحدہ مذہب' سول و فوجی ملازمین کی مبالغہ آمیز تعداد' کیفیت اور آبادی کی تفصیلات درج ہیں۔ گزشتہ چند برس پہلے حکومت پاکستان کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب (Partition of Punjab) جلد 1' ص 428 - 469 میں قادیانی عرضداشت اور اس کی جملہ تفصیلات موجود ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کادیانیوں نے اپنی روایتی عیاری و مکاری سے کام لے کر انتہائی مبالغہ آرائی سے کام لیا۔۔۔ (Partition of Punjab) "پنجاب کی تقسیم" جلد ا' ص 464 میں کادیانیوں کے سول اور فوجی افسران کی جو لسٹ دی ہے' اس میں بے شمار مسلمان افسروں کو کادیانی ظاہر کیا گیا۔

اسی کتاب کے ص 469 پر اسی لسٹ میں 198 نمبر پر ریٹائرڈ ایئر مارشل نور خان' جو اس وقت فلائٹ لیفٹیننٹ تھے' ان کا نام بھی شامل کیا گیا ہے۔۔۔ حالانکہ ایئر مارشل ریٹائرڈ نور خان مسلمان ہیں۔ 1985ء کے انتخابات کے موقع پر جب انہوں نے حلقہ NA-43 تحصیل تلہ گنگ میں کاغذات نامزدگی داخل کروائے تو ان کے مدمقابل میجر (ریٹائرڈ) ملک محمد اکبر خان نے یہ اعتراض داخل کیا کہ ان کے حریف نور خاں کادیانی ہیں۔ ثبوت کے طور پر انہوں نے عدالت کو (Partition of Punjab) جلد ا' ص 469 پیش کیا۔ اس پر ایئر مارشل ریٹائرڈ نور خاں نے بیان حلفی داخل کروایا کہ وہ حنفی العقیدہ مسلمان ہیں۔ ان کا کادیانیت سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ ان کا نام کادیانیوں نے اپنی لسٹ میں شامل کیا ہے' اس کا انہیں قطعاً کوئی علم نہیں۔۔۔

ایئر مارشل نور خان کے حریف جناب میجر (ریٹائرڈ) حاجی ملک محمد اکبر خان نے راقم کو ایک خط کے ذریعہ 199 افسران کی تفصیلات سے آگاہ کیا تھا۔

نوٹ: یہ خط اور پارٹیشن آف پنجاب میں شائع شدہ میمورنڈم وغیرہ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

کادیانی جماعت نے ریڈ کلف کمیشن کو اپنا نقشہ بھی پیش کیا' جس میں کادیانیوں کی آبادی کو مسلمانوں سے علیحدہ ظاہر کیا گیا۔ جماعت احمدیہ نے یہ نقشہ 1940ء میں تیار کیا تھا۔ حد بندی کمیشن کو الگ میمورنڈم پیش کرنے کا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ کادیانی جماعت کا مقتدر رہنما ظفر اللہ خان ایک طرف تو کمیشن کے سامنے پاکستان کیس کی وکالت کر رہا تھا' جبکہ دوسری طرف اس کی جماعت کی طرف سے الگ میمورنڈم پیش کیا جا رہا تھا۔۔۔ کادیانیوں کا Vitigen City کا مطالبہ تو تسلیم نہ کیا گیا'

البتہ باؤنڈری کمیشن نے احمدیوں کے محضرنامہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے احمدیوں کو مسلمانوں سے خارج کر کے گورداسپور کو مسلم اقلیت کا ضلع قرار دے کر اس کے اہم علاقے بھارت میں شامل کر دیے۔ اس طرح نہ صرف گورداسپور کا ضلع پاکستان سے گیا بلکہ بھارت کو کشمیر ہڑپ کر لینے کی راہ میسر آ گئی۔ نتیجتاً" کشمیر پاکستان سے کٹ گیا۔ مجاہد ختم نبوت مولانا تاج محمود" برصغیر پاک و ہند کی تقسیم میں قادیانی جماعت کے منافقانہ کردار کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

● "چنانچہ سید میر نور احمد سابق ڈائریکٹر تعلقات عامہ اپنی یادداشتوں: مارشل لا سے مارشل لا تک میں اس واقعہ کو یوں تحریر کرتے ہیں:

"لیکن اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ایوارڈ پر ایک مرتبہ دستخط ہونے کے بعد ضلع فیروز پور کے متعلق' جس میں 17 اگست اور 19 اگست کے درمیان عرصہ میں رد و بدل کیا گیا اور ریڈ کلف سے ترمیم شدہ ایوارڈ
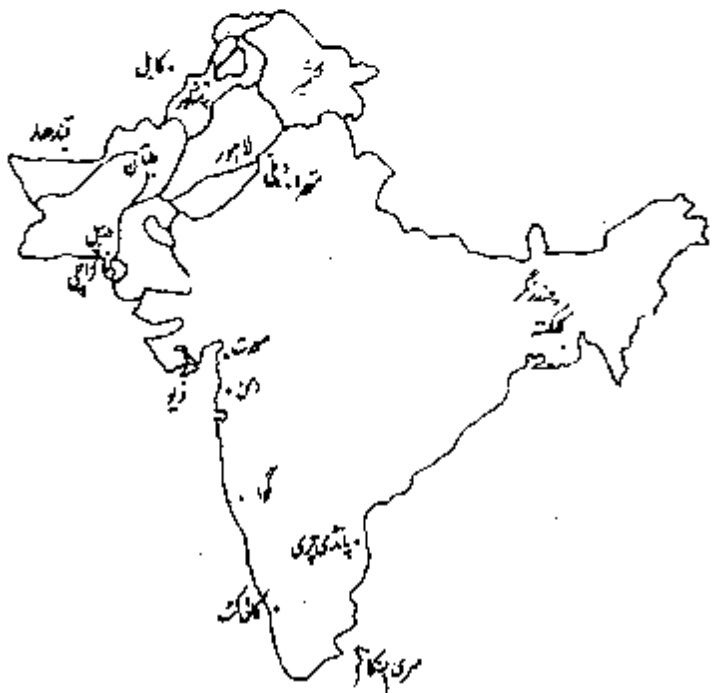
حاصل کیا گیا۔

کیا ضلع گورداسپور کی تقسیم اس ایوارڈ میں شامل تھی جس پر ریڈ کلف نے 8 اگست کو دستخط کیے تھے یا ایوارڈ کے اس حصہ میں بھی ماؤنٹ بیٹن نے نئی ترامیم کرائی۔ افواہ یہی ہے اور ضلع فیروز پور والی فائل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اگر ایوارڈ کے ایک حصہ میں ناجائز طریق پر ردو بدل ہو سکتی تھی تو دوسرے حصوں کے متعلق بھی یہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ پنجاب حد بندی کمیشن کے مسلمان ممبروں کا تاثر ریڈ کلف کے ساتھ آخری گفتگو کے بعد یہی تھا کہ گورداسپور' جو بہرحال مسلم اکثریت کا ضلع تھا' قطعی طور پر پاکستان کے حصے میں آ رہا ہے' لیکن جب ایوارڈ کا اعلان ہوا تو نہ ضلع فیروز پور کی تحصیلیں پاکستان میں آئیں اور نہ ضلع گورداسپور (ماسوا تحصیل شکرگڑھ) پاکستان کا حصہ بنا۔ کمیشن کے سامنے وکلاء کی بحث کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کمیشن کے سامنے کشمیر کے نقطہ نگاہ سے ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھان کوٹ کی اہمیت کا کوئی ذکر آیا تھا یا نہیں۔ غالباً نہیں آیا تھا' کیونکہ یہ پہلو کمیشن کے نقطہ نگاہ سے قطعاً غیر متعلق تھا۔ ممکن ہے ریڈ کلف کو اس نقطے کا کوئی علم ہی نہ ہو' لیکن ماؤنٹ بیٹن کو معلوم تھا کہ تحصیل پٹھانکوٹ کے ادھر ادھر ہونے سے کن امکانات کے راستے کھل سکتے ہیں اور جس طرح وہ کانگریس کے حق میں ہر قسم کی بے ایمانی کرنے پر اتر آیا تھا' اس کے پیش نظر یہ بات ہرگز بعید از قیاس نہیں کہ ریڈ کلف عواقب اور نتائج کو پوری طرح سمجھا ہی نہ ہو اور اس پاکستان دشمنی کی سازش میں کردار اعظم ماؤنٹ بیٹن نے ادا کیا ہو۔

ضلع گورداسپور کے سلسلے میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ اس کے متعلق چودھری ظفر اللہ خان' جو مسلم لیگ کی وکالت کر رہے تھے' خود بھی ایک افسوسناک حرکت کر چکے تھے۔ انہوں نے جماعت احمدیہ کا نقطہ

نگاہ عام مسلمانوں سے (جن کی نمائندگی مسلم لیگ کر رہی تھی) جداگانہ حیثیت میں پیش کیا۔ جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ بے شک یہی تھا کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا پسند کرے گی' لیکن جب سوال یہ تھا کہ مسلمان ایک طرف اور باقی سب دوسری طرف تو کسی جماعت کا اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ ظاہر کرنا مسلمانوں کی عددی قوت کو کم ثابت کرنے کے مترادف تھا۔ اگر جماعت احمدیہ یہ حرکت نہ کرتی تب بھی ضلع گورداسپور کے متعلق شاید فیصلہ وہی ہوتا جو ہوا' لیکن یہ حرکت اپنی جگہ بہت عجیب تھی"۔

(روزنامہ "مشرق" 3 فروری 1964ء)

اب اس سلسلہ میں خود حد بندی کمیشن کے ایک ممبر جسٹس محمد منیر کا ایک حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"اب ضلع گورداسپور کی طرف آیئے۔ کیا یہ مسلم اکثریت کا علاقہ نہیں تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ضلع میں مسلم اکثریت بہت معمولی تھی' لیکن پٹھانکوٹ تحصیل اگر بھارت میں شامل کر دی جاتی تو باقی ضلع میں مسلم اکثریت کا تناسب خود بخود بڑھ جاتا۔

مزید برآں مسلم اکثریت کی تحصیل شکرگڑھ کو تقسیم کرنے کی مجبوری کیوں پیش آئی۔ اگر اس تحصیل کو تقسیم کرنا ضروری تھا تو دریائے راوی کی قدرتی سرحد یا اس کے ایک معاون نالے کو کیوں نہ قبول کیا گیا' بلکہ اس مقام سے اس نالے کے مغربی کنارے کو سرحد قرار دیا گیا' جہاں یہ نالہ ریاست کشمیر سے صوبہ پنجاب میں داخل ہوتا ہے۔ کیا گورداسپور کو اس لیے بھارت میں شامل کیا گیا کہ اس وقت بھی بھارت کو کشمیر سے منسلک رکھنے کا عزم و ارادہ تھا۔

اس ضمن میں میں ایک بہت ناگوار واقعہ کا ذکر کرنے پر مجبور ہوں۔ میرے لیے یہ بات ہمیشہ ناقابل فہم رہی ہے کہ احمدیوں نے علیحدہ نمائندگی کا کیوں اہتمام کیا۔ اگر احمدیوں کو مسلم لیگ کے موقف سے اتفاق نہ ہوتا تو ان کی طرف سے علیحدہ نمائندگی کی ضرورت ایک افسوسناک امکان کے طور پر سمجھ میں آ سکتی تھی۔ شاید وہ علیحدہ ترجمانی سے مسلم لیگ کے موقف کو تقویت پہنچانا چاہتے تھے' لیکن اس سلسلہ میں انہوں نے شکرگڑھ کے مختلف حصوں کے لیے حقائق اور اعداد و شمار پیش کیے۔ اس طرح احمدیوں نے یہ پہلو اہم بنا دیا کہ نالہ بھین اور نالہ بسنتر کے درمیانی علاقہ میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور اسی دعویٰ کے لیے دلیل میسر کر دی کہ اگر نالہ اجھ اور نالہ بھین کا درمیانی علاقہ ازخود بھارت کے حصہ میں آ جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علاقہ ہمارے (پاکستان) کے حصے میں آ گیا ہے' لیکن گورداسپور کے متعلق احمدیوں نے اس وقت سے ہمارے لیے سخت مخمصہ پیدا کر دیا۔

(روزنامہ "نوائے وقت" 7 جولائی 1964ء)

("قادیانیوں کے عقائد اور عزائم" ص 96 تا 99' از مولانا تاج محمود)

○ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے متعلق حالات اور واقعات کی تحقیقات کرنے والی عدالت میں باؤنڈری کمیشن کے سامنے قادیانی جماعت کی دوغلی پالیسی کا کردار سامنے آیا تھا۔ قادیانیوں نے اس الزام کے جواب میں واقعات کا سرے سے انکار کیا تھا۔ حد یہ کہ تحقیقاتی عدالت کے ایک رکن چیف جسٹس منیر صاحب نے قادیانیوں کی صفائی میں قادیانیوں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور بڑے تند و تیز لہجے میں الزام عاید کرنے والوں کا استخفاف کیا تھا لیکن دس گیارہ برس کے بعد منیر صاحب کو ہوش آیا یا شاید حالات نے ثابت کر دکھایا کہ جماعت احمدیہ پر لگائے گئے الزامات بے بنیاد نہ تھے' بلکہ وہ حقائق پر مبنی تھے۔ منیر انکوائری رپورٹ کے خالق جناب

جسٹس منیر صاحب نے "پاکستان ٹائمز" میں ایک مضمون لکھا، جس کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:

"گورداسپور کے سلسلے میں ایک انتہائی افسوسناک واقعہ کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ بات کبھی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر احمدیوں نے ایک علیحدہ عرضداشت کیوں پیش کی۔ اس علیحدہ نمائندگی کی ضرورت صرف اس وجہ سے پیدا ہو سکتی تھی کہ احمدی حضرات مسلم لیگ کے موقف سے متفق نہ تھے اور یہ بات خود اپنی جگہ بڑی افسوسناک تھی۔ ممکن ہے کہ ان کی نیت یہ ہو کہ مسلم لیگ کا مقدمہ مضبوط کیا جائے لیکن انہوں نے شکرگڑھ کے مختلف حصوں کے بارے میں جو اعداد و شمار پیش کیے، ان سے الٹا یہ ثابت ہو گیا کہ دریائے بیں اور دریائے بسنتر کے درمیانی علاقے میں غیر مسلم اکثریت ہے۔ اسی طرح انہوں نے یہ دلیل فراہم کر دی کہ دریائے اوجھ اور دریائے بسنتر کا دوآبہ اگر بھارت کو دے دیا جائے تو بسن اور بسنتر کا دوآبہ اپنے آپ بھارت کا حصہ بن جائے گا۔ بہرکیف یہ علاقہ ہمارے پاس رہا مگر احمدیوں نے جو موقف اختیار کیا، وہ گورداسپور کے معاملے میں ہمارے لیے خاصی پریشانی کا باعث بن گیا"۔

("پاکستان ٹائمز" 24 جون 1964ء)

○ مولانا عبدالحکیم ہزاروی مرحوم نے قومی اسمبلی میں تقسیم ہند اور مسئلہ کشمیر پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

"معاہدہ شملہ میں جو تجاویز امن آ رہی ہیں، ان کے اندر مسئلہ کشمیر کا بھی ذکر ہے۔ اس مسئلہ پر آئندہ بحث کی جائے گی۔ میں مسئلہ کشمیر کے بارے میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ مسئلہ کشمیر پہلے بھی ہمارے ملک کے غاصبوں نے الجھا دیا تھا، جو اس مسئلہ پر مسلط تھے ورنہ ایک اصول طے ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی اکثریت جہاں ہے وہ حصہ پاکستان میں رہے گا۔

مرحوم عبدالرب نشتر کو مولانا ابوالکلام آزاد (رحمتہ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ اکثریت کے اصول کے مطابق پنجاب کی تقسیم مت مانو' اپنے لیڈروں کو سمجھاؤ کہ مسلمانوں کے مستقبل کے مفاد کی خاطر پنجاب کی تقسیم نہ مانیں بلکہ پورا پنجاب لے لیں اور یہ بات لیاقت علی خاں کو بھی پہنچائی گئی کہ تم لوگ پنجاب کی تقسیم کو مت مانو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس فارمولے پر عمل کیا جاتا تو باؤنڈری کمیشن کے وقت پنجاب کل کا کل پاکستان میں ہوتا اور ضلع گورداسپور بھی پاکستان میں آتا۔ چودھری ظفراللہ قادیانی نے کہا کہ وہ اور ان کی پارٹی علیحدہ ہیں۔ اگر چودھری ظفراللہ ایسا نہ کرتا تو آج یہ مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔ جبکہ سرینگر کے ہوائی اڈے پر ہمارے آدمی پہنچ چکے تھے مگر ان سے کہا گیا کہ واپس جاؤ۔۔۔۔ کشمیر کے معاملہ میں بین الاقوامی سازشیں ہوتی رہیں۔ اب کشمیر کے عوام کو حق خود ارادیت دیا جائے تاکہ وہ اپنی رائے استعمال کریں۔ ہندوستان اپنی فوجیں ہٹائے تو پھر ہم اپنی فوجیں ہٹائیں گے"۔

(بہ شکریہ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور' ص ۹' ج 15' ش 45' 8 دسمبر 1972ء)

○ "اب سے چند ہفتے پہلے باؤنڈری کمیشن کے رازہائے درون خانہ کے متعلق ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس اور باؤنڈری کمیشن کے مسلمان رکن مسٹر محمد منیر اور باؤنڈری کمیشن کے سامنے قادیانیوں کی طرف سے پیش ہونے والے قادیانی عقائد کے دو بیرسٹر سر محمد ظفراللہ خان اور شیخ بشیر احمد نے اخباری بیانات دیے تھے' جن میں یہ بات واضح ہوئی تھی کہ مسلم لیگ کے مشورے سے یا اس کی تائید و حمایت کے ساتھ قادیانیوں نے سامنے باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنی جماعت کا علیحدہ مقدمہ پیش کیا تھا لیکن ان ہرسہ راذدان راز کے ان بیانات کے باوجود یہ سوال جواب طلب رہا کہ وہ کون سے حالات تھے جن کے ماتحت قادیانی جماعت

نے اپنا علیحدہ مقدمہ پیش کیا۔ کیا مسلم لیگ اس بات پر اصرار کرتی تھی کہ قادیانی مسلمانوں سے علیحدہ ہیں۔ انہیں اپنا علیحدہ مقدمہ لڑنا چاہیے اور قادیانیوں نے اس حیثیت کو قبول کر لیا؟ یا یہ دونوں فریق اس بات پر متفق تھے کہ قادیانی جماعت مسلمانوں سے الگ جماعت ہے؟ سوال کی صورت کچھ بھی ہو' نوعیت بہرحال واحد ہے۔ اس سوال کے جواب ہی سے پاکستان میں قادیانیوں کی حیثیت متعین ہوسکے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ پاکستان کے شہری کی حیثیت سے اس جماعت کے حقوق و فرائض کیا ہیں اور اسے کس سطح پر رکھا جانا چاہیے"۔

("شہاب" 19 اگست 1964ء)

تقسیم اور قادیانی موقف

"ریڈ کلف اپنے سامنے پیش ہونے والے مقدمہ کے اس خاص نقطہ میں دلچسپی لے رہا تھا۔ جس علاقہ پر پرواز کرنا چاہتا تھا' وہ وہی علاقہ تھا جس کا ضلع گورداسپور کی تقسیم سے تعلق تھا۔ جسٹس دین محمد اور جسٹس محمد منیر اس خاص نکتے کی اہمیت سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے ریڈ کلف کا رویہ انہیں خاص طور پر معنی خیز معلوم ہوتا تھا لیکن حالات کی ستم ظریفی یہ تھی کہ کمیشن کے بچانے کے لیے وہ ابھی دور دراز کی باتیں سوچ رہے تھے اور استعفا پیش کرنے کی تجویز پیش کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کے مقدمہ کی پیروی کرنے والے وکیل اسے خود ہی چاندی کی طشتری میں رکھ کر بھارت کو پیش کر رہے تھے۔ ریڈ کلف کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کے مقدمہ کی پیروی کرنے کی ذمہ داری صوبائی لیڈروں کے ذمہ تھی۔ جب ان کا مرتب کیا ہوا میمورنڈم' جو عرفی دعویٰ کی حیثیت رکھتا تھا' کمیشن کے سامنے آیا تو مسلمان جج اسے پڑھ کر حیران ہوگئے"۔

(مجموعہ "مارشل لا سے مارشل لا تک" ص 347-348)

بحوالہ "المنبر" جلد 19 ص 16 '1974ء)

گورداسپور بھارت کو کیسے ملا؟

○ سید نور احمد لکھتے ہیں:

"ریڈ کلف کمیشن کے سامنے جماعت احمدیہ نے مسلم لیگ سے الگ اپنا مقدمہ پیش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ کیا وہ مسلم لیگ کے نقطہ نگاہ سے متفق نہ تھی؟ اس سوال پر حال ہی میں ایک مختصر اخباری بحث ہو چکی ہے لیکن اس بحث میں اس سوال کے اصل اور اہم پہلو پبلک کے سامنے نہیں آئے یہ پہلو خاصے دلچسپ تھے۔

حالیہ اخباری بحث اس طرح شروع ہوئی تھی کہ مسٹر جسٹس منیر نے اپنے مضمون میں کہہ دیا تھا کہ میں ابھی تک نہیں سمجھا کہ جماعت احمدیہ نے مسلم لیگ سے الگ ایک فریق حیثیت سے اپنا مقدمہ کیوں پیش کیا؟ اس مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے چوہدری ظفر اللہ خان نے کہا کہ چونکہ اس مضمون میں میرا نام بھی آگیا ہے اور مجھے مسلم لیگ کے علاوہ جماعت احمدیہ کا وکیل بھی ظاہر کیا گیا ہے' لہٰذا میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میں صرف مسلم لیگ کا وکیل تھا' جماعت احمدیہ کے وکیل شیخ بشیر احمد صاحب تھے جو سوال اٹھایا گیا ہے' اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ جماعت احمدیہ نے اپنی علیحدہ عرضداشت "مسلم لیگ" کی درخواست پر اور اس سے مشورہ کر کے پیش کی تھی اور اس کی ضرورت اس لیے پیدا ہوئی تھی کہ غیر مسلم یہ پروپیگنڈا کر رہے تھے کہ بعض مسلمان احمدیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں لہٰذا ضلع گورداسپور کا فیصلہ کرتے ہوئے انہیں مسلمانوں میں شمار نہ کیا جائے' لیکن

اس کے ساتھ ہی چوہدری صاحب نے فرمایا کہ اب اس واقعہ کو اتنا عرصہ گزر گیا ہے کہ محض یادداشت کی بنا پر اس کی تفاصیل کے متعلق یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔

پہلے ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ ان دونوں فاضل وکیلوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلم لیگ نے یہ فیصلہ کیا تھا اور یہ خواہش ظاہر کی تھی اور جماعت احمدیہ سے کہا تھا کہ اسے ایک علیحدہ فریق کی حیثیت سے کمیشن کے سامنے پیش ہو کر اپنا مخصوص نقطہ نگاہ بیان کرنا چاہیے' جس "مسلم لیگ" نے ان کے قول کے مطابق یہ فیصلہ کیا تھا' اور یہ درخواست کی تھی' اس "مسلم لیگ" سے فی الحقیقت ان کی کیا مراد تھی؟ کیا یہ فیصلہ مسلم لیگ کے وکیل یعنی خود چوہدری ظفر اللہ خان نے کیا تھا یا صوبائی لیگ کے کارکنوں نے اپنے وکیل سے بالا بالا اس کے مشورے کے بغیر کر لیا تھا؟ اور وہ کارکن کون تھے جنہوں نے ازخود یہ فیصلہ کر کے جماعت احمدیہ سے درخواست کی تھی کہ آپ ایک علیحدہ فریق کی حیثیت سے پیش ہو کر ہمارے مقدمے کو تقویت پہنچائیں؟ کیا کوئی شخص یہ باور کر سکتا ہے کہ کسی مقدمے کے دوران میں کوئی موکل اپنے وکیل کے مشورے کے بغیر اس قسم کا فیصلہ کرے؟ کیا یہ فیصلہ فی الحقیقت مسلم لیگ کے وکیل کی حیثیت سے خود چوہدری ظفر اللہ خاں کا نہ تھا یا اس فیصلہ میں ان کا مشورہ شامل نہ تھا اور فیصلہ کن حیثیت نہ رکھتا تھا؟ پھر ایک صاف اور سیدھی بات سے اس قدر احتیاط سے انکار کیوں؟ سیدھی بات یہ ہے کہ چوہدری صاحب مسلم لیگ کے وکیل تھے۔ انہوں نے لیگ کا مقدمہ لڑتے ہوئے یہ مناسب سمجھا کہ مسلم لیگ کے حصے کا کچھ وقت جماعت احمدیہ کے پروپیگنڈے کے لیے بھی وقف کر دیں' وہ جماعت کے پروپیگنڈے سے کسی حالت میں نہیں چوکتے۔

چوہدری ظفراللہ خان نے فرمایا ہے کہ انہیں تفاصیل پوری طرح یاد تو نہیں' لیکن غالباً جماعت احمدیہ کو ایک علیحدہ فریق کی حیثیت سے پیش کرنے کی ضرورت اس پروپیگنڈے کا جواب دینے کی غرض سے پیش آئی تھی جو احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان مذہبی اختلاف کی بنیاد پر غیر مسلموں کی جانب سے کیا جا رہا ہے۔ یہ قیاس درست نہیں ہے کیونکہ کانگریس اور سکھوں کے میمورنڈم میں اس بات کا کوئی ذکر یا اس طرف کوئی اشارہ تک موجود نہ تھا۔

شیخ بشیر احمد صاحب' جنہوں نے جماعت احمدیہ کی وکالت کے فرائض انجام دیئے' فرمایا ہے کہ سکھوں نے اپنے میمورنڈم میں ضلع گورداسپور پر یہ کہہ کر حق جتانے کی کوشش کی تھی کہ گورو گوبند سنگھ اس ضلع میں پیدا ہوئے تھے' لہذا یہ ضلع ان کے لیے مقدس ہے۔ اس دعویٰ کا توڑ کرنے کے لیے مسلم لیگ نے' یعنی فی الحقیقت چوہدری ظفراللہ خاں نے' جماعت احمدیہ سے کہا کہ وہ قادیان کی اہمیت واضح کریں اور قادیان کی وجہ سے گورداسپور کو پاکستان میں لانے پر زور دیں۔ یہ تفصیل غیر اہم ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سکھوں نے گورداسپور کے ساتھ اپنے ثقافتی تعلق کے سلسلے میں اسے گورو گوبند سنگھ کی جائے پیدائش ظاہر نہ کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ گورو نانک صاحب' بہت دنوں تک ڈیرہ بابا نانک میں مقیم رہے اور ان کی شادی بٹالہ میں ہوئی تھی' لیکن کانگریس اور سکھوں کو غالباً خود بھی یہ احساس تھا کہ یہ باتیں بالکل بے وزن ہیں۔ ان کا سرسری ذکر انہوں نے ضرور کیا لیکن وہ ضلع گورداسپور کے متعلق اصل زور دوسرے دلائل پر دے رہے تھے۔ ضلع گورداسپور اور ضلع امرتسر کو اقتصادی اور مواصلاتی نقطہ نگاہ سے ایک ہی یونٹ قرار دے رہے تھے۔ بہرحال ڈیرہ بابا نانک اور بٹالہ کے ساتھ سکھوں کے تعلق کا توڑ کرنے کی کوئی خاص ضرورت تھی یا

نہ تھی' جماعت احمدیہ نے قادیان کے متعلق اپنا مخصوص نقطہ نگاہ پیش کرتے ہوئے اپنی اہمیت (ایک علیحدہ جماعت کی حیثیت سے) اور اپنے مذہبی عقائد پر زور دینے کا خاصا موقعہ ڈھونڈ لیا۔ اس بارے میں جماعت احمدیہ کے میمورنڈم کا خلاصہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

① عام عبادت گاہوں یا مذہبی تقدس کے مقامات کے مقابلے میں جماعت احمدیہ کے نزدیک قادیان' جو اس جماعت کا صدر مقام ہے' بہت زیادہ تقدس کا حامل ہے۔

② تحریک احمدیہ کے بانی قرون آخری کے مہدی بھی تھے' جن کی ذات میں مسیح کی دوبارہ آمد کا وعدہ پورا ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیے ہوئے ان کے خلیفہ اور ظلی نبی بھی تھے جن کی ذات میں تمام گزشتہ نبیوں کی پیشین گوئیاں پوری ہو گئیں۔

③ برصغیر پاک و ہند میں قادیان سے زیادہ تقدس کسی مقام کو حاصل نہیں۔ دوسرے فرقے بیشک تعداد میں زیادہ ہیں لیکن جس اصول کی بنا پر وہ مزاروں اور عبادت گاہوں وغیرہ کو مقدس ٹھہراتے ہیں' وہ اس اصول سے مختلف ہے جس کی بنا پر احمدی اپنے دلوں میں قادیان کی کشش محسوس کرتے ہیں۔

④ جماعت احمدیہ ایک بہت اہم تبلیغی جماعت ہے' جس کی شاخیں تمام دنیا کے ملکوں میں موجود ہیں۔ بیرونی ملکوں سے بھی لوگ روحانی فیض حاصل کرنے کے لیے قادیان آتے ہیں۔

⑤ جماعت احمدیہ نے حالت امن اور حالت جنگ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں' مثلاً اس چھوٹی سی جماعت نے جنگ میں چودہ سو رنگروٹ دیئے اور دو سو سے زیادہ شاہی کمیشن حاصل کیے۔ باقی جماعت

کے ارشاد کے مطابق "قادیان" اس جماعت کا مرکز مقرر ہو چکا ہے' اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

⑥ اب اگر اس مرکز کو پاکستان کے بجائے بھارت میں شامل کر دیا گیا تو جماعت احمدیہ کے کام کو سخت نقصان پہنچے گا۔ اس کی بیشتر شاخیں مغربی پنجاب میں کام کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ جماعت کا تمام لٹریچر اردو میں ہے اور بھارت میں اردو کا مستقبل نہیں ہے۔

⑦ اس طرح جماعت کو مالی اعتبار سے بھی بہت نقصان پہنچے گا کیونکہ جماعت کے ارکان کی 90 فیصد جائیداد مغربی پنجاب میں ہے۔

⑧ لہٰذا قادیان اور اس کے گرد و نواح کو ضرور پاکستانی پنجاب میں شامل کرنا چاہیے۔

جسٹس منیر نے اپنے مضمون میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ جماعت احمدیہ کو اس مقدمے میں ایک علیحدہ فریق بننے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سوال کا جواب دینا مشکل نہیں ہے۔ اگر جماعت کو اپنی اہمیت اور اپنے مذہبی عقائد کا پروپیگنڈہ کرنے کا موقعہ ملتا تھا تو وہ اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتی؟ سوال یہ ہے کہ مسلم لیگ کے مقدمے کو اس پراپیگنڈا سے کیا خاص تقویت پہنچتی تھی؟

جماعت احمدیہ کو اپنی طرف سے اور اپنے حصے کا وقت دے کر میدان بحث میں کھڑا کرنے کا تکلف کیوں کیا؟ کیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مسلم لیگ کے وکیل اور قانونی مشیر چوہدری ظفر اللہ خان تھے اور وہ اپنی جماعت کو اس پراپیگنڈے کا موقع دینا چاہتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ انداز فکر کہ ایک مذہبی مقام کے مقابلے میں دوسرے مذہبی مقام کی اہمیت کا موازنہ کیا جائے اور اس موازنے کی بنا پر کسی علاقے کو مشرقی پاکستان یا مغربی پاکستان میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا جائے' مسلم لیگ کے بنیادی نقطہ

نگاہ کے سراسر خلاف تھا۔ مسلم لیگ کے مقدمے کا بنیادی نقطہ نگاہ وہ تھا جو جسٹس منیر نے اپنی رپورٹ کے ایک فقرے میں بیان کیا:

کیا (متنازعہ علاقے کے) اڑتالیس لاکھ مسلمانوں کو محض اس لیے ایک غیر مسلم حکومت کے ماتحت رہنے پر مجبور کر دیا جائے کہ اس علاقے میں چودہ لاکھ سکھوں کے علاوہ چند گوردوارے بھی موجود ہیں؟ گوردوارے اور مسجدیں ـــــ مختلف قوموں کے تاریخی اور متبرک مقام کہاں نہیں ہیں؟"

(بہ شکریہ روزنامہ "مشرق" لاہور - 6 ستمبر 1964ء)

● آنجہانی سر ظفر اللہ خان نے حد بندی کمیشن کے سامنے ایک سیاسی شاطر کا بھیانک کردار ادا کیا۔ موصوف مسلم لیگ کے مقرر کردہ وکیل تھے' لیکن انھوں نے دوغلی پالیسی اختیار کرتے ہوئے اپنی جماعت یعنی جماعت احمدیہ کی وکالت کے فرائض بھی سر انجام دیئے۔ جسٹس دین محمد کو مسلم لیگ کے میمورنڈم کا مطالبہ کرنے کے تھوڑی دیر بعد کسی تقریب میں چودھری ظفر اللہ خان جو مسلم لیگ کے وکیل تھے' ملنے کا اتفاق ہوا۔

"انھوں نے علیحدگی میں چودھری صاحب کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی کہ میمورنڈم میں مسلم لیگی مطالبات کو عجیب طرح پیش کیا گیا تھا۔ جس کا نتیجہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خان نے جواب دیا کہ مسلم لیگ نے مجھے وکیل مقرر کیا ہے' مطالبات مرتب کرنا مسلم لیگ کا کام تھا' وکیل کا کام صرف موکل کے مطالبات کی وکالت کرنا ہے"۔

(مارشل لا سے مارشل لا تک' ص 319 بحوالہ "حکومت مغربی پاکستان" از سید میر نور احمد کے پانچ سوال اور ان کا جواب از فرزند توحید ص 19)

○ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ظفر اللہ خان نے تقسیم کے عمل میں کس قدر گھناؤنا کردار ادا کیا۔ روزنامہ مشرق کے ایک اداریہ سے قادیانی جماعت کے راہنما چودھری ظفر اللہ خان کے منافقانہ کردار اور خبث باطنی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"بھارت کے مشہور اخبار "ہندوستان ٹائمز" میں بھارت کے سابق کمشنر

سری پرکاش کی قسط وار خود نوشت سوانح عمری چھپ رہی ہے۔ جس میں انہوں نے پاکستان کے سابق وزیر خارجہ اور عالمی عدالت کے جج سر محمد ظفر اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ 1947ء میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو بیوقوف قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر پاکستان بن گیا تو اس سے ہندوؤں سے زیادہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا"۔ مسٹر سری پرکاش نے مزید لکھا ہے کہ "کچھ عرصہ بعد جب کراچی میں سر ظفر اللہ خان سے ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے پوچھا کہ اب قائداعظم اور پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے تو انہوں نے کہا میرا جواب اب بھی وہی ہے جو پہلے دن تھا"۔

(روزنامہ مشرق لاہور 15 فروری 1964ء)

○ معروف مسلم لیگی راہنما جناب میاں امیرالدین نے ایک انٹرویو میں اس امر کا اعتراف کیا کہ

"باؤنڈری کمیشن کے مرحلہ پر ظفر اللہ خان کو مسلم لیگ کا وکیل بنانا مسلم لیگ کی بہت بڑی غلطی تھی۔ جس کے ذمہ دار خان لیاقت علی خان اور چودھری محمد علی تھے"۔

(ہفت روزہ "چٹان" لاہور' جلد 37' شمارہ نمبر 32/ 31' 6 تا 13 اگست 1984ء)

○ اسی انٹرویو میں میاں امیرالدین نے برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے موقع پر سر ظفر اللہ خان کے کردار کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔

"اس نے پاکستان کی کوئی خدمت نہیں کی۔ بلکہ پٹھان کوٹ کا علاقہ اسی کی سازش کی بنا پر پاکستان کی بجائے ہندوستان میں شامل ہوا"۔

(ایضاً "چٹان" 6 تا 13 اگست 1984ء)

آستین کا سانپ

○ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے جب انگریزوں سے "عدم تعاون" اور

ترک موالات کے سلسلے میں تمام اہل وطن سے اپیل کی کہ وہ انگریزوں کے عطا کردہ "اعزازات" و "خطابات" واپس کر دیں تو صرف چودھری ظفر اللہ خان واحد شخص تھا جس نے انگریزوں کا عطا کردہ "سر" کا خطاب واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

(ماہنامہ "الصوت الاسلام" ص-3 فیصل آباد مدیر مولانا مجاہد الحسینی بحوالہ نوائے وقت لاہور)

○ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ "قائد اعظمؒ نے خطابات کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ کے پاس بھی تو سر کا خطاب تھا"۔ چودھری صاحب نے جواب دیا کہ انہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے کس وقت یہ اعلان کیا تھا کہ خطابات واپس کر دو۔

سوال : "قائد اعظمؒ نے خطابات کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ کے پاس بھی تو سر کا خطاب تھا؟"

جواب : مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کس وقت یہ اعلان کیا تھا کہ خطابات واپس کر دو۔

سوال : 1946ء میں

جواب : میں ان باتوں کو کوئی وقعت نہیں دیتا کہ خطاب ملے نہ ملے اور اگر خطاب ہو تو چھوڑ دیا جائے یا رکھ لیا جائے"۔

("نقش خیال لاہور" جلد نمبر 9" شمارہ نمبر 9 مئی 1980ء)

● قیام پاکستان کے بعد چودھری ظفر اللہ خان کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بنایا گیا ــــ حالانکہ مسلم لیگ کے وکیل کی حیثیت سے موصوف نے ریڈ کلف کمیشن (حد بندی کمیشن) کے سامنے نہایت منافقانہ اور معاندانہ کردار ادا کیا تھا۔ بعض مسلم لیگی کارکنوں کا کہنا ہے کہ سر میاں فضل حسین کی سفارش پر چودھری ظفر اللہ خان کو وائسرائے کونسل میں لیا جانا ایک باقاعدہ سازش تھی۔ جہاں تک بانی پاکستان قائد اعظمؒ کی ذات کا تعلق ہے' ظفر اللہ خان کو منصب وزارت پر فائز کرنے کے سلسلہ میں انہیں مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ کیونکہ:

اولاً   قائداعظم قانون دان تھے' وکالت ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔

ثانیاً   قائداعظم سیاست دان ضرور تھے' مذہبی راہنما نہ تھے۔ اس لیے کادیانی فتنہ کے مذہبی عقائد اور ان کی مخصوص سرگرمیوں سے آگاہ نہ ہو سکے۔

ثالثاً   قیام پاکستان کی جدوجہد' خرابی صحت اور ناسازگار حالات کی بنا پر محمد علی جناح کادیانیوں کے مذہبی عقائد اور سیاسی عزائم کا صحیح مشاہدہ نہ کر پائے تھے۔ لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قائداعظم بعد میں ظفراللہ خان کی وطن دشمنی' مشکوک سرگرمیوں سے آگاہ ہو چکے تھے۔ قائداعظم نے 1948ء میں راجہ صاحب محمود آباد کی کراچی آمد کے موقع پر ان کو آگاہ کیا تھا کہ

"کادیانی وزیر خارجہ (سر ظفراللہ خان) کی وفاداریاں مشکوک ہیں' میں ان پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہوں اور عملی اقدامات اٹھانے کے لیے مجھے مناسب وقت کا انتظار ہے"۔

(حوالہ قائداعظم کی ڈائری)

اس سے پہلے کہ قائداعظم کادیانی جماعت کی سرگرمیوں' ان کے سیاسی عزائم و مقاصد اور ظفراللہ خان کے مشکوک کردار کا نوٹس لیتے اور ملک و قوم کو اس خطرے سے بچانے کے لیے مناسب حل ڈھونڈتے' پیغام اجل آ گیا—— اور ہمارا عظیم قائد اور محسن ہم سے جدا ہو گیا۔

○   قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں قائداعظم محمد علی جناح جن بے پناہ مسائل اور مشکلات کا سامنا تھا—— وہ تاریخ پاکستان سے عیاں ہیں۔ ایک موقع پر قائداعظم نے فرمایا "میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں" وہ ان کھوٹے سکوں سے کام چلا رہے تھے' یہ حقائق بڑے تفصیل طلب ہیں کہ قائداعظم نے ناسازگار حالات اور بعض مجبوریوں کے تحت جنرل سر ڈگلس گریسی کو آزاد خود مختار ریاست پاکستان کی فوج کا کمانڈر انچیف' سردار جوگندر ناتھ منڈل کو وزیر قانون اور ظفراللہ خان کو وزیر خارجہ لینے کا فیصلہ بادل نخواستہ قبول کیا۔ "پاکستان کی پہلی کابینہ" اور "پاکستان کیوں ٹوٹا" کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے

کہ انگریز وائسرائے کے دباؤ کے تحت یہ فیصلے تسلیم کیے گئے۔ ان تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز وائسرائے نے ظفر اللہ خان کی تقرری پر بہت اصرار کیا اور یہاں تک دھمکی دی کہ جب تک یہ اعلان نہیں کیا جاتا اختیارات کی منتقلی نہ ہو سکے گی۔

(پاکستان کی پہلی کابینہ)

نوکر حکومت پاکستان کا خدمات کادیانی جماعت کی

سر ظفر اللہ خان پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ بنے۔ انہوں نے پاکستان کے نکتہ نظر سے ہٹ کر اپنے غیر ملکی آقاؤں کے حکم اور اپنی جماعت احمدیہ کے زاویہ نگاہ سے خارجی پالیسی وضع کی۔ چودھری ظفر اللہ خان کے کردار اور ان کے دور میں وزارت خارجہ کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے:

○۔ وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے اپنے دور وزارت میں زیادہ وقت بیرون ملک گزارا۔ چودھری صاحب پارلیمنٹ میں آنے سے کتراتے رہے۔

○۔ وزارت خارجہ سے محب وطن افراد کو نکال کر مخصوص کادیانیوں کو وسیع پیمانے پر بھرتی کیا گیا۔

○۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی پاکستان کے نکتہ نظری بجائے جماعت احمدیہ کی پالیسی کے مطابق وضع کی گئی۔

○۔ غیر ملکی ممالک میں ہمارے خارجہ دفاتر کو کادیانیت کی تبلیغ اور جاسوسی کے اڈوں میں تبدیل کیا گیا۔

○۔ اسلامی ملکوں سے روابط اور تعلقات بڑھانے کی بجائے یورپی ممالک خصوصاً امریکہ و برطانیہ سے تعلقات بڑھائے گئے۔

○۔ عرب ممالک سے رشتہ اخوت مستحکم کرنے کے بجائے انہیں پاکستان سے بدظن کرنے اور پاکستان سے دور کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی اور عربوں کی جاسوسی کے لیے مختلف ممالک میں کادیانی سیل قائم کیے گئے۔

○۔ اسلامی ہمسایہ برادر ملک افغانستان' مصر سے جان بوجھ کر تعلقات کشیدہ کیے گئے۔ جن کا خمیازہ آج تک بھگتا جا رہا ہے۔

○۔ پاکستان کے جغرافیائی محل وقوع اور وطن عزیز کے دفاعی نکتہ نظر سے ہمسایہ ملک چین کی بجائے امریکہ جیسے خود غرض ملک کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائی گئیں۔

○۔ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی بجائے دیدہ و دانستہ طور پر خراب کیا گیا اور اس مسئلے کا کوئی پائیدار حل تلاش نہ کیا گیا۔

○۔ چودھری ظفراللہ خان پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے تنخواہ قومی خزانے سے وصول کرتے تھے' لیکن اندرون و بیرون ملک وہ جماعت احمدیہ کے لیے کام کرتے تھے۔

● نامور صحافی جناب حمید نظامی مرحوم ایڈیٹر نوائے وقت لاہور نے اپنے غیر ملکی دورے سے واپسی پر اپنے اخبار میں ایک اداریے میں لکھا تھا کہ بیرونی ممالک میں پاکستان کے سفارت خانے تبلیغ مرزائیت کے اڈے اور ان کے جماعتی دفاتر معلوم ہوتے ہیں۔

چودھری ظفراللہ خان کے دور میں ناقص پالیسی کے باعث ہمیں سیاسی' اقتصادی اور ثقافتی طور پر ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ چونکہ احمدیہ جماعت برطانیہ کی خود کاشتہ اور امریکہ کی لے پالک تھی' اس لیے اس نے پاکستان کو یورپی ممالک کا دست نگر اور امریکہ کا اقتصادی بھکاری بنا دیا۔ اقوام متحدہ میں سب سے زیادہ تعداد اسلامی برادری کی تھی جب کہ پاکستان اسلامی ممالک کی سب سے بڑی مملکت تھا' اسلامی ریاستوں کے سرخیل ہونے کی حیثیت سے پاکستان کو اسلامی بلاک کی تشکیل و تنظیم کے سلسلہ میں بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے تھا لیکن سر ظفراللہ خان نے پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے اسلامی ملکوں کے ساتھ گہرے مراسم' مسلسل روابط اور روایتی گرم جوشی کے برعکس سرد مہری کا رویہ اختیار کیے رکھا۔ انہی اسلامی ممالک سے تعلقات استوار کیے گئے جو امریکہ و برطانیہ کے حاشیہ بردار تھے۔ احمدیہ جماعت کے نصب العین کے مطابق اسلام دشمنی اور اسرائیل دوستی ظفراللہ خان کے جسم میں خون کے ساتھ گردش کرتی تھی۔ گویا یوں کہ

جاسوسی کے مشن کا آغاز مرزا بشیرالدین کے دور میں شروع ہو گیا تھا لیکن چودھری ظفراللہ خان کے دور میں خارجہ وزارت کی آڑ میں کادیانی جماعت کو عربوں کی مخبری اور جاسوسی کا سنہری موقع میسر آیا اور مختلف عرب ممالک کے سفارت خانوں میں اسرائیل کی خاطر عربوں کی جاسوسی کے لیے کادیانی مہروں کو فٹ کر دیا گیا۔ عربوں کو جب کادیانیوں کی مشکوک اور پراسرار سرگرمیوں کا پتہ چلا تو ان کے نوٹس لینے سے نہ صرف ہمارا قومی وقار مجروح ہوا بلکہ پاکستان کو عربوں میں ہدف تنقید بنایا گیا۔ دمشق کے مطبوعہ رسالہ "القادیانیتہ" کی ایک تحریر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عرب ممالک میں کادیانیوں کا وجود پاکستان کے لیے بدنامی اور رسوائی کا باعث بنا۔ رسالہ لکھتا ہے:

"کہ کسی بھی عرب ریاست میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں بلکہ ان کے وجود کی بدولت پاکستان کو عربوں میں ہدف بنایا جاتا ہے"۔

○ کادیانی جماعت اور ظفراللہ خان کے کردار نے پاکستان کے وقار کو مجروح کیا۔ عربوں کی نظروں میں ہم کو کمتر کرے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

"جب عرب نمائندے فلسطین کا مسئلہ یو۔ این۔ او میں پیش کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے یو۔ این۔ او میں اپنی قرارداد کے حق میں فضا سازگار کرنے کے لیے دوست ملکوں کے نمائندوں سے ملاقاتیں کیں اور اپنی حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں وہ چودھری ظفراللہ خان سے بھی ملے اور ان سے تعاون کی التجا کی۔ ظفراللہ خان نے انہیں کہا کہ اگر ان کے امام جماعت اور مرزا بشیرالدین محمود خلیفہ ربوہ انہیں اس بات کی ہدایت کریں گے تو وہ ان کی ضرور مدد کریں گے' اس لیے آپ لوگ مجھے کچھ کہنے کی بجائے ربوہ میں ہمارے خلیفہ صاحب سے رابطہ قائم کریں۔ بیچارے عرب نمائندوں نے کسی نہ کسی طرح مرزا محمود صاحب سے رابطہ قائم کیا اور ان سے امداد کی درخواست کی۔ مرزا صاحب نے عرب نمائندوں کو یہاں سے تار دیا کہ ہم نے چودھری ظفراللہ خان کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ یو۔ این۔ او میں تمہاری امداد

کرے۔ اتفاق سے یہ تار خطیب پاکستان قاضی احمد شجاع آبادی کے ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے لیاقت علی خان مرحوم سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ مملکت پاکستان کے سربراہ آپ ہیں یا مرزا محمود اور انہیں تار اور سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ لیاقت علی مرحوم نے قاضی صاحب مرحوم سے وہ تار اور چند دوسری چیزیں لے لیں اور ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد لیاقت علی خان مرحوم شہید ہو گئے اور ظفر اللہ خان علیحدہ نہ کیے جا سکے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" لائل پور' 2 اپریل 1976ء جلد نمبر 14 شمارہ نمبر 48)

○ عرب ڈیلی گیشن نے امریکہ سے جماعت احمدیہ کے سربراہ کے نام جو تار ارسال کیا وہ قادیانیوں کے آرگن رسالہ میں شائع ہوا۔

"لیک سیکس 6 نومبر عرب ڈیلی گیشن نے امریکہ سے بذریعہ تار حضرت امام جماعت احمدیہ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے ڈیلی گیشن چودھری سر ظفر اللہ خان کو مسئلہ فلسطین کے تصفیہ تک یہیں ٹھہرنے کی اجازت دی"۔

(الفضل 8 نومبر 1947ء)

○ عرب ڈیلی گیشن کا جو تار انجمن احمدیہ لاہور کے دفتر میں موصول ہوا اس میں لکھتا ہے اس سے ہمیں بے حد اطمینان ہوا ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس سے عربوں کے مطالبہ کو بے حد تقویت حاصل ہوگی۔ سر ظفر اللہ خان کے اس بھیانک کردار اور قادیانی جماعت کے اثر و نفوذ پر حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے مرزا غلام نبی جانباز لکھتے ہیں:

"یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر چودھری سر ظفر اللہ حکومت پاکستان کی طرف سے لیک سیکس گئے تھے تو پھر عرب ڈیلی گیشن کا تار حکومت پاکستان کے نام آنا چاہیے تھا نہ کہ مرزا بشیر الدین محمود کے نام۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ چودھری سر ظفر اللہ نے عرب ڈیلی گیشن کو یقین دلایا تھا کہ میں

تو اپنے لیڈر مرزا بشیر الدین محمود کے حکم سے یہاں آیا ہوں۔ نیز اسی کے حکم سے یہاں مزید دنوں کے لیے ٹھہر سکتا ہوں۔ ورنہ عرب ڈیلی گیشن کو پاکستان گورنمنٹ سے اجازت لینی چاہیے تھی نہ کہ قادیانی خلیفہ سے۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد الفضل میں یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ چودھری سر ظفر اللہ نے واشنگٹن سے تار دیا ہے کہ مسٹر ٹرومین کے محل کے قریب احمدیہ جماعت کے دفتر کے لیے ایک بلڈنگ خرید لی گئی ہے۔

اگر مندرجہ بالا واقعات کی صحت سے انکار نہیں تو پھر اپنے ملک کے وزیر اعظم سے سوال کیا جا سکتا ہے

آپ کو ان حالات کا علم ہے؟ اگر یہ ٹھیک ہے تو کیا اسلامی ریاست کے ایک وزیر کو بیرونی دنیا میں اپنے ملک کی نگرانی کے لیے مقرر کیا جاتا ہے یا کفر کی تبلیغ کے لیے؟

جب وزیر خارجہ اپنے فرض سے غافل ہو کر دوسرے ملکوں میں یہ کھیل کھیل رہے ہوں تو کل کلاں کو اگر پاکستان کو کسی بیرونی حملے کا احتمال ہو یا اس کے استحکام کو کوئی خطرہ درپیش ہو تو خواجہ ناظم الدین کو بحیثیت وزیر دفاع سے چودھری سر ظفر اللہ سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی خواجہ صاحب ایسا بھولا آدمی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ انہوں نے ڈالمیا کے ایک اخبار جس کا ایڈیٹر مرزائی ہے کے حوالے سے پاک پارلیمان میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہندوستان ہمارے وزیر خارجہ کی بڑی تعریف کر رہا ہے۔

محترم خواجہ صاحب! اگر بھارت کے اخبارات یا بھارت کے لوگوں کی رائے ٹھیک ہے تو پھر کیا یہ بھی ٹھیک ہے؟

"بمبئی 15 جنوری بلٹز کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری سر محمد ظفر اللہ خان نے 2 جنوری کو اپنا استعفیٰ بھیج

دیا تھا۔ ابھی تک یہ استعفیٰ منظور نہیں ہوا۔ مسٹر لیاقت علی اسے منظور کر لینا چاہتے تھے' لیکن خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل کی مداخلت پر یہ طے ہوا کہ لندن سے واپسی پر مصالحت کی کوشش کی جائے گی۔

لیکن کہا جاتا ہے کہ مسٹر لیاقت علی اور چودھری ظفر اللہ میں کشمیر کے سوال پر شدید اختلافات پیدا ہو چکے ہیں"۔

(اخبار ویر بھارت' 17 جنوری 1951ء)

انہی دنوں اخبار زمیندار نے اپنے نامہ نگار نور الامین مقیم کراچی کے حوالہ سے یہ خبر شائع کی تھی کہ

"مسٹر لیاقت علی خان کی واپسی پر وزارت خارجہ میں کوئی اہم تبدیلی ہونے والی ہے"۔

گو مجھے دشمن کی ایسی باتوں پر اعتماد نہیں تاہم ویر بھارت کی مندرجہ بالا خبر پر ہماری گورنمنٹ نے کوئی تردیدی بیان پریس کو نہیں دیا۔ پریس خواہ اپنا ہو یا پرایا اس کی قوت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قوم اور گورنمنٹ دونوں کو ان پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اور پھر آج کل تو جمہوریت کا دور دورہ ہے۔ اس میں تو عوام پر اعتماد کرنا ہی پڑے گا۔ اس کے بغیر نہ گورنمنٹ ہی چل سکتی ہے اور نہ ملک کا امن ہی قائم رہ سکتا ہے۔ پریس عوام کا دوسرا نام ہے۔

مارچ کے آخری ہفتہ میں پاک پارلیمان کے حالیہ اجلاس میں وزیر خارجہ چودھری سر ظفر اللہ پر جو نکتہ چینی ہوئی اور اس پر پاکستان کے پریس نے جو کچھ لکھا ہو سکتا ہے مصروفیت کی بنا پر گورنمنٹ پاکستان کی نظروں سے وہ اخبار غیر ارادی طور پر اوجھل رہے ہوں۔ چنانچہ میں ان مضامین کو ایک کتابچہ کی صورت میں شائع کر رہا ہوں۔ تاکہ انہیں دیکھنے اور پڑھنے کے بعد پاکستان گورنمنٹ کسی اچھے نتیجے پر پہنچ سکے"۔

("وزیر خارجہ" صفحہ 5، 6، 7، از جانباز مرزا)

● جناب محمد نواز ایم۔ اے بیرون ملک قادیانی سازش بے نقاب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"ظفر اللہ خان نے وزارت خارجہ کے کام کو جس طرح چلایا اس کا اندازہ ذیل کی دو خبروں سے کیجئے۔

1- پہلی خبر یہ ہے کہ "پاکستان کے محکمہ خارجہ کی طرف سے پبلک سروس کمیشن کے صدر مسٹر شاہد سہروردی آج کل انگلستان میں ان امیدواروں سے انٹرویو لے رہے ہیں جو ہمارے سفارت خانوں میں ملازمت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خبر پاکستان پہنچی تو یہاں کے اخبارات اور عوام نے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔ لیکن حکومت پاکستان نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اسی دوران انکشاف ہوا کہ ہمارے محکمہ خارجہ کے جائنٹ سیکرٹری خیر سے یہودی ہیں اور محکمہ خارجہ کے 80 فیصد ملازمین غیر ملکی خصوصاً انگریز ہیں۔ ایک انگریزی معاصر کی اطلاع کے مطابق یہودی جائنٹ سیکرٹری گیلیٹھ کوئین تقسیم سے پہلے پنجاب ہائی کورٹ کا ایک رجسٹرار تھا۔ چونکہ یہ اپنے عہدے کے لحاظ سے ناموزوں انسان تھا اس لیے اس کو اس سے علیحدہ کر دیا گیا۔ تقسیم ملک کے بعد اس کی قسمت چمکی اور وہ وزارت خارجہ کا جائنٹ سیکرٹری بن گیا۔ چونکہ ماتحت افسران نوجوان اور ناتجربہ کار تھے اس لیے وزارت خارجہ کا سب سے زیادہ قابل اعتماد افسر خیال کیا جانے لگا۔ جب فلسطین میں یہودی عربوں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے تو اس وقت پاکستان کی وزارت خارجہ کے قابل اعتماد افسر صاحب اسرائیل میں چھٹیاں منا رہے تھے۔

(انقلاب بحوالہ کوثر لاہور 27 دسمبر 1949ء)

اس خبر کے ساتھ یہ انکشاف بھی ملاحظہ ہو

"ہمارے مصری سفارت خانے کے سٹاف میں دو نوجوان یہودی لڑکیوں کو

ملازم رکھا گیا جس سے مصری عوام اور عربی اخبارات پاکستان سے بہت ناراض ہو گئے۔ ان سے پہلے مصر میں پاکستانی سفیر کا پریس اتاچی بھی یہودی تھا"۔

(کارجمن بحوالہ کوثر لاہور 27 دسمبر 1949ء)

ہماری وزارت خارجہ کا یہ پہلا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے پاکستان کے خارجی معاملات میں یہودی اثر و نفوذ کی بنیاد رکھی جس کے نتیجے میں عرب ممالک کو پاکستان سے ناراض کر دیا۔

2- دوسری خبر ایوبی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو وزیر خارجہ تھے۔ ان کے زمانے میں ہمارے غیر ملکی سفارت خانوں پر قادیانیوں کے اثرات ملاحظہ ہوں:

"مجھے کچھ عرصہ قبل بغداد کے اندر پاکستانی سفارتخانہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ لاہوری قادیانیوں کے تبلیغی رسالے سرکاری تحویل پر نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان کو سرکاری لٹریچر سے بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور قادیانیت ہی کو پاکستان کا سرکاری مذہب سمجھا جاتا ہے۔۔۔ اس سے پاکستان کی بہت سخت بدنامی ہوتی جا رہی ہے۔ پھر یہ صرف بغداد تک محدود نہیں بلکہ جس سفارت خانے میں قادیانیوں کو ملازمت مل جاتی ہے وہ سفارت خانے کو قادیانیت کی تبلیغ کے لیے استعمال کرتے ہیں"۔

(مکتوب عبدالرحمن شادولی مقیم قاہرہ بحوالہ ایشیا لاہور 7 اگست 1962ء)

اسی طرح سر ظفر اللہ نے اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب کی حیثیت سے جزائر غرب الہند کا دورہ کیا اور اس دورہ میں ٹرینداد میں مرزا صاحب کا آخر الزمان نبی کی حیثیت سے تعارف کرایا۔

(ایشیا لاہور' 17 ستمبر 1962ء)

سر ظفر اللہ خان کی انہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ تقریباً 40 ممالک میں قادیانیوں کے 132 مشن کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک اسرائیل میں بھی

ہے۔ اس کے علاوہ ان مختلف ممالک سے ان کے 22 اخبارات و رسائل بھی نکلتے ہیں اور 57 کے قریب مدراس کام کر رہے ہیں۔

("المنبر" لاہور 14 جولائی 1967)

محکمہ خارجہ کے علاوہ قادیانیوں نے پاکستانی حکومت کے مختلف محکموں میں گھسنے کا منصوبہ بنایا اور خاص طور پر پاکستان کی فوج میں انہوں نے اپنے اثر و نفوذ کے دائرہ کو خاصی وسعت دی۔ اس سلسلے میں قادیانیوں کے خلیفہ صاحب نے اپنے مریدوں کو واضح الفاظ میں تلقین کی کہ:

"پاکستان میں اگر ایک لاکھ احمدی سمجھ لے جائیں تو 9 ہزار احمدیوں کو فوج میں جانا چاہیے..... فوجی تیاری نہایت اہم چیز ہے۔ جب تک آپ جنگی فنون نہیں سیکھیں گے کام کس طرح کریں گے"۔

("الفضل" 11 اپریل 1950)

("قادیانی عزائم اور پاکستان مسلمان" از محمد نواز ایم اے)

- قادیانیوں نے ظفر اللہ خان کی وزارت خارجہ سے اپنی جماعت کے لیے فائدے حاصل کیے۔ اس کا اندازہ اس تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔

"ہمارے سفارت خانے اور مرزائی۔

(ماخوذ از ماہنامہ الصدیق ملتان بابت ماہ جمادی الثانی 71ھ)

وزارت خارجہ کے اثر کو سر ظفر اللہ کی وجہ سے کس طرح مرزائی اپنی مرزائیت کی تبلیغ میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ واشنگٹن کے مرزائی مبلغ کی سالانہ رپورٹ میں سے جو 8 جنوری 53 کے الفضل میں چھپی ہے ایک اقتباس ہے

1 - حکومت اسرائیل کے امریکی سفارت خانے کے سیکرٹری نے واقفیت ہونے پر لنچ پر بلایا۔ اس موقعہ پر ان کو تبلیغ کی گئی اور مسئلہ فلسطین

کے متعلق پاکستانی نقطہ نگاہ کے متعلق بحث کی گئی۔

2- ڈاکٹر رالف بنچ جو مسئلہ فلسطین میں یو۔ این۔ او کی طرف سے ثالث تھے ان کے ساتھ لنچ کی تقریب پیدا ہوئی۔ اس موقعہ پر دو گھنٹے تک تعلیم السلام اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گفتگو ہوئی اور لٹریچر پیش کیا گیا۔

3- مسٹر جارج حکیم آف لبنان سے سلسلہ احمدیہ کے متعلق مفید گفتگو ہوئی۔

4- سفارت خانہ پاکستان کے بعض افسران کو مسجد میں مدعو کیا گیا اور جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات سے واقف کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہالینڈ کے مبلغ کی تقریر بھی ملاحظہ فرمایئے۔ الفضل 22 جنوری 52ء

"اراگون علاقے کے چوٹی کے اخبار "Aragon "Heralads نے خاکسار کے فوٹو کے ساتھ ایک مختصر سا آرٹیکل شائع کیا۔ دراصل جرنلسٹ نے بندہ سے دوران گفتگو بعض سیاسی حالات پر تبادلہ خیالات کیا تھا۔ جس چیز کا ذکر کیا اس میں مصر اور ایران کے تعلق میں انگریزوں کے سلوک کا ذکر تھا۔ بندہ نے انہیں بتایا کہ دنیا کے موجودہ حقیقی رہنما امام جماعت احمدیہ نے ہند و پاکستان کی آزادی سے قبل انگلستان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ انگلستان کے لیے یہ بہتر ہوگا کہ انگلینڈ ان ملکوں کو جو غلام ہیں آزاد کر دے۔ تاکہ ان ملکوں کے کئی لاکھ سپاہی اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہوئے ازخود کمیونزم کا مقابلہ کر سکیں"۔

(ماہنامہ "الصدیق" ملتان' جمادی الثانی 71ھ)

● وزیر خارجہ پاکستان چودھری سر ظفر اللہ خان کی خارجہ حکمت عملی پر تبصرہ کرتے ہوئے روزنامہ امروز لکھتا ہے:

"خارجہ حکمت عملی!

پارلیمنٹری طرز حکومت میں غالباً انوکھی یہ بات ہے کہ پاکستانی پارلیمنٹ کے اراکین کو تین سال تک وزیر خارجہ کے خیالات سننے اور ان کی موجودگی میں خارجہ حکمت عملی پر بحث کرنے کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ نائب یا قائم مقام وزیر خارجہ ان کی طرف سے وکالت کرتے رہے اور خود وزیر خارجہ یورپ یا امریکہ میں مقیم رہے۔ دوسرے ممالک میں پاکستان کی ترجمانی اور اس کی تشہیر کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن تقریباً ہر ملک میں پاکستانی سفیر اور اتحادی قوموں میں پاکستان کے مستقل اور متبادل مندوب موجود ہے۔ جن کے تقرر کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہر جگہ پاکستانی موقف کی ترجمانی ہو سکے۔ ان کے ذریعے وزیر خارجہ پاکستان میں رہ کر بھی وہی کام سر انجام دے سکتے ہیں جن کے لیے وہ طویل مسافت کی زحمت اٹھاتے ہیں۔ ملک میں ان کی موجودگی اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے اراکین اور عوام کے خیالات و جذبات سے براہ راست آگاہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن ملک سے دوری کی صورت میں وہ اس رعایت سے محروم رہتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ خارجہ حکمت عملی بین الاقوامی صورت حال کی روشنی میں تیار کی جاتی ہے لیکن کسی جمہوری ملک کا وزیر خارجہ اس معاملے میں اپنے عوام کو نظرانداز نہیں کر سکتا کیونکہ وزیر خارجہ کسی مسئلے پر ذاتی رائے کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اس کے الفاظ پوری قوم کے نظریات کہلاتے ہیں۔ اس لیے عوام اور وزیر خارجہ کے درمیان براہ راست تعلق انتہائی ضروری ہے۔ شاید اسی قرب کا فقدان ہے کہ ہمارے وزیر خارجہ نے اینگلو مصری تنازعہ کے بارے میں پہلی بار یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "پاکستان اینگلو مصری تنازعہ میں ایسے سمجھوتے کا حامی ہے جو مصری عوام کے لیے تسلی بخش ہو" ورنہ اس سے پہلے وہ اسی تنازعہ کے

بارے میں ہمیشہ پاکستان کی غیر جانبداری پر زور دیتے رہے۔ اس پر پاکستان کے عوام اور بیشتر اخبارات زبردست احتجاج کر چکے ہیں۔ کیونکہ ظالم و مظلوم کے درمیان غیر جانبداری ہمیشہ ظالم کے حق میں مفید رہتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے ایران کے بارے میں فرمایا ہے کہ "ہم نے ایران کے اس حق کو منوانے کی کوشش کی کہ وہ تیل کی صنعت کو قومی ملکیت قرار دے سکتا ہے"۔ وزیر خارجہ کے نظریات میں یہ تبدیلی بے حد امید افزا ہے کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے اینگلو ایرانی تنازعہ میں عالمی بینک کی ثالثی کی تجویز پیش کر کے اپنے تازہ ارشاد کی ترجمانی نہیں کی کیونکہ قومی ملکیت کا حق تسلیم کرنے کے بعد ثالثی کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور پھر عالمی بینک کی ثالثی جو بالواسطہ امریکہ اور برطانیہ کی ثالثی کا درجہ رکھتی کسی صورت میں قابل قبول نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایرانی حکومت اس ثالثی کو مسترد کر چکی ہے۔ وزیر خارجہ کے تازہ بیان کی روشنی میں پاکستان سفیر متعینہ ایران کے فرائض میں تبدیلی ہونا چاہیے۔ انہوں نے پچھلے دنوں فرمایا تھا کہ "تیل کی مذاکرات میں میں صرف قاصد کی حیثیت رکھتا ہوں جو طرفین کی تجاویز دیکھے بھالے بغیر ایک دوسرے تک پہنچا رہتا ہے"۔

ہمارے خیال میں پاکستانی سفیر کو اب یہ کام ایران کے کسی ڈاک گھر یا برطانیہ اور ایران کے اپنے اپنے قاصدوں کے سپرد کر دینا چاہیے اور اس کی بجائے ایران کے مطالبات منوانے کے لیے انہیں کوئی موثر اور مفید ذمہ داری اپنے سر لینا چاہیے۔

وزیر خارجہ نے فرمایا ہے کہ پاکستان مسلمان ممالک کی آزادی کے لیے کوشاں ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے لیبیا کی بھی مثال پیش کی ہے۔

"لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے وزیر خارجہ نے لیبیا میں گورا فوج کے قیام کی ہرگز مخالفت نہیں کی۔ حالانکہ غیر ملکی فوج

کی موجودگی میں لیبیا کی آزادی ادھوری رہ جاتی ہے۔ مسلم ممالک کے مسائل سے قطع نظر چودھری صاحب نے دوسرے بین الاقوامی معاملات میں بھی لائق تحسین روش اختیار نہیں کی۔ انہوں نے صلح نامہ جاپان پر دستخط کر کے جاپان میں امریکی فوج کا قیام تسلیم کر لیا"۔

حالانکہ ہم کشمیر سے غیر ملکی فوج کے انخلاء کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے کوریا کے معاملے میں بلا پس و پیش امریکی عزائم کی حمایت کر دی۔ قائداعظم کے واضح ارشاد کے باوجود ویت نام کی عوامی حکومت کو نظرانداز کیا۔ اسپین کے جمہوریت کش آمر فرانکو سے راہ و رسم بڑھائی اور امن کے دشمن ہتھیار ایٹم بم کو خلاف قانون قرار دینے کی تجویز کی حمایت نہ کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ پاکستان کو آج تک تاج برطانیہ سے وابستہ رکھنے کی حمایت کر رہے ہیں۔ اور ان کے سفیر برطانیہ اور پاکستان کے بیشتر تصورات کو ہم آہنگ بتاتے ہیں۔ حالانکہ قرارداد لاہور کی رو سے قیام پاکستان کے ساتھ تاج برطانیہ سے قطع تعلق لازمی تھا۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کے بارے میں آزاد مملکت کے وزیر خارجہ کو اپنی حکمت عملی پر نظرثانی کرنی چاہیے"۔

(روزنامہ امروز لاہور 30 مارچ 1952ء)

● سر ظفر اللہ خان نے وزیر خارجہ کی حیثیت سے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو کس قدر نقصان پہنچایا' اس کا اندازہ اخبارات کے اداریوں اور شذروں سے لگایا جا سکتا ہے۔

"ہماری وزارت خارجہ ——— برطانوی سامراج کی آلہ کار ہے

کراچی۔ گزشتہ ہفتہ پاک پارلیمنٹ میں محکمہ امور خارجہ اور رابطہ دولت مشترکہ کے مطالبات پر بحث کے دوران پاکستان کی خارجہ پالیسی کی سخت مذمت

کی گئی اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ ملک کی خارجہ پالیسی غیر ملکی اثر سے آزاد کی جائے اور امریکہ اور برطانیہ کو اپنا مائی باپ نہ سمجھا جائے۔ اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی بڑی شرمناک ہے۔ جس سے غیر ملکیوں کی نظر میں پاکستان کا وقار گر گیا ہے آج تقریباً تمام مقررین نے مسئلہ کشمیر کے تصفیہ میں تاخیر پر بھی تشویش کا اظہار کیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اگر اب اس تصفیہ میں مزید دیر لگائی جائے تو پاکستان اقوام متحدہ کی رکنیت سے مستعفی ہو جائے۔

میاں افتخار الدین نے اپنی تقریر میں تفصیل کے ساتھ بتایا کہ پاکستان کی خارجی پالیسی کس طرح سامراجی طاقتوں کے اشارہ اور ان کے مفاد کے مطابق چل رہی ہے۔ چودھری ظفر اللہ خان کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے بڑی سختی کے ساتھ مطالبہ کیا کہ انہیں اپنے عہدہ سے برخاست کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان کی وزارت خارجہ کو جو "قابل اور چالاک" وزیر خارجہ کی نگرانی میں برطانوی سامراج کی آلہ کار بن چکی ہے وزارت خارجہ کے نام سے پکارنا اس لفظ کی توہین ہے۔

میاں صاحب نے کہا کہ مسلم ممالک گزشتہ پانچ چھ سو سال سے قعر ذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ برطانیہ' فرانس' ہالینڈ اور دوسری نو آبادیاتی طاقتوں نے اقتصادی' سیاسی اور سماجی ہر اعتبار سے ان کو اپنے پنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ اتنے طویل عرصہ تک خواب غفلت میں پڑے رہنے کے بعد اب جب ان کے اندر بیداری کی ذرا سی لہر پیدا ہوئی ہے اور وہ مصر' ایران' تیونس' مراکش اور دوسرے علاقوں میں اپنے حقوق کی حفاظت اور سامراجی طاقتوں کے پنجے سے نجات پانے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں تو ہمارے وزیر خارجہ صاحب نے ان ممالک کو اپنے مسلمہ دشمنوں سے سمجھوتہ کر لینے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ہم سے اچھی تو ان ممالک کی وہ مسلم نو آبادی ہے جو

کسی تاریخی' مذہبی یا ثقافتی رشتہ نہ ہونے کے باوجود اپنے وطنی بھائیوں کی آزادی کی جدوجہد میں نہ صرف ان کا ساتھ دے رہی ہے بلکہ اسے سراہ بھی رہی ہے۔ شرم کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم ان ممالک کی مدد کرتے ہمارے وزیر خارجہ برطانیہ کی مدد کر رہے ہیں اور وہ بھی چوری چھپے نہیں علانیہ۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان مصر اور برطانیہ کے تنازعہ میں غیر جانبدار رہے لیکن فریقین میں باعزت سمجھوتہ کرانے کی کوشش کرے گا۔ میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا غلامی اور آزادی' سچائی اور جھوٹ' نیک اور برے مقصد میں کوئی سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ اگر نہیں ہو سکتا ہے تو کیا وزیر خارجہ کے کہنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ مصر سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے جائز حقوق سے برطانیہ کی خاطر دستبردار ہو جائے۔

میاں صاحب نے آگے چل کر کہا کہ گزشتہ چھ ماہ میں چودھری ظفراللہ نے ایران' مصر اور برطانیہ کے درمیان جو پارٹ ادا کیا ہے وہ قابل مذمت ہے۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ اس دعویٰ کا قدرتی تقاضہ یہ تھا کہ یہ ممالک اپنی آزادی کے لیے جو جدوجہد کر رہے ہیں' اس میں ہم ان کی مدد کرتے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مدد تو کجا ہم اپنے موجودہ رویے سے ان ممالک کو اور الٹا نقصان پہنچا رہے ہیں۔

سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی سے جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ پاکستان نے ایران اور مصر کے ساتھ ہمدردی کا اظہار تو ضرور کیا ہے لیکن یہ ہمدردی کا اظہار جس طریقے پر کیا گیا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے بھی برطانیہ اور امریکہ کا اشارہ ہی کام کر رہا ہے۔

میاں صاحب نے کہا کہ میں وزیر خارجہ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر برما کو ہتھیار بھیجے جا سکتے ہیں تو مصر کو کیوں نہیں بھیجے جا سکتے؟

آخر میں میاں صاحب نے کہا کہ وزیر خارجہ کا گزشتہ تین سال کا ریکارڈ یہی ہے کہ وہ برطانوی سامراج کے ساتھ چپٹے رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کی خدمات سے ایک وکیل کی حیثیت سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ سمجھنا غلط ہے کہ پیسے دے کر ان سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ جس طرح پیسے لے کر وہ ساری عمر برطانیہ کی خدمت کرتے رہے ہیں اسی طرح پاکستان کا کام کرنے سے بھی انکار نہیں کریں گے"۔

(ہفت روزہ حکومت کراچی' 14 اپریل 1952ء)

● "ہماری خارجہ پالیسی

پاک پارلیمان میں جب ہماری خارجہ پالیسی ہدف تنقید بنائی گئی اور اس پر کڑی نکتہ چینی کی گئی تو پارلیمان کی تاریخ میں پہلی دفعہ ہمارے وزیر خارجہ چودھری ظفراللہ خان نے ان اعتراضات کا اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا اور اس امر کی تردید فرمانے کی کوشش کی کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی اینگلو امریکی بلاک کے مقاصد کے عین مطابق ہے۔ چودھری صاحب نے اپنی تقریر میں یہ ثابت کرنے کی سعی فرمائی کہ ہماری خارجہ پالیسی بالکل آزاد ہے۔

ہم اس یقین آفرینی کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ہماری یہی تمنا ہے کہ پاکستان حقیقتاً اپنی پالیسی میں آزاد رہے۔ کہ ایک آزاد مملکت کے یہی شایان شان ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مصر' ایران اور تیونس کے تعلق سے پاکستان کی پالیسی میں خوشگوار تبدیلی آئی ہے۔ لیکن پالیسی وہی کامیاب ہے جس کے نتائج بھی کامیاب برآمد ہوں۔

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جاپان سے معاہدے کے سلسلے میں ہم نے اینگلو امریکی بلاک کی خیمہ برداری کی؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ لیبیا سے بیرونی افواج کے تخلیے کی ہم نے مخالفت کی؟ کیا یہ

حقیقت نہیں ہے کہ آج ہم نے روس سے اپنا ناطہ توڑ لیا ہے"۔

در آنحالیکہ ہمارا یہ ادعا ہے کہ ہم دنیا کے تمام ممالک سے دوستانہ تعلقات استوار کریں گے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ کوریا میں ہم نے 38 ویں عرض بلد کو عبور کرنے کی سفارش کی تھی؟ اور کیا یہ ساری باتیں اس امر کی غمازی نہیں کرتیں کہ اسی پالیسی کے اختیار کرنے میں امریکہ و برطانیہ کا فائدہ تھا؟ اور اینگلو امریکی بلاک کی رضاجوئی جو ہم نے حاصل کی آخر کس قیمت پر؟

ہمارا حریف آج بھارت ہے۔ جس کا کشمیر' دور اور جونا گڑھ پر قبضہ غاصبانہ ہے۔ مگر امریکہ و برطانیہ اسی بھارت کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اس کی جمہوریت کے گیت گائے جا رہے ہیں' اسے اربوں روپوں کی امداد دی جا رہی ہے۔

در آنحالیکہ بھارت جاپان کے معاہدے میں اینگلو امریکی بلاک کا شریک نہیں۔ چین کے بارے میں اس کی پالیسی امریکی پالیسی کے خلاف ہے۔ کوریا کے تعلق سے وہ امریکی حکمت عملی کے خلاف جا چکا ہے اور کئی امور میں وہ علانیہ روس کی طرف مائل رہا ہے۔

اب آیئے مسلم ممالک کے تعلق سے ہم اپنی خارجہ پالیسی پر نظر ڈالیں۔ ہم نے اسلامی ممالک کو اپنانے کی کوشش کی۔ مگر ہمارا پڑوسی اسلامی ملک افغانستان ہم سے خفا ہے اور یہاں بھی بھارت کی ہی پالیسی کامیاب رہی۔ ہم نے اسلامی بلاک کی تشکیل اور مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس منعقد کی جس کی زندگی کے کوئی آثار نہیں دکھائی دیتے۔ اس کے بعد موتمر عالم اسلامی کا انعقاد ہوا۔ لیکن یہ موتمر بھی صرف قراردادیں منظور کرنے تک ہی محدود رہی۔ پھر اجتماع علمائے اسلام کا اجلاس ہوا۔ جس کا حشر بھی ممکن ہے گزشتہ کانفرنسوں کا سا ہو اور اب مسلم ممالک کی مشاورتی کونسل کی تشکیل کے سلسلہ میں

ایران' افغانستان' مصر' سعودی عرب' شرق اردن' یمن' لبنان' شام' عراق' و شرق ہند کو مدعو کیا گیا ہے۔ ان میں سے ترکی' ایران اور افغانستان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اس کے متعلق عبدالرحمٰن عظام پاشا سیکرٹری جنرل عرب لیگ نے کوئی اچھے تاثرات ظاہر نہیں کیے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے اسلامی ممالک اپنے اپنے نمائندے بھیجیں اور پھر ایسی مشاورتی کونسل کی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عرب لیگ کے طرز عمل سے پتہ چلتا ہے کہ شاید مصر اسے شبہ کی نظروں سے دیکھتا ہے اور اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں اس کا حشر بھی پچھلی کانفرنسوں کا سا نہ ہو۔ یہ ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ مشرق وسطیٰ کے سارے عرب ممالک اینگلو امریکی بلاک کے استعمار سے بیزار ہیں اور اس کے چنگل سے نکلنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہی حال تیونس' مراکش اور الجیریا کا ہے۔ یہ تمام ممالک آزادی چاہتے ہیں۔ وہ پاکستان کی امداد کے بھی متمنی ہیں۔

> لیکن انہیں اس کا احساس ہے کہ پاکستان ابھی تک اینگلو امریکی بلاک کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہے۔ اس لیے کھل کر میدان میں نہیں آ سکتا۔ اس کی ہمدردیاں یا تو زبانی ہیں یا قراردادوں تک رہیں گی۔ عملی طور پر پاکستان کچھ نہیں کرتا اور اگر کچھ کرتا ہے تو انہیں اس کا شبہ ہے کہ اینگلو امریکی بلاک کا طرفدار ہونے کی وجہ سے اس کا ہر پلان اور ہر منصوبہ بہت ممکن ہے امریکہ و برطانیہ ہی کے اشارے پر اور اس طرح کہیں وہ امریکی سامراج کے بچھائے ہوئے دام ہم رنگ زمین میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

مصر ہماری ہمدردی کا شکریہ تو ادا کرتا ہے لیکن یہ شکریہ رسمی معلوم ہوتا ہے۔ انڈونیشیا کی طرح مصر بھی بھارت ہی کی طرف زیادہ مائل رہتا ہے۔ ابھی چند ہفتے ہوئے ہمارے وزیر خارجہ نے "اسرائیل" اور عرب ممالک کے اتحاد

کی بابت ایک بیان قاہرہ میں دیا تھا۔ جس پر اسلامی ممالک میں بڑی لے دے ہوئی۔ ان حالات میں مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک کی حد تک ہمیں اندیشہ ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکے گی جب تک ہم اسلامی ممالک کے اتحاد کے لیے محض مذہب ہی کو وسیلہ بناتے رہیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاسی کے ساتھ ساتھ اقتصادی اساس پر بھی اتحاد ہو۔ ان ممالک کے حکمرانوں سے کہیں زیادہ عوام کو ساتھ لیا جائے۔ اینگلو امریکی بلاک کے حلقہ اثر سے آزاد ہو کر ان ممالک کی قیادت کی جائے۔ ہمارے لیے سب سے اہم مسئلہ کشمیر کا ہے۔ کشمیر کے سلسلہ میں ہم نے برطانیہ و امریکہ اور ان کی مصلحتوں کا دوسرا نام "یو۔ این۔ او" پر بھروسہ کر کے دیکھا کہ ایک دو نہیں پورے پانچ سال سے ہم ان کی روش کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ اور یو۔ این۔ او نے اپنی روش سے اس امر کا پورا پورا ثبوت دے دیا ہے کہ وہ بھارت کے ساتھ ہیں اور ان حالات میں موسیو جیکب ملک کا یہ الزام ٹھیک ہی معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ و برطانیہ اپنے خصوصی سامراجی مقاصد کے لیے کشمیر کے بارے میں ٹال مٹول کی پالیسی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا "مخلص" امریکہ و برطانیہ کی دوستی کی خاطر ہم کشمیر قربان کر دیں گے؟

دفتر خارجہ کی طرف سے کشمیر کے بارے میں ہمیشہ پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ دنیا کی رائے عامہ ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن جو رائے عامہ ہمیں کشمیر دلا نہ سکے اسے لے کر ہم کیا کریں؟

کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم ہر دو بلاکوں سے اپنے تعلقات مساوی طور پر قائم کریں اس کے لیے ابتدائی اقدام کے طور پر ضرورت اس امر کی ہے کہ روس سے تجارتی تعلقات قائم کیے جائیں۔ ہمارے ثقافتی وفد روس جائیں تو ہم روس کے ثقافتی وفد کو مدعو کریں اس کے بعد بین الاقوامی امور میں ہم اس

کی کوشش کریں کہ ہماری پالیسی کا جھکاؤ محض امریکہ اور برطانیہ ہی کی طرف نہ ہو۔

(روزنامہ "احسان" لاہور 2 اپریل 52ء)

"ہماری خارجہ پالیسی!
(2)

کل ہم نے اپنی موجودہ خارجہ پالیسی کے مضمرات اور نتائج پر بحث کرتے ہوئے یہ رائے دی تھی کہ ہمیں ایک تو اینگلو امریکی بلاک کے حلقہ اثر سے آزاد ہونا چاہیے اور دوسرے یہ کہ تدریجی طور پر دوسرے بلاک سے بھی تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اینگلو امریکی بلاک کے چنگل سے نکل کر روسی بلاک کے چنگل میں جا پھنسیں۔ مقصد یہ تھا کہ ہم کچھ اس طرح آزاد ہو جائیں کہ ان دو بلاکوں کے تعلق سے اپنی غیر جانبداری برقرار رکھتے ہوئے بھی ان سے دوستانہ مراسم قائم رکھیں۔

آج اگر ہم دنیا کی صورت حال کا بین الاقوامی حالات کی روشنی میں مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ جہاں تک مشرق بالخصوص مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کا تعلق ہے اس وقت امریکہ اور روس دونوں اس سے دوستی کے خواہش مند ہیں۔ ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ وہ جنوب مشرقی ایشیاء اور مشرق وسطیٰ کو اپنے حلقہ اثر میں لے آئے۔ امریکہ اور روس ہر دو کی یہ خواہش ہے کہ اس خطہ ارض کے ممالک سے تجارتی و ثقافتی تعلقات قائم کریں۔ بلکہ امریکہ تو اس معاملہ میں ایک قدم آگے بڑھ چکا ہے۔ مارشل امداد چار نقاطی پروگرام اور اسی طرح پسماندہ ممالک کی معاشی امداد کے بہانے ان ممالک میں اپنے قدم جما رہا ہے اور جو لوگ امریکی سیاست پر گہری نظر رکھتے ہیں ان سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جب کبھی لاکھوں کروڑوں ڈالر کی امداد کے معاہدے ہوتے

ہیں تو اس کا اخلاقی دباؤ کیا ہوتا ہے۔ امریکہ کے پاس قارون کا خزانہ تو ہے نہیں کہ وہ یونہی لٹاتا پھرے، نہ اس کی عقل ماری گئی ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے ڈالروں کو نچھاور کرے، نہ اتنا بے وقوف ہے کہ کسی مقصد کے بغیر یہ دولت خرچ کرے۔ ترکیہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ترکیہ حلق تک ڈالر نگل چکا ہے اور اب ترکیہ کے تمام ہوائی اڈے وغیرہ امریکہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ اسی طرح مختلف نوع کے علاقائی معاہدوں کی تجاویز کا مقصد بھی یہی ہے کہ روس کے خلاف ان ممالک کو اپنے تحت لایا جائے۔ اس نوع کی امداد دراصل ایک تمہید ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا ملک اس چپقلش میں اینگلو امریکی بلاک کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا اور بڑے سستے داموں۔ اس احساس کے بعد کہ پاکستان تو بہرحال ہمارا بندۂ بے دام ہے، امریکہ نے ہمارے پڑوسی مملکت کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائیں اور ایک ہوشیار و مکار حسینہ کی طرح بھارت نے جو بیک وقت دو رقیبوں کی دلداری کر رہا تھا اپنے سودے باز عاشق سے بڑے اونچے داموں سودا طے کیا اور امریکہ نے اس احساس کے ساتھ یہ سودا طے کیا کہ بھارت کی دوستی جنوب مشرقی ایشیاء کے استحکام کے لیے از حد ضروری ہے۔

ان حالات میں ہمارا قطعاً یہ مشورہ نہیں ہے کہ ہم بھی بھارت کی تقلید کریں۔ ہماری قیمت و وقعت اس وقت تک ہی ہے جب تک ہم دونوں بلاکوں کے اثر سے آزاد ہیں۔ جب تک ہم بین الاقوامی سیاست میں ایک آزاد و غیر جانبدار طاقت کی حیثیت سے نہ ابھریں گے ہمیں امریکہ مٹی کا مادھو سمجھتا رہے گا اور روس ہم پر امریکہ کے خیمہ بردار کی پھبتی کستا رہے گا۔ اس لیے اول تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم یکبارگی اینگلو امریکی بلاک کے ریشمی بندھنوں کو توڑ کر اور اس سے قطع تعلق کر کے الگ کھڑے ہوں۔ اس کے بعد سوال یہ پیدا ہو گا کہ ہم یا ہمارے ایسے ساتھی جو کسی بلاک سے تعلق

رکھے بغیر آزاد رہنا چاہتے ہیں کیا کریں؟

یو۔ این۔ او کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ جہاں اب تک تو دو پاور بلاکوں میں رسہ کشی جاری رہتی تھی۔ لیکن وہاں چھوٹی قوموں کا ایک اور بلاک ابھرا ہے۔ جو عرب ایشیا اور افریقہ کی چھوٹی اقوام پر مشتمل ہے۔ حالات نے ان ہی ممالک کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ اس لیے کہ ان کی تاریخ ایک سی رہی ہے۔ یہ تمام ممالک یا تو کسی نہ کسی مغربی طاقت کے زیر اثر ہیں یا رہے ہیں۔

یہ سب کے سب محکوم یا نیم آزاد ہیں۔ انھیں ایک دوسرے سے ہمدردی ہونا قدرتی تھا۔ بالخصوص اس لیے بھی کہ یہ سب پسماندہ ہیں اور انھیں اس کا احساس ہے کہ کل اگر روس اور امریکہ میں خوفناک تصادم ہو جائے تو یہ ان دو چکی کے پاٹوں کے درمیان بری طرح پس جائیں گے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ بڑے ممالک انھیں للچائی نظروں سے دیکھ رہے ہیں اور ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ انھیں اپنے پنجے میں پکڑ کر رکھے اور ان کا آخری قطرہ خون تک پی جائے۔ امریکہ ہو یا برطانیہ' فرانس ہو یا ڈچ یہ جمہوریت کے لاکھ دعوے کریں' آزادی' مساوات اور اخوت کے لاکھ نعرے لگائیں لیکن ان سفید فام طاقتوں کے دماغ میں یہ سودا سمایا ہوا ہے کہ انھیں سیہ فام اقوام پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس مقصد کے لیے امریکہ' برطانیہ' فرانس ان ممالک کے کٹھ پتلی حکمرانوں کو بساط سیاست کا مہرہ بنا کر عوام کے خلاف انھیں استعمال کر رہے ہیں۔ مصر میں یہی ہوا۔ ایران میں اسی کی ناکام کوشش کی گئی اور تیونس میں یہی ہو رہا ہے۔ مگر ان ممالک میں اپنے حکمرانوں کے بر خلاف آزادی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مصر میں انگریزوں سے نفرت مصریوں کا دوسرا مذہب ہے۔ تیونس و مراکش میں مجاہدین اپنے خون سے نئی تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔ فرانس' برطانیہ' ہالینڈ کو اس کا احساس ہے کہ ان ممالک کے عوام

کی مرضی کے بغیر ان پر آسانی سے نہ حکومت کی جا سکتی ہے نہ کوئی دفاعی منصوبہ ان کے سر زبردستی تھوپا جا سکتا ہے۔

مشترکہ خطرے نے ان سب کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے اور سب کو اس کا احساس ہو چلا ہے کہ اگر ان میں اتحاد ہو تو وہ دونوں بلاکوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔ لیکن اگر یہ بکھرے رہے تو پھر انہیں ہر طاقت بڑی آسانی سے کچل دے گی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس وقت کوئی قیادت کے فرائض انجام دے۔ بکھرے ہوئے شیرازے کو سمیٹے' تسبیح کے ان بکھرے دانوں کو رشتہ اخوت میں پروئے۔ باہمی مالی' سیاسی و اقتصادی امداد کا باقاعدہ پروگرام بنائے۔ اس طرح اگر یہ تمام ممالک ایک بلاک کی شکل بنا لیں تو یہ بلاک عالمی سیاست میں توازن قوت قائم رکھ سکے گا۔

اس کی قیادت کے فرائض پاکستان کو انجام دینے چاہئیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم اینگلو امریکی بلاک کے اثر سے بالکل آزاد ہو جائیں اور ہمارے ساتھی ہمیں اس شبہ کی نظروں سے نہ دیکھیں کہ ہمارا ہر اقدام دراصل کسی بڑی طاقت کے اشارے پر ہے۔

اسی میں چھوٹی اقوام کی فلاح ہے۔ اسی طرح پاکستان طاقتور بن سکتا ہے اور اسی طرح امن عالم برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

(روزنامہ احسان لاہور 3 اپریل 1952ء)

● خارجہ پالیسی کو ہدف تنقید بناتے ہوئے روزنامہ "احسان" لکھتا ہے:

"خارجہ پالیسی کے مسئلہ پر ہم ایک سے زائد بار توجہ دلا چکے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی معین خارجہ پالیسی ترتیب ہی نہیں دی گئی۔ حالانکہ جب کوئی پالیسی ناکام ہوتی ہے تو فوراً اس پر نظر ثانی کی جاتی ہے لیکن ہمارے

یہاں مسلسل ناکامی کے باوجود اسی پالیسی پر عمل ہو رہا ہے اور طرفہ یہ کہ جب اس پر نکتہ چینی کی جائے تو اس کے جواز میں نئے نئے استدلال پیش کیے جاتے ہیں۔

قومی پالیسی کی تشکیل کے لیے دستور کی موجودگی ضروری ہے۔ اور یہاں حال یہ ہے کہ ابھی تک ہم قومی ترانہ بنا نہیں پائے۔ آئین و دستور تو ابھی دور کی بات ہے"۔

(روزنامہ "احسان" لاہور' 4 اپریل 1952ء)

● "ہماری خارجہ پالیسی

جس طرح ہمارے غیر ملکی سفارتخانے ہمارے ملک کے حق میں آج تک کوئی مفید خدمات انجام نہیں دے سکے ہیں اسی طرح ہماری وزارت خارجہ بھی اپنی پالیسی میں ہر جگہ بری طرح ناکام ثابت ہوئی ہے اور اس کی یہ ناکامی ہمیں کشمیر کی صورت میں بھگتنا پڑ رہی ہے۔

ہماری خارجہ پالیسی کے کمزور پہلوؤں سے آج ایک دنیا واقف ہو چکی ہے اور اس طرح ہمارا وہ وقار بھی مجروح ہو چکا ہے جو ایک آزاد قوم کا متاع حیات ہوا کرتا ہے۔

خارجہ پالیسی کی ناکامی کی وجہ ہی سے عالمی سیاست میں پاکستان کو ایک ایسا صفر تصور کر لیا گیا ہے جس کا نہ تو کوئی بنیادی نصب العین ہے اور نہ اپنی کوئی مضبوط روش۔ ہماری کمزور خارجہ پالیسی کے دور رس اثرات ملک کو اجتماعی حیثیت سے جو نقصان پہنچا چکے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہماری تاریخ کا عنوان کہیں ہماری کمزور خارجہ پالیسی سے شروع نہ ہو"۔

(پندرہ روزہ عزم جدید' لاہور۔ 25 مارچ 1952ء)

● روزنامہ "منشور" کراچی کے مدیر سر ظفر اللہ خان کے دور وزارت میں، "

گروہ خارجہ پالیسی کے مضمرات کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پاکستان کی خارجی حکمت عملی

سر محمد ظفر اللہ خان کا جواب

غیر متغیر حکمت عملی: "ہماری خارجی حکمت عملی بغیر تبدیلی کے جاری رہے گی"۔ اس جملے میں عزت ماب وزیر خارجہ پاکستان کے اس پورے بیان کا خلاصہ ہے جو موصوف نے دو روز پہلے اخباری نمائندوں کے سامنے جریدہ اکناسٹ کے ایک مضمون کے جواب میں دیا تھا۔ جریدہ اکناسٹ نے ایک مضمون میں پاکستان کی خارجی حکمت عملی پر سخت نکتہ چینی کی تھی، جس کو پڑھنے کے بعد یہ اثر مرتب ہوتا تھا کہ پاکستان ممالک اسلامیہ کے ساتھ اپنے تعلقات اس لیے مستحکم کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس کا اقتدار قائم ہو جائے اور یہ طرز عمل جمہوری بلاک اور خاص طور پر برطانیہ کی نظر میں شک و شبہ سے خالی نہیں۔ اکناسٹ کے اس مضمون پر جن لوگوں کی نظر پڑی وہ جانتے ہیں کہ اس مضمون کے محرکات کیا ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے اس سے پہلے اس پر تنقید کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ آج جب کہ برطانوی سامراج دن بہ دن مشرق وسطی اور مشرق قریب میں اپنی طاقت کھو رہا ہے، تمام ممالک اسلامیہ کے عوام سامراجیت سے بیزار ہو کر آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں، خود پاکستان کے عوام اپنے بھائیوں کی مصیبتوں سے متاثر ہیں اور ان کی رائے عامہ برطانیہ کے خلاف مستحکم اور مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ ایسی حالت میں اکناسٹ نے جان بوجھ کر پاکستان پر ایسے الزامات لگائے کہ جن سے کم از کم پاکستان کا سرکاری رد عمل معلوم ہو سکے۔ چنانچہ ہمارے رد عمل سے پھر ایک بار برطانیہ کو یقین ہو گیا کہ پاکستان کی حکمت عملی بلا کسی تغیر کے جاری رہے

کی۔

دولت عامہ کی رکنیت: پاکستان دولت عامہ کا مکمل رکن ہے۔ وہ بھارت کی طرح محض نام و نمود کا رکن دولت عامہ نہیں ہے' اس لیے پاکستان کی خارجی حکمت عملی وہی ہوگی جو دوسرے ارکان دولت عامہ مثلاً جنوبی افریقہ' اور آسٹریلیا کی ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان کے متعلق کم از کم برطانیہ کو کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ برطانیہ تو ایک طرف پورے جمہوری ممالک' خصوصیت کے ساتھ ممالک متحدہ امریکہ اس کو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ پاکستان کی خارجی پالیسی ان چار سال میں بالکل ان کے حسب منشا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ممالک متحدہ امریکہ اور برطانیہ' پاکستان اور بھارت کے ہر سے بے نیاز ہو کر بھارت کی دلجوئی کے خواہاں رہتے ہیں اور جب تک پاکستان دولت عامہ میں موجودہ ذہنیت کے ساتھ شامل ہے' سیاسیات کا معمولی طالب علم بھی اس پر شبہ نہیں کر سکتا کہ اس کی خارجی حکمت عملی بغیر تبدیلی کے جاری رہے گی۔

خارجی حکمت عملی: خارجی حکمت عملی ہو کہ داخلی' ہمیشہ اپنی ذات میں دو پہلو رکھتی ہے۔ ایک وہ پہلو جس کا تعلق کسی مملکت کے بنیادی حقائق سے ہو یعنی ہر مملکت اپنی آزادی' سالمیت اور ترقی کے لیے ایک نصب العین رکھتی ہے۔ ان ہی بنیادوں پر اس کی حکمت عملی تعمیر ہوتی ہے۔ ہر حکمت عملی کا یہی وہ پہلو ہے جو مشکل سے تغیر پذیر ہوتا ہے۔ لیکن اس حکمت عملی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مملکت کے متذکرہ بالا مقاصد کے حصول' تکمیل اور پیش رفت میں حالات زمانہ کے لحاظ سے تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں۔ اس لیے محض یہ کہہ دینا کہ خارجی حکمت عملی بغیر تبدیلی کے جاری رہے گی' کافی نہیں ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے وزیر خارجہ نے اس قدر تفصیلی بیان دیا۔ اس بیان میں کہیں اس کا ذکر نہیں آیا کہ پاکستان کن اصولوں پر اپنی خارجی حکمت

عملی کی بنیاد رکھتا ہے۔ لیکن تقسیم کے ساتھ پاکستان نے ان چار سال میں مختلف اسلامی ممالک کے متعلق جو حکمت عملی اختیار کی ہے اس کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا کہ پاکستان مسلم مملکتوں کو اپنی برادری سمجھتا ہے اور وقت پر ان کی مدد کرنا اپنے لیے فرض سمجھتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے فلسطین کے مسئلہ پر پاکستان کی بے باکانہ تائید کا ذکر کیا گیا۔ فلسطین کا معاملہ اسرائیلی حکومت اور عربوں کے درمیان تھا اور ان عرب ممالک سے اس کو واسطہ تھا جو یا تو برطانیہ کے زیر اقتدار تھے یا فرانس کے۔ ظاہر ہے کہ اسرائیلیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو یہ دونوں سامراجی قوتیں اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگی تھیں۔ کہیں اسرائیلی مملکت کی اشتراکی طرز روش آئندہ چل کر خطرناک نہ ثابت ہو۔ یہی وجہ تھی کہ شام کے نمائندے نے بھی اس سلسلہ میں نہایت بے باکانہ تقریر کی۔ اس کے بعد تفصیل سے مراکش' تیونس' مصر اور ایران کے معاملات میں پاکستان کی تائید کو واضح کیا گیا۔ اب ہم ہر مسئلہ کو الگ الگ دیکھیں گے۔ مراکش پر اسپین اور فرانس کا قبضہ ہے' اس لیے دولت عامہ کا ایک رکن نہایت آزادی سے اس معاملہ میں جدوجہد کر سکتا ہے۔ یہی حال تیونس کے مسئلہ کا ہے۔ پاکستان نے فرانس کے مقابلہ میں تیرہ عرب ایشیائی ممالک کو متحد کیا اور اب تک اس کی یہ جدوجہد جاری ہے۔ لیکن یہی کیفیت ہم مصر اور ایران کے مسئلہ میں نہیں دیکھتے۔

اس سلسلے میں مصر نے نہ صرف اس زبردستی کے معاہدہ کو کالعدم قرار دیا جو مصر اور برطانیہ کے درمیان تھا بلکہ سوڈان پر شاہ فاروق کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلہ میں پاکستان کی جانب سے کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ ایران اور دوسرے چھوٹے ملکوں نے سوڈان پر مصری اقتدار کو تسلیم کر لیا لیکن پاکستان کے عوام انتہائی بے چین ہونے کے باوجود اس کی جانب سے کسی قسم کا اقدام سوائے زبانی ہمدردی کے اور کچھ نہیں ہوا۔ ایران کے مقدمہ میں تو ہم اور

بھی نمایاں طریقہ سے دولت عامہ کے رکن رہے۔ ایران ہمارا ہمسایہ ہے۔
ایران سے مذہبی، ثقافتی اور ہر قسم کی وابستگی ہے۔ لیکن اینگلو ایرانین کمپنی اور
ایران کے جھگڑے میں جب ایران کے تیل کے کارخانوں کو برطانیہ نے اپنی
ریشہ دوانیوں سے روک دیا اور ایران کے تیل کو فروخت ہونے سے باز رکھا
تو ہم اتنی قربت کے باوجود کچھ نہیں کر سکے۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر سمندری
ذرائع سے ہم ایران کا تیل حاصل نہیں کر سکتے تو ہمیں خشکی کے وسائل
حاصل ہیں۔ لیکن ہم دولت عامہ میں رہ کر کسی طرح برطانیہ کی مرضی کے
خلاف ایران کا تیل نہیں خرید سکتے تھے۔ ہمارے وزیر خارجہ نے آکنامسٹ
کے اس الزام کا بھی جواب دیا کہ کراچی میں اتحاد عالم اسلام کے لیے کثرت
سے کانفرنسیں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے صرف دو معاملات میں سرکاری دلچسپی کا
اعتراف کیا، ایک بین الاقوامی اسلامی معاشی کانفرنس اور دوسرا ممالک اسلامیہ
کے وزراء کی مجوزہ کانفرنس۔ پہلی کانفرنس اپنی نوعیت میں براہ راست سیاسی
نہیں ہے اور دوسری کانفرنس ممالک اسلامیہ کی حکومتوں کی کانفرنس ہے۔ جن
میں سے اکثر مغربی سامراجی طاقتوں کے بھی زیر اثر ہیں۔ اس جواب سے تمام
ایسی کوششیں سرکاری دلچسپی سے خارج ہو جاتی ہیں جن کا تعلق عالم اسلام کی
سیاسی اور معاشی جدوجہد آزادی سے ہے۔ اس سلسلہ میں وزیر خارجہ پاکستان
نے اس چیز کو کہ پاکستان عالم اسلام کی قیادت کی کوشش کر رہا ہے، الزام سمجھ
کر پر زور تردید کی۔ قیادت کے معنی دوسری مملکتوں کے معاملات میں مداخلت
یا ان پر حصول اقتدار کے ہیں تو یہ تردید یقیناً بر محل ہے۔ لیکن اگر قیادت کے
معنی یہ ہیں کہ پاکستان چونکہ خدا کی عنایت سے اسلامی ممالک میں سب سے
بڑا اور صاحب وسائل ملک ہے اس لیے اس پر اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی
رہبری کا فرض عاید ہوتا ہے تو ہم کسی طرح اپنے اس اعزاز سے محض
آکنامسٹ کے اعتراض کی بنا پر شرمندہ نہیں ہیں۔ اسی طرح جمہوری بنا ۔ کی

قیادت کسی کے کہے بغیر بھی ممالک متحدہ امریکہ کو حاصل ہے اور اشتراکی بلاک کی سرداری کا شرف کسی نہ کسی کو حاصل ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ہمارے پاس مخدومیت اسی کو ملتی ہے جو سب سے زیادہ خدمت کر چکا ہو۔

بھارت اور پاکستان: ہماری خارجی حکمت عملی کے اثرات نمایاں طور پر بھارت کے مقابلہ میں ظاہر ہیں۔ جونا گڑھ اور حیدر آباد کے واقعات تو پرانے ہیں' کشمیر ہی کو لیجئے۔ آج چار سال سے ہم دولت عامہ کی رکنیت کا حق ادا کر رہے ہیں اور کشمیر کے قضیئے میں ہر تجویز پر بلا پس و پیش لبیک کہے جا رہے ہیں۔ اس کے برخلاف بھارت ہر تجویز کو ٹھکرا رہا ہے۔ نہ اس کو برطانیہ کی لاج ہے نہ ممالک متحدہ امریکہ کی خوشنود کا خیال۔ یہاں تک کہ مجلس اقوام متحدہ کی منظورہ قرارداد کو بھی اس نے بازیچہ اطفال بنا دیا۔ لیکن ہماری اس دیانت داری اور وفاداری کا صلہ یہ ہے کہ وہی برطانیہ جس کی خاطر ہم سب کچھ کر رہے ہیں' پاکستان کے شہری کو گرفتار کر کے بھارت کے جذبہ انتقام کی نذر کر رہا ہے۔ اور بھارت بین الاقوامی تعلقات کو بالائے طاق رکھ کر پاکستان کے سفیروں کے خلاف بھی اپنے تیسرے درجے کے ججوں کے ذریعے گرفتاری کے وارنٹ جاری کرتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر اگر ان چیزوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہماری خارجی حکمت عملی میں قومی خودداری اور ملت کی عصبیت کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ البتہ قانونی موشگافیوں اور تاویلات میں ہمارا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

خارجی اور داخلی حکمت عملی ـــــ جہاں ہماری خارجی حکمت عملی تغیر پذیر ہے وہاں ہماری داخلی حکمت عملی کچھ اور ہی رہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک ہماری مملکت نے مشکل سے مشکل مراحل کی قدر کا قیام تجارت کی توسیع زراعت کی اصلاح اور ملک کو صنعتی بنانے کی تدابیر' غرض قومی تعمیر کے ہر رخ میں ہماری حکمت عملی کے نتائج اگر انتہائی شاندار

نہیں تو ترقی پذیر اور قابل مبارکباد ضرور ہیں۔ اس کے برخلاف ہم اپنی خارجی حکمت عملی کو دیکھیں تو ہماری حالت 1947ء سے برابر انحطاط کی طرف مائل ہے۔ اشتراکی بلاک کی جانب سے پاکستان کا ذکر اس طرح ہوتا ہے جیسے پاکستان برطانیہ کی زر خرید مملکت ہے۔ امریکہ میں گو مرحوم قائد ملت کی کوششوں سے پاکستان متعارف ہوچکا ہے لیکن آج بھی امریکہ کی رائے عامہ پاکستان کو ہندوستان کا جزو سمجھتی ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کے خطوط بغیر انڈیا کے حوالہ کے نہیں آتے اور وہاں کے نقشوں میں اکثر پاکستان کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ مشرق وسطیٰ اور مشرق قریب میں پاکستان وہ مقام حاصل نہ کر سکا جو اس کا حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم ممالک کے عوام پاکستان کے عوام سے روحانی رشتہ رکھتے ہیں' لیکن سیاسی معاملات میں وہ پاکستان کو برطانیہ سے الگ کر کے سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت کے اکثر اخبارات وقتاً" فوقتاً" ایسے مضامین شائع کرتے ہیں جس میں وہ بھارت کو مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید میں پاکستان سے زیادہ مقبول قرار دیتے ہیں۔

حکمت عملی نتائج سے جانچی جاتی ہے: عزت ماب وزیر خارجہ نے مسلم ممالک کے ساتھ مختلف سیاسی مراحل میں پاکستان کی جانب سے جو خدمات کی گئی ہیں' اس کا تفصیل سے ذکر کیا۔ کہیں آپ نے اپنے بیان میں ان فوائد کا حوالہ نہیں دیا جو پاکستان کو دولت عامہ میں شرکت سے حاصل ہوئی ہیں۔ ہم نے نہایت دیانت داری سے اس پہلو پر غور کیا کہ واقعی اس چار سال کی مدت میں پاکستان کو دولت عامہ میں رہنے سے کتنے فائدے حاصل ہوئے لیکن اس کوشش کے بعد بھی ہمیں یہ نظر آیا کہ تمام فائدے یک طرفہ ہیں۔ ہماری شرکت کے بل پر برطانوی معاشی سامراجیت چل رہی ہے۔ ہماری شرکت کی وجہ سے ہماری حکومت میں برطانیہ کے بڑے بڑے افسر موجود ہیں جن سے ہمارے دفاعی محکمے بھی خالی نہیں ہیں۔ ہماری شرکت کی بنا پر برطانوی

کمپنیاں خود پاکستان میں بیٹھ کر تہ صرف اربوں روپیہ کما رہی ہیں بلکہ پاکستان کے مسلمانوں کے ساتھ اچھوتوں کا سا سلوک کر رہی ہے۔ قائدے تو ایک طرف، جہاں پاکستان کی عزت اور پاس نفس کا معاملہ آتا ہے، وہاں بھی برطانیہ کی عدالتوں کے علاوہ برطانیہ کی حکومت بھی پاکستان کے خلاف رجحان رکھتی ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم اسٹرلنگ بلاک اور اسٹرلنگ بیلانس کے مسائل میں پاکستان کے ساتھ برطانیہ کے سلوک کو پیش کرنا نہیں چاہتے ہیں۔

کیا خارجی حکمت عملی ناقابل تبدیل ہے: ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے وزیر خارجہ نے جس مدلل طریقے سے اکنامسٹ کے مضمون کا جواب دیا ہے اس میں صرف یہی اصول شدت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ پاکستان دولت عامہ کا رکن ہے، اس لحاظ سے وہ اپنی خارجہ حکمت عملی بغیر تغیر کے جاری رکھے گا اور برطانیہ کا اسی طرح دوست رہے گا جس طرح اب تک وہ رہا ہے۔ اس کا عالمی ردعمل یقیناً پاکستان پر جمہوری بلاک مزید نوازشوں کا باعث بنے گا۔ ہماری قدرداریوں کا جتنا یقین ان دولتوں کو ہوگا اتنا ہی ہم ناقابل اعتبار بنیں گے۔

عالمی ردعمل کا دوسرا رخ یہ ہے کہ خارجی حکمت عملی کی اس وضاحت کے بعد امریکہ ایک طرف مشتبہ ہو جائے گا اور دوسری طرف اشتراکی بلاک ہم سے اور زیادہ دور ہو جائے گا۔۔۔۔ کیا خارجی حکمت عملی وہ حرف آخر ہے جو مسلسل ناکامیوں اور نقصانوں کے بعد بھی بلا تغیر جاری رہے گی؟ یہ سوال پاکستان کے ہر صاحب فکر کے دماغ میں گردش لگا رہا ہے۔ تاہم عزت مآب سر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ ہماری حکمت عملی پاکستان کے لیے بڑے خیر و برکت کا باعث ہے۔۔۔۔"

(روزنامہ "لشکر" کراچی، 5 جون 1953ء)

(یوم پنج شنبہ، ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ، اڈیٹر سید صاحب)

کوالالمپور

● ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور کی ایک خبر ملاحظہ فرمایئے۔

"حکومت ملائیشیا نے پاکستان کے چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان کی کتاب "(Islam's meaning for Modren Man." "اسلام کا مفہوم دور جدید کے آدمی کے لیے" کی اپنے ملک میں خرید و فروخت اور درآمد کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔ حکومت کے نزدیک سر محمد ظفر اللہ خان کی یہ کتاب ملائیشیا کے سرکاری مذہب اسلام کے عقائد و نظریات کے منافی ہے۔ ایک اور مصنف فرانسس پوٹر کی کتاب "عظیم مذہبی قائدین" کو بھی ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ملائیشیا کے ریڈیو کے تبصرے کے مطابق اس کتاب میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ناروا مواد شائع کیا گیا ہے"۔

(ہفت روزہ "المنبر" ص ۱۱ جلد نمبر 9 ش 12، 11 دسمبر 1964ء)

"امریکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کی اشاعت پر پاکستانی سفارت خانہ کا احتجاج

مگر (ظفر اللہ خان کی) وزارت خارجہ کا اس احتجاج پر سخت ناراضگی کا اظہار

سر ظفر اللہ کی آنحضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے ساتھ دشمنی ملاحظہ ہو کہ حال ہی میں امریکہ کے ایک ہفتہ وار رسالے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک فرضی تصویر شائع ہوئی ہے اور امریکہ میں پاکستان کا سفارت خانہ اس پر احتجاج کرتا ہے۔ مگر سر ظفر اللہ خان کی وزارت خارجہ اس احتجاج پر ازحد ناراض ہوتی اور اسے تنبیہہ کرتی ہے کہ آئندہ بلا اجازت ایسے (نیک) کام نہ کیا کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ظفر اللہ اور مرزائیوں کی عقیدت

"حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے تو کچھ بھی نہیں' ہاں مرزا قادیانی پر جان نثار کرنے کے لیے تیار ہیں۔

(ملاحظہ ہو روزنامہ امروز لاہور' 19 جون 1952ء، ص 12

"امریکہ کے کثیر الاشاعت ہفتہ وار رسالہ "ٹائم" نے اپنی ایک حالیہ اشاعت میں رسول کریمؐ تصویر چھاپی تھی اور پاکستان کے گوشہ گوشہ سے اس کی سخت مذمت کی گئی۔ چونکہ اس سے پہلے بھی اس قسم کے واقعات پیش آ چکے ہیں اور پاکستان ان پر سفارتی احتجاج کر رہا ہے۔ اس لیے اس مرتبہ بھی واشنگٹن کے (پاکستانی) سفارت خانے نے فوراً ہی امریکی حکومت سے احتجاج کیا لیکن اعلیٰ وزارت خارجہ (سر ظفر اللہ خاں وغیرہ) کا رویہ چونکہ اب بدل چکا ہے اس لیے اسے جیسے ہی یہ پتہ چلا تو پاکستانی سفارت خانے کو فوراً ہی ایک سخت ہدایت نامہ بھیجا گیا کہ پاکستان اسلام کے وقار کا تنہا محافظ نہیں ہے۔ آئندہ اس قسم کے احتجاج نہ کیے جائیں"۔

(ایضاً)

سر ظفر اللہ برطانوی عدالت میں مقدمہ کیوں؟

پاکستانی کادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد سر ظفر اللہ خان نے برطانیہ میں رابطہ عالم اسلامی مکہ کے ایک راہنما کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ انہوں نے کادیانیت کے خلاف کیوں لکھا۔

"یہ عجیب منطق ہے کہ قادیانی لیڈر ملکی مسائل کے بارے میں باہر بیٹھ کر شور و غوغا مچا رہے ہیں اور بیرون ملک کی عدالتوں میں پاکستانی زعما پر مقدمات دائر کر رہے ہیں اور ان کی جسارت اس حد تک کہ سعودی اکابرین کو بھی اس میں ملوث کر رہے ہیں۔

74ء کے ربوہ کیس کے بعد سے قادیانی اپنی اناری میں اس حد تک بڑھتا

گئے کہ وہ کسی بھی جارحانہ قدم سے نہیں چوکتے اور نہیں سوچتے کہ ہم جو قدم اٹھا رہے ہیں' وہ غلط ہے یا صحیح اور یہ کہ اس کا ردعمل کیا ہو گا۔۔۔؟

حال ہی میں قادیانی بھگت سر ظفر اللہ نے لندن کی عدالت میں جناب عبدالغفور احمد اور رابطہ عالم اسلامی مکہ المکرمہ کے قابل احترام راہنما' جو رابطہ کے آرگن اخبار "العالم الاسلامی" کے مدیر بھی ہیں' کے خلاف ایک مقدمہ دائر کیا ہے' اس بنیاد پر کہ انہوں نے قادیانیت کے خلاف کچھ کہا۔۔۔؟ اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری۔ امت کے ان باغیوں نے ملت اسلامیہ' اسلام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم' امہات المومنین' صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف اپنی کتب اور رسائل میں جو بکواس کی ہے اور امت کے خلاف جن سازشوں میں یہود و ہنود کے ساتھ شریک ہیں' خواہ وہ پاکستان کے خلاف ہوں یا اقصیٰ پر یہود کا قبضہ ہو' مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر یا زعیم اسلام فیصل اعلیٰ الرحمتہ مقامہ کی شہادت ہو' میں ان کے ہاتھ خون سے رنگین ہیں۔ مگر الٹا وہ ہمیں ہی کوستے ہیں۔۔۔؟ ایں چہ بوالعجبیست؟

ذیل میں ہم اخبار "العالم الاسلامی" مکہ المکرمہ کا ایک مقالہ مع ترجمہ دے رہے ہیں' جس سے صحیح صورت حال بھی واضح ہو گی اور اس گروہ کی عقل و دانش سے پردہ بھی اٹھے گا۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اکابرین' عوام' علماء' متحدہ جمہوری محاذ اور حکومت پاکستان کے لیے وہ باتیں لمحہ فکریہ رکھتی ہیں' جو صاحب مقالہ نے انہیں مخاطب کر کے کہی ہیں!

ہم توقع رکھتے ہیں کہ مکہ المکرمہ سے جو آواز آئی ہے اس پر اہل پاکستان کان دھریں گے اور مناسب اقدام کریں گے۔ (ادارہ)

(جلد 20' شمارہ 30/31' ہفت روزہ "المنبر" 13/20 اگست 1975ء)

● سر ظفر اللہ خان اور قادیانی جماعت نے پاکستان کو اسلامی برادری سے ہٹا کر مغربی بلاک میں شامل کرنے کی پالیسی اختیار کیے رکھی۔ اس ضمن میں وزیر خارجہ ظفر اللہ نے خارجہ پالیسی کی حکمت عملی ایسی اختیار کی کہ پاکستان کو عالم اسلام کی بجائے مغربی ممالک کا دست نگر بنا دیا۔ آفاق کا اداریہ لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

"کوتاہیاں اور مسل انکاریاں

معاصر محترم "زمیندار" نے پاکستان کی "قومی پالیسی اور اس کے آئین" پر اپنے افتتاحیہ میں آج تبصرہ کیا ہے۔ معاصر نے لکھا ہے کہ:

اگرچہ پاک پارلیمان نے برسر اقتدار پارٹی کے غیر نمائندہ ارکان کی اکثریت کے بل بوتے پر اس معاشی اور مالی لائحہ عمل پر مہر ثبت کر دی ہے جس کا خاکہ بجٹ کی تقریر میں کھینچا گیا تھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اگر ان تمام تختہ چینیوں کا مکمل غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے جن کا تختہ مشق حکومت پاکستان کی حکمت عملی کو بنایا گیا تو ایک ہی نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ جہاں تک قومی پالیسی کا تعلق ہے اس کی بنیاد ہی دکھائی نہیں دیتی"۔

بے شک ہمیں معاصر کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ جہاں تک موجودہ حالات کا تعلق ہے' حکومت پاکستان کے ہاں قومی پالیسی کی بنا پر کوئی بنیاد دکھائی نہیں دیتی اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس کا داخلی اور خارجی نظام کار چلے کے کسی سوچے سمجھے ہوئے لائحہ عمل پر نہیں چل رہا۔ باقی رہا یہ سوال کہ چونکہ پاک پارلیمنٹ میں برسر اقتدار پارٹی کے ارکان غیر نمائندہ ہیں' اس لیے ان کی اکثریت کے بل بوتے پر جو معاشی اور مالی لائحہ عمل منظور ہوتا ہے وہ قومی پالیسی کا آئینہ دار نہیں ہو سکتا۔ تو یہ ایک ایسی بات ہے جو میاں افتخار الدین آئے دن پاک پارلیمنٹ میں کہتے رہتے

ہیں اور اسی بنا پر وہ اپنے کو پاکستان کے 90 فیصد عوام کا نمائندہ کہتے نہیں جھجکتے۔

معاصر محترم نے سب سے پہلے پاکستان کی خارجی پالیسی پر تنقید فرمائی ہے۔ معاصر کے الفاظ میں:

"خارجہ حکمت عملی کی مدافعت میں وزیر متعلقہ نے جو تقریر کی ہے، اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے جن ہدایات کو عملی جامہ پہنایا وہ کسی اصول یا ضابطے پر مبنی نہیں ہیں"۔

بلکہ معاصر کے نزدیک "چونکہ تقسیم سے پہلے بھی ان کو وزارت خارجہ کی گدی پر بیٹھنے کا موقع ملا' اس لیے وہ اب بھی اس پر قابض رہنے کے حق دار ہیں اور خارجہ مسائل کے تصفیہ کے لیے انہوں نے جو راہ اختیار کی ہے' وہ چونکہ ان کی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق بہترین ہے' اس لیے پاکستان کے عوام کو بھی اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا"۔

معاصر موصوف کے ان الفاظ سے ممکن ہے خود وزیر خارجہ پاکستان تو شاید اختلاف کریں لیکن جہاں تک پاکستان کے فہمیدہ طبقوں کا تعلق ہے' ان کا ایک فرد بھی اس سے اختلاف نہیں کرے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے وزیر خارجہ کی خارجی پالیسی ہر لحاظ سے ناکام ہو چکی ہے۔ ہم نے اینگلو امریکی بلاک سے ضرورت سے زیادہ دوستی کے تعلقات بڑھائے لیکن اس دوستی سے ہمیں فائدہ کے بجائے الٹا نقصان ہوا۔ کیونکہ اس سے بھارت کی سیاسی اہمیت بڑھ گئی اور اسے اس بلاک نے منہ مانگی قیمت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور جیسا کہ "ڈان" نے پچھلے دنوں لکھا ہے کشمیر کے معاملے میں بھی اینگلو امریکی بلاک اب بھارت کی طرف جھک رہا ہے۔

ہم نے اسلامی بلاک بنانے کا نعرہ لگایا اور گزشتہ چار سالوں میں لاکھوں روپیہ ہوگا' جو اسلامی ملکوں کے نمائندوں کو کراچی کانفرنسوں میں بلانے پر صرف کر دیا لیکن اس سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا اور ابھی تو اور زیادہ دن نہیں ہوئے کہ ہمارے وزیر خارجہ پیرس سے واپسی پر انقرہ' بیروت' دمشق اور قاہرہ تشریف لے گئے اور قاہرہ میں اسلامی ملکوں کی ایک مشاورتی کونسل کی تشکیل کا اعلان بھی کیا اور اس ضمن میں یہ خبر بھی چھپی کہ اپریل میں تمام اسلامی ملکوں کی حکومتوں کے نمائندے کراچی میں آ رہے ہیں۔ لیکن تین چار دن ہوئے "ڈان" میں ترکی کے ایک مشہور اخبار "وطن" کے ایڈیٹر کا ایک خط چھپا ہے' جس میں پاکستان کی خارجہ پالیسی پر سخت اعتراضات کیے گئے ہیں۔ بلکہ ترکی اخبار نویسوں کا ایک وفد جو آج کل بھارت میں گھوم رہا ہے اس کے بعض ارکان نے بھی پاکستان کی خارجہ پالیسی پر نکتہ چینی کی ہے اور یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی ملکوں میں سے ترکی ہماری خارجہ پالیسی سے متفق نہیں اور ظاہر ہے ترکی کے اخبار اسلامی ملکوں کے اتحاد کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔

قاہرہ کی تازہ خبر ہے کہ عرب لیگ کے ارکان نے بھی چودھری ظفر اللہ خان کی تجویز کردہ اسلامی ملکوں کو مشاورتی کونسل کے متعلق زیادہ دلچسپی کا اظہار نہیں کیا' بلکہ ان میں سے بعض اس اقدام کے کچھ اور معنی پہنا رہے ہیں اور مصر و شام و لبنان تو خاص طور پر اس قسم کی مشاورتی کونسل کے خلاف ہیں۔

یہ تو ہوا ہمارے وزیر خارجہ کی گزشتہ چار سال کی سیاسی سرگرمیوں کا انجام جو ظاہر ہے' اچھا خاصہ حیرت ناک ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں معاصر محترم "زمیندار" کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کہ پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کسی اصول یا ضابطے پر مبنی نہیں ہے۔

اس کے بعد قومی زبان کا مسئلہ آتا ہے۔ اس معاملے میں ایک طرف مسٹر نورالامین نے جس عدم تدبر، بے صبری اور جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ اپنی جگہ کچھ قابل افسوس نہیں اور دوسری طرف پاکستان کی مرکزی حکومت جس تذبذب میں مبتلا ہے، وہ اچھا خاصہ تکلیف دہ ہے۔

ایک اور مسئلہ شہری آزادی کا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک صوبے میں اخبار تک نکالنے کی اجازت نہیں دی جاتی اور جو کوئی زبان اعتراض کھولے، اسے سیفٹی ایکٹ میں دھر لیا جاتا ہے اور دوسرے صوبے میں تقریر کی بھی آزادی ہے اور تحریر کی بھی۔ حالانکہ دونوں صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارتیں ہیں، جو قانوناً اور عملاً مرکزی مسلم لیگ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اب اگر پاکستان ایک وحدت ہے اور اس پر ایک ہی سیاسی جماعت مسلم لیگ، کی حکومت ہے تو ضروری ہے کہ جہاں تک نظم و نسق کے بنیادی اصول ہیں، ان میں تمام صوبائی حکومتیں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہوں اور یہ نہ ہو کہ ایک صوبے میں تو "نادر شاہی" ہو اور دوسرے صوبے میں جمہوریت پر تقریریں کی جائیں۔ اس سلسلے میں معاصر "زمیندار" کا یہ کہنا بالکل بجا ہے:

"ابھی تک اتنا بھی طے نہیں ہو سکا کہ ہمارا ملک کس حد تک آزاد ہے اور اسے تحریر و تقریر کے معاملے میں اپنے عوام کو کس حد تک چھوڑ دینا ہے"۔

اور سب سے بڑا معاملہ آئین کا ہے۔ چار سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے لیکن اب تک پاکستان کا آئین نہیں بنا۔ حالانکہ استحکام کے لیے سب سے ضروری چیز آئین کا بنانا تھا۔ بقول معاصر "زمیندار" کے:

"اگر آئین موجود ہوتا تو افتراق و تشتت کی گنجائش ہی کہاں تھی"۔

آئین کی تکمیل کے سلسلے میں بارہا وعدے کیے گئے۔ لیکن اب تک

ایک وعدہ بھی ایفا نہیں ہوا اور آئین کا معاملہ ہے کہ برابر ٹلتا جا رہا ہے۔ ایک نیا ملک جس نے بڑی جدوجہد کے بعد آزادی حاصل کی ہو' چار سال سے زیادہ عرصہ ہو جائے اور اس کا آئین نہ بنے اور اس پر اسی پرانے آئین کے مطابق حکومت ہو جو اجنبی تسلط کی یادگار ہے' اس سے زیادہ افسوس ناک بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

خارجہ پالیسی کا کسی واضح اصول پر مبنی نہ ہونا' قومی زبان کے معاملے میں مرکزی حکومت کا کوئی مثبت اقدام نہ کرنا' شہری آزادی کے معاملے میں کسی معین ضابطے کا عدم تعین اور سب سے زیادہ یہ کہ آئین کا نہ بنانا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے پاکستان کی قومی پالیسی کا تعین نہیں ہو رہا اور پاکستان کے مختلف حصوں میں ایک عام افراتفری پھیل رہی ہے۔ ضرورت ہے جیسا کہ معاصر "زمیندار" نے لکھا ہے کہ

"اس معاملے میں پنجاب اس مخل آزادی کو افتراق و انتشار کی ہولناک آندھیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے کمربستہ ہو جائے اور قومی پالیسی کو وضع کرنے میں نمایاں حصہ لے"۔

پنجاب پاکستان کا صرف بازوئے شمشیرزن نہیں بلکہ وہ اس کا دل اور دماغ بھی ہے اور خوش قسمتی سے پنجاب میں نہ قومی زبان کا جھگڑا ہے اور نہ پختونستان کا اور پاکستان کے اصول و مقاصد سے پنجاب کو سب سے زیادہ وابستگی بھی ہے۔ پنجاب کا بحیثیت پاکستان کے ایک اہم حصہ ہونے کا فرض ہے کہ وہ مرکز کو اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ کرے اور اسے ایک واضح اور مثبت قومی پالیسی بنانے پر مجبور کرے"۔

(اقتباس "آفاق" 3 اپریل 1952ء)

ظفر اللہ خان اور سیٹو

● قدرت اللہ شہاب اپنی تصنیف میں کادیانیوں کی من مانی پالیسی اور ظفر اللہ خان کے ایک بھیانک کردار سے پردہ اٹھاتے ہوئے انکشاف کرتے ہیں کہ 1954ء میں منیلا کانفرنس کے موقع پر ظفر اللہ خان کو محض آبزرور کے طور پر بھیجا گیا تھا' لیکن انھوں نے اپنی صوابدید پر من مانی حرکت کرتے ہوئے معاہدہ پر دستخط کر دیے۔ قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں:

سینٹو کی طرح سیٹو بھی ایک دوسرا فوجی معاہدہ تھا جو خواہ مخواہ مفت میں ہمارے سر پڑا عرصہ منڈھا رہا۔ سیٹو (ساؤتھ ایسٹ ایشیا لٹریٹی آرگنائزیشن) بھی امریکہ کی رہنمائی میں مغربی مفاد پرستی کا ایک حربہ تھا جو جنوب مشرقی ایشیا میں چین کی ناکہ بندی کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ اس میں ہماری شمولیت بھی نہ پاکستان کے لیے ضروری تھی نہ سودمند تھی۔

اس زمانے میں یہ افواہ بھی گرم تھی کہ ستمبر 1954ء میں جب اس معاہدہ پر غور و خوض کے لیے متعلقہ ممالک کی کانفرنس منیلا میں منعقد ہوئی تو اس میں پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان کو محض آبزرور کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ حکومت پاکستان نے انھیں اس بات کی اجازت نہ دی تھی کہ وہ اس معاہدہ میں پاکستان کی شمولیت تسلیم کر کے آئیں لیکن کسی وجہ سے چوہدری ظفر اللہ خان نے اپنی صوابدید پر اس معاہدہ پر دستخط کر دیے تھے اور اس طرح کی کسی وجہ سے کانفرنس کے شرکاء نے فل پاور کے بغیر ان کے دستخط قبول بھی کر لیے۔ اگر یہ افواہ واقعی صحیح ہے تو یہی سمجھنا چاہیے کہ ہمارے پاکستان کو زبردستی ایک ناپسندیدہ اور غیر نافع بین الاقوامی معاہدے میں ٹھونس دیا گیا تھا۔

میں نے صدر ایوب سے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں وزارت خارجہ اور کابینہ کے ریکارڈ دیکھ کر اس افواہ کی تردید یا تصدیق کر سکوں جو ہر دور میں ایک نیا رنگ لے کر زبان زد خاص و عام ہوتی رہتی

ہے۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی لیکن وزارت خارجہ اور کیبنٹ سیکرٹریٹ والوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا یہ اطلاع صدر مملکت نے کسی سرکاری حوالے کے لیے طلب فرمائی ہے یا میں یہ تفتیش صرف اپنی ذاتی حیثیت سے کر رہا ہوں۔ میں نے سچ سچ تسلیم کر لیا کہ یہ اطلاع صدر ایوب نے کسی سرکاری غرض کے لیے طلب نہیں کی۔ اس پر ان دفاتر کے بابو صفت افسر دفتری معاملات کو صیغہ راز میں رکھنے والے بے معنی اور فرسودہ قواعد و ضوابط کی آڑ میں چپ سادھ کر بیٹھ گئے"۔

("شہاب نامہ" ص 403۔ مصنف قدرت اللہ شہاب)

سعودی عرب میں سفراء کا تقرر

● قادیانیوں کی عرب دشمن سرگرمیوں اور ظفر اللہ خان سابق وزیر خارجہ پاکستان کے مذموم کردار کی بنا پر سعودی عرب حکومت نے پاکستان کی طرف سے تعینات کیے جانے والے سفیر کے لیے مسلمان ہونا ضروری قرار دیا اور تعینات ہونے والے سفیر کے لیے رسمی منظوری کا طریق کار وضع کیا۔ بھٹو صاحب کے دور میں وزارت خارجہ کی طرف سے سعودی عرب میں "جاوید الرحمٰن" کو پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا۔ سفارتی آداب، اور ضوابط کے مطابق جب سعودی عرب حکومت کو ان کا نام بطور سفیر منظوری کے لیے بھیجا گیا' تو سعودی عرب نے قادیانی ہونے کی بنا پر جاوید الرحمٰن کا نام نامنظور کر دیا۔۔۔

"سعودی عرب نے پاکستان کے نامزد سفیر کو واپس کیوں بھیجا؟

غیر مسلم ممالک بھی جب سعودی عربیہ میں اپنے سفیر کا تقرر کرتے ہیں

تو کوشش یہی ہوتی ہے کہ موصوف مسلمان ہوں' اس سلسلہ میں بھارتی حکومت کی مثال پیش نظر رکھنی ضروری ہے' بھارت مسلم ممالک میں عموماً اور سعودی عربیہ میں خصوصاً مسلمان سفراء کا تقرر کرتا ہے۔

شاہ فیصل کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اسلامی شعار کے پابند نیک دل مسلمان ہیں۔ اپنے آپ کو خادم رسولؐ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں' ہر راسخ عقیدہ مسلمان کی طرح سرور عالم کو آخری پیغمبر مانتے ہیں' اس عقیدے سے انحراف کرنے یا پس و پیش کرنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی دلیل' حیلہ یا حجت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

کچھ عرصہ قبل حکومت پاکستان کی وزارت خارجہ نے مسٹر جاوید الرحمان کا نام سعودی حکومت کو بہ حیثیت سفیر تقرر کے لیے بھیجا تھا' سفارتی آداب کے تحت سفیر کے تقرر سے پہلے متعلقہ حکومت سے رسمی منظوری مانگی جاتی ہے۔ اس طریقہ کے تحت مسٹر جاوید الرحمان کا نام بھی سعودی حکومت کی منظوری کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔

سعودی حکومت نے پاکستان کے سفیر کی حیثیت سے مسٹر جاوید الرحمان کا نام نامنظور کر دیا۔

آخر سعودی حکومت نے ایسا کیوں کیا؟

مسٹر جاوید الرحمان کا تعلق ساہیوال سے ہے۔ وہ گورنر پنجاب جناب غلام مصطفیٰ کھر کے مشیر کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں' تعلیم یافتہ بھی ہیں' انہیں لائق سمجھ کر ہی حکومت پاکستان نے سفیر کے عہدہ کے لیے منتخب کیا ہوگا۔ پھر آخر کیوں سعودی حکومت نے مسٹر جاوید کے نام کی منظوری نہ دی۔

وجہ دینی نوعیت کی ہے' سیاست کے مقابلے میں دین کا مقام افضل

ہے' کوئی مصلحت دین پر سیاست کو فوقیت عطا نہیں کر سکتی۔

مسٹر جاوید الرحمان کا تعلق قادیان سے ہے۔ یہی تعلق انہیں سعودی عرب میں سفیر کا عہدہ سنبھالنے کے آڑے آیا' سعودی حکومت اور شاہ فیصل' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری نبی نہ ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں' تحریف کرنے والوں کو مرتد قرار دیتے ہیں۔

(ہفت روزہ "اشتراک" لاہور۔ بشکریہ ہفت روزہ "المنبر" ج ۱۸ ش ۲۳' 13 جولائی 1973ء)

مصر اور پاکستان کے تعلقات کی کشیدگی کا باعث

● اسلامی برادر ملک مصر کے تعلقات پاکستان سے کشیدہ ہوئے' تو اس کا باعث بھی سر ظفر اللہ خان ہی تھے۔ نہر سویز کے مسئلہ پر جب مصر اور برطانیہ کے درمیان چپقلش پڑی اور نوبت جنگ تک پہنچی' تو پاکستان کی حکومت نے عالم اسلام اور برادر مسلم ملک مصر کا ساتھ دینے کی بجائے' ایک ایسی پالیسی اختیار کی جس سے درپردہ برطانیہ کی حمایت کا پہلو نکلتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان اور مصر کے مابین خوشگوار تعلقات اور گرم جوشی پیدا نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ سر ظفر اللہ خان کی ذات تھی' جو اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے خارجہ پالیسی کے سیاہ سفید کے مالک تھے۔ مصر اور برطانیہ کے تنازعہ میں سر ظفر اللہ نے عیاری اور روایتی مکاری سے کام لیتے ہوئے دونوں ممالک یعنی مصر اور برطانیہ کو قصور وار ٹھہرایا۔ اصولاً اور اسلامی اخوت کے ناطے پاکستان کے لیے مصر کی حمایت ضروری تھی' لیکن چوہدری صاحب نے دونوں کو قصور وار ٹھہرا کر پاکستان کو برادر اسلامی ملک سے دور کر دیا۔ چوہدری ظفر اللہ خان کی شاطرانہ چال کی بدولت مصر آج تک پاکستان کے قریب نہیں آ سکا۔

کادیانی اخبار اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"1952ء میں جب مصر اور برطانیہ کے مابین سخت چپقلش ہوئی تو ہمارے چوہدری صاحب نے مصر اور برطانیہ دونوں کو قصور وار ٹھہرایا۔ اس کی تلخی اب تک مصری قوم میں بلاوجہ اتم موجود ہے اور وہ ان کے تقرر کی خبر کو بھی اس سے الگ ہو کر نہیں سوچتے"۔

(آفاق لاہور بحوالہ "الفضل" ربوہ)

● "ایک اور اطلاع سے جس کا تعلق مشرق وسطیٰ کی حالیہ صورت حال سے ہے ہمارے وزیر خارجہ کی پراسرار' مشتبہ اور مشکوک قسم کی سرگرمیوں پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ مصر' مشرق وسطیٰ کے اینگلو امریکی "دفاع" کی تجویز کو اس بنا پر ٹھکرا چکا ہے کہ اس تجویز کے مطابق مصر کو اپنے علاقے میں ایک چھوڑ کئی ممالک کی گورا فوج کے قیام و طعام کا بندوبست کرنا پڑتا۔ لیکن برطانیہ کے محکمہ خارجہ نے اپنے خصوصی پٹھو' وزیراعظم عراق نور السعید پاشا کے توسط سے اسی قسم کی ایک تجویز مصر کے سر پر دے ماری ہے۔ اطلاع یہ ہے کہ مصر اسے ٹھکرا چکا ہے لیکن سر ظفر اللہ خان نے اپنے تازہ بیان میں اس تجویز کی حمایت فرمائی ہے اور نور السعید پاشا اور ظفر اللہ خان صاحب کے درمیان دو بار ملاقات بھی ہو چکی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ اس وقت مصر اور ایران میں پٹ چکنے کے بعد انگریز' مشرق وسطیٰ کی بساط سیاست پر نور السعید پاشا کو بطور مہرہ استعمال کر رہا ہے۔ نور السعید پاشا اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے درمیان جس قدر گاڑھی چھن رہی ہے' اس سے لازماً خیال پیدا ہوتا ہے کہ کہیں پاکستان کے وزیر خارجہ بھی تو مصر اور مسلمانان مشرق وسطیٰ کی جدوجہد آزادی کے خلاف بطور مہرہ استعمال نہیں ہو رہے۔ کیا دنیا کے مسلم ممالک اور مسلم عوام کی رہنمائی کے فرائض اسی طرح برطانوی محکمہ خارجہ کے ذریعہ انجام دیے جائیں گے؟

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مسلمانان پاکستان کے اس مطالبے کا کہ ہم کامن ویلتھ چھوڑ دیں' اسی طرح جواب دیا جائے گا کہ ہم اپنی خارجہ حکمت عملی کو برطانوی خواہشات و مفادات کا اور بھی پابند بنا لیں؟ برطانوی خارجہ حکمت عملی جس کا ایک کرشمہ یہ ہے کہ آج کشمیر کے چالیس لاکھ عوام ہندوستان میں شامل ہیں ـــــ اس خارجہ حکمت عملی کی اطاعت و فرماں برداری سر ظفر اللہ خان صاحب کس حساب سے ضروری قرار دے رہے ہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے اور اسے ایک لمحے کے لیے بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا"۔

("امروز" لاہور' 24 نومبر 1951ء)

● جمعیت العلمائے اسلام کے راہنما مولانا عبدالحکیم ہزاروی کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں پاک عرب دوستی کے خلاف سر ظفر اللہ خان کے کردار کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اس ملک کی بدقسمتی اس دن سے شروع ہوئی' جب ملک میں وزیر خارجہ ایسے شخص کو مقرر کیا گیا جس نے بانی قوم' قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ (یعنی ظفر اللہ خان) جو شخص اپنے ملک کے بانی مبانی' اپنے محسن اور مہربان کا جنازہ نہ پڑھے اور پوچھنے پر یہ جواب دے کہ یا تو مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھو یا مسلم حکومت کا کافر ملازم۔

ایسے آدمی کو اگر سفیر بنا کر اور ساری دنیا کا اختیار دے کر باہر بھیجا جائے' تو اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ وہ پڑوس کے تمام ملکوں سے اس گھر کی لڑائی کراتا رہے گا' اور اس گھر کے لیے امن و امان کا سامان پیدا نہیں کرے گا۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو سے پہلے ایوب خان کے دور میں اور اس سے بھی پہلے اس 25 سال کے عرصہ میں افغانستان کے

ساتھ ہماری لڑائی نہیں کرا رکھی تھی۔ کیا ظفر اللہ خان نے کابل کا دورہ کیا تھا' نہیں کیا بلکہ اس نے تعلقات خراب کر دیئے۔ سر ظفر اللہ اور اس کے ساتھیوں نے مصر کے ساتھ لڑائی کرائی اور اس ملک کا سارا پریس مصر کے خلاف بولتا رہا' سوڈان کے خلاف بولتا رہا' عراق کے خلاف بولتا رہا' شام اور لیبیا کے خلاف بولتا رہا۔ حالانکہ لیبیا کو اسلامی ملکوں میں پاکستان کا نمبر 1 دوست ملک سمجھا جا رہا ہے۔ کیا یہ خارجہ پالیسی کی ناکامی نہیں تو اور کیا ہے"۔

(بشکریہ ترجمان اسلام' س 8' ج 13' ش 45' 8 دسمبر 1973ء)

پاک افغان تعلقات

● افغانستان اور پاکستان کے باہمی تعلقات کسی دور میں نہ خوشگوار ہوئے اور نہ ہی بحال ہوسکے' افغانستان اور ہمارے تعلقات کی کشیدگی کا بڑا محرک چوہدری ظفر اللہ خان کی ذات تھی۔ جولائی 1924ء میں قادیانی مبلغ صاحبزادہ عبداللطیف اور 1925ء میں دو مزید قادیانی مبلغین افغانستان میں پکڑے گئے۔ ان پر جاسوسی اور ارتداد کا جرم ثابت ہوگیا' تو انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ ان کا قصور کیا تھا۔ مرزا بشیر الدین محمود سابق سربراہ جماعت احمدیہ اس کا خود اعتراف کرتے ہیں۔

"اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہتے اور وہ جہاد کے باب میں جماعت احمدیہ کے مسلک کو بیان نہ کرتے' تو شرعی طور پر ان پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ مگر وہ اس بڑھے ہوئے جوش کا شکار ہوگئے' جو انہیں حکومت برطانیہ کے متعلق تھا اور وہ اس ہمدردی کی وجہ سے مستحق سزا ہوگئے جو کابل سے لے کر گئے تھے"۔

(خطبہ جمعہ' میاں محمود احمد' الفضل 16 اگست 1935ء)

○ قادیانی جماعت کے سربراہ نے مزید اعتراف کیا:

"صاحبزادہ عبداللطیف کو اس لیے شہید کیا گیا' کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے' اور حکومت افغانستان کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبہ حریت کمزور ہو جائے گا اور ان پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائے گا۔۔۔۔

اگر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید خاموشی سے بیٹھے رہتے اور جہاد کے خلاف کوئی لفظ نہ کہتے' تو حکومت افغانستان کو انہیں شہید کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی"۔

○ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیرالدین محمود نے افغانستان میں قادیانی مبلغین کی ہلاکت پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔

معزز ہم عصر (اخبار) تیج 26 فروری 1925ء کے اشو میں رقم طراز ہے یعنیوا کی اطلاع مظہر ہے کہ احمدیہ فرقہ کے امیر مرزا بشیرالدین محمود احمد نے لیگ آف نیشنز سے درخواست کی کہ وہ کابل میں دو احمدیوں کی سنگساری کے بارے میں افغانستان کی گورنمنٹ سے بازپرس کرے۔

(اخبار الفضل قادیان' 5 مارچ 1925ء)

"امیر عبدالرحمن کے زمانے میں مولوی عبدالرحمن کو ہلاک کیا گیا وہ صاحبزادہ عبداللطیف کے شاگرد تھے۔ پھر صاحبزادہ عبداللطیف کو امیر حبیب اللہ کے زمانے (1903ء) میں سنگسار کیا گیا' تو دوسرے ہی دن اس قدر مرگ پڑی' کابل میں ہیضے کے ساتھ۔ نصراللہ خان آگے آگے تھا' جو علماء کے پیچھے تھا اس کی بیوی بھی مری' بڑی تباہی مچی۔ اسی طرح نعمت اللہ خان بھی ہماری جماعت کا تھا۔ اسے 1924ء میں برسرعام سنگسار کیا گیا۔ مختلف اوقات میں ہماری جماعت کے بیس افراد جو کہ افغان ہی تھے' انہیں پھانسی پر چڑھایا گیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا کمال' فضل اور حکمت تھی کہ ایک نے بھی انکار کر کے اپنی جان نہیں بچائی اور کسی کے متعلق ہماری یہ خواہش

ہرگز نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ باوجود اس کے جو کچھ ہمارے ساتھ مسٹر بھٹو نے سلوک کیا' ہمارے امام نے منع کیا ہوا تھا کہ کسی قسم کی بددعا نہیں کرنی۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے' ہمارا کام نہیں"۔

("آتش فشاں" لاہور' ص 12' مئی 1980ء)

افغانستان میں تین مرتد مبلغین کی ہلاکت نے کادیانی جماعت کے سینہ میں انتقام کی آگ بھڑکا دی۔ اس کا اندازہ کادیانی راہنماؤں کی ان پیشین گوئیوں سے لگایا جا سکتا ہے' جن میں افغانستان کی تباہی و بربادی کے دعوے کیے گئے۔ سر ظفر اللہ خان نے ایک موقع پر برطانیہ میں مقیم افغانی سفیر سے افغانستان میں موت کے گھاٹ اتار دیے جانے والے کادیانی مبلغوں کی سنگساری پر احتجاج کیا تھا۔ جب ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ کا منصب ملا' تو انہوں نے اپنی آتش انتقام کو بجھانے کے لیے' پاک افغان دوستی میں ایسا رخنہ ڈالا جو آج تک پر نہ ہو سکا اور دو اسلامی برادر ہمسایہ ملک ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔

مسئلہ کشمیر اور ظفر اللہ خان

ظفر اللہ خان کے دور میں غیر معیاری خارجہ پالیسی اور ان کے غیر ملکی آقاؤں کی حکمت عملی اور ان کی ہدایت پر مسئلہ کشمیر کے موثر حل کے لیے کوئی مثبت' معقول یا مربوط لائحہ عمل مرتب نہ کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد اولین دور میں مسئلہ کشمیر اہمیت کے اعتبار سے بڑا توجہ طلب مسئلہ تھا۔ اگر کشمیر کے مسئلہ پر خصوصی توجہ دی جاتی تو یقیناً مسئلہ کشمیر حل ہو جاتا۔ جناب آفتاب احمد صاحب سیکرٹری جموں و کشمیر کانفرنس کے یہ الفاظ حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں:

"کہ مرزائی 30 سال سے (اور اب تو 67 سال) آزاد کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں"۔

(ملت اسلامیہ کا موقف' ص 195' مرتبہ المصنفین' اکوڑہ خٹک' ضلع پشاور)

یہ ظفر اللہ خان کی ناقص خارجہ پالیسی کا نتیجہ تھا کہ کشمیر کے مسئلہ پر 1948ء اور 1965ء میں پاکستان اور بھارت کے مابین بے مقصد' بے معنی جنگیں ہوئیں جن کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ ان جنگوں میں پاکستان کو بھارت کی نسبت ناقابل تلافی اقتصادی اور جنگی نقصان اٹھانا پڑا۔ ترقی کی شاہراہ پر گامزن پاکستان آج بھی وہیں کھڑا ہے جہاں سے ہم نے اپنی ترقی و استحکام کے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ترقی پذیر ملک کے لیے جنگ کتنی مہلک اور نقصان دہ ہوتی ہے' اس کا اندازہ جنگ کے نتائج پر غور و فکر کرنے کے بعد چلتا ہے۔ پاکستان کے خلاف جتنی جنگیں ہوئیں' وہ بلاشبہ پاکستان کو اقتصادی طور پر مفلوج کرنے اور اس کی بنیادوں کو ہلا دینے کے لیے مسلط کی گئیں ــــــ تاکہ پاکستان صحیح معانوں میں اسلام کا قلعہ اور دین کا گہوارہ نہ بن جائے۔ اس سازش میں بڑا کردار کادیانی جماعت کا تھا اور کادیانی جماعت کا دماغ سر ظفر اللہ خان تھا۔

کادیانی جماعت کے راہنما سر ظفر اللہ خان نے مسئلہ کشمیر کو حل کروانے کی بجائے پیچیدہ کرنے کی کوشش کی اور اس میں وہ خاطر خواہ کامیاب بھی رہے ــــــ ماضی کے اخبارات سے چند تبصرے ملاحظہ فرمائیں۔

"چوہدری ظفر اللہ خان کی سرگرمیاں

پیرس میں ان دنوں جنرل اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے' جس میں ہمارے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب پاکستان کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہیں۔ چند ہی روز ہوئے کہ نہر سویز کے سوال پر موصوف نے ایک ایسا بیان دیا جسے سن کر پاکستان کی رائے عامہ ہکا بکا رہ گئی۔ تمام لوگوں نے اس بیان کو عوام پاکستان کے موقف کی غلط ترجمانی سے تعبیر کیا۔ ظفر اللہ خان صاحب کا خیال ہے کہ نہر سویز کے معاملے میں مصر بھی اسی طرح قصوروار ہے جس طرح برطانیہ۔ حالانکہ پاکستان کے عوام صرف برطانیہ کو

قصور وار ٹھہراتے ہیں کیونکہ اس نے زبردستی مصر کے سر پر گورا فوج مسلط کر رکھی ہے۔ اگر یہ بیرونی فوج وہاں سے ہٹ جائے اور سوڈان کو بر طانیہ خالی کر دے' تو یہ تنازعہ بھی ختم ہو جائے۔ لیکن ظفر اللہ خان صاحب نے اپنے بیان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا جس میں سویز سے گورا فوج کے انخلاء اور سوڈان میں غیر جانبدارانہ رائے شماری کی تائید ہوتی ہو۔ حالانکہ ہم خود کشمیر سے بیرونی فوج کے انخلاء اور وہاں غیر جانب دارانہ رائے شماری کرانے کا مطالبہ پیش کرتے رہے ہیں۔

اب خود کشمیر کی بابت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے ایک ایسا عجیب بیان دیا ہے جس سے پاکستان کی رائے عامہ چونک اٹھی ہے اور ہر شخص یہ محسوس کر رہا ہے کہ آخر ظفر اللہ خان صاحب کا مطلب کیا ہے۔

پیرس کے اخبار "کمبیسٹ" کا حوالہ دیتے ہوئے ایسوسی ایٹڈ پریس نے ظفر اللہ کان صاحب سے ذیل کے بیانات منسوب کیے ہیں۔

"ڈاکٹر گراہم کی کوششوں کے بارے میں رائے قائم کرنا قبل از وقت ہے ——— ہندوستان کو چاہیے کہ کشمیر کی افسوس ناک صورت حال کو ختم کرنے کے لیے ڈاکٹر گراہم کی تجویز منظور کر لے"۔

واضح رہے کہ جب خان لیاقت علی خان صاحب کی شہادت کے فوراً ہی بعد ڈاکٹر گراہم کی رپورٹ منظر عام پر آئی تو پاکستان کے تمام اخبارات نے جن میں مرکزی حکومت کا نیم سرکاری ترجمان "ڈان" بھی شامل تھا' اس رپورٹ کو زخم پر نمک چھڑکنے کے مترادف قرار دیا تھا۔ پاکستان کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین صاحب نے اعلان کیا تھا کہ ڈاکٹر گراہم کی رپورٹ صددرجہ غیر اطمینان بخش ہے۔ دوسری طرف اتحادی انجمن میں ہندوستان کے مستقل مندوب مسٹربی۔ این۔ راؤ نے اعلان کیا تھا کہ ڈاکٹر

گراہم کی رپورٹ "منصفانہ" ہے۔ ہندوستانی اخبارات نے بھی اس رپورٹ کی تعریف کی تھی۔ اب ظفر اللہ خان صاحب ہندوستان سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر گراہم کی تجاویز کو منظور کر کے قضیہ کشمیر کو "ختم" کر دے گویا موصوف کو ڈاکٹر گراہم کے کارناموں سے اتفاق ہے۔ ہم حیران ہیں کہ آخر کیا ہوا بھی ہے اور سر ظفر اللہ خان کا مقصد کیا ہے؟

موصوف نے سویز اور سوڈان کی بابت عوام پاکستان کے موقف پر ضرب کاری رسید کی ہے اور وہ اس طرح کہ انہوں نے اب تک مصر کے اس مطالبے کی تائید نہیں کی کہ سویز اور سوڈان سے گورا فوج ہٹ جائے اور سوڈان میں غیر جانبدار رائے شماری ہو۔ حالانکہ عالمی رائے عامہ کے سامنے کشمیر کی بابت اس ملک کے موقف کو مضبوط اور استوار کرنے کے لیے مصر کے مذکورہ بالا مطالبے کی تائید بہت ضروری تھی' کیونکہ کشمیر اور سویز و سوڈان دونوں جگہ مطالبے کی نوعیت سو فیصدی ایک ہے۔ اب موصوف کشمیر کے مسئلے پر ڈاکٹر گراہم کی "مساعی جمیلہ" کی تعریف کر بیٹھے ہیں' جس سے ہندوستانی نمائندہ بی۔ این۔ راؤ کو بھی اتفاق ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ آخر سر ظفر اللہ خان صاحب پاکستان کی خارجہ حکمت عملی کو کدھر لیے جا رہے ہیں۔ خان لیاقت علی خان کی شہادت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد' اہم بین الاقوامی معاملات پر ہمارے موقف اور ہماری حکمت عملی میں یہ خطرناک "ڈھیلا پن" کیوں پیدا ہو گیا ہے؟ ہماری پارلیمنٹ میں ایک ایسے سوال پر بحث کرنے سے اراکین کو کیوں روک دیا جاتا ہے جس سے برطانیہ کے مفادات وابستہ ہوں؟

(روزنامہ "امروز" لاہور 29 نومبر 1951ء)

"وزارت خارجہ اور کشمیر

پاکستان کے وزیر خارجہ نے اگرچہ پارلیمان میں یقین دلایا ہے کہ حکومت پاکستان مسئلہ کشمیر کو جلد سے جلد حل کرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی۔ لیکن وہ اس سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکے کہ اگر "پرامن ذرائع" ناکام رہے تو قضیہ کشمیر کو نمٹانے کی کیا صورت ہوگی؟ انہوں نے کہا ہے۔

"میں اس مرحلہ پر کشمیر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرنا چاہتا' کیونکہ یہ سوال بھی ڈاکٹر گراہم کے زیر غور ہے۔ تاہم میں ایوان کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت پاکستان اس مسئلہ کو پرامن ذرائع سے حل کرانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گی۔ اگر پرامن ذرائع ناکام رہے تو حکومت پاکستان کیا رستہ اختیار کرے گی؟ اس کے جواب کا انحصار حالات پر ہے"۔

لیکن سوال یہ ہے کہ حکومت پاکستان "پرامن ذرائع" کو "ناکام" کب خیال کرے گی؟ کیا اس وقت جب غلام کشمیر کی نام نہاد دستور ساز اسمبلی "الحاق" کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر چکی ہوگی؟ جب بھارت پورے کشمیر کو ہڑپ کر چکا ہوگا؟ جب پاکستان کو اچانک ایک دن یہ محسوس ہوگا کہ وہ بین الاقوامی سیاست کے میدان میں بے یار و مددگار رہ گیا ہے؟ اور پوری اقوام متحدہ میں اس کا ایک بھی ہمنوا نہیں رہا؟ اگر نہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے' کیا اسے معلوم ہے کہ

[1] اقوام متحدہ کو کشمیر کے مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہیں رہی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اول تو جب بھارت نے ڈیورز پلان کو مسترد کر دیا تو ڈاکٹر گراہم نے کوئی متبادل فارمولا پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دوسرے جن اقوام کا یو۔ این۔ او پر قبضہ ہے ان کی دلچسپی کا مرکز جنوب مشرقی ایشیا سے بدل کر اب شرق الاوسط اور یورپ قرار پا چکا ہے۔ اس لیے وہ کشمیر کے مسئلہ کو تیسری جنگ کے آغاز تک بہ آسانی ٹال سکتے ہیں۔

(2) بھارت نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ریاست جموں و کشمیر میں اپنے پاؤں پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ جمانا شروع کر دیے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبداللہ کی نام نہاد دستور ساز اسمبلی اسی مقصد کے تحت مصروف عمل ہے۔ مانا کہ اب تک پوزیشن یہ ہے کہ غلام کشمیر کی نام نہاد دستوریہ کا یہ فیصلہ سیکورٹی کونسل کی کارروائی پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں یکدم تغیر رونما ہو جائے جس کے بعد یو۔ این۔ او کے لیے یہ ممکن ہی نہ رہے کہ وہ نام نہاد دستوریہ کے فیصلہ کو مسترد کر سکے؟

(3) کراچی کے سیاسی حلقوں نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ ڈاکٹر گراہم کے مشن کی ناکامی میں کوئی "پراسرار ہاتھ" کام کر رہا ہے۔ چنانچہ اب یہ خیال عام ہو چکا ہے کہ بھارت اور امریکہ میں کوئی خفیہ معاہدہ طے پایا ہے۔ جس کے نتیجہ میں امریکہ بھارتی موقف کی تائید کرنے پر مجبور ہے۔ ممکن ہے اس خیال کی تردید بھی ہو جائے' تاہم اگر اس "نوازش بیم" کو دیکھا جائے جس کی بارش امریکہ کی جانب سے بھارت پر ہو رہی ہے تو یہ قیاس آرائی بلاوجہ بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اس کی تصدیق اس مکتوب سے بھی ہوتی ہے جو "نیویارک ٹائمز" کے نامہ نگار مقیم کراچی نے اپنے اخبار میں درج کرایا ہے اور جس کا حوالہ "ڈان" کے سیاسی نامہ نگار نے بھی دیا ہے۔ اس مکتوب میں نامہ نگار لکھتا ہے:

> "امریکہ نے بالآخر فیصلہ کر لیا ہے کہ اس کے لیے پاکستان کے مقابلہ میں بھارت کو مستحکم کرنا اور اپنے ساتھ ملانا زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے"۔

اگر حکومت پاکستان کو ان تمام حقائق و واقعات کا علم ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ وہ اس غلط فہمی میں کب تک مبتلا رہے گی کہ مسئلہ کشمیر کو اب

بھی پر امن ذرائع سے حل کرنا ممکن ہے؟

جہاں تک ہمیں یاد ہے پاکستان کے اکابر ایک سے زائد مرتبہ اعلان کر چکے ہیں کہ پاکستان کے نقطہ نگاہ سے سیکورٹی کونسل کا وہ اجلاس جو گزشتہ جنوری میں منعقد ہوا' آخری ہے۔ اس کے بعد پاکستان "اگلا قدم" اٹھانے پر مجبور ہوگا۔ لیکن کیا تین مہینے کا تجربہ ابھی تک یہ ثابت نہیں کر سکا کہ کشمیر کے معاملہ میں اقوام متحدہ پر تکیہ رکھنا بے کار ہے۔

آخر حکومت پاکستان عوام سے یہ کب تک توقع رکھے گی کہ وہ کشمیر ایسے اہم اور قومی معاملہ کے سلسلہ میں برابر صبر و تحمل کا ثبوت دیتے رہیں؟

پاک پارلیمان میں بعض ارکان نے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان کی ذات کو بھی مسئلہ کشمیر کے تصفیہ میں تاخیر و تعویق کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور ہمارے نزدیک یہ الزام بے بنیاد نہیں ہے۔ یہاں افتخار الدین نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو موضوع تنقید بناتے ہوئے کہا ہے:

> "دوسرے وزراء سے تو میں یہ کہوں گا کہ اگر وہ حکومت کی پالیسی کو غلط سمجھتے ہیں تو اپنے عہدوں سے مستعفی ہو جائیں لیکن سر ظفر اللہ کے معاملے میں' جنہوں نے بیس برس تک اپنے برطانوی آقاؤں کی وفادارانہ طور پر خدمت کی ہے' میں حکومت اور عوام سے مطالبہ کروں گا کہ انہیں سبکدوش کر دیا جائے۔ وہ برطانوی حکومت کے دیرینہ کاسہ لیس ہیں اور خوشامد و تملق ان کا ہمیشہ نصب العین رہا ہے"۔

میاں افتخار الدین اگر پاکستان کی موجودہ حکومت کو "انگریز کا پٹھو" قرار دیتے رہتے ہیں' تو اس کا سبب ان کی غیر معمولی "روس نوازی" ہے۔ تاہم چوہدری ظفر اللہ خان کے متعلق انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ مبالغہ آمیز

نہیں ہو سکتا۔ چوہدری ظفر اللہ خان اپنے مذہبی عقائد کی بنا پر بھی انگریز کو اپنا "آقا و مولا" سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ یہ واقعہ ہے کہ ڈپلومیسی کے میدان میں وہ آج تک کامیاب نہیں ہو سکے۔ الحاج خواجہ ناظم الدین نے ان کی "سیاسی فتوحات" کے ثبوت میں بھارت کے ایک انگریزی اخبار کا حوالہ دیا ہے۔ اول تو جس شخص کی تعریف میں ڈالمیا کا اخبار "رطب اللسان" ہے' اس کا سیاسی کردار غیر مشکوک نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اگر عرب ممالک کے نمائندوں نے چوہدری ظفر اللہ کی تعریف کی ہے تو اس کی وجہ ان کے ممدوح کی ذاتی صلاحیت نہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ پاکستان کے وزیر خارجہ ہیں۔ پاکستان دنیائے اسلام میں ایک نئی قوت بن کر ابھرا ہے۔ اس لیے وہ قدرتی طور پر تمام دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کی نمائندگی کے فرائض چونکہ چوہدری ظفر اللہ خان کو سونپ دیے گئے ہیں' اس لیے جو خراج تحسین دراصل پاکستان کو ادا کیا جاتا ہے اس کے مستحق چوہدری ظفر اللہ خان بن جاتے ہیں۔

بہرحال یہ واقعہ ہے کہ اگر پاکستان کی خارجہ پالیسی ابھی تک مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں ہو سکی' تو اس کا حقیقی سبب ظفر اللہ خان کی ذات ہے جس کی خوش عقیدگی کا دامن برطانیہ سے بندھا ہوا ہے۔

لہٰذا ہمارے نزدیک اگر پاکستان' کشمیر کے مسئلہ کو پرامن ذرائع سے حل کرنے کا متمنی ہے تو اسے اپنی خارجہ پالیسی پر نظرثانی کرنا ہو گی۔ لیکن پاکستان کی خارجہ پالیسی پر اس وقت تک نظرثانی نہیں ہو سکتی جب تک چوہدری ظفر اللہ خان کو موجودہ عہدے سے سبکدوش نہیں کیا جاتا۔۔۔!"

(اداریہ "زمیندار" 31 مارچ 52ء)

"ڈاکٹر گراہم پھر ناکام ہو گئے

ڈاکٹر گراہم ایک مرتبہ پھر ناکام ہو گئے اور ان کو ناکام ہونا ہی تھا۔ یہ بات پہلے روز سے معلوم تھی' بجز ہمارے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان کے' جنہوں نے ڈاکٹر گراہم کے تقرر کی اطلاع سنتے ہی پیش گوئی فرمائی تھی کہ اس مرتبہ ڈاکٹر گراہم کامیاب ہوں گے۔ قادیانی الہامات کی طرح چوہدری صاحب کا یہ "نبوا" بھی غلط ثابت ہوا۔

"چوہدری صاحب ان لوگوں میں ہیں' جو ہر گورے کو لیفٹیننٹ گورنر سمجھتے ہیں اور اس کی مافوق الفطرت صلاحیتوں پر ایمان رکھتے ہیں"۔

لیکن جو لوگ "الہامات" پر نہیں بلکہ حقائق پر نظر رکھتے ہیں وہ پہلے روز سے جانتے تھے کہ ڈاکٹر گراہم کی کامیابی مشتبہ ہے۔

سلامتی کونسل نے ڈاکٹر گراہم کو دوبارہ اس لیے بھارت اور پاکستان کا سفر اختیار کرنے پر مقرر کیا تھا کہ بھارت اور پاکستان کے مابین استصواب کشمیر کے سلسلے میں دو قابل حل مسائل پر گفتگو کریں۔ اول یہ کہ غیر جانب دارانہ استصواب کا ماحول تیار کرنے کے لیے متارکہ جنگ کی سرحدوں کے دونوں طرف دونوں ملکوں کی فوجوں کا تناسب کیا ہو۔ وہ چاہتے تھے بھارت اس پر رضامند ہو جائے کہ یہ تناسب 12 اور 10 کا ہو اور دوسرے یہ کہ بھارت ناظم استصواب کے تقرر کو منظور کرے۔ لیکن بھارت کے وزیراعظم پنڈت نہرو نے دونوں تجویزوں کو نامنظور کر دیا اور حالات کی گاڑی اسی جگہ کھڑی ہے جہاں ڈاکٹر گراہم کی تشریف آوری سے پہلے تھی۔ ناکامی کے وجوہ کی تلاش کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ بھارت کے ارباب اقتدار جانتے ہیں کہ استصواب میں ان کے مقاصد کی موت ہے' اس لیے وہ کوئی ایسی شرط قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جس سے استصواب کے انعقاد کی نوبت آئے۔ ان کو سلامتی کونسل کے

طرز عمل سے بھی شہ ملتی ہے' جو اس مسئلے کو ٹالتی چلی آ رہی ہے اور اس کو عدل و انصاف کے نقطہ نگاہ سے حل نہیں کرتی' بلکہ سیاسی اور قومی اغراض کو پیش نظر رکھتی ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے' بجز ہمارے چوہدری ظفر اللہ خان کے بھارت کو معلوم ہے کہ یہ معاملہ جتنا ملتوی ہوتا رہے اتنا ہی اس کا فائدہ ہے۔ کشمیر کا دل و جگر اس کے قبضے میں ہے۔ اگر موجودہ صورت حال بھی برقرار رہے تو اسی کی جیت ہے اور یہ صورت حال انکار مصالحت ہی سے برقرار رہ سکتی ہے۔

ہمارے وزیر خارجہ کا حسن عقیدت بھی جو وہ سلامتی کونسل کے نمائندوں کے تدبر' حسن نیت' صلاحیت کار اور کامیابی کے بارے میں ظاہر کرتے رہتے ہیں' اس میں حصہ دار ہے۔ اور جب تک اس مسئلے کو سلجھانے کے لیے وہ مامور رہیں گے حالات بگڑتے ہی جائیں گے۔

جب تک پاکستان کی طرف سے سلامتی کونسل اور اس کے نمائندوں کو پیشگی سند اعتبار اور یہ عقیدت ملتا رہے گا' مجلس اقوام متحدہ ہندوستان کی نازبرداری میں مبتلا رہے گی۔ یہ وہی صورت حال ہے جس پر برہم ہو کر مسٹر لیاقت علی خان مرحوم نے ازراہ طعن کہا تھا کہ برطانیہ ہم کو گھڑے کی مچھلی اور گھر کی مرغی سمجھتا ہے۔ جب ہم ہر حال میں سلامتی کونسل اور اس کے نمائندوں سے خوش ہیں تو وہ بھارت کو ناراض کرنے والا کوئی قدم کیوں اٹھائیں"۔

(روزنامہ "تسنیم" لاہور 27 مارچ 1952ء)

"یورپ کے بے گھر مسلمان اور سر ظفر اللہ خان قادیانی"

پچھلے دنوں آنریبل سر ظفر اللہ وزیر امور خارجہ حکومت پاکستان نے

پارلیمنٹ میں مسٹر نور احمد کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ حکومت پاکستان نے مہاجرین کے عظیم مسئلہ کے باوجود یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ یورپ کے ایسے بے گھر مسلمانوں کو پاکستان میں آباد کرنے کے متعلق غور و خوض کرے گی جو اس ملک کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔ چنانچہ مہاجرین کے بین الاقوامی ادارہ کے ڈائریکٹر سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ ایسے بے گھر مسلمانوں کی فہرست ایں۔

ہم وزیر خارجہ سر ظفر اللہ سے آج یہ دریافت کرنے کی جرات کرتے ہیں کہ جنہیں یورپ کے بے گھر مسلمان کے نام سے پکارا جا رہا ہے' کیا یہ مسلمان ہیں؟ یا آپ کی جماعت قادیانیہ۔ جس جماعت کے پادری یورپ میں 3 سال سے متواتر مرزائی مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ ان پادریوں کے اغوا کیے ہوئے ہیں؟ کیا ان لوگوں کا واقعی مذہب اسلام ہے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد نہ تو کوئی نبی آیا اور نہ آئے گا؟ اگر ان کا عقیدہ مسلمانوں جیسا ہے تو بے شک انہیں آباد کیا جائے' وہ ہمارے بھائی ہیں۔ اگر یورپ کے ان لوگوں کا جماعت قادیانی یعنی احمدی جماعت سے تعلق ہے کہ جس جماعت کو عالم اسلام کے علمائے کرام کافر قرار دے چکے ہیں تو وہ لوگ اس قابل نہیں کہ انہیں پاک خطہ میں آباد کیا جائے۔ کیونکہ ان کی آباد کاری جماعت مرزائیہ اور سر ظفر اللہ کو تو مفید ثابت ہو سکتی ہے' مگر پاکستان اور پاکستان کے 7 کروڑ مسلمانوں کو ان کی آباد کاری سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ہم حکومت پاکستان سے درخواست کرتے ہیں۔ مہاجرین بین الاقوامی ادارہ کے ڈائریکٹر سے لسٹ منگوانے سے پیشتر اس چیز پر غور کیا جائے اور پوری پوری تحقیقات کی جائے۔ آیا یورپ کے یہ بے گھر لوگ جنہیں مسلمان کہا جا رہا ہے واقعی مسلمان ہیں یا جماعت احمدیہ

سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کے وزیراعظم الحاج خواجہ ناظم الدین مدظلہ' اس طرف پوری توجہ فرمائیں گے۔ کیونکہ مملکت پاکستان اسلام ہی کے نام سے حاصل کی گئی ہے' اس لیے اس مملکت اسلامیہ میں سب سے پہلے حق ان مہاجرین کی آبادکاری کا ہے کہ جو مسلمان ہیں' جنہوں نے پاکستان کی خاطر گھربار لٹایا' اور عزیز و اقارب کو اللہ کے راستے میں قربان کیا' جو آج بے سروسامانی کی حالت میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔

ہم اس سوال کو کبھی نہ اٹھاتے مگر چونکہ سر ظفراللہ کا جس جماعت سے تعلق ہے' اسلام کی دشمن اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ جو جماعت جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ممالک اسلامیہ کے علاوہ تمام یورپ میں شاخیں قائم ہیں اور وہاں ان کے پادری موجود ہیں' جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی' اور اس کے لڑکے مرزا بشیر کو پاکستان کا امیرالمومنین بتلا کر لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اپنی جماعت میں شامل کیا گیا ہے؟ ممکن ہے کہ یہ یورپ کے بے گھر لوگ جنہیں سر ظفراللہ مسلمان کہہ کر پاکستان میں آباد کرنا چاہتے ہیں' قادیانی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔

آخر میں ہم دوبارہ اپنے پراعتماد وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ سر ظفراللہ اور ان کی جماعت کی اس لفظی دھوکے بازی پر توجہ مبذول فرما کر مرزا بشیرالدین محمود کو اس باعظمت لقب کے استعمال سے اخلاقاً" اور قانوناً" باز رکھنے کے لیے کوئی ٹھوس قدم اٹھا کر خدمت اسلام سرانجام دیں"۔

(ہفت روزہ "حکومت" کراچی' 14 اپریل 1952ء)

ناکام وزیر خارجہ

چوہدری سر ظفر اللہ خان ایک ایسے نااہل اور غیر محب وطنی انسان تھے، جن کی اصل وفاداریاں پاکستان یا حکومت پاکستان کی بجائے اپنی "جماعت احمدیہ" سے وابستہ تھیں۔ ان کی تمام تر سرگرمیوں اور کدمات کا محور اور مرکز ان کی جماعت رہی۔ چوہدری ظفر اللہ خان کی وفات پر روزنامہ "نوائے وقت" اپنے اداریہ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"1953ء کی اینٹی قادیانی تحریک سے قبل اسلامیان ہند کے قومی معاملات میں سر آغا خان کی طرح سر ظفر اللہ کا حصہ و کردار بھی بہت نمایاں رہا تھا۔ 1930ء میں وہ مسلم لیگ کے صدر بنائے گئے تھے اور 1931ء میں اور بعد کی گول میز کانفرنسوں میں وہ علامہ اقبال، قائداعظم اور دوسرے اکابر کے ساتھ مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر شامل ہوتے رہے۔ لیکن ہر دور میں ان کی اولین وفاداری اپنی قادیانی جماعت کے لیے وقف اور مخصوص رہی۔ اسی وجہ سے وزیر خارجہ ہونے کے باوجود وہ قائداعظم کی نماز جنازہ میں شامل نہیں ہوئے تھے، اور پوچھنے پر جواب دیا تھا کہ انہیں مسلمان حکومت کا کافر وزیر یا غیر مسلم حکومت کا مسلمان وزیر سمجھا جا سکتا ہے"۔

(اداریہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور 1 ستمبر 1985ء)

● چوہدری سر ظفر اللہ خاں بڑی سرکار کی نظر کرم کے طفیل استعماری ایجنٹ کی حیثیت سے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ لیکن موصوف نے ہمیشہ جماعتی مفاد کو ملکی مفاد پر ترجیح دی۔ پاکستان کے حوالے سے جو معاملہ بھی ان کے سپرد ہوا، اس میں پاکستان کو ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔

آنریبل خان جلال خان وزیر بلدیات و بحالیات صوبہ سرحد نے ایبٹ آباد میں ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"پاکستان کی پانچ سالہ تاریخ میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آ رہی ہے

کہ حکومت کا جو معاملہ سر ظفر اللہ خان کے سپرد ہوا۔ اس میں حکومت کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ جس کے ساتھ پاکستان کی حیات وابستہ ہے۔ جب تک وزارت خارجہ کے عہدے پر سر ظفر اللہ خان موجود ہے کشمیر' پاکستان کو ہرگز ہرگز نہیں مل سکتا۔۔۔"

("آزاد" لاہور' 30 مئی 1952ء)

● کراچی کی مسلم پارٹیز کنونشن' مورخہ 2 جون میں محمد ہاشم گزدر ممبر دستور ساز اسمبلی پاکستان نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"چوہدری ظفر اللہ خان کشمیر کا مسئلہ پیش کرنے کے لیے لیک سیکس گئے تھے۔ میں ان دنوں وہاں موجود تھا۔ وہاں لابی میں مشہور تھا کہ سر ظفر اللہ خان وہی کام کرنا چاہتے ہیں جو ہندوستان چاہتا ہے۔ میں نے اسی روز تمام احوال سے حکومت پاکستان کے منسٹر کو مطلع کر دیا۔ اس کے بعد میں نے تمام ممالک کا دورہ کیا اور محسوس کیا کہ اکثر ممالک میں ہمارے خارجہ دفاتر مرزائیت کی تبلیغ کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ چوہدری ظفر اللہ خان کے انگریزوں اور ہندوؤں سے گہرے مراسم ہیں۔ ظفر اللہ خان قادیانی' پاکستان سے زیادہ اپنے امام مرزا بشیر الدین کے وفادار ہیں اور اپنے امام کی ہدایت کے مقابلہ میں حکومت پاکستان کے احکام کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ (تقریر کرتے ہوئے کہا) میرے کئی دوست محض دنیاوی فوائد کے لیے مجبوراً قادیانی ہو گئے۔ پاکستان میں جو شخص اکھنڈ بھارت کے نعرے لگاتا ہے' وہ پاکستان کا دشمن ہے اور ہماری بدقسمتی ہے کہ اکھنڈ بھارت ہندوستان کا عقیدہ رکھنے والے مرزائی ملک کی سر فیصد کلیدی آسامیوں پر فائز ہیں۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت جنگ ہوئی' تو معلوم نہیں کہ ہمارا کیا حال ہو گا اور آفیسران کی پوزیشن کیا ہو گی"۔

(ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' ص 13' ج 24' ش 11' 1407ھ' 19 جون 1987ء)

● ایک اور روزنامہ کی حب الوطنی اور حقیقت پسندی کا زاویہ نہایت ہی چونکا دینے والا ہے۔ ایک دردمند صحافی نے کالم سپرد کرتے ہوئے لکھا:

"ہمارے وزیر خارجہ (ظفر اللہ خان) کی خارجہ پالیسی ہر لحاظ سے ناکام ہو چکی ہے۔ اس سے بھارت کی سیاسی اہمیت بڑھ چکی ہے اور اس بلاک نے منہ مانگی قیمت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا ہے"۔

(روزنامہ "آفاق" لاہور 10 اپریل 1952ء)

● وزیر خارجہ پاکستان ظفر اللہ خان کی وجہ سے ہمیں اسلامی برادری اور خصوصاً عربوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ کیونکہ ظفر اللہ خان کا تعلق ایک اسلام دشمن جماعت سے تھا جو اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کی باغی تھی۔ مصر کے مفتی اعظم جناب سید محمد حسنین المخلوف نے لکھا:

"کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ میں حیران ہوں کہ پاکستان جیسی اسلامی ریاست میں ایک قادیانی کو وزیر خارجہ کیسے مقرر کیا گیا"۔

(روزنامہ "زمیندار" لاہور 8 جولائی 1952ء)

● ایک فاضل کالم نویس نے روزنامہ "جنگ" لاہور میں سیاسی تجزیہ کرتے ہوئے ایک مضمون بعنوان "لیاقت علی روس کا دورہ کیوں نہ کر سکے" کے تحت لکھا:

"چنانچہ 21 جولائی 1949ء کو پاکستان میں برطانوی ہائی کمشنر سرائل گریفری سمتھ نے یہ یادداشت مرتب کی کہ اس کا غالب امکان تھا کہ دعوت دینے میں روس نے پہل کی ہو ـــــ مگر حال ہی میں اس کا ثبوت ملا ہے کہ یہ نظریہ قابل قبول تھا۔ لیاقت علی مرحوم روس کا دورہ نہیں کر سکیں گے' اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے کراچی میں امریکی سفارت خانے کے ایک استقبالیہ میں یہ بات واضح کر دی تھی' پاکستان اس بات کا منتظر تھا کہ روس اپنا اگلا قدم اٹھائے۔ انہوں نے ہمیں مدعو کیا' ہم

نے دعوت قبول کر لی۔ اب دوسرا قدم اٹھانا روس کی اپنی ذمہ داری ہے مگر روس نے یہ اگلا قدم نہیں اٹھایا"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور، بحوالہ "ڈان" پاک روس تعلقات کا تجزیہ

قسط نمبر ۹، کالم نویس: اقبال احمد صدیقی)

● سر ظفر اللہ خان کادیانی کے دور میں پاکستان کی خارجہ پالیسی پر قدرت اللہ شہاب رقم طراز ہیں۔

"پاکستان میں ہر سطح پر ایسے افسروں کی کمی نہ تھی جو مغربی تہذیب کے ذہنی غلام تھے۔ سیاسی آزادی نے ان کے دل اور دماغ کو مغرب پرستی کے احساس کمتری سے نجات نہیں دی تھی۔ ان کے قلوب اور اذہان پر غلامی کے دور کی روایات اور اقدار برف کی سلوں کی طرح جمی ہوئی تھیں اور آزادی کی تپش نے ابھی تک انہیں پگھلایا نہ تھا۔ اعلیٰ سطح کے بیشتر افسر برطانوی عہد کے تربیت یافتہ تھے' ان کے کمال کا جوہر بندی بندھائی پالیسیوں پر عمل کرنے' سکونیاتی جمود کو ثبات دینے اور ہر وجہ روش کو جوں کا توں برقرار رکھنے میں مضمر تھا۔ وہ انگریزی نظام حکومت کے لکیر کے فقیر تھے۔ آزادی کے تقاضوں کو نئی پالیسیوں کے سانچے میں ڈھالنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ تغیرات کے عمل سے وہ ناآشنا تھے۔ خاص طور پر بین الاقوامی امور کا انہیں کوئی تجربہ نہ تھا۔ ہماری وزارت خارجہ کے بالائی افسر قریباً سب کے سب پرانے آئی۔ سی۔ ایس کے ممبر تھے۔ اس سروس کی روایات کے مطابق وہ برطانیہ اور امریکہ کے خصوصاً اور مغرب کے عموماً والہ و شیفتہ اور ان کے حریفوں کے ان سے بھی بڑھ چڑھ کر حریف تھے۔ وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان بذات خود اس نسخے پر ڈھلا تھے۔ اپنے مزاج کی افتاد' پس منظر' رجحانات' تعصبات اور ٹریننگ کی وجہ سے یہ سب لوگ پاکستان کی خارجہ پالیسی کو بین الاقوامی تعلقات کے تنے ہوئے رسے پر

حقیقت پسندانہ مہارت سے چلانے سے قاصر تھے۔ چنانچہ روس کا دعوت نامہ کشائی میں پڑا رہا اور جب امریکہ نے اپنے دعوت نامہ کا دانہ پھینکا تو ہماری وزارت خارجہ اس پر چیل کی طرح جھپٹی۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر وزیراعظم روس والوں کی دعوت پر روس کا دورہ کرتے اور امریکیوں کی دعوت موصول ہونے پر امریکہ تشریف لے جاتے"۔

("شہاب نامہ" از قدرت اللہ شہاب، ص ۴۱۸)

مصنف کتاب کے صفحہ نمبر 1003 اور 1004 میں انگریزی جج کے تلعبی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

"ہالینڈ میں پہنچ کر محکمہ پروٹوکول کے افسر نے مجھے برسبیل تذکرہ بتایا کہ اگر ہم سور کے گوشت (پورک، ہیم، بیکن وغیرہ) سے پرہیز کرتے ہیں تو بازار سے بنا بنایا قیمہ نہ خریدیں کیونکہ بنے ہوئے قیمے میں اکثر ہر قسم کا ملا جلا گوشت شامل ہوتا ہے۔ اس انتباہ کے بعد ہم لوگ ہالینڈ کے استقبالیوں کا ایک من بھاتا کھاجا قیمے کی گولیاں (MEAT BALLS) کھانے سے اجتناب کرتے تھے۔ ایک روز قصر امن (Peace Palace) میں بین الاقوامی عدالت عالیہ کا سالانہ استقبالیہ تھا۔ چوہدری ظفر اللہ خان بھی اس عدالت کے جج تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ قیمے کی گولیاں سرکے اور رائی کی چٹنی میں ڈبو کر مزے سے نوش فرما رہے تھے۔ میں نے عفت سے کہا کہ آج تو چوہدری صاحب ہمارے میزبان ہیں، اس لیے قیمہ بھی ٹھیک ہی منگوایا ہوگا۔ وہ بولی ذرا ٹھہرو، پہلے پوچھ لینا چاہیے۔ ہم دونوں چوہدری صاحب کے پاس گئے۔ سلام کر کے عفت نے پوچھا "چوہدری صاحب! یہ تو آپ کی ریسپشن ہے، قیمہ تو ضرور آپ کی ہدایت کے مطابق منگوایا گیا ہوگا؟

چوہدری صاحب نے جواب دیا، "ریسپشن کی انتظامیہ کا محکمہ الگ

ہے' قیمہ تو ضرور آپ کی ہدایت کے مطابق منگوایا گیا ہوگا؟

چوہدری صاحب نے جواب دیا "ریسپشن کی انتظامیہ کا محکمہ الگ ہے' قیمہ اچھا ہی لائے ہوں گے۔ لو یہ کباب چکھ کر دیکھو"۔

عفت نے ہر قسم کے ملے جلے گوشت کا خدشہ بیان کیا تو چوہدری صاحب بولے' "بعض موقعوں پر بہت زیادہ کرید میں نہیں پڑنا چاہیے۔ حضور کا فرمان یہی ہے"۔

دین کے معاملات میں عفت بے حد منہ پھٹ عورت تھی' اس نے نہایت تیکھے پن سے کہا "یہ فرمان آپ کے حضور کا ہے یا ہمارے حضورؐ کا"۔

("شہاب نامہ" از قدرت اللہ شہاب' ص 1062 تا 1066۔ ایڈیشن 1992ء)

● تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی خان کا دورہ روس سبوتاژ کرنے میں قادیانی ٹولہ کا ہاتھ تھا۔ جماعت احمدیہ چونکہ مغربی ممالک اور بالخصوص امریکہ کی حاشیہ بردار رہی ہے۔ اگر پاکستان اور روس کے تعلقات استوار ہوتے' تو امریکی و برطانوی مفادات کو شدید دھچکا لگتا' اس لیے بھی قادیانیوں کو لیاقت علی خان کا دورہ روس پسند نہ تھا۔ پاکستان کے روس کے ساتھ خوشگوار تعلقات اور روابط کے ساتھ ہی ہمارے افغانستان کے ساتھ بھی تعلقات معمول پر آجاتے' لیکن قادیانی جماعت کو یہ کسی قیمت پر گوارا نہیں تھا اور ہے کہ ہمارے برادر ہمسایہ اسلامی ملک افغانستان سے اچھے تعلقات قائم ہوں کیونکہ افغانستان حکومت نے دو قادیانی مبلغوں کو ارتداد پھیلانے کے جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

قادیانی جماعت پاکستان اور روس کے تعلقات کے حق میں اس لیے بھی نہ تھی کہ روس ایک لادین ملک ہے' جس میں مذہب کے نام پر کوئی مشن یا ادارہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اس بنیاد پر جماعت احمدیہ کے لیے روس میں کوئی موقع نہ تھا کہ وہ روس میں اپنا مرکز قائم کر سکے یا اپنے مذہب کا پرچار کر سکے۔ ظفر اللہ خان نے اسی نظریہ کے

پیش نظر پاکستان کو روس کے قریب نہیں جانے دیا۔ جناب حسنین احمد نے ایک مضمون میں ظفر اللہ خان کے بھیانک کردار سے پردہ اٹھایا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

"پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے (تھا) اور اس نظریاتی ملک کا پہلا وزیر خارجہ ایک (غیر مسلم) قادیانی تھا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد روس اور امریکہ کی طرف سے لیاقت علی خاں کو ان ممالک کے دورے کی دعوت دی گئی۔ روس ہمارا پڑوسی تھا اور اصولی طور پر وقت پڑنے پر انسان پڑوسی سے ہی امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ اسلام بھی حقوق العباد اور پڑوس کو فوقیت دیتا ہے لیکن ہمارے وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ جو کہ قادیانی تھا' اسے ملک کے بجائے اپنے فرقے سے زیادہ محبت تھی' اس لیے اس نے روس کو اہمیت نہیں دی کیونکہ روس لادین ملک ہے اور وہاں اس کے فرقے کا پرچار مشکل تھا (امریکہ اور برطانیہ ہر اس فرقے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جو دین حنیف کی کسی بھی شاخ سے تعلق رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی امریکہ' برطانیہ میں آغا خانی اسماعیلی' بہائی قادیانی اور احمدی کو جو اسلام میں دراڑ ڈال سکیں' اہمیت دی جاتی ہے۔ مسٹر ظفر اللہ کا یہ اقدام قومی سوچ نہیں بلکہ پس پردہ قادیانی سوچ تھی اور کسی بھی چھوٹے فرقے کا آدمی مسلک پر ملک کو قربان کر دیتا ہے۔) چنانچہ ہم امریکہ کے قریب آ گئے جبکہ یہ بھی نہ سوچا کہ روس میں 5 کروڑ سے زیادہ مسلمان بستے ہیں اور امریکہ میں کل مسلمان 30 لاکھ ہیں۔

پھر کیا غلط فیصلہ تھا جس کا قوم کے ماضی میں بھی خمیازہ بھگتنا پڑا اور آج بھی بھگت رہی ہے۔ اگر لیاقت علی خان روس کی آشیرباد پہلے حاصل کر لیتے اور دوستانہ تعلقات استوار کر لیتے تو روس' بھارت کا حلیف ہوتا نہ اس قربت سے ہمارا ملک دو لخت ہوتا۔ کیونکہ امریکہ کی طرف ہمارے جھکاؤ کا نظریہ شرمندہ تعبیر ہوتا (سقوط ڈھاکہ) اور اس نظریاتی تقسیم پر نکتہ

تنقید کرنے والوں کو لب کشائی کا موقع نہ ملا"۔

("جمہوریت کی تیسری قسم" عنوان غلط فیصلے کا خمیازہ' آخری قسط

از حسین سید صاحب' جمعہ میگزین "نوائے وقت" 21 دسمبر 1990ء)

● لاہور کے ایک رسالہ میں پاکستان کے سابق کلیدی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کا انٹرویو شائع ہوا۔ اس میں جب ان سے وزیر اعظم لیاقت علی خان کے دورہ روس کے حوالے سے سوالات پوچھے گئے' تو انہوں نے جواب میں غور تفصیل میں گریز اور جواب میں مخلط انداز اختیار کیا۔

س : قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد وزیراعظم خان لیاقت علی خان کو روس اور امریکہ دونوں ملکوں کی طرف سے دعوت نامے ایک ہی وقت میں ملے تھے۔ وہ کیا وجوہ تھیں کہ لیاقت علی خان نے روس کے مقابلے میں امریکہ کو منتخب کیا؟

ج : لیاقت علی خان زندہ ہوتے تو وہی بتا سکتے تھے۔

س : ویسے اس وقت کے حالات کی روشنی میں ان کا دورہ امریکہ کا فیصلہ صحیح تھا یا غلط تھا۔

ج : اس وقت یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ اس وقت کے حالات کے مطابق صحیح تھا یا غلط تھا۔ لیکن بہرحال اس وقت بظاہر ہماری ضروریات وغیرہ کے پورا ہونے کا مسئلہ تھا' جو روس اور امریکہ دونوں طرف سے پوری ہو سکتی تھیں۔ لیکن مقابلتاً" امریکہ کی طرف سے زیادہ توقع ہو سکتی تھی جیسا کہ عملاً ہوا بھی۔ میرے خیال میں اس وقت روس اس قدر امداد دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا' جتنی کہ امداد امریکہ نے ہمیں دی۔ کوئی مقابلے کی صورت تو نہ تھی' لیکن وزیراعظم نے امریکہ جانا موزوں سمجھا ہو گا۔

س : روس کمیونسٹ ملک تھا' امریکہ جمہوری ملک تھا۔ اس طرح

نظریاتی معاملہ بھی ہوگا؟

ج: ممکن ہے۔

س: روس کو ترجیح دینے سے پاکستان کا مستقبلاً "کیمونسٹ بلاک کی طرف جھکاؤ نہ ہو جائے؟

ج: اتنا وقت گزر جانے کے بعد یہ کہنا مشکل ہے۔

(بشکریہ "آتش فشاں" لاہور، ج ۷، ش ۷، یکم مئی ۱۹۸۷ء۔ انٹرویو منیر احمد منیر)

1964ء کا صدارتی انتخاب

1964ء کے صدارتی انتخاب کے موقع پر سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کادیانی پاکستان آئے، انہوں نے مختلف شہروں میں نام نہاد تنظیموں کے نام پر اجتماعات میں تقریریں کیں، درحقیقت ان اجتماعات کا اہتمام پس پردہ جماعت احمدیہ ہی کرتی تھی، 1964ء کے صدارتی انتخاب میں صدر ایوب خان اور محترمہ فاطمہ جناح ایک دوسرے کے مدمقابل تھے، چوہدری ظفر اللہ خان نے ملکی سیاست میں ہمیشہ شاطرانہ کردار ادا کیا، ان کا واضح مقصد صدر ایوب خان کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا اور بتانا یہ مقصود تھا

ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں

چوہدری ظفر اللہ کادیانی سابق وزیر خارجہ کے اس دورۂ پاکستان کا نوٹس لیتے ہوئے مدیر "لولاک" نے "سر ظفر اللہ خان جواب دیں" کے عنوان سے شذرہ رقم کیا:

"بارش بخیر سر ظفر اللہ خاں قادیانی آج کل پاکستان میں آئے ہوئے ہیں اور چھانگا مانگا ایسوسی ایشن دھوکہ منڈی کلب قسم کے اجتماعات میں تقاریر کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کی تقریریں کچھ فلسفیانہ مضامین پر ہو رہی ہیں۔ اگرچہ ان کے سامعین قادیانی نوجوان اور ان نوجوانوں کے سگے بندھے یار آشنا قسم کے لوگ ہی ہوتے ہیں، تاہم وہ دورہ کر رہے ہیں۔ یہ تو نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ اپنی تقاریر میں مردہ اسلام اور زندہ اسلام کے فلسفہ کو بھی زیر بحث

نا رہے ہیں یا نہیں' لیکن یہ یقین ہے کہ 2 جنوری کو اگر صدر ایوب خاں کامیاب ہو گئے تو وہ اپنی آخری تقریر اسی بیان پر ختم کریں گے کہ دراصل میرے آنے کا مقصد صدر ایوب خاں کی کامیابی کے لیے دورہ کرنا تھا اور جہاں جہاں میں قادیانیوں کو ملنے کے لیے گیا تھا' درحقیقت اس سے میرا مقصد صدر ایوب کے لیے کنویسنگ کرنا ہی تھا اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ وہ صدر ایوب خاں کی کامیابی کو اپنے دورہ کا ہی مرہون منت قرار دے لیں۔

خیر جہاں تک صدر ایوب خاں اور ان کے ساتھیوں کا تعلق ہے' ان کے اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا سوال اس لیے نہیں پیدا ہوتا کہ پورے ملک میں خیر سے بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں کوئی قادیانی کامیاب ہی نہیں ہوا۔ ملت اسلامیہ میں بڑی کوتاہیاں ہیں لیکن آفرین ہے کہ اس مسئلہ میں قوم نے شہدائے ختم نبوت کے خونیں کفنوں کی لاج رکھ لی ہے اور جہاں جہاں کسی قادیانی نے کھڑے ہونے کی حماقت کی تھی' فرزندان توحید نے ان کی ضمانتیں تک خطرے میں ڈال دی ہیں۔ مسئلہ ختم نبوت پر اس سے بڑھ کر اور کیا استصواب ہو گا اور یہ گنہگار امت اپنے نبی کی محبت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت پیش کرے گی۔

بہرحال چوہدری صاحب اپنی طرف سے دورہ کر رہے ہیں اور اپنے پرانے ملاقاتیوں سے مل رہے ہیں اور ربوہ کے جلسہ میں شرکت بھی کر رہے ہیں۔ وہاں بھی ان کی ایک آدھ یو این او کے اجلاس کے برابر لمبی تو نہیں لیکن کافی لمبی چوڑی تقریر ہونے کا امکان ہے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" جلد 1 شمارہ 41 ص 4 25 دسمبر 1964ء)

سر ظفر اللہ خان اور اعلان تاشقند

65ء کی پاک بھارت کی سترہ روزہ جنگ کے بعد 23 ستمبر کو یو۔ این۔ او کی مداخلت

سے دونوں ملکوں کی فوجوں کے درمیان فائر بندی ہوئی۔ 4 جنوری 1966ء سے 10 جنوری تک تاشقند (روس) میں بھارتی اور پاکستانی رہنماؤں کے درمیان روسی لیڈروں کی نگرانی میں مذاکرات ہوئے۔ 9 جنوری تک جو خبریں تاشقند سے موصول ہوئیں' ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ مذاکرات ناکام ہو جائیں گے اور شاید کوئی مشترکہ اعلامیہ جاری نہ ہو سکے گا۔ 10 جنوری کو یکایک حالات نے پلٹا کھایا۔ دونوں ممالک کے سربراہوں کے درمیان نو نکات پر معاہدہ طے پا گیا' جسے معاہدہ تاشقند کا نام دیا گیا ــــ یہ نو نکات حسب ذیل تھے:

1۔ دونوں ملک آپس میں اچھے ہمسایوں جیسے تعلقات استوار کریں گے' طاقت کے استعمال سے گریز کریں گے اور اپنے تنازعات اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق پرامن طور پر حل کریں گے۔

2 فوجوں کو فروری تک اسی جگہ واپس بلا لیا جائے گا' جہاں وہ گزشتہ سال 5 اگست سے پہلے تھیں۔ دونوں ملک سختی سے فائر بندی کی پابندی کریں گے۔

3۔ دونوں ملکوں کے تعلقات ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت کے اصول کی بنیاد پر استوار ہوں گے۔

4۔ مخالفانہ پراپیگنڈہ کی جس سے دونوں ملکوں میں کشیدگی پیدا ہو' حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی اور دونوں ملکوں کے دوستانہ تعلقات کو مضبوط بنانے کے لیے تعمیری پراپیگنڈہ کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

5۔ پاکستان میں بھارتی ہائی کمشنر اور بھارت میں پاکستانی ہائی کمشنر اپنے عہدوں پر واپس چلے جائیں گے اور دونوں ملکوں میں معمول کے مطابق سفارتی تعلقات بحال ہو جائیں گے۔

6۔ پاکستان اور بھارت کے سربراہ اقتصادی' تجارتی اور ثقافتی تعلقات اور مواصلات کی بحالی پر غور کریں گے۔

7۔ دونوں ملکوں کے سربراہ متعلقہ حکام کو جنگی قیدیوں کے تبادلے کے بارے میں ہدایات جاری کریں گے۔

8- پاکستان اور بھارت مہاجرین غیر قانونی نقل وطن اور ان املاک اور اثاثوں کی واپسی کے متعلق مسائل پر بات چیت جاری رکھیں گے' جو حالیہ جنگ کے سلسلے میں ضبط کیے گئے ہیں۔

9 فریقین اعلیٰ ترین اور نچلی سطح پر آپس میں ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھیں گے اور دونوں نے ایک ایسی مشترکہ کمیٹیوں کے قیام کی ضرورت کو محسوس کیا ہے جو دونوں ملکوں کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات تجویز کریں گے۔

ظفر اللہ خان بمقابلہ ذوالفقار علی بھٹو

جہاں تک سکیورٹی کونسل میں مسئلہ کشمیر کی وکالت کا تعلق ہے' یہ ہماری قومی و ملی تاریخ کا بڑا المیہ ہے کہ ہمارا نظریاتی دشمن پاکستان کی زندگی اور موت کے مسئلہ میں ہمارا وکیل تھا۔ ظفر اللہ خان نے سکیورٹی کونسل کے اجلاسوں میں کشمیر کیس پر گھنٹوں بھر کی طویل' پر پیچ اور بے مقصد تقریریں کیں' جو نہ تو تاریخ کا حصہ بن سکیں اور نہ ہی ان کا عملی کردار اپنی حسن کارکردگی کا لوہا منوا سکا۔ ہزار اختلاف کے باوجود اس حقیقت سے انکار کرنا تاریخی حقائق سے روگردانی کرنے کے مترادف ہو گا کہ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے 1965ء میں سکیورٹی کونسل میں ایک اچھوتے اور جذباتی انداز میں کشمیر کا کیس دنیا بھر کے نمائندوں کے سامنے پیش کر کے مسئلہ کشمیر کو ایک زندہ حقیقت بنا دیا ورنہ اس سے قبل کشمیر کو محض بے جان مسئلہ ہی تصور کیا جاتا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے دنیا بھر کے نمائندگان کے سامنے مسئلہ کشمیر کے پس منظر اور اس کی حقانیت کو ایسے موثر اور جاندار انداز میں پیش کیا کہ عالمی رائے عامہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ اعزاز بھی اس وقت کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کو جاتا ہے کہ انہوں نے اقوام عالم کے نمائندگان کے سامنے کشمیر کا کیس پیش کر کے نہ صرف بھارت کو عالمی برادری کی ہمدردیوں سے محروم کیا' بلکہ مغربی ممالک کو بھی پاکستان کا ہمنوا کر لیا۔

مسئلہ کشمیر پر مغربی ممالک کی تائید و حمایت کا حصول سر ظفر اللہ خان کے لیے آسان تھا کیونکہ چوہدری صاحب کے مغربی ممالک کے ساتھ تعلقات کی نوعیت ذاتی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ظفر اللہ خان جس جماعت (جماعت احمدیہ) سے وابستہ تھے، وہ انگریزی سامراج کی خود کاشتہ تھی اور مغربی ممالک کی پروردہ تھی۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کی حیثیت سے سر ظفر اللہ خان نے مسئلہ کشمیر پر سلامتی کونسل میں گھنٹوں اظہار خیال کیا، ان کے برعکس ذوالفقار علی بھٹو کی اسی جگہ کی گئی تقریر کو دنیا بھر میں پذیرائی حاصل ہوئی۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت سے ذوالفقار علی بھٹو نے 22 ستمبر 1965ء بروز بدھ سلامتی کونسل کے اجلاس میں اس وقت خطاب کیا، جب پاک بھارت جنگ اپنے نکتہ عروج پر تھی۔

ذوالفقار علی بھٹو وزیر خارجہ کی تاریخی تقریر

"جناب صدر! اتنی رات گئے سلامتی کونسل کا اجلاس منعقد کرنے پر میں آپ کا اور تمام ارکان کا شکر گزار ہوں۔ یہ اجلاس جس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے طلب کیا گیا ہے، وہ نہ صرف پاکستانی عوام کے لیے بلکہ برصغیر پاک و ہند، پورے ایشیا اور پوری دنیا کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور آپ نے اس مسئلہ کے پیش نظر آدھی رات کے وقت یہ اجلاس طلب کر کے ہمارے ساتھ جس ہمدردی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے لیے میں خلوص دل سے آپ کا اور سب ارکان کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نہ صرف کونسل کے مستقل ارکان کا بلکہ دوسرے منتخب ارکان کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے رات کے اس حصہ میں اجلاس میں شرکت کے لیے تکلیف گوارا کی۔ میں آپ سے کچھ گزارشات کرنے کے لیے پاکستان سے یہاں حاضر ہوا ہوں اور میں نے یہ

اجلاس بلانے کی درخواست کی تھی کہ اس وقت ہم ایک انتہائی اہم اور نازک ترین مسئلے سے دوچار ہیں' جس پر فوری طور پر غور کرنا اشد ضروری ہے۔

میں سیکرٹری جنرل کا بھی ممنون ہوں' جو پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک بامقصد سمجھوتہ کرانے کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ ہم ان کی تمام مساعی سے آگاہ ہیں اور اس کے لیے ان کے اور سلامتی کونسل کے شکرگزار ہیں جنہوں نے اس معاملے میں ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار کیا' انہوں نے ایک ایسی جنگ میں ہم سے ہمدردی اور لگاؤ کا اظہار کیا ہے جو ہماری خواہش کے خلاف ایک عیار حملہ آور نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہم پر مسلط کی ہے۔

بھارت کا کردار

پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے۔ آپ ذرا دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیے۔ آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ اس نقشے میں ہمارا وجود کتنا ہے اور نقشے ہی سے آپ ہمارے وسائل اور ایک بڑے حملہ آور کا مقابلہ کرنے کے لیے ہماری قوت کا بھی آسانی سے اندازہ لگا سکیں گے۔

ہمیں ایک بڑے عفریت کا سامنا ہے۔ ایک ایسے جارح ملک کا جو بار بار جارحیت کا ارتکاب کرتا رہا ہے۔ ہم نے آزادی کے بعد سے اب تک سترہ سال بھارت کی جارحانہ کارروائیوں کا سامنا کیا ہے۔ اس نے جوناگڑھ پر قبضہ کر لیا' مناودر اور مانگرول کو طاقت کے ذریعے ہڑپ کر لیا' اس نے حیدر آباد پر فوج کشی کر کے اس ریاست کو ہتھیا لیا اور یہ گوا پر فوجی طاقت کے ذریعے غاصبانہ قبضہ کر چکا ہے۔ اس نے اپنے جارحانہ عزائم کے ذریعے ایسے حالات پیدا کیے جن میں چین اور بھارت کی فوجوں میں تصادم ہو گیا اور اب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ بھارتی لیڈر پاکستان کو اپنا

اولین دشمن قرار دیتے ہیں۔

جناب والا! پاکستان ایک ایسا ملک ہے جسے بھارت کی ہر پالیسی کا پہلا اور بنیادی ہدف سمجھنا چاہیے۔ سترہ سال سے ہم دیکھ رہے ہیں اور اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ بھارت پاکستان کو ختم کرنے کا تہیہ کر چکا ہے۔ آپ اس بات سے باخبر ہوں گے کہ پاکستان کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ برصغیر کی دو قوموں' ہندو اور مسلمان کے درمیان آئے دن کے تنازعات اور بدامنی کو ختم کر کے برصغیر میں پرامن حالات پیدا کیے جائیں۔ سات سو سال تک برصغیر میں ان دونوں قوموں کی کشمکش جاری رہی اور ہم ہندو قوم کے ساتھ' جو اکثریت میں تھی' امن کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتے رہے لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی اور بالآخر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اس دائمی کشمکش کا حل اور برصغیر میں قیام امن کا راستہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے لیے ایک الگ وطن حاصل کر لیں' خواہ وہ رقبہ اور وسائل میں چھوٹا ہی ہو لیکن اس قابل ہو کہ امن کے ساتھ زندہ رہ سکے اور ایک بڑے پڑوسی ملک کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ برصغیر میں قیام امن کی یہ خواہش ہی قیام پاکستان کا بنیادی اصول اور محرک تھی۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ یورپ میں بھی کئی اقوام کو ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ اور قریبی تعلقات قائم رکھنے کے لیے اس قسم کی تقسیم اور علیحدگی اختیار کرنی پڑی ہے۔ مثال کے طور پر اسی مقصد کی خاطر ناروے اور سویڈن نے ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کی۔ ہمیں یقین تھا کہ مسلمانوں کا علیحدہ وطن پاکستان قائم ہو جانے کے بعد برصغیر میں امن قائم ہو جائے گا اور پاکستان اور بھارت کے عوام دوستی کے ساتھ اچھے ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کر سکیں گے۔

ہم جنگ نہیں چاہتے

جناب والا! ہمارا یہ پاکستان بہت چھوٹا ملک ہے اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ہمارے وسائل بھی بہت محدود ہیں۔ آپ اگر دنیا کے نقشے پر اور پھر برصغیر کے نقشے پر نظر ڈالیں تو خود بخود آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ پاکستان نہ جنگ کا خواہشمند ہو سکتا ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتا ہے لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم پر حملہ کیا جائے اور ہمیں جارحیت کا نشانہ بنایا جائے۔ ہم جھگڑے سے بچنا چاہتے ہیں' ہم امن چاہتے ہیں تاکہ ہم اپنے عوام کی ترقی کے لیے کچھ کام کر سکیں۔ آج کی دنیا میں ہر علاقے اور ہر ملک کے عوام کچھ توقعات رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ عوام کی ان توقعات کو پورا کر سکیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی تمام صلاحیتیں اپنے ملک اور عوام کی اقتصادی بہبود کے لیے استعمال کریں۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا یہ قدرت کا قانون ہے کہ افریقہ اور ایشیا کے لوگ بھوکے' پسماندہ اور مفلوک الحال رہیں۔ کیا یہ ہمارے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ ہم ہمیشہ بدحال اور پسماندہ رہیں' ہرگز نہیں۔ ہم پسماندگی اور افلاس کی ان دیواروں کو توڑ دینا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے عوام کے لیے ایک بہتر مستقبل تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہماری آئندہ نسلیں خوشحالی' اطمینان اور عزت کی زندگی بسر کریں۔ افریقہ اور ایشیا کے لیڈر آج اسی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ وہ پسماندگی اور افلاس کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہم اپنے تمام وسائل' اپنی تمام قوتوں او صلاحیتوں کو مفید اور تعمیری کاموں میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

تقسیم کا اصول

پاکستان جیسے ملک کے لیے خاص طور پر سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اس کے تمام وسائل ترقیاتی کاموں میں استعمال ہوں۔ ہم تصادم اور لڑائی

سے ہر قیمت پر بچنا چاہتے ہیں۔ ہم جنگ کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم عوام کی تباہی اور بربادی کے ہر امکان کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ہم بھارت کے عوام کی بھی قدر کرتے ہیں اور ان کا بھلا چاہتے ہیں' آخر چند سال پہلے تک ہم ایک ہی ملک کے باشندے تھے۔ یہ تو صرف چند خاص وجوہات تھیں جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں' جن کی وجہ سے بھارت کے عوام سے علیحدگی اختیار کرنا پڑی۔ لیکن اس علیحدگی سے ہمارا مدعا یہی تھا کہ دونوں ملکوں کے عوام اچھے پڑوسیوں کی طرح ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں' امن اور صلح صفائی کے ساتھ زندگی بسر کریں اور اپنے ملک کی ترقی کے لیے سکون کے ساتھ کام کر سکیں۔

پاکستان کے قیام کا بنیادی اصول یہ تھا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے' وہ پاکستان کا حصہ ہوں گے۔ بھارتی لیڈروں نے اس بنیادی نظریے کو تسلیم کر لیا تھا اور اسی بنیاد پر پاکستان کا عمل میں آیا اور اس کے ساتھ ہی بھارتی لیڈروں نے یہ اعتراف اور اقرار کر لیا کہ دونوں قومیں اس طرح امن کے ساتھ ساتھ اچھے پڑوسیوں کی طرح زندگی بسر کریں اور آج بھی ہم ان سے اس بنیادی بات کے سوا اور کچھ نہیں مانگتے۔

آج ہم ایک ایسی جنگ لڑ رہے ہیں جو بھارت نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہم پر مسلط کی ہے۔ یہ 45 کروڑ آبادی کے ایک طاقتور ملک کی طرف سے دس کروڑ آبادی کے ایک چھوٹے ملک پر ایک جارحانہ حملہ ہے۔ یہ ایک بڑی قوم کی طرف سے' جو ہوس ملک گیری کا شکار ہے' ایک چھوٹے پڑوسی ملک کو ختم کرنے کے لیے ایک کھلا جارحانہ اقدام ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے جرمنی یا فرانس نے ڈنمارک پر حملہ کر دیا ہو یا یوں سمجھیے کہ جنوبی امریکہ کی کسی چھوٹی سی ریاست پر ارجنٹائن یا برازیل نے اپنی فوجیں چڑھا دی ہوں' بلکہ زیادہ واضح طور پر یہ تصور کیجئے کہ امریکہ جیسی عظیم طاقت کسی چھوٹے ملک پر فوج کشی کر دے۔ ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ ہمیں

ختم کر دیا جائے۔ ہم بھی زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ پاکستان کے عوام زندہ رہیں' اپنے ملک میں ترقی حاصل کریں اور خوشحالی کی زندگی بسر کریں۔ لیکن آج بھارت اپنی تمام جنگی قوت کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ بھارت کا طاقتور فضائی بیڑہ ہمارے شہروں پر اندھا دھند بمباری کر رہا ہے۔ ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ ہم اپنی عزت' اپنے ناموس اور اپنے وطن کا ہر قیمت پر دفاع کریں گے۔ ہم نے جنگ شروع نہیں کی' دوسری طاقت نے ہم پر حملہ کیا ہے۔ ہمیں اپنے وطن کو بچانا تھا' اس حقیقت کے باوجود کہ ہمارا ملک بہت چھوٹا ہے' ہمارے وسائل محدود ہیں' ہمیں دشمن کا مقابلہ کرنا ہے' اپنے وطن کا دفاع کرنا ہے اور لڑنا ہے اور ہم لڑتے رہیں گے' اس لیے کہ ہم حق پر ہیں' ہم ایک اصول کی خاطر لڑ رہے ہیں اور ہم اپنے اس عہد کے لیے لڑ رہے ہیں جو حق خود ارادیت کے لیے ہم نے کیا ہے۔ ہم ہر قوم کے حق خود ارادیت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور آج ہم ہی نہیں' ایشیا اور افریقہ کی ہر قوم اس معاملہ میں متفق ہے۔

حق خود ارادیت کا یہ اصول جس کے لیے ہم لڑ رہے ہیں' ایک ایسی محرک قوت ہے جسے اب کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی اور ہم یہ جنگ لڑتے رہیں گے' پورے عزم کے ساتھ یہ جنگ جاری رکھیں گے اور دنیا کی جو طاقتیں بھی ہمارے خلاف صف آرا ہو رہی ہیں' ان سب کا مقابلہ کریں گے۔

سیکرٹری جنرل نے اس معاملے میں مفید تجاویز پیش کی ہیں۔ ہم ان کے ممنون ہیں۔ ہم صرف سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے ہی ان کی قدر نہیں کرتے بلکہ ہم انہیں ایشیا کا ایک عظیم مدبر سمجھتے ہیں۔ وہ پاکستان اور بھارت کے ایک عظیم ہمسایہ ملک برما کے لیڈر ہیں اور ہم برما کے ایک مدبر اور سیکرٹری جنرل' دونوں حیثیتوں میں ان سے تعاون کریں گے۔ راولپنڈی میں ان سے بات چیت کے دوران ہم نے انہیں بتا دیا تھا کہ ہم امن چاہتے ہیں' ہم جنگ نہیں

چاہتے' ہم تباہی اور بربادی نہیں چاہتے لیکن سوال یہ ہے کہ جنگ بندی مستقل ہونی چاہیے۔ اس سے ایسا امن قائم ہونا چاہیے جس سے بھارت اور پاکستان آئندہ کے لیے اچھے ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ہم بھارت کے پڑوسی ہیں اور اچھے ہمسایوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں۔ ہم روز روز کے جھگڑوں سے تنگ ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ یہ جھگڑے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔

جناب والا! میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے اور ہماری خارجہ پالیسی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ تمام قوموں سے اور خاص طور پر ہمسایہ ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کیے جائیں اور بھارت تو ہمارا سب سے قریبی اور بڑا ہمسایہ ہے۔ قدرتی بات ہے کہ ہم سب سے پہلے بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات چاہتے ہیں اور اگر ہم بھارت سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کر سکیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہمسایہ ممالک اور دوسرے ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے ہماری تمام کوششیں رائیگاں رہیں۔

ہم نے بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے ایک مرتبہ نہیں' کئی بار کوششیں کی ہیں۔ کتنی ہی بار ہم نے اس معاملہ میں پہل کی۔ بھارتی نمائندہ یہاں موجود ہے' وہ اس بات کی گواہی دے گا۔

تاریخی حقیقت

صدر ایوب خان نے جب سے اپنا عہدہ سنبھالا ہے' ایک نہیں کئی مرتبہ وہ بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے کے لیے کوشش کر چکے ہیں۔ یہ صرف پراپیگنڈہ کی بات نہیں ہے' یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کئی بار انہوں نے اس سلسلہ میں غیر معمولی اقدامات کیے ہیں۔ کیا بھارتی نمائندہ اس

بات کی تردید کر سکتا ہے کہ 1959ء میں صدر ایوب نے کہا تھا کہ بھارت اور پاکستان کو اپنے معاملات طے کر لینے چاہئیں تاکہ ہماری فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا نہ رہیں۔

یہ تاریخی حقائق ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ یہ بات ایک مرتبہ نہیں بارہا ثابت ہو چکی ہے کہ ہم بھارت سے دوستانہ تعلقات چاہتے ہیں اور امن آبرومندانہ بنیادوں پر ہونا چاہیے اور بھارت کو بھی اعتراف کر لینا چاہیے کہ یہ امن اور دوستی آبرومندانہ بنیادوں پر ہونا چاہیے اور بھارت کو بھی اعتراف کر لینا چاہیے کہ یہ امن اور دوستی ان وعدوں کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جو خود بھارت نے پاکستان اور کشمیری عوام اور پوری دنیا سے کر رکھے ہیں۔

بھارت کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ ریاست جموں و کشمیر بھارت کا حصہ ہے۔ یہ بات طے ہو چکی ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے۔ کشمیر نہ اس وقت بھارت کا حصہ ہے اور نہ کبھی بھارت کا حصہ رہا ہے۔ اگر یہ کسی ملک کا حصہ ہے تو بھارت کی بجائے پاکستان ہو گا۔ بھارت خواہ کچھ ہی کہتا رہے' یہ حقیقت ہے کہ کشمیری عوام پاکستانی قوم کا حصہ ہیں اور ہمارا گوشت پوست ہیں۔ مذہبی' ثقافتی' جغرافیائی' تاریخی' ہر اعتبار سے کشمیری عوام پاکستانی قوم کا حصہ ہیں۔

"مردہ گھوڑا"

کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کے لیے اور اپنے دفاع کے لیے ہم ایک ہزار سال تک بھی لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ میں ایک سال پہلے بھی سلامتی کونسل کو یہ بات بتا چکا ہوں۔ کیا آپ کو یاد ہے کہ اسی ادارے نے اپنی تمام طاقت اور اپنی تمام دانشمندی کے باوجود گزشتہ سال اسی کشمیر کے مسئلہ پر ایک قرارداد منظور کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت اسی سلامتی

کونسل کا یہ خیال تھا کہ (یہاں سے کچھ حصہ چھوٹ گیا ہے) اور ریاست جموں و کشمیر کے تنازعہ کا ایک منصفانہ اور آبرومندانہ حل تلاش کرنے کے لیے اپنی اخلاقی ذمہ داری کو پورا کرے۔ یاد رکھیے کہ تاریخ جس طرح افراد کی پرواہ نہیں کرتی' اسی طرح وہ کونسلوں' اداروں اور انجمنوں کا بھی انتظار نہیں کیا کرتی۔ اگر سلامتی کونسل نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو بالآخر ہمیں خود اپنا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔

تاہم نہ لو ملک

میں اپنی حکومت کی جانب سے سلامتی کونسل کو خبردار کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر سلامتی کونسل نے اس آخری مہلت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا' جو ہم اسے دے رہے ہیں اور اس نے اپنی تمام اخلاقی قوت' اپنی طاقت اور اپنا اثر استعمال کر کے تنازعہ کشمیر کا منصفانہ تصفیہ نہ کرایا' تو ہم اقوام متحدہ سے الگ ہو جائیں گے۔

ہم نے اقوام متحدہ کو ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کے اس تنازعہ کو طے کرنے کا جو آخری موقع دیا ہے' اس کے لیے ہم ایک وقت بھی مقرر کریں گے اور اگر سلامتی کونسل نے اس مقررہ مدت کے اندر اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے کارروائی نہ کی اور اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق' جو حق خود ارادیت کو تسلیم کرتا ہے' اپنا فرض ادا نہ کیا تو پاکستان اقوام متحدہ سے علیحدہ ہو جائے گا۔

میرا یہ اعلان کوئی الٹی میٹم نہیں ہے' میں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں اقوام متحدہ کے منشور کی سپرٹ اور اس کے مقاصد کا احترام کرنے پر مجبور ہوں۔ پاکستان اگر اقوام متحدہ سے الگ ہو گا تو اس طرح وہ اقوام متحدہ کے منشور پر ہی عمل کرے گا اور جب پاکستان اقوام متحدہ سے الگ ہو جائے گا

تو یہ سمجھئے کہ ایک تہائی دنیا ملک اس سے بھی کچھ زیادہ اس عالمی ادارے سے باہر ہوگی اور سلامتی کونسل میں یہاں کچھ ایسے ملکوں کے نمائندے بیٹھے ہوں گے جنہیں کسی اعتبار سے "ملک" کہا ہی نہیں جا سکتا"۔

(بہ شکریہ ہفت روزہ "لولاک" لائل پور' ص 6۔ 7 یکم اکتوبر 1965ء)

ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں مرزا کادیانی کا الہام

● سابق وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان نے سابق وزیر خارجہ اور سابق وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف خبث باطن اور تنگ نظری کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

"کہ بھٹو کا باون سال کی عمر میں مرنا مرزا صاحب (مرزا غلام احمد کادیانی) کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ باون سال کی عمر میں ایک کتا مرے گا"۔

(ہفت روزہ "ختم نبوت" کراچی' 26 جون تا 2 جولائی 1987ء)

اسے ظفر اللہ خان کی پیشہ وارانہ رقابت سمجھئے یا بھٹو دشمنی' کیونکہ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دور میں کادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا۔

● سابق وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کے بعد کادیانیوں نے بانی جماعت احمدیہ' مرزا غلام احمد کادیانی کے مجموعہ الہامات "تذکرہ" کے حوالہ سے یہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی کہ مرزا صاحب کا یہ الہام مسٹر بھٹو کے بارے میں تھا۔

"ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد تہجی میں مجھے خبر دی' جس کا ماحصل یہ ہے **کلب یموت علی کلب** یعنی وہ کتا ہے اور کتے کے عدد پر مرے گا۔ جو باون سال پر دلالت کر رہے ہیں۔ یعنی اس کی عمر باون سال سے تجاوز نہیں کرے گی۔ جب باون کے اندر قدم دھرے گا' تب اسی سال کے اندر اندر راہی ملک بقا ہوگا"۔

(ازالہ اوہام' ص 187' مجموعہ الہامات "تذکرہ" ص 186

حضرت مسیح موعود علیہ السلام' ناشر الشرکۃ اسلامیہ لمیٹڈ)

● آنجہانی چوہدری ظفر اللہ خان نے لاہور کے ایک رسالہ کو 1980ء میں انٹرویو دیتے ہوئے سابق وزیر اعظم' ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کو مرزا غلام احمد کادیانی کے الہام سے ثابت کرنے کی کوشش کی۔

"جس دن ہماری جماعت کے نوے سال پورے ہوئے' اس سے عین اگلے دن اس وقت ان کی ریویو پٹیشن (نظرثانی کی درخواست) خارج ہوئی تھی۔ لندن میں ہماری جماعت کا ایک جلسہ تھا۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ نوے سال کل پورے ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کا فیصلہ بھی ساتھ ساتھ شروع ہو گیا ہے مگر ایک مرحلہ ابھی باقی ہے رحم کا۔ جہاں تک میرے ذاتی تاثر یا رائے کا تعلق ہے' میں چاہتا ہوں کہ اگر اس کی جان بخشی ہو جائے تو ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید نہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صلح کر لے۔ میں نے انہیں بتایا کہ دیکھو' ہمارا اس میں کسی طرح بھی دخل نہیں۔ نہ ہم چاہتے تھے نہ ہم ہیں۔ نہ ہم کسی کے خلاف ہیں' نہ ہمارا کسی سے گلہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے' اس لیے تم کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا جس سے یہ سمجھا جائے کہ آپ لوگوں کے ساتھ کچھ ہوا۔ میں نے کہا یہ ہمارا معاملہ نہیں' اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔

س: آپ کے ہم عقیدہ اس بات کا بہت ذکر کرتے ہیں کہ آپ کے بانی سلسلہ کی اس سلسلے میں کوئی پیش گوئی ہے کہ ایک شخص آئے گا' وہ تمہیں نقصان پہنچائے گا اور اس کا یہ حال ہو گا۔

ج: میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ بھٹو صاحب کی سپریم کورٹ سے اپیل خارج ہوئی تھی 6 فروری 1979ء کو۔ شیخ اعجاز احمد کے چچازاد بھائی اور علامہ اقبالؒ کے صاحبزادے جسٹس جاوید اقبال نے شیخ اعجاز احمد' چوہدری

بشیر احمد اور مجھے 8 فروری 79ء کو دوپہر کے کھانے پر بلوایا ہوا تھا۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق حسین صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے خسر بھی وہاں تھے۔ بس اتنے ہی تھے۔ کھانے سے پہلے ہم برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کھانے کے لیے اندر چلے گئے۔ کھانا ختم ہوا۔ یہ سب لوگ باہر چلے گئے تو مولوی مشتاق حسین وہاں ہاتھ دھونے لگے۔ مولوی صاحب کو بڑی فکر تھی کہ اگر یہ اپیل منظور ہو گئی میرے فیصلے کے خلاف تو پھر میری کوئی جگہ نہیں۔ مولوی صاحب نے جب ہاتھ دھو لیے تو میں نے ان سے کہا' مولوی صاحب مجھے سپریم کورٹ کے ساتھ ایک شکوہ ہے۔ انہوں نے کہا: کیا۔ میں نے کہا: پرسوں اپیل خارج ہوئی ہے اور پرسوں میرا یوم پیدائش تھا۔ ایسی منحوس بات میرے یوم پیدائش پر ہوئی۔ خیر یہ تو مذاق کی بات تھی' اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ میں نے کہا' مولوی صاحب میں ایک بات آپ سے کہتا ہوں' آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اگر آپ کو خیال ہو کہ شاید بھول جائیں تو جا کر نوٹ کر لیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے مہلت دی تو میں آئندہ سال چھ فروری کو بھی یہیں ہوں گا۔ اگر تو اس وقت بھٹو زندہ ہوا تو آپ مجھے ٹیلی فون کر دیں کہ ظفر اللہ خان جو بات تو نے مجھ سے کہی تھی وہ ٹھیک نہیں نکلی اور اگر یہ مر گیا تو آپ ٹیلی فون کر دیں کہ بات تو ہو گئی۔ آج شام میں آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں گا اور بتاتا کہ کس بنا پر تم نے مجھ سے یہ بات کہی تھی۔ مولوی صاحب نے کہا: اچھی بات' مجھے یاد رہے گا۔ میں نے کہا: میں یہ نہیں کہتا کہ یہ پھانسی لگے گا یا خودکشی کرے گا یا اس پر بجلی گرے گی یا بیماری سے مر جائے گا' لیکن اپنی عمر کے 52 ویں سال کے دوران زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے گا' چنانچہ جب اس کی 51 ویں سالگرہ (5 جنوری 1979ء) ہوئی تو بیگم بھٹو نے بڑے سے برتھ ڈے کیک پر مٹھائی سے جیل کی شکل بنائی تھی اور ایک چھری کے ساتھ اسے توڑا کہ

اس طرح گویا ہم ان کو جیل سے نکال لیں گے۔ خیر'

تو پھر جب میں دوسرے سال (1980ء) یہاں آیا تو مولوی مشتاق حسین صاحب 6 فروری سے پہلے ہی تشریف لے آئے۔ بیٹھتے ہی بولے بتاؤ وہ بات۔ میں نے کہا' کھانے کے کمرے میں چلیں گے' آرام سے بیٹھیں گے۔ بات شروع ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ میں اول قرآن کریم کی دو آیات کی طرف آپ کی توجہ دلاتا ہوں کہ وہاں اس قسم کے لوگوں کا انجام ایسے طور پر درج ہے' بالکل اس واقعہ پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔ سورۂ ابراہیم کی آیات ہیں تیرہ اور چودہ۔

میں نے وہ آیات سنا کر کہا یہ تو ہے اللہ تعالیٰ کا اصول۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس کے بعض فیچر بالکل لفظاً" اس پر چسپاں ہوتے ہیں۔ پھر میں نے انہیں وہ الہام بتایا جو ہمارے بانی سلسلہ کو ہوا تھا' جو 1891ء میں چھپا بھی تھا۔ اس کے الفاظ تھے: کلب یموت علی کلب۔ کتا ہے' کتے کے لفظ کے اعداد پر مرجائے گا۔ تو "ک" کے اعداد ہیں بیس' "ل" کے تیس' "ب" کے دو۔ مولوی صاحب نے کہا: یہ دونوں حوالے مجھے نکال دو۔

س: بس اتنا ہی مزید کچھ نہیں۔

ج: آگے اس کی وضاحت بھی آپ نے کی کہ اس کے باون لفظ بنتے ہیں۔ باون برس میں قدم رکھے گا اور مرجائے گا۔

س: کسی فرد کا نام لے کر نشاندہی نہیں کی اور نہ اس قسم کی کوئی تفصیل ہے کہ وہ آپ لوگوں کو اقلیت قرار دے گا یا نقصان پہنچائے گا۔

ج: نہیں' بس اتنا ہی جتنا میں کہہ چکا ہوں۔

س: پھر تو آپ لوگوں کا محض یہ اندازہ ہے کہ یہ پیش گوئی بھٹو کے متعلق ہے۔

ج: کراچی کے کسی اخبار میں چھپا بھی تھا کہ کم سے کم اس کو ایک

سال کی مہلت دے دینی چاہیے ورنہ مرزائی کہیں گے ہماری پیش گوئی پوری ہو گئی"۔

(ہفت روزہ "آتش فشاں" لاہور' ص 12' جلد 9 شمارہ 9' مئی 1980ء

انٹرویو: منیر احمد منیر)

ذوالفقار علی بھٹو کی مقبولیت

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں ذوالفقار علی بھٹو ایک قومی لیڈر کی حیثیت سے ابھرے۔ سلامتی کونسل کے اجلاس میں بھٹو صاحب کی تاریخی تقریر ان کی مقبولیت اور ہردلعزیزی کا باعث بنی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے دنیائے عالم کے نمائندوں کے سامنے جس جوش' جذبے اور جرات مندی سے پاکستانی قوم کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کی' اہل پاکستان کے دلوں میں ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہونا ایک فطری عمل تھا۔ یہی وجہ ہے' کہ جب وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو وطن واپس تشریف لائے' تو ان کا شاندار استقبال ہوا اور انہیں ہر شعبہ زندگی کی طرف سے پذیرائی حاصل ہوئی ——

تاشقند کانفرنس سے پہلے یہ افواہیں گردش کرنے لگیں' کہ ذوالفقار علی بھٹو کو وزارت خارجہ کے منصب سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ سیاسی حلقوں میں یہ تاثر عام پایا جاتا تھا کہ صدر ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو میں اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ مسٹر بھٹو چین اور سوشلسٹ بلاک کے حامی ہیں' جبکہ صدر مملکت امریکہ اور مغربی ممالک کا تعاون حاصل کرنے کے حامی ہیں۔ تاشقند میں پاک بھارت سربراہوں کے مذاکرات کا آغاز ہوا۔ مذاکرات اور مشاورت کا سلسلہ ایک ہفتہ جاری رہا جو بالآخر اعلان تاشقند پر منتج ہوا۔ ملک بھر میں شکوک و شبہات' غلط فہمیوں اور افواہوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ فائر بندی کے بعد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کچھ آزردہ سے نظر آنے لگے۔ ان کا کوئی قابل ذکر بیان بھی اخبارات اور ریڈیو میں نہ آسکا۔ ان دنوں' اخبارات میں مسٹر بھٹو صاحب کی جو تصویریں شائع ہوتی تھیں' ان میں خاموشی اور آزردگی کے

تاثرات نمایاں ہوتے تھے۔ اعلان تاشقند کے فوری بعد ملک بھر میں طلبا کے احتجاج بھرے ہنگامے شروع ہو گئے۔ حزب اختلاف کے رہنماؤں نے اعلان تاشقند پر عدم اطمینان کا اظہار کیا' جس نے جلتی پر تیل کا کام دیا۔

بھارتی وزیر اعظم بہادر شاستری اعلان تاشقند کے اعلان کے بعد پہلی رات روس میں ہی حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے تھے۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو بحیثیت وزیر خارجہ آنجہانی شاستری کی آخری رسومات میں شرکت کے لیے بھارت نہ گئے بلکہ راولپنڈی پہنچنے کے فورا بعد لاڑکانہ روانہ ہو گئے۔ لاڑکانہ جاتے ہوئے جب ان کی ٹرین خانیوال پہنچی' تو ریلوے حکام کی معرفت انھیں پیغام پہنچایا گیا کہ وہ خانیوال ریلوے سٹیشن سے ہی صدر مملکت سے بات کریں۔ پھر اطلاع آئی کہ صدر محمد ایوب خان تین دن کے لیے لاڑکانہ جا رہے ہیں۔ صدر مملکت لاڑکانہ تو نہ جا سکے' البتہ مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خان کو ملنے کالا باغ تشریف لے گئے۔ ان مختلف خبروں کی کڑیوں کو جوڑ کر سیاسی حلقوں نے بے پر کی اڑانی شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ کراچی کے ایک اخبار نے ان تمام کڑیوں سے جڑی ہوئی ایک خبر بھی شائع کر دی کہ آخر یہ افواہیں گشت کرتی ہوئی ایوان صدر تک جا پہنچیں' تو صدر محمد ایوب خان نے ان کی تردید کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے جنوری کے اواخر میں حسب ذیل تردیدی بیان جاری کیا:

"صدر ایوب نے مرکزی کابینہ میں اختلاف اور کابینہ میں تبدیلیوں کے متعلق افواہوں کی تردید کرتے ہوئے ان کو احمقانہ اور بے بنیاد قرار دیا۔ انھوں نے آج یہاں دانشوروں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان فرضی اختلافات کی افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں۔ یہ افواہ بعض اخبارات نے شائع کی ہے' انھوں نے کہا: ان افواہوں کا عام ہونا یہ بتاتا ہے کہ بعض لوگ افواہیں گھڑنے اور ان کو پھیلانے میں کتنے ماہر ہیں"۔

(روزنامہ "مشرق" 30 جنوری 1966ء)

کابینہ کی تشکیل نو

صدر مملکت محمد ایوب خان نے ان افواہوں کے بارے میں یہ بھی بتایا کہ مجھے لاڑکانہ جانا تھا لیکن میں وہاں جانے کی بجائے کالا باغ چلا گیا' تاکہ ملک امیر محمد خان سے مرکزی کابینہ کے ایک حصہ کو برطرف کرنے کے لیے مشورہ کروں اور اپنی تمن چوتھائی کابینہ کی ازسرنو تشکیل کروں۔ انہوں نے کہا' یہ تمام افواہیں غلط ہیں' البتہ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ہم افواہیں گھڑنے میں بہت ماہر ہیں ـــــ لیکن مجھے یہ توقع نہیں کہ جب افواہوں کی پیداوار اور بہت بڑھ جائے گی' تو ہم اتنی اچھی افواہیں گھڑ سکیں۔

اعلان تاشقند کے بعد حالات کا تجزیہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ صدر محمد ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے اختلافات کو ہوا دے کر افواہوں کو گردش دینے میں کادیانی جماعت نے اہم کردار ادا کیا۔ ان افواہوں کے متصل ہی کادیانی جماعت کے رہنما اور سابق وزیر خارجہ چوہدری سر ظفر اللہ خان نے ملک بھر کا طوفانی دورہ کیا۔ انہوں نے فیصل آباد (لائل پور) کراچی' ساہیوال' سیالکوٹ اور بعض دوسرے شہروں میں تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اگرچہ سر ظفر اللہ خان کا موضوع سخن "اعلان تاشقند" ہی تھا لیکن وہ تاشقند کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کہتے پھرے۔ چوہدری صاحب کی تقریریں ذومعنی تھیں' یعنی دو پہلو رکھتی تھیں۔ پہلا یہ کہ موجودہ حکومت تاشقند میں کامیاب رہی' دوسرا یہ کہ جس مقصد کے لیے پاکستان بنایا گیا تھا' اس مقصد میں ہم ناکام رہے۔ ان کا واضح اشارہ اسلامی نظام کی طرف تھا۔ اس طرح چوہدری ظفر اللہ خان نے ایک مرتبہ پھر اپنی روایتی عیاری اور مکاری کا سہارا لے کر جہاں حکومت کو ممنون کیا' وہاں ایوب حکومت کے بارے میں اپنے بغض کا اظہار بھی کیا۔

حد یہ کہ "نوائے وقت" جیسے محب وطن اخبار نے چوہدری ظفر اللہ خان کی تقریروں کے اس پہلو کو' کہ انہوں نے ملک کے اصل مقصد کو بیان کیا ہے' بہت سراہا اور ان کو اس معرکے کا "اولین مجاہد" اور "مبلغ" قرار دیتے ہوئے علماء کو خوب کوسا کہ یہ علماء

عوام کو یہ نہیں بتاتے کہ پاکستان کیوں بنایا گیا تھا۔ یہ کام اس شخص نے انجام دیا جس کو علما "مرزائی" کہتے ہیں ـــــ حالانکہ "نوائے وقت" کے قابل صد احترام مدیر یہ جانتے تھے کہ ملک کے علمائے کرام کی ایک بہت بڑی اکثریت پاکستان کے اس مقدس مقصد کو ہمیشہ بیان کرتی رہتی ہے۔ اسلام کی تعلیم و تبلیغ اور ترویج و نفاذ ہی ان کی زندگیوں کا مقصد بن چکا ہے۔ وہ نہ صرف منبر و محراب سے ہی یہ آواز بلند کرتے رہتے ہیں بلکہ انہیں بعض دفعہ یہ کلمہ حق بلند کرنے کے لیے حکومت کے ایوانوں اور عدالت کے کٹہروں تک بھی جانا پڑا ہے۔

چوہدری ظفر اللہ خاں نے اگر اسلام کے زوال کا تذکرہ حالیہ تقریروں میں کیا تو وہ محض موجودہ حکومت کے خلاف بے اطمینانی پھیلانے کے لیے ورنہ وہ دل سے کبھی پاکستان میں اسلامی نظام حکومت کی خواہش کر ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ جانتے ہیں اگر پاکستان میں کبھی مکمل کتاب و سنت کا نفاذ ہو گیا تو اس وقت چوہدری ظفر اللہ خان اور ان کی جماعت کے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی' کیونکہ اسلام اپنے دائرۂ اختیار میں ذمی کفار کو تو برداشت کر سکتا ہے لیکن کسی مرتد یا کسی ارتدادی تحریک کو برداشت نہیں کر سکتا۔ "نوائے وقت" میں چوہدری ظفر اللہ خان کی اس توصیف اور علمائے کرام پر تاسف کے علاوہ ایک اور مراسلہ بھی شائع ہوا ہے جس کا مطلب ہم یہی سمجھ سکے ہیں کہ چوہدری صاحب موصوف کو "نوازش ہائے بیجا" سے نوازنے کی کوشش کی گئی ہے اور بس۔

● 11 فروری 1966ء سر راہے کے کالم میں علماء کی تضحیک اور چوہدری سر ظفر اللہ کی مدح و ستائش میں جو کچھ لکھا' مولانا بہاء الحق قاسمی نے مدیر "لولاک" کو ایک مکتوب کے ذریعہ اس کا جواب ارسال کیا' جو انہوں نے اپنے رسالہ میں شائع کیا۔ مولانا دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

چوہدری ظفر اللہ خان کے متعلق ایک مکتوب

"محترم ایڈیٹر صاحب' ہفت روزہ "لولاک" لائل پور! السلام علیکم!
گزارش ہے کہ "نوائے وقت" (۱۱ فروری) میں سرراہے کے کالم نویس نے علماء اسلام کی تنقیص و مذمت اور چودھری ظفر اللہ خان کی مدح و منقبت کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے' میں اس کے بعض اجزا کی نسبت مختصر گزارشات پیش کرتا ہوں:

کالم نویس نے اپنے بزرگ چودھری ظفر اللہ خان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"ہم نے اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب پاکستان مل جائے گا تو ہم اس میں اسلامی اور قرآنی نظام حیات قائم کریں گے' لیکن ہم نے دین کو دنیا کا تابع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت دیر سے شروع ہوتی ہے' لیکن بڑی سخت ہوتی ہے"۔

میں کالم نویس صاحب کی وساطت سے ان کے بزرگ چودھری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ اسی پاکستان کے کئی سال تک وزیر خارجہ رہ چکے ہیں' کیا آپ نے اپنے زمانہ وزارت میں پاکستان میں قرآنی اور اسلامی نظام حیات قائم کرنے کی کوئی کوشش کی تھی؟ اگر کی تھی تو بتایئے اس کی نوعیت کیا تھی؟ اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟ اور اگر آپ نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تو آپ کو تسلیم کرلینا چاہیے کہ آپ نے دین کو دنیا کا تابع بنایا۔ پھر آپ کس منہ سے مسلمانوں کو خدا کی گرفت میں آنے کی وعید سنا رہے ہیں۔ آپ کو خود کبر مقتا "عنداللہ ان تقولوا ما لا تفعلون ○ کی وعید سے ڈرنا چاہیے۔ اور اگر قرآنی نظام حیات سے آپ کی مراد آپ کے مخصوص عقائد کی تبلیغ اور اس کے لیے فضا ہموار کرنا ہے تو بلاشبہ آپ نے اس "فرض" کی ادائیگی میں اپنے دور وزارت میں بھی نہ صرف پاکستان میں' بلکہ بیرونی ممالک میں بھی نہایت اہم کردار پیش کیا ہے۔ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا' ہر کہ شک

آرڈ "کافر" گردا۔ چودھری صاحب کا قول مذکور نقل کرنے کے بعد "نوائے وقت" کے کالم نویس صاحب فرماتے ہیں:

"ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں کو اس یاددہانی کی سعادت ایک ایسے بزرگ کو حاصل ہوئی ہے' جسے عام مسلمان "مرزائی" کہتے ہیں اور علماء دین "مسلمان" ہی تسلیم نہیں کرتے۔ اب ہم علماء دین کو کیسے یاد دلائیں کہ یہ فرض ان کا تھا لیکن ادا کرنے کی سعادت سرچودھری ظفراللہ خان کو ہوئی"۔

خدا جانے کالم نویس صاحب سے کس مسخرے نے کہہ دیا ہے کہ یہ سعادت صرف چودھری صاحب کے حصہ میں آئی اور علماء اسلام اس سعادت سے محروم رہے؟ واقعہ یہ ہے کہ علماء اسلام پاکستان کے یوم تاسیس سے اس وقت تک پاکستان کی تمام وزارتوں اور حکومتوں کے دور میں اسلامی نظام کے قیام کا پرزور مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ تقریروں' تحریروں' قراردادوں' تاروں' محضرناموں اور ارباب اقتدار سے ملاقاتوں کے ذریعہ برابر صدائے حق بلند کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں' لیکن علماء کرام کی یہ آواز وزارتوں اور حکومتوں کے نقار خانے میں ہمیشہ طوطی کی صدا بن کر رہ گئی۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ اور جمعیتہ علماء اسلام کی کوشش سے خان لیاقت علی خان مرحوم کے عہد میں خدا خدا کر کے قرارداد مقاصد منظور ہوئی تھی' لیکن شاطران سیاست نے اس قرارداد کو مات دے دی۔ پھر اس صورت حال کے ہوتے ہوئے چوہدری ظفراللہ خان کی عمر کے آخری دور کی ایک خلاف معمول تقریر کو (جس کے "راز درون" کا پردہ مستقبل ہی اٹھائے گا) بنیاد ٹھہرا کر علماء اسلام کو اعلائے کلمتہ الحق کی سعادت سے محروم قرار دینا انتہائی غیرذمہ دارانہ حرکت نہیں تو اور کیا ہے؟

کالم نویس صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"بارشیں نہیں ہو رہیں' ہوتی ہیں تو شدہ ہونے کے برابر۔ ابر آتا ہے' لیکن برستا نہیں۔ روزانہ زلزلے آ رہے ہیں' لیکن ہم مسلمان ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ نہیں سمجھ رہے ہیں۔ کوئی عجب نہیں کہ وقت شروع ہو چکی ہو اور بڑوں اور علماء کرام کی نافرمانیوں کی سزا ساری ملت کو بھگتنی پڑے"۔

اس عبارت کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی آنجہانی بول رہے ہوں۔ مرزا صاحب بعینہ اسی طرح تمام زمینی اور آسمانی بلاؤں کے نزول کا سبب علماء کرام کی "نافرمانیوں" کو قرار دیا کرتے تھے اگر "نوائے وقت" کے کالم نویس صاحب "کرے موچھوں والا اور پکڑا جائے داڑھی والا" کے فلسفہ کے قائل نہیں ہیں تو وہ مہربانی کر کے بتائیں تو سہی کہ خدا کی نافرمانیوں اور گناہوں کا جو سیلاب موجود ہے اور معصیتوں اور بدمعاشیوں اور الحاد و زندقہ کا جو طوفان برپا ہے' اس کا ذمہ دار کون ہے؟ زناکاری' قمار بازی' شراب نوشی' ناچ رنگ' سینما' فحاشی' بے حیائی' سود' چوری' ڈکیتی' رشوت' خیانت کے کاروبار کون کرتا ہے؟ اور اس کاروبار کو فروغ دینے والے کون لوگ ہیں؟ اور کیا یہی وہ جرائم نہیں ہیں جن کی گرم بازاری خدائے قہار کے عذاب کو دعوت دینے کا موجب ہے؟ پھر یہ بھی سوچنے کہ کیا بدعملی کے ساتھ بداعتقادی اور الحاد و زندقہ کی اعلانیہ نشر و اشاعت نے قوم کو "نیم چڑھا کریلا" بنا کر نہیں رکھ دیا ہے؟

جب کچھ لوگ خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگیں اور ان کی تصدیق کے لیے کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور بعض لوگ "رواداری" کے ہیضہ کا شکار ہو کر ان کی پیٹھ ٹھونکنے لگیں اور بعض منافقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو حاکمانہ اور وقتی اور ہنگامی اطاعت قرار دے کر مسلمانوں کو اسلام حق سے باغی بنانے کی

سعی لاحاصل میں لگے ہوئے ہوں تو اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ کیوں نہ بھڑکے؟

یہ وہ ہولناک جرائم ہیں جو اس ملک میں ڈنکے کی چوٹ ہو رہے ہیں اور جن پر قرآن و حدیث میں جابجا شدید عذابوں سے ڈرایا گیا ہے۔ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دنیا کے آخر پر مختلف عذابوں کے آنے کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ یہ پیش گوئی انجیل متی باب 24' آیت 4 تا 11 میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ:

> "بہیترے میرے نام سے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے۔ قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے۔ (الی قولہ) بہت سے جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور بہتیروں کو گمراہ کریں گے"۔

علماء اسلام دنیاوی وسائل و اسباب سے محرومی بلکہ بے نیازی کے باوجود دین کے مختلف شعبوں کی جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں' اس پر اگر "نوائے وقت" ان کو داد تحسین نہیں دے سکتا تو کم از کم ان کی توہین کر کے دشمنان دین کے ہاتھ بھی تو مضبوط نہ کرے!

"نوائے وقت" کے کالم نویس صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

> "ممکن ہے کل یہ علماء ہمارا جنازہ پڑھانے سے ہی انکار کر دیں' لیکن ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مصلحت پسند علماء کو' جو حق بات کہنے کی بھی جرات نہیں رکھتے' جلد سے جلد اپنے پاس بلا لے' ہم ان کے بغیر ہی اچھے ہیں"۔

آپ نے بجا فرمایا۔ لیکن مطمئن رہئے' آپ نماز جنازہ کے بغیر دفن نہیں ہوں گے' مرزا ناصر احمد یا ان کا کوئی قائم مقام آپ کا جنازہ پڑھا دے گا'

بشرطیکہ آپ علماء اسلام کی موت اور ربوہ اور قادیان کی سلامتی کی دعائیں بالالتزام فرماتے رہیں"۔

[ہفت روزہ طلوع کے لائل پور' 11 مارچ 1966ء]

● "نوائے وقت" کی 18 فروری کی اشاعت میں بحث و نظر کے کالم میں "اعلان تاشقند اور سر ظفر اللہ خاں" کے زیر عنوان شفیق احمد باجوہ وہاڑی کا ایک مراسلہ شائع ہوا' جس میں وہ لکھتے ہیں:

"اعلان تاشقند کے متعلق دو نظریے تو پہلے ہی موجود تھے مگر اب عالمی عدالت کے جج چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کی تقریر نے' جو انہوں نے منٹگمری میں بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمائی' ایک تیسرا مکتب فکر پیش کیا ہے۔ گویا انہوں نے میانہ روی اختیار کی ہے۔ آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا' اگرچہ معاہدۂ تاشقند میں بعض خامیاں موجود ہیں لیکن مسئلہ کشمیر دس روز کی تاشقند کانفرنس میں حل نہیں ہو سکتا تھا۔ ہمیں معاہدۂ تاشقند کے باوجود اپنی جنگی تیاریاں جاری رکھنی چاہئیں"۔

چوہدری صاحب کے یہ چند الفاظ سوچ بچار کی ایک نئی راہ پیش کرتے ہیں۔ موصوف اس وقت عالمی عدالت کے جج ہیں۔ اس سے پہلے وہ اقوام متحدہ کی صدارت بھی کر چکے ہیں۔ طویل عرصہ تک پاکستان کے وزیر خارجہ بھی رہ چکے ہیں۔ برصغیر کے ایک پرانے بلکہ بزرگ سیاستدان ہیں جنہوں نے گاندھی جی اور جواہر لعل نہرو کے وقت کے سیاسی اتار چڑھاؤ بھی دیکھے ہیں۔ اپنے علم و فراست کی وجہ سے ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ مسئلہ کشمیر کے ہر پہلو سے خوب واقف ہیں۔ یو این میں انہوں نے سالہا سال تک مسئلہ کشمیر پر پاکستان کی وکالت کی ہے' اس لیے چوہدری صاحب کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ پاکستان کے ان سرفہرست اصحاب میں شامل ہیں جو امور خارجہ اور مسئلہ کشمیر پر پوری معلومات رکھتے ہیں' اس لیے وہ جو بھی رائے

ظاہر کریں' اسے بہت زیادہ وزن دینا ضروری ہے۔ چوہدری صاحب کی مختصر صدر تقریر اور اس کے بعد کے خطاب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اعلان تاشقند چند خامیوں اور اچھائیوں کا مجموعہ ہے مگر انہوں نے بھی اعلان تاشقند کی خامیوں اور اچھائیوں کی ایک جج کی طرح نشاندہی نہیں کی اور نہ ہی مکمل وضاحت کی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ ان پہلوؤں کو وضاحت سے بیان کر دیتے۔ آخر اعلان تاشقند کے مخفی معنی سمجھنے کے لیے عام لوگ کہاں جائیں اور کس کا دروازہ کھٹکھٹائیں؟

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

اعلان تاشقند کی مختلف تشریحات اور تفصیلات سن کر عام لوگ ایک تذبذب میں گرفتار ہیں۔ آخر اس کا کوئی حل بھی ہوگا؟ کیا ایسا کوئی انسان دوست مفکر اور محب وطن نہیں جو عام لوگوں کو اس سے نجات دلا سکے؟ کیا ہمارے ملک میں ایسا کوئی مرد مومن نہیں جو عوام کی اس بے قراری کو قرار میں بدل دے؟ کیا کروڑوں انسانوں کو ذہنی سکون عطا کرنا کسی نیکی سے کم ہے؟ ان باتوں سے کوئی بھی باشعور آدمی انکار نہیں کر سکتا تو پھر کیا وجہ ہے کہ کوئی شخص جسارت نہیں کر رہا؟ میرے خیال کے مطابق چوہدری محمد ظفر اللہ خان ایک موزوں انسان ہیں جو اس فریضہ کو اس طرح سرانجام دے سکتے ہیں کہ لوگ مطمئن ہو جائیں۔ تو پھر چوہدری صاحب کیوں نہیں بازی جیت لیتے؟ چوہدری صاحب کو چاہیے کہ وہ عوام کو اعلان تاشقند کے ظاہر اور مخفی مطالب سے آگاہ کر دیں کہ اس میں کیا خامیاں ہیں اور کیا اچھائیاں ہیں۔ نیز اس کی روشنی میں کشمیر کا مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے؟"[1]

[1] بہ شکریہ ہفت روزہ "لولاک" لائل پور میں 25/4 فروری 1966ء

وزارت خارجہ کے خواب

مسٹر بھٹو اور صدر کے اختلاف کی داستانیں اور بھٹو کی وزارت خارجہ سے علیحدگی اور ان کی جگہ کسی اور وزیر خارجہ کی تلاش کی خواہش کس کو آ رہی تھیں۔ ظاہر ہے حزب اختلاف میں سے کسی جماعت کا کام یہ نہیں تھا کہ وہ صرف مسٹر بھٹو کی علیحدگی سے دلچسپی رکھتے ہوں' ان کی خواہش کا تعلق تو پورے ملک کے اقتدار سے تھا۔ اعلان تاشقند کے بعد افواہ سازی اور کانا پھوسی کی مہم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے لگے بندھوں ہی کی چلائی ہوئی تھی۔ ان کی خواہش کا بین السطور یہ تھا کہ پاکستان کے تعلقات جیسے جیسے امریکہ اور مغربی ممالک سے بہتر ہوتے جائیں گے' اسی قدر صدر صاحب کو مسٹر بھٹو کی جگہ چوہدری ظفر اللہ خان کے وزیر خارجہ بنانے کی ضرورت لاحق ہوگی' کیونکہ اس سے پہلے بھی جب تک پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان تھے' تو پاکستان اور امریکہ کے درمیان بہترین تعلقات قائم تھے۔ امریکہ اور انگریزوں کو پاکستان کے متعلق کوئی تشویش اور تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ بس پاکستان ان کے گھڑے کی مچھلی بنا ہوا تھا۔ جب سے چوہدری صاحب اس اعزاز سے محروم ہوئے اور مسٹر بھٹو وزارت خارجہ پر متمکن ہوئے' اسی وقت سے پاکستان امریکہ کے بس کا نہ رہا اور چین دوستی اور آزاد خارجہ پالیسی کی راہ پر چل پڑا' جس سے مغربی ممالک اور امریکہ کے لیے بے شمار دقتیں اور مشکلات پیدا ہو گئیں۔ اب اعلان تاشقند کے محاسن پر مسٹر بھٹو تو بولتے ہی نہیں تھے' البتہ چوہدری سر ظفر اللہ خان نے موقع غنیمت جانا اور اعلان تاشقند کے وکیل صفائی بن بیٹھے۔

"نوائے وقت" پاکستان کے عوام کو بالعموم اور صدر صاحب کو بالخصوص یہ یاد کرانے کا ثواب حاصل کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت پاکستان کی بزرگ ترین ہستی' کشمیر کے مسئلے کا سب سے بڑا ماہر' گاندھی اور نہرو کے پلے کا سیاستدان' پاکستان کی خارجہ پالیسی کو سب سے بہتر جاننے والا چوہدری ظفر اللہ خان ہی ہو سکتے ہیں۔

؎ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

چوہدری ظفر اللہ خان کی پریس کانفرنس

سیالکوٹ میں پاکستان کے سابق وزیر خارجہ اور عالمی عدالت کے جج سر محمد ظفر اللہ خان نے 11 فروری کو خواجہ عبدالرحمن کے مکان پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا' جس کی مختصر روداد مندرجہ ذیل ہے:

"○۔ نمائندہ پاکستان ٹائمز: بھارتی لیڈروں نے کشمیر کے اٹوٹ انگ کی رٹ لگا رکھی ہے اور آج اندرا گاندھی نے اپنی پالیسی کا اعلان کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں اعلان تاشقند کے متعلق آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

☆۔ سر ظفر اللہ خان: میں اعلان تاشقند سے نہ خوش ہوں اور نہ مایوس۔ اگر اس اعلان پر نیک نیتی سے عمل کیا جائے اور برصغیر کا امن سچے دل سے عزیز ہو تو اعلان تاشقند کو عملی جامہ پہنا کر معاملات کو بطریق احسن سلجھایا بھی جا سکتا ہے۔ اگر کوئی یہ توقع رکھتا تھا کہ تاشقند کی دس روزہ کانفرنس میں کشمیر حاصل ہو جائے گا تو ایسی توقعات کو خوش فہمی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ حالات اتنے الجھ چکے ہیں کہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے سلسلے میں کافی صبر' تدبر اور سوجھ بوجھ سے کام لینا ہوگا۔

○۔ مدیر "جہاد": آپ کا تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کشمیر کے متعلق ماضی کے مقابلہ میں موجودہ حالات مایوس کن ہیں۔

☆۔ سر ظفر اللہ خان: نہیں' میں یہ نہیں کہتا کہ حالات مایوس کن ہیں' البتہ ہم منجدھار میں ہیں۔

○۔ مدیر "جہاد": آپ نے 1948ء میں سلامتی کونسل میں کشمیر پر جو موثر' جامع اور تاریخی تقریر کی تھی' اس موقع پر شیخ محمد عبداللہ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے سلامتی کونسل میں کیا موقف اختیار کیا تھا؟

☆۔ سر ظفر اللہ خان: شیخ عبداللہ نے سلامتی کونسل میں بھارت کی حمایت اور پاکستان کی مخالفت کی تھی۔

○ — مدیر "جہاد": بھارت کو شیخ عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کی حمایت حاصل تھی اور نیشنل کانفرنس نے نام نہاد الحاق کی توثیق کی۔ یہ فراڈ اسمبلی سے بھی کرایا گیا۔ اس کے برعکس پاکستان کو کس نے مسئلہ کشمیر کا فریق بنایا تھا؟

☆ — سر ظفر اللہ خان: پاکستان کو مسئلہ کشمیر میں ہندوستان نے فریق بنایا تھا۔ یہ کہہ کر کہ پاکستان نے کشمیر پر قبائلیوں سے حملہ کرایا ہے۔ ان دنوں قانون آزادی ہند کی روشنی میں مسئلہ کشمیر پر غور ہوتا تھا۔

○ — مدیر "جہاد": براہ کرم ذرا اپنے حافظہ پر زور دیجئے کیونکہ سلامتی کونسل میں آپ نے ذرا مختلف موقف اختیار کیا تھا۔

☆ — سر ظفر اللہ خان: میرا حافظہ آپ سے زیادہ تیز ہے۔

○ — مدیر "جہاد": بندہ نواز! آپ نے 1931ء سے 1947ء تک کے حالات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے مسلم کانفرنس کا نام لیا تھا' جس نے 19 جولائی 1947ء کو پاکستان سے کشمیر کے الحاق کی قرارداد منظور کی تھی۔

☆ — سر ظفر اللہ خان: میں نے ضمناً "مسلم کانفرنس" کا نام لیا ہو گا لیکن یہ نہیں کہا کہ مسلم کانفرنس نے پاکستان کو مسئلہ کشمیر میں فریق بنایا ہے۔

○ — مدیر "جہاد": میرے پاس آپ کی تقریریں موجود ہیں' جن میں آپ نے فرمایا تھا کہ مسلم کانفرنس نے پاکستان سے کشمیر کے الحاق کی قرارداد منظور کی۔ لوگ پاکستان کے ساتھ ہیں اور بھارت سے نام نہاد الحاق غیر آئینی ہے۔

(یہ امر قابل ذکر ہے کہ جنوری 1948ء اور فروری 1950ء میں سر ظفر اللہ خاں نے سلامتی کونسل میں جو تقریریں کیں' وہ کئی بار پاکستان کے مختلف اخبارات میں شائع ہوئیں۔ 28 فروری 1960ء کو ہفت وار "نصرت" لاہور نے 402 صفحات پر مشتمل "کشمیر نمبر" شائع کیا تھا' اس میں یہ تقریریں درج کی گئی ہیں۔ چنانچہ سر محمد ظفر اللہ خاں ان تقریروں میں فرماتے ہیں کہ "قیام پاکستان

پر تمام ریاست کشمیر میں اور خصوصاً مسلمانوں میں بڑی خوشی منائی گئی کہ ڈوگرہ راج کے ناقابل بیان استبداد سے' جس کے خلاف وہ پچھلے سو سال سے جدوجہد کر رہے تھے' نجات پانے کا وقت آگیا ہے۔ مسلمانوں نے تمام ریاست میں اور خود جموں اور سری نگر کے شہروں میں بڑے جوش و خروش سے یوم پاکستان منایا۔ ریاست کی اہم ترین سیاسی جماعت مسلم کانفرنس نے اتفاق رائے سے یہ اعلان کیا کہ وہ پاکستان میں شامل ہونے کی حامی ہے۔)

○۔ مدیر "پاک وطن": 1948ء میں جب مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں پیش ہوا تھا' اس وقت ہمارے زیادہ حامی تھے یا آج زیادہ ہیں؟

☆۔ سر ظفر اللہ خان: اس وقت زیادہ حامی تھے' آج معاملہ ذرا کمزور ہے۔

○۔ مدیر "جہاد": آپ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت سے وابستہ ہیں جس نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ ساری دنیا میں اشاعت اسلام کے لیے مشن قائم کر رکھے ہیں۔ آپ بتائیں کہ اس جماعت کا کشمیر کے متعلق کیا موقف ہے؟

☆۔ سر ظفر اللہ خان: ہم نے ہمیشہ کشمیری بھائیوں کی حمایت میں آواز اٹھائی ہے بلکہ فرقان بٹالین بنا کر جہاد آزادی میں رضاکارانہ طور پر حصہ لیا تھا۔

○۔ مدیر "جہاد": اس جماعت کا کشمیر کے متعلق ہندوستان میں کیا موقف ہے؟

☆۔ سر ظفر اللہ خان: وہاں یہ جماعت حکومت کی پالیسی کے خلاف کام نہیں کرے گی۔

○۔ مدیر "جہاد": اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمان و مکان اور حالات کے تحت حق کا ساتھ نہ دینا بھی جائز ہے؟

☆ ۔ سر ظفر اللہ خان : ظاہر ہے کہ ہندوستان میں جماعت احمدیہ فریقین بنالیں تو نہیں بنا سکتی' البتہ قانون کے اندر رہ کر مظلوموں کی حمایت کی جا سکتی ہے۔

○ ۔ نمائندہ "الفضل" : کشمیر کے بارے میں ہندوستان کا چلن شروع سے ہٹ دھرمی چلا آ رہا ہے۔ اعلان تاشقند کے متعلق بھی وہ مخلص نظر نہیں آتا۔ ان حالات میں اگر اپوزیشن والے حب الوطنی کی بنا پر آواز اٹھاتے ہیں تو اس میں کیا برائی ہے؟

☆ ۔ سر ظفر اللہ خان : اعتدال کی حد تک جائز ہے کیونکہ صحت مندانہ اختلاف رائے برکت ہوتا ہے۔

○ ۔ نمائندہ "جنگ" : اعلان تاشقند کو صلح حدیبیہ سے تشبیہ دینے پر مولانا مودودی نے سخت اعتراض کیا ہے۔ آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

☆ ۔ سر ظفر اللہ خان : رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ میرے افعال و اعمال کی تقلید کرو۔ جب یہاں تک اجازت ہے تو پھر مثال دینے میں کیا برائی ہے؟

○ ۔ مدیر "انقلاب" : 1930ء میں جب مسلم لیگ کے الہ آباد سیشن میں پہلی بار تصور پاکستان پیش کیا گیا تھا تو کیا آپ نے اس کی مخالفت نہیں کی تھی؟

☆ ۔ سر ظفر اللہ خان : یہ بات آپ کی بجائے قائد اعظم کو یاد ہونی چاہیے تھی' جنہوں نے مجھے "سیاسی فرزند" کہا تھا اور اپنی حکومت کا وزیر خارجہ بنایا۔

○ ۔ مدیر "جہاد" : آپ نے اوکاڑہ میں کہا ہے کہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ کرنے کے متعلق ہم نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کرنا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اللہ سے یہ وعدہ پورا کر دیا گیا تو کیا پھر "ختم نبوت" جیسے "مناقشات" دوبارہ سر نہیں اٹھائیں گے؟

☆ ۔ سر ظفر اللہ خان : اسلام مناقشات کی اجازت نہیں دیتا۔ (ماخوذ از

ہفت روزہ "جہاد"

[بہ شکریہ ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' ص 4' جلد 2' شمارہ 31' 4 مارچ 1966ء]

صدر مملکت محمد ایوب خان کے 28 جنوری 1966ء کے اس تردیدی بیان میں' جس میں انھوں نے واضح کیا تھا کہ مرکزی کابینہ کے علاوہ صدر ایوب اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان کوئی اختلاف نہیں' سر ظفر اللہ خان کادیانی کا پاکستان کا طوفانی دورہ اخلاقی طور پر بھی نامناسب تھا۔ لیکن آنجہانی نے اس نازک موقع پر بھی یہ جانتے ہوئے ٹانگ اڑانے کی کوشش کی' حالانکہ وہ جانتے تھے کہ پاکستان کے غیور عوام ان کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتے۔ انھیں وزارت خارجہ سے ہٹانے کے لیے پاکستانی قوم نے بیش بہا قربانیوں کے نذرانے پیش کیے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایوب خان کی بار بار تردیدوں کے بعد وہ کون سے عوامل تھے جنھوں نے ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کو ایک دوسرے سے دور کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو وزارت خارجہ سے سبکدوش کر دیے گئے--- تاہم سر ظفر اللہ خان کی امیدیں بر نہ آئیں--- وہ حسرتوں کا طوفان دل میں سمیٹے دوبارہ یورپ لوٹ گئے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شد

سر ظفر اللہ خان شیخ مجیب الرحمٰن کے چرنوں میں

1970ء کے عام انتخابات میں جماعت احمدیہ نے اپنا سارا وزن پاکستان پیپلز پارٹی کے پلڑے میں ڈال دیا تھا۔ نام نہاد غیر سیاسی جماعت نے پہلی مرتبہ کھل کر سیاست میں حصہ لیا۔ حسن اتفاق کہ پہلی دفعہ ہی نشانہ خطا گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان مرحوم میں ریکارڈ کامیابی حاصل کی۔ سیاسی اصول کے مطابق حکومت سازی کا حق عوامی لیگ کا بنتا تھا۔ سیاسی حلقوں کا تاثر بھی یہی تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن پاکستان کے آئندہ وزیر اعظم ہوں گے اور عوامی لیگ کو حکومت بنانے کی دعوت دی جائے گی۔ انتخابی نتائج جماعت احمدیہ کی امیدوں کے برعکس نکلے'

برسراقتدار ٹولے کی کاسہ لیسی جماعت احمدیہ کا شعار اور روایت رہی ہے۔ قادیانی جماعت نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ شیخ مجیب الرحمٰن قلمدان حکومت سنبھالیں' انہیں رام کر کے اپنے شیشے میں اتارا جائے۔ چنانچہ "اندھوں میں کانا راجہ" یعنی قادیانیوں کے گھڑ مشیخ سر ظفر اللہ خان کو اس مشن کے لیے ڈھاکہ بھیجا گیا۔ چوہدری صاحب ربوہ (دسمبر) کے سالانہ اجتماع سے فارغ ہو کر ڈھاکہ پہنچے اور شیخ مجیب الرحمٰن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے روز تو شیخ صاحب نے ایک استعجاب بھری بلند آواز کے ساتھ کہا' اوہو! چوہدری صاحب آپ بھی آ گئے--- چوہدری صاحب کو ٹرخا دیا اور کہا کہ "آج تو ملاقات کا وقت نہیں ہے۔ کل تشریف لایئے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" لائل پور' ص ۱۰' جلد 7- شمارہ ۱۵' 2 فروری ۱۹۷۱ء)

اس بات کی تائید مولانا شاہ احمد نورانی کے ایک بیان سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کے حوالے سے بتایا کہ ایم۔ ایم۔ احمد ڈھاکے میں مارا مارا پھرتا رہا لیکن شیخ صاحب نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا--- بعد ازاں چوہدری ظفر اللہ خان نے شیخ مجیب الرحمٰن سے دو تین مرتبہ ملاقات کی اور ان سے باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال کیا۔ چوہدری کے دورہ کا مقصد ایک تو شیخ صاحب کی ہمدردیاں حاصل کرنا تھا' اور دوسرا ایم۔ ایم۔ احمد کی ملازمت کے تحفظ کی بھیک مانگنا تھا کیونکہ ایم۔ ایم۔ احمد ریٹائر ہونے والے تھے۔ سیاسی حلقوں کا کہنا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن ایم۔ ایم۔ احمد کے بارے میں سخت برہم تھے۔ انہوں نے ایم۔ ایم۔ احمد کو ان کی ناقص پالیسیوں اور بنگالیوں کو احساس محرومی کا شکار کرنے کی پاداش میں انہیں ملازمت سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ (مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں قادیانی جماعت کا کردار" کے باب میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں) یہ الگ بات ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن پاکستان کے اقتدار کے قریب تھے' لیکن اقتدار ہی ان سے دور ہو گیا۔ وہ وزیر اعظم تو بنے لیکن بنگلہ دیش کے--- جسے کبھی مشرقی پاکستان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

قومی وسائل اور اختیارات کا ناجائز استعمال

○ "پورٹ آف سپین - 5 ستمبر (نمائندہ جنگ) کل شب ٹرینی ڈاڈ میں ہمالیہ کلب کے ایک جلسہ میں پاکستانی مندوب سر محمد ظفر اللہ خان نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں دنیا کے ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہر دور میں اس نے دنیا کی ہدایت کے لیے ایک نہ ایک نبی بھیجا ہے' چنانچہ اس سلسلہ کا آخری نبی غلام احمد پاکستان کی سرزمین میں 1908ء میں فوت ہوا۔ سر ظفر اللہ خان کی اس تقریر سے ٹرینی ڈاڈ میں آباد مسلمانوں میں شدید مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ ان مسلمانوں میں 90 فیصدی مسلمان سنی العقیدہ ہیں اور 10 فیصد احمدی اور لاہوری فرقے سے متعلق ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ کی تقریر کے بعد احمدی مبلغین کو اچھا موقع ہاتھ آیا اور انہوں نے بعد میں احمدیت کے سلسلہ سے تبلیغی تقریریں شروع کر دیں۔ اس جلسہ میں بے شمار ہندو اور مسلمان شریک تھے"۔

("جنگ" کراچی - 7 ستمبر 1962ء)

○ الحمدللہ آج اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے سوئٹزرلینڈ کی سب سے بڑی مسجد "مسجد محمود" کا افتتاح فرمایا۔ افتتاحی تقریب میں یورپ کے نومسلموں اور مبلغین اسلام کے علاوہ سوئٹزرلینڈ کے ممبران پارلیمنٹ' زیورک کے ٹاؤن پریذیڈنٹ' میونسپل کونسلرز' ڈاکٹرز' طلبا اور مختلف ممالک کے مسلمان اور غیر مسلمان باشندوں نے شرکت کی۔ پریس اور ریڈیو کے نمائندے بھی موجود تھے۔ اس موقع پر متعدد مستشرقین اور غیر ملکی معززین نے خصوصی پیغامات ارسال کیے۔ نیز ایک پریس کانفرنس بھی منعقد کی گئی۔ احباب سے اس ملک میں اسلام کی روز افزوں ترقی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

([illegible] مبلغ مشتاق احمد باجوہ کے تار کا اقتباس "الفضل" 25 جون 1963ء)

سر ظفر اللہ خان اور چو این لائی

اس میں شک نہیں کہ دنیا کے نقشہ پر ابھرنے والے انقلابی ملک چین نے زرعی' اقتصادی اور حربی میدان میں زبردست ترقی کی۔ چین بلاشبہ ایک خاموش سپر طاقت ہے۔ روس کی بڑھتی ہوئی طاقت اور جارحیت کے پیش نظر امریکہ نے چین کے ساتھ تعلقات کی بنیاد رکھی۔ امریکہ کے چین کے ساتھ خیرسگالی کے جذبات اور تعلقات کا واضح مقصد روس کے گرد گھیرا ڈالنا تھا۔ بین الاقوامی سیاست میں یہ ایک انقلابی تبدیلی تھی کہ دو سپر پاورز ایک دوسرے کے نزدیک ہوئیں اور ان کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم ہوئے۔ قادیانی جماعت کے رہنما اور سابق عالمی عدالت کے جج سر ظفر اللہ خان نے سوچا کہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر چین میں قادیانی جاسوسی اڈہ قائم کرنا چاہیے۔ چنانچہ سر ظفر اللہ نے اچانک چین کا دورہ کیا۔ چینی لیڈروں اور بالخصوص چینی وزیر اعظم چو این لائی سے اس "گھرے" مقصد کے لیے مذاکرات کیے۔ اس ملاقات کی تفصیل مولانا تاج محمودؒ نے اپنے ہفت روزہ رسالہ "لولاک" میں کچھ اس طرح سپرد قلم کی ہے:

"ہمیں معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ کچھ عرصہ پیشتر جب امریکہ بہادر اور چین کے تعلقات استوار ہونا شروع ہوئے تو چوہدری ظفر اللہ خان بھی اچانک چین جا پہنچے۔ چونکہ وہ پاکستان کے کئی سال تک وزیر خارجہ رہے تھے' پھر ہمارے حکمرانوں کی حماقت سے وہ یو این او میں پاکستان کے نمائندہ رہے' پھر عالمی عدالت کے جج بنے رہے' اپنے اس تعارف کی بدولت وہ چین پہنچ کر دوسرے چینی رہنماؤں کے علاوہ چو این لائی سے بھی ملے اور ان سے درخواست کی کہ انہیں چین میں جماعت احمدیہ کا مشن قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔ چو این لائی نے چوہدری ظفر اللہ خان سے کہا کہ ہماری اطلاعات کے مطابق آپ کی جماعت استعماری طاقتوں کی ایجنٹ اور جاسوس ہے۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ نہیں' ہمارے متعلق کسی نے غلط اطلاعات بہم پہنچائی ہیں۔ ہمارا سامراجی طاقتوں سے کوئی تعلق

نہیں' ہم تو اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ چو این لائی نے کہا کہ اسرائیل پوری دنیائے اسلام کا دشمن ہے۔ پاکستان نے ابھی تک اسے تسلیم نہیں کیا ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ اسرائیل اور تمہاری جماعت کے دوستانہ تعلقات ہیں۔ تمہارا مشن وہاں موجود ہے جبکہ اسرائیل نے عیسائیوں کے تمام مشن بھی وہاں سے نکال دیئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم اسلام اور مسلمانوں کے وفادار نہیں' بلکہ ان کے دشمنوں سے گٹھ جوڑ رکھتے ہو۔ چو این لائی کے جواب سے چوہدری صاحب کو پسینہ آگیا اور وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔

چو این لائی نے چوہدری صاحب سے دوسرا سوال یہ کیا کہ جس اسلام کی تم تبلیغ کرنا چاہتے ہو' وہ کسی نظام مملکت کو چلا سکتا ہے اور دنیا میں وہ تمہاری کونسی مملکت ہے جہاں یہ نظام کامیابی سے نافذ ہے۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ ہاں ہم جس اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں' وہ نظام مملکت کی بھی رہنمائی کرتا ہے لیکن ابھی جماعت احمدیہ کوئی ملک حاصل نہیں کر سکی۔ چو این لائی نے پھر پوچھا وہ ملک تم کہاں حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اس سے سر ظفر اللہ خان چو این لائی کا مطلب سمجھ گیا اور بہت پریشان ہو گیا اور بات ٹالنے کی کوشش کرتا رہا کہ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ دنیا میں کہیں ہماری مملکت قائم ہو جائے۔

بہرحال چو این لائی چوہدری صاحب کے دم میں نہ آئے اور انہوں نے چین میں مرزائیوں کو کوئی جاسوسی اڈہ قائم کرنے کی اجازت نہ دی' البتہ چوہدری صاحب کے چو این لائی سے ملنے کا یہ اثر ہوا کہ چین کی حکومت نے مرزائی جماعت کا مزید مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ پاکستان میں مقیم چین کے سفیر ربوہ آئے اور ایک رات یہاں قیام کیا اور مرزائی لیڈروں سے تبادلہ خیالات کیا۔ غالباً چینی سفیر نے ربوہ کا دورہ کرنے کے بعد اپنی

حکومت کو جو رپورٹ بھیجی' اس میں بھی چو این لائی کی سابقہ اطلاعات کی توثیق کر دی گئی"۔

(ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' یکم فروری 1976ء جلد 12 شمارہ 42 ص 11 ایڈیٹر مولانا تاج محمود مرحوم)

17 اپریل 1972ء کو چینی سفیر نے اچانک ربوہ کا دورہ کیا۔ یہ دورہ اتنا خفیہ تھا کہ ہفت روزہ "المنبر" کو لکھنا پڑا:

" 17 اپریل 1972ء کو یہ حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا کہ پاکستان کے عظیم دوست چین کے سفیر نے ربوہ کا خفیہ دورہ کیا۔ تقریباً 24 گھنٹے ربوہ میں رہے مگر اس کی خبر کہیں شائع نہ ہوئی"۔

(ہفت روزہ "المنبر" لائل پور' ص 19' جلد 19' شمارہ 45' 5 ستمبر 1974ء)

نوٹ: چینی سفیر کے دورۂ ربوہ کی مکمل تفصیل 24 اپریل 72ء کے "المنبر" میں شائع ہوئی۔

چینی سفیر نے ربوہ کا جب دورہ کیا تو واپسی پر چینی سفیر فیصل آباد کے ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے تھے' جہاں غازی سراج الدین منیر مرحوم (غازی سراج الدین صاحب کا ذکر منیر انکوائری رپورٹ میں بھی ملتا ہے۔ موصوف 1953ء میں قائم کیے جانے والے تحقیقاتی جج میں پیش ہوئے تھے) نے ان سے ملاقات کی۔ غازی صاحب نہایت وجیہ' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور حکومتی و سفارتی حلقوں کی جانی پہچانی شخصیت تھے۔ ایک مدت بعد جب راقم کی غازی سراج الدین منیر سے ملاقات ہوئی' انھوں نے چینی سفیر کے ساتھ ملاقات کی تفصیلات جاننا چاہیں' تو مرحوم نے فرمایا تھا کہ اس ملاقات کی تفصیل میں نے آپ کے والد گرامی مرحوم کو بتا دی تھیں۔ اسی ذریعہ (Source) کی معرفت والد محترم نے اپنے جریدہ "لولاک" میں چو این لائی اور ظفر اللہ خان کی ملاقات پر اداریہ سپرد قلم کیا تھا۔ غازی صاحب مرحوم نے راقم کو بتایا تھا کہ کادیانی چین میں اپنا مرکز قائم کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ تاہم میں نے انہیں کادیانیوں کے عقائد اور ناپاک عزائم سے آگاہ

کر دیا ہے۔ غازی صاحب کے پاس اس سلسلہ میں کچھ دیگر معلومات بھی تھیں۔ راقم اس ذخیرے کا متلاشی تھا لیکن ناگہانی غازی سراج الدین کا انتقال ہو گیا اور وہ تمام معلومات' جو مرحوم کے پاس محفوظ تھیں' ہمیں حاصل نہ ہو سکیں۔

سر ظفر اللہ خاں کادیانی کی عرب لڑکی سے شادی کی کہانی

کادیانی جماعت کے رہنما' سابق وزیر خارجہ پاکستان' سر ظفر اللہ خان کے بارے میں کادیانیوں میں تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ پڑھے لکھے اور باکردار انسان تھے۔ چوہدری سر ظفر اللہ خان نے ایک عرب لڑکی سے کس طرح شادی رچائی' یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

"بشریٰ ربانی کے سابق شوہر محمود قرق نے اخبار "الیوم" کے نامہ نگار کو ایک بیان میں بتایا کہ سر ظفر اللہ خان نے میری منکوحہ بشریٰ ربانی کو کس طرح خریدا اور جبراً طلاق دلوائی۔

پہلی ملاقات میں ظفر اللہ خان نے لڑکی سے پوچھا: "تیرا کیا نام ہے؟" لڑکی نے عقیدت و ادب سے ہاتھ چوم کر جواب دیا "آپ کی کنیز کو بشریٰ ربانی کہتے ہیں"۔

دمشق میں احمدی خانقاہ نے قادیانی خلیفہ کے اعزاز میں جو جلسہ کیا' جو علاج کے لیے ظفر اللہ خان کے ساتھ یورپ جا رہے تھے' میری بیوی بھی اپنی ماں کے ساتھ جلسے میں حاضر تھی تاکہ دوسرے احمدیوں کی طرح ظفر اللہ خان کا استقبال کرے' اور امیر المومنین کے ہاتھ کو بوسہ دے۔ ظفر اللہ خان نے خلیفہ سے کچھ سرگوشی کی تو حاضرین نے "امیر المومنین" کو بلند آواز سے فرماتے سنا "یہ تو اس خاندان کے لیے سب سے بڑی عزت ہے" اور سننے والے سمجھ گئے کہ کسی شادی کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر ظفر اللہ خان نے دمشق کے بڑے قادیانی سردار کے کان میں کچھ کہا تو سردار نے

اونچی آواز میں جواب دیا: اس کا صرف ایک ہی بھائی ہے۔ اب ظفراللہ خاں نے بھی اونچی آواز میں گفتگو شروع کر دی۔ کہنے لگے: کیا اس کا بھائی یہاں دمشق کے پاکستانی سفارت خانے میں ملازمت پسند کرے گا اور دوسرے ہی دن میری بیوی کے بھائی محمود ربانی کو سفارت خانے میں عہدہ مل گیا۔

منگنی اور طلاق

پھر ظفراللہ خان نے اپنی خاص مجلس میں دمشق کے معزز احمدیوں سے کہا: میں اس لڑکی کو خوش نصیب اور اس کے خاندان کو خوشحال بنا دوں گا۔ عرض کیا گیا: لڑکی اپنے خالہ زاد بھائی سے منسوب ہو چکی ہے' جو خلیج فارس کے ایک ملک میں دولت کمانے گیا ہوا ہے۔

ظفراللہ خان نے برہم ہو کر کہا کہ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اس نازک پھول کو اس خوفناک کانٹے کی گود میں ڈال دیا جائے۔

عرض کیا گیا: "ممکن ہے خود لڑکی آپ کی عمر کے آدمی سے رشتہ جوڑنا پسند نہ کرے اور یہ کہ آپ کی بیوی بھی موجود ہے اور اولاد بھی۔"

ظفراللہ خان نے جواب دیا:

"میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا" اور انہوں نے یہی کیا بھی تاکہ بشریٰ کو حاصل کر سکیں۔

دوسری ملاقات

دوسرے دن حضرت لڑکی کے گھر پہنچے اور جب وہ چائے لے کر آئی تو اس پر نگاہیں گاڑھے ہوئے کہنے لگے:

"بشریٰ تو کیا کہتی ہے' دیکھ ظاہری شکل پر نہ جانا' میں آج بھی"۔

بشریٰ کی نظریں شرم سے جھک گئیں اور چہرہ گلابی ہو گیا۔ پھر آہستہ سے کہنے لگی:

"مالک میں تو حضور کی کنیز ہوں"۔

یہ سنتے ہی ظفر اللہ خاں نے جیب سے ایک ڈبیہ نکالی' کھولی اور ہیرے کا کنٹھا نکال کر خود اپنے ہاتھ سے لڑکی کے گلے میں ڈال دیا۔ پھر اس کی انگلیوں پر تنگی باندھ دی۔ وہ سمجھ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور انگلی سے میرے نکاح کی انگوٹھی اتار دی۔

تین دن بعد ظفر اللہ خاں لاہائی (ہالینڈ) جانے کے لیے تیار ہو گئے' جہاں وہ بین الاقوامی عدالت کے جج ہیں۔ جاتے وقت بشریٰ کی ماں اور بھائی کے ہاتھ میں ایک بڑی رقم دیتے ہوئے حاکمانہ انداز سے فرمانے لگے:

"دیکھو بشریٰ کی طلاق کا معاملہ جلد سے جلد انجام پا جانا چاہیے۔ خرچ کی پرواہ نہ کرنا"۔

فریب محبت

میری عقل کچھ کام نہیں دیتی۔ اب تک سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ آخر یہ کیا ہوا؟ اور سمجھ میں آئے بھی کیسے' میں نے اپنے وجود سے محبت کی تھی اور حق الیقین تھا کہ بشریٰ بھی مجھے سچے دل سے چاہتی ہے۔ ہم دونوں گھڑیاں گن رہے تھے کہ رخصتی کا دن آئے اور ہم دونوں ایک جان ہو جائیں۔ میں خلیج فارس کے ایک علاقے میں بہت دور تھا مگر بشریٰ کے محبت بھرے خطوں سے ڈھارس بندھی رہتی تھی۔ بشریٰ ہر ہفتے کئی کئی خط لکھتی' تصویروں کے تراشے بھیجتی۔ یہ دیکھئے تراشے میں ایک جوڑے کی تصویر ہے جو عروسی لباس پہنے ہے اور یہ عبارت تراشے پر خود بشریٰ کے قلم سے لکھی ہے: "اللہ! ہم دونوں کب ایسا ہی جوڑا پہنیں گے"۔ یہ

دوسرا تراشہ ہے' دو بچے کھڑے ہیں اور بشریٰ نے اس پر لکھا ہے "خدا ہمیں بھی ایسے ہی بچے دے گا"۔

قادیانی کیوں ہوا؟

بہت سے خط سنا کر بدنصیب شوہر چپ ہو گیا اور جب کسی گہرے خیال میں ڈوب گیا۔ پھر قہقہہ اس کے منہ سے پھوٹ پڑا اور اس نے کہنا شروع کیا: کوئی خیال بھی کر سکتا تھا کہ بشریٰ کے یہ سب جذبات سراسر فریب تھے اور وہ میرے دل سے صرف کھیل رہی تھی۔ کیا دولت کی طمع اس پر غالب آ گئی۔ میں کیونکر مان لوں' اس نے تو مجھے اس وقت قبول کیا تھا جب میں بالکل فقیر تھا۔ میں قادیانی نہیں تھا' محض بشریٰ کو حاصل کرنے کے لیے قادیانیت میں نے قبول کی۔ بشریٰ اور اس کا خاندان قادیانی بن چکا تھا۔ ظفر اللہ خان قادیانی مذہب کے ایک بڑے رکن ہیں اور میرے دل میں وہم بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ یہی ظفر اللہ میرے دل کو نکال کر کے کچل ڈالیں گے اور قادیانیت کے امام اور امیر المومنین اپنے ایک مرید و معتقد کی زندگی اس بے دردی سے اجاڑ کر رکھ دیں گے۔ بیشک اس قسم کی کوئی بات بھی خیال میں نہیں آ سکتی تھی لیکن فلسطین میں ایک کہاوت ہے: لمبی داڑھیوں کی آڑ میں کبھی بندر بھی چھپے ملتے ہیں اور ظفر اللہ کی داڑھی واقعی غلاظت کو چھپائے ہوئے تھی۔

سب سے بڑا خوش نصیب

محمود فرزق نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: 1953ء میں میں نے کتنی کوشش کی کہ لبنان میں کوئی روزگار مل جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر میں شام چلا گیا اور ایک سکول میں مدرسی مل گئی۔ گرمیوں کی چھٹیوں

میں اپنی خالہ سے ملنے دمشق آیا اور خالہ کی لڑکی بشریٰ کو دیکھتے ہی دل دے بیٹھا۔ دوسرے دن بشریٰ کے ساتھ سینما گیا۔ فلم میں ہیرو اور ہیروئن کی شادی دکھائی جا رہی تھی۔ بشریٰ میرے کان میں کہنے لگی: "یہ خوشی ہمیں کب نصیب ہو گی؟"

54ء میں ہمارا نکاح ہو گیا۔ میں پھر خلیج فارس کی ایک ریاست میں چلا گیا تاکہ جلد سے جلد بہت سا روپیہ جمع کر کے لوٹوں اور اپنی دلہن کو رخصت کرا لاؤں۔

بشریٰ کے خط دسمبر کے مہینے سے بند ہو گئے۔ آخر ایک خط بہت دنوں کے بعد ملا۔ اس کی عبارت یہ تھی:

"مولانا امیر المومنین دمشق آئے' ظفر اللہ خاں بھی تھے۔ کس قدر چاہتی تھی کہ تم بھی یہاں موجود ہوتے اور حضرت امیر المومنین کی زیارت کرتے"۔

طلاق

بشریٰ کے خط نے میرا دماغ اور بھی خراب کر دیا اور میں طرح طرح کے مطلب نکالنے لگا۔ دمشق پہنچتے ہی سیدھا خالہ کے گھر گیا مگر بشریٰ کی انگلی میرے عقد کی انگوٹھی سے خالی تھی۔

میں نے کہا: "انگوٹھی اور چوڑیاں غائب ہیں؟"

بشریٰ: "میں آزاد ہوں۔ تم میری خالہ کے بیٹے ہو' اس لیے تم سے شادی منظور نہیں کر سکتی"۔

اس کے بھائی محمود نے مجھ سے کہا:

"بشریٰ تمہیں پسند نہیں کرتی' تم طلاق کیوں نہیں دے دیتے؟"

میں بے اختیار چلا اٹھا: "ابھی قاضی کے پاس چلو' طلاق نامہ لکھے دیتا

ہوں"۔

قاضی نے جب معاملہ سنا تو خفا ہوئے۔ میں تو غصہ سے بے خود ہو گیا تھا' کہا گیا: "قاضی صاحب نکاح فرضی تھا اور میں بشریٰ کو طلاق دے چکا ہوں"۔

بعد میں معلوم ہوا کہ ظفر اللہ خان نے 45 ہزار پونڈ میں بشریٰ کو خرید لیا ہے اور بیس ہزار پونڈ میں بشریٰ کے خاندان کے لیے ایک مکان دمشق کے محلہ "بستان الجبری" میں مول لے دیا ہے۔ پھر سنا کہ ظفر اللہ چند روز میں دمشق آ رہے ہیں تاکہ بشریٰ سے شادی رچائیں اور میں نے طے کر لیا کہ اس شخص کو قتل کر ڈالوں گا۔ میں نے پستول خرید لیا مگر بشریٰ کے خاندان نے ظفر اللہ کو بھی خبر کر دی۔ اس پر جلسے کا پروگرام روک دیا گیا اور آدھے گھنٹے کے اندر ہی ظفر اللہ نکاح کر کے ہوائی جہاز سے بھاگ گئے"۔ (بہ شکریہ روزنامہ "نوائے پاکستان" لاہور)

(بحوالہ ماہنامہ "صوت الاسلام" فیصل آباد' جلد ۱' شمارہ 4/5 ستمبر' اکتوبر ۱۹۸۵ء)
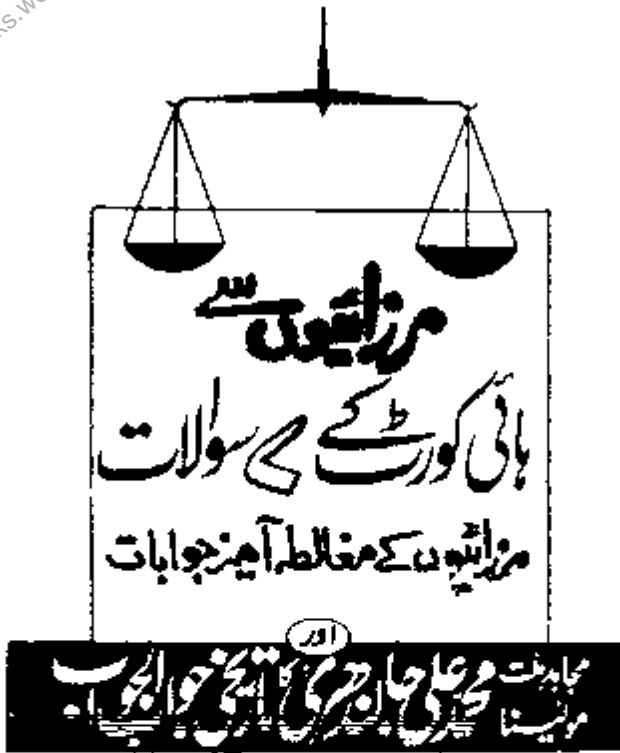
پانچواں باب

- پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کا قتل
- 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں قادیانیوں کا کردار
- مسئلہ کشمیر اور قادیانیت
- فرقان فورس یا سرطان فورس؟
- 1970ء کے عام انتخابات اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں قادیانی جماعت کا رول

پہلا قومی سانحہ

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کا قتل ہماری تاریخ کا المناک باب ہے۔ یہ پہلا سیاسی قتل قومی سانحہ اور ملی المیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ چونکہ لیاقت علی خان محب وطن اور ایک مضبوط رہنما تھے' جنہوں نے سالہا سال قائد اعظم کی رفاقت میں کام کیا تھا' اس لیے انہیں راہ سے ہٹانے کے لیے ٹھکانے لگا دیا گیا۔ لیاقت علی خان کو راولپنڈی کے جلسہ عام میں اس وقت گولی مار کر شہید کیا گیا' جب وہ عوام سے خطاب کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ وزیر اعظم لیاقت علی کا قتل چونکہ سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا' اس لیے ان کے قتل کیس کو اس قدر پیچیدہ بنا دیا گیا کہ لیاقت علی خان کے حقیقی قاتل منظرعام پر نہ آ سکے۔

وزیر اعظم لیاقت کا قتل درحقیقت پاکستان کی سالمیت' استحکام اور اس کے دفاع کا قتل تھا۔ لیاقت علی خان کے قتل سے پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

- ○ لیاقت علی خان کے قتل کے بعد ملک میں شخصی آمریت کی راہیں ہموار ہوئیں۔ دستوری' آئینی اور قانونی قدروں کو پامال کیا گیا۔
- ○ لیاقت علی کے بعد وہ لوگ برسر اقتدار آئے' جنہوں نے ملک کو امریکہ و برطانیہ کی جھولی میں ڈال کر ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معاشی و اقتصادی طور پر گروی رکھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آج تک امریکہ کے اقتصادی چنگل سے آزاد نہیں ہو سکے۔
- ○ لیاقت علی کے بعد برسراقتدار آنے والوں نے قادیانیوں کو تحفظ دیا۔
- ○ قادیانی گروہ کا عمل دخل پاکستان کی انتظامی مشینری میں بنیادی حیثیت اختیار کر گیا۔ سول سروسز' بالخصوص وزارت خارجہ اور فوج کے کلیدی عہدوں پر قادیانیوں کی اکثریت براجمان ہو گئی۔ یہاں تک کہ قادیانی اقتدار کے خواب دیکھنے لگے۔
- ○ وزیر اعظم لیاقت علی خان قادیانیوں کے خفیہ عزائم اور مشکوک سرگرمیوں

سے باخبر ہو چکے تھے۔ خاص طور پر چوہدری سر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ کی من مانی پالیسیوں اور کردار کی حقیقت ان پر واضح ہو چکی تھی۔

- وزیر اعظم لیاقت علی خان نے کشمیر کے مسئلہ پر واضح اور ٹھوس موقف اختیار کیا تھا اور وہ ہندوستان کو آنکھیں دکھانے والے اور مکا لہرانے والے پہلے وزیر اعظم تھے۔ ہندوستانی حکومت لیاقت علی خاں کو اپنے لیے مستقل خطرہ تصور خیال کرنے لگی تھی۔

روزنامہ "جنگ" نے ہفت روزہ "تکبیر" 1986ء کراچی کے حوالہ سے مضمون شائع کیا' جس میں پاکستان کے سراغرساں جیمز سالومن ونسنیٹ کی یادوں کے حوالے سے بتایا گیا کہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو سید اکبر نے نہیں' بلکہ کنزے نامی جرمن قادیانی نے قتل کیا تھا۔ لیاقت علی خاں کے قتل سے متعلق یہ رپورٹ آج بھی سنٹرل انٹیلی جنس کراچی میں موجود ہے۔ (نوٹ: یہ رپورٹ سنٹرل انٹیلی جنس کراچی میں یقیناً نہیں ملے گی کیونکہ قادیانیوں کے لمبے ہاتھوں نے ایسی دستاویز کو غائب کروا دیا ہوگا) جیمز سالومن کے اس انکشاف نے سیاسی حلقوں کو حیرت زدہ کر دیا کیونکہ "لیاقت قتل کیس" کو الجھانے کے لیے سید اکبر کو موقع پر ہلاک کر کے لیاقت علی خان کا قاتل مشہور کر دیا گیا۔ جیمز سالومن کا بیان حسب ذیل ہے:

"پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو سید اکبر نے نہیں بلکہ ایک جرمن قادیانی کنزے نے قتل کیا تھا۔ کنزے کی پرورش قادیانی لیڈر سر ظفر اللہ نے کی تھی۔ یہ انکشاف کراچی سے شائع ہونے والے ایک جریدے میں پاکستان کے سراغرساں جیمز سالومن نے کیا ہے کہ اس جرمن شخص نے عیسائیت ترک کر کے قادیانی مذہب اختیار کیا تھا اور قادیانی گھرانے میں شادی کے بعد وہ پاکستان میں مقیم ہو گیا۔ جیمز سالومن کے مطابق کنزے آج کل

مشرقی برلن میں قیام پذیر ہے۔ کنزے سر ظفر اللہ کے بھائی چوہدری عبداللہ کے پاس باقاعدگی سے آیا کرتا تھا' جو اس وقت کراچی میں ایڈیشنل کسٹوڈین تھے۔ انہوں نے کہا کہ اسے گرفتاری سے پہلے ملک سے باہر بھیج دیا گیا۔ جب کمپنی باغ راولپنڈی میں کنزے نے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو گولی ماری تو پولیس نے' جو پوری طرح ملوث تھی اور وقت کے سازشی سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کی ہدایت پر سید اکبر کو گولی مار دی اور پھر سید اکبر ہی قاتل کی حیثیت سے مشہور کر دیا گیا' حالانکہ سید اکبر تو کیموفلاج تھا۔ کنزے نے اس وقت پٹھانوں والا لباس پہن رکھا تھا اور ہماری معلومات کے مطابق وہ وزیر اعظم کو قتل کرنے کے بعد سیدھا ربوہ پہنچا اور پھر وہاں سے اسے باہر بھیج دیا گیا۔ کنزے ہمبرگ میں قادیانیوں کے ہتھے چڑھا تھا' جہاں قادیانیوں کی جماعت اسے پاکستان لے آئی اور یہ ربوہ میں تعلیم پاتا رہا۔ جمز سالومن نے کہا کہ ڈائریکٹر انٹیلی جنس کاظم رضا کی ہدایت پر میں نے جو تفتیش کی' اس میں یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ کنزے ہی اصل قاتل ہے مگر سید کاظم رضا اسے گرفتار کرنے سے قاصر رہے۔ میری یہ اوریجنل رپورٹ آج بھی سنٹرل انٹیلی جنس کراچی کے دفتر میں موجود ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ۹ مارچ ۱۹۸۶ء)

- گزشتہ دنوں میجر ریٹائرڈ امیر افضل کا ایک سنسنی خیز مضمون بعنوان "لیاقت علی کا قتل ---- تصویر کا دھندلا پہلو" روزنامہ "نوائے وقت" لاہور میں شائع ہوا۔ موصوف حقائق بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"دوسرا تاریخی پہلو یہ ہے کہ کیا سید اکبر لیاقت علی خان کا قاتل تھا؟ ہمارے ایک فقیر قسم کے بریگیڈیئر نوشیروان مرحوم ہوتے

تھے۔ ایک دن انہوں نے جنرل ایوب کے سیکورٹی افسر میجر ظفر اور چند دوسرے اہم افسروں کے سامنے ایک ڈرامہ کیلئے اہم بات کو نہ سمجھے کہنے لگے: ناداںو' بڑے افسروں کے ساتھ پھرتے رہتے ہو' معمولی بات نہیں سمجھتے۔ میں نے سید اکبر پر لیاقت کے قتل کے الزام کا ڈرامہ کیا ہے۔ سید اکبر بیچارہ بے قصور تھا۔ اس کو قربانی کا بکرا بنایا گیا' لیاقت علی کو گولی مارنے والے اور تھے' اور سید اکبر کو پولیس والے ایبٹ آباد سے پنڈی اسی غرض سے لائے تھے کہ اس کو قربانی کا بکرا بنائیں وغیرہ۔۔۔ یہ 1954ء کی بات ہے یعنی لیاقت علی خان کے قتل کے صرف تین سال بعد کی بات ہے۔ بریگیڈیئر صاحب نے مزید کہا کہ لیاقت علی خان کو ان لوگوں نے مروایا جو اس کے بعد برسراقتدار آئے"۔

("لیاقت علی خان کا قتل۔۔۔ تصویر کا دھندلا پہلو" میجر ریٹائرڈ امیر افضل' روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' یکم جنوری 1986ء)

میجر ریٹائرڈ امیر افضل کے مضمون اور اس سے پہلے کنزے کی رپورٹ کو سامنے رکھ کر پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قتل کے محرکات اور اسباب کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ لیاقت علی خان کے بعد جو لوگ برسراقتدار آئے' وہ سخت قادیانی نواز تھے۔ انہیں دینی تقدس کے برعکس اقتدار میں زیادہ دلچسپی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد قادیانی جماعت نے قدم جمانے شروع کیے۔ جیسا چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت کا قلمدان ملا تو مختلف محکموں اور بالخصوص فوج میں قادیانی افسروں کا اثر و رسوخ اتنا بڑھا کہ قادیانی جماعت اقتدار کے خواب دیکھنے لگی۔ بقول راجہ صاحب محمود آباد قائد اعظم محمد علی جناح چوہدری ظفر اللہ خان کے مشکوک کردار سے آگاہ ہو چکے تھے' لیکن اپنی گرتی ہوئی صحت اور گوناگوں ملکی و قومی مسائل کی بنا پر وہ کوئی اقدام اٹھانے سے قاصر تھے۔

مسلم لیگ کی قیادت کادیانی مسئلہ کی نزاکت اور کادیانیوں کے پوشیدہ عزائم و مقاصد سے بے خبر تھی۔ کادیانی فتنہ کا محاسبہ کرنے والے صرف احراری تھے اور وہ بھی معتوب تھے۔ کادیانیوں نے احرار کے خلاف جو زہریلا پراپیگنڈا کر رکھا تھا' اس کے اثرات مسلم لیگ قیادت پر نمایاں تھے۔ ماضی بعید میں احرار اور مسلم لیگ کے متحارب ہونے کی وجہ سے احرار کا مسلم لیگی حکومت سے رابطے کا فقدان تھا۔

● جب پاکستان کی سرحدات پر بھارتی افواج نے ڈیرے جمائے تو احرار نے جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر دفاع وطن کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ پاک بھارت جنگ ناگزیر نظر آ رہی تھی' اس لیے جنگ کے خطرہ کے پیش نظر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری' قاضی احسان احمد شجاع آبادی' صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ' مولانا غلام غوث ہزاروی' شیخ حسام الدین' مولانا محمد علی جالندھری نے سرحدی شہروں اور دیہاتوں میں "دفاع پاکستان" کے نام سے کانفرنسیں منعقد کر کے قوم میں جذبہ جہاد کا نیا ولولہ پیدا کر دیا۔

احرار نے دفاع وطن کے لیے جس خلوص' جذبے اور نیک نیتی سے خدمات سرانجام دیں' اس تمام روئیداد کو ماسٹر تاج الدین انصاری نے سپرد قلم کیا ہے۔ آپ رقمطراز ہیں:

"جہاں تک دفاعی کانفرنسوں کے ذریعے عوام کو بیدار اور خبردار کرنے کا تعلق تھا' احرار کے بڑے رہنماؤں سے لے کر آخری رضاکار تک سب نے انتہائی جانفشانی سے کام کیا۔ دفاع کے عملی میدان میں رضاکاروں نے مکمل تعلیم حاصل کر لی مگر محاذ کی تیاری میں صاحبزادہ فیض الحسن صاحب نے گوجرانوالہ میں فوجی ٹریننگ کیمپ کے ذریعے بے مثال خدمت کی۔ مرزائیوں نے جب انہیں کشمیر کے محاذ پر آگے جاتے دیکھا تو فوجی افسروں کو بھکایا اور بدگمانی پیدا

کرنے کی کوشش کی۔ خلوص اور دیانت داری بڑی شے ہے۔ فوجی افسروں نے اس حکم کے اعتراض کے جواب میں فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب کے لائے ہوئے رضاکار بہت مخلص' بہادر اور مستعد ثابت ہوتے ہیں' باقیوں پر ہمیں بھروسہ بہت کم ہے۔ مرزائیوں کا یہ پراپیگنڈا بھی ناکام ہوا۔ مجھے تفصیل یاد نہیں کہ صاحبزادہ صاحب نے رضاکاروں کے علاوہ کس قدر مالی امداد پہنچائی۔ ان دنوں صاحبزادہ صاحب خاکی کپڑوں میں ملبوس فوجی جرنیل معلوم ہوتے تھے۔ الحمدللہ احرار نے اس گوشے میں کسی سے کم خدمت نہیں کی ــــــ"

(تحریک ختم نبوت' ص 83 از مولانا اللہ وسایا)

مولانا تاج الدین انصاری مزید لکھتے ہیں:

"احرار کی مخلصانہ خدمت نے نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم کو رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ مرحوم نے اپنے خاص ایلچی کے ذریعہ تبادلہ خیال کے لیے بلا بھیجا۔ بات ہوتی رہی۔ تعلقات بہت بہتر ہونے لگے۔ نوابزادہ مرحوم بڑی احتیاط سے گفتگو کرتے تھے۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے ایک روز ان کے سامنے مرزائیت کا پٹارہ کھول کر رکھ دیا۔ مرحوم بہت ذہین انسان تھے۔ مسائل کو بہت جلد سمجھ لیتے تھے۔ قاضی صاحب نے اس بڑی لمبی اور تفصیلی ملاقات کے بعد متعدد بار انہیں مرزائی ریشہ دوانیوں سے خبردار کیا۔ وہ احرار کے بالکل قریب آ گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ احرار کے خلاف سب سے زیادہ اور خطرناک قسم کا پراپیگنڈہ صرف مرزائیوں نے کیا ہے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ احرار کے سوا باقیوں سے مرزائی اچھی طرح نپٹ لیتے ہیں۔ آخری دنوں میں مرحوم طے کر چکے تھے کہ وہ احرار سے مکمل تعاون کریں گے اور تعمیری کاموں میں احرار کی خدمات حاصل کی جائیں گی"۔

(تحریک ختم نبوت 1953ء ص 83 از مولانا اللہ وسایا صاحب)

● امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے حکم پر قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے کراچی میں وزیر اعظم لیاقت علی خان سے قادیانی مسئلہ پر مذاکرات کیے۔ قاضی صاحب نے قادیانیوں کے مذہبی عقائد اور سیاسی عزائم کے بعض دستاویزی ثبوت لیاقت علی خان کو فراہم کیے۔ لیاقت علی خان کو پہلی مرتبہ قادیانیوں کے ناپاک عزائم کا علم ہوا تو وہ حیران رہ گئے۔ اس ملاقات میں لیاقت علی خان نے قیمتی معلومات کے مہیا کرنے پر قاضی احسان احمد شجاع آبادی کا شکریہ ادا کیا اور حقیقت حال سے آگاہی کے بعد تاریخی جملہ فرمایا "کہ اب یہ بوجھ آپ کے کندھوں سے اتر کر میرے کندھوں پر آن پڑا ہے"۔ راقم کے والد گرامی مولانا تاج محمود مرحوم اپنے جریدہ میں وزیر اعظم لیاقت علی خان اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی کی ملاقات کی تفصیل قلمبند کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"خان لیاقت علی خاں مرحوم و مغفور کو اپنے آخری دور حیات میں چوہدری ظفر اللہ خان کی حقیقت کا علم ہو چکا تھا اور وہ اس طرح ہوا کہ لیاقت علی خاں مرحوم ضلع سیالکوٹ کے ایک قصبہ نارووال کے ریلوے سٹیشن پر اپنی گاڑی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق صدر قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ضلع سیالکوٹ کے تبلیغی دورہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ جب قاضی صاحب مرحوم کو معلوم ہوا کہ خان لیاقت علی خاں مرحوم نارووال کے پلیٹ فارم پر گاڑی میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور رات وہیں قیام ہے تو قاضی صاحب اپنا قادیانیت سے بھرا ہوا مشہور ٹرنک ساتھ لے کر پہنچ گئے۔ وقت مانگا تو پندرہ منٹ کے لیے ملاقات کا وقت مل گیا۔ قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک صحیح مبلغ کا دماغ اور زبان عطا کی ہوئی تھی۔

خاں صاحب سے قادیانیت کے موضوع پر گفتگو کی۔ قادیانیت کی

مذہبی اور دینی حیثیت واضح کرنے کے بعد قادیانیت سے ملک اور اسلام کو جو سیاسی خطرات تھے' وہ بیان کیے۔ جب گفتگو کرتے آدھ گھنٹہ گزر گیا تو نواب صدیق علی خان' جو لیاقت علی خاں مرحوم کے پولٹیکل سیکرٹری تھے' اندر داخل ہوئے اور عرض کیا کہ قاضی صاحب کی ملاقات کا وقت ختم ہوگیا ہے اور باہر ملاقاتی ملاقات کے لیے بہت بے چین ہیں۔ لیاقت علی مرحوم نے فرمایا کہ سب کی ملاقاتیں منسوخ' ان سب کو پھر کوئی دوسرا وقت دیا جائے گا اور اب میں کسی اور سے ملاقات نہیں کروں گا۔ قاضی صاحب سے فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں' مجھے اطمینان سے یہ قضیہ سمجھائیں' آپ جتنا وقت لیں گے دیا جائے گا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ قادیانی امت اور اس کا ایک فرد چوہدری ظفر اللہ خان سب سے پہلے اپنے خلیفہ کے فرمانبردار اور وفادار ہیں' نہ کہ آپ کے یا مملکت پاکستان کے۔

دو مثالیں

پھر قاضی صاحب نے مثال کے طور پر دو واقعات کا ذکر کیا: پہلا علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کا کہ وہ کسی زمانہ میں کشمیر کمیٹی کے جنرل سیکرٹری اور خلیفہ قادیان مرزا محمود اس کمیٹی کے صدر تھے' بعد میں علامہ اقبال نے اس کمیٹی سے یہ کہہ کر استعفیٰ دیا کہ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ ہر قادیانی اولین طور پر اپنے خلیفہ کا وفادار ہے اور دوسرے کسی شخص یا مقصد کا وفادار نہیں ہوسکتا' دوسری مثال قاضی صاحب نے یہ دی کہ کچھ عرصہ پہلے فلسطین کا مسئلہ یو این او میں پیش ہو رہا تھا' اب ظاہر ہے کہ پاکستان کی ہر قیادت نے عربوں کی ہمیشہ حمایت کی ہے' یہاں تک کہ اسرائیل کے وجود نامسعود کو تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔ پاکستان کی اسی پالیسی کی وجہ سے چوہدری ظفر اللہ خاں کو' جو یو این او میں پاکستان کے نمائندہ تھے' عربوں کی ڈٹ کر

حمایت کرتا تھی لیکن چوہدری ظفر اللہ خان نے بلیک میلنگ کی اور عربوں کو کہا کہ میں آپ کی تب مدد کر سکتا ہوں' جب میرا خلیفہ ربوہ مرزا محمود مجھے آپ کی مدد کرنے کا حکم دے۔ ان بے چاروں' ضرورت کے ماروں نے خلیفہ ربوہ سے بذریعہ تار امداد کی درخواست کی۔ خلیفہ ربوہ نے' یو این او میں عرب ڈیلی گیشن کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ میں نے آپ کی درخواست کے مطابق چوہدری ظفر اللہ خان کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ اس تار پر عرب ڈیلی گیشن نے ربوہ کے خلیفہ صاحب کو شکریہ کا تار بھیجا۔ قدرت خدا کی یہ دونوں تار ربوہ کے دفتروں سے کسی نہ کسی طرح اڑ کر ہمارے ہاتھ لگ گئے ہیں اور ان تاروں سے پتہ چلتا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خاں تنخواہ پاکستان کے خزانہ سے حاصل کرتا ہے' نوکر آپ کا ہے لیکن وفاداری بشرط استواری خلیفہ ربوہ سے ہے اور کام اپنی جماعت کا کر رہا ہے۔ اسے کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ آپ کی بجائے خلیفہ ربوہ کا تعارف عربوں سے کراتا' لیاقت علی خاں مرحوم نے تاروں کو دیکھا اور درخواست کی کہ آپ یہ دونوں تار مجھے دے سکتے ہیں۔ قاضی صاحب نے دونوں تار دے دیے۔

چنانچہ لیاقت علی خاں مرحوم کی شہادت کے بعد چند رنگر صاحب نے قاضی احسان احمد صاحب کو پشاور گورنمنٹ ہاؤس میں کہا کہ جو باتیں چوہدری ظفر اللہ خاں کے متعلق آپ اور خاں صاحب مرحوم کے درمیان ہوئی تھیں' وہ خاں صاحب مرحوم نے من و عن مجھے بتا دی تھیں' اس تفصیل سے بتانا یہ مقصود ہے کہ جب لیاقت علی خاں کو حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا لیکن وہ چاہتے تھے کہ اس کا تھوڑا سا عوام میں طلسم توڑا جائے تاکہ اسے آسانی کے ساتھ وزارت سے نکال باہر کیا جائے۔

مجھے یاد ہے' چنیوٹ کانفرنس کے بعد لاہور میں ایک بہت بڑے جلسہ سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ خطاب فرما رہے تھے۔ سر ظفر اللہ خان کا ذکر آیا تو حضرت شاہ صاحب نے یہ مصرعہ پڑھتے ہوئے اس امر کی طرف ایک بلیغ اشارہ فرمایا تھا۔ وہ مصرعہ یہ تھا: پہلے میں مشکل میں تھا' اب یار تو مشکل میں ہے لیکن خدا کی قدرت کہ لیاقت علی خان اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکے۔ فرنگی کی حکمت عملی کام کر گئی اور لیاقت علی خان شہید کر دیے گئے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' ص 5' جلد 6' شمارہ 43' 13 مارچ 1970ء)

مجلس احرار اسلام نے لاہور آل پاکستان احرار دفاع کانفرنس منعقد کی۔ ایک لاکھ باوردی احرار رضاکاروں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اعلان کیا کہ یہ سب کچھ مسلم لیگ کے حوالہ ہے۔ آج سے مجلس احرار سیاسی کام سے علیحدہ ہو کر صرف تبلیغی کام کرنے کا فیصلہ کرتی ہے' جس کو سیاسی کام کرنا ہو ــــ وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے کرے۔ اس کے بعد انتخابات کا مرحلہ آیا تو احرار نے تمام اپوزیشن پارٹیوں کے مقابلہ میں مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ اگر وہ چاہتی تو اس سیاسی ایثار کے بدلے چند سیٹیں لے سکتی تھی لیکن احرار نے غیر مشروط طور پر مسلم لیگ کی حمایت کی۔ البتہ احرار نے مرزائی امیدواروں کی مخالفت کا اعلان کیا' چاہے وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ہی کیوں نہ الیکشن لڑ رہے ہوں۔ احرار کی اس قربانی نے بھی لیاقت علی خان کو بہت متاثر کیا۔ اولاً احرار کی دفاعی کانفرنسیں اور خدمات' دوم مسلم لیگ کے لیے احرار رہنماؤں کے خلوص نے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو ان کے قریب کر دیا۔ قادیانیوں کو یہ گھاٹے کا سودا نظر آیا' سو انہوں نے لیاقت علی خان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ ایک بڑی سازش تو ان کی زندگی میں پکڑی گئی۔ اس سازش سے پردہ اٹھاتے ہوئے ماسٹر تاج الدین انصاری لکھتے ہیں:

"مجلس احرار اسلام کے اخلاص کا مرحوم لیاقت علی خان پر اثر ہوا۔

انہوں نے ایسی مخلص اور فعال جماعت کے مخلصانہ تعاون اور سرفروشانہ خدمت کو پاکستان کے اعلیٰ مفاد کے لیے مفید سمجھا۔ (اس باہمی اعتماد کا میاں انور صاحب آئی جی کو اعتراف ہے) مجلس احرار کو یہ خوشی تھی کہ مرحوم لیاقت علی خاں پاکستان کو کامن ویلتھ سے علیحدہ کرنے کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ برطانیہ نے پاکستان کو گھڑے کی مچھلی سمجھ رکھا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد مرحوم کے خلاف ایک سازش پکڑی گئی' جس میں ظفر اللہ خان کا ہم زلف ۔میجر جنرل نذیر احمد شریک تھا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ شہید ہو گئے"۔

(تحریک ختم نبوت' ص 761 از مولانا اللہ وسایا صاحب)

- جناب طفیل رشیدی صاحب "قادیانیت 47 سے 83ء" میں روزنامہ "آزاد" کے حوالہ سے لیاقت علی خان کے قتل کے پس پردہ سازش اور حقائق کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"احرار مسلم لیگ معاہدہ

قائد ملت لیاقت علی خان نے چاہا کہ اس کیل کو نکال پھینکا جائے اور اس خواہش کی تکمیل کے لیے احرار کا تعاون حاصل کرنا ضروری سمجھا گیا۔ احرار کی قادیانیت سے مخالفت بلکہ دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ قادیانیت کا محاسبہ احرار کا نصب العین تھا اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قادیانیت کے گھناؤنے چہرے کو ننگا کرنے کا سہرا صرف احرار کے سر ہے اور شاید احرار کو خدا نے پیدا ہی اس مقصد کے لیے کیا تھا کہ وہ قادیانیت کا تعاقب کرے۔ مسلم لیگ کے لیے اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار نظر نہ آیا کہ قادیانیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے احرار کے دامن میں پناہ حاصل کرے۔ 1949ء میں مسلم لیگ اور احرار میں باقاعدہ عہد و پیمان

ہو گیا اور قادیانیت سے نجات حاصل کرنے کے لیے مسلم لیگ نے مجلس احرار کی خدمات حاصل کر لیں۔ قیام پاکستان سے پہلے مجلس احرار کا پاکستان کے بارہ میں موقف جو بھی تھا' مسلم لیگ نے احرار کے موقف کو ناقابل الزام قرار دے کر اسے اپنا شریک سفر بنا لیا۔ مجلس احرار اسلام نے قادیانیوں سے اپنی روایتی مخالفت جاری رکھنے کی شرط پر مسلم لیگ سے اتحاد کر لیا۔ دونوں جماعتیں بغل گیر ہو گئیں اور مجلس احرار مسلم لیگ میں مدغم ہو گئی۔ اپنی تمام تبلیغی اور دینی سرگرمیاں مسلم لیگ کے حوالے کر دیں اور دونوں جماعتیں اس قدر قریب ہو گئیں کہ گویا ان میں اختلاف نام کی کبھی کوئی چیز نہیں تھی' حتیٰ کہ منیر رپورٹ' ص 13 کے مطابق 27 دسمبر 1949ء کو کراچی میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا' تو جو 19 جماعتیں مسلم لیگیوں کے لیے ممنوع الداخلہ قرار دی جا چکی تھیں' ان میں مجلس احرار کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا یعنی مسلم لیگی مجلس احرار کے ممبر بن سکتے تھے۔

سیاسی حالات یکدم پلٹا کھا گئے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ساتھ مسٹر دولتانہ سٹیج پر براجمان ہیں۔ عبدالرب نشتر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ساتھ جلوہ افروز ہیں' شیر سرحد مولانا غلام غوث ہزاروی اور خان عبدالقیوم خان ایک ہی گھاٹ پر جمع ہیں۔ لیاقت علی مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی سے راز و نیاز میں مصروف ہیں' غرضیکہ مسلم لیگ کے لیڈر احرار سے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں۔ تاریخ اپنا رخ بدل رہی ہے اور سیاست پہلو بدل رہی ہے' مسلم لیگیوں کے لیے احرار میں داخلہ جائز قرار دے دیا گیا۔ یہ ضرورت تھی جس نے مسلم لیگ کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیا۔

مسلم لیگ کی کشتی' جو سازشوں کے سمندر میں ہچکولے لینے والی تھی' احرار کے سہارے لنگر انداز کرنے کی تیزی سے تیاری ہونے لگی۔ خان

لیاقت علی خان جو اس وقت مسلم لیگ کے ناخدا تھے' اسے بھنور سے نکالنے کی سرتوڑ کوشش کرنے لگے۔ ان تمام کوششوں کا سہرا قائد ملت کے سر ہے۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے قائد ملت کو قادیانیت کے موضوع پر ہم خیال بنا لیا اور پاکستان میں قادیانیت کے تعاقب کی احرار کو کھلی چھٹی مل گئی اور احرار کو اپنے مشن کے لیے وسیع تر فضا مل گئی"۔

("قادیانیت" ص 47 ؛ 83 از خلیل رشیدی)

مجلس احرار' مسلم لیگ سے معاہدہ میں کس قدر مخلص تھی' اس کا اندازہ احرار کے روزنامہ "آزاد" کی تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔

مسلم لیگ کے انتخابات

گزشتہ سال مسلم لیگ کے ممبران کی باقاعدہ بھرتی کے باوجود پنجاب اسمبلی کے انتخابات کی وجہ سے مسلم لیگ کے انتخابات ملتوی کر دیے گئے تھے۔ صوبہ مسلم لیگ نے فیصلہ کیا ہے کہ امسال نئے ممبران کی بھرتی نہ ہوگی بلکہ وہی حضرات' جو گزشتہ سال مسلم لیگ کے رکن بن چکے ہیں' مسلم لیگ کے انتخابات میں حصہ لے سکیں گے۔

ہمارے صوبہ کی بدقسمتی ہے کہ لاکھوں پرانے مسلم لیگی مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر جناح عوامی لیگ میں جا چکے ہیں۔ صوبہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے مری کے حالیہ اجلاس میں ایسے باغی اراکین کے خلاف تادیبی کارروائی کرتے ہوئے انھیں مسلم لیگ کی ابتدائی رکنیت سے خارج کر دینے کا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔

بہرحال انتخابات ہونے والے ہیں۔ مجلس احرار کے جو اراکین مسلم لیگ کے باقاعدہ رکن ہیں' انھیں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ مناسب یہ ہے کہ وہ اندرونی پارٹی بازی میں ہرگز ہرگز حصہ نہ لیں۔ مقامی جھمیلوں سے

چھٹکارا ہو سکے تو یہ کوشش کریں کہ مسلم لیگ کے کیمپ میں یکجہتی پیدا ہو۔ یکجہتی پیدا کرنے کا کام ایک آدھ دن میں پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس نیک کام کے لیے ایثار' قربانی اور مسلسل کوشش درکار ہے۔ مجلس احرار کے اراکین کو عہدہ داریوں کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ وہ ہرگز ہرگز کوئی عہدہ قبول نہ کریں۔ عہدوں کی ہوس جماعتوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر انتخابات کے وقت احرار کارکن کیا رویہ اختیار کریں۔ مجلس احرار کی پوزیشن واضح ہے کہ وہ سیاست کو مسلم لیگ کے سپرد کر چکی ہے اور احرار کا رکن مسلم لیگ کا رکن بن چکا ہے۔ اسے مجلس احرار نہ کوئی حکم دے سکتی ہے اور نہ کسی مذہبی جماعت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مذہبی جماعت بھی کہلائے اور سیاسیات کو مسلم لیگ کے سپرد کرنے کے بعد اپنے اراکین کو مسلم لیگ کے احکامات کے مقابلہ میں کوئی حکم دے سکے۔ ہر وہ شخص جو مسلم لیگ کا رکن ہے' اسے مسلم لیگ کے رہنما کے احکامات کی تعمیل اور بجا آوری لازم ہے۔ پنجاب کے اراکین کو پنجاب کے لیڈر میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ یا صدر صوبہ صوفی عبدالحمید صاحب کے احکامات کی تعمیل لازمی ہے۔ انتخابات میں حصہ لیتے وقت احرار کارکنوں کو مسلم لیگ کے رہنماؤں کی پالیسی پر کاربند رہنا چاہیے تاکہ صوبہ میں یکجہتی اور خلوص سے عوام کی خدمت کی جا سکے۔

ہمارا صوبہ مصیبتوں اور مشکلات میں مبتلا ہے اور ہمارے عوام اپنے دکھیوں کا مداوا بہت جلد چاہتے ہیں۔ محکمہ بحالیات کی بدعنوانیاں' بے روزگاری میں روز افزوں اضافہ' ٹڈی دل کی تباہ کاریاں' کیملپور کے وسیع جنگل کا نذر آتش ہو جانا' لکڑی کی قلت اور اسی قسم کے دیگر اہم معاشی مسائل کا تقاضا یہ ہے کہ معمولی اختلافات کو پس پشت ڈال کر صوبہ پنجاب

کے مخلص کارکن اولوالعزمی کے ساتھ میدان عمل میں آئیں تاکہ بگڑے ہوئے حالات پر جلد ہی قابو پایا جا سکے۔ ہمیں امید ہے کہ احرار کارکن' جنہیں مسلم لیگ کی رکنیت کا شرف حاصل ہے' ایثار و قربانی کی بہترین مثال پیش کریں گے اور صوبہ مسلم لیگ میں یکجہتی اور خدمت کا بلند معیار پیش کر کے صوبہ کی بے چینی کو دور کریں گے۔ انھیں یہ بات نظرانداز کرنا چاہیے کہ ہمارا ملک نہایت نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ملت پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ ہمت اور حوصلہ سے کام کرنے کی اشد ضرورت ہے ۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

خدا ہمارے رہنماؤں کو بلند نظری عطا کرے کہ وہ وسعت قلبی کا ثبوت دے سکیں اور اللہ پاک ہمارے نوجوانوں کو ہمت دے کہ وہ بے جگری سے ناسازگار حالات کا مقابلہ کرانے کے لیے میدان عمل میں کود پڑیں۔

مجلس احرار کے انتخابات

اس بارہ میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کے واضح احکامات "آزاد" میں شائع ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس سلسلہ میں احرار کی پالیسی کی مزید وضاحت کرنا مقصود ہے۔ اسمبلی کے انتخابات میں چند مقامات پر احرار کارکنوں کا رویہ مجلس کی پالیسی کے قطعا خلاف رہا ہے۔ جن کارکنوں نے کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر مسلم لیگ کے امیدواروں کی مخالفت کی ہے' انھیں صدر صوبہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے آخری فیصلے وہیں سے حاصل کرنا چاہئیں۔ جن اراکین کو مجلس احرار کی موجودہ پالیسی سے اختلاف ہو' ہمارا روئے سخن ان کی طرف نہیں۔ ایسے لوگ اگر اب بھی مجلس سے چمٹے ہوئے ہوں تو انھیں خارج کر

دیا جائے گا۔ ہم ان مخلص اور جانباز کارکنوں کی نسبت اظہار خیال کر رہے ہیں جو مدت سے احرار کے پرچم تلے قربانیاں دیتے رہے ہیں' جنہیں مجلس احرار کی موجودہ پالیسی سے علق ہے اور جو کسی غلط فہمی کی وجہ سے یا جذبات کی رو میں بہہ کر بھٹک گئے ہوں اور مسلم لیگ کے امیدوار کی مخالفت کر بیٹھے ہوں۔ ایسے کارکنوں کا کیس قابل غور ہے اور ہمیں امید ہے کہ صدر صوبہ مولانا محمد علی صاحب اپنے مخلص رفیقوں اور جانباز سپاہیوں کی کوتاہی اور لغزش پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے اور انہیں اپنی پوزیشن کی وضاحت کا موقع دیں گے۔

قادیانیت سے متعلق تنازعہ' جو اب تک مجلس احرار قادیانی تنازعہ کے نام سے مشہور تھا' اس میں مسلم لیگ بھی شامل ہو گئی اور اب پاکستان کی حکمران پارٹی مسلم لیگ بھی قادیان کے بارہ میں وہی احساسات رکھنے لگی جو احرار کے تھے یعنی احرار نے فتنہ قادیانیت سے مسلم لیگ کو اچھی طرح متعارف کرا دیا اور ہر مسلم لیگی اس بارہ میں سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ احرار نے مسلم لیگ کو کس قدر متاثر کیا' اس کا اندازہ منیر رپورٹ کے ان حصوں سے لگایا جا سکتا ہے جو 1953ء میں مسلم لیگ کی طرف سے حکومت کے اراکین کو قراردادوں کے ذریعہ ختم نبوت کے حل کے لیے توجہ پر مشتمل ہے اور قادیانیت کے خلاف فیصلہ کن موقف اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ مسلم لیگ اور احرار معاہدہ کوئی رسمی معاہدہ نہیں تھا بلکہ قادیانیت سے مسلم لیگ کی مکمل گلوخلاصی کے لیے باہمی تعاون کا معاہدہ تھا۔ اس کا اندازہ منیر رپورٹ" ص 16 کے اس حوالہ سے کیا جا سکتا ہے جو ان الفاظ میں ہے کہ میاں انور علی ڈی۔ آئی۔ جی' سی۔ آئی۔ ڈی نے اپنے تبصرہ میں ایک معاہدہ کا ذکر بھی کیا جو احراریوں کے قول کے مطابق ان کے اور وزیر اعظم (لیاقت علی خاں) کے درمیان ہو چکا ہے اور اس معاہدے کا

مقصد یہ ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان' جو ایک سیاسی خطرہ بن چکے ہیں' وزارت مرکز سے نکال دیے جائیں۔ اس قسم کے معاہدے کا نتیجہ تھا کہ احرار پورے ملک میں بلا روک ٹوک قادیانیت اور ظفر اللہ کی مخالفت میں سرگرم ہوگئے اور حکومت کی پوری قانونی اور انتظامی مشینری احرار کارروائیوں سے چشم پوشی برتنے لگی۔

احرار سرگرمیوں کا دائرہ نہایت وسیع ہوگیا۔ اب حکومت' مسلم لیگ اور عوام قادیانیت سے متنفر ہونے کی راہ پر لگائے جا چکے تھے اور قادیانیت کا مسئلہ احرار کے علاوہ حکومت' مسلم لیگ اور عوام کے لیے بھی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔ مسلم لیگ اور پاکستانی عوام سو فیصد اس خطرہ کو سمجھ چکے تھے' اس لیے قادیانیت کے خلاف کارروائیاں عروج پر پہنچ گئیں' جس کے نتیجہ میں مرزائیوں کے قتل اور ان کی مسجدوں کو' جو درحقیقت مسجد ضرار کا درجہ رکھتی ہیں' گرانے کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ایسے قتل پر حکومتی اور عدالتی سطح پر بھی قادیانیوں کے فتنہ کو مدنظر رکھا جانے لگا۔ ظفر اللہ کو وزارت خارجہ پر خطرہ محسوس کیا جانے لگا اور اس گروہ کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جانے لگی۔

1950ء کے انتخابات کا سلسلہ ابتدائے سرما میں شروع ہوا اور نتائج مارچ 1951ء میں شائع ہوئے۔ ان انتخابات میں بعض قادیانیوں کو' جن کی تعداد آٹھ کے قریب تھی' مسلم لیگ پارٹی ٹکٹ دیے گئے اور مسلم لیگ نے اپنے امیدواروں کی حیثیت سے نامزد کیا۔ مجلس احرار نے اس پر احتجاج کیا۔ انتخابی مہم جاری تھی۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان پنجاب کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ سیالکوٹ میں ماسٹر تاج دین انصاری صدر احرار سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ مجلس احرار کے صدر نے یہ کہہ کر ملاقات سے انکار کر دیا کہ مسلم لیگ نے چونکہ قادیانیوں کو امیدوار کی حیثیت سے نامزد

کیا ہے' جو مسلم لیگ اور احرار معاہدہ کی خلاف ورزی ہے' اس لیے یا اس معاہدہ مسلم لیگ نے توڑنے میں پہل کر لی ہے' اب احرار کے لیے یہ سوچنا ضروری ہوگیا ہے کہ معاہدہ باقی رکھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ صدر مجلس احرار کے اس جواب پر لیاقت علی خان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور معاہدہ جاری رکھنے پر اصرار کیا۔ صدر احرار نے اس شرط پر معاہدہ باقی رکھنا قبول کیا کہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر جہاں سے بھی قادیانی کھڑا ہو رہا ہے' مجلس احرار اس کی بھرپور مخالفت کرے گی۔ لیاقت علی خان نے اس شرط کو قبول کرتے ہوئے مجلس احرار کو مسلم لیگ کے قادیانی نمائندوں کی ہر طرح سے مخالفت کی اجازت دے دی۔ اس تجدید عہد کے ساتھ ہی احرار نے مسلم لیگ کے تمام قادیانی نمائندوں کی بھرپور مخالفت کی مہم شروع کر دی۔ چک جمرہ میں بھی قادیانی نمائندہ تھا لیکن یہاں جب مجلس احرار کے رضاکار اپنی مہم کے لیے گئے تو قادیانیوں نے انہیں زد و کوب کیا اور پولیس قریب خاموش تماشا دیکھتی رہی۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان ابھی سیالکوٹ ہی میں تھے کہ صدر مجلس احرار نے انہیں جا لیا اور پولیس کے رویہ کی شکایت کی۔ قائد ملت نے اپنا پستول ماسٹر تاج الدین انصاری کو دیتے ہوئے کہا کہ جاؤ' اسے استعمال کرو' پہلے ایک ٹرک رضاکاروں کا گیا تھا' تو اب دو ٹرک لے کر جاؤ اور خوب تیار کر کے جاؤ۔ تم جی کھول کر انتقام لو اور پولیس اب بھی خاموش رہے گی' تمہارا راستہ نہیں روکے گی۔ جس پر احرار رضاکاروں نے جا کر دھاوا بول دیا اور ایسا بدلہ لیا کہ قادیانیوں کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ انہیں گھروں سے نکال نکال کر احرار کی آبدار کلہاڑی کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کارروائی پر ایسی دھاک بیٹھی کہ مسلم لیگ کے جس قدر آٹھ قادیانی نمائندے تھے' سب کے سب شکست کھا گئے۔ ان انتخابات کے نتائج مارچ 1951ء میں شائع ہوئے۔ مسلم لیگ نے اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔

مسلم لیگی وزارت اپریل 1951ء میں برسراقتدار آئی اور مسٹر دولتانہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ قرار پائے۔ چونکہ مجلس قانون ساز میں کوئی قادیانی منتخب نہ ہوسکا تھا' جس پر فتح کی خوشی میں مجلس احرار نے یوم تشکر منانے کا اعلان کیا۔

انگریز کے لگائے ہوئے پودے کے پھل پھولوں پر خزاں طاری ہوگئی۔ قادیانی سانپ اپنی بانبیوں میں کچلے جانے لگے اور کلریانیت دم توڑتی نظر آنے لگی تو قادیانیوں نے اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچنے کے ساتھ ساتھ انتقامی کارروائی کے منصوبے باندھنے شروع کردیے۔ ملک کی خارجہ پالیسی ان کے ہاتھ میں تھی ہی اور فوج میں بھی توازن ان کے حق میں تھا' اس لیے قادیانیوں کے لیے اپنی پسند کی کارروائی کرنے میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے' فوج کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش تیار کی گئی جو پکڑ لی گئی۔ اس سازش میں ناکام ہونے کے بعد سازش کا دائرہ وسیع کردیا گیا اور ملک کی پوری مشینری کو اس میں شامل کرلیا گیا۔

قادیانیت کے لیے پیدا ہونے والے تمام خطرات کی ذمہ دار مسلم لیگ تھی اور مسلم لیگ قائد ملت کے گرد گھومتی تھی۔ قائد ملت ابتداء ہی سے مسلم لیگ میں بھاری بھرکم شخصیت کے مالک تھے۔ مسلم لیگ کی پالیسیوں پر ان کی رائے واضح اثرانداز رہتی تھی اور احرار سے مسلم لیگ کا معاہدہ بھی قائد ملت ہی کی تجویز تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ احرار' مسلم لیگ معاہدہ' احرار' لیاقت علی معاہدہ تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ اس بنا پر قادیانیوں کو احرار کے ہاتھوں جو جو صدمے اٹھانے پڑے' وہ قائد ملت کی ذات کی وجہ سے تھے۔ اس لیے قادیانیت کی انتقامی کارروائی کا نشانہ ان کی ذات قرار پانا قدرتی بات تھی۔ چنانچہ 1951ء کے آخر میں انتخابی ہنگاموں میں' جن کے

نتائج مارچ 1951ء میں سامنے آئے' قادیانیوں کے تمام امیدوار ہار گئے۔ کوئی قادیانی امیدوار کامیاب نہ ہوسکا اور چونکہ یہ سب کچھ احرار' مسلم لیگ معاہدہ کی وجہ سے قادیانی امیدواروں کا احرار کی طرف سے تعاقب کا نتیجہ تھا' اس لیے مسلم لیگ بالخصوص قائد ملت کے خلاف سازش تیار کی گئی۔ اس سازش کی تیاری پہلے سے تھی' صرف انتخابی نتائج کا انتظار تھا۔ انتخابی نتائج سامنے آتے ہی سازش تیزی سے اپنے مراحل طے کرنے لگی لیکن آخری مراحل میں آ کر پکڑی گئی اور اس سازش میں شریک فوجی دھر لیے گئے۔ قادیانیت نے فوج کو سازش میں شریک کر کے پاک فوج کو اس راہ پر لگا دیا اور اس کے اثرات اس قدر گہرے بھر دیے گئے کہ بعد میں بات بات پر فوج اقتدار پر قبضہ کرنے کی راہ اپنانے لگی اور آئندہ کے لیے پاکستان' فوجی سٹیٹ بن گیا۔

سازش پکڑی گئی اور اس میں شامل چہرے چھپے نہ رہ سکے اور اس سے اندازہ ہوگیا کہ قادیانی گروہ کے ہاتھ کس قدر لمبے ہیں۔ یہ سازش چونکہ قائد ملت کے خلاف تھی' کیونکہ صرف ان کے اقتدار کو ختم کرنا مقصود تھا' جس نے قادیانیت کو خطرات سے دوچار کر دیا تھا' اس لیے قائد ملت نے فوری طور پر اس شجر خبیثہ کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کا تہیہ کر لیا' اس کے لیے دو طرح کے اقدام کو فوری طور پر اختیار کرنا ضروری سمجھا گیا۔

1- احرار' مسلم لیگ معاہدہ کی شرط یعنی ظفر اللہ کی وزارت خارجہ سے برطرفی کی تکمیل۔

2- مرزائیت کو غیر مسلم قرار دینے کا اعلان۔

قائد ملت کے قتل کی سازش

انگریز کے لگائے ہوئے درخت کی جڑیں اور شاخیں بابائے ملت

نہایت مکمل اور وسیع کر گئے تھے۔ اب وہی جال قائد ملت کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا تھا اور بابائے ملت کا پالا ہوا سانپ قائد ملت کو ڈسنے کے لیے پھن پھیلائے کھڑا تھا۔ قائد ملت کے دونوں فیصلے اہم ہونے کے ساتھ ان کی ذات کے لیے خطرناک تھے۔ قائد ملت تنہا تھے اور یہ دونوں فیصلے ان کے ذاتی فیصلے تھے لیکن یہ امور مملکت سے تعلق رکھتے تھے' اس لیے یہ چھپے ہوئے نہیں رہ سکتے تھے۔ قادیانیوں کے لیے ان فیصلوں سے آگاہی ناممکن نہیں تھی۔ قائد ملت نے ان دونوں فیصلوں کے اعلان کے لیے راولپنڈی کو تجویز کیا' جہاں پر کہ ان کے خلاف سازش پکڑی گئی تھی۔ اعلان کے لیے 16 اکتوبر 1951ء کی تاریخ طے کی گئی لیکن اعلان کے فیصلہ میں اور اعلان کی تاریخ میں خاصا وقفہ تھا' اس وقفہ میں قادیانیت کو ایک دوسری سازش تیار کرنے کا موقع مل گیا۔

قائد ملت کے خلاف دوسری سازش خاص منصوبہ بندی کے ساتھ وسیع اور مکمل تیار کی گئی' جس میں حکومت کے تمام اہم ستونوں کو شامل کر لیا گیا۔ مسلم لیگی' جو اقتدار کے بھوکے تھے اور جنہوں نے اقتدار کے لیے مذہب کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا تھا اور اس بارہ میں ایسی روایت قائم کر دی کہ آج تک ہر حکمرانی کا خواب دیکھنے والے مسلم لیگ کے نقش قدم پر چل کر مذہب کو استعمال کرنے میں بے باک ہو گئے۔ مسلم لیگ کے وہ پرندے قائد ملت کے خلاف سازش میں شریک ہونے سے کیونکر گریز کرتے' ملک کا کوئی اہم صاحب منصب اس سازش سے الگ نہ رہنے دیا گیا۔ مرکز اور صوبے اس سازش میں شامل کر لیے گئے تاکہ یہ سازش پکڑی نہ جا سکے۔ قائد ملت کو تنہا چھوڑ دیا گیا اور ملک کی پوری مشینری کو ان کے خلاف سازش میں شامل کر لیا گیا۔ ایسا کرنے سے یہ بھی فائدہ تھا کہ اگر قائد ملت کو کسی طرح سے اس کا پتہ چل بھی

جائے تو وہ اس سازش میں شریک لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکیں اور ان کے خلاف کارروائی کرنے سے وہ اپنے آپ کو بے بس پائیں' پھر یا تو وہ خودبخود اقتدار کی مسند سے اتر جائیں گے یا اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو جائیں گے اور پھر آسانی سے مسلم لیگ کا ناطہ احرار سے توڑا جا سکے گا یعنی سازش کی کامیابی میں بھی قادیانیوں کا مقصود حاصل ہو جاتا اور قائد ملت کے اس سازش سے آگاہ ہونے کی صورت میں بھی قادیانیوں کا مدعا پورا ہو جاتا۔

سازش کے ان ایام میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ مسٹر دولتانہ اور گورنر عبدالرب نشتر تھے وزیر داخلہ مشتاق احمد گورمانی اور وزیر خارجہ ظفر اللہ اور صوبہ سرحد میں خان عبدالقیوم خان کی حکومت تھی اور یہ سب کے سب اس سازش میں شریک تھے۔ کسی کا حصہ کسی سے کم نہیں تھا۔ جب سازش میں مرکزی اور صوبائی تمام اراکین سلطنت شامل تھے تو ظاہر ہے کہ اس کا انکشاف کیونکر ممکن تھا۔ نیز اس سازش میں شامل لوگوں کی نشاندہی اور ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کا سوال کیسے پیدا ہو سکتا تھا' چنانچہ اس سازش کا کامیاب ہونا یقینی امر تھا۔ اس کے ناکام ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی' چنانچہ یہ سازش کامیاب ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ راز میں ہی رہی۔ آج یقینی طور پر بہت کچھ کہنے کے باوجود اس پر عمل در آمد ممکن نہیں۔ اس سازش کے تمام چہرے ننگے ہونے کے باوجود گرفت سے محفوظ رہے اور پاکستان کی راج گدیوں پر اچھلتے کودتے رہے۔ سازش کے تیار کرنے اور سازش میں شریک لوگوں کو تحفظ فراہم کرنے کی اس روایت کا سہرا بھی مسلم لیگ کے سر ہے کہ قائد ملت کے خلاف اس کامیاب سازش کے بعد پاکستان سازشوں کی آماجگاہ بن گیا اور ہر سازش میں شریک لوگ گوشہ عافیت میں رہے۔ کتنی ہی سازشیں تیار ہو کر کامیابی سے ہمکنار

ہوئیں لیکن آج تک ہر حکومت کسی سازش کا سراغ لگا کر مناسب کارروائی سے گریزاں رہی۔ مشرقی پاکستان کا الگ ہو جانا اہل پاکستان کے لیے کوئی کم مصیبت نہ تھا' اس سازش کا سراغ لگانے کے لیے حمود الرحمٰن کمیشن اپنی رپورٹ تیار کر کے حکومت کے حوالے کر چکا مگر حکومت اسے منظرعام پر لانے سے اس لیے پہلو بچاتی ہے کہ اس سے بہت سے آبرومندوں کی آبرو خاک میں ملتی ہے۔

16 اکتوبر 1951ء کا دن پاکستان کی تاریخ میں اہم ترین دن تھا۔ قائد ملت اس دن کے لیے عرصہ سے منتظر تھے کیونکہ اس دن انہوں نے اہم ترین اعلان کرنا تھا۔ وہی اعلان جو اس دن ممکن نہ ہو سکا۔ اس سازش نے اس اعلان کو بائیس برس دور دھکیل دیا۔ 16 اکتوبر کا دن پاکستان کی تاریخ میں یادگار دن بننے والا تھا اور پھر یہ دن اپنے واقعہ کے اعتبار سے واقعی اہم ترین دن واقع ہوا اور پاکستان کی تاریخ میں یادگار دن بن گیا۔

راولپنڈی کا باغ' جو بعد میں لیاقت باغ کے نام سے مشہور ہوا' لیاقت علی کی تقریر کے لیے تجویز ہوا اور اسی جلسہ عام میں انہوں نے قادیانیوں کو قانونی طور سے غیر مسلم قرار دینے کا اعلان کرنا تھا' اسی لیے یہ جلسہ خاص اہمیت رکھتا تھا اور عقیدۂ ختم نبوت کے علمبرداروں کے لیے خاص کشش رکھتا تھا۔ دور دراز علاقوں سے لوگ اس تاریخی اعلان کو سننے جلسہ گاہ میں پہنچنے لگے۔ جلسہ گاہ بہت جلد سامعین سے بھر گئی اور سب کی نظریں سٹیج کی طرف قائد ملت کی آمد کی منتظر تھیں۔ تمام انتظامات مکمل تھے۔ پولیس اور سی آئی ڈی اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں مصروف تھی اور سازش بھی اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ تیار تھی اور کوئی یہ بات نہیں جانتا تھا کہ موجودہ پولیس اور سی آئی ڈی قائد ملت کے جلسہ کے انتظامی امور سرانجام دینے کے لیے ہے یا سازش کی تکمیل کے لیے چاق و چوبند ہے۔

انتظار ختم ہوا۔ قائد ملت سٹیج پر آ پہنچے۔ عوام نے نعرہ ہائے تحسین سے خیر مقدم کیا۔ بلند و بالا سٹیج پر نمایاں اور مناسب جگہ پر ان کی کرسی ہے۔ سٹیج پر صرف انہیں کی کرسی ہے اور سٹیج سے نمایاں طور سے صرف وہی نظر آ رہے ہیں۔ قائد ملت سٹیج پر موجود ہیں لیکن صوبہ پنجاب کے صوبائی مسلم لیگی عہدہ دار سٹیج پر نہیں ہیں۔ وزیر اعظم جلسہ گاہ میں آ پہنچے لیکن صوبہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور گورنر ہر دو ذمہ دار ابھی تک نہیں پہنچے۔ لیکن انہیں نہ آنا تھا اور وہ نہ آئے۔ دیکھنے والوں کا تجسس بڑھ رہا تھا کہ یہ کیسا انوکھا جلسہ ہے۔ وزیر اعظم کی تقریر ہے اور متعلقہ صوبہ کے دونوں ذمہ دار غائب ہیں۔ بلکہ مرکزی وزیر داخلہ مشتاق احمد گورمانی اس روز راولپنڈی میں تھے لیکن جلسہ میں نہیں آئے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے پہلو تھے جو کسی بڑے خطرے کی گھنٹی بجا رہے تھے۔ وزیر اعظم پاکستان قائد ملت خان لیاقت علی خان تقریر کے لیے مائیک پر آئے۔ ملت کے افراد کو مخاطب کرتے ہوئے گویا ہوئے کہ آج میں آپ کے سامنے ایک اہم اعلان کرنے والا ہوں۔ وہ اہم اعلان کیا تھا' اسے معمہ بنا دیا گیا کیونکہ قائد ملت ابھی اعلان کرنے نہ پائے تھے' وہ صرف اسی قدر کہہ پائے تھے کہ ان پر فائرنگ کھل گئی اور اس قدر فائرنگ ہوئی کہ قائد ملت موقع پر ہی دم توڑ گئے اور انہیں مزید کچھ زبان سے کہنے کا موقع نہ دیا گیا۔ قائد ملت خون میں لت پت ہو گئے اور عقیدۂ ختم نبوت پر جاں نثار ہو گئے اور شہید ملت' شہید ختم نبوت بن گئے۔ سازش اپنا کام کر گئی اور اس میں تمام شامل لوگ بعافیت محفوظ رہے کیونکہ احتساب کرنے والے خود اس میں شامل تھے۔

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم قتل ہو گئے' مسلم لیگ کے ناخدا قتل ہو گئے' ملت کے قائد شہید ہو گئے' احرار کے حلیف قتل ہو گئے' اس لیے یہ

قتل پاکستان کا قتل تھا' ملت کا قتل تھا اور احرار کا قتل تھا اور ان سب پہ ذمہ داری تھی کہ وہ اس قتل کی تفتیش کرے۔ اس میں ملوث لوگوں کو مجرم قرار دے کر سزا دی جاتی اور قوم کے سامنے ان چہروں کو لایا جاتا جو اس سازش میں شریک تھے۔ مسلم لیگ' جو اس وقت پاکستان کی حکمران جماعت تھی' سب سے بھاری ذمہ داری اس پر عاید ہوتی تھی لیکن سوائے احرار کے' کسی نے اس پر چیخ پکار نہ کی۔ احرار تفتیش نہیں کر سکتی تھی' یہ کام بہرحال حکمران جماعت کا تھا لیکن سازش کے حمام میں مسلم لیگی حکمران قادیانیوں کے ہمراہ سب ننگے تھے' تفتیش کیونکر ممکن تھی۔ قتل کے لیے سازش تیار ہوئی اور پھر اس قتل کو معمہ بنا دیا گیا۔

کرائے کے قاتل سید اکبر خاں کو موقع پر ہی قتل کر دیا گیا۔ اس قتل کے محرکات معلوم کرنے کے لیے کچھ بیرونی ماہرین بھی پاکستان آئے اور اس بارہ میں رپورٹ تیار کی لیکن وہ طیارہ' جس میں تفتیش سے متعلق دستاویزات راولپنڈی سے کراچی لے جائی جا رہی تھیں' فنی نوعیت کے حامل جہلم کے علاقہ چوآسیدن شاہ کی پہاڑیوں میں گرا کر تباہ کر دیا گیا اور اس حادثہ میں تفتیش کنندہ بمع تفتیش ریکارڈ کے ختم ہو گیا اور یوں سازش تکمیل تک پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ طیارہ' جو دستاویزات اور اسے تیار کرنے والے کو راولپنڈی سے اس وقت کے دارالحکومت کراچی لے جا رہا تھا اور جسے راستہ میں گرا کر تباہ کر دیا گیا' اسے ایک قادیانی پائیلٹ چلا رہا تھا۔

اس بارہ میں اخبارات میں جو انکشافات ہوئے ہیں' انھیں سامنے رکھ کر اس سازش کا سراغ لگایا جا سکتا ہے اور بہت سے سربستہ راز کھولے جا سکتے ہیں' جن کے عکس پیش کیے جا رہے ہیں"۔

(روزنامہ "آزاد" لاہور 13 جولائی 1951ء)

روزنامہ "آزاد" وزیر اعظم کے بہیمانہ قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے سوال کرتا ہے کہ

"قاتل کون ہے؟

آج ہر زبان پر یہی سوال ہے کہ ہمارے محبوب قائد کا قاتل کون ہے؟ اسے کس نے ایسے فعل شنیعہ کے ارتکاب پر اکسایا ہے؟ کیا وہ تنہا تھا؟ اسی قسم کے الفاظ ہر حساس پاکستانی کی زبان سے نکل رہے ہیں۔ میاں محمد شفیع سیکرٹری اسمبلی پارٹی نے آج آفاق کے ذریعہ اپنی ڈائری کے کالم میں نہایت درد بھرے انداز میں حکومت پنجاب کے وزیر اعلیٰ سے دریافت کیا ہے کہ وزیر اعظم پاکستان مرحوم خان لیاقت علی خاں جب راولپنڈی کے جلسہ گاہ میں پہنچے تو امن و سلامتی کے محافظ اس وقت کہاں تھے؟ میاں صاحب کہتے ہیں: لیاقت تو مر گیا——! لیکن میں لکھنے کی بھٹی میں رکھتے ہوئے ان سے پوچھتا ہوں' جو زندہ ہیں کہ تم نے اس کے لیے' جو ہماری قومی زندگی کا شاندار ترین چمکدار موتی تھا' اس کی حفاظت کے لیے کیا کیا؟

میں مسلم لیگ والوں سے' پنجاب کی پولیس سے پوچھتا ہوں کہ تمہارا جواب کیا ہے؟ تم نے قائد ملت کی حفاظت کے لیے کیا اقدام کیے تھے؟

تم نے پلیٹ فارم کو مجمع سے کتنی دور رکھا تھا؟ تم نے اس ذلیل انسان پر نگاہ رکھنے کے لیے کیا انتظامات کیے تھے کہ گولی شہید ملت کے سینے کو چیر گئی اور جس کے متعلق تمہیں صوبہ سرحد کی پولیس نے وقت پر آگاہ کیا تھا؟

کیا صوبہ سرحد کا وزیر اعلیٰ ان باتوں کا جواب متعلقہ لوگوں سے طلب کرے گا؟

(روزنامہ "آزاد" لاہور' 22 اکتوبر 1951ء)

"22 اکتوبر 1951ء کو مسٹر بشیر احمد جماعت احمدیہ لاہور نے چیف سیکرٹری کو ایک چٹھی لکھی جس میں شکایت کی کہ گزشتہ ماہ ستمبر میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لاہور میں ایک انتہائی شعلہ بار تقریر کی ہے۔ اسی چٹھی میں یہ بھی لکھا تھا کہ ملتان اور لاہور میں احمدی جماعت نے سیرت النبی کے دو جلسے منعقد کیے' جن میں تمام فرقوں کے خطیبوں کو دعوت دی کہ آ کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر تقریریں کریں لیکن ان جلسوں میں رکاوٹ پیدا کی گئی۔ مسٹر بشیر احمد نے یہ بھی لکھا کہ مذہبی عدم رواداری قائد ملت کے قتل کی شکل میں بھی ظاہر ہو چکی ہے"۔

(منیر رپورٹ' ص 36)

● بعض اخبارات نے سابق وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قتل پر انکشافات کیے۔

"لیاقت علی خاں کے قتل میں غلام محمد اور نواب گورمانی کا ہاتھ تھا

راولپنڈی 11 فروری (نمائندہ جنگ) بیگم رعنا لیاقت علی خان نے کہا ہے کہ ان کے شوہر' پاکستان کے پہلے وزیر اعظم' لیاقت علی خان کے قتل میں ملوث افراد کی نشاندہی کر دی گئی تھی لیکن انہیں کیفر کردار تک نہیں پہنچایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ایک سابق گورنر جنرل غلام محمد اور شہید ملت کی کابینہ کے وزیر داخلہ نواب مشتاق احمد گورمانی کا اس قتل میں ہاتھ تھا۔ ہفت روزہ "میگ" کو انٹرویو دیتے ہوئے بیگم لیاقت علی نے کہا کہ یہ قوم کا کام تھا کہ وہ اس وقت کے برسراقتدار طبقے پر اس سلسلے میں دباؤ ڈالتی کہ وہ اس قومی المیے کے حقائق کو منظر عام پر لائے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ اس قتل کے "معمہ" کو حل کرنے کے لیے کچھ

بیرونی ماہرین بھی پاکستان آئے اور انہوں نے اس واقعہ کے سلسلے میں رپورٹ تیار کی لیکن بعد ازاں وہ طیارہ' جس میں دستاویزات لے جائی جا رہی تھیں' تباہ ہوگیا۔ اس حادثے میں دستاویزات کے علاوہ اسے تیار کرنے والا بھی ختم ہوگیا۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان نے کہا: سندھ کے گورنر کی حیثیت سے میں نے اس وقت کے وزیر اعظم سے تحقیقات دوبارہ شروع کرانے کی درخواست کی لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔

(ہفت روزہ "میگ" کو بیگم رعنا لیاقت علی خان کا انٹرویو' ماخوذ از روزنامہ "جنگ" 12 فروری 1982ء)

"جنرل اکبر اور ان کے بھائی کے درمیان خط و کتابت میں قائد ملت کے متعلق تحریر کیا گیا تھا

فیصل آباد 18 فروری (جنگ رپورٹ) پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قتل کے ایک عینی شاہد اللہ نواز خان ریٹائرڈ پولیس افسر نے انکشاف کیا ہے کہ میں غیر سرکاری طور پر اس وقت جلسہ گاہ میں سٹیج کے قریب ہی موجود تھا' جب قاتل سید اکبر نے خان لیاقت علی کو گولی کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے بتایا کہ سید اکبر کی فائرنگ سے جلسہ گاہ میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس وقت وہاں پر موجود ایس پی راولپنڈی نجف خان نے پشتو زبان میں پولیس کو حکم دیا "ژر اولا کا" چنانچہ محمد شاہ سب انسپکٹر پولیس نے سید اکبر پر اپنا پستول خالی کر دیا جس سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگیا۔ عوام قاتل کو موقع پر ہلاک کر دینے کی وجہ سے سخت برہم تھے۔ اگر قاتل زندہ گرفتار ہو جاتا تو اس سازش میں شریک تمام چہرے بے نقاب ہو جاتے۔ اللہ نواز خان نے بتایا کہ بیگم رعنا لیاقت خان نے گزشتہ دنوں انہی باتوں کا انکشاف

کیا ہے۔ ان دنوں بھی یہی باتیں زبان زدعام تھیں۔ اس مقدمہ کی تفتیش کرنے کی غرض سے نواب اعتزاز الدین احمد خان ریٹائرڈ ایس پی جب ریکارڈ لے کر طیارہ کے ذریعے راولپنڈی جا رہے تھے تو ضلع جہلم کی پہاڑیوں جو آمیدن شاہ کے مقام پر طیارہ اچانک تباہ ہوگیا اور اس کے ساتھ تمام ریکارڈ بھی تلف ہوگیا۔ اللہ نواز خان نے بتایا کہ میں نے 14 نومبر 1958ء کو نجف خان ایس پی راولپنڈی کو اطلاع دی کہ میرے پاس لیاقت علی خان کے قتل کے بارے میں چند ایسی معلومات ہیں جن سے اس قتل کے بارے میں سراغ مل سکتا ہے۔ چنانچہ درج ذیل معلومات میں نے ایس پی نجف خان کے حوالے کر دیں۔ "غلام محمد سپاہی ایم ٹی ڈرائیونگ بٹالین چکلالہ" جو کہ قبل از ملازمت سی آئی ڈی کا مخبر تھا اور تمام کارروائی اس کے علم میں ہوتی تھی' نے اپنے افسران کو بتایا تھا کہ بھارتی پولیس کا ایک انسپکٹر دوارکا ناتھ افغان قونصل پشاور کی معرفت مقامی سی آئی ڈی افسران کو دو لاکھ روپے بھیجا کرتا تھا' جو وہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔

غلام محمد نے بتایا کہ "جنرل اکبر اور ان کے بھائی افضل کے درمیان ہونے والی خط و کتابت بھی سنسرشپ کے دوران پکڑی گئی' جس میں لیاقت علی خان سے متعلق تحریر کیا گیا تھا اور وہ خطوط سی آئی ڈی پشاور نے دبا دیے"۔ غلام محمد کے بیان کے مطابق "اس نے خود بھی کئی بار لیاقت علی خان کو اس بارے میں تحریری طور پر اطلاع دی۔ وہ تحریریں تحقیقات کی غرض سے سی آئی ڈی پشاور کے سپرد ہوئیں جو دبا دی گئیں"۔ اس نے مزید بتایا تھا کہ "فرنٹیئر پولیس نے قاتل سید اکبر کو لیاقت علی خان کے قتل پر آمادہ کیا اور اسے راولپنڈی روانہ کیا"۔ (سید اکبر کی حرکات و سکنات پر پابندی تھی اور وہ گھر سے باہر نہیں جا سکتا تھا) سید اکبر کے خلاف اپنے پابند مسکن سے غیر حاضر ہونے پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ غلام محمد

نے مزید بتایا کہ "اس نے اپنے اس بیان کے علاوہ اپنا ایک تفصیلی بیان اور تمام متعلقہ ریکارڈ اپنے گھر میں محفوظ رکھا ہے' جس سے لیاقت علی خان کے قتل پر روشنی پڑ سکتی ہے اور مذکورہ بیان پی آر اے ایس سی (پاکستان رائل آرمی سروس کور) کے کیپٹن قریشی نے تحریر کیا تھا۔ اس کے بیان میں مزید کہا گیا تھا کہ سی آئی ڈی پولیس کے تین چار انسپکٹر اسے تلاش کرنے کے لیے پشاور بھی گئے لیکن وہ خوف کی وجہ سے دوبارہ فوج میں بھرتی ہو گیا"۔ اللہ نواز خان نے مزید بتایا کہ ان کی اطلاع کے مطابق غلام محمد کے بیان کی روشنی میں کرنل چراغ حسین شاہ ایڈمنڈ کمانڈنٹ ایک گارڈ کے ہمراہ غلام محمد کو اپنے ساتھ پشاور بھی لے کر گئے تاکہ اس کے خلاف تمام ریکارڈ قبضہ میں لایا جا سکے۔ عینی شاہد نے بتایا کہ 14 نومبر1958ء کو نجف خان ایس پی راولپنڈی نے میری اس اطلاع پر تفتیشی افسر چودھری محمد حسین ایس پی' سی آئی ڈی کو اپنی رہائش گاہ پر بلایا۔ اس موقع پر میں بھی وہاں موجود تھا۔

ایس پی نجف خان کی ہدایت پر میں نے غلام محمد کی مندرجہ بالا اطلاع چودھری محمد حسین ایس پی' سی آئی ڈی کو نوٹ کرائی۔ میری معلومات کے مطابق چودھری محمد حسین ایس پی لیفٹیننٹ کرنل چراغ حسین شاہ اور کیپٹن قریشی سے غلام محمد کی رپورٹ کی تصدیق کرنے کے لیے میجر جنرل ضیاء الدین خان کے پاس بھی گئے۔ اللہ نواز خان نے مزید بتایا کہ آج تک میری اس اطلاع کو کسی نے بھی نہیں جھٹلایا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے لیاقت علی خان کے قتل کے چند سال بعد لیاقت علی کے بیٹے نواب زادہ ولایت علی خان سے لاہور میں رابطہ قائم کیا اور انہیں اپنی اس اطلاع کے بارے میں بتایا۔ بعد ازاں میں نے بذریعہ ڈاک بیگم رعنا لیاقت علی اور جناب اے۔ کے بروہی کو بھی اپنی یہ معلومات ارسال کیں لیکن کسی پیش رفت

کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اللہ نواز خان نے کہا کہ چند روز سے اخبارات میں لیاقت علی خان کا قتل ایک بار پھر موضوع بحث بنا ہوا ہے' چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسی معلومات کو منظرعام پر ضرور لایا جانا چاہیے' جنہیں آج تک جھٹلایا نہیں گیا اور نہ ہی وہ شائع ہوئیں' نہ ہی کسی اجلاس میں ان کا ذکر کیا گیا"۔

(روزنامہ "جنگ" 19 فروری لاہور)

● مسٹر ابرار احمد شیخ سابق اسسٹنٹ جنرل پولیس کا بیان لیاقت علی خان کے قتل سے زیادہ پراسرار تھا۔

"لاہور 14 فروری (خالد کاشمیری) سابق اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر ابرار احمد شیخ نے کہا ہے کہ سابق وزیر اعظم شہید ملت خان لیاقت علی خان کی شہادت ایک فرد واحد کا انفرادی فعل تھا۔ قاتل سید اکبر کی ذاتی ڈائری اور دیگر شواہد سے اس بات کا ثبوت مہیا ہوتا تھا کہ اس کے اس اقدام میں کسی دوسرے فرد کی ترغیب شامل نہیں تھی۔ مسٹر ابرار شیخ نے اس امر کا انکشاف آج نمائندہ "جنگ" سے ایک خصوصی ملاقات میں کیا ہے۔ مسٹر ابرار شیخ 16 اکتوبر 1951ء کو راولپنڈی میں انسپکٹر پولیس (سی آئی ڈی) تھے اور اس جلسے میں ڈیوٹی پر تعینات تھے جس میں شقی القلب سید اکبر نے پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کو پستول کی گولیوں کا نشانہ بنا دیا تھا اور شیخ ابرار احمد نے صرف چوں سیکنڈ میں قاتل کا پستول چھین لیا تھا۔ بعد میں شیخ صاحب اعلیٰ سطح کی تفتیشی ٹیم میں بھی شامل رہے۔

شیخ ابرار نے کہا کہ میں تمام صورت حال کا عینی شاہد ہوں' پھر بعد میں بھی میں تفتیشی معاملات میں شامل رہا۔ میرے نظریہ کو اس صورت حال سے بھی تقویت ملتی ہے کہ ایبٹ آباد میں سید اکبر کے گھر کی تلاشی کے موقع پر پیش ۔۔۔

● لیاقت علی خان کے کیس کو کس طرح پیچیدہ کیا گیا' جناب طفیل رشیدی لیاقت علی خان قتل کیس کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان میں تفتیش کا رخ بدلنے کے لیے جو باتیں پیش کی گئی ہیں' وہ تجزیہ طلب ہیں۔ ایک یہ کہ قتل سید اکبر کا ذاتی فعل تھا' کسی سازش کا حصہ نہیں تھا' جیسا کہ شیخ ابرار کے بیان سے ظاہر ہے اور یہی بات عام طور سے کہی جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ یہ قتل بھارت کے اشارے پر تھا۔ جہاں تک سید اکبر کے ذاتی فعل ہونے کے پروپیگنڈہ کا تعلق ہے' یہ لغو اور فضول ہے۔ سید اکبر نے یہ قتل ضرور کیا ہوگا لیکن وہ اجرتی قاتل تھا۔ اسے اس قتل کے لیے آمادہ کیا گیا' اسی لیے اسے موقع پر قتل کر دیا گیا' تاکہ وہ اس کے بارہ میں کچھ ظاہر نہ کر سکے۔ اس کے اجرتی قاتل ہونے کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ شیخ ابرار نے اسے 54 سیکنڈ میں دبوچ لیا۔ اس قدر برق رفتاری سے پکڑنا جبھی ممکن ہے کہ پہلے سے نشاندہی ہو کہ اسے اس موقع پر پکڑنا ہے۔ اس حیرت ناک جلدی سے پکڑنا اور پھر اسے فوراً قتل بھی کر دینا' ہر دو باتیں سید اکبر کے ذاتی فعل کی نفی کرتی ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ سید اکبر کو فرنٹیر پولیس نے قتل پر آمادہ کیا اور وہ پولیس کی نگرانی میں ہی راولپنڈی لایا گیا کیونکہ وہ ایبٹ آباد میں اپنے گھر میں نظربند اور محبوس تھا اور اس پر ہر وقت پولیس کی نگرانی رہتی تھی لیکن یہ کہ فرنٹیر پولیس نے بھارت کے ایماء پر سید اکبر کو قتل کے لیے آمادہ کیا' حقیقت سے خالی ہے۔ اگر فرنٹیر پولیس نے بھارت کی خواہش پر ایسا کیا تو فرنٹیر حکومت نے فرنٹیر پولیس کے ملوث افراد کے خلاف کیوں کارروائی نہ کی' انہیں کیوں چھوڑ دیا گیا۔ جب انہیں کچھ بھی نہ کہا گیا تو یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ فرنٹیر حکومت بھی اس میں ملوث ہے' جبکہ فرنٹیر حکومت کے وزیر اعلیٰ "مرد آہن" خان عبدالقیوم خان تھے۔ یہ قتل

قادیانیت کی سازش کا نتیجہ تھا اور اس کی شہادت منیر رپورٹ سے لیے گئے تراشے سے ملتی ہے' جو جماعت احمدیہ لاہور کے امیر مسٹر بشیر احمد کی چٹھی سے متعلق ہے' جو چیف سیکرٹری کو لکھی گئی تھی' جس میں لیاقت علی کے قتل کو فرقہ وارانہ قرار دے کر مذہبی عدم رواداری کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔ اس بارہ میں اس سے بڑی شہادت کوئی اور نہیں ہو سکتی کہ یہ قتل قادیانیوں کی سازش کے تحت تھا۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کو سازش کے ساتھ قتل کر کے مرزائیوں نے جہاں مسئلہ ختم نبوت کی حمایت کرنے کی انہیں 'سزا دی' وہاں اس قتل کے ذریعہ سے ملک کے ہر اہم منصب پر فائز شخص کو اپنی سازش کا شکار بننے کا کھلا نوٹس دے دیا۔ مسٹر دولتانہ آج بھی زندہ ہیں اور منقار زیر پر ہیں۔ قتل کے 30 برس بعد "جنگ" 13 فروری 1982ء کے مطابق آہستگی سے گویا ہوئے ہیں کہ میں اس پر کیسے تبصرہ کر سکتا ہوں۔ مجھے جیل جانا ہے۔ ایک خوف ہے جو انکشاف کی صورت میں ان پر طاری ہے۔ آخر انہیں جیل کون بھیجے گا' کیا قوم جیل بھیجے گی؟ ظاہر ہے کہ قادیانیت کا خوف طاری ہے' جو انہیں لب کشائی سے روکے ہوئے ہے۔

شہید ملت کے خلاف سازش کامیاب رہی اور ان کی شہادت کے ذمہ دار' جو اس سازش میں شامل تھے' گوشہ عافیت میں رہے اور قادیانیوں سے سودے بازی کر لی۔ چنانچہ ہر بننے والی آئندہ حکومت قادیانیوں کے زیر اثر رہنے لگی۔ قادیانیوں نے کھل کر اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھنے کا حوصلہ پیدا کر لیا اور ان کے ساتھ سازش میں شامل حکومت کے تمام پرزے ان کی سرگرمیوں کے نگران بن گئے۔ یہ کیفیت جاری رہی اور آج تک جاری ہے"۔

("قادیانیت 47 سے 83ء" ص 104 - 105 از طفیل رشیدی)

● پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان کے خلاف پہلی سازش قادیانیوں اور کمیونسٹوں نے تیار کی تھی۔ اس سازش کو عملی جامہ پہنانے والے میجر جنرل نذیر قادیانی اور جنرل محمد اکبر سوشلسٹ تھے۔ اس سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے آغا شورش کاشمیری "راولپنڈی سازش کیس کے ہیرو" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

"قارئین کو یاد ہو گا کہ 50ء میں اس ملک کے خلاف کمیونزم لانے کے لیے سب سے پہلی سازش جنرل اکبر خان اور ان کے بعض رفقاء نے فوج میں رو کر کی اور اس سازش میں ان کی بیوی' اب مطلقہ نسیم جہاں' دختر بیگم شاہنواز کے علاوہ فیض احمد فیض' کمیونسٹ لیڈر سجاد ظہیر' اب نیپ کے لیڈر تب میجر اسحاق وغیرہ بھی شریک تھے۔ ان کے ساتھ مشہور قادیانی جنرل نذیر احمد آنجہانی بھی گرفتار ہوئے تھے۔ اس سازش کے مقدمہ کی کارروائی کا بیشتر حصہ خفیہ رکھا گیا۔ تب بعض اخباری حلقوں سے بارہا مطالبہ کیا گیا کہ سازش کی پوری کارروائی اور فیصلہ کا پورا متن شائع کیا جائے لیکن حکومت نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ سازش کی کہانی اخفا میں رہے۔ جنرل اکبر خاں اور ان کے بیشتر ساتھی سزا یاب ہو گئے۔ رہا ہو کر انہوں نے پالیٹکس کے بہت سے پاپڑ بیلے' لیکن پاؤں کہیں جمے نہیں۔ اب ایک مدت سے وہ مسٹر بھٹو کے دست راست بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے دست راست بنتے ہیں یا نہیں؟ لیکن بھٹو کی مخصوص رواجوں کے پیش نظر یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ انہیں اپنا دست راست بناتے ہیں یا نہیں؟ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اکبر خاں آج کل مسٹر بھٹو کی مونچھ کا بال بنے ہوئے ہیں۔ چونکہ بھٹو صاحب کے مونچھیں نہیں' بے ریش و بروت ہیں' اس لیے یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ وہ بھٹو صاحب کے سیاسی عقد میں ہیں۔

ان جنرل اکبر اور دوسرے جرنیلوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فوج سے ریٹائر ہو کر وہ سیاست میں شامل ہوئے ہیں' یہ فوج میں سازش کرکے پکڑے گئے' سزا پائی اور وہاں سے نکالے گئے۔ پھر باقی جرنیلوں کی ملک و ملت کے لیے خدمات ہیں' مثلاً میجر جنرل سرفراز خاں بلاشبہ 1965ء کی جنگ میں لاہور کے محافظ تھے' جنرل امراؤ خاں کی خدمات سے انکار ناممکن ہے۔ انہوں نے مشرقی پاکستان اور اس کے بعد واہ فیکٹری میں بے نظیر خدمات انجام دی ہیں۔ ایئر مارشل اصغر خاں یا ایئر مارشل نور خاں وہ لوگ ہیں کہ ملک و قوم ان کے احسان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے مگر جنرل اکبر خاں ایسی کوئی خدمت نہیں بتا سکتے۔ اگر وہ بتا سکیں تو ہم ان کے ممنون ہوں گے۔ یہ ضرور سنا ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں وہ انگریزوں کے لیے مختلف محاذوں پر اس استعمار کے لیے لڑتے رہے ہیں' جس نے ایشیا اور افریقہ کو غلام بنایا اور اپنے ایجیوں کی معرفت مسلمان ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجائی' یا پھر جنرل اکبر صاحب کی سب سے بڑی خدمت' جو الم نشرح ہے' یہ ہے کہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کی حکومت کے خلاف انہوں نے فوج میں سازش کی' کہ ان کا تخت الٹ دیا جائے' اگر ان کی سازش کامیاب ہو جاتی تو وہ سید اکبر سے پہلے لیاقت علی خاں کے قاتل ہوتے کیا وہ اس سے انکار کر سکتے ہیں؟"

("چٹان" 15 جون 1970ء' جلد 21' شمارہ 24)

- جناب برکت دارا پوری صاحب راولپنڈی سازش کے پس منظر میں حقائق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پیپلز گارڈ کے بانی میجر جنرل اکبر خاں

راولپنڈی سازش کے ہیرو

راولپنڈی سازش کیس کے پس منظر میں یہ منصوبہ کارفرما تھا کہ حکومت کا تختہ الٹ کر اس وقت کے وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں سے جبری طور پر ریڈیو پاکستان سے یہ اعلان کرایا جائے کہ ملک کی عنان حکومت "فوجی کونسل" کے سپرد کر دی گئی ہے اور وزیر اعظم (لیاقت علی خاں) وزارت عظمیٰ سے دستبردار ہوگئے ہیں۔ اس سازش کے مرکزی کردار میجر جنرل (ریٹائرڈ) اکبر خاں تھے۔ گزشتہ 23 برس کے تاریخی حقائق سے یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ لیاقت علی مرحوم کے زمانہ میں معرکہ کشمیر کے سلسلہ میں جب فائر بندی کا فیصلہ کیا گیا تو فوج کے ایک عنصر نے کمیونسٹوں کی ملی بھگت سے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ یہ "سازش" اگر کامیاب ہو جاتی تو لیاقت علی خاں کو اس سازش کے کرتا دھرتا یا تو نظربند کر دیتے یا انھیں ابدی نیند سلا دیتے لیکن اس کا قبل از وقت راز افشا ہوگیا۔ 31 دسمبر 1948ء اور یکم جنوری 1949ء کی درمیانی رات کو حکومت پاکستان نے کشمیر میں فائر بندی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان نے کشمیر کے محاذ پر مصروف جنگ بعض کمانڈروں کے دلوں میں ناراضگی کی لہر دوڑا دی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت اوڑی کے محاذ پر اکبر خاں' جو ان دنوں بریگیڈیئر تھے' مامور تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ محاذ کشمیر کے مختلف کمانڈروں کے جذبات و رجحانات "جنگ بندی" کے فیصلہ کے خلاف ہیں تو انھوں نے فوجی افسروں اور "کمیونسٹ کرم فرماؤں" کی ملی بھگت سے صورت حال کو ایکسپلائٹ کرنے کا عزم کیا۔ ثقہ روایت ہے کہ اکبر خاں کی اہلیہ نسیم بیگم سے مسٹر فیض احمد فیض (پنڈی سازش کیس کے ایک کردار) کے گہرے مراسم تھے' جو ایک معروف سیاسی خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ اسی رابطہ سے میجر جنرل اکبر خاں (ریٹائرڈ) مسٹر فیض احمد فیض کے قریب ہوگئے۔ پنڈی سازش کیس کے اہم کردار اکبر خاں نے جب دیکھ لیا کہ خان لیاقت

علی خان کے اس فیصلہ سے محاذ کشمیر کے مختلف کمانڈر برہم ہیں تو انہوں نے ان کی ہمدردی اور حوصلہ افزائی حاصل کرنے کے لیے ایک ہی چال چلی کہ فوج اور ملک میں انتشار پیدا کیا جائے اور ملک پر کمیونسٹ عنصر کو مسلط کر دیا جائے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اعلیٰ فوجی حکام کو اس منصوبہ کی تفصیل سے بے خبر رکھا گیا۔ بریگیڈیئر اکبر خان نے یہ جانچ لیا کہ فوجی حکام اور افسر میجر جنرل نذیر احمد پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں تو یہ طے کیا کہ جب حکومت کا تختہ الٹ کر "انقلاب" برپا کیا جائے تو "فوجی کونسل" کے سربراہ میجر جنرل نذیر احمد مقرر کیے جائیں۔ جب یہ منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا دکھائی نہ دیا تو بریگیڈیئر اکبر خاں نے فوجی افسروں سے مشورہ کے بعد اس کو معرض التواء میں ڈال دیا۔

اتفاق سے بریگیڈیئر اکبر خان جائنٹ سروسز کورس میں شرکت کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے۔ چھ ماہ کے بعد واپس آئے تو انہیں میجر جنرل کے عہدہ پر ترقی مل گئی۔ 1950ء میں چیف آف جنرل سٹاف بنا دیے گئے۔ اب دوبارہ ان کے دل میں اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کی امنگ نے انگڑائی لی۔ اس سازش کو کامیاب بنانے کے لیے انہوں نے فیض احمد فیض اور اب بھارت میں مقیم کمیونسٹ لیڈر سجاد ظہیر سے رابطہ قائم کیا۔ میجر جنرل اکبر خاں کے اس منصوبہ سے اعلیٰ فوجی حکام آگاہ نہیں تھے اور انہوں نے عملاً انہیں اس منصوبہ کی تفصیل اور پس منظر سے بے خبر رکھا۔

فروری 1951ء کے آخری ہفتہ میں میجر جنرل اکبر خاں نے جی۔ ایچ۔ کیو راولپنڈی میں اپنی اقامت گاہ پر جونیئر فوجی افسروں کا ایک خفیہ اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں فیض احمد فیض اور سجاد ظہیر کے علاوہ ایبٹ آباد کے ایک معروف کمیونسٹ عطا نے بھی شرکت کی۔ جونیئر فوجی افسروں نے اس

خفیہ اجلاس میں شرکت کی۔ ان کی تعداد گیارہ تھی اور یہ فوجی افسر میجر اور کرنل تھے۔ اس خفیہ اجلاس میں فیض احمد فیض اور سجاد ظہیر نے کم و بیش دو گھنٹے تک تقریریں کیں اور شرکائے اجلاس کو یہ تاثر دیا کہ "موجودہ حکومت" نہایت بے رحم اور ظالم ہے اور مغربی ممالک کی پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔ یہ تاثر بھی دینے کی کوشش کی گئی کہ ملک میں غربت اور افلاس انتہا کو پہنچ گیا ہے' اس صورت حال کے ازالہ کے لیے حکومت کا تغیر ناگزیر ہے۔ باخبر ذریعہ کے مطابق 1951ء میں انتخابی مہم کے سلسلہ میں خان لیاقت علی خان (مرحوم) پنجاب کے دورہ پر تھے۔ میجر جنرل اکبر خاں اور ان کے حواریوں کی سازش یہ تھی کہ جب خان لیاقت علی خان پنڈی پہنچیں تو چھاپہ مار کر یا "فوجی اقدام" کر کے انہیں حراست میں لے لیا جائے اور ریڈیو پر ان سے اس مفہوم کی تقریر' پسٹل پوائنٹ پر کرائی جائے کہ حکومت ایک فوجی کونسل کے سپرد کر دی گئی ہے' جو حکومت کے نظم و نسق کی ذمہ دار ہوگی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ دو سال بعد جب اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو چند فوجی افسروں نے اس بنا پر اس سے اتفاق نہ کیا کہ 1949ء میں اس "فوجی اقدام" کا جواز تھا۔ اب اگر اس منصوبہ کو بروئے کار لایا گیا تو ملک انتشار سے دوچار ہو جائے گا اور ملک کی بقا کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ انہوں نے اس مردہ کو بے آبرو کرنے کی سکیم سے اتفاق نہ کیا۔ اس مخالفت کی بنا پر یہ سکیم دھری رہ گئی اور خفیہ اجلاس کی سازش پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔

اس سازش کا راز کیسے افشاء ہوا؟ یہ بجائے خود ایک دلچسپ داستان ہے۔ اس سازش کی تمام تفصیل میجر جنرل اکبر خاں کے ایک دوست پولیس انسپکٹر کو معلوم تھی۔ یہ انسپکٹر پشاور سے تعلق رکھتا تھا اور میجر جنرل اکبر

خاں سے اس کی بے تکلفی کی حد تک دوستی تھی۔ پنڈی سازش کیس کے مرکزی کردار میجر جنرل اکبر خاں نے اس پولیس افسر سے وعدہ کیا تھا کہ ان کا "منصوبہ" کامیابی سے ہمکنار ہوا تو اسے سپرنٹنڈنٹ پولیس بنا دیا جائے گا۔ یہ انسپکٹر فروری 1951ء میں میجر جنرل سے ملاقات کے لیے راولپنڈی آیا تو میجر جنرل کے علاوہ بیگم نسیم سے بھی اس کی گفتگو ہوئی۔ بیگم نسیم نے دانستہ یا نادانستہ اس "محرم راز" سے دل کی بات کہہ دی اور بتایا کہ ایک دو فوجی افسر اگر راہ میں حائل نہ ہوتے تو کامیابی یقینی تھی۔ راولپنڈی سے جب یہ انسپکٹر پشاور واپس پہنچا تو اس نے پشاور کے انسپکٹر جنرل پولیس سردار عبدالرشید سے (جو سرحد کے وزیر اعلیٰ بھی رہے ہیں) یہ راز کہہ دیا۔ سردار عبدالرشید نے اس خطرناک منصوبہ سے پنجاب کے انسپکٹر جنرل پولیس خان قرباں علی کو آگاہ کیا۔ لیاقت علی مرحوم کو اس سازش کی تفصیلات سے اس وقت آگاہ کیا گیا جب وہ سرگودھا کے دورہ پر آئے تھے۔ بعد ازاں سازشیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ سازش میں مرکزی کردار اکبر خاں، سکہ بند کمیونسٹوں یعنی فیض احمد فیض، سجاد ظہیر، بیگم نسیم اکبر، ایبٹ آباد کے مسٹر عطاء، میجر اسحاق وغیرہ نے ادا کیا۔ جنجوعہ صاحب بھی اہم شخصیتوں میں تھے۔ لطیفہ یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے ایک طرف تو سزا یافتہ ملزموں کو قبل از وقت رہا کر دیا اور دوسری طرف ان کو عہدوں اور نوکریوں سے نوازا۔ اکبر خاں کو 14 سال قید اور دوسروں کی قید کو مختلف سزائیں دی گئیں۔ حکومت کی یہ سرپرستی ہمیشہ معمہ رہی ہے اور پاکستان میں سازشوں کی پیدائش اور پرورش کے ذمہ دار میجر جنرل اکبر خاں کو روڈ ٹرانسپورٹ بورڈ میں ڈائریکٹری کے عہدے پر تعینات کیا اور وہ اس عہدے پر سے خوب فیض یاب ہوتے رہے، تا آنکہ کچھ عرصہ پیشتر کراچی منتقل ہو گئے۔ جنجوعہ صاحب کو برمنگھم میں پی آئی اے کا میجر مقرر کر دیا گیا۔ آج وہ بنگلہ

دیش کے حامی بنے ہوئے ہیں اور خفیہ کمیونسٹوں یعنی طارق علی' قدرت اللہ شہاب وغیرہ کے شریک کار یعنی پاکستان سے انتقام لے رہے ہیں۔ فیض احمد فیض نامی گرامی شاعر تو ہیں مگر نہ تو 1965ء کی جنگ میں اور نہ ہی موجودہ بحران میں' جب جنگ کے بادل پاکستان کے سر پر منڈلا رہے ہیں' ان کی زبان و قلم سے پاکستان کے حق میں کبھی کلمہ خیر نکلا' البتہ 65ء کی جنگ میں انہیں خفیہ طور پر وزارت اطلاعات میں جائنٹ سیکرٹری مقرر کر رکھا تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں انہوں نے یہ کام انگریزوں کے لیے بھی کیا تھا۔

اس پر بھی میجر جنرل اکبر خاں قومی پریس میں یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ مجھ پر پاکستان کی سالمیت کے خلاف سازش اور غداری کا الزام کبھی نہیں لگایا گیا۔ انہوں نے اس الزام کو بھی درست قرار نہیں دیا کہ وہ ملک میں فوجی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) اکبر خاں پنڈی سازش کیس کی رپورٹ شائع کرنے پر بھی مصر ہیں۔ اس ضمن میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ـــــ

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت"

("المنبر" جلد 15' شمارہ 36' 15 نومبر 1971ء)

1965ء کی پاک بھارت جنگ

"پاکستان کے دس کروڑ باشندے جن کے قلب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدا سے روشن ہیں۔ اس وقت تک آرام نہیں کریں گے جب تک دشمن کی توپیں خاموش نہیں ہو جاتیں"۔

یہ تھے' فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر مملکت خداداد پاکستان کے وہ پرجوش الفاظ جو انہوں نے 6 ستمبر 1965ء کو نصف النہار کے وقت نشری تقریر میں قوم سے

خطاب کرتے ہوئے کہے۔ پھر کیا تھا' پوری قوم جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر دفاع وطن کے لیے سیسہ پلائی دیوار بن گئی۔۔۔۔

جنگ 1956ء کا مختصر پس منظر

کشمیر کا مسئلہ بھارت اور پاکستان کا روز اول کا ہی اختلافی مسئلہ ہے۔ اس اختلاف و نزاع کی بنیاد انگریزوں نے سوچ سمجھ کر رکھی تھی۔ جبکہ بلاوجہ گورداسپور مسلم اکثریت کا ضلع بھارت کے سپرد کر کے کشمیر اور بھارت کو کٹھوعہ روڈ والا راستہ مہیا کر دیا تھا اگر عدل و انصاف کے تقاضہ کے مطابق باؤنڈری کمیشن گورداسپور کم اکثریت کا ضلع وائسرائے کے بیان کے مطابق پاکستان کے حوالے کر دیتا تو آج یہ نزاعی مسئلہ دنیا میں موجود ہی نہ ہوتا۔ اور دونوں ملک موجودہ صورت حال میں مبتلا نہ ہوتے اور نہ جانے کس قدر ترقی کی منازل طے کر چکے ہوتے یا کم از کم پر امن اور شریف ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کر سکتے۔ باؤنڈری کمیشن نے اس فساد کے لیے ایک بنیاد مہیا کی جس بنیاد پر حریص اور عاقبت نااندیش بھارتی حکمرانوں نے نزاع و فساد کی مستقل عمارت کھڑی کر دی۔ اس طرح جہاں پورا ہندوستان ایک سامراج کے چنگل سے آزاد ہوا' وہاں اسی ہندوستان میں مسلم اکثریت کا علاقہ ایک نئے سامراج کے پنجہ استبداد میں پھنس کر رہ گیا۔

دراصل ہندوستانی ریاستوں کے متعلق بھارتی حکومت پالیسی متضاد اور خود غرضانہ تھی۔ بھارت نے بھوپال اور حیدر آباد دکن وغیرہ کی ریاستوں کو یہ کہہ کر ہڑپ کر لیا کہ اگرچہ ان کے راجہ مسلمان ہیں' لیکن ان کی رعایا کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے اور یہ ریاستیں محل وقوع کے لحاظ سے ہندوستان میں واقع ہیں۔ جب اسی اصول کے مطابق کشمیر کے مسئلہ کا سوال پیدا ہوا' تو بھارت نے کہا کہ چونکہ کشمیر کا راجہ ہندو ہے لہذا اسے بھی ہڑپ کرنے کا مجھے حق حاصل ہے۔ حالانکہ وہاں کی غالب اکثریت مسلمانوں کی تھی اور محل وقوع اور دیگر جغرافیائی حالات کے لحاظ سے وہ

پاکستان کا حصہ ہی نہیں بلکہ شاہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا۔

انگریزوں اور بھارتی حکومت کی اس کھلی ہوئی سازش اور خودغرضانہ کارروائی کے بعد بھارت نے نہایت بزدلی اور تنگ دلی کا ثبوت دیا کہ کشمیر کے مسلمانوں کے صحیح نمائندوں کے ساتھ جو مواعید کیے تھے ان سے پھر گیا اور انھیں اپنے جبرو استبداد کی چکی میں پیسنا شروع کر دیا۔

یہی نہیں بلکہ چہ دلاور است دزدے کے مصداق کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد عالمی رائے عامہ کو دھوکا دینے کے لیے خود ہی یو۔ این۔ او میں جا پہنچا۔ یو۔ این۔ او نے معاملہ کی چھان پھٹک کی اور استصواب رائے کا فیصلہ ہوا کہ کشمیریوں سے پوچھا جائے کہ تم بھارت کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا پاکستان کے ساتھ شامل ہو جانا چاہتے ہو۔ ڈھٹائی کی حد یہ کہ بھارت یو۔ این۔ او کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں سے بھی مکر گیا اور لطائف الحیل کے ساتھ وقت گزارتا رہا۔ یہاں تک کہ اعلان کر دیا کہ کشمیر کا سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اور کشمیری اپنا فیصلہ گزشتہ انتخاب میں بھارت کے حق میں دے چکے ہیں۔ اور پھر بگلا بھگت بن کر عالمی رائے عامہ کی بدنامی کا داغ دھونے کے لیے شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دیا۔ شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں نے رہا ہوتے ہی بھارتی حکومت کے سارے دعاوی کی قلعی کھول دی۔ اور اعلان کیا کہ کشمیریوں کا حق خود ارادیت دنیا کی کوئی قوم نہیں چھین سکتی اور کشمیریوں سے ابھی تک کوئی استصواب نہیں کیا گیا۔ جب کشمیری لیڈروں کا یہ نعرہ حق دنیا کے مختلف حلقوں میں گونجنے لگا' تو بھارتی حکومت نے انھیں پھر اپنی جیلوں میں بند کر دیا۔ اور کشمیر کے پچاس لاکھ مسلمانوں پر پھر نئے سرے سے ظلم و استبداد کی چکی کو گھمانا شروع کر دیا۔ آخر "تنگ آمد بجنگ آمد" آج وہ مظلوم' کمزور اور نہتے کشمیری شیروں اور چیتوں کی طرح بپھر کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ بقول مولانا آزاد مرحوم کے "جب مظلوم اٹھ کھڑے ہوں تو بے پناہ ہو جایا کرتے ہیں" آج کشمیری بے پناہ ہو چکے ہیں۔ تاریخ کے سارے تجربے یہی کہتے ہیں کہ اب انھیں دبانا اور ان پر ان کی مرضی کے

خلاف حکومت کرنا ناممکن ہے۔

صدر محمد ایوب خان کی تاریخی نشری تقریر

عزیز ہم وطنو!

ہندوستان نے اعلان جنگ کیے بغیر ہی لڑائی کا آغاز کر دیا ہے۔ اور ہندوستان سے جنگ چھڑ گئی ہے ـــــ ہماری افواج قدم بڑھا چکی ہیں۔ وہ ہندوستان کے سامراجی ارادوں کو ہمیشہ کے لیے کچل کر رکھ دیں گی اور دشمن پر کاری ضرب لگائیں گی۔ پاکستان کے دس کروڑ عوام متحد ہیں۔ لوگوں کے لیے آزمائش کا وقت آن پہنچا ہے۔ وہ سچے مسلمان کی طرح لا الہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے' اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ' کامل یقین اور ثابت قدمی سے ہندوستان کے حملے کا جواب دیں گے۔ یہ جنگ حق کی خاطر ہے' وہ کامل بھروسہ اور یقین سے دشمن کا خاتمہ کرنے کے لیے مقابلہ کریں ـــــ ہندوستان نے اپنے برے عزائم کی تکمیل کے لیے لاہور کے بہادر عوام کو منتخب کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ لاہور کے غیور عوام شانہ بشانہ اپنی روایات کے مطابق حملہ آوروں کو قرار واقعی جواب دیں گے۔ ہندوستان کا پاکستان کے خلاف جارحانہ حملہ مسلسل سنگین کارروائیوں کا نتیجہ ہے' جو اس نے پاکستان کے خلاف گزشتہ پانچ ماہ سے شروع کر رکھی ہیں۔ ان کارروائیوں کا آغاز مئی میں جنگ بندی لائن توڑ کر پاکستان کی کرگل کی چوکیوں پر قبضہ کرنے کے بعد کیا۔ اقوام متحدہ کی مداخلت کی بنا پر اس نے یہ چوکیاں خالی کر دیں' مگر اگست میں پھر ان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے ٹیٹوال پر قبضہ کیا اور اوڑی سیکٹر میں آگے بڑھ آیا۔ ہندوستان نے نہ صرف مقبوضہ کشمیر میں جنگ بندی لائن کی خلاف ورزی کی' بلکہ اس نے مغربی پاکستان کے ایک قصبہ پر گولہ باری کی۔ ہم نے جس

صبر و تحمل سے کام لیا' بھارت نے اس کا غلط مطلب لیا۔ بھارت کی ان جارحانہ کارروائیوں پر آزاد کشمیر اور پاکستان کی فوج نے بھمبر کے علاقہ میں کارروائی شروع کی۔ اس سنگین بحران سے دنیا کو بھارت کے جارحانہ عزائم کا علم ہو گیا ہوگا۔ پاکستان پر حملہ انہی جنگی تیاریوں کا پیش خیمہ ہے' جو اس حملہ سے بے نقاب ہو گیا ہے۔ ہندوستان کے جو لیڈر پاکستان کے قیام کو ہی منظور نہیں کرتے تھے' جہاں مسلمان اپنی مرضی سے رہ سکیں' انہوں نے گزشتہ 18 سال سے پاکستان کے خلاف جنگی تیاریاں جاری رکھیں۔ اس نے ہمارے مغربی ممالک سے چین کے حملے کا ہوا کھڑا کر کے بھاری مقدار میں اسلحہ حاصل کیا۔ مغربی طاقتیں بھارت کے دلی ارادوں کو بھانپنے میں ناکام رہیں اور وہ اس کے جھانسے میں آ گئیں۔ اب وہی اسلحہ ہمارے خلاف استعمال ہو رہا ہے' جس کا ہم نے مغربی دوستوں سے خدشہ ظاہر کیا تھا"۔

(خطاب صدر محمد ایوب خان' 6 ستمبر 1965ء)

ایوب خان کی دوسری تقریر

22 ستمبر 1965ء بروز بدھ۔ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے قوم کے نام ایک خصوصی پیغام میں فائر بندی کا اعلان کیا۔ اس موقع پر صدر مملکت نے قوم سے خطاب کیا۔

"میرے پیارے ہم وطنو! السلام علیکم

میں آپ سے ایک انتہائی اہم موقع پر ہمکلام ہو رہا ہوں۔ آج صبح ہم نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو مطلع کر دیا ہے کہ سلامتی کونسل نے 20 ستمبر کو جو قرارداد منظور کی ہے' وہ ناکافی اور غیر اطمینان بخش ہے۔ تاہم میں نے بین الاقوامی امن کی خاطر اپنی فوجوں کو حکم دیا ہے کہ وہ 23

ستمبر کو علی الصبح تین بجے سے دشمن پر اس وقت تک فائرنگ نہیں کریں گی۔ جب تک دشمن کی طرف سے اس پر گولی نہ چلائی جائے۔

بھارتی حکومت نے بھی جنگ بندی منظور کر لی ہے اور وہ بھی اپنی فوجوں کو اس قسم کا حکم جاری کر رہی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ جمعرات کو تین بجے صبح سے فائرنگ بند ہو جائے گی۔ ہماری افواج فی الحال اپنے موجودہ مورچوں میں ڈٹی رہیں گی۔

ہم نے سلامتی کونسل کو بتا دیا ہے کہ اقوام متحدہ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور یہ اس کی آزمائش کا وقت ہے۔ اگر اس علاقے میں دیرپا امن کا قیام مقصود ہے' تو اقوام متحدہ کو مسئلہ کشمیر کے آبرو مندانہ حل کی طرف فوری توجہ دینی چاہیے۔ اگر اقوام متحدہ ناکام ہو گئی تو برصغیر اس سے بھی بڑی جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ جائے گا۔

نیا دور

ہم نے اپنے مطالبہ کو دنیا پر سچا ثابت کرنے کے لیے جو جدوجہد شروع کی ہے' آج سے ہم اس کے ایک نئے دور میں داخل ہوئے ہیں۔ بھارت نے ہم پر حملہ کیا اور ہم پر جنگ ٹھونس دی گئی' ہم نے اس چیلنج کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے ہم نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ ہم اپنی آزادی کا دفاع کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

بھارت نے پاکستان پر جو کھلا جارحانہ حملہ کیا تھا۔ یہ کوئی اچانک کارروائی نہ تھی۔ اس کے پس پردہ اٹھارہ سال کی تاریخ کارفرما ہے۔ ہم نے بھارت کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کی جتنی بھی کوششیں کیں۔ بھارت نے رائے شماری کے وعدے سے منحرف ہو کر ان تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے پرامن مذاکرات کے تمام دروازے ایک

ایک کر کے بند کر دیئے۔ یہاں تک کہ کشمیر کے مظلوم عوام' جو بھارت کی غلامی کے جوتے تلے پس رہے تھے' ہتھیار سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے انہیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق پہنچتا ہے اور دنیا کے تمام آزادی پسندوں نے ان کی حمایت کی ہے۔

پاکستان پر حملہ کا منصوبہ

ہم جانتے تھے کہ بھارت پاکستان پر حملہ کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ یہ بات اس وقت کھل کر سامنے آ گئی' جب رن کچھ کے معاہدے کے باوجود بھارت نے ہماری سرحد سے نہ صرف فوجیں ہٹانے سے انکار کر دیا' بلکہ انہیں خفیہ طور پر ایسی جگہوں پر بھارتی تعداد میں متعین کر دیا' جہاں سے پاکستان پر فوراً حملہ کیا جا سکے۔ کشمیر کی بغاوت تو بھارت کے لیے پاکستان پر جارحانہ حملہ کرنے کا صرف ایک بہانہ تھا۔

تمام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور تمام معاہدوں سے انحراف کر کے بھارت نے پہلے تو کشمیر میں جنگ بندی لائن کو عبور کیا۔ لیکن جب بھمبر کے محاذ پر بھارتی فوج کے عزائم کو خاک میں ملا دیا گیا' تو اس نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ جنگوں کی تاریخ میں بھارت کے اس حملہ کو سب سے زیادہ بزدلانہ اور عیارانہ حملہ سے یاد کیا جائے گا' جو کسی ملک نے دوسرے آزاد ملک پر کیا ہے۔

دشمن کا منصوبہ یہ تھا کہ ایک ہی ہلے میں لاہور پر قبضہ کر لیا جائے اور پھر سیالکوٹ پر حملہ کر کے گوجرانوالہ اور وزیر آباد کو کاٹ کر رکھ دیا جائے مگر باری تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی۔

پشاور سے چٹاگانگ تک ساری قوم فرد واحد کی طرح اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چند گھنٹوں میں ہماری بہادر افواج نے

دشمن کا حملہ پسپا کر دیا۔ بہادری' جرات اور عزم راسخ کی بدولت دشمن کی بہت بڑی فوج پر کاری ضرب لگائی گئی اور اسے شکست دے دی گئی۔ دشمن نے لاہور کے محاذ پر شکست کھانے کے بعد سیالکوٹ پر حملہ کر دیا اور اس حملہ میں اس نے اپنی ساری جارحانہ قوت جھونک دی۔

عظیم ترین لڑائی

سیالکوٹ میں ہی تاریخ کی سب سے بڑی ٹینکوں کی جنگ لڑی گئی۔ اس جنگ میں دوسرے آلات حرب اور ساز و سامان کے علاوہ چھ سو ٹینکوں نے حصہ لیا۔ ہماری افواج کے مقابلے میں دشمن کی تعداد کہیں زیادہ تھی اور ہمیں زبردست مشکلات کی موجودگی میں دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اللہ نے ہمارے جوانوں کو اپنی نصرت سے نوازا اور انہیں نہ صرف دشمن کو پیچھے دھکیلنے کا عزم عطا فرمایا' بلکہ انہیں یہ ہمت بھی بخشی کہ انہوں نے دشمن کی پیدل اور بکتر بند فوج پر انتہائی کاری ضربیں لگائیں۔

فضائیہ

ہماری چھوٹی لیکن وطن عزیز کی حفاظت کے لیے ہر وقت سرکف فضائی فوج نے اپنے سے چھ گنا زیادہ طاقت رکھنے والے دشمن کے حملوں کا بے جگری سے مقابلہ کیا اور اس کی طاقت کے بڑے حصہ کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ ہماری فضائی فوج نے دشمن کے ملک میں گھس کر جنگ لڑی اور اس کو پھر یہ موقع نہ دیا کہ وہ ہم پر حملہ آور ہو سکے۔

اس پورے عرصہ میں ہماری فضائی فوج نے ایسی مہارت اور جرات کا مظاہرہ کیا ہے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ان میدانوں میں اس نے نئی روایات قائم کی ہیں۔ اس نے فضا میں اپنی مکمل بالادستی قائم رکھی اور

ہر جنگ میں ہماری میدانی فوجوں کی انمول حمایت کی۔

پاکستان کو بچا لیا گیا ہے۔ ہمیں خدا کے فضل و کرم' عوام کی قربانیوں اور بہادر فوجوں کے اس شاندار کارنامہ کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے جوانوں نے خدا پر ایمان' اپنے مقصد سے لگن' ناقابل شکست' ہمت و جرات اور بہترین مہارت کے ساتھ تاریخ اسلام میں اپنے خون سے ایک سنہرا باب لکھا ہے۔

غرور خاک میں مل گیا

بھارت کی فوجی طاقت کا غرور خاک میں مل گیا ہے۔ دنیا نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ہم ایک ایسے دشمن کے خلاف حق و انصاف کی خاطر لڑے' جس کے سامراجی اور ملک گیری کے عزائم اب دنیا پر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکے ہیں۔ ہم نے ایک قوم کے حق خود ارادیت کے لیے جنگ لڑی .اور پوری دنیا نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ ہماری جدوجہد کی بنیاد حق و انصاف پر ہے۔

ہم جنگ بندی پر اس لیے راضی ہوئے ہیں تاکہ دنیا پر ثابت کر سکیں کہ ہم امن کے راستہ پر چلنے کا عزم رکھتے ہیں۔ سلامتی کونسل میں شامل عالمی طاقتوں نے ہمیں یہ یقین دلایا ہے کہ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مسئلہ کشمیر انتہائی سنگین ہے اور اس مسئلہ کا تقاضا ہے کہ اس کو جلد از جلد حل کیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ بین الاقوامی امن کی خاطر یہ عالمی طاقتیں اپنی یقین دہانیوں کو پورا کرنے کے لیے واضح اقدامات کریں گی' جس کے نتیجہ میں مسئلہ کشمیر باعزت طور پر حل ہو سکے گا۔

چین کا شکریہ

اپنی جدوجہد میں ہمیں ان تمام ملکوں کی حمایت حاصل ہوئی جو امن اور آزادی پر یقین رکھتے ہیں۔ حکومت چین نے جس خوش دلی اور فیاضی سے ہماری اخلاقی امداد کی ہے۔ وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ باقی رہے گی ہم اس کے لیے ممنون ہیں۔ انڈونیشیا میں ہمارے بھائیوں نے پوری طرح اس بات کا مظاہرہ کیا کہ وہ ہمارے مقصد سے اتفاق رکھتے ہیں اور وہ ہماری جدوجہد میں ہمارے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے لیے جو کچھ کیا ہے۔ ہر پاکستانی کا دل ان کے لیے ممنونیت کے جذبہ سے لبریز ہے۔ ایران' ترکی' سعودی عرب' اردن اور شام کے لوگوں نے ہماری حمایت کی ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں لوگوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے' پاکستانی ان کے شکر گزار ہیں۔

لاہور کے بہادر عوام

قبل اس کے کہ میں اپنی تقریر ختم کروں۔ میں لاہور اور سیالکوٹ کے بہادر عوام کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے انتہائی مشکل وقت زبردست تحمل اور استقلال سے گزارا ہے۔ ان کا عزم اور حوصلہ ایک لمحہ کے لیے بھی متزلزل نہ ہوا۔ چٹاگانگ سے لے کر پشاور تک پوری قوم کو ان لوگوں پر فخر ہے۔

عزیز ہم وطنو! ہمیں اپنا اتحاد اور عزم برقرار رکھنا چاہیے۔ ہمیں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہماری جدوجہد ختم ہو گئی ہے مشرقی اور مغربی پاکستان میں ہر شخص کو تیار اور چوکس رہنا چاہیے۔ میں جس پوزیشن میں ہوں۔ اس میں مجھے تمام فیصلے ملک کے مفاد کے پیش نظر کرنے ہوتے ہیں۔

میں خدائے بزرگ و برتر سے اس کٹھن حالات میں رہنمائی کا طالب

ہوں اور آپ کی مکمل حمایت کی توقع رکھتا ہوں۔ میں آپ کے احساسات سے پوری طرح واقف ہوں۔ لیکن آپ نے پوری دنیا کے سامنے جس استقلال اور ڈسپلن کا مظاہرہ کیا ہے' اس کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔

آپ نے جس کردار کا مظاہرہ کیا ہے۔ دنیا اس کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتی اور آپ کی منزل اگرچہ بظاہر دور نظر آتی ہوگی' لیکن یہ پہلے سے اب قریب آ گئی ہے۔

"پاکستان پائندہ باد"

(تقریر صدر محمد ایوب خان 22 ستمبر1965ء)

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں قادیانی جماعت کا کردار

ستمبر1965ء کی پاک بھارت جنگ کو ہماری قومی و ملی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس معرکہ حق و باطل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص شامل حال رہی' جس کی بدولت وطن عزیز کی سالمیت و بقا پر کوئی آنچ نہ آئی۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کا تجزیہ کیا جائے' تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ پاکستان کی وحدت کو پامال کرنے کی خوفناک سازش تھی۔ بلاشبہ یہ سازش قادیانیوں نے تیار کی تھی۔ 1965ء کی جنگ میں پاک فضائیہ کے شاہین اور مایہ ناز ہیرو جناب ایم۔ ایم عالم نے اس امر کی تصدیق کی تھی کہ ستمبر65ء کی پاک بھارت جنگ قادیانیوں کی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھی۔

"کراچی (نامہ نگار) 1965ء کی جنگ کے ہیرو ریٹائرڈ ایئر کموڈور ایم۔ ایم عالم نے کہا ہے کہ آئندہ ایک ڈیڑھ سال میں ہم پر جنگ مسلط کی جا سکتی ہے۔ جریدہ "تکبیر" کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا' قادیانیوں نے 1965ء کی جنگ میں اس لیے حصہ لیا تھا کہ انہیں قادیان کا علاقہ واپس ملنے کی توقع تھی' اس لیے ملک اختر حسین کو ہٹا کر یحییٰ خان کو بھیجنے کا فیصلہ

درست تھا۔ ایئر کموڈور ایم۔ ایم عالم نے کہا کہ بھٹو اور عزیز احمد ہماری افواج کو دھوکہ میں رکھ کر بھارت سے حملہ کروانا چاہتے تھے' جبکہ ایوب خاں مخلص تھے اور کشمیر حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا' "جنرل موسیٰ نے بھی اس وقت یہی کہا تھا کہ بھارت حملہ نہیں کرے گا۔ دوسری طرف بری فوج کے نوجوان افسروں کو بھارت کے حملے کی توقع تھی جبکہ کمانڈر' بھٹو' عزیز احمد سے دھوکہ کھا گئے تھے"۔

بحوالہ روزنامہ "جنگ" لاہور ایڈیشن' 6 ستمبر 1986ء

- 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے پس منظر میں جو حقائق و شواہد منظر عام پر آئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جنگ پاک فوج میں موجود قادیانی جرنیلوں اور قادیانی جماعت کے راہنماؤں کی تیار کردہ گہری سازش کا نتیجہ تھی۔ قادیانی جماعت کے رہنما اور مسلح افواج کے اعلیٰ عہدوں پر فائز مرزائی جرنیلوں نے اپنے بانی جماعت کی پیشین گوئی کے مطابق کشمیر کی فتح کا سہرا اپنے سر باندھنے کے لیے ایک پلان تیار کیا۔ اپنے پیشوا کی پیشین گوئی کی عملی تعبیر کے لیے پورے ملک کی سلامتی کو داؤ پر لگا دیا۔ مرزائی جرنیلوں بالخصوص میجر جنرل اختر حسین نے کشمیر پر چڑھائی اور اسے فتح کرنے کے لیے جو پلان تیار کیا' اسے "جبرالٹر" کا کوڈ نام دیا گیا۔ کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے مرزائی جرنیلوں نے صدر ایوب خان کو کس طرح آمادہ کیا اور کیا کیا پاپڑ بیلے' اس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔ صدر ایوب خان کو یقین دلایا گیا کہ کشمیر پر حملہ کرنے کی صورت میں بھارت پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں پر حملہ نہیں کرے گا۔ گویا جنگ صرف "کشمیر" کے محاذ تک محدود ہوگی' جسے ہم بہ آسانی فتح کر لیں گے۔ 1965ء کی جنگ شروع ہونے سے قبل یورپی ممالک میں رہنے والے قادیانی مبلغین کا ایک خاص کنونشن لندن میں منعقد ہوا۔ اس کا افتتاح بین الاقوامی عدالت کے جج سر ظفر اللہ خان نے کیا۔ لندن کنونشن میں قادیانی جماعت کے برسراقتدار آنے کی صورت میں جماعت احمدیہ کی پالیسی وضع کی گئی۔ اس کنونشن کی خبر پاکستان کے کثیر الاشاعت

اخبار روزنامہ "جنگ" میں شائع ہوئی۔ جسے ہم من و عن پیش کرتے ہیں۔

"جماعت احمدیہ کا پہلا یورپی کونشن
سر ظفر اللہ خان نے افتتاح کیا

لندن 13 اگست (نمائندہ جنگ) جماعت احمدیہ کا پہلا یورپی کونشن جماعت کے لندن مرکز میں منعقد ہو رہا ہے' جس میں تمام یورپی ممالک کے احمدیہ مشن شرکت کر رہے ہیں۔

کونشن کا افتتاح گزشتہ روز ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کے جج سر ظفر اللہ خان نے کیا۔ یہ کونشن 7 اگست تک جاری رہے گا۔ جماعت نے مختلف 75 ممالک میں اپنے مشن قائم کر لیے ہیں۔ برطانیہ میں جماعت کے 18 مرکز قائم ہو چکے ہیں' کونشن میں شریک مندوبین نے اس بات پر زور دیا کہ اگر احمدی جماعت برسراقتدار آ جائے۔ تو امیروں پر ٹیکس لگائے جائیں اور دولت کو از سرنو تقسیم کیا جائے۔ ساہوکار اور سود پر پابندی لگا دی جائے' اور شراب نوشی ممنوع قرار دی جائے"۔

(روزنامہ "جنگ" راولپنڈی' 4 اگست 1965ء
جلد نمبر 7 شمارہ نمبر 209' فرسٹ ایڈیشن' پنجاب ایڈیشن)

○ چھ ستمبر 1965ء کو بھارت کی کھلی جارحیت سے قبل کارپانیوں کا لندن کونشن میں برسراقتدار آنے کی صورت میں لائحہ عمل مرتب کرنا ایک مخصوص پس منظر کا حامل تھا۔

○ اگست 1965ء میں یورپی ممالک کے کارپانی مبلغین اور راہنماؤں کو اپنے اہم اور پہلے یورپی کونشن میں اس امر کی کیا ضرورت درپیش تھی کہ انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ اگر جماعت احمدیہ برسراقتدار آ جائے تو

☆ امیروں پر ٹیکس لگائے جائیں۔ دولت کو از سرنو تقسیم کیا جائے۔

☆ ساہوکار اور سود پر پابندی لگائی جائے۔ شراب نوشی ممنوع قرار دی

جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

○ کیا جماعت احمدیہ کے مقاصد و عزائم میں یہ پروگرام شامل ہے کہ وہ برسراقتدار آ جائے۔ اگر یہ بات جماعت احمدیہ کے منشور میں شامل ہے تو برسراقتدار آنے کے لیے وہ کون سی مساعی بروئے کار لا رہی تھی۔

○ کنونشن میں شریک مندوبین نے برسراقتدار آنے کی صورت میں جن امور پر بطور خاص زور دیا' سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جماعت احمدیہ کے برسراقتدار آنے کا احتمال کہاں پیدا ہو گیا تھا۔ برطانیہ' امریکہ' بھارت یا پاکستان میں——— قادیانی جماعت نے اس بات کی وضاحت کیوں نہ کی؟ کہ کس علاقہ خطہ یا ملک میں ان کے برسراقتدار آنے کے امکان پیدا ہو گئے ہیں۔

○ قادیانی راہنماؤں کے دعووں کے مطابق دعوت و تبلیغ جماعت احمدیہ کا حقیقی مشن ہے۔ قادیانی لندن کنونشن میں پیش کی جانے والی قرارداد مذہبی مسائل و احکام کی بجائے سیاسی امور سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ کنونشن ان حالات میں منعقد ہوا جب کشمیر کے مسئلے پر پاک بھارت کشیدگی اپنے عروج پر تھی۔

جماعت احمدیہ کے پہلے یورپی کنونشن میں پاس ہونے والی قرارداد بڑی معنی خیز تھی۔ کیونکہ لندن کنونشن کے ٹھیک ایک ماہ دو دن بعد بھارت نے پاکستان کے خلاف کھلی جارحیت کا ارتکاب کرتے ہوئے ہماری بین الاقوامی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ سترہ روزہ جنگ میں پاکستان کی بہادر مسلح افواج نے بدر و حنین کی یادیں تازہ کر دیں۔ دفاع وطن میں نہ صرف پاکستانی افواج نے اپنی فنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا بلکہ ملک کے دفاع' سالمیت اور تحفظ کے لیے بیش بہا قربانیاں دے کر وطن عزیز کو ایک خطرناک سازش سے بچا لیا۔

پاک بھارت جنگ سے قبل قادیانیوں کا لندن کنونشن ان کے مکروہ عزائم کی عکاسی کرتا ہے۔ لندن کنونشن کی کارروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانیوں کو پاکستان پر بھارت کے حملے کا پیشگی علم تھا۔ اگر افواج پاکستان شجاعت و دلیری کا مظاہرہ نہ کرتیں

اور نصرت و تائید خداوندی ہمارے شامل حال نہ ہوتی تو کادیانی یقیناً اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ اور وہ اس احمدی ریاست کے تاجدار بن جاتے' جس کے خواب وہ ایک مدت سے دیکھ رہے تھے۔

● مولانا تاج محمود مرحوم نے کادیانیوں کی بھیانک سازش کے خلاف "کیا ارباب ربوہ جواب دیں گے" کے عنوان سے اداریہ سپرد قلم کیا' جو کادیانیوں کے سیاسی عزائم کو بے نقاب کرتا ہے۔ مولانا مرحوم رقم طراز ہیں:

"کیا ارباب ربوہ جواب دیں گے؟

پاکستان میں برسراقتدار آنا کادیانیوں کے پروگرام میں شامل ہے؟

گزشتہ سال یورپی ممالک میں رہنے والے کادیانی مبلغین کا ایک خاص کنونشن لندن میں منعقد ہوا تھا۔ اس کنونشن کا افتتاح بین الاقوامی عدالت کے جج مشہور قادیانی مبلغ چوہدری سر ظفر اللہ خان نے کیا۔ اس کنونشن میں ایک خاص اور اہم مسئلے پر زور دیا گیا۔ اس کنونشن کی خبر پاکستان کے بعض نامور اور مشہور اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس کنونشن کے متعلق روزنامہ "جنگ" میں شائع ہونے والی خبر کو ہم من و عن نقل کر رہے ہیں:

جماعت احمدیہ کا پہلا یورپی کنونشن

سر ظفر اللہ خان نے افتتاح کیا

لندن 3 اگست (نمائندہ جنگ) جماعت احمدیہ کا پہلا یورپی کنونشن جماعت کے لندن مرکز میں منعقد ہو رہا ہے' جس میں تمام یورپی ممالک کے احمدیہ مشن شرکت کر رہے ہیں۔

کنونشن کا افتتاح گزشتہ روز ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کے جج سر ظفر اللہ خان نے کیا۔ یہ کنونشن 7 اگست تک جاری رہے گا۔ جماعت نے مختلف 75 ممالک میں اپنے مشن قائم کر لیے ہیں۔ برطانیہ میں جماعت کے

18 مرکز قائم ہو چکے ہیں۔

کنونشن میں شریک مندوبین نے اس بات پر زور دیا کہ اگر احمدی جماعت برسر اقتدار آ جائے تو امیروں پر ٹیکس لگائے جائیں اور دولت کو از سر نو تقسیم کیا جائے۔ ساہوکارے اور سود پر پابندی لگا دی جائے اور شراب نوشی ممنوع قرار دی جائے (روزنامہ "جنگ" راولپنڈی مورخہ 4 اگست 1965ء جلد 7 شمارہ 209 فرسٹ ایڈیشن پنجاب ایڈیشن)

قادیانی جماعت کے متعلق ہم بڑی سخت مشکل اور پریشانی سے دوچار ہیں۔ قادیانی جماعت کیا ہے' اس کے مذہبی عقائد کیا ہیں؟ وہ اپنے سامنے کون سے سیاسی عزائم رکھتی ہے۔ وہ اپنے مذہبی عقائد کے لیے کیا کچھ کر رہی ہے؟ وہ اپنے سامنے کون سے سیاسی عزائم رکھتی ہے۔ وہ اپنے سیاسی مقاصد کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کیے ہوئے ہے۔ وہ بزعم خود اپنی سیاسی کامیابی اور اپنی منزل مقصود کے کس قدر قریب پہنچ چکی ہے۔ اس کا رویہ اندرون ملک کیا ہے؟ وہ بیرون ملک بین الاقوامی طاقتوں سے کیا تعلقات رکھتی ہے؟ اس کی تنظیم کیا ہے؟ اس کے پاس روپیہ کتنا ہے؟ اس روپے کی آمد کے ذرائع کیا ہیں؟ اس روپے کا ظاہری اور خفیہ مصرف کیا ہے؟ علمائے کرام انھیں کیا سمجھتے ہیں' تحفظ کی کیا صلاحیت رکھتے ہیں' اس سلسلے میں ان کی کارکردگی کیا ہے؟ اس ملک کے متعلق قادیانیوں کے مذہبی عقائد اور عزائم کیا ہیں' حکومت سے ان کا رویہ کیا ہے' حکومت کا رویہ ان سے کیا ہے' حکومت ان کے متعلق کیا جانتی ہے' اس وقت ان کے کتنے اخبارات اندرون ملک اور بیرون ملک کے لیے شائع ہوتے ہیں۔ کتنے کتابچے' تصنیفات' تالیفات اور دوسرا تبلیغی لٹریچر چھپ کر تقسیم ہوتا ہے۔ ان کے پاس کتنی وقف جائیداد ہے۔ ان کے پاس کتنی ملکی جائیدادیں ہیں۔ یہ چند موٹی موٹی باتیں ہیں جن میں سے ہر ایک بات کی وضاحت ملک اور

مذہب کے مفاد کے نقطہ نظر سے ضروری اور لازمی ہے اور ان میں سے ہر بات کی وضاحت خدا کے فضل و کرم سے پورے دلائل کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ لیکن دوسری طرف ہمیں اپنی حکومت سے تعاون کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا۔ اس مملکت کی حفاظت تعمیر اور ترقی کے لیے جو کچھ موجودہ حکومت نے کیا ہے۔ اسے ہم نہ صرف یہ کہ بنظر استحسان دیکھتے ہیں بلکہ دامے درمے قدمے سخنے' اس کے ساتھ ہیں۔ اس کی مجبوری ہماری مجبوری ہے۔ اس لیے جب تک کہ خود حکومت مذہبی اور ملکی مفاد کے لیے ان سوالات کے جواب کی ضرورت محسوس نہ کرے ہمیں اس کی مشکلات میں کسی قسم کا اضافہ بھی نہیں کرنا ہے۔ البتہ بعض باتیں ایسی آ جاتی ہیں جہاں ہمیں ملک اور مذہب کی عزت کی خاطر ہر مصلحت قربان کرنا پڑتی ہے۔

چو مے بینم کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

ایسی ہی ایک ناگزیر بات وہ قرارداد ہے' جو قادیانی مبلغین نے لندن کے کنونشن میں پاس کی۔ ہم اس قرارداد سے پہلے ہی روز آگاہ تھے لیکن اس کے اظہار کا وقت نہیں تھا۔ اب گزشتہ ستمبر کے حالات سے الحمدللہ کسی حد تک حکومت متنبہ ہو چکی ہے' اس لیے اب اس کا اظہار بے جا بھی نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں ہمیں افسوس اس بات کا ہے کہ یہ فرض بھی پاکستان انٹیلی جینس بیورو کا تھا کہ وہ لندن کی اس قرارداد کے پس منظر اور حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتی اور اب بھی اسے اس کی پوری چھان بین کرنی چاہیے کہ اس قرارداد کا مطلب کیا تھا۔ سردست اس کے متعلق ہم ارباب ربوہ سے براہ راست درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس کنونشن اور اس میں زیر بحث آنے والے مسئلہ اور پاس ہونے والی قرارداد کی

وضاحت فرمائیں اور اس وضاحت میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھیں۔

(الف) اگست 1965ء میں یورپی ممالک کے قادیانی مبلغین کو اپنے اتنے اہم اور پہلے کنونشن میں اس امر کی کیا ضرورت درپیش تھی کہ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اگر جماعت احمدیہ برسراقتدار آ جائے تو امیروں پر ٹیکس لگائے جائیں' دولت کو از سرنو تقسیم کیا جائے' ساہوکارے اور سود پر پابندی لگا دی جائے اور شراب نوشی ممنوع قرار دی جائے۔

(ب) کیا جماعت احمدیہ کے مقاصد اور عزائم میں یہ بات شامل ہے کہ وہ برسراقتدار آ جائے اور اگر یہ بات جماعت احمدیہ کے مقاصد اور پروگرام میں شامل ہے تو برسراقتدار آنے کے لیے وہ کون کون سی مساعی بروئے کار لا رہی ہے۔

(ج) کنونشن کے جن مندوبین نے اس امر پر زور دیا کہ اگر جماعت احمدیہ برسراقتدار آ جائے تو ایسا کرے' ان کے اور آپ کے خیال میں جماعت احمدیہ کے برسراقتدار آنے کا کہاں احتمال پیدا ہوگیا تھا۔ اب احتمال ہے' برطانیہ میں یا امریکہ میں یا ہندوستان میں یا پاکستان میں۔ اور وہ کون سا ملک اور علاقہ ہے جہاں جماعت احمدیہ کے برسراقتدار آنے کا امکان ہے۔

(د) جماعت احمدیہ نماز' روزہ' زکوۃ وغیرہ فرائض اسلام کی منکر نہیں ہے۔ انہیں تبلیغ میں سب سے زیادہ جس مسئلے سے دلچسپی ہے وہ مرزا غلام احمد صاحب کا دعویٰ نبوت اور مسیحیت ہے۔ اسلام اور قادیانیت کے ان خاص تبلیغی مسائل کی بجائے صرف اس مسئلہ پر ہی کیوں زور دیا گیا کہ اگر جماعت احمدیہ برسراقتدار آ جائے تو امیروں پر ٹیکس لگائے گی' دولت از سرنو تقسیم کرے گی' ساہوکارے اور سود پر پابندی عائد کرے گی۔ یعنی مذہبی مسائل اور احکام کی بجائے سیاسی مسائل اور احکام کے متعلق ہی قرارداد

پاس کی گئی۔ حالانکہ لاکھوں روپیہ کے خرچ سے یہ ان کی پہلی کوشش تھی اور جس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سر ظفر اللہ خان جیسے اہم قادیانی لیڈر نے اس کا افتتاح کیا۔

(ر) کیا اس وقت قادیانیوں کو یہ علم ہو چکا تھا کہ ان کی لندن کوشش سے صرف ایک ملا بعد اسلام کا دشمن' امریکہ اور برطانیہ کا پٹھو بھارت' پاکستان پر اچانک حملہ کرنے والا ہے اور بھارت اور امریکہ' برطانیہ سازش کے مطابق پاکستان کی سالمیت خطرہ میں پڑنے والی ہے۔ جیسا کہ ایک ملا بعد ہوا اور اس سازش میں بھارت کے ساتھ مبینہ طور پر امریکہ' برطانیہ پائے گئے۔ اس سازش اور اس حملہ کو پاکستان کی جیالی' غیور' بہادر اور جانباز فوجوں نے روکا۔ پوری پاکستانی قوم کفن بردوش ہو گئی۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دیا اور فوج کے جرنیلوں اور سپاہیوں نے قرون اولیٰ کے غازیوں کی یاد تازہ کر دی۔ اور اس سب کچھ کے ساتھ اللہ کا فضل اور اس کے حبیبؐ کی رحمت سے مملکت پاکستان بچ گئی اور دشمن کی کمر ٹوٹ گئی اور سازشی کھسیانے ہو کر ادھر ادھر کی باتیں بنانے لگے۔

ہمیں امید ہے کہ ارباب ربوہ ہمارے ان سیدھے سادھے سوالات کا سیدھا سادھا جواب دیں گے اور کسی روایتی تاویل اور تعبیر سے کام لے کر بات کو الجھانے کی کوشش نہیں کریں گے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" لائل پور' ص 1 - 4' جلد 1' شمارہ 31' 14 اکتوبر 1966ء)

● مرزائیوں نے 1965ء کی جنگ چھیڑنے کے لیے منصوبہ بندی کی۔ ظفر اللہ خان نے پاکستان کی طرف سے بھارت پر حملہ کرنے کے لیے کیا کیا پاپڑ بیلے" تاکہ پاک بھارت جنگ حقیقی شکل اختیار کر لے۔ الحمد للہ پاک بھارت جنگ میں مرزائیوں کی سازش کے واقف اور ذمہ دار گواہ جناب جسٹس جاوید اقبال اور ایڈیٹر "نوائے وقت"

جناب مجید نظامی بقید حیات ہیں' جو اس امر کے شاہد ہیں کہ 1965ء کی جنگ شروع کروانے میں قادیانیوں نے کیا کردار ادا کیا تھا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے پس منظر میں مرزائیوں کی سازش کو بے نقاب کرتے ہوئے آغا شورش کاشمیری "عجمی اسرائیل" میں رقم طراز ہیں:

"1- نواب کالا باغ نے 1965ء کی جنگ کے واقعات پر گفتگو کرتے ہوئے راقم سے بیان کیا کہ 1965ء کی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی' ورنہ صورت حال کے پامال ہونے کا احتمال تھا۔

نواب صاحب نے فرمایا' مرزائی پاکستان میں حصول اقتدار سے مایوس ہو کر قادیان پہنچنے کے لیے مضطرب ہیں۔ وہ بھارت سے مل کر یا بھارت سے لڑ کر ہر صورت میں قادیان چاہتے ہیں اور اس غرض سے پاکستان کو بازی پر لگانے سے بھی نہیں چوکتے۔ ایک دن میرے ہاں جنرل اختر حسین ملک آئے اور میرے ملٹری سیکرٹری' کرنل محمد شریف سے کہا کہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے پس و پیش کی اور اپنے سیکرٹری سے کہا کہ میں نے جنرل ملک سے اگر ملاقات کی' تو صدر ایوب جو مجھ سے پہلے ہی بدظن ہو چکے ہیں اور بدظن ہوں گے اور یہ حسن اتفاق ہے کہ میں بھی اعوان ہوں' جنرل ملک بھی اعوان ہے اور تم (ملٹری سیکرٹری) بھی اعوان ہو' صدر ایوب کے کان میں الطاف حسین (ڈان) نے بات ڈال رکھی ہے کہ اس سے کسی امریکن نے کہا ہے کہ نواب کالا باغ ایوب خاں کے خلاف اندر خانہ خود صدر بننے کی سازش کر رہا ہے۔

اس وقت تو جنرل ملک لوٹ گئے لیکن چند دن بعد نتھیا گلی میں ملاقات کا موقع پیدا کر لیا۔ کہنے لگے' "میں صدر ایوب کو آمادہ کروں کہ یہ وقت کشمیر پر چڑھائی کرنے کے لیے بہترین ہے۔ یقین ہے کہ ہم کشمیر حاصل کر پائیں گے"۔ مجھے حیرت ہوئی کہ بیٹھے بٹھائے جنرل کو یہ کیا سوجھی؟ بہرحال

میں نے عذر کر دیا کہ میں نہ تو فوجی ایکسپرٹ ہوں' نہ مجھے جنگ کے مبادیات کا علم ہے' آپ خود ان سے تذکرہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ صدر نہیں مانتا' وہ کہتا ہے کہ اس لڑائی کے جلد بعد بھارت براہ راست پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں پر حملہ کر دے گا۔

میں نے کہا' صدر مجھ سے پہلے ہی بدگمان ہے۔ وہ لازماً خیال کرے گا کہ اعوان اس کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔

جنرل اختر ملک مجھ سے جواب پا کر چلے گئے۔ اس اثنا میں سی آئی ڈی کی معرفت مجھے ایک دستی اشتہار ملا جو آزاد کشمیر میں کثرت سے تقسیم کیا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ "ریاست جموں و کشمیر انشاء اللہ آزاد ہوگی اور اس کی فتح و نصرت احمدیت کے ہاتھوں ہوگی"۔

(پیش گوئی مصلح موعود)

اور میرے لیے یہ ناقابل فہم نہ تھا کہ جنرل اختر ملک اس پیش گوئی کو سچا بنانے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔

راقم نے نواب کالا باغ کی یہ گفتگو محترم مجید نظامی ایڈیٹر نوائے وقت کو بیان کی' تو انھوں نے تائید کی کہ ان سے بھی نواب صاحب یہی روایت کر چکے ہیں۔

2- ڈاکٹر جاوید اقبال سے ذکر آیا تو حیران ہوتے فرمایا کہ اس جولائی میں سر ظفر اللہ خان نے مجھے امریکہ میں کہا تھا کہ میں صدر ایوب کو پیغام دوں کہ یہ وقت کشمیر پر چڑھائی کے لیے موزوں ہے' پاکستانی فوج ضرور کامیاب ہوگی۔ جہاں تک ہندوستان کے ہاتھوں بین الاقوامی سرحد کے آلودہ ہونے کا تعلق ہے ایسی کوئی چیز نہ ہوگی۔ میں نے صدر ایوب سے ذکر کیا' تو انھوں نے فرمایا مجھ سے کہہ دیا ہے اور کسی سے نہ کہنا۔

صدر ایوب کو سر ظفر اللہ خان نے پیغام دے کر اور جنرل اختر ملک

نے خود حاضر ہو کر' علاوہ دوسرے زعماء کے یقین دلایا تھا کہ کشمیر پر حملہ کرنے سے بھارت اور پاکستان میں براہ راست جنگ نہ ہو گی۔ لیکن پاکستانی فوجیں جب کشمیر کی طرف بڑھنے لگیں تو پاکستان کی بین الاقوامی سرحدیں ایکا ایکی بھارتی فوج کے حملہ کا شکار ہو گئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کو ہندوستان کے تابع کرنے اور اس کی جغرافیائی ہیئت کو نئی صورت دینے کے لیے عالمی استعمار کا جو منصوبہ تھا' اس کو پروان چڑھانے کے لیے پاکستان کے بعض پراسرار لیکن مخفی و معلوم ہاتھ بھی تھے۔ قدرت نے استعماری منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ مغربی پاکستان میں پنجاب کو بالواسطہ یا بلاواسطہ شکست ہو تو پاکستان کا عسکری بازو ٹوٹ جائے گا اور مشرقی پاکستان نتیجتاً" الگ ہو جائے گا۔ پنجاب کی پسپائی کے بعد سرحد' بلوچستان اور سندھ بلقان ریاستوں یا عرب ریاستوں کی طرح چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن جائیں گی۔

(عجمی اسرائیل' ص 33' 34' 35' از شورش کاشمیری)

● گزشتہ سال جناب پروفیسر محمد منور مرزا صاحب نے ہفت روزہ "تکبیر" کراچی میں سابق وزیر خارجہ میاں ارشد حسین کے حوالہ سے ایک مضمون میں 1965ء کی "پاک بھارت جنگ میں قادیانیوں کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے۔

"تجربات تھی میاں ارشد حسین مرحوم کی۔ میاں صاحب اور میں جنوری 1980ء کے آغاز میں وزرائے خارجہ عالم اسلام کی اس میٹنگ میں بطور ممبر شریک تھے' جو افغانستان پر روسی حملے سے پیدا شدہ صورت حال کے بارے میں منعقد ہوئی تھی۔ میاں صاحب مرحوم اور میں لاہور چلے بھی اکٹھے' لوٹنے بھی اکٹھے اور اسلام آباد میں بھی اکٹھے رہے۔ وہاں ہم دونوں کے لیے کار بھی مشترک تھی۔ اس اشتراکی صورت حال سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ میاں صاحب بڑے شائستہ بزرگ تھے' ٹھہر ٹھہر کے بیٹھے بیٹھے

انداز میں بات کرتے تھے۔ جہاں اور بہت سی باتیں ہوئیں' وہاں جنگ 1965ء کے ضمن میں بھی گفتگو رہی' بلکہ یہ موضوع کئی بار جولانہ خیال کی زد میں آیا۔

میاں صاحب مرحوم نے بڑے دکھ کے ساتھ بار بار کہا کہ میں حیران ہوں پاکستان نے 1965ء کی احمقانہ جنگ کیوں چھیڑی؟ یہ "احمقانہ جنگ" میاں صاحب کے اپنے الفاظ ہیں' یہ میری تعبیر نہیں۔ میاں صاحب کا ارشاد تھا کہ پاکستان شاہراہ ترقی پر گامزن تھا۔ زرعی شعبے میں کیے جانے والے اقدامات نے پاکستانی اقتصادیات کو نمایاں سہارا دینا شروع کر دیا تھا۔ صنعت و حرفت کے میدان میں بھی ہماری رفتار بڑی تیز تھی' نئے نئے کالج اور یونیورسٹیاں کھل رہی تھیں۔ فوج کی نئے اور جدید انداز میں تعمیر جاری تھی۔ سامان جنگ کے باب میں بھی فقر کا عالم نہ تھا۔ بڑا چین کا دور تھا کہ اچانک اگست 1965ء میں جنگ نازل ہو گئی' بلکہ ہم نے اپنے اوپر نازل کر لی۔ اس جنگ کے باعث ہمیں وہ دھکا لگا کہ پھر ہم سنبھل نہ سکے۔ ہم آج تک اس دھچکے کے اثرات کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ اس جنگ نے ملکی سیاست کو ضعف پہنچایا' خودغرض بنگالی اہل سیاست نے اسی جنگ کے بہانے اپنی بے بسی کا رونا رویا کہ بنگالی بھائی اور مساکین کی طرح چھوڑ دیئے گئے تھے۔ ہمارا کون والی وارث تھا' لہٰذا ہمیں ہمارے استحکام اور بقائے وجود کے لیے یہ اور یہ خود مختاری دی جائے۔ معاہدہ تاشقند نے کئی فتنوں کو جنم دیا۔ ایک فتنہ کشمیر کیس کا کمزور ہو جانا تھا' دوسرا فتنہ مرکزی حکومت کا زوال وقار' تیسرا فتنہ بھٹو خود تھا' جس نے یہ احوال خود ہی پیدا کیے اور پھر خود ہی دوسروں کو مجرم بنا کے بگڑی ہوئی قومی حالت سے اپنی ذاتی وجاہت شکار کرنے لگ گئے۔ آخر بات مشرقی پاکستان کی پاکستان سے علیحدگی تک پہنچی' صنعت و حرفت کی ترقی کا قدم رک گیا۔ فوج کی ابھرتی

ہوئی جوان قیادت میجر' کیپٹن اور لیفٹیننٹ کرنل کے درجے کی جوان اور بہادر قیادت' میدان شہادت میں ٹوٹ گئی۔ وہ قابل افراد آگے جا کے نہ جانے کس شان کے اعلیٰ قائدین عساکر بنتے۔

65ء کی جنگ کا مسئلہ میاں ارشد حسین مرحوم کے لیے بہت تکلیف دہ احساسات کا مصدر و منبع تھا۔ باتوں باتوں میں' میں نے پوچھا میاں صاحب 1965ء کی جنگ کے اردگرد کا زمانہ وہ تھا جب آپ دہلی میں پاکستان کے ہائی کمشنر تھے۔ آپ تو سب کچھ دیکھ رہے تھے کہ بھارت کیا ردعمل ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ کیا آپ نے پاکستانی حکومت کو اس کے احمقانہ جنگ کی طرف لے جانے والے احوال کے باب میں کوئی رپورٹ نہ دی؟ میاں صاحب نے بڑے تاسف سے کہا' میری کسی بات کی طرف محکمہ خارجہ پاکستان کے سربراہوں نے کوئی توجہ نہ دی' بلکہ بعد ازاں جنگ' جب میں نے ان سے پوچھا کہ بھئی میں دہلی میں بیٹھا ہوا صورت حال کا مشاہدہ کر رہا تھا اور آپ کو اس راہ پر چلنے سے روکنے کے لیے مراسلے پر مراسلہ لکھ رہا تھا' تو کیا آپ نے میری' یعنی اس شخص کی بات کو ذرہ بھر وزن عطا نہ فرمایا جو حقیقت واقعہ سے آپ کو آگاہ کرنے پر پوری طرح قادر تھا۔ اس کے جواب میں پتہ ہے پروفیسر صاحب! محکمہ خارجہ کے کرتا دھرتا حضرات نے کیا ارشاد کیا' ان کا ارشاد یہ تھا کہ میاں صاحب ہم کشمیر کے ضمن میں اس طرح مصروف تھے کہ ہم نے آپ کے بیگ "BAG" کم ہی کھولے اور اگر کھولے بھی تو آپ کے مہر زدہ لفافہ کھولنے کی فرصت نہ ملی——— دیکھا پروفیسر صاحب جس ملک کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی' اس ملک میں اپنے سفارت خانے کے سب سے بڑے سرکاری نمائندے کے مراسلے ہی کھولنے کی تکلیف گوارا نہ کی گئی اور یہ وہ بات ہے جس کا میں اخبارات میں کئی بار ذکر کر چکا ہوں——— اور ظاہر ہے میاں ارشد حسین صاحب اس منصبی

غفلت یا کوتاہی یا دانستہ پہلوتہی کا سب سے بڑا مجرم عزیز احمد صاحب کو قرار دیتے تھے' جو اس دور میں پاکستان کے محکمہ خارجہ کے سیکرٹری تھے۔ ان پر صدر ایوب خان کو بھرپور اعتماد تھا اور بھٹو صاحب کے تو وہ ہمدم و ہمراز تھے ہی۔

اسی سلسلے میں ایک بار یہ بھی فرمایا کہ میں آج تک حیران ہوں کہ فیلڈ مارشل صاحب جیسے انتہائی محتاط فرد کس طرح اس اقدام پر آمادہ ہو گئے۔ ایوب خان جنگجو مزاج کے نہ تھے' وہ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھاتے تھے اس کے باوجود بھٹو صاحب اور جنرل اختر ملک کی سکیم اور تجویز انہوں نے کیونکر مان لی' انہوں نے کیونکر فرض کر لیا کہ کشمیر میں خواہ صورت حال کیسی ہی خطرناک کیوں نہ ہو جائے۔ حتیٰ کہ کشمیر ہاتھ سے جاتا دکھائی دے تو بھی بھارت' کشمیر کو بچانے کے لیے پاکستان پر حملہ نہ کرے گا؟ لیکن بھٹو صاحب نے "ڈیڈی ڈیڈی" کہہ کہہ کے کچھ ایسا اعتماد ایوب خان کے دل میں پیدا کر لیا تھا۔ بھٹو صاحب نے ایوب خان کو یہ یقین دلایا کہ امریکہ ہمیں یہ اطمینان دلا رہا ہے کہ بھارت بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کرے گا' لہٰذا پاکستان پر بھارتی یورش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ مسٹر عزیز احمد صاحب نے بھی بھٹو صاحب کی پرزور تائید کی ہو گی۔ بہت کچھ تحریر میں آ چکا ہے' یہاں بات لمبی نہیں کرتا۔

میاں صاحب مرحوم کے بقول مسٹر عزیز احمد صاحب نے جنرل اختر ملک پر بھی اپنے اعتماد کا اظہار کیا اور بھٹو پر بھی۔ اس طرح جو اعتماد صدر ایوب خان کو ان دونوں پر تھا' وہ رنگ لایا۔ رہا ملک اختر تو ظاہر ہے کہ اس وقت تک ایوب خان کے دل میں جنرل ملک اختر کی بڑی قدر تھی اور وہ ان کی لیاقت کے بھی قائل تھا اور شجاعت کے بھی ـــــ میاں ارشد حسین صاحب کی رائے میں بھٹو صاحب بہت زیادہ (Ambitious) تھا

پرست تھے' ان کے سر میں جلد از جلد پاکستان کا حاکم اعلیٰ یا بادشاہ بننے کی دھن سمائی تھی' وہ صبر کر ہی نہیں کر سکتے تھے۔ میاں صاحب کے خیال میں بھٹو صاحب نے بدبختی سے امریکہ کی ضمانت یا یقین دہانی والی بات گھڑی تھی جس سے عیاں ہے کہ وہ بے خبری میں پاکستان پر بھارتی حملے کا اہتمام کر رہے تھے۔ انھیں امید تھی کہ اچانک بھرپور حملے کے نتیجے میں پاکستانی فوجوں کے پاؤں اکھڑ جاتے' اس طرح ایوب خان کا تخت ڈول جاتا اور بھارتی حکومت کے حسب منشا کوئی معاہدہ بھارت سے کر کے پاکستان کے حکمران بن جاتے۔ مشرقی پاکستان اس صورت میں بھی بھٹو صاحب کے پاکستان سے الگ ہو جاتا' مگر آزاد ملک نہ رہتا' بھارت کا صوبہ بن چکا ہوتا اور یہ ہمارا پاکستانی ایک طرح کی بھارتی باج گزار مملکت سے زیادہ کچھ نہ ہوتا۔ ہاں بھٹو صاحب کی ہوس تو پوری ہو جاتی۔ اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ جنرل اختر ملک کے رویے کا کیا جواز تھا' کیا وہ بھی امریکی' بھارتی یا بھٹوائی کھیل کھیل رہے تھے یا وہ صرف ایک فتح جو منہ زور کمانڈر کا کردار ادا کر رہے تھے؟ کیا جنرل اختر ملک کا کردار واقعی ایک محب وطن کا کردار تھا؟ یا کیا ملک اختر نے بھی بھٹو صاحب یا بھارت سے کوئی معاملہ کر رکھا تھا؟ —— آپ کی اس بات میں کیا رائے ہے؟

میاں ارشد حسین نے فرمایا جنرل ملک اختر کا بھٹو صاحب کے ساتھ کچھ جوڑ تھا' مگر دونوں کے مقاصد میں بڑا واضح فرق تھا۔ بھٹو صاحب کی ذات اسیر ہوا تھی' وہ امنگ کے ہاتھوں بے تاب تھے۔ انھیں کرسی چاہیے تھی اور جلدی' خواہ وہ کسی قیمت پر ملتی۔ لیکن جنرل اختر ملک کا مسئلہ مذہبی تھا بلکہ فرقہ وارانہ' مجھے بڑے ثقہ حضرات نے بتایا ہے کہ وہ اپنے مسیح موعود مرزا غلام احمد کے کسی قول کی عملی تعبیر اپنے ہاتھوں رونما ہوتے دیکھنا چاہتے تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے کہیں لکھ رکھا ہے کہ اگر

قادیان کبھی میرے نیاز مندوں کے ہاتھ سے نکل بھی جائے تو پھر اچانک ان کی گود میں آ پڑے گا' خواہ کسی بھی تدبیر سے آ جائے۔

میں نے عرض کیا' میاں صاحب یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کے خوابی وجدان پر مبنی کسی قول کو عملاً پورا کر دکھانے کے جوش میں پورے ملک کی تقدیر کو خطرے میں ڈال دیا جائے۔ میاں صاحب بولے' بہرحال ملک اختر کے دل میں تو "قادیان کی بستی اچانک تمھاری گود میں آن پڑے گی" کو سچ کر دکھانا تھا تاکہ قادیانیت کی حقانیت دنیا بھر پر ثابت ہو سکے۔ میں نے کہا' میاں صاحب مجھ سے کئی قادیانی حضرات نے کشمیر میں جھڑپیں شروع ہونے پر پوچھا کہ "تاتیک بغتۃ" کا کیا معنی ہے' میاں صاحب چونکے اور فرمایا۔ ہاں' بس ایسی ہی عربی عبارت تھی جو مرزا غلام صاحب کی پیش گوئی کا لب لباب تھی اور اسی کی تعبیر عملاً بروئے کار لانے کی خاطر وطن کی تقدیر کو داؤ پر لگا دیا گیا تھا۔

میں نے وضاحت کی کہ میاں صاحب قرآن کریم میں ساعت قیامت کے بارے میں کئی بار آیا ہے اور وہ ہے "تاتیھم بغتۃ" (ساعت قیامت ان کو اچانک آن لے گی) ہاں خود مجھ سے بھی ایک سے زیادہ بار پوچھا گیا ہے کہ "تاتیک بغتۃ" کا معنی کیا ہے اور میں نے یہی عرض کیا ہے کہ مجھے تو اتنا ہی معلوم ہے یہ ساعت قیامت کی طرف اشارہ ہے کہ کسی سان گمان میں بھی نہ ہو گا اور قیامت آن لے گی اور لفظ تاتیک نہیں' بلکہ تاتیھم ہے۔ اب ممکن ہے مرزائے قادیان نے "تاتیھم بغتۃ" ہی کہا ہو کہ میرے ماننے والوں کو شہر قادیان دوبارہ اچانک یوں حاصل ہو جائے گا کہ ان کے سان گمان میں بھی نہ ہو گا اور یاد رکھنے والوں میں سے بعض کے ضعف حافظہ نے اسے "تاتیک بغتۃ" بنا دیا ہو۔

میں نے میاں صاحب مرحوم کو بتایا کہ جب چھمب جوڑیاں پر جھڑپیں

شروع ہوئیں تو میں آرمی سکول آف ایجوکیشن اپر ٹوپہ' مری اپنے ایک عزیز کے یہاں فروکش تھا۔ وہاں مجھ سے ایک جے سی او صاحب نے بھی یہی پوچھا تھا کہ "تاتیک ہفتہ" کا کیا معنی ہے؟ اسی دور میں ایک بزرگوار تھے جو ماڈل ٹاؤن لاہور کے باسی تھے اور محترمی ظہیر الاسلام فاروقی صاحب کے پاس بوقت عشاء کبھی کبھی تشریف لایا کرتے تھے' اور تھے قادیانی المذہب۔ انہوں نے بھی مجھ سے یہی پوچھا تھا کہ "تاتیک ہفتہ" کا کیا معنی ہے؟

جب میاں صاحب مرحوم نے جنرل اختر ملک کے باب میں بھی یہی کہا کہ جنرل اختر ملک کے سر میں یہ دھن سمائی تھی کہ مرزا غلام احمد صاحب کی فلاں ملفوظ کی پیش گوئی کو سچ کر دکھائیں تو اگرچہ یہ کلمات میرے لیے نئے نہیں تھے' تاہم میں چونکا ضرور' یا اللہ ایک جرنیل کے درجہ کا آدمی اور فقط اپنی جماعت کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے ملک اور پندرہ بیس کروڑ اہل ملک کی تقدیر کی بازی لگا دے؟

میاں ارشد حسین مرحوم کی زبانی جنرل اختر ملک کے بارے میں یہ تنقیدی کلمات سن کر مجھے مزید حیرت اس لیے ہوئی کہ میاں صاحب کو قادیانیوں کا ہمدرد سمجھا جاتا تھا اور یہ تو عیاں ہے کہ ان کے بزرگوار میاں سر فضل حسین اور میاں افضل حسین کے قادیانی فرقے کے سربراہوں اور ان کے افراد خاندان سے نہایت گہرے روابط تھے لوگ تو اس فیملی کو قادیانیوں کا غم خوار جانتے تھے خصوصاً سر ظفر اللہ سے جو قرب ان بزرگوں کو تھا' وہ پنجاب کے اس دور کے سیاسی حلقوں سے قطعاً پوشیدہ نہ تھا۔ پھر حیرت ہے کہ میاں ارشد حسین صاحب پاکستان کی بدبختی اور نکبت کا بڑا سبب جہاں مسٹر بھٹو کو قرار دیں' وہیں جنرل اختر کو بھی مجرم مانیں اور جنرل اختر کے بارے میں یہ کہہ کر اظہار کرب کریں کہ انہوں نے اپنے

مسیح موعود کا کوئی قول سچ کر دکھانے کے لیے بھٹو کا ساتھ دیا اور اس طرح پاکستان کو ایک ایسے جانکاہ حادثے سے دوچار کر دیا جس کے اثرات تاحال پاکستان کے آفاق پر منڈلا رہے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا حضرت مرزا طاہر صاحب نے جن قادیانی جرنیلوں کی پاکستان کے باب میں خدمات کا ذکر کیا' ان میں جنرل اختر ملک' ان کے بھائی جنرل ملک عبدالعلی' جنرل جنجوعہ اور جنرل حمزہ شامل تھے۔ جنرل حمزہ صاحب کا "نوائے وقت" میں جواب آں غزل کے طور پر چھپا' جس میں انہوں نے پہلے تو یہ کہا کہ وہ خود یعنی حمزہ صاحب ہرگز قادیانی جماعت کے فرد نہیں۔ دوم انہوں نے قادیانی جرنیلوں کی کارکردگی پر اشارۃً کچھ روشنی ڈالی اور وہ روشنی ایسی تھی کہ اس کو ملاحظہ کر کے یقیناً حضرت مرزا طاہر صاحب کی دل شکنی ہوئی ہوگی۔

رہا مسٹر عزیز احمد سیکرٹری خارجہ کا معاملہ تو ان کے بارے میں مرحوم میاں صاحب نے اتنا ہی بتایا کہ وہ ایوب خان کے بھی معتمد تھے اور بھٹو صاحب کے بھی۔ اب معلوم نہیں کہ آیا وہ بھٹو صاحب کی امنگ سے ہم آہنگ تھے یا وہ بھی قادیانی مسیح موعود کے کسی قول کو سچ کر دکھانے کے ذہن میں جنرل اختر ملک کے ہم سنگ تھے' یہ خدا ہی جانے' واللہ اعلم بالصواب۔

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور' میں 11 - 12 - 13' 15 تا 21 ستمبر 1989ء)

- 1965ء کی پاک بھارت کے حوالہ سے معروف مصنف جناب قدرت اللہ شہاب نے "شہاب نامہ" میں قادیانیوں کی سازش کا پردہ چاک کرتے ہوئے لکھا ہے:

"1965ء کی جنگ کی بابت ایک دوسری کتاب جو میری نظر سے گزری ہے' وہ جنرل موسیٰ کی تصنیف (My Version) ہے۔ اس کتاب کو پڑھنا نہایت کٹھن اور صبر آزما کوشش ہے' اس جنگ کے متعلق عوام الناس

کے ذہن میں جو سوالات ہیں' یہ کتاب ان میں سے کسی کا بھی کوئی جواب فراہم نہیں کرتی اور کسی نکتے پر کوئی خاص یا مزید روشنی نہیں ڈالتی۔ پاکستان کی بری فوج کے ایک سابق کمانڈر انچیف کے قلم سے اس سے بہتر تحریر کی توقع رکھنی چاہیے تھی' خاص طور پر جو اس جنگ کے دوران بری فوج کا سربراہ بھی رہ چکا ہو۔

اس جنگ کے متعلق ان دو کتابوں کے علاوہ عوام اور خواص کے مختلف طبقوں میں طرح طرح کی قیاس آرائیوں کا کوئی شمار نہیں' کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ جنگ قادیانیوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس لیے فوج کے ایک نہایت قابل قادیانی افسر میجر جنرل اختر حسین ملک نے مقبوضہ کشمیر پر تسلط قائم کرنے کے لیے ایک پلان تیار کیا' جس کا کوڈ نام "جبرالٹر" تھا۔ صاحبان اقتدار کے کئی افراد نے ان کی مدد کی۔ ان میں ایم۔ ایم۔ احمد سرفہرست بتائے جاتے ہیں' جو خود بھی قادیانی تھے اور عہدے میں بھی پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین ہونے کی حیثیت سے صدر ایوب کے بہت قریب تھے۔

(شہاب نامہ' ص 884' مصنف قدرت اللہ شہاب)

1965ء کی جنگ میں سارے ملک میں بلیک آؤٹ ہوتا تھا۔ لیکن پاکستان کے اندر ایک چھوٹا سا پراسرار شہر ایسا بھی تھا' جہاں بلیک آؤٹ کی صریحاً خلاف ورزی ہوتی تھی۔ وہ شہر قادیانیوں کا ہیڈ کوارٹر ربوہ تھا۔ ربوہ کے اندر بلیک آؤٹ کی خلاف ورزی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ربوہ کی یہ روشنیاں بھارتی فضائیہ کے طیاروں کو سرگودھا کے اہم فضائی مرکز کا محل وقوع بتانے کے لیے تھیں۔ لطف کی بات یہ کہ سرگودھا اندھیرے میں بھی دشمن کے نشانوں کا شکار بنا رہا۔ جبکہ ربوہ اپنی فضاؤں میں بکھرتی ہوئی روشنیوں کے باوجود بھی محفوظ رہا۔ بالآخر پاک ایئر فورس کی شکایت پر واپڈا کو ربوہ کی برقی رو کا کنکشن کاٹنا پڑا۔ کیونکہ ربوہ کے ایک طرف سرگودھا کا'

دوسری طرف فیصل آباد (سابق لائل پور) کا ہوائی اڈہ تھا۔ آفس ریکارڈ میں اس کا اندراج چٹھی نمبر 1135' مجریہ 14 ستمبر 1965ء ہے۔ جب اس بات کا چرچا ہوا' تو قادیانی جماعت نے روایتی عیاری و مکاری سے واپڈا کے ریکارڈ سے اس تاریخی غداری کے دستاویزی ثبوت کو غائب کروا دیا۔

65ء / 71ء کی جنگوں کے بارے میں

ریٹائرڈ ایئر مارشل نور خان کی وضاحت

65ء کی جنگ کے ہیرو اور 71ء کی جنگ کے چشم دید شاہد ایئر مارشل نور خان عمل کے اعتبار سے سپہ گر اور نظریاتی لحاظ سے "حق گو" واقع ہوئے ہیں۔ وہ اس حکمت عملی کے قائل نہیں ہیں کہ مصلحت اندیشی انسان کو سبک بنا دیتی ہے اور یہی خصوصیت ان کی ایسی ہے کہ ہزارہا خصوصیات پر بھاری ہے۔ ع

ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

70ء کے انتخاب کے بعد جب صدر یحییٰ خان نے قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کر دیا تو ایئر مارشل ریٹائرڈ نور خان نے یحییٰ خان اور اس کے قادیانی مشیر ایم ایم احمد کے بارے میں فرمایا:

"ایم ایم احمد قادیانی نے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے دور کر دیا ہے۔ قومی اسمبلی کے اجلاس کا التواء کا یہ فیصلہ الم انگیز ہے"۔

صدر مملکت کے مشیر انہیں غلط مشورے دے رہے ہیں۔ نوکر شاہی کے بعض عناصر بالخصوص ایم ایم احمد نے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے دور کر دیا ہے۔ (روزنامہ "آزاد" 3 مارچ 71ء) حال ہی میں انگریزی کے معروف جریدے "ڈیفنس جرنل" کے مارچ' اپریل کے شمارے میں 65ء سے 71ء تک کے پر آشوب دور کا تذکرہ اس مجاہد کی زبانی شائع ہوا ہے۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے ان کی اس گفتگو کا مکمل انگریزی متن شائع کیا ہے۔ ہم اس متن کا ترجمہ بشکریہ "نوائے وقت" قارئین

"المنبر" کی قدر کرتے ہیں۔

(ادارہ "المنبر")

س: پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے آپ کا 1965ء کی جنگ سے اعلیٰ ترین سطح پر گہرا تعلق رہا۔ کئی سال بیتنے کے بعد اب جبکہ آپ ماضی پر غیر جذباتی نگاہ ڈال سکتے ہیں' یہ تو فرمائیں کہ آیا آپ مجموعی طور پر جنگی حکمت عملی کے اطلاق سے مطمئن ہیں؟

ج: 1965ء کی جنگ میں یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہیں کہ اس کی سرے سے کوئی منصوبہ بندی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے آپریشن جبرالٹر سے کوئی دو ہفتے قبل 23 جولائی 1965ء کو پاک فضائیہ کی کمان سنبھالی۔ اس وقت تک پاک فضائیہ کے ہیڈ کوارٹرز کو مطلق یہ علم نہ تھا کہ آپریشن جبرالٹر کے نام کی کوئی شے زیر تجویز ہے۔ میرا ماتحت ایک سینئر آفیسر 21 یا 22 جولائی کو جنرل ہیڈ کوارٹر گیا تھا۔ جس نے واپسی پر مجھے بتایا کہ اس نے اس طرح کی رپورٹیں سنی ہیں کہ "بری فوج جموں و کشمیر میں کسی بڑی کارروائی کا سوچ رہی ہے"۔ میرے پرسنل سٹاف افسروں کا جوابی ردعمل یہ تھا کہ یہ شنید صحیح نہیں ہے۔ میں خود پریشان ہوگیا اور اسی روز جنرل موسیٰ سے ملنے راولپنڈی پہنچا۔ جنرل موسیٰ نے خبر کی تصدیق کی۔ انہوں نے کہا آپریشن جبرالٹر کا 2 اگست سے آغاز ہوگا اور اس کی تفصیلات جنرل اختر ملک سے دستیاب ہوں گی' جن کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر مری میں واقع ہے۔

میرا فوری ردعمل یہ تھا کہ ایسی کارروائی کا مطلب بھارت سے جنگ ہوگا۔ تاہم چونکہ جنرل موسیٰ زیادہ پریشان نہ تھے۔ میں نے جنرل ملک سے ان کے ہیڈ کوارٹرز میں جا کر ملنے کا فیصلہ کیا۔ موسم کی خرابی کے باوجود میں اسی روز ہیلی کاپٹر سے مری پہنچا۔

اختر ملک نے مجھے اپنے منصوبوں سے اجمالاً" آگاہ کیا اور میں نے انہیں

بتا دیا کہ اس کا مطلب بھارت سے کھلی جنگ ہوگا۔ میں نے اس بات کی نشان دہی کی کہ اگر آٹھ ہزار چھاپہ مار ابتداء میں کامیاب ہو بھی جائیں تو بھی ان کی خبرگیری' لباس' خوراک' اسلحہ' گولہ بارود کی ترسیل کیسے ممکن ہوگی؟

ملک کے خیال میں یہ کوئی مسئلہ نہ تھا۔ میرا اپنا جائزہ اور پیش بینی یہ تھی کہ سرحد کے اس پار بھیجے گئے فقط چند روز کے اندر اندر طیاروں کے ذریعہ سپلائی کے لیے واویلا مچا دیں گے اور یہ کام فقط ٹرانسپورٹ سی۔ 130 کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے۔ مگر اس وقت قیامت یہ تھی کہ اگر ہم نے ایک بار ایسا کیا تو مقامی تصادم کا عذر' عذر لنگ ثابت ہوگا اور بھارت کو یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ ان ہوائی اڈوں پر حملہ آور ہو' جہاں سے ان طیاروں نے پرواز کی۔

اسی روز میں حد درجہ مشوش اپنے ہیڈ کوارٹر واپس پہنچا اور میں نے کوئی وقت ضائع کیے بغیر پاک فضائیہ کو بھرپور جنگ کے لیے چاق و چوبند کرنا شروع کر دیا۔ یہ کام اگست کے اختتام تک تکمیل پا گیا۔ ان تیاریوں میں اولین حیثیت سی - 130 ٹرانسپورٹ سکویڈرن کو تھی۔ انہوں نے حالات جنگ میں رات کے وقت سپلائی گرانے کی مشقوں اور سو فیصد خدمت گزاری Serviceability کی تیاری کا آغاز کر دیا۔ یہ تیاری 15 اگست کو سودمند ہوئی۔ جب حد متارکہ پار کرنے والے فوجیوں سے فوری سپلائز اور ایمونیشن کے لیے سرتوڑ پیغامات وصول ہونے لگے۔ تاہم میں نے اس مرحلے پر فیلڈ مارشل (ایوب خان) کی سطح تک یہ بات پہنچا دی کہ یہ کارروائی خطرناک ہونے کے علاوہ ایسی نہیں کہ اسے پوشیدہ رکھنا ممکن ہو۔ فضا سے گرایا جانے والا سامان نشانے سے ہٹ کر دشمن کے ہاتھوں تک پہنچ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں کوئی حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔

نتیجتاً'' فضائی امداد ملتوی کر دی گئی۔ لیکن 23 اگست تک صورت حال

یقیناً مایوس ہو گئی اور ہم نے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ساری جنگ میں یہ سب سے پہلی اور سب سے زیادہ خطرناک کارروائی تھی۔ جو فضائیہ نے کی۔ آپریشنل سٹاف کا خیال تھا کہ شمال میں ناقابل اعتبار موسمی حالات اور حد درجہ دشوار گزار علاقے کے باعث یہ مشن ناقابل عمل ہو گا۔ لیکن میں نے کوشش کر گزرنے اور فضائیہ کے عملہ میں اعتماد پیدا کرنے کی غرض سے بذات خود پہلی سارٹی (Sartie) کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

23 اگست کی صبح کو یہ کارروائی شروع ہو گئی۔ دو سارٹیاں تجویز ہوئیں۔ ایک سری نگر کے شمال میں سینمرگ اور دوسری جموں میں راجوری کے لیے' مطلوبہ علاقوں میں بادلوں کے باعث دفاعی نوعیت کی تھی۔

اس کے باوجود زمینی سہولتوں اور موجودہ ساز و سامان سے پورا پورا کام لینے میں فضائیہ کے افراد نے حد درجہ خوش تدبیری اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کیا۔ پاک فضائیہ نے اپنے سے ایک بہت بڑی طاقت کو نقصان پہنچا کر اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ اس نے پاکستان میں فضائی فرمانروائی حاصل کی جس کے باعث بری فوج نے دشمن کی حقیقی مداخلت کے بغیر کارروائی کی اور ساتھ ساتھ ضرورت پڑنے پر فضائیہ کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ جہاں تک ہتھیاروں کا تعلق ہے۔ اسلحہ کی سپلائی کے ایک سرچشمے امریکہ پر بہت زیادہ انحصار نے دوران جنگ ہتھیاروں کے بدل کے فراہمی کے کام کو قریب ناممکن بنا دیا تھا۔ بعض اقسام کے بھاری ساز و سامان اور ایمونیشن کی خانہ پری کے لیے کوئی منصوبہ قطعاً نظر نہ آتا تھا۔

س : کیا آپ اس امر سے اتفاق کرتے ہیں کہ 1965ء کی جنگ کو نہ صرف پاکستان کی فوجی تاریخ بلکہ سیاسی تاریخ میں بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فی الواقعہ یہ جنگ جنوبی ایشیائی برصغیر کی تاریخ میں اہم سنگ میل ثابت ہوئی۔ کیا آپ اس پر تبصرہ کرنا چاہیں گے؟

ج : جی ہاں! مجھے اس امر سے اتفاق ہے کہ یہ جنگ صدورجہ اہم واقعہ تھی۔ اس لیے کہ ہم نے بدترین طور پر اپنی اپنی کمزوریاں ظاہر کر ڈالیں۔ ہم نے بھارت کو چوکنا کر دیا۔ اتنا چوکنا تو وہ چین کے خلاف اپنی مہم کی ناکامی پر بھی نہ ہوا تھا۔ بھارت نے برق رفتاری کے ساتھ خود کو از سر نو مسلح کرنا شروع کر دیا۔ اس کے مقابلے میں ہم اپنی فوجی سپلائی کے واحد سرچشمے سے محروم ہو گئے۔ ہماری تربیت اور حصول اسلحہ کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔ گو اگلے دس سالوں میں پاک فضائیہ نے دو سو سے زائد لڑاکا طیارے حاصل کیے۔ جب کہ جنگ سے پیشتر کے دس سالوں میں حاصل کردہ جہازوں کی کل تعداد 150 تھی۔ مزید پانچ راڈار سٹیشن لگائے گئے۔ اگلے محاذ پر مزید ہوائی اڈے بھی تعمیر کیے۔ مگر ہمیں خود اپنے بجٹ میں سے ہر شے کے لیے ادائیگی کرنا پڑی۔ سپلائی کے مختلف ذرائع اور طیاروں کی مختلف اقسام نے نئے مسائل پیدا کیے۔

1965ء کی جنگ کے بعد اپنی افواج کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے ہمارے مسائل پیچیدہ تر ہو گئے اور توازن بھارت کے حق میں ہو گیا۔

س : کیا آپ کو 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں کوئی تعلق نظر آتا ہے؟

ج : ضروری نہیں کہ دونوں میں براہ راست کوئی تعلق ہو۔ ہم 1971ء کے بحران اور جنگ میں خود ہی ملوث ہو گئے اور 1965ء کی مانند بے سمجھے بوجھے۔

س : 1971ء کی جنگ کی توجیہہ 1965ء کی جنگ کے باعث فوجی وقار اور قوت میں بے پناہ اضافے کے ناطے سے کی جا سکتی ہے؟

ج : 1971ء کی جنگ سراسر ہمارے کامل سیاسی دیوالیہ پن کا نتیجہ تھی۔

1971ء کے بحران اور مسلح تصادم کی ذمہ داری 1969ء کے مارشل لاء کا نفاذ پہلے کی مانند سیاسی خلا کے باعث ہوا۔ مجھے یقین ہے اگر انتقال اقتدار کا کوئی مربوط نظام موجود ہوتا تو مارشل لاء کا نفاذ ضروری نہ رہتا اور اس کے نفاذ

کے بعد 1971ء کے بحران کی ذمہ داری اس زمانے کی نالائق قیادت پر عائد ہوتی ہے۔

س : کیا ان حالات کے بارے میں آپ کچھ فرمائیں گے' جن میں مارشل لاء نافذ ہوا؟ کیا آپ کے نزدیک استثنائی قومی حفاظت کی بنا پر مارشل لا ناگزیر تھا یا اس سے احتراز ممکن یا لازمی تھا؟

ج : جی ہاں! اس سے احتراز ممکن تھا اور لازمی بھی — ہماری قیادت کے لیے حقیقی سمتوں میں دل ٹٹولنے کا موقع 1965ء کی جنگ کے بعد پیدا ہوا۔ وہ جنگ جس نے ہماری بہت سی سیاسی اور فوجی کمزوریاں نمایاں کیں' کی علالت کے بعد اگر باضابطہ سیاسی تبدیلی عمل میں آ جاتی تو بہتر صورت حال ہو سکتی تھی۔ چونکہ صدر نے اقتدار تک فوج کے سپرد کیا تھا (فوج کے لیے) حصول اقتدار کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

س : کیا سروسز چیفس (بری' بحری اور فضائی سربراہان) میں مارشل لا کی ضرورت' حکمت' مقاصد اور اس کے بروقت ہونے کے معاملات میں کوئی اختلافات تھے؟

ج : ملک میں مارشل لا نافذ کرنے کے سلسلے میں تبادلہ خیالات یا غور و خوض کے لیے سروس چیفس کا کبھی کوئی اجلاس نہیں ہوا۔

یہ 20 فروری 1969ء کا واقعہ ہے۔ جنرل یحییٰ' ایڈمرل احسن اور مجھے ایوان صدر میں ایک اجلاس میں طلب کیا گیا۔ کیا وہاں کئی وزراء کابینہ بھی موجود تھے۔ فیلڈ مارشل نے کہا چونکہ سیاسی صورت حال بے قابو ہو رہی ہے میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے بڑے شہروں میں مارشل لاء لگانا چاہتا ہوں۔ میں نے سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لیے مارشل لا کے استعمال کی مخالفت کی اور یہ بھی کہا کہ بڑے شہروں میں لگا مارشل لا بالآخر ملک کے باقی حصوں میں بھی پھیل جائے گا۔ میں نے تجویز پیش کی کہ بعض اصلاحات نافذ

کر کے جن کا عوام مطالبہ کر رہے ہیں' ملکی مسائل کو سیاسی عمل کے ذریعہ نمٹایا جائے۔ میری تجویز پر فیلڈ مارشل ششدر رہ گئے۔ وہ بڑی آسانی کے ساتھ میری بات رد کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اجلاس کسی فیصلے پر پہنچے بغیر ملتوی ہو گیا۔

ایڈمرل اے آر خان وزیر دفاع و داخلہ' مسٹر غیاث الدین' ایڈمرل احسن اور مجھے جنرل یحیٰی کی رہائش گاہ پر پہنچ کر انتظار کرنے کے لیے کہا گیا۔ جب کہ موخر الذکر (یحیٰی) صدر کے پاس ٹھہر گئے۔ جنرل یحیٰی جب ہمارے پاس پہنچے تو کہنے لگے۔ صدر کی خواہش ہے کہ آپ مغربی پاکستان (آج کا سارا پاکستان) کے گورنر بن جائیں۔ میں نے یحیٰی کو جواب دیا کہ میں یہ ذمہ داری اٹھانے اور سروس چیف کے عہدے سے مستعفی ہونے کے لیے تیار ہوں۔ بشرطیکہ مجھے یہ یقین دلایا جائے کہ مارشل لا نافذ نہیں کیا جائے گا اور ان اصلاحات کو مجھے نافذ کرنے کی اجازت ہوگی۔ جنہیں میں ضروری خیال کرتا ہوں۔

اگلی صبح 21 فروری کو ہمیں فیلڈ مارشل سے دوبارہ ملاقات کرنا تھی۔ اس ملاقات کے دوران انہوں نے ہمیں مطلع کیا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ صدارت کا انتخاب نہیں لڑوں گا اور سیاسی لیڈروں سے مذاکرات شروع کروں گا۔ یہ امر ان کی تعریف کے قابل ہے کہ وہ اخلاقی بات سنتے تھے۔ اس سلسلے میں مجھے کابینہ کی مجلس دفاع کے 1968ء کے آغاز میں منعقدہ وہ اجلاس یاد آ رہا ہے جو بظاہر بیرونی دباؤ کے تحت شاہراہ قراقرم کے منصوبے کی تنسیخ پر غور و خوض کے لیے طلب کیا گیا تھا۔ میری قضائیہ کی سربراہی کے دوران مجلس دفاع کا صرف یہی ایک اجلاس منعقد ہوا تھا۔ فیلڈ مارشل کی علالت کے باعث وزیر دفاع نے اجلاس کی صدارت کی سیکرٹری خارجہ نے جسے بڑی تشویش تھی' مجھے اجلاس کی غرض و غایت سے آگاہ کیا تھا۔ میں نے اجلاس میں اس منصوبے کی تنسیخ کے خیال کی پرزور مخالفت کی اور آخرکار مجھے بستر علالت پر

بڑے فیلڈ مارشل سے ملاقات بھی کرنا پڑی جنھوں نے تنسیخ کی تجویز کو بڑی سختی سے مسترد کر دیا۔

25 مارچ کی سہ پہر کے وقت مجھے اور ایڈمرل احسن کو جنرل یحییٰ کی رہائش گاہ پر بلایا گیا۔ جہاں جنرل حمید اور مسٹر غیاث الدین موجود تھے۔ بری فوج کے سربراہ کے نام فیلڈ مارشل کا ایک خط دکھایا گیا اور کہا گیا کہ آرمی چیف کے حوالے کیا جا رہا ہے اور مارشل لا تو اب اٹل حقیقت بن گیا ہے۔ یحییٰ خان کے خیال میں چونکہ اقتدار مسلح افواج کے سپرد کیا جا رہا تھا۔ لہٰذا ان کے لیے یہ ذمہ داری قبول کرنے کے سوا دوسرا راستہ نہ تھا۔ مجھے اور بحریہ کے سربراہ کو ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا' استعفیٰ یا بری فوج کے ہمراہ ذمہ داری قبول کرنا۔ میں نے یہ بات پوری طرح واضح کر دی کہ مجھے بطور ڈپٹی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ذمہ داری قبول کرنا ہوئی تو مجھے پورے انتظامی اختیارات بھی حاصل ہونے چاہئیں۔ مزید یہ کہ عوام کے سامنے اقرار کیا جائے کہ مارشل لا کی حیثیت عبوری ہو گی۔ جتنی جلدی ممکن ہو انتخاب کرائے جائیں گے اور مختلف اصلاحات کے بارے میں عوام کے مطالبات پورے کیے جائیں گے۔ یحییٰ نے کہا میں سوچ کر جلد جلد بتا دوں گا۔

فضائیہ کے ہیڈ کوارٹرز واپسی پر میں نے پرنسپل افسروں کا اجلاس طلب کیا۔ میں نے انھیں مارشل لا کے نفاذ کا پس منظر بتایا اور وہ شرائط بھی کہ جن پر میں نے مارشل لاء انتظامیہ میں شرکت منظور کی تھی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر میری شرائط قابل قبول نہ پائی گئیں تو میں مستعفی ہو جاؤں گا اور یہ خالصتاً" ذاتی اقدام ہو گا اور مجموعی لحاظ سے فضائیہ کی حیثیت متاثر نہیں ہو گی۔ آپ لوگ اپنے معمول کے فرائض انجام دیتے رہے۔

کوئی تین روز بعد مجھے مطلع کیا گیا کہ جنرل یحییٰ نے میری تجاویز مان لی ہیں۔ ملک کا انتظام چلانے کے لیے تینوں سروس چیف اور جنرل حمید پر مشتمل

ایک مجلس منتظمہ تشکیل دی گئی۔

س : جنرل یحییٰ سے آپ کے اختلافات ایسے موڑ پر کب اور کیوں کر پہنچے جہاں سے آپس کا بعد ناگزیر ہو گیا۔

ج : ابتدا ہی سے میرے اور جنرل یحییٰ کے مابین اختلاف رائے اور اختلاف عمل تھا۔ وزیر محنت' تعلیم اور سماجی بہبود کی حیثیت سے میں نے شروع میں اصلاحات نافذ کیں۔ اگست میں جب وزراء کی کونسل تشکیل پائی تو مجھے احساس ہوا کہ اصلاحات کی رفتار سست پڑ جائے گی۔ میرا مقصد تھا کہ میں معیار حرکت کو تیز تر کر دوں اور اس معیار کو قائم رکھوں۔

اس سے پہلے چند ماہ تک سیاسی فیصلے کرنے کی سطح پر فائز رہنے کے بعد میں نے فضائیہ میں واپس جانا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے علاوہ مرکزی حکومت سے اختلاف رائے کی موجودگی میں میرے لیے فضائیہ کے سربراہ کے طور پر فرائض انجام دیتے رہنا میرے لیے ناممکن ہوتا۔

مجھے فضائیہ کی سربراہی سے مستعفی ہونے پر مجبور کیا گیا۔ مجھے مغربی پاکستان کی گورنری کی پیش کش ہوئی۔ جسے میں نے قبول کر لیا تاکہ ان اصلاحات کا سلسلہ جاری رکھ سکوں جسے میں نے جاری کیا تھا۔ میں نے سروس چیف کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ کیونکہ یہ عہدہ گورنر کی حیثیت سے مطابقت نہ رکھتا تھا۔ مجھے یہ امید نہ تھی کہ میری گورنری کی میعاد چھ ماہ سے زائد ہو گی اور اس کا میں نے کھلم کھلا اظہار بھی کیا تھا۔ 31 جنوری 1970ء کو میں نے گورنری کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔

آخر میں ایئر مارشل نے کہا کہ ہم نے 1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں جو کچھ کھویا یا پایا وہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ تاہم فضائیہ کے سربراہ' مرکزی وزیر اور صوبائی گورنر کی حیثیت سے میں نے جو بھی فیصلے کیے' میں ان تمام کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں' جس میں مارشل لاء کی انتظامیہ سے میری رفاقت

دی"۔

(بحوالہ ہفت روزہ "المنبر" ص 8، جلد 24، شمارہ 28، 13 تا 19 جون 1979ء)

"65ء کی جنگ اور اصغر خان" بھٹو اور نور خان کے طرز ہائے عمل

جان فریکر کی تازہ ترین تصنیف کا خلاصہ!

لندن 18 مئی (آصف جیلانی نمائندہ جنگ) پاکستان اور بھارت کے درمیان 1965ء میں رن آف کچھ کی لڑائی کے دوران پاکستان میں جس کا نام "آپریشن ڈیزرٹ ہاک" رکھا تھا۔ پاک فضائیہ کے اس وقت کے کمانڈر انچیف ایئر مارشل اصغر خان نے پاکستان کی آرمی کی آٹھویں ڈویژن کو فضائی تحفظ دینے سے انکار کر دیا تھا اور بھارتی فضائیہ کے کمانڈر انچیف ایئرمارشل ارجن سنگھ سے رابطہ قائم کر کے اس سمجھوتے کی پیش کش کی کہ دونوں ملکوں کی فضائیہ اس لڑائی میں حصہ نہ لے" یہ انکشاف ایک کتاب "Battle for Pakistan 1965" (1965ء کی فضائی جنگ) میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مشہور ادیب اور فوجی ہوا بازی کے ماہر جان فریکر نے لکھی ہے اور جون کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگی۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان 1965ء کی جنگ کے دوران پاک فضائیہ کے کردار کو کتاب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس کتاب کی بنیاد پاک فضائیہ کے سرکاری ریکارڈ اور ان لوگوں کے ذاتی مشاہدات میں 65ء کی جنگ کے دوران پاک فضائیہ میں ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے کتاب میں کہا گیا ہے کہ پاک فضائیہ کے خصوصی دفاعی کردار کے بارے میں ایئر مارشل اصغر خاں کے نظریہ کی بنیاد ان کے اس مفروضے پر تھی کہ بھارت سے مکمل اور بھرپور جنگ ہونے کا امکان نہیں ہے۔ چنانچہ جنگ کی تیاری کا وہ منصوبہ جسے

جنگ ستمبر سے صرف دو ماہ قبل جون 65ء میں تبدیل کیا گیا۔ اس کی بنیاد بھی یہی مفروضہ تھا۔

کتاب میں کہا گیا ہے کہ ایئرمارشل نور خان جنہوں نے لڑائی کے آغاز سے صرف چند ہفتے قبل جولائی 1965ء میں فضائیہ کی کمان سنبھالی۔ پاک فضائیہ اور بھارتی فضائیہ کے درمیان رن آف کچھ کی لڑائی کے دوران فضائی جنگ سے علیحدہ رہنے کے معاہدے کو نان سنس لغو اور مہمل قرار دیا۔ ایئرمارشل نور خان نے شروع سے ہی اس سمجھوتہ کی مخالفت کی اور جنگ 65ء کے دوران پاک فضائیہ کی پالیسی میں تبدیلی کی ایک بڑی وجہ ان کا یہ طرز عمل تھا۔ جان فریکر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے پاکستان نے حریت پسند بھیج کر ایک بڑے آپریشن کی منصوبہ بندی کی اس منصوبے کی بنیاد اس وقت کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کی یہ یقین دہانی تھی کہ کشمیر میں گوریلا جنگ سے پیدا ہونے والا جھگڑا صرف متنازعہ علاقہ تک ہی محدود رہے گا اور پاکستان و بھارت کے درمیان عام جنگ میں تبدیل نہیں ہوگا تاہم ایئرمارشل نور خاں کو اس وقت بھی یہ پختہ یقین تھا کہ اس کے نتیجہ میں بھارت بین الاقوامی سرحد عبور کر کے حملہ کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے اسی کے پیش نظر پاک فضائیہ کے جنگی منصوبوں پر نظر ثانی شروع کر دی کتاب میں بتایا گیا ہے کہ کشمیر میں بھیجے جانے والے 8 ہزار حریت پسندوں میں سے 5291 حریت پسند 9 اگست اور چھ اگست 65ء کے درمیان شہید ہو گئے جبکہ پوری جنگ ستمبر میں مسلح افواج اور پاکستانی نیم فوجی تنظیموں کے کل 1616 افراد شہید ہوئے۔ جان فریکر نے لکھا ہے کہ 21 اگست کو آزاد کشمیر میں بھارت کی پیش قدمی کے خلاف پاکستان نے آپریشن گرانڈ سلام کے نام سے جوابی اقدام کا جو منصوبہ بنایا اس کے سلسلے میں ایئرمارشل نور خاں نے بھارت کی طرف سے مکمل اور

بھرپور جنگ کی توقع کے پیش نظر بھارت کے مقبوضہ کشمیر میں جوابی حملے سے پہلے دشمن کے قریبی ہوائی اڈوں کو نشانہ بنانے کی تجویز پیش کی۔

اس وقت کے صدر مملکت مسٹر ایوب خان نے بعض سیاسی بنیادوں پر یہ تجویز مسترد کر دی۔ چنانچہ بھارت کو پہل کرنے کا موقع مل گیا۔ کتاب میں 1969ء میں کشمیر میں پاکستان کی کارروائی پر اور کارروائی کے وقت پر بھی نکتہ چینی کی گئی ہے۔ کیونکہ رن آف کچھ کی لڑائی کے بعد امریکہ نے پاکستان اور بھارت کو اسلحہ کی ترسیل پر پابندی لگا دی تھی۔ 2 ستمبر کو ایوب حکومت اس طرح کام کر رہی تھی گویا زمانہ امن ہے لیکن جب فوج کے پاس ٹینکوں اور توپ خانہ کے لیے گولہ بارود ختم ہونے لگا تو باقاعدہ جنگی بنیاد پر کام شروع کیا گیا۔ اس موقع پر ایئر مارشل نور خاں نے یہ تجویز پیش کی کہ فضائیہ کے سابق کمانڈر انچیف ایئر مارشل اصغر خان اسلحہ اور گولہ بارود کے لیے ایران اور چین جائیں۔ اس کے بعد جن گولوں کی فوری ضرورت تھی وہ بذریعہ طیارہ' دوسرا ساز و سامان بذریعہ ٹرین ترکی اور ایران سے یہاں بھیجا گیا۔ پاکستان خوش قسمت ہے کہ 1965ء میں بھارت نے اپنی اعلیٰ اور برتر فضائی قوت کو پاکستان کے خلاف مجتمع نہیں کیا پاک فضائیہ نے زبردست عددی اکثریت کے مقابلے میں جبکہ میدان جنگ میں ان کے پاس صرف ایک ہوائی اڈہ اور صرف ایک موثر ریڈار تھا۔ جنگ کے ابتدائی 36 گھنٹوں میں ہی بھارتی فضائیہ پر برتری حاصل کرنے کا کارنامہ انجام دے دیا۔ کتاب میں تفصیل سے اور بہت خوب صورت انداز میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح صرف تیس سیکنڈ میں ونگ کمانڈر محمود عالم نے سرگودھا پر بھارتی فضائیہ کے 3 ہنٹر طیارے گرائے۔ سری نگر' پٹھانکوٹ' آدم پور' حلواڑہ اور امرتسر کے راڈار سٹیشنوں پر پاک فضائیہ کے حملوں کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ بھارت کے ہوائی اڈوں پر پاکستان کے

گوریلوں کے حملوں کی بھی تفصیل اس میں دی گئی ہے جس میں پچاس گوریلے ہلاک ہوگئے اور صرف دس واپس آ سکے۔

جنگی ریکارڈز اور ذاتی مشاہدات کی بنیاد پر اس کتاب میں پہلی بار 1965ء کی جنگ کے نقصانات کو مستند طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یکم ستمبر سے 23 ستمبر تک پاک فضائیہ کو 19 طیاروں کا نقصان ہوا' جس میں سے صرف سات فضا میں گرائے گئے۔ ان نقصانات کی تصدیق امریکی فوجی ذرائع نے بھی کی ہے۔ بھارت نے اعلانیہ طور پر صرف 35 طیاروں کی تباہی کا اعتراف کیا' لیکن پاک فضائیہ کے تخمینہ کے مطابق بھارت کے پچاس طیارے تباہ ہوئے"۔

(بحوالہ ہفت روزہ "المنبر" ص 9 جلد 24' شمارہ 24' 16 تا 22 مئی 1979ء)

● مرزائیوں نے پاک بھارت جنگ 1965ء کو مرزا غلام احمد کادیانی کی صداقت دلیل ثابت کرنے کے لیے ہزاروں پمفلٹ تقسیم کیے' جن میں مرزا کی پیشین گوئی کا حوالہ دیا گیا۔

پاکستان کی حالیہ جنگ اور قادیانی

"ٹھیک اسی طرح جس طرح 1917ء میں مسلمانوں کی شدید ترین پریشانی کو نظرانداز کر کے قادیانیوں نے جنگ عظیم کے حالات کو مرزا غلام احمد کی نبوت کے لیے پروپیگنڈے کا ذریعہ بنایا تھا' آج قادیانی پاکستان کی موجودہ جنگ کو مرزا غلام احمد اور مرزا محمود کی صداقت کی دلیل کی حیثیت سے پیش کرنے میں مصروف ہیں اور عین اس وقت کہ جب مسلمان ہر قسم کے اختلافات کو خیرباد کہہ کر اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ملک کی حفاظت کے لیے جان و مال کی قربانی پیش کر رہے ہیں اور ان کی توجہات صد فیصد فریضہ جہاد کی ادائیگی پر مرتکز ہیں۔ قادیانی امت کے دونوں فرقے

لاہوری اور ربوی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ایسے پمفلٹ مسلمانوں میں تقسیم کرنے میں مصروف ہیں۔ جن میں موجودہ جنگ کو مرزا غلام احمد کی صداقت کی دلیل قرار دیا جا رہا ہے۔ اور جن میں مرزا محمود کو مامور من اللہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

قادیانی' ان دنوں جو مرزا غلام احمد کی یہ پیش گوئی "شاستری کی پیشگوئی غلط نکلی" کی تشہیر کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی دعوت ان الفاظ میں دے رہے ہیں کہ "اس عظیم پیش گوئی کی غرض یہی ہے کہ جو خدا کو شناخت نہیں کرتے ان کو پتہ لگ جائے اور وہ خدا اور اس کے مامور وقت کو شناخت کر لیں"۔

("پیغام صلح" 6 اکتوبر)

ان کی یہ اشتہار بازی اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی تیکنیک اصولی اعتبار سے بھی غلط ہے اور واقعاتی حیثیت سے بھی کذب و افترا پر مبنی۔

قادیانیوں نے یہ پیش گوئی مرزا غلام احمد کے الہامات کے مجموعہ "تذکرہ" کے حوالے سے پیش کی ہے اور وہ یہ برملا کہہ رہے ہیں کہ مرزا غلام احمد کے الہام میں جس شاستری کا ذکر ہے وہ بھارت کے موجودہ وزیراعظم لال بہادر شاستری ہیں۔

اگر جنگ کا زمانہ ہوتا یا ہوتا بھی لیکن یہ ممکن ہوتا کہ "پیغام صلح" بھارت میں بذریعہ ڈاک پہنچ سکتا ہوتا تو ہم دیکھتے کہ "الفرقان" یا "پیغام صلح" اس پیش گوئی کو کیسے شائع کرتے —— لیکن ہم اس ضروری عنوان کو نظر انداز کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ "شاستری کی پیش گوئی غلط نکلی" سے یہ مراد لینا کہ اس کا تعلق لال بہادر شاستری سے ہے' خیانت بھی ہے اور مرزا غلام احمد کے منشاء کے خلاف بھی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنی عادت کے مطابق جب 29 اپریل 1905ء کو یہ بتایا کہ میں نے ایک زلزلہ دیکھا اور ساتھ ہی کہا کہ

"اسی حالت رویا میں یہ بھی خیال آیا کہ شاستری کی پیش گوئی غلط نکلی" تو انہوں نے اس کے بعد یہ بھی کہا تھا کہ

"رویا میں کہتا ہوں کہ جوتش کس قدر جھوٹے ہیں۔ پنڈت نے تو اخبار میں چھپا دیا تھا کہ اب زلزلہ نہیں آئے گا"۔

(بدر: جلد 1، شمارہ 4، 27 اپریل 1905ء، ص 1)

غور فرمایئے: مرزا غلام احمد

1- شاستری سے مراد لے رہے ہیں شاستر یا جوتش کا ماہر پنڈت جس نے

2- مرزا غلام احمد کے بالمقابل یہ پیش گوئی کی تھی کہ "اب زلزلہ نہیں آئے گا"۔ لیکن بقول مرزا غلام احمد

3- زلزلہ آیا۔ اس بنا پر اس جوتشی یا شاستری کی پیش گوئی "غلط نکلی"۔

اصل قصہ یہ ہے کہ یہ بدگمان خدا عمداً خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے مرزا غلام احمد کی اس وضاحت کو دیکھا۔ مگر اسے انہوں نے جان بوجھ کر نظرانداز کیا اور عین اس وقت جبکہ مسلمانان پاکستان کامل یکسوئی کے ساتھ جہاد کی تیاریوں میں مصروف اور صدر مملکت کی آواز پر بنیان مرصوص بنے ہوئے تھے یہ خوفناک رخنہ اندازی پیدا کر دی اور مسلمانوں کو قادیانی بننے کی جارحانہ دعوت دینے میں مصروف ہو گئے"۔

(بہ شکریہ ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور، ص 5، جلد 8، شمارہ 43، 29 اکتوبر 1965ء)

● 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے پس پردہ قادیانیوں کے کردار کی نقاب کشائی کرتے ہوئے میجر ریٹائرڈ امیر افضل لکھتے ہیں۔

اب سیالکوٹ اتنی اہم چھاؤنی تھی لیکن جب امریکیوں کی امداد کے تحت فوج میں بڑھوتری بھی ہوئی تو سیالکوٹ میں فوج ایک ہی بریگیڈ رکھی گئی۔ جس کے شروع کے کمانڈر تو غیر قادیانی تھے۔ لیکن جلدی سے وہاں پر ایک قادیانی میاں غلام جیلانی کو ڈویژن کمانڈر بنا دیا گیا کہ اس علاقے سے کوئی ایسی تجویز نہ بنائی جائے جس کے ذریعے سے قادیان لن جنگ میں جائے۔ لیکن ساتھ ہی قادیانی اب مرکز پر قبضہ کرنے یا اس پر کنٹرول کرنے کی سوچ رہے تھے اور اس کام کے لیے جنرل اختر ملک اور اس کے بھائی عبدالعلی ملک کو تیار کیا جا رہا تھا۔ راقم ان دونوں اور ان کے باپ غلام نبی کو بھی جانتا تھا کہ یہ لوگ بھی میری رجمنٹ کے تھے یہ لوگ پہلے تو تسلیم ہی نہ کرتے تھے کہ وہ قادیانی ہیں۔ انہوں نے اپنی شخصیتوں میں کمال درجہ کشش پیدا کر لی تھی اور افسروں کا بڑا گروہ ان کا مداح تھا۔ چنانچہ ایوب خان کے آ جانے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اختر ملک کے ساتھ یارانہ گانٹھا اور ستمبر 1965ء کی جنگ میں جنرل موسیٰ کی نااہلی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سب کچھ بھٹو اور اختر ملک نے کیا۔ راقم ستمبر 65ء کی جنگ سے پہلے تین سال اس پلٹن کے ساتھ وابستہ رہا جو صدر ہاؤس پر متعین تھی اور اس زمانے میں ان عجیب و غریب ملاپوں یا ملاقاتوں کو دیکھتا رہا۔ لیکن بعد میں حالات نے ظاہر کیا کہ یہ ایک سازش تھی۔ اختر ملک اور بھٹو اور ایم۔ ایم احمد بڑی باقاعدگی سے ایک مسٹر سبحان کے گھر میں ملاقاتیں کرتے تھے اور آخر انہوں نے کشمیر میں گوریلا کارروائی شروع کی۔ جس میں لینے کے دینے پڑ گئے اور جنرل موسیٰ آج کل کوشش کر رہا ہے کہ وہ "بے قصور تھا۔ ایوب خان کو ان لوگوں نے پھانس لیا"۔

پوری سازش سے پردہ اٹھانے کے لیے تو ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن قارئین حیران ہوں گے کہ قادیان کی حفاظت کا اتنا خیال تھا کہ یکم ستمبر 65ء کو بھارت کے خلاف اختر ملک نے جو جارحانہ کارروائی کی وہ چھمب جوڑیاں سے کی۔ تاکہ سیالکوٹ سے لے کر قادیان میدان جنگ نہ بن جائے۔ سیالکوٹ کی حفاظت کے لیے جو بکتر بند دستے گوجرانوالہ میں متعین تھے ان کو بھی چھمب جوڑیاں کی طرف جھونک دیا اور سیالکوٹ کے لنگڑے ڈویژن میں ایک آدھ پلٹن کا اضافہ کر کے اس کو مرالہ' چپت گڑھ' شکر گڑھ ظفروال' چونڈہ' پسرور اور ڈیرہ بابا نانک تک کے علاقوں کی ذمہ داری سونپی گئی اور جب بھارت کے بکتربند دستوں نے اس طرف سے حملہ کیا تو اللہ نے لاج رکھ لی اور کچھ جیالے اپنی جانوں پر کھیل گئے ورنہ بھارتی 9 ستمبر کو وزیر آباد پہنچ گئے ہوتے۔

اب ہمارے لوگ جاگے۔ اور چھمب کرن سے بھی بکتربند دستے ادھر بھیجے اور جنرل ابرار نے پہلے بھی سیالکوٹ کے محاذ پر اپنی جان پر کھیلنے کا حکم دے دیا تھا تو کچھ علاقہ بچ گیا۔ پھر بھی بھارت کی فوج نے سیالکوٹ کے کافی علاقے پر قبضہ کر لیا۔

بہرحال جنگ کے آخری دنوں میں سیالکوٹ کے محاذ پر ہمیں پھر برتری حاصل ہو گئی۔ اور ہم جموں' کٹھوعہ روڈ پر قبضہ کر سکتے تھے۔ لیکن جنرل صاحبزادہ یعقوب نے کہا کہ اب فائر بندی ہونے والی ہے اور خواہ مخواہ جانوں کا ضیاع ہوگا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صاحبزادہ یعقوب نے ایسا اختر ملک کے بھائی عبدالعلی ملک قادیانی کے مشورہ سے کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ اختر ملک اور عبدالعلی ملک آج بھی ہماری فوج کے بڑے ہیرو مانے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس ہم نے کوئی سبق نہ سیکھا۔ دسمبر 1971ء میں تجویز یہ تھی کہ بھارت جب مشرقی پاکستان پر

حملہ کرے گا تو مغربی پاکستان سے بھی حملہ ہوگا۔ اس کے لیے کچھ محدود جارحانہ کارروائیوں کی تجویز تھی اور ایک بھرپور جارحانہ کارروائی کی تجویز تھی۔ خیر بھرپور جارحانہ کارروائی کا وقت نہ آیا وہ سازش کا شکار ہو گئی۔ لیکن مغربی پاکستان سے جو محدود جارحانہ کارروائیاں کی گئیں وہ ایک غلط جگہ سے پوچھ کے ساتھ سر پھوڑا۔ جو ایک قصبے کے نزدیک قیصر ہند پر حملہ کیا گیا۔ ایک جسلمیر کی طرف دھلوا کیا گیا۔ لیکن جو محدود یا حملہ کرنے کی جگہ تھی یعنی جموں و کشمیر روڈ' وہاں پر محدود کارروائی تو درکنار' الٹا پسپائی اختیار کی گئی ہم دشمن کو شہ دے رہے ہیں کہ وہ ہمارے علاقے میں اندر گھس آئے۔ اور پھر ہم اس کو ختم کریں گے۔

اب ہم دشمن کو تو ملیامیٹ نہ کر سکے۔ الٹا وسیع علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور اس علاقہ میں کرنل اکرم شہید اور قیصر ہند میں کرنل غلام حسین شہید نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر ہماری عزت رکھ لی ورنہ سیالکوٹ محاذ پر بری شکست کھائی اور آگے نہ بڑھے کہ قادیان میدان جنگ نہ بن جائے اور قادیانی جنرل عبدالعلی ملک اس علاقے میں موجود تھا کہ قادیان کی طرف کوئی کارروائی نہ ہو۔ پاکستان اور پاکستان کی عزت کا کس کو خیال تھا"۔

(سازش از میجر (ریٹائرڈ) میر افضل خان) ص 19 تا 23

پاکستان کی خارجہ پالیسی کو ناکام بنانے کی قادیانی کوشش

1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد جب پاکستان نے ایشیائی ممالک بالخصوص چین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ــــــ تو امریکہ اور مغربی ممالک کے لیے یہ اقدام تکلیف دہ ثابت ہوا۔ کیونکہ مغربی ممالک کی خواہش اور کوشش یہ تھی' کہ پاکستان ان کے زیر اثر اور حاشیہ بردار بن کر رہے' پاکستان کی آزاد خارجہ پالیسی پر مغربی ممالک

کو بہت تکلیف پہنچی' چنانچہ انہوں نے قادیانی جماعت کے سرغنہ سر ظفر اللہ خان کی معرفت ہماری خارجہ پالیسی کو ناکام بنانے کی انتہائی گھٹیا کوشش کی۔

ظفر اللہ خان نے ان دنوں جنوبی افریقہ کا دورہ کیا' یاد رہے کہ جنوبی افریقہ کے ساتھ پاکستان کے سفارتی تعلقات نہیں ہیں' چوہدری صاحب کا دورہ محض غلط فہمیوں کو جنم دینے کے لیے تھا۔ تاکہ بین الاقوامی دنیا میں پاکستان کے وقار کو دھچکا لگے اور خارجہ پالیسی ناکام ہو۔ وزارت خارجہ نے سر ظفر اللہ خان کے دورہ جنوبی افریقہ سے متعلق بیان سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے حکومت کی خارجہ پالیسی اور پاکستان کے موقف کی وضاحت کی۔ اس موقعے پر ہمارے قومی اخبارات و رسائل نے بھی قادیانی جماعت کے راہنما سر ظفر اللہ خان کی ملک دشمن حرکت کا سختی سے نوٹس لیا۔

چوہدری ظفر اللہ کی لغزش

دفتر خارجہ کے ترجمان نے جنوبی افریقہ کے بارے میں حکومت پاکستان کی پالیسی کا اعادہ کرتے ہوئے یہ یقین دلایا ہے کہ اس پالیسی میں سرمو فرق واقع نہیں ہوا اور چودھری ظفر اللہ خان نے جو ایک نجی دورے پر جنوبی افریقہ گئے ہوئے ہیں اس ضمن میں جو کچھ کہا ہے وہ ان کے ذاتی خیالات ہیں اگرچہ اس وضاحت کے بعد کسی کے لیے پاکستان کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے کی گنجائش نہیں رہے گی۔ لیکن ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ ہمارے پاکستانی بھائی بھی آئندہ ایسے اہم معاملات میں اپنے "ذاتی خیالات" کے اظہار سے گریز کریں گے۔

چودھری ظفر اللہ خان کے اس بیان پر "تعمیر" نے اعتراض کیا تھا اگرچہ ہمیں معلوم تھا کہ جنوبی افریقہ کے بارے میں حکومت پاکستان کی پالیسی نہایت غیر مبہم ہے اور چودھری صاحب کے اس بیان سے جس میں انہوں نے جنوبی افریقہ سے پاکستان کے تعلقات بہتر بنانے کے لیے اپنا اثر

و رسوخ" استعمال کرنے کا وعدہ کیا تھا پاکستان میں کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال نہیں تھا لیکن ہم اس حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتے کہ پاکستان کے بداندیش دشمن ہر وقت اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی موقع ملے اور وہ پاکستان کو دنیا میں بالخصوص افریشیائی برادری میں بدنام کریں۔ جب سے پاکستان کی آزاد خارجہ پالیسی نے افریشیائی برادری کو پاکستان سے قریب کیا ہے اور ہندوستان کی غیر جانبداری کے ڈھونگ سے دنیا واقف ہوئی ہے' اس وقت سے ہندوستان کے لیڈر' اخبارات اور سفارتی نمائندے اور بھی زیادہ شد و مد کے ساتھ ایسے مواقع استعمال کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اس لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ پاکستان کی جانب سے ایسے معاملات میں انتہائی محتاط اور مضبوط پالیسی اختیار کی جائے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی پاکستانی جسے ملک کا مفاد کچھ بھی عزیز ہے ایسے نازک معاملات پر زبان کھولنے میں احتیاط سے کام لے۔

بدقسمتی سے اس معاملہ میں جو شخص ملوث ہے وہ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ اور اقوام متحدہ میں پاکستان کا مندوب ہی نہیں رہ چکا بلکہ آزادی سے قبل کے دور میں انجمن اقوام متحدہ میں بھی ہندوستان کی نمائندگی کر چکا ہے اور ان دنوں ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کا جج ہے۔ اس لیے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اتنا جہاں دیدہ شخص جو جنوبی افریقہ کے مسئلہ کی نزاکت پاکستان سے اس ملک کے تعلقات کی نوعیت' اس معاملہ میں افریشیائی برادری بالخصوص افریقی اقوام کے جذبات کی شدت اور پاکستان کی معمولی سی لغزش کے ان ملکوں سے پاکستان کے تعلقات پر ممکنہ اثرات سے بخوبی واقف ہو لاعلمی کے سبب اتنی بڑی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا ہے اس لیے ہم یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ چودھری ظفر اللہ خان سے اس بیان کی وضاحت طلب کی جائے گی اور آئندہ کے لیے انہیں مناسب فہمائش کی

جائے گی تا کہ وہ کسی اور معاملہ میں حکومت پاکستان پر "اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے" کا یقین نہ دلا بیٹھیں اور ان پر یہ بھی واضح ہو جائے کہ وہ اس ملک کے معاملات میں کتنا اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔

(روزنامہ "تعمیر" راولپنڈی 15 نومبر 1967ء)

"انگریزوں کی مخصوص یادگار" "سر ظفر اللہ خان"

اے پ پ اور رائٹر کے حوالے سے 3 نومبر کی خبر 4 نومبر کے پاکستانی اخبارات میں' اس کا ترجمہ اپنے قلم سے نہیں بلکہ خاص سرکاری اخبار روزنامہ "مشرق" سے اس کے صفحہ اول پر تین کالمی سرخی کے ساتھ:

"کیپ ٹاؤن کے پینتیس ہزار مسلمانوں نے ظفر اللہ کا بائیکاٹ کر دیا"۔

متن یہ ہے!

"پرٹیوریا 3 نومبر (اے پ پ - رائٹر) عالمی عدالت کے جج سر محمد ظفر اللہ جنوبی افریقہ کے مختصر دورے پر آج جب کیپ ٹاؤن پہنچے تو یہاں کے 35 ہزار مسلمانوں نے ان کا مکمل بائیکاٹ کیا سر ظفر اللہ کے بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ گزشتہ دنوں مقامی مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے مشترکہ اجلاس میں کیا گیا۔ مقامی مسلمانوں نے جو سر ظفر اللہ کے احمدیہ فرقہ کو مسلمان تسلیم نہیں کرتے اس بات پر بھی نفرت کا اظہار کیا ہے کہ سر ظفر اللہ نے جنوبی افریقہ کا دورہ کیا حالانکہ پاکستان نے آج تک اس ملک سے سفارتی تعلقات قائم نہیں کیے' میں (پاکستان) جنوبی افریقہ سے بائیکاٹ کے فیصلہ میں ابتداء ہی سے شامل ہے۔ سر ظفر اللہ کیپ ٹاؤن پہنچے تو مسلمانوں نے اپنے فیصلہ کے مطابق ان کا بائیکاٹ کیا۔ سر ظفر اللہ یہاں جہاں ہوٹل میں ٹھہرے وہ صرف گورے لوگوں کے لیے مخصوص ہے۔ انہوں نے آج جنوبی

افریقہ کی عدالت کے چیف جج مسٹر کلشائن کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا جس میں کہا کہ جنوبی افریقہ کی حکومت نے ان کے ساتھ جو دوستانہ سلوک کیا ہے وہ اس سے بہت متاثر ہوئے ہیں اور وہ پاکستان اور جنوبی افریقہ کے درمیان تعلقات بہتر بنانے کے لیے اپنی بساط سے بڑھ کر کوشش کریں گے۔

ظفر اللہ خان اس سے قبل جوہنسبرگ قیام کر چکے ہیں۔ جہاں شہر کے گورے میئر نے ان کے اعزاز میں دعوت دی تھی۔ کیپ ٹاؤن میں احمدیہ فرقہ کے ایک سرکردہ راہنما شیخ ابوبکر نجاو نے ظفر اللہ خان کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا ہے' جس میں ممتاز گورے شہریوں کے علاوہ بعض سیاہ فام باشندوں کو بھی مدعو کیا گیا ہے"۔

اس پر کسی تبصرے کی ضرورت ہے؟ خبر خود بول رہی ہے کہ اس کے مضمرات کیا ہیں؟

1- اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ظفر اللہ خاں جس جماعت کے سفیر ہو کر بیرونی ملکوں میں پھر رہے ہیں اس کی حقیقت دنیا بھر کے مسلمانوں پر آشکار ہو رہی ہے۔ کیپ ٹاؤن کے مسلمانوں نے اپنے جس عقیدہ کا اعلان کیا پھر اس ضمن میں مقاطعہ کا جو فیصلہ کیا وہ نہ صرف اسلام کے دل کی آواز ہے بلکہ ہم پاکستانی مسلمان بھی اجتماعی طور پر ان کے شکرگزار ہیں کہ جس آواز کا یہاں آغاز ہوا تھا وہ ہر اس مقام تک جا پہنچی ہے۔ جہاں کوئی سا مسلمان رہ رہا ہے۔ الحمدللہ کہ بیرونی ممالک کے مسلمانوں نے بھی پاکستانی مسلمانوں کے اس دینی اقدام کو محسوس کیا ہے۔

2- جس زمانہ میں خلیفہ ناصر یورپی ملکوں کے دورہ پر روانہ ہوا' ہم نے انہی دنوں لکھا تھا کہ عربوں کی پسپائی کے فوراً بعد خلیفہ ناصر کا یورپ اور امریکہ جانا خالی از مصلحت نہیں۔ ہماری آواز غالباً صدر مملکت تک

نہیں پہنچی اور نہ ان لوگوں نے توجہ دی جو اس وقت اقتدار کی مسند پر فروکش ہیں۔ الٹا ہمیں روک دیا گیا کہ ہم تین ماہ تک لاجونتی کے اس پودے کو نہ چھیڑیں۔ ہمارا تعاقب جاری رہتا تو خود حکومت پاکستان کے لیے مفید ہوتا۔ ہم اس کو بتا سکتے کہ اس سفر کا مقصد کیا ہے اور جہاں جہاں ناصر قدم رکھتا ہے' وہاں وہاں کیا ہوتا ہے۔

عربوں کی شکست کے زمانہ میں ناصر کا یورپ جانا ہمارے لیے مفید ثابت نہیں ہوا۔ لگے بندھوں نے ناصر کو پاکستان میں مسلمانوں کے دینی پیشوا کی حیثیت سے پیش کیا۔ ناصر سے سوال کیا گیا کہ عربوں اور اسرائیل کی حالیہ جنگ کے متعلق اس کا ردعمل کیا ہے؟ تو وہ طرح دے گیا۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ ناصر خود نہیں گیا بلکہ اس کو بلوایا گیا تھا کہ وہ یہ تاثر قائم کرے کہ عربوں کا مسئلہ محض عربوں کا مسئلہ ہے اسلام کا مسئلہ نہیں ناصر کو دلیل ٹھہرایا گیا کہ سارے مسلمان اس سانحہ سے مضطرب نہیں ہیں۔

3۔ اب ظفر اللہ خاں نے جنوبی افریقہ کا دورہ فرما کر سیاسی طور پر پاکستان کی پوزیشن خراب کی ہے۔ حالانکہ کسی لحاظ سے بھی وہ مجاز نہیں تھے' نہ انہیں پاکستان کی نمائندگی حاصل ہے نہ پاکستان کی حکومت نے انہیں ترجمان مقرر کیا نہ ان سے اس امر کی خواہش کی کہ وہ جنوبی افریقہ جائیں ــــ کیا وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے مسلمانوں کا اسلام باقی ممالک کے اسلام سے مختلف ہے؟ انہوں نے کس برتے پر یہ کہا ہے کہ وہ پاکستان اور جنوبی افریقہ کے تعلقات بہتر بنانے کے لیے اپنی بساط سے بڑھ کر کوشش کریں گے پاکستان کی جنوبی افریقہ سے کشیدگی کیا ہے؟ اپنی بنیادوں پر کوئی نہیں بلکہ وہ نسلی امتیاز ہے جو جنوبی افریقہ کے گوروں کے رگ و ریشہ میں دوڑ رہا ہے جس کی بارہا مذمت کی گئی۔ تمام افریقہ اور

تمام ایشیا بلکہ یورپ کے بیشتر ممالک بھی جس کے خلاف آواز اٹھاتے رہے ہیں۔ لیکن جنوبی افریقہ کے گوروں کو جوں تک نہیں رینگتی۔ پھر یہ بھی ایک واقعی امر ہے کہ افریقی ممالک کی نشاۃ ثانیہ جس سرعت سے ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ جنوبی افریقہ مرحوم نو آبادی نظام کا ایک استعماری اڈا ہے۔

ظفر اللہ خاں کا وہاں جانا اور چودھری بننا اس کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ استعمار کی حسب منشا اب تک کھیل رہے ہیں۔ انہیں پاکستان اور ہندوستان سے انگریزوں کے آنجہانی ہو جانے کی خلش ہے اور وہ مرحوم دنوں کو یاد کر کے اب خاص فرائض ملک سے باہر سرانجام دینے میں مشغول ہیں؟ ان کی جماعت کیونکہ فراموش کر سکتی ہے کہ انگریز ان کے مربی و محسن تھے وہ اسے پیدا کر کے حالات کے حوالے کر گئے ہیں۔ اس حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکتا کہ قادیانی جہاں تہاں ہے' برطانوی ملوکیت کا ایجنٹ ہے اور یہ چیز اس کے خون سے خارج نہیں ہو سکتی ہے۔
آخر ظفر اللہ خاں نے جسارت کیسے کی کہ ایک واضح اور معلوم فیصلے کے ہوتے ہوئے جنوبی افریقہ کی حکومت کا مہمان ہو؟

4 ۔ خبر میں کہا گیا ہے کہ ظفر اللہ خاں جس ہوٹل میں ٹھہرے' وہ صرف گوروں کے لیے مخصوص ہے۔

تعجب ہے کہ جنوبی افریقہ کے گوروں کی اتنی سرعت سے ماہیت قلب ہو گئی اور وہ بھی اس دور کے شہزادہ گلفام سر محمد ظفر اللہ خاں کے لیے جس کی صورت میں گورے پن کی کوئی سی جھلک ہی نہیں ہے۔
پھر چیف جسٹس نے کھانے پر مدعو کیا؟ ظفر اللہ خاں حکومت کے حسن سلوک سے متاثر بھی ہوئے۔ آخر ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

"ہم بڑے ادب کے ساتھ یہ بات پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور جب تک ہمیں دوبارہ روکا نہیں جاتا' یہ کہنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ پاکستان گورنمنٹ صدر مملکت اور صوبہ کے حاکم اعلیٰ قادیانی جماعت کے ارادوں سے مطلع رہیں۔ یہ لوگ ایک خاص دن کے لیے کام کر رہے ہیں۔ وہ دن اور اس کا تصور ان کے نہاں خانہ دماغ میں بسا ہوا ہے۔ اگر ہم نے ان سے اغماض کیا تو نتائج نکلنے پر ہمیں پچھتانا ہوگا۔ اسلام اور پاکستان کی تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ ظفر اللہ خان بیرون ملک اپنے آقایان ولی نعمت سے پخت و پز کرکے پاکستان میں اپنی جماعت میں سپر بنا ہوا ہے اور اس کی جماعت ملک میں ایک عجمی اسرائیل پیدا کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے"۔

(ہفت روزہ چٹان، 13 نومبر 1961ء)

مسئلہ کشمیر اور قادیانیت

وادی کشمیر اپنے فطری حسن اور قدرتی مناظر کی وجہ سے جنت نظیر کہلاتی ہے۔ اپنی شادابی اور رعنائی کے باعث یہ چناروں اور گلناروں کی وادی دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے مرکز نگاہ ہے۔ قدرت نے حسن میں کشش رکھی ہے۔

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
اہل دل کے لیے سرمایہ جاں ہوتا ہے

وادی کشمیر اپنے بے مثال حسن کے علاوہ جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے بھی قدرت کا عطیہ ہے۔ ریاست کشمیر کی سرحدیں بھارت' پاکستان' افغانستان کے علاوہ دو بڑی سپرپاورز روس اور چین کے ساتھ بھی ملتی ہیں۔ سندھ' جہلم' چناب جیسے دریاؤں کو جنم دینے والی وادی اقتصادی طور پر بھی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ آزادی سے قبل ریاست جموں و کشمیر کی سڑکیں اور ریلوے مواصلات پاکستان سے ملتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے پہلے کشمیری مصنوعات اور پھلوں کی سب سے بڑی منڈی راولپنڈی ہوا

کرتی تھی۔ دفاعی اعتبار سے ریاست جموں و کشمیر کی پہاڑیاں پاکستان کے لیے دفاعی حصار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ریاست کی سات سو میل لمبی سرحد پاکستان سے ملتی ہے۔ دینی، تہذیبی، سیاسی، علاقائی اور نسلی اعتبار سے ریاست جموں و کشمیر، پنجاب و سرحد ایک دوسرے کا جزو لاینفک ہیں۔ پاکستان اور کشمیر ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لیے بابائے قوم محمد علی جناح نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا۔

کشمیر سراپا حسن ہے اور حسن فتنہ ہے۔ بقول بریگیڈیئر گلزار احمد:

"کشمیر جنت نظیر فردوس بروئے زمین کا
حسن ہی اس کی مصیبتوں کا باعث ہے"

اگر کشمیر پاکستان کا حصہ ہوتا اور اس میں شامل ہوتا تو بلاشبہ پاکستان دفاعی، اقتصادی اور جغرافیائی لحاظ سے اس قدر مستحکم ہوتا کہ بھارت جیسا ازلی و ابدی دشمن اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ پاکستان کی شہ رگ کو کاٹنے اور نقصان پہنچانے کے لیے سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا جال پھیلایا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ اسلام کا قلعہ بننے والی مملکت خداداد عالم اسلام کی آنکھ کا تارا نہ بن پائے اور نہ ہی وہ اتنا مضبوط و مستحکم ہو سکے کہ وہ سارے عالم اسلام کا مددگار اور معاون بن سکے۔ کشمیر کو پاکستان سے الگ کرنے اور علیحدہ رکھنے میں انگریزوں نے مکارانہ چالیں چلیں۔ برطانوی سامراج کے گماشتوں، اور زلہ خواروں نے اس مقصد کے لیے اپنے آقاؤں کے اشاروں پر پس پردہ ایسے گل کھلائے کہ وادی جموں و کشمیر پاکستان کا حصہ تو درکنار، خود کشمیریوں کا حصہ نہ بن سکی۔ انگریز کی پروردہ جماعت احمدیہ (قادیانی) نے ایسا منافقانہ بھیانک کردار ادا کیا کہ کشمیر ہم سے کٹ گیا۔ کشمیر کے بغیر پاکستان اسی طرح ہے جس طرح پروں کے بغیر باز۔۔۔

کشمیر کی تاریخی حیثیت

ریاست جموں و کشمیر کا مجموعی رقبہ 84471 مربع میل ہے۔ تقریباً 5 ہزار مربع میل موجودہ آزاد کشمیر ہے اور 28 ہزار مربع میل گلگت بلتستان کا آزاد علاقہ ہے۔ بقیہ 54

ہزار مربع میل پر برہمنی سامراج کا غاصبانہ تسلط ہے جو مقبوضہ کشمیر کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جہاں آج مسلح جہاد شروع ہے اور ان شاء اللہ بہت جلد فتح نصیب ہوگی۔ ریاست جموں و کشمیر کی موجودہ آبادی تقریباً سوا کروڑ کے قریب ہے۔ 1961ء کی مردم شماری کے اعتبار سے اس میں 80 فیصد مسلمان ہیں۔ ہندو سامراج نے اس کی آبادی کم کرنے کے لیے کئی خفیہ طریقے اختیار کیے مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ بارہویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی تک یہاں مسلمان حکومتیں رہی ہیں۔ شہاب الدین غوری کے عہد میں پورا کشمیر' مشرقی و مغربی پنجاب' صوبہ سرحد اور سندھ میں کشور تک کا علاقہ اور آج کا پورا افغانستان نیز روسی و چینی ترکستان کے اکثر علاقے مسلمانوں کی اس عظیم ریاست میں شامل تھے۔ 1325ء میں ریاست جموں و کشمیر کو اسلام نے اپنی حیات بخش ضیاء پاشیوں سے منور کیا۔ جب کشمیر کا بدھ حکمران اینجن شاہ حضرت بلبل شاہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تو اس نے سلطان صدر الدین کا لقب اختیار کیا۔ 1325ء سے 1588ء تک یہاں مقامی مسلمانوں کی حکومت رہی۔ 1588ء سے 1752ء تک مغلیہ خاندان کی حکومت رہی۔ مغلوں کے بعد 1753ء سے 1819ء تک افغانیوں کی حکومتیں رہی ہیں۔

انیسویں صدی میں برصغیر کے مسلمانوں کے زوال کا آغاز ہوا تو موقع سے فائدہ اٹھا کر 1819ء میں سکھوں نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ 1846ء میں جب انگریز برصغیر پر قابض ہوئے تو انہوں نے کشمیر کو سکھوں سے چھین کر 75 لاکھ روپے نانک شاہی کے عوض جموں کے ایک ڈوگرہ جاگیردار گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اسے "معاہدۂ امرتسر" کا نام دیا گیا۔ یہ معاہدہ 16 مارچ 1946ء کو طے پایا' لیکن ڈوگرہ کے ظلم و تشدد نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا تو انہوں نے آواز حق بلند کی' جس کی وجہ سے ان کو درختوں کے ساتھ لٹکا کر کھالیں نکالی گئیں اور آج بھی وہ درخت منگ راولا کوٹ میں اس کی گواہی دیتے ہیں۔

کشمیر اور مرزائیت

تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی نور الدین بھیروی نے کافی مدت تک

مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئے کشمیر کے دربار سے وابستہ رہ کر انگریز کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیتے تھے اور بالآخر مہاراجہ نے اسے کشمیر سے نکال دیا تھا۔ مرزائیت نے کشمیر کے لیے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کا پورا خاکہ ذہن میں رکھنے کے لیے ہمیں خاصی تفصیل سے گفتگو کرنی پڑے گی اور تاریخ کے کچھ اوراق پلٹ کر پیچھے جانا پڑے گا تاکہ انگریز کی اس گھناؤنی سازش کے پورے نقوش اجاگر ہو سکیں۔

انگریز نے 1846ء میں ایک معاہدہ کے تحت ڈوگرہ خاندان کے بانی مہاراجہ گلاب سنگھ کو کشمیر کا حکمران بنایا تھا۔ اس وقت انگریز کشمیر کی جغرافیائی' معاشی اور معاشرتی اہمیت سے قطعاً بے خبر تھے۔ جب پورے ہندوستان پر انگریزی سامراج کے چنگل مضبوط ہو گئے اور کشمیر کی طرف بھی انگریزوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تو انہیں اندازہ ہوا کہ 75 لاکھ روپے میں 84 ہزار سات سو مربع میل کا یہ جنت نظیر ملک مہاراجہ گلاب سنگھ کو تفویض کر کے انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ بہرحال معاہدہ امرتسر کی رو سے انگریز کشمیر ڈوگرہ خاندان کو دے چکے تھے اور اب از خود کشمیر کے اندرونی معاملات میں وہ داخلت کرنے کا کوئی حق نہ رکھتے تھے۔

جتنا عرصہ مہاراجہ گلاب سنگھ زندہ رہا' وہ پوری طرح نہ صرف انگریز کا وفادار رہا بلکہ خادم بھی رہا۔ 1857ء کی جنگ کے تفصیلی حالات پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے دیگر راجوں مہاراجوں کی طرح اپنی ریاست کی ڈوگرہ اور سکھ فوج لے کر مہاراجہ گلاب سنگھ بھی دہلی اور اس کے نواحات میں مجاہدین آزادی سے لڑتا رہا اور وہ جتنا عرصہ زندہ رہا' اس نے برطانوی سرکار کی خدمت گزاری کو اپنا اولین فرض تصور کیا اور وہ ہر لمحہ خدمت بجا لاتا رہا۔ 1858ء میں جب گلاب سنگھ نے رخت سفر باندھا تو اس کا بیٹا رنبیر سنگھ کشمیر کا حکمران ہوا جو 1885ء تک رہا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے بھی اپنے باپ کی خصوصی ہدایت کے مطابق انگریز سے پوری پوری وفاداری کی۔ 1885ء میں جب رنبیر سنگھ نے وفات پائی تو اس کی جگہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ حکمران ہوا' جو 1925ء تک رہا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے زمانے میں حالات کافی بدل چکے تھے۔ مہاراجہ نے اپنے دوسرے

دونوں بھائیوں رام سنگھ اور امر سنگھ کو اعلیٰ عہدے تفویض کیے مگر یہ دونوں بھائی آپس میں مل کر مہاراجہ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے اور انہوں نے انگریزی حکام کے کان بھرنے شروع کر دیے کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ زار روس سے سازباز رکھتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انگریزی حکام نے انتہائی رازداری سے مولوی نور الدین بھیروی اور دیگر چند ایجنٹوں کو مہاراجہ کے دربار سے وابستہ کرایا تاکہ یہ ہر وقت مہاراجہ کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھ سکیں۔ نور الدین بھیروی اور اس کے حماتیوں کے ذریعہ جب انگریز کو یقین ہو گیا کہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ روسی حکومت سے مل چکا ہے تو انگریزوں نے مہاراجہ کو معزول کر کے کشمیر میں ایک کونسل قائم کر دی اور ایک انگریز کو سری نگر میں بطور افسر تعینات کر دیا۔ پھر کئی سال بعد جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے بارے میں انگریزوں کو اطمینان ہو گیا تو انہوں نے کشمیر کا اعلیٰ اقتدار مہاراجہ کو سونپا مگر اس کے باوجود انگریزوں کے خود کاشتہ پودے مرزائی بدستور انگریزوں کے لیے جاسوسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔

1925ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی جگہ مہاراجہ ہری سنگھ نے کشمیر کی عنان حکومت سنبھالی اور یہ 1947ء تک قائم رہی۔ مہاراجہ ہری سنگھ یورپ کی درس گاہوں کا تعلیم یافتہ اور انتہائی چالاک حکمران تھا۔ جب اس نے کاروبار حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا تو انگریزوں نے وہی توقعات اس سے بھی رکھیں جو اس کے اسلاف سے تھیں مگر مہاراجہ ہری سنگھ ضرورت سے زیادہ انگریز کی چاپلوسی کرنے پر تیار نہ تھا۔ بعض شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے برطانوی حکام پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ جو انگریز میری ریاست میں سیاحت کے لیے آئے گا' اسے باقاعدہ ٹیکس دینا پڑے گا اور جو انگریز میری شکارگاہوں میں شکار کرے گا' اسے بھی شکار کا ٹیکس ادا کرنے پڑے گا۔

انگریز اس کا قطعاً عادی نہ تھا کیونکہ مہاراجہ رنبیر سنگھ اور پرتاپ سنگھ کے وقتوں میں اگر معمولی حیثیت کا بھی کوئی انگریز کشمیر کی سرحد سے اندر پاؤں رکھتا تو حکومت کی تمام مشینری حرکت میں آ جاتی۔ اراکین حکومت دیدہ و دل فرش راہ کر دیتے۔ انگریز کی

ضیافت کا سرکاری اہتمام ہوتا اور وہ جتنا عرصہ ریاست میں رہتا' حکام اعلیٰ نہ صرف ساتھ ہو کر اسے سیاحت کراتے بلکہ اس کی تفریح کے تمام مصارف سرکاری خزانہ سے ادا کیے جاتے۔ لیکن جب مہاراجہ ہری سنگھ نے عنان حکومت سنبھالی' اس نے یہ طریقہ یک قلم موقوف کر دیا اور اس پر انگریزوں اور مہاراجہ ہری سنگھ کے درمیان خلفشار کی بنا پڑ گئی اور انگریز نے مہاراجہ کو نیچا دکھانے کا تہیہ کر لیا۔ اس زمانے میں انگریز اس بات کے خواہش مند تھے کہ وہ براہ راست گلگت کے علاقہ کا کنٹرول سنبھال لیں' کیونکہ اس طرف سے اشتراکیت کے اثرات برصغیر میں پھیلنے کا خدشہ تھا۔

گلگت کا علاقہ چونکہ معاہدہ امرتسر کے تحت کشمیر کے ساتھ منسلک نہ تھا بلکہ اس علاقہ کو ڈوگرہ خاندان نے بعد میں حاصل کیا تھا اور انگریز اس بات کا متمنی تھا کہ گلگت اس کے حوالے کیا جائے مگر مہاراجہ ہری سنگھ کا موقف یہ تھا کہ چونکہ یہ علاقہ میرے باپ دادا نے بزور شمشیر فتح کر کے کشمیر کے ساتھ ملحق کیا ہے' اس لیے اس پر برطانوی سرکار کا کوئی حق نہیں۔ ان اسباب کے ہوتے ہوئے جب مہاراجہ ہری سنگھ نے باقاعدہ انگریز کو آنکھیں دکھانی شروع کیں' تو انگریز نے خفیہ طور پر ریاست جموں کشمیر میں عوامی سطح پر ایک زبردست تحریک چلوانے کا فیصلہ کیا اور اس تحریک میں قادیانی گماشتوں کو بطور جاسوس کے استعمال کیا جانے لگا۔

کشمیر کی تحریک آزادی اور مرزائیت

کشمیر کی تحریک آزادی کے ساتھ مرزائیت کی کڑیاں بڑے عجیب و غریب انداز سے پیوستہ ہیں کیونکہ اس تحریک کا ایک بڑا حصہ مرزائیت سے وابستہ ہے اور اس کے ہر پہلو پر مرزائی کارفرما نظر آتا ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ انگریز نے کشمیر میں عوامی سطح پر گڑبڑ کرانے کا ارادہ کیا تو مرزائیوں سے یہ خفیہ معاہدہ کر لیا کہ تم کشمیر میں اپنے افکار و نظریات کی تبلیغ کرو' ریاست میں ایک عوامی تحریک کے لیے زمین ہموار کرو اور جب یہاں تمہیں کامیابی حاصل ہو جائے تو باقاعدہ اس ملک کو قادیانی ریاست بنا لو۔ ان

تمام پہلوؤں پر نگاہ رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزائیوں نے پوری تیاری سے کشمیر کی تحریک کے لیے کام کیا تھا۔

اس زمانے میں کشمیر کی اندرونی حالت بے حد ابتر تھی۔ معمولی معمولی تعلیم والے ہندو اور ڈوگرے اس مسلم اکثریتی ریاست میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے اور ان کے مقابلے میں سینکڑوں اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان' جن میں شیخ محمد عبداللہ بھی تھے' بے کار بیٹھے تھے۔ یہ تعلیم یافتہ نوجوان رات دن اس پریشانی میں رہا کرتے تھے کہ سرکاری دفاتر میں ملازمتیں کس طرح حاصل کریں۔ ان ہی دنوں جب جموں میں قرآن کریم کی توہین کا افسوس ناک حادثہ پیش آیا تو ریاست میں کھلبلی مچ گئی۔ قرآن کریم کی توہین کے اس حادثہ کے بارے میں بعد میں تحقیق پر پتہ چلا تھا کہ یہ مرزائیوں کی سازش سے ہوا تھا تاکہ ریاستی مسلمان مہاراجہ کے خلاف آواز بلند کریں۔ اس کے چند دنوں بعد سری نگر میں عبدالقدیر نامی ایک شخص کی باغیانہ تقریر اور مقدمہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس شخص کے بارے میں بھی بعد میں تحقیق ہوا کہ یہ نہ صرف انگریز کی سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی تھا بلکہ مرزائی بھی تھا اور اسے ایبٹ آباد کے مقام پر باقاعدہ تقریر کرنے کی تربیت دے کر ایک انگریز میجر کے ملازم کی حیثیت سے کشمیر بھیجا گیا تھا اور یہ موقع کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح کسی مجمع میں تقریر کا موقع ملے۔ ان ہی دنوں جب کشمیری راہنماؤں نے جموں کے حادثہ توہین قرآن کریم' حادثہ بندش خطبہ عید اور حادثہ آتش زدگی مسجد جموں کے سلسلہ میں ایک جلسہ منعقد کیا تو یہ شخص موقع پاکر سٹیج پر آیا اور اس نے ڈوگرہ حکومت کے خلاف سخت باغیانہ تقریر کی' جس کی پاداش میں یہ فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ چونکہ قدرتی طور پر یہ تقریر کشمیری مسلمانوں کے مفاد میں تھی' اس لیے کشمیری مسلمانوں کی ہمدردیاں اس سے وابستہ ہوگئیں۔ اس کے مقدمہ کی سماعت جیل میں ہو رہی تھی۔ اس دوران جب کشمیری مسلمانوں کا ایک ہجوم جیل کے سامنے جمع ہوا تو ڈوگرہ پولیس نے اندھا دھند گولیاں چلا کر 18 مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ بعد میں کہا جاتا تھا کہ ڈوگرہ حکام نے گولی چلانے کا قطعاً حکم نہیں دیا تھا۔ دراصل اس پولیس میں چند سپاہی انگریزوں کی سی۔ آئی۔ ڈی کے بھی شامل

ہو گئے اور انہوں نے پولیس والوں سے کچھ بندوقیں لے کر گولی چلا دی تاکہ ملک میں گڑبڑ پیدا ہو اور یہاں کے عوام ڈوگرہ حکومت کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ ان واقعات کی تمام کڑیاں براہ راست مرزائیت سے ملتی ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اس ساری کارروائی میں سو فیصد مرزائیت کام کرتی رہی۔ یہ اور بات ہے کہ یہ سارا سلسلہ مسلمانان کشمیر کے حق میں تھا حالات سے یہ بات ثابت ہے کہ اس وقت خفیہ طور پر مرزائیوں کے سینکڑوں مبلغ کشمیر میں اندر ہی اندر انگریز کے لیے جاسوسی کر رہے تھے۔ لیکن اس ساری کارروائی کا براہ راست فائدہ مسلمانان کشمیر کو پہنچنے کے امکانات تھے۔

سری نگر کے اس حادثہ پر برصغیر کا تمام مسلم پریس بیدار ہو گیا اور تمام مسلم اخبارات نے مہاراجہ ہری سنگھ کی اس وحشیانہ کارروائی کی مذمت کی' لیکن اس معاملہ میں مرزائیوں کے اخبار "الفضل" اور دوسرے ہفت روزوں میں زیادہ تیز اور تند مضامین شائع ہوئے۔ مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ قادیان اس واقعہ سے قبل کشمیر کے تین سفر کر چکا تھا اور کشمیر کے اندرونی حالات کا جائزہ لے کر اپنے طور پر یہ اطمینان کر چکا تھا کہ کشمیر پر مرزائیت کے غلبہ کے امکانات موجود ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود نے گہری نظروں سے جائزہ لے کر اندازہ کر لیا تھا کہ کشمیری مفلسی کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اگر ان کی مالی امداد کی جائے تو یہاں قادیانیت کے لیے سو فیصد امکانات موجود ہیں۔ اس خیال کے پیش نظر اس نے اپنے مبلغ کشمیر بھیجے تھے جو اندر ہی اندر پاؤں پھیلا رہے تھے۔

چنانچہ جب مسلمانان ہند نے مل کر کشمیریوں کی بیرونی امداد کے لیے ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام کا پروگرام بنایا' تو مرزا بشیر الدین محمود نے اس میں بے حد دلچسپی لینی شروع کر دی اور جب اس کمیٹی کی تشکیل کے لیے 25 جولائی 1931ء کو شملہ میں مسلم لیگ اکابرین کا ایک اجلاس منعقد ہوا تو مرزا بشیر الدین محمود کو اس کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ علامہ اقبال اور خواجہ حسن نظامی جیسے بزرگوں نے مرزا بشیر الدین محمود کی صدارت کے لیے تجویز اور تائید کی۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اور دوسرے تمام مسلمان سیاسی راہنما اب تک اس بات سے بے خبر رہے کہ

کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے اور کیسے ہو رہا ہے اور اس ساری کارروائی کے پس منظر میں کون کون سے عوامل کارفرما ہیں۔ اس سے ایک بات یہ بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کشمیریوں کی مظلومیت کا رونا زیادہ مرزائی اخبارات نے رویا تھا اور اس سے برصغیر کے تمام مسلمان راہنما یہ سمجھ رہے تھے کہ مرزائیوں کو کشمیریوں سے بے حد ہمدردی ہے۔ مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ علامہ اقبال اور دوسرے تمام مدبرین یہ نہ سمجھ سکے کہ برصغیر میں تمام مسلمانوں کو انگریز کی غلامی کا درس دینے والا مرزائی کشمیریوں کی آزادی کا دلدادہ کیسے ہو گیا ہے۔ مرزائی اپنے نقطہ نظر سے دنیا بھر کے ان تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کی خانہ ساز نبوت سے انکار کرتے ہیں۔ مگر دوسری طرف مرزائی کشمیریوں کی آزادی کے لیے لاکھوں روپے خرچ کر رہے ہیں اور کشمیریوں کی غلامی و تنگدی پر خون کے آنسو روتے ہیں۔ ان اسباب پر غور کرنے کا دراصل موقع ہی نہ ملا تھا۔ مسلم اکابرین کے پیش نظر دراصل یہ پہلو تھا کہ مرزا بشیر الدین محمود چونکہ انگریزوں کا خاص الخاص آدمی ہے' اس کے ذریعہ اگر مہاراجہ ہری سنگھ پر انگریزوں سے دباؤ ڈلوا کر کشمیریوں کے کچھ مطالبات تسلیم کرائے جائیں تو کوئی قباحت نہیں۔ لیکن کشمیر میں مرزائیوں کا معاملہ یہ تھا کہ روپیہ انگریز کا اور تبلیغ اور سیاسی مقاصد مرزائیوں کے اپنے تھے۔ لہذا جب مرزا بشیر الدین محمود کو شملہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا سربراہ چنا گیا تو مرزائیت کی باچھیں کھل گئیں اور اس کے بعد مرزائیوں نے اپنی پوری توجہ کشمیر کی طرف مبذول کر لی۔ کشمیر کے طول و عرض میں مرزائیت کی تبلیغ کے 70 مرکز قائم کیے گئے اور ان مراکز کو کشمیریوں کے امدادی مرکز کہا جانے لگا۔ سینکڑوں مرزائی ڈاکٹر کشمیر پہنچے تاکہ کشمیریوں کی طبی امداد کی جائے۔ کئی وکیلوں نے کشمیر کا رخ کیا تاکہ کشمیریوں کی قانونی مدد کی جائے۔ یہ سارا سلسلہ اس حیران کن انداز سے شروع ہوا کہ کشمیری مسلمان ششدر رہ گئے۔

قادیانی' جو کشمیر میں سرگرم عمل تھے' اہل کشمیر کو یہ تاثر دینے کی پوری پوری کوشش کر رہے تھے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی بھی جماعت احمدیہ کی ایک ذیلی شاخ ہے' جو مرزا بشیر

الدین محمود نے کشمیریوں کی امداد کے لیے قائم کی ہے۔ اس طرح گویا کادیانی مرزائیت کے لیے اہل کشمیر کی ہمدردیاں حاصل کر رہے تھے۔ لیکن اندرون کشمیر دینی حلقے اس ساری سازش سے آگاہ ہو چکے تھے اور میرواعظ کشمیر نے کھلے عام مسلمانوں کو ہدایت کر دی تھی کہ کادیانیوں نے جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے' اس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ انگریز کے تعاون سے یہ لوگ یہاں اپنا غلبہ چاہتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد ہماری مدد کرنا نہیں بلکہ ہماری مظلومیت اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس ریاست میں کادیانیت پھیلانا ہے۔ میرواعظ کشمیر مولانا یوسف شاہ فاضل دیوبند تھے اور ان کے عقیدت مندوں کی تعداد کشمیر کی وادی میں لاکھوں تک تھی۔ میرواعظ کشمیر کی شخصیت مسلمانان ریاست جموں کشمیر کے لیے بے حد واجب الاحترام تھی اور ان کی بات گویا اہل کشمیر کے لیے حرف آخر ہوتی تھی۔

جب میرواعظ کشمیر نے کادیانیوں کے خفیہ عزائم کو بے نقاب کیا' تو ان کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم ہو گیا اور اس محاذ کے سربراہ شیخ محمد عبداللہ بذات خود تھے۔ شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھی چاہتے تھے کہ میرواعظ اس مرحلہ پر کادیانیت کا سوال پیدا نہ کریں کیونکہ کادیانی ہمیں مہاراجہ ہری سنگھ کی جابرانہ پالیسی کے خلاف مدد دے رہے ہیں۔ یہ اگر کادیانی ہیں تو ہوتے رہیں' ہمیں ان کے دینی اعتقاد سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر یہ ہماری تحریک میں برابر کے شریک ہیں تو ہمیں ان کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ دراصل مرزا بشیر الدین محمود نے ذاتی طور پر شیخ محمد عبداللہ کو مالی امداد بھی دی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ کے جو خطوط مرزائیوں نے اپنی کتاب "تاریخ احمدیت" کی چھٹی جلد میں شائع کیے ہیں' ان کی ہر سطر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کادیانی خلیفہ نے تحریک کے تمام مصارف اپنے ذمہ لے رکھے تھے اور وہ عبدالرحیم داد اور خواجہ غلام نبی گلکار کے ذریعہ ہر ماہ شیخ محمد عبداللہ کو ایک معقول رقم بھیجا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے گویا مرزا بشیر الدین محمود' شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نبی غلام محمد' مرزا افضل بیگ اور جی۔ ایم صادق وغیرہ کا محسن تھا' کیونکہ یہ لوگ مرزا بشیر الدین محمود سے روپے لیتے تھے مگر میر

واعظ کشمیر نے قادیانی عزائم کے سامنے کشمیر میں بند باندھنا شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے واشگاف لفظوں میں شیخ محمد عبداللہ کو مرزائیوں کا ایجنٹ کہنا شروع کر دیا اور اس کے جواب میں شیخ محمد عبداللہ اور قادیانیوں نے میرواعظ کو ڈوگروں کا ایجنٹ مشہور کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح کشمیری سیاست میں دھڑے بندی کا آغاز تو ہو گیا مگر قادیانیوں نے جس انداز سے کشمیر کی وادی میں اپنے عقائد کا پرچار کرنا شروع کیا تھا' وہ جوش و خروش کم ہو گیا کیونکہ میرواعظ کشمیر نے مسلمانان کشمیر کو بتا دیا تھا کہ قادیانی ہمارے ملک میں غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ ہماری سیاسی اور مالی امداد کر کے ہمارے ملک میں قادیانیت کو فروغ دیں تاکہ مستقبل میں یہاں یہ اقتدار حاصل کر سکیں۔

احرار کی تحریک

جس زمانے میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنا ڈالی گئی تھی' اس کمیٹی میں احرار کا عنصر بھی موجود تھا۔ احرار اور مرزائیت دو قطعی متضاد چیزیں تھیں۔ احرار مرزائیت کے لیے تیغ براں کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کا کسی ادارے میں یکجا ہونا ناممکن تھا۔ کچھ عرصہ بعد جب احرار رہنماؤں نے (جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں شامل تھے) دیکھا کہ یہ کمیٹی نہ صرف یہ کہ مرزائیت کا اکھاڑہ بنتی جا رہی ہے' بلکہ مرزائی کشمیر میں اپنے مذہبی گل کھلانے میں مصروف ہیں' تو احرار نے یہ پروگرام مرتب کیا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں زیادہ سے زیادہ شمولیت اختیار کی جائے تاکہ مرزائیوں کے اثر و نفوذ کو زائل کیا جا سکے۔ لیکن مرزا بشیر الدین محمود بے حد چالاک اور عیار انسان تھا' اس وجہ سے اس نے اپنا گروہ کمیٹی میں مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ لاہور کے برکت علی محمڈن ہال میں جب کمیٹی کا اجلاس ہوا' تو احرار نے مرزائیوں کی کمیٹی پر اجارہ داری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس طرح حالات کا رخ تو بدل گیا مگر احرار نے طے کر لیا کہ وہ اپنا الگ پلیٹ فارم قائم کر کے کشمیر کے لیے ایک زبردست تحریک چلائیں گے۔ بہرحال کافی غور و فکر کے بعد احرار کی مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ کشمیریوں پر کیے جانے والے مظالم کے سلسلہ میں سب سے پہلے

ڈوگرہ حکمران سے رابطہ قائم کیا جائے اور حکومت کو مشورہ دیا جائے کہ وہ وحشت و بربریت کا یہ سلسلہ بند کرے۔ اگر ڈوگرہ حکمران احرار کا یہ مشورہ قبول نہ کرے تو برصغیر کے کونے کونے سے احرار رضاکاروں اور کارکنوں کے جتھے کشمیر کی وادی میں داخل کیے جائیں۔

اس پروگرام کے تحت مولانا مظہر علی اظہر کی قیادت میں ایک وفد سری نگر روانہ کیا گیا' جس میں چودھری افضل حق' خواجہ غلام محمد اور مفتی کفایت اللہ صاحبان شامل تھے۔ وفد کے اراکین نے سری نگر پہنچ کر مہاراجہ ہری سنگھ کے وزیر اعظم سے بات چیت کی مگر کوئی مفید مطلب نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ جس وقت مجلس احرار کا وفد سری نگر روانہ ہوا تھا' احرار کی مرکزی ہائی کمان نے کشمیر کی تحریک کے لیے زبردست تیاری شروع کر دی تھی تاکہ جونہی یہ وفد ناکام واپس آئے' فوراً احرار رضاکاروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا یہ سمندر ریاست کشمیر کی سرحدوں سے اندر داخل ہو اور مہاراجہ کو بتا دیا جائے کہ احرار کس چیز کا نام ہے۔ چنانچہ جب احرار کا وفد ناکام واپس آیا تو ہندوستان کے کونے کونے سے احرار رضاکار کشمیر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جس شہر میں احرار راہنما جلسہ منعقد کرتے' ان کی آتش بیانی سے متاثر ہو کر فوراً لوگ اپنے کپڑے سرخ رنگ میں رنگوا لیتے اور احرار کے جتھوں میں شامل ہو کر کشمیر کی سرحد کی طرف روانہ ہو جاتے۔

لاہور میں مجلس احرار کی طرف سے اشرف عطا کو یہ خدمت سونپی گئی کہ وہ پنجاب کے مختلف شہروں کا دورہ کر کے احرار رضاکاروں کو کشمیر کی سرحد تک پہنچائیں۔ جب ہندوستان کے کونے کونے سے ہزاروں کی تعداد میں احرار رضاکار کشمیر کی سرحد پر پہنچے اور وسیع پیمانے پر ریاست میں داخلہ شروع ہوا' تو مہاراجہ نے مجبور ہو کر انگریزوں سے فوج اور پولیس طلب کی اور پچاس ساٹھ ہزار کے قریب احرار رضاکار گرفتار ہو کر پنجاب کی مختلف جیلوں میں چلے گئے۔ احرار راہنماؤں کا کہنا ہے کہ جب ہم نے کشمیر کے لیے تحریک شروع کی تو کشمیری لیڈروں' شیخ محمد عبداللہ وغیرہ کو مرزائیوں نے یہ کہہ کر ہم سے برگشتہ کر دیا کہ اگر احرار نے کشمیر کے معاملہ میں مداخلت کی تو انگریز' مہاراجہ پر کسی قسم کا

دباؤ نہیں ڈال سکیں گے اور اس طرح کشمیریوں کا کوئی مطالبہ بھی پورا نہ ہوگا۔ احرار کی اس زبردست تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر کی وادی میں مرزائیت کے پاؤں اکھڑ گئے اور کشمیری مسلمان مرزائیوں کی اصل غرض و غایت سے آگاہ ہوگئے۔ مرزائی نہ صرف کشمیری لیڈروں کی مالی امداد کرتے رہے' بلکہ تحریک کے اندرونی کل پرزوں کو پوری شدت سے حرکت دیتے رہے۔ مرزائیوں کو کشمیریوں سے یہ ہمدردی کیوں پیدا ہوئی' اس کا خاکہ متذکرہ واقعات سے ایک قاری کے ذہن میں مکمل ہو سکتا ہے' جسے مختصراً یوں سمجھا جا سکتا ہے۔

1 انگریزوں اور مہاراجہ کے درمیان چپقلش شروع ہوگئی تھی اور انگریز چاہتے تھے کہ مہاراجہ کے لیے سیاسی مشکلات پیدا کرائی جائیں اور مہاراجہ کو جھکایا جائے تاکہ وہ گلگت کا علاقہ پٹے پر دینے کے لیے رضامند ہو جائے۔

2۔ مرزائیوں کو اپنی سیاسی حیثیت مستحکم کرنے کے لیے کسی ایسے الگ تھلگ ملک کی ضرورت تھی جہاں ان کی اکثریت ہو اور جہاں وہ پورے نظم و نسق کے مالک ہوں۔ اس کے لیے ان کے نقطہ نظر سے کشمیر سے بہتر کوئی مقام نہ تھا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے انگریز سے سازباز کرنے کے بعد یہ طے کر لیا تھا کہ کشمیر میں تحریک کا آغاز کرنے کے لیے روپیہ انگریز کا ہوگا اور تبلیغ مرزائیت کی ہوگی' گویا مرزا بشیر الدین محمود دوہری چال چل رہا تھا۔ مرزا غلام احمد کادیانی نے حضرت مسیح کی قبر کشمیر میں ثابت کرنے کے لیے دروغ گوئی اور کذب کے طومار باندھے تھے' لیکن مرزا بشیر الدین محمود نے سرے سے کشمیر کو مرزائی ریاست میں تبدیل کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن یہ فال ایسی الٹی پڑی کہ معاملہ ہی دگرگوں ہو گیا اور اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

● مولانا ممتاز احمد صاحب ادارہ معارف اسلامی کراچی نے "سر ظفر اللہ جواب دیں' آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں کادیانیوں کا رول" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا' جس میں موصوف نے محققانہ انداز میں کشمیر میں کادیانیوں کے کردار پر بحث

کی ہے۔ اس مضمون کو بعد ازاں کتابچے کی شکل میں شائع کیا گیا۔

"ریاست جموں و کشمیر میں 13 جولائی 1931ء کے واقعہ کے بعد مہاراجہ کی حکومت نے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے ایک نئے دور کا آغاز کیا اور جموں اور سری نگر میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ مہاراجہ کی انتقامی کارروائی کے باوجود ریاست کے مسلمانوں میں تحریک آزادی نے تیزی سے پھیلنا شروع کر دیا اور جلد ہی کم و بیش ریاست کے ہر علاقے میں حکومت کے خلاف مظاہرے ہونے لگے۔ حکومت نے جب دیکھا کہ حالات اس کے قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں' تو اس نے برطانوی فوج کی مدد طلب کر لی۔

کشمیر میں 1931ء کی تحریک آزادی کی تائید و حمایت کے لیے شمالی ہند کے مسلمانوں نے پنجاب سے دو مختلف تحریکوں کا آغاز کیا۔ ایک تحریک جس کی نوعیت انقلابی تھی' مجلس احرار کے اہتمام اور سرکردگی میں شروع کی گئی۔ مجلس احرار کی عاملہ نے 1931ء کے وسط میں اس امر کا فیصلہ کیا کہ وہ کشمیری مسلمانوں کے جائز حقوق دلوانے کے لیے کسی بڑے سے بڑے اقدام سے بھی گریز نہیں کرے گی۔

(بحوالہ اشرف عطا' "کچھ شکستہ داستانیں' کچھ پریشان تذکرے" صفحہ 131)

ابتدا میں احرار نے مولانا مظہر علی اظہر کی راہنمائی میں وزیراعظم کشمیر کے پاس ایک وفد بھیجا' لیکن گفت و شنید ناکام رہی اور کشمیر کی حکومت نے احرار کی طرف سے پیش کیے جانے والے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پرامن گفت و شنید کی ناکامی کے بعد احرار نے ایک عظیم الشان تحریک کا آغاز کیا اور حکومت کے امتناعی احکامات کے باوجود ہزاروں کی تعداد میں رضاکاروں کو ریاست کی طرف روانہ کیا۔ جو رضاکار ریاست میں داخل ہوتے تھے' انہیں گرفتار کر کے جیلوں میں

ڈال دیا جاتا تھا۔ جب مہاراجہ حکومت نے دیکھا کہ صورت حال اس کے قابو سے نکلی جا رہی ہے تو اس نے حکومت پنجاب سے درخواست کی کہ احرار رضاکاروں کو ریاست کی حدود میں داخل ہونے سے قبل ہی گرفتار کیا جائے۔ چنانچہ حکومت پنجاب نے احرار جتھوں کو اپنی سرحد پر ہی روکنا شروع کر دیا۔

(بحوالہ محمد احمد خان "اقبال کا سیاسی کارنامہ" صفحہ 179)

ریاستی مسلمانوں کی تائید کے لیے شمالی ہند کے مسلمانوں کی دوسری تحریک کی نوعیت دستوری اور آئینی تھی اور یہ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کے نام سے منسوب تھی۔ کشمیر کمیٹی کا قیام 25 جولائی 1931ء کو شملہ میں عمل میں آیا اور اس کے پہلے صدر جماعت احمدیہ (قادیانی جماعت) کے امیر مرزا بشیر الدین محمود احمد تھے۔ مرزا صاحب کے علاوہ اس کمیٹی میں قادیانیوں کے اور بھی کئی افراد شامل تھے۔ علامہ اقبالؒ بھی کشمیری مسلمانوں سے اپنے مخصوص تعلق کی بنا پر ابتدا سے آخر تک اس کمیٹی میں شامل رہے اور بعد میں اس کے صدر بھی بنے۔

اس کمیٹی نے اپنے قیام کے وقت جو مقاصد اپنے لیے مقرر کیے تھے' ان میں آئینی ذرائع سے کشمیری مسلمانوں کو ان کے جائز اور واجبی حقوق دلانا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے مظلوم کشمیری مسلمانوں کی قانونی امداد بھی شامل تھے۔

کشمیر کمیٹی کے بارے میں اب تک جو تفصیلات سامنے آئی ہیں اور جو حقائق و شواہد بعد میں رونما ہونے والے حالات و واقعات کی روشنی میں واضح ہوئے ہیں' ان کے پیش نظر یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہو گا کہ کشمیر کمیٹی کا قیام قادیانیوں کے مخصوص مقاصد و مفادات کے حصول کے لیے عمل میں لایا گیا تھا۔ کشمیر کمیٹی کے سلسلہ میں قادیانیوں کا رول

تحریک کشمیر میں ان کی سرگرم شمولیت ہی سے مشکوک نہیں ٹھہرتا' بلکہ ٹھوس تاریخی شواہد بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ شمولیت بے معنی یا محض مسلمانوں کی ہمدردی کے سبب نہیں تھی' حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کے اجتماعی مسائل سے قادیانی ہمیشہ غیر متعلق رہے' بلکہ برعکس اس کے انہوں نے مسلمانوں کی مخالف قوتوں کو تقویت دینے کی کوشش کی۔ مثلاً 1918ء میں جب پورا مسلم ہندوستان ترکی کے خلاف انگریزی جارحیت پر سراپا احتجاج بنا ہوا تھا' ترکی کی شکست اور بغداد پر برطانوی قبضے کی خوشی میں قادیان میں "جشن فتح" منایا گیا اور چراغاں کیا گیا۔

(ملاحظہ ہو "منیر رپورٹ" صفحہ 196)

اسی طرح برصغیر کے مسلمانوں کا اہم ترین مسئلہ آزادی کا حصول اور پاکستان کا قیام تھا۔ اس پر قادیانیوں کا ردعمل یہ تھا کہ اول تو وہ اس بات کے خواہش مند تھے کہ انگریزی اقتدار برصغیر سے ختم ہی نہ ہو' جب انہوں نے دیکھا کہ انگریزوں کا برصغیر سے رخصت ہونا ناگزیر ہو گیا ہے تو انہوں نے مسلمانان ہند کے مطالبے کے برعکس برطانیہ اور کانگریس کی ہمنوائی میں متحدہ ہندوستان کی تائید کی' کیونکہ ایک الگ اسلامی ریاست کے قیام کی صورت میں انہیں اپنا وجود ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ منیر رپورٹ شاہد ہے کہ ان کی بعض تحریروں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اگر تقسیم معرض عمل میں آ بھی گئی تو وہ برصغیر کے دوبارہ اتحاد کے لیے جدوجہد کریں گے۔

(ملاحظہ ہو "منیر رپورٹ" صفحہ 196)

اب یہ پہلا موقع تھا کہ قادیانیوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے کسی اجتماعی مسئلے پر نہایت سرگرمی سے ساتھ دیا تھا۔ تحریک کشمیر میں

قادیانیوں کا اس قدر جوش و خروش سے شرکت کرنا' کشمیری مسلمانوں کو مفت قانونی امداد مہیا کرنا اور کشمیری راہنماؤں کو امداد دینا ان کے سابقہ رویے اور سیاسی نظریات کے پیش نظر معنی خیز معلوم ہوتا ہے اور یہ باور کرنا پڑتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب اور ان کے دیگر پیروکاروں کی تحریک کشمیر میں شمولیت مسلمانوں کے اجتماعی مفادات کی خاطر نہیں تھی' بلکہ اس کے پیچھے کچھ اور خفیہ مقاصد تھے' جن کی تکمیل کشمیر کمیٹی ہی کی وساطت سے ہو سکتی تھی۔ یہ خفیہ مقاصد کیا تھے اور ان کا تعلق ریاست کشمیر سے کیا تھا؟ ان سوالات پر غور کرنے سے قبل ہمیں ریاست کشمیر اور اس سے ملحقہ سرحدی علاقوں کے بارے میں برطانوی حکومت کی اس پالیسی کو سامنے رکھنا ہوگا جو 1960ء سے کچھ عرصہ قبل سامنے آ رہی تھی۔

ریاست کشمیر کی مخصوص جغرافیائی اہمیت انیسویں صدی کے وسط سے ظاہر ہونی شروع ہوئی' جب ایشیا دو بڑی یورپی طاقتوں' انگلستان اور روس کی جنگ اقتدار کی بازی بنا' مگر اس سارے عرصے میں حالات کچھ اس طرح کنٹرول میں رکھے گئے کہ یہ دونوں طاقتیں براہ راست ایک دوسرے سے نبرد آزما نہیں ہوئیں لیکن اعصابی جنگ بیسویں صدی کے نصف اول تک جاری رہی۔ (بلکہ آج تک جاری ہے)

انیسویں صدی کے اوائل سے روس نے توسیع پسندی کی جس پالیسی پر عمل کرنا شروع کیا' اس نے برطانوی حکومت کو بجا طور پر اس خدشے سے دوچار کر دیا کہ روس وسط ایشیا میں بڑھتے بڑھتے ہندوستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ افغانستان' ایران اور چین کے شمالی علاقوں میں قابض ہو جانے کے بعد سنکیانگ کے راستے وادی کشمیر میں داخل ہونا روس کے لیے مشکل بات نہ تھی۔ انیسویں صدی کے اواخر

اور بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں برطانیہ کی پالیسی یہ تھی کہ روس کو
افغانستان اور سنکیانگ کی طرف بڑھنے سے روک دیا جائے

(بحوالہ جوزف کوربل، ص 274)

اسی بنا پر برصغیر کے شمال مغربی سرحدی صوبے کے اہم مقامات پر
برطانوی فوجی چوکیاں قائم کی گئیں اور روسی خطرے سے بچاؤ کی خاطر
ہی پہلی (1839ء - 1842ء)، دوسری (1879ء - 1881ء) اور تیسری جنگ
افغانستان (1919ء) میں لڑی گئی۔ اس سے قبل جب روس نے اپنی
جدوجہد کا آغاز کیا اور سمرقند، تاشقند اور وادی جیحوں وسیحوں کے علاقہ
پر قبضہ جمالیا، تو برطانیہ نے روسی خطرے کے پیش نظر فوج کا ایک معتد
بہ حصہ ریاست جموں کے کشمیر کے شمالی علاقے میں بھجوا دیا۔ روس
اپنے بعض یورپی مواعید اور داخلی مسائل کی بنا پر اگر برصغیر پر حملہ
نہیں کر سکا تو اس سے انگریزوں کے خدشات کی معقولیت پر شبہ نہیں
کیا جانا چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ انقلاب سے قبل روسی حکومتوں نے
انیسویں صدی میں متعدد بار برصغیر پر حملہ آور ہونے کی باقاعدہ منصوبہ
بندی کی تھی ——— (برصغیر پر روسی حملوں کی منصوبہ بندی اور ہندوستان
کے بارے میں روسی پالیسی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں :

(1) آرٹی بالا کی

"Russia against India"

(2) فرانس ہنری سکرائن کی

"The Expansion of# Russia"

(3) ولیم ڈگی کی

"India for the Indian & for England"

(4) چارلس بولگر کی

"England and Russia in Central Asia" اور

(5) ریڈ ڈاج سورو لینڈ کی

"Russia's Projects against India"

روس میں اشتراکی انقلاب کے بعد ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں روس اور برطانیہ کے روایتی تعلقات میں اہم تبدیلی رونما ہوئی۔ جنگ عظیم اول کے بعد برطانوی مقبوضات میں آزادی کی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ ادھر افغانستان اور ایران بھی برطانوی اثرات سے آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ ہندوستان میں آزادی کی تحریک نے آئینی اور غیر آئینی اطراف سے ابھرنا شروع کیا۔ چین میں داخلی جنگوں نے عارضی امن کی اس صورت حال کو درہم برہم کر دیا جو برطانیہ کے اطمینان کا باعث تھی۔ یہ ساری صورت حال برطانیہ کی نظر میں اشتراکی نظریے اور روسی اثرات کی توسیع پسندی کے لیے آئیڈیل صورت حال تھی۔ ایک طرف تو وہ برصغیر میں قومیت پرستی کے اٹھتے ہوئے جذبات سے فائدہ اٹھا کر اور تحریک آزادی کی حمایت کر کے برطانوی حکومت کے خلاف برصغیر کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کر سکتا تھا اور دوسری طرف اشتراکی انقلاب کے لیے بھی راہ ہموار کی جا سکتی تھی۔

روس کو برطانیہ سے جو خطرہ تھا' وہ ایشیا میں نہیں بلکہ یورپ میں تھا اور یورپ میں برطانوی خطرے کے سدباب کے لیے ضروری تھا کہ وہ ایشیا میں برطانوی اقتدار کو کمزور کرے۔ روس کے لیے آسانی یہ تھی کہ وہ اپنے ملکی و قومی عزائم کو نظریاتی رنگ دے کر برصغیر میں داخل ہو سکتا یا کم از کم اپنا حلقہ اثر قائم کر سکتا تھا۔۔۔ چنانچہ اسی پس منظر میں جنگ عظیم اول کے بعد سے آزادی تک روس برصغیر کی سیاست میں سرگرم حصہ لیتا رہا۔ برصغیر کی سیاست میں روس کی شمولیت دو نوعیتوں

کی تھی: ایک تو اس نے سنکیانگ اور شمالی علاقوں کی طرف سے کشمیر پر فوجی دباؤ ڈال کر برطانوی حکومت کو چوکنا کر دیا اور دوسرے تحریک آزادی میں حصہ لینے والے ایک فعال عنصر کے قوم پرستانہ جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اشتراکی نظریے کی وساطت سے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آزادی کے حوالے متعدد ہندوستانیوں کو روسی سرزمین میں توڑ پھوڑ کی سرگرمیوں اور حکومت کے کاروبار کو معطل کرنے والی دوسری کارروائیوں کی تربیت دی جانے لگی۔ مثلاً مہندر پرتاپ سنگھ' جو باقاعدہ روسی حکومت کے ملازم تھے' کابل میں بیٹھ کر وسطی ایشیا اور ہندوستان میں روسی مفادات کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اسی طرح کا کام ایک اور ہندوستانی انقلابی برکت اللہ نے انجام دیا۔

(ملاحظہ ہو جوزف کوربل کی کتاب' صفحہ 8'20'28)

تاشقند اور شمال مغربی سرحدی صوبے سے ملحقہ علاقے کو ہندوستانی انقلابیوں کا تربیتی مرکز بنا دیا گیا۔ سمرقند کے ایک ادارے میں 1920ء میں تین ہزار پانچ سو ہندوستانیوں کو انقلابی سرگرمیوں کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ ان میں 1093 افراد ہندو تھے۔ یہ ماہر اور تربیت یافتہ انقلابی ریاست کشمیر اور دوسرے شمالی دروں سے ہندوستان بھیجے جاتے تھے' جہاں یہ لوگ آزادی کی تحریکوں میں "فارورڈ بلاک" کی حیثیت سے کام کرتے۔ 1930ء تک روس نے اپنی ان سرگرمیوں میں اس قدر اضافہ کر دیا کہ تیسری انٹرنیشنل کی چھٹی کانگریس نے تو ہندوستان میں اشتراکی انقلاب کی صاف صاف پیش گوئی بھی کر دی اور ہندوستانی کیمونسٹوں سے کہا کہ اب وہ "پرولتاری" طبقے کو ساتھ لے کر برطانوی استعمار کے ساتھ ساتھ آزاد خیال قومی بورژواؤں کے خلاف بھی

جدوجہد شروع کر دیں۔

(ملاحظہ ہو روسی مصنف بیلا کن کی مرتب کردہ کتاب)

اس پس منظر میں برطانوی ہند کی حکومت نے برصغیر کو روسی اشتراکی حملے سے بچانے کے لیے اور برصغیر میں اپنی حکومت کے استحکام کے لیے ضروری سمجھا کہ وہ شمال مغربی ہند کے ان تمام علاقوں کو براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لے' جو اشتراکی سرگرمیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے یا جہاں سے روس کی آمد ممکن تھی۔ نیز سرحدی علاقوں میں ایسی وفادار جماعتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دے' جو ایک طرف تو آزادی کی رو کو دبا سکیں اور دوسری طرف برطانوی حکومت کے خلاف کی جانے والی سرگرمیوں کی اطلاعات بھی اسے پہنچاتے رہیں۔

روس اور چین سے ملحقہ علاقے (جو ریاست جموں و کشمیر کی حدود میں تھے) براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لینے میں مشکل یہ تھی کہ معاہدۂ امرتسر کے تحت ریاستی علاقے کے انتقال کے لیے مہاراجہ کی رضامندی لازمی تھی اور مہاراجہ کشمیر اپنی ریاست کے ایک انچ سے بھی دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے' جو اس سے قبل ریاست کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و تشدد سے اپنی بے نیازی کے لیے یہ جواز لاتے تھے کہ وہ قانوناً" ریاست کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے' 31ء کی تحریک حریت سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنایا۔ ان کی سکیم یہ تھی کہ شمالی ہند کے علاقہ میں مہاراجہ انتظامیہ کے خلاف محدود پیمانے پر ایک تحریک کا آغاز کیا جائے اور برطانوی ہند کی رائے عامہ کے دباؤ کا جواز پیدا کر کے ریاست کے داخلی معاملات میں مہاراجہ کو کمزور کر کے گلگت اور روس' چین سے ملحقہ دیگر سرحدی علاقے حاصل کر لیے جائیں۔ احرار کی تحریک فوری اور انقلابی نوعیت

کی تھی اور انگریز احرار سے معاملہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ قادیانی ہی وہ مناسب ترین جماعت تھے، جنہیں اس منصب کے لیے تیار کیا جا سکتا تھا اور مقصد پورا ہو جانے کے بعد ان سے مہاراجہ کے خلاف یہ تحریک ختم بھی کروائی جا سکتی تھی۔ اگر اس تحریک کا آغاز کسی اور جماعت یا طبقے کی طرف سے ہوتا تو انگریز پوری طرح نہ تو اس کو کنٹرول کر سکتے تھے اور نہ ہی اسے مناسب طور پر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے تھے۔

اس پس منظر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قادیانیوں کا کشمیر کمیٹی قائم کرنا دراصل انگریزوں ہی کی شہ پر تھا۔

ہمارے لیے یہ خیال کرنا ممکن نہیں ہے کہ قادیانی اپنی سیاسی زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی کسی ایسی تحریک میں شامل ہو سکتے تھے یا کسی ایسی تحریک کا آغاز کر سکتے تھے جو انگریزوں کی شہ پر نہ شروع کی گئی ہو یا جسے انگریزوں کی تائید حاصل نہ ہو یا کم از کم جسے انگریز ناپسند کرتے ہوں۔ قادیانی جماعت ابتدا ہی سے انگریزی حکومت کی وفادار ترین جماعت رہی ہے اور انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو ہندوستان میں برطانوی اقتدار و مفادات کو معمولی سا نقصان پہنچانے کا امکان رکھتا ہو۔ اس ضمن میں قادیانی مذہب کے بانی مرزا غلام احمد کے متعدد اعترافات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں۔

> "سو میرا مذہب جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں، دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو۔ جس نے ظالموں (یعنی مسلمانوں) کے ہاتھ سے اپنے سائے میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت برطانیہ

ہے"۔

(ماخوذ مرزا غلام احمد ضمیمہ "شہادۃ القرآن" ص 1)

ایک اور اعتراف ملاحظہ ہو:

"میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک' جو قریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں' اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کا دور کروں جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں"۔

(ماخوذ از "تبلیغ رسالت" از مرزا غلام احمد' ص 100)

اسی کتاب کے صفحہ 13 پر ارشاد ہوتا ہے:

"میں زور سے کہتا ہوں اور میں دعویٰ سے گورنمنٹ کی خدمت میں اعلان دیتا ہوں کہ باعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے گورنمنٹ کا اول درجہ کا وفادار اور جانثار یہی نیا فرقہ ہے"۔

برعکس اس کے قادیانیوں نے مثبت طور پر انگریزی سامراج کی نہ صرف یہ کہ حمایت کی بلکہ اپنے عملی کارناموں سے ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں انگریزی حکومت کو تقویت پہنچانے کی کوششیں بھی کیں۔

قادیانیوں کا کشمیر میں انگریزی مفادات کے آلہ کار کی حیثیت سے کام کرنا اس طرز کی پہلی مثال تھی۔ اس سے قبل بھی قادیانی افراد نے انگریزوں کے لیے جاسوسی کا کام انجام دیا ہے' جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا

ہے کہ ریاست جموں و کشمیر، وسطی ایشیا پر روسی قبضہ کے بعد برصغیر کی اہم حفاظتی چوکی کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور اس کی اہمیت کے پیش نظر روس کی نگاہیں خاص طور پر اس علاقے پر لگی ہوئی تھیں۔ اس ضمن میں 1889ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ والئی ریاست پر حکومت برطانیہ نے یہ الزام بھی لگایا کہ وہ روسی حکومت سے برطانیہ کے خلاف خط و کتابت کر رہا ہے۔ اس واقع کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر ڈگبی کی کتاب

(Condemned Unheard :"The Govt. of India & H. The Maharaja of Kashmir" London ء1890) H.

حکومت برطانیہ نے اس الزام کے پیش نظر مہاراجہ کے اختیارات کو سلب کر کے حکومت کا انتظام ایک کونسل کے سپرد کر دیا اور مہاراجہ کی سرگرمیوں پر کڑی نگرانی شروع کر دی۔ برطانوی حکومت ہند نے مہاراجہ کی سرگرمیوں میں نگرانی کے لیے متعدد افراد کو مامور کیا۔ ان میں مرزا غلام احمد صاحب کے دست راست اور قادیانی تحریک کے اصل دماغ اور مرزا غلام احمد صاحب کی وفات کے بعد پہلے خلیفہ حکیم نور الدین صاحب بھی تھے، جو اس وقت مہاراجہ کے کے طبیب خاص تھے۔ حکیم صاحب نے متعدد سالوں تک انگریزوں کی جاسوسی کے فرائض انجام دیے اور بالآخر مہاراجہ نے 1893ء یا 1894ء میں انھیں مشکوک قرار دے کر معزول کر دیا۔

ہندوستان میں تو قادیانیوں کا انگریزوں کے لیے جاسوسی کرنا ایک عام سی بات تھی، بیرون ہند یعنی روس، ایران، افغانستان اور جرمنی وغیرہ میں بھی قادیانی حضرات انگریزوں کے لیے مخبری کا کام کرتے رہے

تھے۔ افغانستان اور جرمنی میں قادیانیوں کی انگریزوں کے لیے جاسوسی کی شہادت خود قادیانیوں کے اخبار "الفضل" مورخہ 3 مارچ 1929ء و 6 اگست 5 اور یکم نومبر 1934ء کے شمارے میں دیکھی جا سکتی ہے۔
روس میں تو ان کی سرگرمیاں بالخصوص سرگرمی سے جاری تھیں۔ ایک قادیانی مبلغ محمد امین کا یہ بیان 28 دسمبر 1922ء کو "الفضل" میں شائع ہوا۔ روسیہ (روس) میں اگرچہ تبلیغ احمدیت کے لیے گیا تھا لیکن چونکہ سلسلہ احمدیہ اور برٹش حکومت کے باہمی مفاد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں' اس لیے جہاں میں اپنے سلسلہ کی تبلیغ کرتا تھا' وہاں لازماً مجھے گورنمنٹ انگریزی کی خدمت گزاری بھی کرنی پڑتی تھی۔

قادیانیوں کا انگریزی سامراج کو مضبوط اور قائم و دائم بنانے کے لیے اس قدر سرگرمی سے کام کرنا دراصل اس وجہ سے تھا کہ قادیانی اپنے عجیب و غریب مذہبی مسلک کی بنا پر ہندوستانی مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ سے کٹ چکے تھے اور اب مذہبی' سیاسی' معاشرتی و معاشی کسی سطح پر عام مسلمانوں سے ان کا اشتراک و تعاون ممکن نہیں رہا تھا۔ اس صورت حال میں قادیانیوں کے لیے بہترین حکمت عملی یہ تھی کہ وہ انگریزی اقتدار کے "سایہ عاطفت" میں پناہ لیں' انگریزوں سے اپنی وفاداری استوار کریں اور ہندوستان میں انگریزی اقتدار کی توسیع و ترقی کے لیے کوشاں ہوں۔ انہیں یہ خدشہ تھا (اور یہ خدشہ بجا بھی تھا) کہ آزادی کی صورت میں انہیں وہ مراعات نہیں مل سکیں گی جو اس وقت انگریزوں کے زیر سایہ انہیں مل رہی تھیں۔ پس قادیانی جماعت کی انگریزی حکومت سے وفاداری کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے وجود کی بقا اور اپنی تحریک کی ترقی کے لیے انگریزوں کے دست نگر تھے۔ مرزا غلام احمد کا ایک اعتراف اس ضمن میں ملاحظہ ہو:

"میں اپنے کام کو نہ تو مکہ میں رہ کر جاری رکھ سکتا ہوں نہ مدینہ میں' نہ روم میں نہ ایران میں اور نہ ہی کابل میں رہ کر۔ میں تو ہندوستان میں انگریزی راج کے دوام کا دعاگو ہوں"۔

("تبلیغ رسالت" جلد ششم' صفحہ 192)

اور دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ وہ انگریزوں کی خدمات بجالا کر یہ توقع رکھتے تھے کہ ہندوستان کو آزادی دیتے وقت انگریز برصغیر کی سیاسی ہیئت میں یقیناً کچھ ایسا نظم پیدا کر جائیں گے جو ان کے سیاسی و مذہبی مفادات کی حفاظت کر سکے گا۔ پنجاب انکوائری کے معزز ججوں نے اپنی رپورٹ میں قادیانیوں کی اس خواہش کے بارے میں لکھا ہے:

"جب افق پر ملک کی تقسیم کے ذریعے مسلمانوں کے لیے جداگانہ زمین کے قیام کے مدہم سے امکانات ظاہر ہونے شروع ہوئے تو احمدیوں کو آنے والے واقعات سے تشویش ہونے لگی۔ ان کی 1945ء سے 1947ء کے اوائل تک کی تحریروں میں انگریزوں کے جانشین بننے کی توقعات کی جھلک پائی جاتی ہے۔۔۔۔ ان کی بعض تحریروں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تقسیم کے خلاف تھے اور ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر تقسیم معرض عمل میں آ بھی گئی تو وہ برصغیر کے دوبارہ اتحاد کے لیے جدوجہد کریں گے"۔

(ملاحظہ ہو منیر رپورٹ' صفحہ 192)

قادیانیوں کو ہندوستان میں انگریزوں کا جانشین بننے کی خوش فہمی کس حد تک تھی' اس کا اندازہ خلیفہ قادیان مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے اس خطبے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

"جماعت احمدیہ کے افراد نہ صرف یہ کہ پورے ہندوستان کے حکمران ہوں گے بلکہ روس پر بھی ان کی حکومت قائم ہوگی"۔

(ملاحظہ ہو اخبار "الفضل" ۸ اگست 1936ء)

اس مقصد کے لیے ان کی نظریں ایک مدت سے کشمیر پر مرکوز تھیں۔ قادیانی کوئی ایسا خطہ زمین اپنے لیے خاص کر لینا چاہتے تھے جہاں وہ قادیانی تحریک کا مرکز قائم کر سکیں اور جہاں انھیں کلی طور پر سیاسی اور انتظامی اختیارات بھی حاصل ہوں۔ سیاسی اقتدار خواہ وہ کسی محدود سے خطے پر ہی کیوں نہ ہو۔ ایک نئی مذہبی تحریک کی تقویت و ترقی کا ایک اہم ترین حاصل ہوا کرتا ہے اور قادیانی اس حکمت سے بخوبی واقف تھے۔ اپنی حکومت کے قیام کے لیے قادیانیوں کی خواہش مرزا بشیر الدین محمود کے اس خطبے سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

"ہماری حکومت نہیں ہے کہ ہم قوت سے لوگوں کی اصلاح کریں اور ہٹلر اور مسولینی کی طرح ان سب لوگوں کو ملک بدر کر سکیں جو ہمارے احکامات کی تعمیل نہ کریں اور جو ہماری بات نہ سنیں یا نہ مانیں' انھیں عبرت ناک سزا دے سکیں۔ اگر ہمارے پاس حکومت ہوتی تو ہم یہ نتائج ایک دن میں حاصل کر سکتے تھے"۔

(ملاحظہ ہو اخبار "الفضل" 2 جون 1936ء)

ایک اور خطبے میں فرماتے ہیں:

"بے شک قادیان ہمارا مذہبی مرکز ہے' لیکن اس وقت ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہماری قوت اور ہمارے وقار کا مرکز کون سے مقام پر قائم ہوگا۔ یہ مرکز ہندوستان کے کسی بھی

شہر میں قائم ہو سکتا ہے"۔

("الفضل" 29 نومبر 1934ء)

کسی زمانے میں قادیانیوں کے نزدیک حیدر آباد دکن وہ مناسب جگہ تھی جہاں ان کی قوت و وقار کا مرکز قائم کیا جا سکتا تھا' اس کے بعد کشمیر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھے گئے۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد سابق صوبہ بلوچستان پر بھی اپنی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے 23 جولائی 1948ء میں کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا کہ وہ بلوچستان کو ایک قادیانی صوبہ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں' تاکہ پورے پاکستان پر قبضہ کرنے کے لیے وہ ایک بیس (Base) کے طور پر کام آئے۔ منیر انکوائری کمیٹی نے بھی قادیانیوں کے بلوچستان پر قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی کی تصدیق کی ہے۔

(ملاحظہ ہو "الفضل" 13 اگست 1948ء' منیر رپورٹ' ص 261)

چنانچہ کشمیر پر اپنے اثر و رسوخ کی توسیع قادیانی تحریک کی ابتداء ہی سے اس کے پیش نظر رہی ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود قادیانی تحریک کے تمام افراد میں سے سیاسی بصیرت رکھتے تھے۔ انہوں نے اوائل خلافت میں کئی بار کشمیر کا دورہ کیا۔ (ملاحظہ ہو "الفضل" 16 جون 1934ء) وہاں کے حالات کا بچشم خود جائزہ لیا اور قادیانی تحریک کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔ ان کی سازش یہ تھی کہ کشمیر کی ناپختہ ذہن اور نئی ابھرنے والی قیادت کو اپنے ساتھ ملا کر اس کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ قادیانی مقاصد کی تکمیل میں ممد و معاون ہو۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ عام مسلمانوں میں بھی قادیانیت کی تبلیغ کے امکانات روشن نظر آ رہے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ عام کشمیری مسلمانوں میں اسلام سے جذباتی تعلق تو پایا جاتا تھا لیکن اسلام کا صحیح علم تقریباً نہ

ہونے کے برابر تھا اور برسوں کی ہندو غلامی سے ان کے اندر حریت اور آزادی کا وہ جذبہ سرد پڑ چکا تھا جو کسی فرد کو اس کے نظریات سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ رکھ سکتا ہے۔ پھر وہاں کے مسلمانوں میں غربت بھی عام تھی اور مرزا صاحب مسلمانوں کی اس مجبوری سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ غریب مسلمانوں میں روپے پیسے کی ریل پیل کر کے انھیں اپنے عقائد کی طرف راغب کر سکیں گے۔

دوسری طرف انگریز بھی اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ برصغیر میں قادیانیوں کی وفاداری مسلم ہے۔ ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ وہ برصغیر سے جانے کے بعد بھی یہاں ایک جماعت تو کم از کم چھوڑ جائیں جو اس علاقے میں اس کے مفادات کی حفاظت کرتی رہے۔ پھر کشمیر کا مقدمہ تو یوں بھی ٹیڑھا تھا اور روس، چین اور افغانستان سے اپنے سرحدی ملحقات کی بنا پر اس کی اہمیت برطانوی حکومت کی نگاہ میں بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ برطانیہ کے لیے یہ صورت حال پسندیدہ اور خوشگوار تھی کہ ریاست میں کوئی ایسی جماعت سیاسی اقتدار پر قابض ہو جائے جو ان کی ہمنوا ہو اور برصغیر سے ان کے چلے جانے کے بعد بھی اس کا سیاسی اثر و رسوخ اس علاقے میں ان کی عالمی سیاسی پالیسیوں کی معاونت کا باعث ہو۔ یہ جماعت ظاہر ہے کہ صرف جماعت احمدیہ ہی ہو سکتی تھی۔

پس 1921ء کی تحریک کشمیر میں شمولیت قادیانیوں اور انگریزوں، دونوں کے مفاد میں تھی۔ 1931ء میں جب ریاست میں تحریک حریت کا آغاز ہوا اور ریاستی مسلمانوں نے سیاسی آزادی کے حصول کے لیے باقاعدہ طور پر جدوجہد کا آغاز کیا تو "حضرت امام جماعت

احمدیہ --- جو پہلے ہی --- مناسب موقع کے انتظار میں تھے' یکایک میدان عمل میں آ گئے"۔ ("الفضل" 16 جون 1931ء)۔ 25 جولائی 1931ء کو شملہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس میں علامہ اقبالؒ بھی شامل تھے۔ لیکن صدارت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سپرد کی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کشمیر کمیٹی کے قیام کا منصوبہ بنانے میں بھی دراصل مرزا صاحب ہی تھے اور جو افراد شملہ میں جمع ہوئے تھے' ان میں اکثریت احمدیوں کی تھی۔ کمیٹی کے پیش نظر' جیسا کہ ابتدا میں بیان کر دیا گیا ہے' ریاستی مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دلانا اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے والے مسلمانوں کو قانونی امداد مہیا کرنا تھا۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے کشمیر کمیٹی کے نام سے تمام کشمیری لیڈروں سے براہ راست روابط قائم کیے گئے۔ قادیانی زعماء کو بڑی تعداد میں ریاست میں بھیجا گیا' جہاں انہوں نے مسلمان راہنماؤں سے ملاقاتیں کیں' وہاں کے حالات کا جائزہ لیا گیا اور مظلوم مسلمانوں کی بھاری مالی امداد کر کے انہیں اپنا ممنون احسان بنانے کی کوشش کی۔ اس دوران میں سینکڑوں کی تعداد میں مبلغین بھی ریاست میں بھیجے گئے' جو ریاست کے چپے چپے کا دورہ کر کے قادیانی عقائد کی تبلیغ کرنے لگے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے اکثر رقوم شیخ محمد عبداللہ کی معرفت دی گئیں۔ (بحوالہ اشرف عطاء' کتاب مذکورہ بالا' ص 181) چودھری غلام عباس مرحوم کے مقابلے میں قادیانیوں کی ساری ہمدردیاں شیخ عبداللہ کے ساتھ تھیں اور شیخ صاحب سے اس جماعت کے تعلقات اس قدر قریبی ہو رہے تھے کہ لاہور میں اس افسوس ناک افواہ نے کافی تقویت پکڑ لی کہ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ مرزائی ہیں۔ (اشرف عطاء' کتاب مذکورہ بالا' ص

(130) شیخ صاحب نے خود لاہور آکر ایک جلسہ عام میں اس کی تردید کی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "ہم اپنی اس جدوجہد میں ہر طبقہ کی امداد کا خیر مقدم کریں گے"۔

کشمیر کمیٹی ایک عرصے تک باقاعدگی سے کام کرتی رہی اور اس دوران میں قادیانیوں کی سرگرمیاں بھی ریاست میں زور پکڑتی گئیں۔ اس عرصے میں کمیٹی میں شامل ہونے والے مسلم زعماء کو اس امر کا اندازہ ہو چلا تھا کہ مرزا بشیر الدین محمود کمیٹی کو کشمیری مسلمانوں کے مفاد سے زیادہ اپنے جماعتی مفاد میں استعمال کر رہے ہیں۔ کمیٹی کا کوئی دستور بھی نہیں تھا اور صدر کو غیر معمولی اختیارات دے دیے گئے تھے۔ اس کمی کو بھی پورا کرنا پیش نظر تھا' چنانچہ نئے عہدیدار منتخب کرنے کے لیے اور کمیٹی کا باقاعدہ دستور مدون کرنے کے لیے لاہور میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا دوسرا اجلاس ہوا۔ اس میں مجلس احرار کے بعض راہنماؤں نے بھی شرکت کی۔ اجلاس میں جب یہ مطالبہ کیا گیا کہ کمیٹی کا باقاعدہ ایک دستور مرتب کیا جائے تو قادیانی حضرات نے اس کی پرزور مخالفت کی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ دستور مرتب کرنے سے دراصل ان کو علیحدہ کیا جانا مقصود ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے بطور احتجاج کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا تو دوسرے قادیانی حضرات نے بھی کمیٹی کے کاموں میں دلچسپی لینا بند کر دی اور عملاً کمیٹی سے بائیکاٹ کر دیا۔ حتیٰ کہ جو قادیانی وکلاء ریاست میں مسلمانوں کے مقدمات لڑ رہے تھے' وہ مقدمات کو ادھورا چھوڑ چھاڑ کر واپس چلے آئے۔

علامہ اقبال کشمیر کے مسلمانوں کی قانونی امداد کے لیے لاہور اور بیرون لاہور کے متعدد وکلاء کو ریاست میں بھیج رہے تھے۔ ان ہی وکلاء میں پٹنہ کے جناب نعیم الحق صاحب بھی تھے جنہیں علامہ مرحوم نے دو

تین مقدمات کی پیروی کے لیے جموں جانے کو کہا تھا۔ ابھی نعیم الحق صاحب جموں کے لیے رخت سفر باندھ ہی رہے تھے کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے ایما پر ان مقدمات کو سر ظفر اللہ خان نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ علامہ اقبال اس پر 9 فروری 1933ء کو نعیم الحق صاحب کو اطلاع دیتے ہیں:

"جس مقدمے کی پیروی کے لیے میں نے آپ سے درخواست کی تھی' اس کی پیروی چودھری محمد ظفر اللہ خان کریں گے۔ عبدالحمید صاحب نے مجھے یہ اطلاع دی ہے اور میں نے یہ ضروری سمجھا کہ آپ کو ہر قسم کی زحمت سے بچانے کے لیے فی الفور آپ کو مطلع کرنا چاہیے۔ چودھری ظفر اللہ خان کیوں اور کس کی دعوت پر وہاں جا رہے ہیں' یہ مجھے معلوم نہیں۔ شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگ ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں"۔

(بحوالہ رئیس احمد جعفری "اقبال اور سیاست ملی" صفحہ 6-159)

اس کے بعد مرزا صاحب کشمیر کمیٹی سے الگ ہو گئے تو سر ظفر اللہ خان بھی مقدمات کی پیروی چھوڑ چھاڑ کر واپس آ گئے۔ اس پر علامہ اقبال نے اپنے ایک اخباری بیان میں بڑا ہی دلچسپ تبصرہ فرمایا ہے:

"بدقسمتی سے کمیٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مذہبی فرقے کے سوا کسی دوسرے کا اتباع کرنا سرے سے گناہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ احمدی وکلاء میں ایک صاحب' جو میرپور کے مقدمات کی پیروی کر رہے تھے' حال ہی میں اپنے بیان میں واضح طور پر اس خیال کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے صاف طور پر کہا کہ وہ کسی کشمیر کو نہیں مانتے اور جو کچھ

انہوں نے یا ان کے ساتھیوں نے اس ضمن میں کیا' وہ ان کے امیر کے حکم کی تعمیل تھی۔۔۔۔ میں کسی صاحب پر انگشت نمائی نہیں کرنا چاہتا۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ سے کام لے اور جو راستہ پسند ہو اسے اختیار کرے۔ حقیقت میں مجھے ایسے شخص سے ہمدردی ہے جو کسی روحانی سہارے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کسی مقبرہ کا مجاور یا کسی زندہ نام نہاد پیر کا مرید بن جائے"۔

(بحوالہ ایضاً' ص 303)

کشمیر کمیٹی کے خاتمے کے بعد قادیانیوں نے ایک ادارہ "تحریک کشمیر" کے نام سے قائم کرنا چاہا اور علامہ اقبال سے درخواست کی کہ وہ اس کے صدر بنیں۔ محمد احمد خاں "اقبال کا سیاسی کارنامہ" میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب قادیانی تحریک کے سخت مخالف بن چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تحریک کشمیر کے نام سے قادیانی حضرات اپنے عقائد کی نشر و اشاعت کرنا چاہتے ہیں' اس لیے انہوں نے اس Offer کو قبول کرنے سے انکار کر دیا"۔

(صفحہ 185)

علامہ اقبال نے کشمیر کمیٹی کے دوران قادیانیوں کی سرگرمیوں کا گہرا جائزہ لیا تھا اور کشمیر کمیٹی کے یہ واقعات اس لحاظ سے بھی اہم ہیں کہ ان ہی واقعات کے بعد ڈاکٹر صاحب نے قادیانی تحریک کی سختی سے مخالفت شروع کر دی۔

کشمیر کمیٹی کی سرگرمیاں 1935ء تک جاری رہیں۔ اس دوران

میں برطانوی حکومت کے اہتمام میں کشمیری مسلمانوں کے مسائل کا جائزہ لینے کے لیے گلانس کمیشن بھی قائم کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی 1935ء میں روس کے چینی ترکستان کے شہر سنکیانگ پر قبضے کے فوراً بعد حکومت ہند نے گلگت اور اس سے ملحقہ علاقے مہاراجہ کشمیر سے ساٹھ سال کے ٹھیکے پر براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لیے۔ کشمیر کمیٹی کی وساطت سے قادیانیوں نے کشمیری سیاست میں جو سرگرم حصہ لیا' بعض وجوہات کی بنا پر' جن میں علامہ اقبال کی دور اندیشی اور احرار کی بروقت تحریک کو بھی دخل تھا' قادیانی اس کمیٹی سے پوری طرح وہ فوائد حاصل نہ کر سکے جو ان کے پیش نظر تھے۔ لیکن ان کی کوششیں رائیگاں بھی نہیں گئیں۔

1- تحریک میں حصہ لینے سے قادیانیوں نے کشمیری راہنماؤں سے براہ راست روابط قائم کر لیے اور مالی امداد دے کر انھیں اپنا ممنون احسان بنا لیا۔

2 - اس صورت حال میں ان کے لیے ریاست میں تبلیغ کرنا آسان ہو گیا۔ ریاست کشمیر میں قادیانیت کی دعوت 1931ء کے بعد ہی پھیلنا شروع ہوئی۔

3- 1947ء کی تحریک آزادی میں قادیانیوں کی شمولیت زیادہ واضح اور موثر ہو گئی۔ اس وقت بھی اس کی راہنمائی خود مرزا بشیر الدین محمود کر رہے تھے اور محاذ کشمیر پر احمدیوں کا ایک فوجی دستہ "فرقان بٹالین" کے نام سے موجود تھا۔ (بحوالہ کلیم اختر' شیر کشمیر محمد عبداللہ' ص 143)

4 - یہ 1931ء کی تحریک میں شمولیت ہی کا نتیجہ تھا کہ 4 اکتوبر 1947ء کو ریاست کشمیر میں جماعت احمدیہ کے صدر خواجہ غلام نبی گلکار آزاد کشمیر حکومت کے پہلے صدر بنے اور اس طرح کشمیر کو قادیانی

ریاست بنانے کا پہلا پتھر رکھنے کی کوشش کی گئی۔ خواجہ غلام نبی گلکار نے مارشل لاء کے دوران آزاد کشمیر کے صدارتی انتخابات میں بھی کے۔ ایچ خورشید اور سردار عبدالقیوم کے مقابلے میں حصہ لیا تھا لیکن چند ووٹوں سے زیادہ حاصل نہ کر سکے۔

5- 1947ء میں خواجہ غلام نبی گلکار کی صدارت اگر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آزاد علاقے کے ساتھ ساتھ مقبوضہ کشمیر میں بھی ایک انڈر گراؤنڈ قادیانی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ غلام نبی گلکار نے اس انڈر گراؤنڈ حکومت کے جن عہدیداروں کا اعلان کیا' ان کی اکثریت' جماعت احمدیہ کے عقائد سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھتی تھی۔ (بحوالہ کلیم اختر' کتاب مذکورہ بالا' ص 143) ان میں گورنر کشمیر' ڈیفنس سیکرٹری' انسپکٹر جنرل پولیس' ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس' وزیر تعلیم' وزیر زراعت' وزیر صحت' وزیر انصاف' ڈائریکٹر میڈیکل سروسز اور چیف انجینئر کے عہدے تو واضح طور پر قادیانی حضرات کے پاس تھے"۔

(بہ شکریہ ہفت روزہ "چٹان" لاہور' 26 فروری 1968ء ---

مضمون نگار مولانا ممتاز احمد صاحب' ادارہ معارف اسلامی' کراچی)

"مسئلہ کشمیر اور فتنہ قادیانیت" کے موضوع پر ڈاکٹر سبطین لکھنوی لکھتے ہیں:

کشمیر جنت نظیر کے مسلمانوں میں آج ایک بے چینی نظر آتی ہے۔ پوری وادی پر کرب و اضطراب کا عالم طاری ہے۔ لیکن دعوتی سامراج سے ایک کامیاب ترین "ڈگری" حاصل ہو جانے کے باوجود "فتح و کامرانی" کے اس مسلم بلینک چیک (Muslim Blank Cheque) کی ناداری اور کم مائیگی کا عالم یہ ہے کہ کفر کا ہر غلیظ اور ناپاک ہاتھ اس "بلینک چیک" کی طرف لپک لپک کر' آگے بڑھ رہا ہے اور ایک "فاتح" ہونے کے باوجود' بے چارہ کشمیری مسلمان۔ دل گیر و دل نواز و دل گرفتہ کا سراپا بن کر اس سوچ میں گم ہے کہ

1- وادی کشمیر کا مسلمان آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اگر ڈوگرہ شاہی کی چتا میں جل رہا تھا تو

2- تحریک پاکستان کے دور میں بھی خطہ کشمیر کا فرزند اسلام آتش چنار کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی لپیٹ میں گھرا ہوا ہے اور آج

3- برصغیر پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کو آزادی مل جانے کے باوجود' اس آزادی کے نصف صدی بعد بھی کشمیری مسلمان ہی استعمار کی آگ میں جل رہا ہے۔۔۔ آخر کیوں؟

ع کوئی بتائے کہ یہ فسانہ سنائیں ان کو کہاں سے پہلے

کشمیری مسلمانوں کی ٹوٹتی ہوئی سوچ کے اس خلا میں صلیبی استعمار کی سیاسی مصلحتوں نے اپنے ڈیرے جما لیے ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کے اس "فاتحانہ بلینک چیک" کو یہودیت نواز' طاغوت پرست سامراج کی انہی شیطانی مصلحتوں نے داخلی اور خارجی خطرات کے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

صاف صاف نظر آ رہا ہے کہ عالمی استعمار کشمیر جنت نظیر کے حصے بخرے کرنے پر تلا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وادی کا کچھ حصہ اپنے ان وفادار گماشتوں کو بھی بطور بخشش عطا فرما دے کہ جن کے پیمان وفا کی تاریخی خصوصیت پر' گزشتہ سو سال سے

صلیبی استعمار کو مکمل بھروسے اور کامل یقین کا ثبت دوام حاصل ہے۔ صلیبی استعمار کے پیدا کردہ ان داخلی اور خارجی خطرات کی توضیح کے لیے میں روزنامہ جنگ کے معروف تبصرہ نگار جناب اظہر سہیل کے چند ایک اقتباس پیش کروں گا جو انہوں نے حال ہی میں قوم کے سامنے پیش کئے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں۔

مسئلہ کشمیر کی آخری صورت کشمیر بنے گا خود مختار؟

"مسئلہ کشمیر نے اپنی آخری صورت اختیار کرلی ہے ـــــ دونوں طرف آزادی مانگنے والے عوام پر تشدد ہونے کے بعد دونوں طرف سے یہ نعرہ سامنے آگیا کہ "کشمیر بنے گا خود مختار" اب وہ پرانا بھارتی نعرہ بھی ختم ہوگیا جس میں کہا جاتا تھا "کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے" اور وہ پرانا پاکستانی نعرہ بھی بے معنی ہوگیا جس میں کہا جاتا تھا "کشمیر بنے گا پاکستان" اب تو نواز شریف نے بھی "خودمختار کشمیر" کو تسلیم کرنے کی وہی بات کہہ دی ہے جو بے نظیر بھٹو کہہ چکی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ پچھلے سال اپنے انہی کالموں میں اور "جنگ پبلشرز" کی طرف سے شائع ہونے والی "مارکس ازم" اپنی کتاب میں' میں نے افغانستان' کشمیر بھارت کے دیگر صوبوں اور پاکستان کے صوبوں کے بارے میں یہ باتیں لکھی تھیں جو آج عملی صورت میں آرہی ہیں۔ تو تب کچھ ایسے لوگ جو سیاست اور صحافت میں مینڈکوں کی طرح داخل ہو چکے ہیں۔ میری باتوں کے خلاف "ٹریں ٹریں" کرتے رہتے تھے اب دیکھ لیجئے پچھلے ایک دو ہفتوں میں کیا کچھ ہوچکا ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" نادر' سیاسی ایڈیشن' مضمون بعنوان "مسئلہ کشمیر سے قومی حکومت تک")

مسئلہ کشمیر کے بارے میں پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں کے نعروں میں یہ حیرت انگیز تبدیلی کیوں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنے مضمون بین السطور میں جناب

اظہر سہیل انکشاف کرتے ہیں:

بدلتے ہوئے حالات کے مطابق وادی کشمیر کے بارے میں نیا امریکی پلان

"اب بدلے ہوئے حالات میں مغربی طاقتوں بالخصوص امریکہ کو' ایک ایسے اڈے کی ضرورت ہے جہاں سے بہ یک وقت عوامی جمہوریہ چین' افغانستان اور "وسطی ایشیائی ریاستوں" پر کڑی نظر رکھی جا سکے اور جموں و کشمیر کے شمالی علاقوں کو' اپنے اڈوں کے قیام کے لیے موزوں ترین خطہ قرار دیا جا سکے۔ اب تصفیہ طلب بات یہ رہ گئی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو خود مختار ملک بنانے اور امریکہ کے زیر اثر رکھنے کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کی جائے گی؟ اس سلسلے میں پہلی ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ کنٹرول لائن کے دو طرف کے علاقوں میں ریاست جموں و کشمیر کی خود مختاری کے نظریے کو مقبول عام بنایا جائے ــــــ اس ابتدائی عمل کے بعد امریکی منصوبہ بندی سے واقفیت رکھنے والے سفارتی حلقوں کے کہنے کے مطابق دوسرا مرحلہ یہ ہو سکتا ہے کہ پاکستان اور بھارت کو' جموں و کشمیر کو خود مختار ملک کے طور پر تسلیم کرنے پر مجبور کرنے کے لیے ایک باقاعدہ جنگ کا انتظام کیا جائے گا اور جنگ بندی کے بعد کسی اور معاہدہ "تاشقند" یا "معاہدہ شملہ" یا "معاہدہ کیمپ ڈیوڈ" کے ذریعے امریکہ کی سرپرستی "خود مختار کشمیر" کی دستاویز پر دستخط کرا لیے جائیں گے"۔

(ایضاً حرف آخر کالم 16 روزنامہ "جنگ" لاہور)

فاضل مضمون نگار نے اس حقیقت کو واضح طور پر تسلیم کیا ہے کہ امریکہ نے وادی کشمیر میں اپنے اس پلان کی تکمیل کے لیے پاکستان کی ایک مذہبی جماعت کے روحانی پیشوا کو' اپنا ہم نوا بنا لیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ

ایک مذہبی فرقے کا روحانی پیشوا اور امریکی پلان کی ہم نوائی

"بعض ذرائع کے مطابق شمالی علاقوں کے رہنے والے ایک فرقے کے روحانی پیشوا کو بھی اس منصوبے کا ہم نوا بنایا جا رہا ہے اور مبینہ طور پر وہ بھی اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

(ایضاً' کالم 5' روزنامہ "جنگ" لاہور)

جناب اظہر سہیل کا واضح اشارہ اسماعیلی دھرم کے روحانی پیشوا' جناب شہزادہ عبدالکریم کی طرف ہے۔ لیکن گزشتہ ایک صدی پر مشتمل قادیانی دھرم کی کشمیر کے ساتھ سیاسی دلچسپی اور پوری وادی کو ایک قادیانی العقیدہ سیاسی اسٹیٹ بنا لینے کی قادیانی تمناؤں اور آرزوؤں کی تاریخ سے چونکہ وہ ناواقف ہیں۔ اس لیے اس جماعت کے روحانی پیشوا میرزا طاہر قادیانی کی حالیہ بھارت یاترا اور مسلسل تین دن تک بھارتی ذرائع ابلاغ کے اس پراپیگنڈے کو کہ "میرزا طاہر سے خدا ہم کلام ہوتا ہے" سرے سے نظرانداز کر گئے ہیں۔

ہماری بصیرت کے مطابق وادی کشمیر کو ایک نئی شکل دینے اور "کیمپ ڈیوڈ" قسم کے کسی جدید معاہدے کے تحت جموں و کشمیر کو ایک علیحدہ مملکت بنانے کے اس امریکی پلان میں اگر کوئی مذہبی جماعت امریکہ بہادر کی غیر مشکوک اور حقیقی معاون بن سکتی ہے۔ تو وہ ہے نام نہاد احمدی جماعت ——— یعنی صلیبی استعمار کی خود ساختہ قادیانی جماعت۔ وادی کشمیر میں قادیانی العقیدہ حکومت کے استحقاق کے بارے میں میرزا محمود قادیانی (خلیفہ دوئم قادیان) کے عزائم کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر دوست محمد قادیانی "تاریخ احمدیت" میں لکھ چکے ہیں کہ حسب ذیل پانچ امور کی بنا پر کشمیر جنت نظیر کے ٹکڑے پر حکومت کرنے کا حق صرف اور صرف قادیانی جماعت کو حاصل ہے چنانچہ ملاحظہ ہو کہ خلیفہ ثانی قادیان کشمیر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

وادی کشمیر میں قادیانی حکومت قائم کرنے کے بارے میں میرزا محمود قادیانی کے پانچ بنیادی استحقاق

1- وہاں مسیح اول دفن ہیں۔ اور مسیح ثانی (میرزا قادیانی) کے پیروؤں کی بڑی جماعت آباد ہے۔

2- وہاں تقریباً 80 ہزار' احمدی (قادیانی) آباد ہیں۔

3- جس ملک میں دو مسیحوں کا دخل ہو۔ اس ملک کی قربان روائی کا حق احمدیوں (قادیانیوں) کو پہنچتا ہے۔

4- مہاراجہ رنجیت سنگھ نے' نواب امام الدین کو "گورنر بنا کر" کشمیر بھیجا تھا تو ان کے ساتھ میرزا غلام احمد قادیانی کے والد بطور مددگار بھیجے گئے تھے۔

5- حکیم نورالدین خلیفہ اول (قادیانی جماعت) میرزا محمود کے استاد اور خسر' شاہی حکیم کے طور پر کشمیر میں ملازم رہے تھے"۔

("تاریخ احمدیت" جلد 6' ص 345 تا 479' مرتبہ دوست محمد شاہد)

1947ء میں جب مظلوم کشمیری مجاہدین (سابق صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم' موجودہ وزیراعظم سردار عبدالقیوم خان' کیپٹن شیر خان اور میجر محمد اسلم خان کی زیر قیادت) ڈوگرہ سامراج کے خلاف آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے تو سری نگر شہر سے صرف 35 میل دور انہیں ایک دردناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے اندر بھگدڑ مچ گئی اور مجاہدین دل برداشتہ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے روزنامہ آزاد لاہور لکھتا ہے۔

مجاہدین کشمیر کے ساتھ قادیانی فوج فرقان بٹالین کی شرمناک غداری

"تنسیخ جہاد کا عقیدہ رکھنے والے امت میرزائیہ نے "فرقان بٹالین"

کے نام پر، میرزائیوں کی جدا فوج بنا کر "جہاد کشمیر" میں جو کچھ کیا اور ہندوستان کی جو خدمات انجام دیں۔ مسلم مجاہدین کی جوانیوں کا جس شرمناک طریق پر سودا چکایا۔ اس پر خون کے آنسو بھی بہائے جائیں تو کم ہیں۔ مجاہدین کے کیمپ میں جو اسکیم بنتی۔ فوراً ہندوستان پہنچ جاتی۔ جہاں مجاہدین مورچے بناتے دشمن کو پتہ چل جاتا اور جہاں مجاہدین ٹھکانہ کرتے، وہیں ہندوستانی ہوائی جہاز پہنچ جاتے"۔

(روزنامہ "آزاد" لاہور' 7 اپریل 1950ء)

جناب کلیم اختر 1947ء میں وادی کشمیر کو ایک خاص "قادیانی حکومت" بنا لینے کے ربوائی منصوبے کا انکشاف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

مجاہدین کشمیر کو شکست دلا کر آزاد کشمیر میں قادیانی حکومت بنا دی گئی

"1947ء کی تحریک آزادی میں قادیانیوں کی شمولیت زیادہ واضح اور موثر ہو گئی۔ اس وقت بھی (قادیانیوں کا) ایک فوجی دستہ "فرقان بٹالین" کے نام سے موجود تھا۔ یہ 1931ء کی تحریک (اس تحریک کا ذکر آگے چل کر آئے گا ـــــ لطف اللہ منہ لکھنوی) میں شمولیت کا نتیجہ تھا کہ 4 اکتوبر 1947ء کو ریاست کشمیر میں جماعت احمدیہ (قادیانی جماعت) کے صدر خواجہ غلام نبی گلکار' آزاد کشمیر حکومت کے پہلے صدر بنے اور اس طرح کشمیر کو قادیانی ریاست بنانے کا پہلا پتھر رکھنے کی کوشش کی گئی۔ غلام نبی گلکار کی صدارت اگر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آزاد علاقے کے ساتھ ساتھ مقبوضہ کشمیر میں بھی ایک انڈر گراؤنڈ حکومت کے جن عہدہ داروں کا اعلان کیا ان کی اکثریت جماعت احمدیہ (قادیانی جماعت) کے عقائد سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھتی تھی۔ ان میں گورنر' مشیر'

ڈیفنس سیکرٹری' انسپکٹر جنرل پولیس' ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس' وزیر تعلیم' وزیر زراعت' ان میں گورنر' مشیر' ڈیفنس سیکرٹری' انسپکٹر جنرل پولیس' ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس' وزیر تعلیم' وزیر زراعت' وزیر صحت' وزیر انصاف' ڈائریکٹر میڈیکل سروسز' چیف انجینئر کے عہدے تو واضح طور پر کادیانی حضرات کے پاس تھے"۔

(کتاب "شیر کشمیر" شیخ محمد عبداللہ' ص 146 از کلیم اختر' سندھ ساگر اکیڈمی' لاہور)

سابق سیکرٹری حکومت آزاد کشمیر قدرت اللہ شہاب علیہ الرحمہ وادی کشمیر میں کادیانی غداری اور مجاہدین کشمیر کی غیر متوقع پسپائی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 1947ء میں کشمیری مجاہدین کی بے وقت پسپائی نتیجہ تھی اس سانحے کا کہ کادیانیوں کے منظم گروہ نے نقشہ کالم کا روپ دھار لیا تھا۔

"چوتھی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بھارتی نقشہ کالم کے علاوہ کادیانیوں کے ایک منظم گروہ (یعنی فرقان بٹالین) نے بھی اس موقع پر' مسلمانوں کے ساتھ غداری کو' عملی جامہ پہنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اصلی آزاد کشمیر گورنمنٹ تو 24 اکتوبر 1947ء کے روز قائم ہوئی تھی لیکن پونچھ میں جہاد کا رنگ اور رخ بھانپ کر' غلام نبی گلکار نامی ایک کشمیری کادیانی نے بیس روز قبل ہی 4 اکتوبر کو اپنی صدارت میں "آزاد جمہوریہ کشمیر" کے قیام کا اعلان کر دیا تھا۔ غالباً یہ اعلان راولپنڈی صدر کے ایک ہوٹل "ڈوان" میں بیٹھ کر کیا گیا تھا۔ اسی ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے مسٹر گلکار نے اپنی تیرہ رکنی کابینہ بھی منتخب کر لی تھی۔ جو زیادہ تر ایسے افراد پر مشتمل تھی جن کا تعلق کادیانی مذہب سے تھا۔ اس اعلان کے دو روز بعد' 6 اکتوبر کو گلکار مظفر آباد کی راہ سے سری نگر پہنچ گیا جہاں پر اس کی ملاقاتیں شیخ عبداللہ سے بھی ہوئیں۔ اس کے بعد سری نگر میں اس کی حرکات و سکنات عام طور پر' پردۂ راز میں رہیں۔ لیکن باور کیا جاتا ہے

کہ "بارہ مولا" سے سری نگر کی جانب مجاہدین کی پیش قدمی سے قادیانیوں کے اپنے منصوبے خاک میں مل گئے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ جنت ارضی بلا شرکت غیرے قادیانیوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ "پاکستان" جانے والی ہے تو انہوں نے بھی ففتھ کالم کا روپ دھار کر' اس امکان کو ملیا میٹ کر دیا۔ میرے خیال میں یہ سب اندازے اور قیاس آرائیاں کسی نہ کسی حد تک حقائق پر مبنی ہیں۔ کشمیر کے محاذ سے مجاہدین کی غیر متوقع بے محل اور بے وقت پسپائی ان سب وجوہات کا اجتماعی نتیجہ تھیں"۔

("شہاب نامہ" ص 385 ' 388 از قدرت اللہ شہاب)

قادیانیت کے ففتھ کالم منظم کردہ "فرقان بٹالین" کے بارے میں مزید انکشافات جناب ملک محمد شریف ان چونکا دینے والے الفاظ میں کرتے ہیں۔

قادیانی جماعت کی فوج فرقان بٹالین نے بھارت کی جاسوسی کی اور متعدد شرمناک کارروائیوں میں حصہ لیا۔ جناب نذیر حسینؒ شاہ کے متبادل غلام نبی گلکار قادیانی نے قادیانی حکومت بنانے کا اعلان کیا۔

1947ء میں کشمیر کا مسئلہ عالمی صورت اختیار کر گیا میرزا محمود (خلیفہ دوئم قادیانی) نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ایک نیم فوجی تنظیم "فرقان بٹالین" تیار کی۔ جس نے بھارت کی جاسوسی اور دیگر کئی شرمناک کارروائیوں میں حصہ لیا۔ حریت پسند کشمیری خصوصاً پونچھ کے غیور عوام کو ایک طرف "ڈوگرہ سامراج کا سامنا تھا تو دوسری طرف قادیانی شرپسندوں سے مقابلہ تھا۔ ان مذموم حرکتوں سے تنگ آ کر' مسلم کانفرنس کے جنرل سیکرٹری مسٹر آفتاب احمد نے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کی شرمناک حرکات کا نوٹس لیا جائے۔ ان (قادیانیوں) کی جاسوسی اور تخریب کاری کی روک تھام کی جائے اور ان کو جنگ آزادی کو سبوتاژ کرنے سے روکا جائے۔ جب کشمیری (مسلم) عوام کی جدوجہد سے پونچھ کے بڑے علاقے کو' آزاد کرا

کے' "آزاد کشمیر حکومت کی بنیاد رکھی گئی اور جناب نذیر حسین شاہ سابق وزیر آزاد کشمیر نے اس کا اعلان ایک فرضی نام "انور" سے کیا تو اس وقت کادیانی "آزاد کشمیر میں "فرقان بٹالین" کی سازشوں سے (کشمیر پر) قبضہ جمانے میں معروف تھے مسٹر گریسی (سابق انگریز کمانڈر انچیف ــــ مؤلف) جس نے قائد اعظم کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ان (کادیانیوں کی) بالواسطہ امداد کر رہا تھا۔ اس نے پاکستان سے جاتے ہوئے کادیانیوں کو ایک "سرٹیفکیٹ" دیا۔ جس میں "فرقان بٹالین" کے کارناموں کی تعریف کی گئی ہے۔

اس (سرٹیفکیٹ) کی فوٹو کاپی "تاریخ احمدیت" میں موجود ہے۔ غرضیکہ ایک طرف کادیانی سازش میں معروف تھے تو دوسری طرف میرزا محمود کادیان سے برطانوی امداد اور سر ظفراللہ خان کے ہم زلف میجر جنرل نذیر کی کاوشوں سے برقعہ پوش حالت میں فرار ہو کر' لاہور' رتن باغ پہنچنے کے بعد پاکستان کے طول و عرض میں کشمیر کے لیکچر دینے اور رائے عامہ کو گمراہ کرنے میں معروف تھا۔ حد یہ ہے کہ کشمیر میں سازشوں کی ناکامی کے بعد خواجہ غلام نبی گلکار کادیانی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ دراصل میرزا محمود (خلیفہ کادیان) کشمیر کی آزادی کا ہیرو ہے اور "انور" نام سے جو "آزاد حکومت" کا اعلان ہوا۔ وہ خواجہ غلام نبی گلکار "انور" تھا۔ ڈھٹائی کی انتہا یہ ہے گلکار نے واصل جہنم ہونے تک اپنے نام کے ساتھ لفظ "انور" کا اضافہ کر کے تحریک آزادی کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔ کادیانیوں کی سازشوں ہی سے گورداس پور کا علاقہ بھارت کو ملا اور کشمیر پر غاصبانہ قبضہ جمانے کا راستہ ملا"۔

(مضمون "کادیانی اور مسئلہ کشمیر" ص 24' از ملک محمد شریف مطبوعہ ہفت روزہ "چٹان" لاہور' اشاعت 19 جولائی 1976ء)

"فرقان بٹالین" کیا ہے؟ پاکستان اور خود آزاد کشمیر کے مسلمانوں کے مسلسل احتجاج کی بنا پر' جب اس وقت کی پاک فوج کے انگریز کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے اس قادیانی بٹالین کو توڑ دینے کا اعلان کر دیا تو وہ سرکاری رائفلیں کہاں گم ہو گئیں۔ جو اس قادیانی کور یا تنظیم کے سپرد کی گئی تھیں؟

ربوہ کی پہاڑیوں کی اوٹ میں قادیانی فوج کی پریڈ۔ مرزائیوں کے حساب سے "بارود" کی قادیانی خریداری کے بارے میں روزنامہ "آزاد" لاہور کے اڈیٹر' اور مجلس احرار اسلام کے راہنما ماسٹر تاج الدین انصاری علیہ الرحمہ کا دلچسپ اور اچھوتا تبصرہ ملاحظہ ہو۔ مرحوم و مغفور لکھتے ہیں۔

قادیانی فوج "فرقان بٹالین" توڑ دی گئی۔ لیکن وہ سرکاری رائفلیں آج تک غائب ہیں جو رائفلیں استعمال کے لیے اس قادیانی فوج کو دی گئی تھیں۔

"کشمیر میں تحریک کے بعد' میرزا محمود (خلیفہ دوئم قادیان) نے اپنی انفرادیت قائم رکھنے اور انفرادیت سے فائدہ اٹھانے کے لیے۔ میرزائی نوجوانوں کی "فرقان بٹالین" قومی محاذ پر پہنچا دی۔ ادھر "الفضل" نے "فرقان بٹالین" کا پراپیگنڈہ کیا۔ ادھر احرار نے خطرے کا الارم کیا اور حکومت اور عوام کو خبردار کیا کہ دیکھو میرزا محمود کس طرح فوج کو متاثر کر رہا ہے؟ پراپیگنڈہ اس قدر تیز ہوا کہ احرار راہنماؤں نے پشاور سے لے کر کراچی تک ڈانڈے ملا دیے۔ مجبور ہو کر انگریز کمانڈر انچیف کو "فرقان بٹالین" توڑنا پڑی۔ مگر یہ میرزائی بٹالین' اب تک یہ ثابت نہ کر سکی کہ وہ سرکاری رائفلیں کہاں ہیں۔ جو انھیں بٹالین میں استعمال کے لیے دی گئی تھیں۔ ان رائفلوں کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوئیں۔ مگر اس وقت کی حکومت ان اعتراضات کو ٹھنڈا شربت سمجھ کر پی گئی۔ بٹالین ربوے واپس آئی تو اس کا استقبال ہوا اور اس کے بعد "ربوے" کی پہاڑیوں کی اوٹ میں فوجی پریڈ ہونے لگی۔ ان پریڈوں کے اثرات کا یہ نتیجہ ہوا کہ میرزا

محمود صاحب کو بڑے مزیدار خواب آنے لگے۔ فوجی رائفلیں تو غیر فوجی ہوتی ہیں امت میرزائیہ کے پاس لائسنس کا اسلحہ بھی کافی ہے۔ لائسنس کے اسلحہ کے لیے چونکہ کارتوس کی تعداد مقرر ہے۔ اس لیے ان سے گزارہ نہیں چلتا۔ خصوصاً اس صورت میں جب "بٹالین بازی" اور فوجی تیاریوں کا شوق حد سے بڑھ جائے تو گنتی کے کارتوس کام نہیں دیتے۔ "ربوے" میں کسی مسلمان کو بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت ہے۔ ممانعت نہ بھی ہو کس کا دماغ پھرا ہے کہ وہ پرائے قلعے میں داخل ہو کر خطرہ مول لے اور اندر جا کر دیکھے کہ اس نئی بستی میں جو خشک پہاڑیوں کی آغوش میں واقع ہے۔ کیا ہو رہا ہے؟ بہرحال انسانی آنکھ نے کسی نہ کسی طرح اندر جا کر دیکھ ہی لیا کہ "ربوہ" دراصل میرزائیوں کی چھاؤنی ہے۔ کارتوس ختم ہوئے تو میرزائیوں کو "دیسی ہتھکنڈوں" کی سوجھی۔ کارتوس بنانے کی مشینیں عام طور پر دستیاب ہو جاتی ہیں۔ ان کے یہاں وہ مشین لگ گئی ہو گی۔ یہ بات ہم اس لیے کہتے ہیں کہ ایک روز میرزائیوں نے چنیوٹ کے آتش باز سے جس کے پاس بارود کا لائسنس تھا ۳ ایک من دس سیر اور شاید دو چھٹانک بارود خریدا احرار کو پتہ چلا تو انہوں نے کسی نہ کسی طرح رجسٹر کے اندراجات دیکھے۔ کسی تفتیش کے سلسلے میں تھانیدار سے بات ہوئی تو معاملہ طول پکڑ گیا۔ تھانیدار نے تحقیقات شروع کر دی۔ پولیس ربوے میں بھی جا گھسی معلوم ہوا کہ وہاں بارود خریدا گیا ہے۔ اس خریداری کا جواز ہمیں آج تک کوئی نہ بتا سکا۔ خواجہ ناظم الدین (سابق وزیراعظم پاکستان) بھی آئیں بائیں شائیں کر کے بات کو ٹالتے رہے۔ عوام بیدار ہو گئے مگر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ میرزائیوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کے خوفناک ارادے عریاں ہونے لگے ——— وزراء اپنے نشے میں مست تھے الا ماشاء اللہ احرار کیجے بکرے پھرتے تھے کہ

ملک و ملت کو کس طرح میرزائیت کے چنگل سے چھڑایا جائے؟“۔

(”تحریک ختم نبوت 1953ء“ ص 80 تا 82 از مولانا اللہ وسایا)

تعجب انگیز امر یہ ہے کہ جہاں کلوایتیوں کی فرقان بٹالین آج تک یہ ثابت نہیں کر سکی کہ وہ سرکاری رائفلیں کہاں ہیں‘ جو انہیں جہاد کشمیر کے دوران میں انہیں استعمال کرنے کے لیے حکومت پاکستان کی طرف سے دی گئی تھیں‘ وہاں نصف صدی گزر جانے کے باوجود آج تک یہ معمہ بھی حل نہیں ہو سکا کہ ٹھیک انہی دنوں میں ایک کلوایائی فوجی آفیسر نے کوہاٹ چھاؤنی میں خودکشی کیوں کر لی تھی؟ احرار کے کہنہ مشق صحافی ماسٹر تاج الدین انصاری علیہ الرحمہ دبے دبے الفاظ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ۔

سرکاری رائفلیں غائب کیوں؟ اور کوہاٹ میں میرزائی فوجی آفیسر نے خودکشی کیوں کی؟ یہ دونوں معمے آج تک ایک سربستہ راز ہیں۔

”آزاد کشمیر سے اطلاع موصول ہوئی کہ وہاں مسلمانوں کی آپس میں دھڑا بندی اور چپقلش ہو رہی ہے احرار کا ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے جہاں اس قسم کی گڑبڑ ہو۔ اس میں اکثر بیگانہ ہاتھ ہوتا ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اکثر کلیدی اسامیوں پر‘ میرزائیوں حضرات کا قبضہ ہے۔ ہمیں اس اطلاع سے سخت تشویش ہوئی۔ آزاد کشمیر میں بعض واقعات ایسے رونما ہوئے جنہیں دبا دیا گیا۔ ہم بھی انہیں نظر انداز ہی کر رہے ہیں۔ انہی دنوں کوہاٹ میں ایک خطرناک حادثہ پیش آیا۔ اس کا تعلق فوج سے تھا۔ یہاں ایک میرزائی فوجی آفیسر نے خودکشی کر لی تھی۔ اس واقعہ کی خبر ”انقلاب“ پشاور میں شائع ہوئی۔ ہم نے اس خبر کو پڑھا تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ”آزاد“ میں ”انقلاب“ کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی تو جس نے اس خبر کو پڑھا‘ سناٹے میں آ گیا۔ مسلمانوں نے میرزائیوں کو غیر معتبر سمجھنا شروع کر دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا محمد عبداللہ‘ ایڈیٹر

"الفتاح" کو مقامی حکام نے بلا کر کہا کہ "آپ نے یہ خبر کیوں شائع کی؟"
مولانا نے کہا "یہ صحیح خبر ہے' اس لیے میں نے اسے شائع کر دیا تھا"۔
بہرحال انھیں کہا گیا کہ "ایسی خبریں شائع کرتے وقت ذرا احتیاط سے کام لینا چاہیے"۔

(ایضاً' ص 78)

سرکاری دانشیں گم تھیں۔ لیکن "ربوہ" شہر کی پہاڑیوں کے اوٹ میں "کلویانی چھاؤنی" قائم ہو چکی تھی۔ منوں کے حساب سے "بارود" خریدا جا رہا تھا۔ کوہاٹ میں ایک کلویانی فوجی انجینئر نے خودکشی کر لی تھی تو کیا ہوا باقی کلویانی افسر تو اونچے عہدوں پر موجود تھے۔ کادیانی جماعت کے سرکاری ذرائع ابلاغ نے میرزائی فوجی آفیسرز پر مشتمل ناموں کی فہرست کا پمفلٹ شائع کر دیا جب امت محمدیہ کے دانشور' ان کادیانی حرکات کا نوٹس لیتے تو ہمارے سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کادیانی اپنے کان کھڑے کر لیتے اور پاکستان کی مرکزی حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آ جاتی کہ ان دانشوروں کی زبان بندی کی جائے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں کہ

کلویانیوں نے اپنے کلویانی العقیدہ فوجی افسروں کا ایک کتابچہ شائع کیا

"میرزائیوں نے اپنی اہمیت جتانے کے لیے ایک پمفلٹ شائع کیا۔ جس میں میرزائی فوجی افسروں کی فہرست شائع کی۔ اس پمفلٹ کے ذریعہ میرزائیوں نے خوب پراپیگنڈہ کیا۔ روزنامہ "آزاد" میں میرزائی فوجی افسروں کی فہرست شائع ہوئی تو سر ظفر اللہ خان نے کان کھڑے کیے اور مرکزی حکومت کی مشینری حرکت میں آ گئی۔ مرکز نے تار ہلایا تو گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر نے مجھے گورنمنٹ ہاؤس میں بلا بھیجا۔۔۔۔۔
نشتر صاحب' شریف' ملنسار اور بڑے ہی خلیق انسان ہیں۔ جونہی میں نے

کارڈ بھیجا۔ مجھے فوراً بلا لیا۔ محبت سے ملے مگر علیک سلیک کے فوراً بعد وہ صرف "گورنر" رہ گئے۔ آزاد اخبار کی کاپی دکھا کر فرمانے لگے "یہ آپ کا اخبار ہے؟"

"جی ہاں!"

"یہ فہرست آپ نے شائع کی ہے؟"

میں نے عرض کیا "جی"۔ فرمانے لگے

میرے تو طوطے اڑ گئے۔ یا الٰہی! وہ فہرست جسے میرزائیوں نے ہزارہا کی تعداد میں شائع کر کے دفتروں میں تقسیم کیا۔ شہروں میں بانٹا اور جس فہرست کے خود میرزائیوں نے ڈھول پیٹے۔ اسے مجلس احرار نے شائع کر دیا تو کیا جرم کیا؟ میں نے سنبھل کر عرض کیا کہ "سردار صاحب! میں نے اسے کچھ اہمیت نہیں دی۔ اس سے کیا نقصان ہوا ہے؟ یہ تو بے ضرر سی چیز ہے۔ اخبارات میں ایسا کچھ چھپتا ہی رہتا ہے "فرمانے لگے" کاش! تمہیں معلوم ہوتا کہ اس سے کیا نقصان ہوا؟ میں نے بہ ادب عرض کیا مجھے سمجھائیے تاکہ آئندہ کے لیے احتیاط کی جائے۔

سردار صاحب نے دو باتیں بتائیں ایک تو یہ کہ ان کے صوبہ سرحد میں میجر جنرل نذیر صاحب تمام سرحد کے انچارج فوجی افسر ہیں۔ یہ بتا کر فرمانے لگے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ صوبہ سرحد "بارودی صوبہ" ہے میرزائیوں والی بات وہاں چل نکلے تو خدا جانے کیا قیامت آ جائے۔ دوسری بات سردار صاحب نے یہ فرمائی کہ اس بات کا پراپیگنڈہ "کابل ریڈیو" بھی کرتا رہا ہے خدا کے لیے پاکستان کی رسوائی کا سامان تو ہم نہ پہنچاؤ۔ سردار صاحب کی پہلی بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر دوسری بات نے مجھے کسی قدر اپیل کیا۔ میں خود اسے پسند نہ کرتا تھا کہ ہمارا نام لے کر "کابل ریڈیو" ہمارے ہی ملک کے خلاف پراپیگنڈہ کرے ——— سردار

صاحب نے یہ بھی آخر میں فرمایا کہ انہیں مرکز سے "ایکشن" لینے کی ہدایت ہوئی تھی۔ مرکز کا نام سن کر سر ظفر اللہ خاں (کادیانی سابق وزیر خارجہ پاکستان) کا تصور میری آنکھوں کے سامنے آ موجود ہوا؟؟"

(ایضاً ص 78 تا 80)

مرکز سے ایکشن (Action) لینے کی ہدایت یا احکام کے الفاظ سنتے ہی چودھری ظفر اللہ کادیانی کا سراپا ایک صحافی کی آنکھوں کے سامنے کیوں نہ آتا۔ "فرقان بٹالین" ریاست جموں اور کشمیر پر کادیانی حکومت قائم کرنے کی اگر ایک فوجی طاقت تھی تو چودھری ظفر اللہ خان اس کادیانی حکومت کی ہیت ترکیبی کا بین الاقوامی سطح تک ایک سیاسی قوت تھے۔ جی ہاں! میرزا غلام احمد کادیانی کے رفیق کار۔ برطانوی وائسرائے کی انتظامی کونسل کے رکن شہنشاہ جارج ششم کی تقریبات تخت نشینی کے موقع پر برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے نمائندہ فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج' باؤنڈری کمیشن میں پیش ہونے والے مسلم لیگ کے وکیل' پاکستان کے اولین وزیر خارجہ اور مسلسل سات سال تک سکیورٹی کونسل کے سامنے مسئلہ کشمیر کی گتھیاں سلجھانے والے پاکستان کے وہ نمائندے جو اپنی ساری سیاسی تگ و دو میں پاکستان سے زیادہ اپنے کادیانی پیشوا میرزا محمود کے وفادار رہے کہ

وطن عزیز کے ایک نامور ماہر قانون کے الفاظ میں۔ کشمیر کے مسئلے پر اتنی طویل اور اکتا دینے والی تقریریں کیا کرتے تھے کہ سکیورٹی کونسل کے اکثر مندوب ان کی تقریروں کے دوران میں یا تو اونگھنے لگتے اور یا اکتاہٹ کے باعث سکیورٹی کونسل کے دفتر سے اٹھ کر باہر چلے جاتے۔ جب "آتش فشاں" مجلے کے ایڈیٹر جناب منیر احمد منیر نے ان سے اس مسئلے پر' استفسار کیا تو آنجہانی نے جواباً ارشاد فرمایا کہ

ہندوستان کی طرف سے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی تھی—— ظفر اللہ خان کی طویل عریض تقریروں کا سبب

"یہ ٹھیک ہے کہ یو۔ این۔ او میں مجھے کشمیر کے حالات بیان کرنے میں بہت سارا وقت صرف کرنا پڑتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستان کی طرف سے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی تھی۔ لیکن یہ بات غلط ہے کہ بعض ممبر اس دوران سو جاتے تھے۔ یا اٹھ کر چلے جاتے تھے"۔

(ماہنامہ "آتش فشاں" لاہور' جلد 9' شمارہ 9' یکم مئی 1981ء' ص 11' کالم 1)

لمبی لمبی تقریریں کرنے میں چودھری صاحب آنجہانی کی اس بنیادی وجہ کا یہ اظہار کہ ہندوستان کی طرف سے انہیں کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی تھی۔ ان کی قانونی الٹ پھیر کا ایک شاطرانہ طبل علم ہے۔ ورنہ اپنے اسی "انٹرویو" میں انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم بھی کیا ہے کہ۔

برطانیہ اور امریکہ کے نمائندے چاہتے تھے اقوام متحدہ کا ریزولیشن ہندوستان کے موقف کے مطابق ہو۔

"لارڈ ماؤنٹ بیٹن جو وزیر اعظم اٹیلی کا چہیتا تھا۔ اس کے ذریعہ کرپس' مسٹر اٹیلی پر اثر انداز رہا اور برطانیہ کا موقف اس حد تک تبدیل کرا دیا گیا کہ اگر کوئی ریزولیشن پاس ہو۔ تو وہ ہندوستان کے موقف کے مطابق ہو۔ امریکی نمائندے سینیٹر "وارن آسٹن" بھی اس معاملے پر بڑے سرگرم رہے تھے۔ لیکن امریکہ کی یہ پرابلم تھی کہ وہ "کامن ویلتھ" کا معاملہ ہونے کی وجہ سے بہت حد تک برطانیہ کے مشورے پر چلتا تھا"۔

(ایضاً" ص 10)

برطانیہ اور امریکہ کی چودھری صاحب کی طرف سے اس "مبینہ تگ و دو" کے بعد کہ اقوام متحدہ میں کوئی ریزولیشن اگر پاس ہو تو وہ بھارت کے موقف کے مطابق ہو "اب کون یہ کہہ سکتا ہے کہ چودھری صاحب کی اقوام متحدہ میں طویل و عریض تقریریں محض اس مجبوری کی بنا پر تھیں کہ ہندوستان کی طرف سے اس کے موقف کی کوئی تفصیل انہیں بتائی نہیں گئی تھی۔ یا اپنے دوسرے ذرائع سے بھارت کی تفصیلات

کو وہ حاصل کر لینے سے معذور تھے۔ چودھری صاحب کی انہی متضاد بیانیوں اور کہہ مکرنیوں ہی کی بنا پر' میاں افتخار الدینؒ نے اس وقت کی آئین ساز اسمبلی میں (جن دنوں مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں زیر بحث بھی تھا) صاف صاف الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ

چودھری ظفر اللہ کادیانی برطانیہ کا اس قدر وفادار کہ خود شہنشاہ بھی نہ ہو ایسا رجعت پسند انسان کشمیری مسلمانوں کی آزادی کی تڑپ کو کیسے محسوس کر سکتا ہے؟

سر ظفر اللہ ایک قابل وکیل ہو سکتا ہے' جس کا 30 سالہ تجربہ ہے اور جو برطانوی راج کا مداح رہا ہے۔ برطانیہ کا اس قدر وفادار' جتنا خود شہنشاہ بھی نہ ہو۔ اس نے 30 سال کے عرصہ میں ایک بار بھی آزادی کا مطالبہ نہ کیا۔ اس نے تمام عمر برطانوی حکومت کی مدد کی۔ یہ شخص روپیہ حاصل کر کے "بہاول پور" اور بھوپال کے لیے بول سکتا ہے۔ حتیٰ کہ حکومت ہند کے حق میں بھی بول سکتا ہے یہ شخص ہندوستان کے سیاسی نمائندے کے طور پر جا کر بول سکتا ہے۔ اگر اس کو معاوضہ دیا جائے جس طرح کہ روپیہ لے کر' اس نے چیمبر کے ساتھ (برطانوی دور میں) کیا۔ اس طرح یہ پاکستانی حکومت کی طرف سے پیسہ لے کر کام کر رہا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو خدانخواستہ متحدہ ہندوستانی حکومت بن جائے تو اس کا موقف بھی پیسہ لے کر پیش کر سکتا ہے۔ اس شخص نے 30 سال برطانوی سامراج کی خدمت کی۔ یہ وہ وکیل ہے جو رسوائے زمانہ "یونینسٹ پارٹی" کا فکری راہنما تھا۔ جو برصغیر کی رجعت پسند جماعت تھی۔ یہ شخص آزادی کی تڑپ کو کیسے محسوس کر سکتا ہے؟ اور کشمیریوں کے جذبات کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے؟ یہ ان کے لیے نہیں لڑ سکتا یہ بال کی کھال اتار سکتا ہے۔ یہ شخص کوئی پالیسی وضع نہیں کر سکتا۔"

(مضمون بعنوان "کشمیر میں کادیانی سازشیں" ص 134 از زاہد شاہین ایم۔ اے' ماہنامہ "الحق")

خود آزاد کشمیر کے راہنما چودھری ظفر اللہ خان کے سخت خلاف تھے۔ جب حکومت پاکستان نے انہیں آگاہ کیا کہ کشمیر میں جنگ بندی کی تجویز مان لی گئی ہے۔ تو کشمیری راہنماؤں نے جنگ بندی کی وجوہات یا مصلحتوں کے بارے میں استفسار کیا۔ قدرت اللہ شہاب مرحوم کے الفاظ میں اس موضوع پر چوہدری غلام عباس مرحوم اور ظفر اللہ خان آنجہانی میں خاصی گرما گرم بحث شروع ہو گئی۔ بلکہ تلخ کلامی تک نوبت آ گئی۔ لیکن فیصلہ اپنی جگہ برقرار رہا اور دونوں کشمیری قائدین اپنا سا منہ لے کر کراچی سے واپس آ گئے۔

غرض مسئلہ کشمیر پر ہمارے اس قادیانی وزیر خارجہ کی ساری کاوشیں ایک رواں دواں خارجیت تھیں۔ ایک ایسی کھل کھیلتی ڈپلومیسی تھیں۔ جن کے سہرے خسروان ربوہ کی شہ پر سجائے گئے تھے۔ صیہونی ان کے تھے۔ صلیبی ان کے تھے۔ اقوام متحدہ اس ربوائی ڈپلومیسی کی ہم نوا تھی۔ لیکن "تحریک آزادی کشمیر" کے چاروں طرف بھوت ہی بھوت تھے۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گرہ ظفر اللہ خان کی اس ڈپلومیسی کی کھلتی تو کیونکر؟ اس گانٹھ کو کھولنے کے لیے تو ایسے جرات مند ساتھ کی ضرورت تھی جو عالمی برادری کو خبردار کر سکتا ہو کہ چودھری ظفر اللہ خان کی لگائی ہوئی یہ گانٹھ' میرزا محمود کی اس سیاسی اسٹرٹیجی کا ایک ایسا بھیانک اقدام ہے کہ جس کے تحت قادیانیت وادی کشمیر سمیت دنیا بھر کی کمزور اقوام کو ہڑپ کر جانے کی آرزو مند رہتی ہے۔ میرزا محمود کی اس پولیٹیکل اسٹرٹیجی کا نقشہ خود انہی کی زبانی ملاحظہ ہو۔ موصوف کہتے ہیں۔

انگریز اور فرانس کی دیواروں کے نیچے قادیانیوں کے لیے ایک خزانہ دفن ہے۔

"ہم انگریز اور فرانسیسی وہ دیواریں ہیں۔ جن کے نیچے "احمدیت" (قادیانیت) کی حکومت کا خزانہ مدفون ہے اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ "دیوار" اس وقت تک قائم رہے جب تک کہ خزانے کے مالک (یعنی قادیانی) جوان نہیں ہو جاتے۔ ابھی "احمدیت" (قادیانیت) چونکہ بالغ نہیں

ہوئی۔ اور بالغ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس خزانہ پر قبضہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے اگر اس وقت یہ دیوار گر جائے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ دوسرے لوگ اس پر قبضہ جمالیں گے"۔

(روزنامہ "الفضل" قادیان' 27 فروری 1972ء)

چودھری ظفر اللہ خان کی مرتب کردہ اس "رسوائی ڈپلومیسی" کی کوکھ سے 1965ء کی پاک بھارت جنگ نے جنم لیا۔۔۔۔ جناب قدرت اللہ شہاب مرحوم انکشاف کرتے ہیں کہ

1965ء کی پاک بھارت جنگ قادیانیوں نے شروع کرائی تھی۔

"ایک بار میں نے نواب آف کالا باغ (سابق گورنر مغربی پاکستان) سے اس جنگ کے متعلق کچھ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا "بھائی شہاب! یہ جنگ پاکستان کی جنگ ہرگز نہ تھی۔ دراصل یہ جنگ اختر ملک (قادیانی) ایم۔ ایم احمد (قادیانی) بھٹو' عزیز احمد اور نذیر احمد نے شروع کروائی تھی" جب میں نے پوچھا کہ "جنگ شروع کروانے سے ان حضرات کا کیا مقصد تھا؟" تو نواب صاحب نے جواب دیا "یہ لوگ ایوب خان کو شکنجے میں کس کر' اپنی طاقت بڑھانا چاہتے تھے۔ اس عمل میں اگر پاکستان کا ستیاناس ہوتا ہے تو ان کی بلا سے"۔

("شہاب نامہ" ص 932 قدرت اللہ شہاب)

ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" کے ایڈیٹر کو "انٹرویو" دیتے ہوئے پاکستان کی بری فوج کے سابق کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ نے بتایا کہ

ایوب خان مرحوم کو ایک خاص ٹولے نے اپنے دام میں پھنسا لیا۔

"ایوب خان (65ء کی جنگ کے) اس جال میں کیسے پھنس گئے بظاہر یہ ایک معمہ ہے۔ مگر میرزائی تجربہ یہ ہے کہ ایک ٹولے نے ایوب خان پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ وہ یہ خطرہ مول لینے پر تیار ہو گئے ان سے کہا گیا کہ یہ

موقع بھی 1962ء کی طرح ضائع ہو گیا تو پھر قوم آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گی اور اگر اسی مرحلے پر جرات کا مظاہرہ کیا گیا تو آپ کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گا"۔

(ماہنامہ "اردو" ڈائجسٹ لاہور ص 22، شمارہ ستمبر 1966ء)

بطل حریت آغا شورش کاشمیری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

یہ عجیب حقیقت ہے کہ کشمیر کے محاذوں پر جنگی کمان ہمیشہ قادیانی جرنیلوں کے ہاتھ میں رہی۔

"بات معمولی ہے لیکن عجیب ہے کہ کشمیر کے محاذوں کی جنگ میں "قادیان" سے ملحق سرحدات کی کمان ہمیشہ میرزائی جرنیلوں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ چونکہ یہ ایک "فوجی عمل" ہے۔ لہذا اس کا ذکر مناسب نہیں لیکن سوال ہے کہ "فرقان بٹالین" ہو یا اس کے بعد 1965ء کی جنگ جو کشمیر سے شروع کی گئی کہ وہاں چھمب اور "جوڑیاں" کا محاذ ابھرا ان محاذوں کی کمان جنرل اختر ملک اور بریگیڈیئر عبدالعلی ملک کے ہاتھ میں تھی۔ جو سگے بھائی ہونے کے علاوہ قادیانی العقیدہ تھے۔ جنرل اختر ملک ترکی میں وفات پا گئے۔ ان کی نعش وہاں سے ربوہ لائی گئی۔ جہاں بہشتی مقبرے سے باہر ابدی نیند سو رہے ہیں۔ پنجاب میں پانچویں اور چھٹی جماعت کی تاریخ و جغرافیہ کے نصاب میں 1965ء کی جنگ کا "ہیرو" جنرل اختر ملک اور بریگیڈیئر عبدالعلی کو بنایا گیا اور اول الذکر کی سہ رنگی تصویر شائع کی گئی ہے۔ ایک دوسری تصویر جنرل ابرار حسین کی بھی ہے۔ لیکن 1965ء کی جنگ کو اس طرح محدود کرنا اور صرف جنرل اختر حسین ملک یا بریگیڈیئر عبدالعلی کا ذکر کرنا میرزائی امت کا پنجاب میں "نئی پود" کو ذہنا اپنی طرف منتقل کرنے کا ہتھکنڈا ہے۔ عزیز بھٹی وغیرہ کو نظرانداز کر کے اور اس وقت کے آتش جانوں کے سر سے گزر کے جنرل اختر ملک کو قومی ہیرو بنانا اور

پڑھانا' کادیانی سیاست کی شوخی ہے۔ جو حصول اقتدار کی آئندہ کوششوں میں رنگ و روغن کا کام دے گی۔

بات سے بات نکلتی ہے۔ جنرل اختر ملک کے تذکرے کی رعایت سے اس ضمن کی دو باتیں حافظہ میں رہ گئیں۔

1- نواب کالا باغ (سابق گورنر مغربی پاکستان) نے 1965ء کی جنگ کے واقعات پر گفتگو کرتے ہوئے راقم سے بیان کیا 1965ء کی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے ہماری محافظت کی ورنہ صورت حال کے پامال ہونے کا احتمال تھا۔ نواب صاحب نے فرمایا "میرزائی پاکستان میں حصول اقتدار سے مایوس ہو کر "قادیان" پہنچنے کے لیے مضطرب ہیں۔ وہ بھارت سے مل کر یا بھارت سے لڑ کر ہر صورت میں "قادیان" چاہتے ہیں اور اس غرض سے پاکستان کو "بازی" پر لگانے سے بھی نہیں چوکتے۔ ایک دن میرے میاں جنرل اختر حسین ملک آئے اور میرے ملٹری سیکرٹری کرنل محمد شریف سے کہا کہ میں نے جنرل ملک سے اگر ملاقات کی تو صدر ایوب جو مجھ سے پہلے ہی بدظن ہو چکے ہیں اور بدظن ہوں گے اور حسن اتفاق ہے کہ میں بھی اعوان ہوں۔ جنرل ملک بھی اعوان ہے اور تم (ملٹری سیکرٹری) بھی اعوان ہو۔ صدر ایوب کے کان میں الطاف حسین (ڈان" نے بات ڈال رکھی ہے۔ اس سے کسی امریکن نے کہا ہے کہ نواب کالا باغ' ایوب خان کے خلاف اندر خانہ خود' صدر بننے کی سازش کر رہا ہے۔ اس وقت تو جنرل ملک لوٹ گئے۔ لیکن چند دن بعد نتھیا گلی میں ملاقات کا موقع پیدا کر لیا۔ کہنے لگے "میں صدر ایوب کو آمادہ کروں کہ یہ وقت کشمیر پر چڑھائی کرنے کے لیے بہترین ہے۔ یقین ہے کہ ہم کشمیر حاصل کر پائیں گے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ بیٹھے بٹھائے جنرل کو کیا سوجھی؟ بہرحال میں نے عذر کر دیا کہ میں نہ تو "فوجی ایکسپرٹ" ہوں نہ مجھے جنگ کے مبادیات کا علم ہے۔ آپ خود ان

سے تذکرہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ "صدر نہیں مانتا"۔ وہ کہتا ہے کہ "اس لڑائی کے جلد بعد بھارت براہ راست پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں پر حملہ کر دے گا"۔ میں نے کہا "صدر پہلے ہی مجھ سے بدگمان ہے"۔ وہ لازماً خیال کرے گا کہ "اعوان اس کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں"۔ جنرل اختر ملک مجھ سے جواب پا کر چلے گئے۔ اس اثناء میں سی۔ آئی۔ ڈی" کی معرفت مجھے ایک وسیع اشتہار ملا جو ان کو کشمیر میں کثرت سے تقسیم کیا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ

"ریاست جموں و کشمیر' انشاء اللہ آزاد ہوں گی اور اس کی فتح و نصرت احمدیت (یعنی قادیانیت) کے ہاتھوں ہوگی"۔

(پیش گوئی مصلح موعود' یعنی خلیفہ دوم قادیانی جماعت)

اور میرے لیے یہ ناقابل فہم نہ تھا کہ جنرل اختر ملک (قادیانی) اس پیش گوئی کو سچا بنانے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ راقم نے نواب کالا باغ کی یہ گفتگو محترم مجید نظامی ایڈیٹر "نوائے وقت" کو بیان کی تو انہوں نے تائید کی کہ ان سے بھی نواب صاحب یہی روایت کر چکے ہیں۔

2۔ ڈاکٹر جاوید اقبال سے ذکر آیا تو حیران ہوتے ہوئے فرمایا کہ اس جولائی میں سر ظفر اللہ خان نے مجھے امریکہ میں کہا تھا کہ "میں صدر ایوب کو پیغام دوں کہ یہ وقت کشمیر پر چڑھائی کے لیے موزوں ہے۔ پاکستانی فوج ضرور کامیاب ہوگی"۔ جہاں تک ہندوستان کے ہاتھوں بین الاقوامی سرحدوں کے آلودہ ہونے کا تعلق ہے۔ ایسی کوئی چیز نہ ہوگی۔ میں نے صدر ایوب سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا "مجھ سے کہہ دیا ہے اور کسی سے نہ کہنا"۔ صدر ایوب کو سر ظفر اللہ نے پیغام دے کر اور جنرل اختر ملک نے خود حاضر ہو کر' علاوہ دوسرے زعماء کے یقین دلایا تھا کہ کشمیر پر حملہ کرنے سے بھارت اور پاکستان میں براہ راست جنگ نہ ہوگی' لیکن پاکستانی

فوجیں جب کشمیر کی طرف بڑھنے لگیں تو پاکستان کی بین الاقوامی سرحدیں
اچانک بھارتی فوج کے حملے کا شکار ہو گئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کو
ہندوستان کے تابع کرنے اور اس کی جغرافیائی ہیئت کو نئی صورت دینے کے
لیے عالمی استعمار کا جو منصوبہ تھا اس کو پروان چڑھانے کے لیے پاکستان کے
بعض پراسرار لیکن مخفی و معلوم ہاتھ بھی تھے۔ قدرت نے استعماری منصوبہ
خاک میں ملا دیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ مغربی پاکستان میں پنجاب کو بالواسطہ یا
بلاواسطہ شکست ہو تو پاکستان کا عسکری بازو ٹوٹ جائے گا اور مشرقی پاکستان
خود بخود" الگ ہو جائے گا۔ پنجاب کی پس پائی کے بعد سرحد' بلوچستان اور
سندھ بلقان ریاستوں یا عرب ریاستوں کی طرح چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن
جائیں گے"۔

("تحریک ختم نبوت" ص 204 تا 206' شورش کاشمیری)

1965ء کی جنگ میں بھارت کے ساتھ معاملات کو طے کرنے میں سہولت کی
خاطر کیا رول ادا کر رہے تھے ہماری بری فوج کے سابق کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ
خان انکشاف کرتے ہیں کہ

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں جنرل اختر ملک کادیانی کی کارگزاریاں۔

"میجر جنرل اختر ملک (قادیانی) نے یکم ستمبر کو "چھمب" کی طرف پیش
قدمی کی۔ "چھمب" پر قبضہ کرنے میں چار گھنٹوں کی تاخیر ہو گئی۔ پہلے دن
کوئی خبر ہی نہ آئی۔ رات کو بھی سگنل موصول نہ ہوا۔ دوسرے دن بھی
کوئی خبر ہی نہ آئی۔ رات کو سگنل موصول ہوا۔ لیکن میں نے خود محاذ پر
جانے کا فیصلہ کر لیا۔ "سنگل سیٹر بیل کاپٹر" میں کھاریاں روانہ ہوا۔
کھاریاں میں مجھے اسٹیشن کمانڈر نے بتایا کہ جنرل اختر ملک (قادیانی) کا
"آپریشن سٹاف" یہیں پر کام کر رہا ہے۔ شاید اس سے کوئی بات معلوم ہو
جائے۔ میں وہاں کھاریاں گیا۔ وہ بھی کادیانی تھا۔ میں نے پوچھا کیا ہو رہا

ہے؟ ڈویژنل کمانڈر کہاں ہے؟ اس (کادیانی) نے کہا "کچھ پتہ نہیں چل رہا" تب میں "چھمب" کی طرف پرواز کر گیا وہاں درختوں کے قریب اترا تو مجھے میجر جنرل یحیٰ نے سلیوٹ کیا۔ میں نے پوچھا "اختر ملک (کادیانی) کہاں ہے؟" جواب ملا "کچھ خبر نہیں" بڑی مشکل سے اختر ملک (کادیانی) دریافت ہوئے وہ آرٹلری ہیڈ کوارٹر میں تھے میں نے کہا کہ "جلد یہاں آؤ" معاملات ناگفتہ بہ تھے ملک (کادیانی) صاحب آئے تو میں نے ان سے کہا "اب آپ "مری" تشریف لے جایئے" یحیٰ خان سے کہا کہ "تم کمان سنبھال لو" میں یہ سمجھتا ہوں کہ میجر جنرل ملک (کادیانی) کا نروس پر کنٹرول نہیں رہا تھا اور اس وجہ سے چھمب پر قبضہ کرنے میں تاخیر ہوئی"۔

(جنرل موسیٰ خان کا انٹرویو' ماہنامہ "اردو" ڈائجسٹ لاہور' ص 23 - 24' شمارہ ستمبر 1986ء)

1965ء کی جنگ میں بھی 1948ء کی طرح وادی کشمیر کو خالصہ کادیانی ریاست بنانے کے روائتی منصوبے جل کر خاکستر ہو گئے تو اب عالمی استعمار کی گائیڈ لائن کے مطابق کادیانی تخریب کاری کا رخ مشرقی پاکستان کو برباد کرنے کی طرف متعین ہو گیا۔ آغا شورش کاشمیری رقم طراز ہیں کہ

"ادھر 1965ء کے بعد برعظیم سے متعلق عالمی استعمار نے کانٹا بدلا۔ کادیانی امت کا اس کے ساتھ بدلنا ایسا ہی تھا جیسے انجن مڑتے ہی گاڑی مڑ جاتی ہے اب پاکستان کو ملیا میٹ کرنے کی استعماری کوششوں میں سے ایک کوشش یہ تھی کہ

1 - مشرقی پاکستان کو الگ کیا جائے۔ کادیانی عمّال نے وہ سب کچھ کیا۔ جو اس کے لیے ضروری تھا۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے لیے شکایات کو جنم دیا۔ پھر پروان چڑھایا۔ ایم ایم احمد نے حکومت پاکستان کے فنانس سیکرٹری' مالی مشیر اور منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کی حیثیت سے

بنگالیوں کو اتنا بے بس اور بے ضرر کر دیا کہ وہ علیحدگی کی تحریک میں ڈھل گئے۔ مشرقی پاکستان کے مصیبت زدگان کو سرکاری امداد سے محروم رکھا گیا اور اس کے مسئول ایم۔ ایم احمد (میرزا غلام احمد کادیانی کے پوتے۔۔۔ مولف) تھے۔

2- جب تک مشرقی پاکستان علیحدہ نہ ہوا، کادیانیوں کے لیے پاکستان میں اقتدار کا سوال خارج از بحث تھا۔ کیونکہ اکثریت مشرقی پاکستان کی تھی اور شیخ مجیب الرحمان' کادیانی امت کی ان حرکات کو بھانپ کر ان سے باخبر ہوگئے تھے۔ وہ ایم۔ ایم احمد (کادیانی) کی حرکات پر پبلک میں بیان دے چکے اور ان کی فوری علیحدگی کے خواہاں تھے۔ اس بیان کے فوراً بعد چودھری ظفر اللہ خان ان سے ملنے ڈھاکہ گئے۔ دوسرے یا تیسرے دن تخلیہ میں ملاقات ہوئی اور آخر وہی ہوا جو میرزائی امت کے ظفر اللہ خان یا ایم۔ ایم احمد سے ٹکراؤ کا نتیجہ ہو سکتا تھا کہ ایم۔ ایم احمد (کادیانی) کو علیحدہ کرنے سے پہلے مجیب الرحمان پاکستان سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو گئے"۔

("تحریک ختم نبوت" ص 207 تا 208، شورش کاشمیری)

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں جنرل اختر ملک کادیانی کی "ربوائی سٹرٹیجی" جب ناکام ہو گئی تو کادیانیت کے اصل عزائم کی شرمناک شکست کا دکھ اگر کسی قوم کو ہوا تو وہ "یہودی" قوم تھی۔ چنانچہ اسرائیل کی صیہونی حکومت نے نہ صرف یہ کہ اپنے ملک کی افواج میں چھ سو کادیانیوں کو شامل کر لیا۔ بلکہ ایک یہودی فوجی ماہر مسٹر ہیرز نے ایک یہودی جریدے میں لکھا کہ پاکستانیوں کے اندر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا معاذاللہ خاتمہ کر دیا جائے۔ ایک یہودی دانشور کی رائے:

"پاکستانی فوج اپنے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے غیر معمولی عشق رکھتی ہے۔ یہی بنیاد ہے جس نے پاکستان اور عربوں کے باہمی رشتے مضبوط کر رکھے ہیں۔ لہٰذا یہودیوں کو چاہیے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے

پاکستانیوں کے اندر سے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کا خاتمہ کر دیں"۔

(ماہنامہ "جیوش کرانیکل" بحوالہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور، اشاعت 22 مئی 1972ء)

یہودی قوم کے اس فوجی ماہر کے خیالات اس وقت تک سمجھ میں نہیں آ سکتے جب تک کہ اسرائیل کے سابق صدر مسٹر ڈیوڈ گوریان کی تقریر کا یہ اقتباس نہ پڑھ لیا جائے۔ مسٹر گوریان کہتے ہیں:

"پاکستان دراصل ہمارا نظریاتی چیلنج ہے۔ بین الاقوامی صیہونی تحریک کو کسی طرح بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں رہنا چاہیے اور نہ پاکستان کے خطرے سے غفلت کرنی چاہیے۔ پاکستان کا فکری سرمایہ (اسلام) اور جنگی قوت ہمارے لیے آگے چل کر سخت مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔ لہٰذا ہندوستان سے گہری دوستی ضروری ہے۔ بلکہ ہمیں اس تاریخی عناد و نفرت سے بین الاقوامی دائروں کے ذریعہ اور بڑی طاقتوں میں اپنے نفوذ سے کام لے کر ہندوستان کی مدد اور پاکستان پر بھرپور ضرب لگانے کا انتظام کرنا چاہیے۔ یہ کام نہایت رازداری کے ساتھ اور خفیہ منصوبوں کے تحت انجام دینا چاہیے"۔

(روزنامہ "یروشلم پوسٹ" بمطابق 19 اگست 1967ء بحوالہ "نوائے وقت" لاہور، 6 ستمبر 1973ء)

"اسلام، پاکستان اور امت محمدیہ" کو صفحہ ہستی سے خاکش بدہن نیست و نابود کر دینے کی یہ ناپاک حسرت صرف اسرائیل کے یہود کی ہوتی تو عام تاثر یہ لیا جاتا کہ طاقت اور دولت کی "ریل پیل" کے نشے میں بدمست صیہونی ایک بڑ ہانک رہے ہیں۔ لیکن اصل ٹریجڈی یہ ہے کہ 1965ء پاک بھارت جنگ کے امت محمدیہ کے خلاف منافرت کے اس جذبے میں یہود نے عیسائیت کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا ہے۔ چنانچہ فرانس کے معروف دانشور مسٹر کیمون نے اپنی مشہور کتاب "پیولوجیکل اسلام" میں

اعلان کیا کہ ان کی تجویز کے مطابق پہلی فرصت ہی میں مسلمانوں کی کل آبادی کے پانچویں حصے کو بالکل تباہ و برباد کر دیا جائے۔ 1967ء میں یہودی راہنماؤں نے یہ اعلان کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیا ہے۔ ایک یہودی معبد میں عیسائیوں اور یہودیوں کی ایک تقریب میں دونوں مذاہب کے پیروکاروں نے اپنی اپنی مقدس کتابوں پر ہاتھ رکھ کر یہ وعدہ کیا کہ آئندہ ایک دوسرے کے خلاف کام کرنے کی بجائے صرف مسلمانوں کے خلاف کام کریں گے۔ اسی تقریب میں مسٹر سیمو نکل نے کہا کہ ان دونوں مذاہب کی کوششوں کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو حلقہ مسیحیت میں لے آئیں۔ بلکہ ان کا اولین مقصد یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو حلقہ اسلام میں نہ رہنے دیں۔ دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کو کارپانی بنا دیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ حیرت انگیز روداد فرانس کے دارالحکومت پیرس میں ہونے والے صیہونی جمع صلیبی اجتماع کی ہے جو 1972ء میں منعقد ہوا تھا۔

جناب عابد عسکری اس اجلاس کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

مسیحیت اور موسویت کی بقا کا راز معاذاللہ "محمدیت" کے خاتمے میں مضمر ہے۔

"اجلاس میں جو پالیسی وضع کی گئی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو جنگوں کے ذریعہ مفتوح و مغلوب بنانا آسان کام نہیں ہے۔ اس لیے ان (مسلمانوں) کو سب سے پہلے تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے بے جان کر دیا جائے۔ اس کے بعد' اقتصادی و سیاسی لحاظ سے ان پر اس قدر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ خودبخود "اسرائیل" کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جائیں اجلاس کے اختتام پر انہوں نے (یعنی یہود و نصاریٰ نے) ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر یہ اعلان کیا کہ مسیحیت و موسویت کی بقا کا' راز ہی "محمدیت" کے خاتمے میں مضمر ہے"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' میں 4' 19 فروری 1992ء مضمون بعنوان "مسلمانوں کے خلاف

اسرائیل کی للکار" از عابد عسکری)

1931ء اور 1948ء سے لے کر 1965ء کی پاک بھارت جنگ تک کشمیری مسلمانوں کے خلاف قادیانی سازشیں' وادی کشمیر پر قابض قادیانی حکومت کے قیام کا میرزا محمود کی طرف سے نام نہاد قادیانی استحقاق اسرائیل کی افواج میں قادیانی سورماؤں کی شمولیت۔ ان تمام ناپاک سازشوں میں قادیانی ناکامیوں کے بعد یہودی اور عیسائی راہنماؤں کا ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر یہ اعلان کہ یہ اعلان کہ یہود و نصاریٰ کی بقا کا راز معاذاللہ محمدیت کے خاتمے میں مضمر ہے۔ یہ تھے وہ خطرناک' دل گداز اور جگر فگار حالات کہ جن پر غور کرنے کے بعد آزاد کشمیر کی قومی اسمبلی نے سب سے پہلے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دینے اور ان کی باقاعدہ رجسٹریشن کا اعلان کر دیا 28 اپریل 73ء کو آزاد کشمیر قومی اسمبلی کے رکن میجر محمد ایوب صاحب نے اس قرارداد کو' اسمبلی میں پیش کیا۔ جو متفقہ طور پر بغیر کسی مخالفت کے پاس کر دی گئی۔ قرارداد کا متن حسب ذیل ہے۔

قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں آزاد کشمیر اسمبلی کی قرارداد کا متن۔

"قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔ ریاست (آزاد کشمیر) میں جو قادیانی رہائش پذیر ہیں۔ ان کی باقاعدہ "رجسٹریشن" کی جائے اور انہیں اقلیت قرار دینے کے بعد مختلف شعبوں میں ان کی نمائندگی کا تعین کیا جائے۔ ریاست (آزاد کشمیر) میں قادیانیت کی تبلیغ ممنوع کی جائے"۔

("خاتم النبیین" ص 113 از مصباح الدین صاحب)

آزاد کشمیر کی اسمبلی کے اس فیصلے پر اس وقت کے خلیفہ ربوہ سیخ پا ہو گئے۔ ان کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی ایک مست سانڈ کی کیفیت کے عالم میں انہوں نے ایک کتابچہ شائع کیا۔ خلیفہ ناصر آنجہانی نے اپنے اس پمفلٹ میں کشمیری مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پاکستانی مسلمانوں کو بھی اپنی مخصوص گیدڑ بھبکیوں سے نوازا کہ پاکستان اور کشمیری مسلمان سارے کے سارے گیدڑ ہیں اور قادیانی جماعت ایک ایسی شیر

جماعت ہے جو ان سب کو کھا جائے گی۔ انگلینڈ کے بچے ہوئے اس چالاک کے شیری کی گھن گرج ملاحظہ ہو۔

مسلمان گیدڑ ہیں جو اپنی کھوہ سے باہر نکل آئے ہیں۔ مسلمان لومڑی کے لبادے اور گیدڑ کے لباس میں چیختے اور چنگھاڑتے ہیں۔ میرزا ناصر کادیانی کے کوثر و تسنیم میں دھلا ہوا تبصرہ۔

"لیکن جماعت احمدیہ (کادیانیہ) کا تعلق ہے تم گیدڑ اپنی کھوہ سے باہر نکل آئے ہو اور سمجھتے ہو کہ تمہارے چیخنے اور چلانے سے جماعت احمدیہ کے (کادیانی) افراد ڈر جائیں گے۔ ہرگز نہیں ڈریں گے---- تم (مسلمان) لومڑی کا لبادہ اوڑھ کر اور گیدڑ کا لباس پہن کر نکلتے ہو اور چیختے اور چنگھاڑتے ہو اور سمجھتے ہو کہ ہم تم سے مرعوب ہو جائیں گے ہمیں (یعنی کادیانیوں کو) تو خدا تعالیٰ نے شیر کی جرات سے بڑھ کر جرات عطا فرمائی ہے (نہ معلوم کون سے خدا نے عطا فرمائی ہے رب کادیان تو ملکہ وکٹوریہ سے بھی ڈر جاتے--- للمولف مبلین لکھنوی)---- جس قدر پیار تم کو اس دور کی زندگی سے اور عیش و عشرت سے ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر پیار احمدی (کادیانی) نام نہاد مسلمان کو موت کے ساتھ ہے---- اس قسم کے فساد کے نتیجہ میں پاکستان قائم نہیں رہے گا۔ (یعنی کادیانی اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں--- للمولف)"

(بعنوان "آزاد کشمیر کی ایک قرارداد پر تبصرہ" ص 9 تا 12 از مرزا ناصر)

کادیانیت کا سنگین جرم جو کشمیری مسلمانوں کے ذہن میں بڑی دیر کے بعد نمودار ہوا تھا۔ وہ یہ تھا کہ کادیانیت نے اپنی پوری تاریخ میں ہمیشہ عیسائی اور یہودی سامراج کا ساتھ دیا اور اسے مالی جانی اور سیاسی قوت بہم پہنچائی تھی۔ سوائے 1931ء کے ان مصلحت پرست کشمیر کے سیاسی حالات کے جہاں انگریز کا مفاد' ڈوگرہ سامراج سے ہٹ کر کشمیری عوام کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ عیسائی استعمار' روس کی سرخیتی کی

وجہ سے اس اشتراکیت کی روک تھام مہاراجہ کشمیر کو گدی سے اتار کر پوری وادی کو اپنی خود کاشتہ جماعت کادیانیہ کے حوالے کرنے پر تل چکا تھا۔ جناب ممتاز احمد لکھتے ہیں

1932ء کی تحریک کشمیر کے بنیادی اسباب۔

"روس کو برطانیہ سے جو خطرہ تھا۔ وہ ایشیا میں نہیں بلکہ یورپ میں تھا اور "یورپ" میں برطانوی خطرے کے سدباب کے لیے ضروری تھا کہ وہ ایشیا میں برطانوی اقتدار کو کمزور کر دے۔ روس کے لیے آسانی یہ تھی کہ وہ اپنے ملکی و قومی عزائم کو نظریاتی رنگ دے کر برصغیر میں داخل ہو سکتا تھا۔ یا کم از کم اپنا حلقہ اثر قائم کر سکتا تھا۔ چنانچہ اسی پس منظر میں جنگ عظیم اول کے بعد سے آزادی تک روس برصغیر کی سیاست میں سرگرم حصہ لیتا رہا۔ برصغیر کی سیاست میں روس کی شمولیت 2 نوعیتوں کی تھی۔ ایک تو اس نے سنکیانگ اور شمالی علاقوں کی طرف سے کشمیر پر فوجی دباؤ ڈال کر' برطانوی حکومت کو چوکنا کر دیا اور دوسرے تحریک آزادی میں حصہ لینے والے ایک فعال عنصر کے قوم پرستانہ جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ اشتراکی نظریے کی وساطت سے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

اس پس منظر میں برطانوی ہند کی حکومت نے برصغیر کو روسی اشتراکی حملے سے بچانے اور برصغیر میں اپنی حکومت کے استحکام کے لیے ضروری سمجھا کہ وہ شمال مغربی ہند کے ان تمام علاقوں کو براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لے جو اشتراکی سرگرمیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے یا جہاں سے روس کی Infiltration ممکن تھی۔ نیز سرحدی علاقوں میں ایسی وفادار جماعتوں کو' پھلنے پھولنے کا موقع دے جو ایک طرف تو آزادی کی رو کو دبا سکیں اور

دوسری طرف برطانوی حکومت کے خلاف کی جانے والی اطلاعات بھی اسے پہنچاتے رہیں۔ ان (انگریزوں) کی سکیم یہ تھی کہ شمالی ہند کے علاقے میں مہاراجہ کی انتظامیہ کے خلاف محدود پیمانے پر ایک تحریک کا آغاز کیا جائے اور برطانوی ہند کی رائے عامہ کے دباؤ کا جواز پیدا کر کے اور ریاست کے داخلی معاملات میں مہاراجہ کو کمزور کر کے گلگت اور "روس و چین" سے ملحقہ دیگر سرحدی علاقے حاصل کر لیے جائیں۔ احرار کی تحریک فوری اور انقلابی نوعیت کی تھی اور انگریز "احرار" سے معاملہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

قادیانی ہی وہ مناسب ترین جماعت تھے جنہیں اس مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا اور مقصد پورا ہونے کے بعد ان سے مہاراجہ کے خلاف یہ تحریک ختم کرائی جا سکتی تھی۔ اگر اس تحریک کا آغاز کسی اور جماعت یا طبقے کی طرف سے ہوتا تو انگریز نہ تو اس کو کنٹرول کر سکتے تھے اور نہ اسے مناسب طور پر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے تھے۔ اس پس منظر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قادیانیوں کا کشمیر کمیٹی قائم کرنا دراصل انگریزوں ہی کی شہ پر تھا ہمارے لیے یہ خیال کرنا ممکن ہی نہیں ہے کہ قادیانی اپنی سیاسی زندگی کے کسی مرحلے پر بھی کسی ایسی تحریک میں شامل ہو سکتے تھے یا کسی ایسی تحریک کا آغاز کر سکتے تھے جو انگریزوں کی شہ پر شروع نہ کی گئی ہو۔ یا جسے انگریزوں کی تائید حاصل نہ ہو یا کم از کم انگریز جسے ناپسند کرتے ہوں۔ قادیانی جماعت ابتداء ہی سے انگریزی حکومت کی وفادار ترین جماعت رہی ہے اور انہوں نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو ہندوستان کے انگریز حکمرانوں کی مرضی یا ان کے مفاد کے خلاف ہو۔ برعکس اس کے قادیانیوں نے مثبت طور پر انگریزی سامراج کی نہ صرف یہ کہ حمایت کی۔ بلکہ اپنے عملی کارناموں سے ہندوستان میں اور بیرون ہندوستان میں انگریزی حکومت کو تقویت پہنچانے کی کوششیں بھی کیں"۔

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور، ص 41 تا 42، جلد 10، شمارہ 48، مضمون بعنوان "کشمیر کی تصویر زنجیر تا زنجیر" جناب ممتاز احمد)

معروف کشمیری راہنما چودھری غلام عباس مرحوم لکھتے ہیں۔
سرحد کا ایک نوجوان کسی انگریز سیاح کے ساتھ کشمیر میں آیا اور اس نے آگ لگا دی۔

"جموں میں خطبہ عید کی بندش اور توہین قرآن کے واقعات کے بعد سری نگر بھی جلسوں اور جلوسوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ 25 جون کو جمعہ کے روز، خانقاہ معلی میں ایک عظیم الشان جلسہ عام ہوا۔ جس میں شیخ عبداللہ، میر واعظ اور دوسرے مقامی لیڈروں نے تقریریں کیں جلسہ برخواست ہونے ہی والا تھا کہ اسٹیج پر شمال مغربی سرحدی صوبے کا ایک نوجوان عبدالقدیر رونما ہوا۔ عبدالقدیر کسی انگریز سیاح کے ساتھ ریاست میں آیا تھا اور صوم و صلوۃ کی پابندی کے ساتھ ساتھ سیاسی شعور بھی رکھتا تھا۔ پٹھان نوجوان نے سٹیج پر آتے ہی مہاراجہ اور اس کی حکومت کے خلاف ایک سخت قسم کی اشتعال انگیز تقریر کی اور ریاستی مسلمانوں کو دعوت دی کہ وہ ظالم ڈوگرہ حکمران کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں۔ جلسے کے فوراً بعد عبدالقدیر کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ ایک ماہ تک اسے جیل میں رکھا گیا۔ 13 جولائی 1931ء سنٹرل جیل میں اس کے مقدمے کی سماعت کا پہلا دن تھا۔۔۔۔ عبدالقدیر کے مقدمے کی سماعت شروع ہوئی تو وادی کے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد سنٹرل جیل میں اپنے محسن کو دیکھنے پہنچ گئی۔ سماعت بند کمرے میں ہو رہی تھی۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ مقدمے کی سماعت کھلے عام کی جائے تاکہ مسلمان عوام اپنے "ہیرو" کو دیکھ سکیں۔ مجسٹریٹ نے پولیس کے کہنے پر اس مطالبے کو مسترد کر دیا اور مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ انتہائی ذلت

آمیز سلوک کیا۔ مسلمانوں کے جذبات مشتعل تو پہلے ہی تھے۔ اس واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ پولیس نے ہجوم پر گولی چلا دی۔ 22 آدمی ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی۔ شہر کو فوج کے سپرد کر کے مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور شہر میں نقل و حرکت پر پابندی لگا دی گئی۔ ہر سڑک' ہر گلی اور ہر کوچے میں مسلح فوج متعین کر دی گئی اور حکم دے دیا گیا کہ جہاں کہیں کوئی مسلمان نظر آئے اسے گولی سے اڑا دو۔ سارا دن اندھا دھند فائرنگ ہوتی رہی اور بے کس اور نہتے مسلمانوں کے خون سے سری نگر کی سرزمین لالہ زار ہوتی رہی۔ ڈوگرہ فوجیوں نے لوگوں کو ان کے گھروں کے اندر سے نکال کر ان کو اذیت ناک سزائیں دیں۔ ان کے مال و اسباب لوٹے اور نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کی"۔

("کشمکش" چوہدری غلام عباس' ص 100)

یہ ایک کشمیری مسلم راہنما کے مشاہدات تھے اور اس کے چند روز بعد جب مجلس احرار اسلام نے وادی کی سلگتی ہوئی اس فضا کی تحقیقات کے لیے اپنا قدم اور آگے بڑھایا تو ماسٹر تاج الدین انصاری علیہ الرحمہ نے اپنی رپورٹ میں جماعت کو آگاہ کیا کہ وادی کشمیر کے جس "ہاؤس بوٹ" میں وہ مقیم تھے ایک روز اس کے مالک نے انہیں بتایا کہ اس کے اس "ہاؤس بوٹ" میں ایک بڑا مالدار انگریز آ کر ٹھہرا' آگے کا دلچسپ انکشاف خود انہی کی زبانی سن لیجیے۔

ایک مالدار انگریز مولوی اور کرنسی بکس

"یہ انگریز بڑا ہی مالدار تھا۔ اس کا ایک بکس نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ بے دریغ روپیہ خرچ کرتا۔ ہمیں' ہمارے نوکروں' حتیٰ کہ ہمارے بچوں کو بھی انعام و اکرام سے مالا مال اور نہال کر دیتا تھا۔ ایک روز اس کے ہم راہ ایک مولوی ٹائپ مسلمان ہاؤس بوٹ میں آیا اور یہیں شاہ بہادر کے

ہمراہ رہنے لگا۔ صاحب لوگ دیسی آدمیوں کو اپنے ساتھ کبھی نہیں ٹھہراتے مگر وہ مولوی بڑا ہی خوش نصیب تھا کہ صاحب کا گہرا یار بنا رہا۔ یہ مولوی جب "ہاؤس بوٹ" سے باہر جاتا تو اس کی جیبیں بھاری ہوتیں۔ کئی کئی گھنٹے باہر رہتا۔ بسا اوقات رات گئے واپس آتا ــــــ جب سری نگر میں ہنگامہ ہوا' اس کے دو ایک دن بعد مولوی چلا گیا۔ مگر صاحب بہادر شاید سات آٹھ دن ٹھہرے رہے پھر اچانک وہ بھی تشریف لے گئے۔ صاحب کیا تھا؟ سونے کی چڑیا تھی' خدا جانے اس کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی تھی۔ ایسی اسامی قسمت سے ملتی ہے۔ بڑا سخی مرد تھا۔ میں نے "ہاؤس بوٹ" کے مالک سے فوراً سوال کیا کہ صاحب بہادر کے نام کوئی ڈاک خط وط بھی آتا تھا؟ وہ کہنے لگا۔ نا صاحب نہ کبھی کوئی خط آیا اور نہ ہی صاحب سے ملنے کے لیے کوئی آدمی آیا۔ بس وہی ایک مولوی تھا۔ ہم نے اس کے بعد اس مولوی کو بھی نہیں دیکھا۔ ہنگامہ سے پہلے مولوی زیادہ تر اس مسجد کے قرب و جوار میں دیکھا گیا' جہاں سے ہنگامہ کی ابتداء ہوئی تھی۔ میں نے پھر دریافت کیا دیکھو تو سہی صاحب کی کوئی نشانی موجود ہو' کسی ٹوٹے پھوٹے بکس پر اس کا نام ہو' کوئی کاغذ پرزہ کچھ پتہ تو چلے۔ ہاؤس بوٹ کے مالک نے حیرانی سے میری جانب دیکھ کر کہا "آپ تو اس طرح دریافت کرتے ہیں۔ جیسے آپ کو صاحب بہادر کی تلاش ہے یا وہ آپ کا واقف کار ہے" میں نے کہا "ہاں! میں اسے جانتا ہوں۔ وہ صاحب بہادر ماچس کے کارخانے کا مالک ہے"۔ "اچھا جی! آپ اسے جانتے ہیں؟" میں نے کہا "جی ہاں! میں اس کا نام بھی جانتا ہوں"۔ ہاؤس بوٹ کے مالک نے حیرت سے پوچھا "کیا نام ہے اس کا؟" میں نے کہا "جمالو"۔

پھر ہم دونوں ہنستے رہے ــــــ اس انگریز کے واقعہ نے میرے دل و دماغ پر ایسا اثر کیا کہ مجھے (1932ء کی کشمیر) تحریک کے بارے میں مختلف

زاویوں سے غور کرنا پڑا۔

میں زنجیر کی کڑیوں کو یوں ملاتا تھا۔

1- کشمیر کا خوبصورت سرو خطہ۔

2- انگریز۔

3- ہری کشن کول۔

4- قادیانی نمائندے عبدالرحیم درد کا ہاؤس بوٹ۔

("احرار اور تحریک کشمیر" 1932ء ص 105 تا 107 ماسٹر تاج الدین انصاری)

ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کا یہ غور و فکر حقائق پر مبنی تھا۔ انہوں نے کشمیری مسلمانوں کی اس تحریک میں زنجیر کی جن کڑیوں کو ملایا ہے۔ ان کڑیوں میں روزنامہ الفضل قادیان کی اس خبر کو بھی مربوط کر لیجئے جو ممتاز صاحب کے الفاظ میں یوں ہے۔

تحریک آزادی کشمیر میں میرزا محمود کی پراسرار شمولیت۔

"1931ء میں جب ریاست (کشمیر) میں تحریک حریت کا آغاز ہوا اور ریاستی مسلمانوں نے سیاسی آزادی کے حصول کے لیے باقاعدہ طور پر جدوجہد کا آغاز کیا تو حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جو پہلے ہی۔۔۔ مناسب موقع کے انتظار میں تھے' یکایک میدان عمل میں آ گئے"۔

(روزنامہ "الفضل" قادیان' 16 جون 1931ء)

تحریک آزادی کشمیر میں قادیانی جماعت کی شمولیت کے موضوع پر جناب اشرف عطاء (معروف سوشلسٹ لیڈر) نے اپنی معروف کتاب "کچھ شکستہ داستانیں۔۔۔ کچھ پریشان تذکرے" جو حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے جناب ممتاز احمد لکھتے ہیں۔

میرزا محمود قادیانی کی صدارت میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام

"25 جولائی 1931ء کو شملہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا' اس میں علامہ اقبال بھی شامل تھے لیکن صدارت میرزا بشیرالدین محمود (خلیفہ دوئم قادیان) صاحب کے سپرد کی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کشمیر کمیٹی کا منصوبہ بنانے والے بھی دراصل میرزا صاحب ہی تھے اور پھر جو' افراد شملہ میں جمع ہوئے تھے۔ ان میں اکثریت احمدیوں (قادیانیوں) ہی کی تھی۔ کمیٹی کے پیش نظر' جیسا کہ ابتداء میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ریاستی مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دلانا اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے والے مسلمانوں کو قانونی امداد مہیا کرنا تھا۔ جماعت احمدیہ (قادیانیہ) کی طرف سے کشمیر کمیٹی کے نام پر تمام کشمیری لیڈروں سے براہ راست روابط قائم کئے گئے۔ قادیانی زعماء کو بڑی تعداد میں ریاست میں بھیجا گیا۔ جہاں انہوں نے مسلمان راہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور مظلوم مسلمانوں کی بھاری مالی امداد کر کے انہیں اپنا ممنون احسان بنانے کی کوشش کی۔ اس دوران میں سینکڑوں کی تعداد میں (قادیانی) مبلغین بھی ریاست میں بھیجے گئے۔ جو ریاست کے چپے چپے کا دورہ کر کے قادیانی عقائد کی تبلیغ کرنے لگے۔ جماعت احمدیہ (قادیانیہ) کی طرف سے تحریک آزادی کے مظلومین کی امداد کے لیے اکثر رقوم شیخ محمد عبداللہ کی معرفت دی گئیں۔ چودھری غلام عباس کے مقابلے میں قادیانیوں کی ساری ہمدردیاں شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ تھیں اور شیخ صاحب سے اس (قادیانی) جماعت کے تعلقات انتہائی قریب ہو رہے تھے۔ لاہور میں اس افواہ نے کافی تقویت پکڑ لی کہ شیر کشمیر عبداللہ میرزائی ہیں۔ شیخ صاحب نے خود لاہور آ کر ایک جلسہ عام میں اس کی تردید کی' لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا ہم اپنی اس جدوجہد میں ہر طبقہ کی امداد کا خیر مقدم کریں گے"۔

(ہفت روزہ "زندگی" لاہور' ص 51' مضمون "کشمیر کی تصویر زنجیر تا زنجیر")

لیکن کادیانی طبقے کی امداد شیخ عبداللہ کو بہت مہنگی پڑی۔ یہاں تک کہ لینے کے دینے پڑ گئے اور کشمیری مسلمان دھڑا دھڑ میرزا کادیانی کی جھوٹی نبوت کے دام میں پھنسنے لگے جناب قدرت اللہ شہاب مرحوم رقم طراز ہیں کہ

میرزا محمود کے مبلغین نے سینکڑوں کشمیریوں کو مرتد کر لیا

"اس (کشمیر) کمیٹی کے قائم ہوتے ہی میرزا بشیرالدین محمود نے ہر خاص و عام کو یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ ان کی صدارت میں اس کمیٹی کو قائم کر کے ہندوستان بھر کے سرکردہ مسلمان اکابرین نے ان کے والد میرزا غلام احمد کادیانی کے مسلک پر' مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اس شرانگیز پراپیگنڈے کے جلو میں کادیانیوں نے انتہائی عجلت کے ساتھ اپنے (کادیانی) مبلغین کو' جموں و کشمیر کے طول و عرض میں پھیلانا شروع کر دیا۔ تاکہ وہ ریاست کے سادہ لوح عوام کو ورغلا کر انہیں اپنے خود ساختہ نبی کا حلقہ بگوش بنانا شروع کر دیں۔ یہ (کادیانی) مہم کافی کامیاب رہی' کئی دوسرے مقامات کے علاوہ خاص طور پر "شوپیاں" میں مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد کادیانی بن گئی۔ پونچھ شہر میں بھی مسلمانوں کی اکثریت نے کادیانی مذہب اختیار کر لیا۔ یہ خبر سنتے ہی رئیس الاحرار مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری پونچھ شہر پہنچے اور اپنی خطیبانہ آتش بیانی سے کادیانیت کے ڈھول کا پول ایسا کھولا کر شہر کی جو آبادی میرزائی بن چکی تھی۔ وہ تقریباً ساری کی ساری تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئی"۔

("شہاب نامہ" ص 361 تا 370' قدرت اللہ شہاب)

شیخ عبداللہ صاحب نے جب اپنی آنکھوں سے کشمیری مسلمانوں کی یہ خوفناک حالت دیکھی۔ جس کے ذمہ دار کادیانی تھے کہ کادیانیت اپنی ذات میں مکمل شر ہے۔

خواہ اس سے کتنا ہی مالی فائدہ کیوں نہ حاصل ہو جائے موصوف بیان کرتے ہیں کہ

مغل کلویانی خلافت کے ناپاک عزائم شیخ عبداللہ پر بھی ظاہر ہو گئے

بہت جلد ہم پر قادیانی حضرات کے اصل مقاصد بھی آشکارا ہونے لگے۔ انہوں نے (یعنی قادیانیوں) نے جب ہماری تحریک کی آڑ میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو عام کرنا شروع کر دیا تو میرے ساتھ میرے کچھ اور ساتھیوں نے اس غلط رجحان پر تشویش محسوس کی اور قادیانی حضرات مجھ سے برگشتہ ہو گئے۔ میری حالت اقبال کے الفاظ میں یوں تھی کہ۔

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ہیں ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

مجھے یاد ہے کہ میں اپنی شادی کے بعد' جس کا ذکر آگے آئے گا' لاہور میں اپنے سسرال والوں کی کوٹھی واقع میں روڈ میں قیام پذیر تھا کہ میں نے احمدیوں (قادیانیوں) کی اس بدلتی ہوئی روش پر تبادلہ خیال کرنے کے لیے ایک میٹنگ طلب کی اس میں کشمیر کمیٹی کے دوسرے سربر آوردہ اشخاص کی مانند میرزا محمود نے بھی شمولیت فرمائی۔ مولانا غلام رسول مہر بھی اس محفل میں شامل تھے۔ میں نے اجلاس میں اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ

"کشمیری مسلمانوں کی حالت زار کی سب سے بڑی وجہ ان کا آپسی تفرقہ ہے ——— لیکن کچھ عرصے سے قادیانی عقیدے کے دوستوں نے اس پلیٹ فارم سے اپنے مسلک کی تبلیغ شروع کر دی ہے۔ اگر اس پر روک نہ لگائی گئی تو نتائج بہت جلد نکلیں گے۔" میرزا صاحب نے میری تقریر صبر و سکون کے ساتھ سنی اور پھر بولے کہ "احمدی (قادیانی) بنیادی طور پر' ایک تبلیغی جماعت ہے۔ ہم نے پہلے پہل' کشمیر میں اس قسم کی سرگرمیوں پر روک لگا رکھی تھی۔ لیکن وہ ایک عارضی مرحلہ تھا۔ ہمارے لیے مستقل

طور پر اس کی پابندی کرنا اور اپنے مشن سے دست بردار ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس پر میں نے دوٹوک جواب دیا کہ "ایسے حالات میں احمدی (قادیانی) جماعت کے ہم خیال کارکنوں کا تحریک (آزادی کشمیر) سے وابستہ رہنا نہ مناسب ہے اور نہ ممکن۔ کیونکہ ان کا تحریک (آزادی کشمیر) کا جزو بن کر تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہنا کانفرنس میں فرقہ وارانہ کے شعلے بھڑکا سکتا ہے۔ جس میں ہمارا سارا حاصل خاکستر ہو کر رہ جائے گا۔ اس دن کے بعد ہی سے احمدی (قادیانی) جماعت کا رویہ تحریک کے ساتھ پہلے پہل تو سرد مہری کا رہا۔ بعد میں وہ ہماری مخالفت کرتے رہے اور آخر کار کھلم کھلا ہمارے خلاف صف آراء ہوگئے"۔

("آتش چنار" ص 144 تا 146 از شیخ محمد عبداللہ)

کیا قادیانیت کشمیری مسلمانوں کو مسلمان سمجھتی تھی؟ کشمیری مسلمان تو درکنار کیا پورے عالم اسلام کی امت محمدیہ کو قادیانیت مسلمان سمجھتی ہے؟ شیخ محمد عبداللہ ان مذکورہ بالا سوالوں کے قادیانی جوابات سے ناواقف تھے۔ لیکن قدرت نے ایک موقعہ ایسا پیدا کر دیا کہ ان سوالات کا جواب خود قادیانیوں ہی کی زبان سے انہیں مل گیا۔ موصوف اس کا تذکرہ بڑے دلچسپ لیکن حیرت پر مبنی انداز سے کرتے ہیں' چنانچہ ملاحظہ ہو۔

قادیانی امت محمدیہ کے افراد کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں

"احمدیوں (قادیانیوں) کے ساتھ کنارہ کشی کے سلسلے میں مجھے ایک اور واقعہ یاد آ رہا ہے' جس سے ان کی روش کا اندازہ ہو سکے گا۔ ایک بار ہمیں جماعت احمدیہ (قادیانیہ) نے کسی تقریب کے سلسلے میں بڑے اصرار سے قادیان بلایا۔ ان دنوں زین العابدین صاحب ان (قادیانیوں) کے امور خارجہ کے نگران تھے۔ ہم ان کے مہمان تھے۔ ایک بار باتوں باتوں میں انہوں

نے کہا کہ "غیر احمدی (یعنی امت محمدیہ کے افراد) تو احمدی (قادیانی) امام کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن احمدیوں (قادیانیوں) کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی غیر احمدی (مسلمان) کے پیچھے نماز پڑھیں میں نے جب وجہ جاننا چاہی تو وہ کچھ رازداری کے سے لہجے میں بولے کہ

"احمدی (قادیانی) میرزا غلام احمد صاحب (قادیانی) کو بھی نبی مانتے ہیں اور جو ان پر ایمان نہ لائے اسے خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔ ان حالات میں ہم (قادیانی) کیسے کسی غیر احمدی (مسلمان) کے مقتدی بن سکتے ہیں؟" ان کی اس صاف گوئی سے میری آنکھوں پر سے پردہ ہٹ گیا اور ان کی نیت اور حکمت عملی کا سارا راز فاش ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ہمارے درمیان راستوں کی علیحدگی ٹالی نہیں جا سکتی تھی"۔

(ایضاً" ص 146 تا 147)

کشمیر کمیٹی کے دوسرے مرکزی اجلاس میں مجلس احرار اسلام کے بعض راہنماؤں نے شرکت کی اور اس کمیٹی کا دستور مرتب کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ میرزا محمود خلیفہ قادیان ایک کائیاں انسان تھے' وہ تاڑ گئے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے ترتیب دیئے ہوئے اس دستور میں ایک جعلی نبی کے راج کمار کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ انہوں نے احتجاجاً استعفیٰ داغ دیا ۔۔۔ کشمیر کی جیلوں میں پڑے ہوئے بے گناہ مسلمانوں کے مقدمات کی پیروی کے لیے' سر ظفر اللہ خان بطور وکیل کام کر رہے تھے۔ جونہی میرزا محمود کشمیر کمیٹی سے مستعفی ہوئے سر موصوف بھی ان مقدمات کو چھوڑ چھاڑ کر واپس آ گئے ۔۔۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے چودھری ظفر اللہ آنجہانی کی اس حرکت پر جلا ہی چٹ پٹا تبصرہ ان الفاظ میں پریس کے حوالے کیا۔

کشمیری مسلمانوں کے نام نہاد وکیل چودھری ظفر اللہ قادیانی پر علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا دلچسپ تبصرہ

"بدقسمتی سے کمیٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مذہبی فرقے

کے سوا کسی دوسرے کا اتباع کرنا سرے سے گناہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ احمدی (لاہوری) وکلاء میں ایک صاحب نے جو میرپور کے مقدمات کی پیروی کر رہے تھے۔ حال ہی میں اپنے ایک بیان میں واضح طور پر اس خیال کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے صاف طور پر کہا کہ "وہ کسی کشمیر کو نہیں مانتے اور جو کچھ انہوں نے یا ان کے ساتھیوں نے اس ضمن میں کیا وہ ان کے امیر کے حکم کی تعمیل تھی۔۔۔۔ میں کسی صاحب پر انگشت نمائی نہیں کرنا چاہتا۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ سے کام لے اور جو راستہ پسند ہو اسے اختیار کرے۔ حقیقت میں مجھے ایسے شخص سے ہمدردی ہے جو کسی روحانی سہارے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کسی مقبو کا مجاور یا کسی نام نہاد زندہ پیر کا مرید بن جائے"۔

("اقبال اور سیاست ملی" از رئیس احمد جعفری، ص 303)

جناب میرزا غلام نبی جانباز علیہ الرحمتہ 31ء کے بعد
کشمیر کی سیاسی جدوجہد کو سمجھنے کے لیے ایک اہم انکشاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ڈوگرہ سامراج نے کشمیر کا محکمہ تعلیم قادیانیوں کے حوالے کر دیا تھا

"1931ء کے وسط تک بین الاقوامی حالات اور واقعات کے ساتھ کشمیر کی آئندہ سیاسی جدوجہد کو سمجھنے کے لیے ریاست (کشمیر) کے اندرونی حالات کا جائزہ لینا بھی ضروری اور اہم ہے۔ بساط کشمیر کے کھلاڑی جب ذہنی طور پر مات کھا چکے تو ان کی سیاست نے ایک اور رخ اختیار کیا کہ ریاست کے وزیر اعظم' سر بینرجی کی جگہ کرنل کالون کو کشمیر کا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ انہی دنوں کشمیر میں محکمہ تعلیم کے انسپکٹر خواجہ جمال الدین تھے (یہ خواجہ کمال الدین میرزائی کے برادر حقیقی تھے) اس طرح کشمیر میں قادیانی

اور لاہوری میرزائیوں کا مکمل تعلیم پر خاصہ عمل دخل تھا"۔

("آزادی احرار" ص 177 تا 183 از مرزا جانباز)

ڈوگرہ سامراج نے قادیانیوں کو کشمیر کی بیوروکریسی میں شامل کر لیا۔ ادھر کشمیری مسلمان جو پہلے صرف مسلم کانفرنس کے ایک پلیٹ فارم پر تحریک آزادی کی جدوجہد کر رہے تھے۔ اب دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ شیخ عبداللہ کاشمیری نے کانگریس سے معاہدہ کر کے نیشنل کانفرنس کے نام سے اپنی ایک علیحدہ جماعت بنائی۔ وہی میرزا محمود جو تحریک آزادی کشمیر کا لبادہ اوڑھ کر کشمیر کمیٹی کے نام سے میدان میں نکلے تھے اب ڈوگرہ شاہی کے چرنوں میں جا بیٹھے۔ جناب زاہد شاہین ایم۔ اے لکھتے ہیں۔

کشمیر کمیٹی سے نکل جانے کے بعد میرزا محمود نے مہاراجہ کشمیر کی حمایت شروع کر دی۔

"میرزا محمود نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے مہاراجہ کشمیر کی حمایت کا اعلان کیا اور "الاصلاح" سری نگر میں مہاراجہ کے حق میں مواد شائع ہونے لگا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کانگرسی لیڈر کشمیر میں دورے کر کے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر رہے تھے۔ 4 جولائی 1936ء کو میرزا محمود نے اپنے ایک مضمون میں مہاراجہ کشمیر سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اس ہمدردی کے پس پردہ ایک سازش کارفرما تھی۔ میرزا محمود کشمیری مسلمانوں کی تحریک آزادی کو نظرانداز کر کے ڈوگرہ شاہی کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنا چاہتے تھے تاکہ مستقبل میں اس علاقہ میں قدم جمائے جا سکیں"۔

("کشمیر میں قادیانی سازش" زاہد شاہین ایم۔ اے، ماخوذ از "لولاک" ص 32 شمارہ ذوالحج 1392ھ)

میرزا محمود قادیانی سے قبل ہمارے سامنے حکیم نورالدین قادیانی آتے ہیں۔ یہ میرزا قادیانی کے پہلے جانشین تھے۔ بھیرہ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے اور وادی کشمیر میں ڈوگرہ شاہی کے اولین حکمران مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دور میں بطور شاہی

طبیب داخل ہوئے تھے۔ کسی بھی ریاست میں شاہی طبیب کی قدر و قیمت کو معلوم کرنے کے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان امراض کو سامنے لایا جائے جن سے اس ریاست کے حکمران اکثر دوچار رہتے تھے۔ مہاراجہ کشمیر کی بیماری کے بارے میں جناب قدرت اللہ شہاب مرحوم انکشاف کرتے ہیں کہ جب وہ مہاراجہ کشمیر کے محل میں پہنچے تو

مہاراجہ کشمیر کا لاعلاج مرض

"صوفے پر ہزہائی نس' راج راجیشور مہاراج ادھیراج' شری مہاراجہ ہری سنگھ بہادر' اندر مہندر' سپہر سلطنت انگلشیہ' جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ کے۔ سی۔ وی۔ او ڈھال ہیلیے کی طرح اوندھے پڑے تھے۔ ان کے جسم کا گوشت پوست صوفے پر یوں بکھرا ہوا تھا۔ جیسے گندے کپڑوں سے بھرا ہوا سوٹ کیس' تیز رفتار گاڑی سے باہر گر کر پھٹ گیا ہو۔ مہاراجہ ہری سنگھ رات بھر شراب کے ساتھ کچے اور پکے گوشت کا شغل فرماتے تھے اور دن بھر وید' حکیم اور ڈاکٹر ان کے لیے کشتوں کے پشتے لگا کر انہیں اگلی شب کے لیے تازہ دم کرتے رہتے تھے چنانچہ اس وقت بھی چند عورتیں اور مرد ان کے اعضائے رئیسہ و غریبہ کی چلی اور خفی مالش کرنے میں مصروف تھے۔ مہاراجہ کی آنکھیں کچھ کھلی اور کچھ بند تھیں اور ان کے کونوں میں کیچ گندے بیوٹے کی طرح تہ در تہ جم رہی تھی"۔

("شہاب نامہ" ص 116 تا 117' قدرت اللہ شہاب)

کشمیر کے دیگر حکمرانوں کے لیے طاقت کے کشتے تیار کرنے اور انہیں اگلی شب کے لیے تازہ دم کرنے کے علاوہ حکیم نورالدین قادیانی کا اصل کام انگریز کی جاسوسی تھا۔ جناب زاہد شاہین ایم۔ اے لکھتے ہیں۔

ایک شاہی طبیب لیکن برطانوی جاسوس حکیم نورالدین کادیانی

"کادیانیوں کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین بھیروی مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں 1876ء میں شاہی طبیب مقرر ہوئے۔ انگریز کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ ڈوگرہ مہاراج رنبیر سنگھ روس سے ساز باز کر کے ان کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہ کر دے۔ رنبیر سنگھ نے چار آدمیوں پر مشتمل ایک وفد روس بھیجا۔ (بحوالہ کتاب سنٹرل ایشیا ان ماڈرن ٹائمز مصنفہ کوشک 104 شائع کردہ ماسکو) تاکہ روسی تعاون سے انگریزوں کی بالادستی سے نجات حاصل کی جائے۔ رنبیر سنگھ کی وضاحت کے بعد پرتاپ سنگھ نے گدی سنبھالی۔ اس کا رجحان بھی روس کی طرف تھا (کتاب ڈینجر ان کشمیر مصنفہ جوزف کوربل 14 مطبوعہ نیویارک) انگریزوں نے مہاراجہ کشمیر کی کارروائیوں پر نظر رکھنے کے لیے حکیم نورالدین کی خدمات حاصل کیں۔ حکیم صاحب بڑی کامیابی سے جاسوسی کے فرائض سرانجام دیتے رہے (کتاب مسئلہ کشمیر از ممتاز احمد 58) آپ نے پرتاپ سنگھ کے بھائیوں رام سنگھ اور امر سنگھ سے خصوصی تعلقات قائم کر لیے اور ان کی مدد سے محلاتی سازشوں کی پشت پناہی کی آخر کار انگریز نے پرتاپ سنگھ کو اقتدار سے معزول کر کے اس کی جگہ ایک کونسل قائم کر دی۔ چند سال بعد انگریز کو مہاراجہ کی وفاداری کا یقین ہو گیا تو اسے دوبارہ اقتدار سونپ دیا گیا۔ مہاراجہ نے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد 1892ء میں حکیم نورالدین کو چوبیس گھنٹے کے اندر ریاست چھوڑ دینے کا حکم دیا (تاریخ احمدیت جلد ششم مولفہ دوست محمد کادیانی) اس طرح اس نے ایک سامراجی آلہ کار سے نجات پائی۔

("کشمیر میں قادیانی سازش" ماخوذ ماہنامہ "الحق" ص 25 شمارہ ایضاً)

وادی کشمیر پر کادیانی فرماں روائی کے پانچ ثناتی کادیانی استحقاق میں ہم ایک نکتہ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ اس میں مسیح اول یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام معاذاللہ مدفون ہیں۔

میرزا غلام احمد کادیانی اس فریب کاری کی شد و مد سے تبلیغ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کی قبر محلہ خانیار کشمیر میں

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین برس تبلیغ کے بعد صلیبی فتنہ سے نجات پا کر ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور یہودیوں کی دوسری قوموں کو جو "بابل" کے تفرقہ کے زمانہ سے ہندوستان کشمیر اور تبت میں آئے تھے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر کشمیر میں انتقال فرمایا اور سری نگر محلہ خان یار میں دفن کیے گئے"۔

("راز حقیقت" ص 3' از مرزا غلام احمد کادیانی' 1898ء)

میرزا غلام احمد کادیانی نے اپنے خود ساختہ دھرم کی بنیاد اس عقیدے پر قائم کی کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں ان کی قبر محلہ خان یار سری نگر کشمیر میں موجود ہے جو مسلمان اس عقیدے پر ایمان نہیں رکھتا وہ مشرک ہے معاذاللہ اور دین اسلام سے بھی خارج ہے۔ کیونکہ میرزا کادیانی کے اپنے الفاظ میں معاذاللہ "مذہب اسلام ایسے باطل عقیدوں سے دن بدن تباہ ہوتا جاتا ہے"۔ مگر آپ (مولوی لوگ) خوش ہیں۔

(ضمیمہ کتاب "براہین احمدیہ" حصہ پنجم' ص 116 تا 120)

عالمی عدالت کے سابق جج چودھری ظفراللہ خان کادیانی نے نومبر 1967ء کے آخری ہفتے میں افریقہ میں کہہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دینے کے بعد پھر زندگی ملی اور وہ اپنے ایک حواری کے ذریعہ کشمیر کی وادی میں آئے جہاں یہودی قبائل آباد تھے۔ جن کی تبلیغ کے لیے انہیں یہ سفر اختیار کرنا پڑا۔ پھر یہاں ان کی وفات ہوئی اور سری نگر کے محلہ خانیار میں ان کو دفن کیا گیا۔ جہاں آج تک ان کی قبر موجود ہے اور کشمیر کے باشندے اس کے شاہد آج بھی ہیں۔

(بحوالہ پندرہ روزہ "مسلم" سری نگر' کشمیر)

ظفر اللہ آنجہانی کے اس بیان پر بھارت کے سیاست دانوں میں ایک کھلبلی مچ گئی اور وہاں کی "لوک سبھا" یعنی قومی اسمبلی میں ان کی اس تقریر کے اقتباسات پیش کیے گئے۔ بھارتی حکومت نے چوہدری جی کے اس بیان پر ایک تردید جاری کی۔ روزنامہ "جنگ" کراچی کی خبر کے مطابق

"کشمیر میں عیسیٰ علیہ السلام کی قبر موجود نہیں ہے"
(بھارتی حکومت کا اعلان)

"(بھارتی) لوک سبھا میں کل اس بات کی تردید کی گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقبوضہ کشمیر میں دفن کیے گئے تھے۔ آل انڈیا ریڈیو کے مطابق یہ بات لوک سبھا کے ممبر نے پاکستان کے سابق وزیر خارجہ سر محمد ظفر اللہ خاں سے منسوب کی تھی اور اس کی تصدیق چاہی تھی کہ "کیا حضرت عیسیٰ کو مقبوضہ کشمیر میں دفن کیا گیا تھا؟" "ممبر کو بتایا گیا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے" ممبر نے کہا تھا کہ "یہ بات سر ظفر اللہ نے اپنے ایک بیان میں کی تھی"۔

(روزنامہ "جنگ" کراچی' دسمبر ۶

سوال یہ ہے کہ قادیانی دھرم کے مرکزی مہاشے گزشتہ ایک صدی سے مسلسل ہی جھوٹ کی ڈونڈی پیٹتے چلے آ رہے ہیں کہ "محلہ خانیار سری نگر کشمیر میں قبر مسیح کا معاذاللہ وجود عقیدہ وفات مسیح کا سب سے بڑا ثبوت ہے" لیکن ہندو دھرم کی کسی بھی تنظیم کو چاہیے وہ سیاسی ہو یا مذہبی' کانگریس ہو یا جن سنگھی اور راشٹریہ سیوک سنگھ۔ مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو سے لے کر بڑے سے بڑے کسی بوچھیہ پرشاد تک قادیانیوں کو یہ جواب دینے کی توفیق سے عاری ہی رہے کہ "سری نگر میں قبر مسیح کا قادیانی عقیدہ ایک فراڈ ہے" پنڈت لیکھ رام پشاوری زندگی بھر میرزا قادیانی سے نبرد آزما رہے۔ پھر ایک قادیانی نوجوان کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ راقم الحروف نے ان کی

کتابیں پڑھی ہیں۔ جن میں پنڈت جی نے میرزا کادیانی کی ایک ایک کتاب پر گرفت کی ہے۔ لیکن محلّہ خان یار سری نگر میں قبر مسیح کے کادیانی عقیدے کو انہوں نے بھی نظرانداز کر دیا تھا۔ آخر کیوں؟ یہ امر اور بھی تعجب انگیز ہے کہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے فوراً ہی بعد بھارتی سامراج کے سیاسی لالاؤں نے اپنی چھاتی پھلا پھلا کر یہ تردید شروع کر دی کہ "کشمیر میں قبر مسیح اور تدفین مسیح کی داستان سرائی بالکل بے بنیاد ہے۔ آخر کیوں؟ بات یہ ہے کہ عیسائیت اور ہندو دھرم اس جرم میں برابر کے شریک ہیں کہ انہوں نے اپنی پوری تاریخ میں امت محمدیہ کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ انگریز کے دور میں بھارتی لالاؤں کا سیاسی مفاد کلیسائی سامراج کے ساتھ وابستہ تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت پر مبنی خطہ کشمیر روسی پیش قدمی کی نظریاتی سٹرٹیجی کے مطابق انگریز بہادر کے لیے ایک حساس علاقہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراکی سامراج کی سٹرٹیجی کے سامنے بند باندھنے یا اسے روکنے کی من جملہ اور کوششوں میں سے گورے استعمار کی ایک کوشش اس ادعا پر مبنی تھی کہ وادی کشمیر کے مسلمانوں کا ملی تشخص برصغیر پاکستان بنگلہ دیش اور بھارت میں رہنے والے دیگر مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا ایک اٹوٹ انگ نہیں۔ بلکہ اس کا رخ یہودیت کی طرف ہے۔ کیونکہ کشمیری مسلمانوں کا شجرہ نسب خانکش یدبن یہودیت کے ان بارہ قبائل کے ساتھ وابستہ ہے کہ جنہیں بخت نصر بادشاہ نے اپنی قلمرو سے خارج کر کے ملک بدر کر دیا تھا۔ میرزا غلام احمد کادیانی کلیسائی سیاسی فلسفے کے نقیب تھے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں۔ یہودیت کے انہی گم شدہ بارہ قبائل کی تلاش میں کشمیر میں وارد ہوئے تھے اور اسی حسین و جمیل وادی میں معاذاللہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے علاوہ پورے عالم اسلام کے ساتھ کشمیری مسلمانوں کے اس مقدس رشتے کو کاٹ پھینکنے کی اس ناپاک تبلیغ خود گورے سامراج کے مذہبی دعاگو اور ملکہ وکٹوریہ کے خاکسار میرزا غلام احمد کادیانی کی زبانی جو اوپر درج کی جا چکی ہے۔ (دوبارہ ملاحظہ ہو)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی قبر معاذاللہ کشمیر میں

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین برس تبلیغ کے بعد صلیبی فتنہ سے نجات پاکر ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور "یہودیوں" کی دوسری قوموں کو جو "بابل" کے تفرقہ کے زمانہ سے ہندوستان' کشمیر اور تبت میں آگئے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر کشمیر میں انتقال فرمایا اور سری نگر محلہ خانیار میں دفن کیے گئے"۔

("راز حقیقت" ص 3 مرزا قادیانی)

میرزا جی نے اپنے دھرم کے بنیادی عقائد میں صرف "وفات مسیح" اور "کشمیر میں قبر مسیح" ہی کو داخل نہیں کیا۔ بلکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حسب و نسب اور آپ کے اخلاق و کردار پر بھی دشنام طرازی کی تو اخائی۔

میرزا جی نے اس خبیث الفطرت عقیدے کو عام کیا کہ

1 - معاذاللہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تین دادیاں اور نانیاں فاحش بدکار زناکار اور کسبی عورتیں تھیں۔

2 - آپ کا معاذاللہ کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اس وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔ (کتاب ضمیمہ "انجام آتھم" ص 7)

3 - آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی — آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیتے تھے۔ (ایضاً ص 5)

ایک قاری میرزا غلام احمد قادیانی کی متعفن انگیز کتابوں میں یہ سب کچھ پڑھتا ہے اور حیران ہوتا ہے کہ یسوع پرست گورے سامراج کے دور حکومت میں ان کے خداوند یسوع مسیح کے خلاف اس ناپاک تبلیغ کی کھلی چھٹی کیوں؟ اس راز کی گرہ کشائی کرتے ہوئے جلال حمیت آغا شورش کاشمیری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں کہ

برطانوی اقتدار کے زیر سایہ یسوع مسیح کی کادیانی بے حرمتی کیوں؟

(ایک انگریز کا اپنی حکومت سے سوال)

"کوئی نو سال پہلے چرچ آف انگلینڈ کے ایک نمائندہ نے افریقہ میں کادیانی مشن کی سرگرمیوں پر 1966ء میں ایک کتاب لکھی' جس میں اس فرقے کا تجزیہ کیا۔ اس نے لکھا میں نے انگلینڈ واپس آکر وزارت خارجہ سے تذکرہ کیا کہ جہاں جہاں برطانوی اقتدار رہا یا اب جن علاقوں میں نامسلمان حکومت قائم ہے' وہاں کادیانی مشن عیسائیت کے خلاف شد و مد سے پراپیگنڈہ کرتے اور حضرت مسیح کی توہین کرتے ہیں' آخر انہیں برطانوی سرپرستی کیوں حاصل ہے؟" وزارت نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ کہا تو یہ کہ "آپ ان کا چرچ کی سطح پر مقابلہ کیجئے۔ ہماری (برطانوی حکومت کی) سیاسی ضرورتیں مختلف ہیں"۔

("تحریک ختم نبوت" ص 29 از شورش کاشمیری)

"وفات مسیح" اور "کشمیر میں قبر مسیح" یہ تھی خطہ کشمیر کے بارے میں یسوع پرست برطانوی سامراج کی پالیسی اگر میرزا غلام احمد کادیانی اس برطانوی پالیسی کی مذہب کے نام پر تبلیغ نہ کرتا تو اور کیا کرتا؟

یہی میرزا غلام احمد کادیانی تقریباً بارہ سال تک "حیات مسیح" کے عقیدے پر پختہ کار رہنے کے بعد اچانک "وفات مسیح" کی تبلیغ پر کمربستہ ہو گئے۔ مسلمانوں نے ثبوت مانگا۔ تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی رنگ برنگی اور نیلی پیلی مختلف قبریں ثبوت میں پیش کرتے رہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی واحد شخصیت کی ان مختلف قبروں کی مضحکہ خیز کادیانی نشان دہی ملاحظہ ہو۔ میرزا جی اپنی کتاب "ازالہ اوہام" میں لکھتے ہیں

حضرت عیسیٰ کی پانچ نشان زدہ کادیانی قبریں گلیل میں' بیت المقدس میں' بلاد شام میں' کاشغر میں' سری نگر کشمیر میں۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا"۔

(کتاب "ازالہ اوہام" از میرزا غلام احمد قادیانی' طبع اول' ص 273 طبع ثانی' ص 140)

کتاب اتمام الحجہ میں انکشاف کرتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ کی قبر بلدہ قدس (بیت المقدس یا یروشلم) میں ہے اور اب تک موجود ہے اور اس پر ایک گرجا بنا ہوا ہے اور وہ گرجا تمام گرجاؤں سے بڑا ہے اس کے اندر حضرت عیسیٰ کی قبر ہے اور اس گرجا میں حضرت مریم صدیقہ کی بھی قبر ہے اور یہ دونوں قبریں علیحدہ علیحدہ ہیں"۔

(کتاب "اتمام الحجہ" ص 20 از میرزا غلام احمد قادیانی)

پھر تیسری قبر کی نشان دہی کرتے ہوئے میرزا جی نے ارشاد فرمایا کہ:

"بلاد شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کی پرستش ہوتی ہے اور مقررہ تاریخوں پر ہزارہا عیسائی سال بہ سال اس قبر پر جمع ہوتے ہیں۔ اس حدیث کا **لعن اللہ الیہود و النصاری اتخذوا قبور انبیاء ہم مساجد** کہ وہ درحقیقت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سے کچھ تعلق نہیں' تو پھر نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول صادق نہیں ٹھہرے گا"۔

(کتاب "ست بچن" از میرزا غلام احمد قادیانی' صفحہ آخر)

میرزا جی کے رفیق کار کی "قبر مسیح" کے بارے میں یہ اچھوتی یافتی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں: "قبر مسیح کاشغر میں ہے"۔

(کتاب "مسل مصفیٰ" از میرزا خدا بخش قادیانی بحوالہ کتاب "قادیانیت علی القادیانیہ" از مولانا محمد عالم آسی' صفحہ 261)

حضرت عیسیٰ کی قبر محلہ خانیار سری نگر (کشمیر) میں ہے

کتاب "راز حقیقت" کتاب "کشتی نوح" اور دیگر کتب کی تلخیص

پہلے بارہ سال تک "حیات مسیح" پھر اچانک "وفات مسیح" لیکن ایک مسیح کی مختلف ممالک میں قبریں پانچ؟ مرزا جی کی یہ مضحکہ خیز قلابازیاں۔ اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتیں جب تک کہ کسی بھی ملک پر یسوع پرستوں کے نام نہاد سیاسی استحقاق کی تاریخی سرنگتی کو نہ سمجھ لیا جائے امر واقعہ یہ ہے کہ عیسائی ذرائع ابلاغ کی طرف سے کسی بھی ملک میں "قبر مسیح" دریافت ہو جانے کی خوش خبری دراصل "پھول" ہوتا ہے۔ اس غریب ملک کے بھوکے ننگے عوام پر' چڑھ دوڑنے کا۔ فاقہ کش اور بھولے بھالے عوام اور قبر مسیح کی اس سیاسی دریافت کو ایک بے ضرر تاریخی ریسرچ سمجھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ جب صلیبی سیاست اپنی مطلوبہ سرنگتی کو مضبوط اور مستحکم بنا لیتی ہے۔

تب آنکھ کھلتی ہے تو اس ملک کی دھرتی' اس کے کھیت' اس کے شہر' اس کی گلیاں صلیبی استعمار کے مضبوط پنجوں میں لہولہان نظر آتی ہیں۔

اس درجہ مسلط ہے دیوانگی کا عالم
دیوانگی بھی مجھ کو دیوانہ کہہ رہی ہے

تو "قبر مسیح" کی اس صلیبی دریافت کا سیاسی ڈراپ سین یوں ہوتا ہے کہ مصلوب مسیحا کے پیروکار اس دھرتی کے فاقہ کش عوام کو اپنا غلام بنا لیتے ہیں ـــــ عیسائی سامراج نے سب سے پہلے "روم" کی سرزمین کو اپنا مطمع بنایا۔ یہ وہ دور تھا کہ یونان کی بت پرست اقوام کو مسیحیت میں داخل کرنے کے لیے عیسائی مذہب نے "بت پرستی" کو "عیسائی عقائد" میں شامل کر لیا تھا۔ چنانچہ روم کے کلیساؤں میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے نصب کر دیئے گئے۔ مصلوب مسیحا کے پیروکار حاجت روائی اور مشکل کشائی کے نام پر لوٹے پڑتے تھے اور پیران کلیسا کے وارے نیارے ہو جاتے تھے اسی قسم کا ایک "مجسمہ مسیح" آج بھی "روم" میں موجود ہے۔ عالمی مسیحی

برادری کے افراد پتھر کے تراشے ہوئے اس "یسوع مسیح" کے سامنے اپنی مرادیں طلب کرتے ہیں۔ جناب محمود نظامی عیسائیت کی اس ضعیف الاعتقادی کا ایک دلچسپ مشاہدہ بیان کرتے ہوئے انکشاف کرتے ہیں کہ سائنس کے اس دور میں بھی۔

سرزمین روم میں عیسائیت کا حاجت روا اور مشکل کشا یسوع مسیح کا مجسمہ

"مجھے روم میں ایک ایسا کلیسا دیکھنے کا موقع ملا۔ جہاں حضرت عیسیٰ کا ایک مجسمہ رکھا تھا۔ جس میں انہیں ایک بچے کی صورت میں دکھایا گیا تھا۔ اس مجسمے کے نام دنیا کے گوشے گوشے سے رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرف سے تار اور خط روزانہ موصول ہوتے ہیں۔ پچھلے دو تین روز کے خطوط کا ایک بڑا سا انبار اس کے سامنے رکھا تھا۔ کچھ خط اندرون چین، تھائی لینڈ، برازیل اور چلی تک سے آئے تھے ان (خطوط) میں خوش عقیدہ لوگوں نے اپنے گھریلو مسائل اور کاروباری مشکلات میں اپنے آسمانی باپ سے مدد چاہی تھی۔ مجسمے کے قریب ہی ان تحائف کا ڈھیر بھی موجود تھا۔ جو احسان مند افراد نے اپنی مشکلات کے حل ہو جانے پر بطور شکرانہ بھجوائے تھے۔ ان میں سونے چاندی کے زیور، پارچات بھی شامل تھے"۔

("نظر نامہ" از محمود نظامی، ص 233 بحوالہ ماہنامہ "اردو" ڈائجسٹ لاہور، جون 1986ء)

جب رومن عیسائی سامراج نے ایشیائے کوچک یعنی ترکی پر قبضہ جما لیا۔ تو وہاں کے باشندے یونان کی دیوی "ڈائنا" کی پوجا کرتے تھے۔ "افیسس" شہر میں "ڈائنا دیوی" کا ایک بہت بڑا مندر تھا جو دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا تھا۔ سینٹ پال نے جب اس شہر میں عیسائیت کی دعوت پیش کی تو ڈائنا کے پجاری تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ وہاں کے زرگر حضرات کو تشویش اس بات کی تھی کہ ان کا کاروبار ختم ہو جائے۔ لگ انہوں نے "ڈائنا دیوی" زندہ باد کے نعرے لگائے۔ روم کے عیسائی سپاہیوں نے

انھیں مار مار کر سیدھا کر دیا اور یوں افیسس شہر عیسائیت کا ایک مضبوط قلعہ بنا دیا گیا کہ اس شہر میں حضرت مریم علیہا السلام کی قبر موجود ہے۔ معروف امریکی دانشور ولیم اسپنسر لکھتے ہیں کہ

حضرت مریم علیہا السلام کا کلیسائی مزار قدیم ترکی میں

"ایک عجیب و غریب افسانہ گھڑ لیا گیا اور اس نے حقیقت کی شکل اختیار کر لی (مسیحی عقیدے کے مطابق) مصلوب ہونے سے پہلے مسیح نے اپنی والدہ کو "یوحنا" کی نگرانی میں دے دیا تھا۔ افسانہ یہ ہے کہ حضرت مریمؑ افیسس آئیں۔ شہر کے ایک چھوٹے سے مقام میں مدت تک زندہ رہیں اور یہیں وفات پائی۔ اس معاملے میں موجودہ زمانے کے ترکوں کا کوئی خاص عقیدہ نہیں۔ تاہم جب کوئی شخص افیسس پہنچے تو وہ پہاڑ پر ایک مکان اسے ضرور دکھائیں گے۔ جس کا نام "مینیا کولو" ہے جہاں حضرت مریمؑ رہتی تھیں۔ ان کی قبر کہیں نہیں ملی۔ مگر کیتھولک کلیسا نے افیسس کو حضرت مریم کی زیارت گاہ تسلیم کر لیا"۔

(ترکی - سرزمین - باشندے' ص 37 از ولیم اسپنسر' ترجمہ مولانا غلام رسول مہر)

ذرا سوچئے تو کہ خود اپنے خداوند کے بارے میں عیسائیت کے تراشیدہ یہ پتھر کے مجسمے؟ اور اس خدا کی والدہ کے یہ مصنوعی مزار؟ پھر مصلوب مسیحا کے پجاریوں کے خود ساختہ پودوں کی ان کے خداوند کے بارے میں یہ نرالی تبلیغ کہ معاذاللہ:

1- یسوع مسیح کی قبر گلیل میں ہے۔

2- آپؑ کی قبر بیت المقدس کے گرجے میں ہے۔

3- یسوع مسیح کی قبر بلاد شام میں ہے اور وہاں اس پر میلے لگتے ہیں۔

4- کاشغر میں بھی ان کی قبر کا نشان دستیاب ہو گیا ہے۔

5- محلہ خانیار' سری نگر کشمیر میں حضرت مسیح معاذاللہ مدفون ہیں۔

ع اس پر بھی مجھے علم نہیں ہے کہ میں ہوں کیا

کیا ان قلابازیوں کو پڑھ لینے کے بعد بھی اس حقیقت میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے مذہبی دغاگو سٹہ بازوں کے ہاتھوں سے پورے عالم اسلام پر یورپ کی سیاست نے بڑی خوبصورتی سے سیاہ پٹی باندھ دی ہے۔ ہمارے شعور کو صلیبی سیاست نے "وفات مسیح" اور "قبر مسیح" کے کوڑے مار مار کر بے حس کر دیا ہے تاکہ امت محمدیہ کا کوئی بھی فرد اس واضح حقیقت کو سمجھنے نہ پائے کہ یورپ کی سیاست کی ٹیڑھی ٹوپی پہننے والے جب ترکی کی خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی "مسٹر سیٹی" کی تکمیل کر رہے تھے تو ان گورے۔ کج کلاہیوں کے خود کاشتہ پودے ملت اسلامیہ کو شام' بیت المقدس اور کاشغر کے خطوں میں "قبر مسیح" کے دریافت ہو جانے کی خوشخبری سنا رہے تھے۔

اور جب روسی پیش قدمی کے خوف سے کشمیری مسلمانوں کو ڈوگرہ سامراج سے چھڑا کر براہ راست اپنی غلامی کی زنجیریں پہنانے کی خاطر لوہے کو گلانے کی بھٹیاں تیار کر رہا تھا تو مصلوب مسیحا کے پیروکاروں کی یہ معنوی اولاد یسوع مسیح کی قبر کو سری نگر کشمیر میں دریافت ہو جانے کی تبلیغ پر مامور تھی۔ اب کشمیر جنت نظیر کو ایک نئی شکل دینے کا منصوبہ ایک روحانی جماعت کے پیشوا کی معرفت سے تیار کیا جا رہا ہے' تاکہ محلّہ خانیار سری نگر میں قبر مسیح کے ڈرامے کو "۳ نکل سام" زندہ رکھ سکیں۔

تحریک آزادی کشمیر میں قادیانیوں کے سازشی کردار کے پس منظر کو بے نقاب کرتے ہوئے' علامہ اختر فتح پوری لکھتے ہیں:

ریاست کشمیر جسے قدرت نے فطرتی حسن اور بے پناہ ذخائر سے مالا مال فرمایا ہے۔ اس کے باشندوں کی حالت انتہائی دکھ دہ اور اذیت ناک رہی ہے' سکھوں اور ڈوگروں نے مسلمان رعایا پر خوفناک مظالم ڈھانے کے علاوہ ان کے مذہبی جذبات و احساسات کو بھی نہایت بھیانک رنگ میں مجروح کیا ہے یہ داستان بڑی جاں گسل اور روح فرسا ہے' جس کے بیان کا یہ موقع نہیں' ہمارا موضوع سخن یہ ہے کہ قادیانیوں

نے کس بناء پر تحریک آزادی کشمیر میں شمولیت اختیار کی۔ اس سلسلہ میں سید ولی اللہ شاہ صاحب کی ایک روایت سنئے جو انہوں نے جناب حکیم نورالدین صاحب کی طرف منسوب کر کے بیان کی ہے' فرماتے ہیں' حضور (حکیم نورالدین صاحب) نے فرمایا:

"ساری رات جاگتا رہا اس غم و فکر میں کہ مسلمانوں کی نجات کیسے ہوگی' دجالی فتنہ شدت سے بڑھتا چلا آ رہا ہے اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی کئی حکومتیں برباد ہو گئی ہیں' پھر آپ خاموش ہو گئے' تھوڑے وقفے کے بعد حسرت بھرے لہجے میں فرمایا' قرآن مجید میں جو آیا ہے **تکاد السموات یتفطرن منہ و تنشق الارض و تخر الجبال ھدا** پورا ہوگیا' بہت ہی بڑا فتنہ ہے' جس سے نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی' پھر فرمایا' خدا کا کلام پر حکمت ہوتا ہے اور اس کے اندر ہی علاج بھی سمجھا دیا جاتا ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ ہے۔ آپ نے کوہ ہمالہ سے شروع کرتے ہوئے بلوچستان اور ڈیرہ غازی خاں کے سب پہاڑی سلسلے گنے اور فرمایا ان پہاڑی قوموں کے اندر کوئی جائے اور ان میں زندگی پیدا کرے تو شاید ان میں حرکت پیدا ہو اور مسلمانوں کا بقیہ الباقیہ کسی طرح بچ جائے"۔

("تاریخ احمدیت" جلد 6 ص 315)

حکیم صاحب کے اس انکشاف نے کہ ہمالیہ کے دامن سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ خلیفہ صاحب کو گوارا و تڑ مہیا کی وہ تحریک آزادی کشمیر میں حصہ لیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ پچاس ہزار احمدی وہاں آباد تھے جن سے مقامی طور پر بہت فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔

اس کی تیسری وجہ خلیفہ ثانی کا ریان کی زبانی سنئے' فرماتے ہیں:

"نواب امام الدین صاحب جو مہاراجہ رنجیت سنگھ سکھ بادشاہ کے زمانہ میں جالندھر کے گورنر تھے' ان کو کشمیر کے خراب حالات دیکھ کر سکھ

گورنمنٹ نے گورنر بنا کر کشمیر بھجوایا' کشمیر کے حالات خراب تھے خصوصاً اردگرد بسنے والے ڈوگروں کی وجہ سے یہ خرابی بڑھ گئی تھی۔ اس لیے نواب امام دین صاحب کا یہ خیال تھا کہ یہ کام آسان نہیں بلکہ بہت مشکل ہے' انہوں نے سکھ گورنمنٹ سے اصرار کیا کہ مجھے اپنے ساتھ بطور مددگار میرزا غلام مرتضیٰ رئیس قادیان کو بھی لے جانے کی اجازت دی جائے۔ میرزا غلام مرتضیٰ میرے دادا تھے اور نواب امام دین صاحب کے گہرے دوست تھے چنانچہ دونوں کشمیر گئے' اتنے میں انگریزوں اور سکھوں کی لڑائی ہوئی اور انگریزوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لڑکے پر فتح پائی اور انہوں نے تاوان جنگ کے طور پر 75 لاکھ نانک شاہی روپیہ مانگا جو تقریباً پچاس لاکھ موجودہ سکہ کے برابر ہے چونکہ سکھ خزانے اس وقت خالی تھے۔۔۔۔۔ اس لیے انگریزوں نے سکھ حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ 75 لاکھ چہرہ نانک شاہی کے بدلہ میں کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس بیچ دیں اس کے بعد ریاست کشمیر نے اپنے اردگرد کا ایک وسیع علاقہ جو چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں کے ماتحت تھا قیامِ امن کے نام سے فتح کیا۔۔۔۔۔ نواب امام دین صاحب نے بغاوت کرنا چاہی اور ان مسلمان ریاستوں کا ایک جتھہ بنانا چاہا لیکن باقی مسلمانوں نے ان کو مشورہ دیا کہ یہ لڑائی انگریزوں کے ساتھ ہوگی اور انگریزوں کے ساتھ پہاڑی نواب نہیں لڑ سکتے"۔

("تاریخ احمدیت" جلد 6 صفحہ 436 - 435)

گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مرزا غلام مرتضیٰ جو مرزا صاحب کے والد تھے۔ انگریزوں کے ایجنٹ انہوں نے 1857ء میں مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی مدد کی تھی' اس موقع پر بھی وہ کشمیر آئے اور ان کے آتے ہی سکھوں اور انگریزوں میں لڑائی ہوئی اور انگریز کامیاب ہوئے اور انہوں نے ہی نواب امام الدین

کو یہ مشورہ دیا کہ انگریزوں کے ساتھ پہاڑی نواب مقابلہ نہیں کر سکیں گے لہذا تم بغاوت کے ارادہ کو ترک دو۔

خلیفہ کادیان نے یہ کہہ کر کہ:

"باقی مسلمانوں نے ان کو مشورہ دیا کہ یہ لڑائی انگریزوں کے ساتھ ہوگی اور انگریزوں کے ساتھ پہاڑی نواب نہیں لڑ سکتے"۔

عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مشورہ دینے والے جناب میرزا غلام مرتضیٰ صاحب تھے' جنہیں نواب امام دین صاحب مشورہ کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔

اس کی چوتھی وجہ یہ تھی کہ مہاراجہ کشمیر کے ہاں حکیم نورالدین صاحب بطور شاہی طبیب کے ملازمت تھے جنہیں اس نے تین دن کے اندر اندر ریاست سے باہر نکل جانے کا حکم دیا تھا۔

میاں محمود احمد صاحب اپنے دادا اور خسر کی جگہ جانے اور وہاں پر قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہے تھے' اس کی ترغیب یوں پیدا ہوئی کہ 25 جولائی 1931ء کو نواب سر ذوالفقار علی خاں کی کوٹھی پر شملہ میں ایک اجلاس منعقد ہوا' جس میں خواجہ حسن نظامی' سر میاں فضل حسین' ڈاکٹر سر محمد اقبال' سر ذوالفقار علی خاں' نواب صاحب کنج پورہ' خان بہادر شیخ رحیم بخش' سید محسن شاہ ایڈووکیٹ' مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی' مولوی نور الحق مالک "مسلم آؤٹ لک" سید حبیب مدیر "سیاست" اور میاں محمود احمد خلیفہ کادیان شامل ہوئے ان کے علاوہ مولوی میرک شاہ اور اللہ رکھا صاحب ساغر بالترتیب کشمیر اور جموں کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ کثیر الوسائل ہونے کے لحاظ سے میاں محمود احمد صاحب کو کشمیر کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا' میاں محمود احمد صاحب اس تحریک آزادی میں گورنمنٹ انگریزی کے ایماء پر شامل ہوئے تھے تاکہ کشمیر کمیٹی کی کارگزاری کی باقاعدہ طور پر حکومت کو اطلاع دیتے رہیں' میاں صاحب کے خاندان کے ایک انتہائی قریبی عزیز نے بلاواسطہ میرے پاس

بیان کیا کہ :

"حضور (میاں محمود احمد) تمام کارگزاری کی رپورٹ باقاعدہ طور پر انگریزی حکومت کو بھجوایا کرتے تھے ایک رات پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ کے دو آدمی علامہ اقبال کے مکان پر آئے انہوں نے علی بخش سے پوچھا علامہ صاحب کہاں ہیں ہم ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں' علی بخش نے کہا وہ سو رہے ہیں انہوں نے کہا کہ انہیں فوراً جگا دیں ہمیں ان سے ایک ضروری کام ہے اور اسی وقت ہم نے واپس بھی جانا ہے۔ علامہ قریب ہی سوئے ہوئے تھے' ان کی آواز سن کر بیدار ہو گئے تو انہوں نے علامہ صاحب کے سامنے وہ تمام ریکارڈ رکھ دیا جو میاں محمود احمد نے گورنمنٹ کو بھیجا تھا' نیز انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے متعلق یہ پتہ چل جائے کہ ہم یہ فائلیں اٹھا کر یہاں لے آئے ہیں تو ہماری سزا موت کے سوا کچھ نہیں مگر ہمیں اس بات پر حیرت ہے کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کو کشمیر کمیٹی کا صدر بنایا ہوا ہے جو گورنمنٹ کا جاسوس ہے"۔

اس اطلاع کے بعد علامہ صاحب نے یہ تحریک اٹھائی کہ میاں محمود احمد کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سے ہٹایا جائے۔ چنانچہ میاں محمود احمد کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے کر الگ ہو گئے۔

گورنمنٹ اور خلیفہ قادیان کے تعلقات کا مزید پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ گورنمنٹ جو اقدامات کرنا چاہتی تھی وہ انہیں قبل از وقت بتا دیا کرتی تھی' یہ اپنے مریدوں کو بتا دیتے تھے' مرید یہ سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے "حضور" کو بتایا ہے۔ جب چند دن بعد وہ بات پوری ہو جاتی تو مریدوں کے "ایمان" میں اضافہ ہو جاتا اور دوسرے لوگ جو جماعت سے تعلق نہیں رکھتے تھے ان کی سیاسی بصیرت کی داد دینے لگتے۔ اس تعلق میں "رمضان کشمیر" کے مصنف محی الدین قمر رازی کا بیان سنئے :

"اس جماعت کی معلومات اس قدر وسیع تھیں کہ جو کچھ پندرہ دن

کے بعد ہونے والا ہوتا تھا۔ اس سے اہل خطہ کو آگاہ کرتے تھے میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایک دفعہ میں مسلم ہوٹل سری نگر میں ٹھہرا ہوا تھا' اس وقت شیخ عبداللہ صاحب گرفتار ہو چکے تھے تو جماعت احمدیہ کے ایک ممبر نے کہا کہ فلاں تاریخ کو شیخ صاحب رہا کئے جائیں گے' اس پر نہایت متعجب ہوا کہ اس جماعت کی معلومات کس قدر وسیع اور صدق ہوتی ہیں"۔

("تاریخ احمدیت" جلد 6' ص 484)

دیکھا آپ نے یہ جماعت کس عیاری کے ساتھ مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھا رہی تھی کہ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں' دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور کشمیر کے معاملات میں جماعت کادیان کی شرکت ازحد ضروری ہے اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کشمیر کمیٹی کے سیکرٹری بھی جماعت کادیاں سے تعلق رکھتے تھے' گویا صدر اور سیکرٹری دونوں کادیانی تھے۔

علامہ اقبال نے حکومت ہند کو 1935ء میں کہا تھا:

"اگر حکومت کے لیے یہ گروہ مفید ہے تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے لیکن اس ملت کے لیے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے"۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اور کادیانی

کادیانی جماعت اور انگریزوں کے متعلق آپ گزشتہ صفحات میں بہت کچھ پڑھ آئے ہیں۔ ہندوستان کے ہندو بھی سیاسی اعتبار سے کادیانیوں کو اپنے لیے بہت مفید خیال کرتے تھے۔ 1935ء کی بات ہے علامہ اقبال نے کادیانیوں کے خلاف ایک سلسلہ مضامین شروع کیا جس کا جواب دینے کے لیے پنڈت نہرو جیسے سوشلسٹ میدان میں کود پڑے آپ تھوڑے سے تدبر سے کام لے کر بتائیں کہ کادیانی جماعت کی حمایت کے لیے ایک دہریہ ہندو کو کیوں جوش آیا۔ خدا اور رسول کے ایک منکر کو کیا

"تکلیف ہوئی کہ قادیانی جماعت کی حمایت میں جمہور مسلمانوں سے ٹکر لے اور یہ کہے کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے ایک الگ فرقہ نہ قرار دیا جائے۔ چنانچہ پنڈت نہرو کی اس "اسلامی خدمت" پر قادیانی اس کے بہت شکر گزار ہوئے اور جب پنڈت نہرو لاہور آئے تو قادیانیوں کی نیشنل کور نے ان کا زبردست استقبال کیا۔ اب خلیفہ قادیاں کا ایک بیان سنئے' فرماتے ہیں:

"اگر پنڈت جواہر لعل نہرو اعلان کر دیتے کہ احمدیت کو مٹانے کے لیے وہ اپنی تمام طاقت خرچ کر دیں گے' جیسا کہ احرار نے کیا ہوا ہے' تو اس قسم کا استقبال بے غیرتی ہوتا لیکن اگر اس کے برخلاف یہ مثال موجود ہے کہ قریب کے زمانے میں ہی پنڈت صاحب نے ڈاکٹر اقبال کے ان مضامین کا رد لکھا جو انہوں نے احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ قرار دیئے جانے کے لیے لکھے تھے اور نہایت عمدگی سے ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے احمدیت پر اعتراض اور احمدیوں کو علیحدہ کرنے کا سوال بالکل نامعقول اور خود ان کے گزشتہ رویہ کے خلاف ہے تو ایسے شخص کا جب وہ صوبہ میں مہمان کی حیثیت سے آ رہا ہو ایک سیاسی انجمن کی طرف سے استقبال بہت اچھی بات ہے"۔

("الفضل" 11 جون 1936ء)

پنڈت نہرو نے جس مقصد کے لیے قادیانیوں کی حمایت کی تھی وہ یہ تھا کہ جب تک یہ لوگ مسلمانوں کی صفوں میں موجود رہیں گے' ان کی وحدت و مرکزیت کو توڑنے میں بہت آسانی رہے گی اور یہی مقصد انگریز کا بھی تھا کہ کسی صورت میں مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا نہ ہو۔ انگریزوں کی جس مذہبی آزادی کا اعلان مرزا صاحب اور قادیانی جماعت کرتی ہے' اس کے پس پردہ بھی یہی روح کار فرما تھی کہ مسلمانوں کی آپس میں سر پھٹول جاری رہے اور وہ فروعی مسائل پر دست و گریباں ہو کر ہمیشہ انتشار و افتراق کا شکار رہیں۔ آپ غور فرمائیں جو شخص خدا اور رسول کا منکر

ہے' اس کو اس بات سے کیا واسطہ ہے کہ فلاں فرقہ کو ضرور مسلمانوں کا حصہ خیال کیا جائے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ سیاسی لحاظ سے اس جماعت کو اپنے لیے مفید سمجھتا ہے۔

("قادیانی تحریک کا سیاسی پس منظر" از علامہ اختر فتح پوری' ص 28 تا 34

مرکزی ادارہ اشاعت السنہ' انبیہ' نشاط ہوٹل بلڈنگ بھوانہ بازار' فیصل آباد)

مولانا عتیق اللہ شاہ صاحب مفتی اعظم پونچھ کشمیر میں قادیانیوں کی سازشوں پر سے پردے اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حکومت آزاد کشمیر کا قیام اس خواب کی زندۂ جاوید تعبیر ہے جو 1928ء میں پرنس آف ویلز کالج جموں کے چند غیور طلباء نے دیکھا تھا اور مسلم ینگ مینز ایسوسی ایشن کی شکل میں سیاست کے عملی میدان میں اتر کر پہلی بار ڈوگرہ حکومت کے سیاہ نامہ اعمال کا مواخذہ کیا تھا' 1931ء میں اسلامیان جموں کشمیر کو متحد و منظم کر کے انہیں جدوجہد آزادی کے لیے تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس عظیم اور ناقابل تسخیر قوت کی بنیاد پڑی' جسے آج "آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کہا جاتا ہے اور مشکلات کے باوجود جس کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور وہ راہ آزادی کے دشوار ترین مراحل طے کرتی رہی' نوبت یہاں تک پہنچی کہ ڈوگرہ حکومت کو طوعاً" و کرہاً" تقاضائے ملی کے آگے گھٹنے ٹیک دینے پڑے"۔ ہندو کانگریس کو کشمیر میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار منظور نہیں تھا' چنانچہ اسلامیان جموں و کشمیر کی متحد و منظم صفوں میں انتشار پھیلانے کے لیے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس کا لبادہ اوڑھنے کی دعوت دی گئی۔

چنانچہ اس مرحلہ پر قائد ملت اور ان کے رفقائے کار نے نیشنل کانفرنس کا روپ دھارنے کی اس منافقانہ تجویز کو ٹھکرا کر تنظیم ملت کے لیے جو انقلابی قدم اٹھایا وہ اس اسلامی تصور کی بنا پر تھا جو آگے چل کر

قیام پاکستان کا باعث بنا اور اس پیش بندی نے ملت اسلامیہ کو ہندو کانگریس کے دام میں گرفتاری سے بچا لیا۔

آزاد کشمیر قرارداد کی منظوری

اسی طرح جب شیخ عبداللہ اور اس کے حواریوں نے اپنے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی اور سستی شہرت کے حصول کی خاطر "کشمیر چھوڑ دو" کا شوشہ چھوڑا تو 1946ء میں قائد ملت کی قیادت میں مسلم کانفرنس نے "آزاد کشمیر" کی انقلابی قرارداد منظور کی اور اسلامیان ریاست جموں و کشمیر کو اس راہ پر گامزن کر دیا' جو انھیں اپنی منزل مقصود پاکستان کی طرف لے جاتی ہے' مسلم کانفرنس نے طویل جدوجہد کے بعد 24 اکتوبر 1947ء کو "آزاد کشمیر" کی منظور کردہ قرارداد کا عملی طور پر سنگ بنیاد رکھا یعنی آزاد علاقہ کے نظم و نسق کے لیے ایک حکومت قائم کی جو مسلم کانفرنس کے ماتحت ایک اعلیٰ اختیارات کے انتظامیہ ادارہ کی حیثیت سے علاقے کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے ہے' اس حکومتی ادارہ کے لیے مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ بمنزلہ قومی پارلیمان یا مجلس آئین ساز کے ہے اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے صدر قائد ملت چودھری غلام عباس خان آزاد کشمیر حکومت کے نگران اعلیٰ کی حیثیت سے اسلامیان ریاست جموں و کشمیر کی قیادت فرما رہے ہیں شاید پڑھنے والوں کے دل میں اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہو کہ تحریک آزادی کشمیر میرزائی کب اور کیسے حائل ہو رہے "تو اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ یہ فرقہ باطلہ ریاست میں تحریک حریت کے آغاز سے ہی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی میں رکاوٹ پیدا کرتا چلا آیا ہے اور آج تک بدستور یہی منافقانہ فریضہ بجا لا رہا ہے"اور مفصل جواب یہ کہ 1931ء میں جب تحریک حریت کشمیر کی ابتدا ہوئی اور ریاست کے باہر ستم

رسیدہ کشمیری مسلمانوں کی استمداد کے لیے "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کی تشکیل عمل میں آئی اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے تو موجودہ خلیفہ قادیان بھی اپنے بااثر حواریوں کی امداد سے اس کمیٹی کے رکن بن گئے اور اپنی عادت و فطرت کے مطابق کمیٹی کو ناکام بنانے' تحریک کو ختم کر کے ڈوگرا راج کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے جوڑ توڑ میں مصروف ہو گئے' چنانچہ ان کی پس پردہ سازشوں کو علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے شدت سے محسوس کیا اور اصلاح احوال کے لیے کمیٹی کے جدید انتخاب کی طرح ڈالی' تاکہ مرزائیوں کا اس امدادی کمیٹی سے اخراج ہو سکے' قائد ملت اور ان کے رفقائے کار نے علامہ مرحوم کے اس اقدام کی پرزور حمایت کی لیکن مرزائیوں نے جو کشمیر کمیٹی پر بری طرح مسلط تھے' انتخاب جدید کو آگے بڑھنے نہ دیا اور علامہ اقبال کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ رہا کہ وہ اس کمیٹی کو سرے ہی سے ختم کر دیں اور یوں مسلمانان کشمیر کو مرزائیوں کے مخالفانہ عزائم کے تباہ کن اثرات سے بچا لیں' چنانچہ یہ کمیٹی توڑ دی گئی اور ریاستی مسلمان مسلم کانفرنس کے جھنڈے تلے منظم ہونے کی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے' لیکن صفحہ تاریخ پر یہ واقعہ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ رقم ہو گیا کہ مرزائیوں کی کٹ حجتی اور ڈھٹائی کی وجہ سے کشمیری مسلمان اپنے دس کروڑ ہندی مسلمانوں کی عملی ہمدردی سے محروم ہو گئے اور مجلس احرار اسلام کے ہزاروں سرفروش اور جانباز رضاکاروں پر جو مظلوم مسلمانان کشمیر کی امداد کے لیے ریاست میں داخل ہو رہے تھے' قید و بند کی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

در پردہ سازشیں

مسلمانان ریاست جموں و کشمیر کی واحد سیاسی جماعت آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے مخلص ارکان فرقہ مرزائیہ کے ملت کش عزائم سے واقف تھے' اس لیے مسلم کانفرنس کے آئین میں ایسی دفعات شامل کر لی گئیں' جن کی رو سے مرزائیوں کے لیے اس جماعت کے دروازے بند کر دیے گئے' لیکن یہ لوگ بھی کب نچلے بیٹھنے والے تھے' کشمیر میں تنخواہ دار ایجنٹوں کی ایک کھیپ بھیج دی گئی' سری نگر سے "اصلاح" نام کا ایک ہفتہ وار اخبار جاری کر دیا گیا اور نہایت ہوشیاری سے ایک طرف تو مسلمانوں کے متاع ایمان پر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیے اور دوسری طرف مسلمان اکابرین ملت اور مسلم کانفرنس کے خلاف مکروہ پراپیگنڈہ کی بنیاد ڈال دی' چنانچہ کوٹلی کے رسوائے عالم جریدہ "نوائے کشمیر" کے پس پردہ مقالہ نویس "محمد الغفار و عبدالواحد" مرکز مرزائیاں (قادیان) کے تنخواہ دار ایجنٹوں کی حیثیت سے "اصلاح" سری نگر کے صفحات پر برسوں اپنے خبث باطن کا سنڈاس بکھیرتے رہے اور نہایت چالاکی اور مکاری سے مسلمانوں میں انتشار و افتراق کی آگ بھڑکانے میں سرگرم عمل رہے چنانچہ اخبار بین حضرات سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ "اصلاح" نے مسلمان کشمیر کی تحریک آزادی کو نقصان پہنچانے کی مہم کو آخیر وقت تک جاری رکھا یہ علیحدہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے ناپاک ارادوں کو کامیابی کے زینہ تک پہنچنے نہ دیا' بلکہ الٹا انھیں خائب و خاسر کر کے اپنے حقیقی ڈربہ میں گھسنے پر مجبور کر دیا۔

مرزائیوں کی ایک اور کوشش

1946ء کی تاریخی اور انقلابی قرارداد آزادی کے منظور کرنے کے بعد جب ڈوگرہ حکومت نے قائد ملت چوہدری غلام عباس خان اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے دوسرے ممتاز کارکنوں کو گرفتار کر کے جیل میں

ڈال دیا تو ان کی عدم موجودگی میں مرزائیوں کو پھر موقعہ مل گیا کہ وہ ریاستی سیاسیات میں گھس پھنس کر اپنی دیرینہ آرزوؤں کو پورا کریں' چنانچہ انہوں نے جہاد آزادی کے دوران میں "فرقان بٹالین" کے نام سے ایک فوج مرتب کی جو خالص مرزائیوں پر مشتمل تھی' دراصل اس فوج کی ترتیب اس لیے عمل میں لائی گئی تھی کہ اس کے نام پر یہ اپنے نور کو منظم مسلح کر سکیں گے اس کے ساتھ ہی مرزائیوں نے کشمیر کے بعض ایسے اصحاب کو بھی اپنے دام تزویر میں پھانس لیا' جو وقت کی غلط بخشیوں اور عبوری دور کے قحط الرجال کے طفیل "بڑے" بن چکے تھے اور جنہیں قوم و ملت کے اجتماعی مفاد سے کہیں زیادہ اپنے ذاتی فائدوں سے کام تھا' چنانچہ آزاد کشمیر کے ان ابن الوقت ارباب اختیار سے ساز باز کر کے مرزائی ٹولہ ایک طرف تو حکومت کے قریب قریب تمام کلیدی عہدوں پر قابض ہو گیا تو دوسری طرف پاکستان میں پناہ حاصل کرنے کے لیے آنے والے مہاجرین میں گھل مل کر اور ان پر اپنی منافقانہ چاپلوسی اور لفظی ہمدردی کا جادو چلا کر خاصا اثر و رسوخ پیدا کر لیا' بدقسمتی سے کشمیری مہاجروں کے آرام و آسائش سے متعلق پاکستانی امدادی اداروں کے بعض با اختیار آفیسر بھی کٹر مرزائی تھے' ان لوگوں نے کشمیری مہاجروں کی بدحالی اور بے سرو سامانی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے "پاکستان میں مسلم کانفرنس کے مقابلہ میں انجمن مہاجرین" کے نام سے ایک متوازی جماعت قائم کر دی' جس کا ظاہر مقصد تو مہاجرین کے سود و بہبود سے متعلقہ امور کی نگرانی بتایا گیا' مگر درپردہ اسے مسلم کانفرنس اور اس کے مخلص کارکنوں کے خلاف سادہ لوح کشمیری مسلمانوں میں منافرت کے بیج بونے کے لیے استعمال کیا جانے لگا' ادھر مرزائی ارباب اختیار پاکستان نے اس نئے ادارہ کی جڑیں مضبوط کرنے اور اس کے اثر و رسوخ کا مہاجرین پر سکہ بٹھانے کے لیے راشن کپڑا وغیرہ کی

تقسیم، مہاجروں کی تصدیق وغیرہ تمام امور میں انجمن مہاجرین کے مرزائی
ارکان کو بڑھاوا دینا شروع کر دیا۔ وہ تو خدا کا فضل شامل ہوا، قائد ملت اور
چیدہ مسلم کارکن دشمنوں کی قید سے رہا ہو کر پاکستان پہنچ گئے اور مسلم
کانفرنس کے خلاف پیدا کردہ اس طوفان بدتمیزی کا طلسم ٹوٹنے لگا اور کشمیری
عوام پر "انجمن مہاجرین" کے مرزایانہ ہتھکنڈوں کی حقیقت کھلنے لگی، لیکن
اب مفاد پرست اشخاص کی غالب اکثریت مرزائی لوبی کے زیر اثر آ چکی تھی
اور ابن الوقت قسم کے بعض کشمیری حضرات راولپنڈی، لاہور، سیالکوٹ
وغیرہ مقامات کی مرزائی ایجنسیوں کے آلہ کار بن چکے تھے، اس لیے انتشار و
افتراق کی جڑیں کاٹنے کے لیے مسلم کانفرنس کو بیک وقت کئی محاذوں پر
سرگرم عمل ہونا پڑا، مرزائی لوبی کے ساختہ پرداختہ خدائی خوار قدم قدم پر
نئی رکاوٹیں کھڑی کرنے اور مختلف ذرائع سے انتشار و بے چینی کو فروغ
دینے پر ادھار اٹھائے بیٹھے تھے حتیٰ کہ خود مسلم کانفرنس میں کشمیری بلاک
کے نام سے ایک نئی لعنت کھڑی کر دی گئی تھی، سیالکوٹ ایسے مہاجر
اکثریت کے ضلع سے "جہاد" اور "آزاد کشمیر" نام کے دو اخبار قوم میں
نفاق و افتراق کے زہریلے جراثیم بکھیرنے اور کشمیری مہاجر رائے عامہ کو
مسلم کانفرنس سے بدظن کرنے کا مکروہ فریضہ بجا لا رہے تھے اور اس پر
طرفہ تماشا یہ کہ مرزائی موقعہ پرستوں کی مجرمانہ سازشوں کے تحت ابھی تک
حکومت پاکستان نے کشمیری مہاجروں کو مہاجر ہی تسلیم نہیں کیا تھا اور
انھیں دارالامان پاکستان میں سر چھپانے کے لیے مکان تک ملنا دشوار تھا۔
ان غایت درجہ پریشان کن اور تشویش انگیز حالات میں قائد ملت چودھری
غلام عباس خان ڈوگرہ قید سے رہا ہو کر پاکستان پہنچے اور انھوں نے آتے
ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بابائے ملت حضرت "قائداعظم رحمتہ اللہ
علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انھیں کشمیری مہاجرین کی بے سرو سامانی اور

پریشانی سے مطلع کیا' انہیں اس شرارت سے بھی باخبر کیا کہ کشمیریوں کو ابھی تک دیگر مہاجرین کی طرح رہنے سہنے کی رعایتیں حاصل نہیں' چنانچہ قائد ملت کی بروقت کوشش سے نہ صرف کشمیری مہاجرین کو "مہاجر" قرار دیا گیا' بلکہ قائداعظم نے مہاجرین کشمیر کی فوری اور مناسب امداد کے لیے کروڑوں روپیہ ریلیف فنڈ سے صرف کرنے کا فرمان جاری فرمایا اور تمام صوبائی حکومتوں کو تاکید کی گئی کہ وہ کشمیری مہاجروں کو اپنا محبوب مہمان سمجھتے ہوئے انہیں پاکستان میں زیادہ سے زیادہ آسائش مہیا کریں۔ چنانچہ یہ قائد ملت کی مہاجر پروری اور حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فیاضی اور سیر چشمی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج کشمیری مہاجر جہاں کہیں بھی ہیں' حکومت پاکستان کے مہمان تصور کئے جاتے ہیں' ورنہ فرقہ باطلہ مرزائیہ کے زیر اثر خدائی فوجداروں نے تو اس قسم کا طرز عمل اختیار کر رکھا تھا کہ کشمیری مسلمان پاکستان سے عقیدت و محبت کے جذبات کھو بیٹھیں' بلکہ الٹا بدگمانیوں کا شکار ہو کر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھیں' جس سے ان کی پاکستان کے متعلق وفاداری مشتبہ ہو جائے۔

قائد ملت نے کشمیری مہاجروں کی پرورش اور نگہداشت کا مسئلہ حل کر کے مسلمانان جموں و کشمیر کی صفوں کو ازسرنو درست کرنے اور "آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس" کو ایک فعال جماعت کی حیثیت سے عوام پاکستان اور حکومت پاکستان سے متعارف کرانے پر توجہ مبذول فرمائی اور اپنی مسیحا نفسی سے جہاں پوری قوم میں حیات تازہ کی روح پھونکی وہاں مسلمانان ریاست کی واحد نمائندہ جماعت آل جموں و کشمیر کی اہمیت سے حکومت کو آگاہ کرنے اور اسے مسلمانان کشمیر کی نمائندگی کا بلا شرکت غیرے حق دار قرار دلوا کر قومی وقار کو بحال کیا' مفسد و اندیش عناصر کو جماعت سے خارج کرنے' نسلی اور نسبی تفوق و برتری کے دعویداروں اور

مسلمانوں میں ذات پات اور صوبائی تعصب کی بنا پر امتیازات برتنے والے منافقوں کی گوشمالی کرنے کے علاوہ آزاد کشمیر حکومت میں قسطائی رجحانات کا خاتمہ کیا اور اسلامی و جمہوری بنیادوں پر جدید حکومت کی تشکیل کر کے اسے زیادہ سے زیادہ مفاد عامہ میں دلچسپی لینے کا پابند بنایا اور مرزائیوں کی پس پردہ سازشوں کے تحت آزاد کشمیر حکومت اور مسلم کانفرنس کے درمیان پیدا کر دہ اختلاف کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا' غرضیکہ کشمیری مسلمانوں کے محبوب رہنما اور مخلص قائد نے اپنی بے نظیر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر امت مرزائیہ قادیانیہ کی ان تمام سازشوں کا تار و پود بکھیر دیا' جو مسلمانان ریاست جموں و کشمیر کو راہ راست سے گمراہ کرنے کے لیے اس دشمن اسلام ٹولہ نے مرتب کر رکھی تھیں" اور یوں اپنے قائدانہ تدبر کا دشمنوں سے بھی لوہا منوا لیا"۔

("آزاد کشمیر میں مرزائیوں کے جھگڑے" ص 12 تا 16' جلد 11' شمارہ 5' جنوری 1951ء)

مولفہ مولانا عتیق احمد شاہ)

- مسئلہ کشمیر کے حقیقی پس منظر میں تاریخی حقائق اور شواہد کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ڈاکٹر احمد حسین کمال لکھتے ہیں:

"کشمیر اور انگریز

میں یہاں ان سطور میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسئلہ کشمیر سے انگریزوں کی دلچسپی کے اسباب و علل بہت گہرے اور قدیم تھے اور مرزائیوں کی تاریخ میں مذکور کشمیر سے متعلق اپنے ذاتی سطحی سیاسی خیالات کی بنا پر جن سے اصل سیاسی صورت حال پر کوئی اثر اور فرق نہیں پڑتا۔ جبکہ دونوں رجحانات پر مغربی مصنفین کے حوالے موجود ہیں۔ (ناشر مشتاق احمد پبلشر بار دوم)

غلط باتوں کے جواب بعض حضرات نے چند مغربی مصنفین کی کتابوں سے ماخوذ جن محدود معلومات کی بنا پر یہ نتائج اخذ کئے ہیں کہ انگریزوں نے شمال مغربی سرحد کی طرف سے اشتراکی یلغار کو روکنے کے لیے کشمیر کے معاملات میں مداخلت کا بہانہ تلاش کیا تھا اور یہ کہ مہندر پرتاپ سنگھ اور مولانا برکت اللہ روسی حکومت کے ملازم تھے' محض غلط معلومات پر مبنی ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ اور یورپی مصنفین کی غلط بیانیاں

ہندوستان کے بارے میں مغربی مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے۔ درحقیقت اس میں زیادہ حصہ ان کے مزعومات ذہنی کا ہے اور ایسا زیادہ تر ہندوستان کی انقلابی تحریکات کو مشکوک ٹھہرانے کے لیے انگریزوں کے ایماء پر کیا گیا ہے جن آزاد مصنفین نے اپنے طور پر کچھ لکھا بھی ہے تو انہوں نے بھی اسی مواد کو سامنے رکھ کر چند ایک اضافوں کے ساتھ اپنی تصنیفات مرتب کر لی ہیں۔

فرانسس ہنری' ولیم ڈگی' چارلس بولگر' جوزف کواٹل وغیرہ کی کتابیں اگر اول الذکر قبیل کی ہیں تو بیلا کن وغیرہ کی کتابیں دوسرے قبیل کی ذیل میں آتی ہیں۔

خود روس میں انقلاب کے بعد اس طرز کی جو کتابیں تحریر کی گئیں۔ ان میں اصل واقعات کی نسبت اندازوں اور تخمینوں کا زیادہ دخل ہے۔ بہرحال ان کتابوں پر "کلیتہ" اعتماد کر کے ذیلی نتائج نکالنا جن سے ہندوستان اور مسلمانوں کی انقلابی اور آزادی کی تحریکات بھی مشکوک نظر آنے لگیں قادیانیت کی تردید سے زیادہ سامراجیت کی تائید اور اپنی ملی تاریخ کی تحریف کا موجب ہے۔

روس میں اشتراکی انقلاب تو 1917ء میں آیا تھا' لیکن مسلمانان ہند کا انقلابی سپوت مولانا مولوی برکت اللہ بھوپالی جو دراصل بدایوں کے رہنے والے تھے۔ 1890ء سے ہی انقلابی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے تھے اور 1905ء سے یورپ کے مختلف ملکوں میں مصروف عمل رہے۔

راجہ مہندر پرتاپ سنگھ جو یو۔پی میں متھرا اور علی گڑھ کے درمیان واقع ریاست مرسان کے راجہ تھے انقلاب روس سے بہت پہلے جنگ عظیم اول کے دوران ہی انقلابی مقاصد کی خاطر ریاست کو خیرباد کہہ کر یورپ چلے گئے تھے۔ ایسے انقلابی ایثار پیشہ شخص کو جو اپنی املاک و ریاست انقلابی عزائم کے پیش نظر چھوڑ دے' روسی ملازم قرار دینا الہی نہیں تو اور کیا ہے مشتاق احمد۔

برصغیر کے "انقلابی"

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے انقلابیوں کی تنظیم جس سے مولانا مولوی برکت اللہ مرحوم اور راجہ مہندر پرتاپ سنگھ ارکان تھے اور جس انقلاب سے قائدانہ ربط حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ' مولانا ابوالکلام آزاد' حکیم اجمل خان' مولانا عبیداللہ سندھی رحمہم اللہ اجمعین جیسے اکابر مسلمانوں کا بھی رہا ہے۔ اس کے زبردست عالمگیر مقاصد تھے۔ جن کے روبہ عمل لانے کے امکانات جنگ عظیم اول میں برطانیہ کی کامیابی کی وجہ سے معدوم ہو گئے تھے اور انقلابی تنظیم کی وسعت کو مختلف سیاسی تحریکات میں مدغم کر دینا پڑا تھا۔

یہ انقلابی تحریک و تنظیم 1857ء کی ناکام جنگ حریت کے بعد ہی قائم ہو گئی تھی اور اس نے اپنے ڈانڈے افغانستان سے مصر تک' انڈونیشیا سے ترکی تک' الجزائر سے سوڈان تک پھیلا دیئے تھے۔

بہرحال یہ طویل داستان ہے جس کے تفصیلی ذکر کا نہ یہ موقعہ ہے اور نہ شاید اب اس کا کوئی حاصل رہ گیا ہے۔

انگریز کے منصوبے

میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ روس کے اندیشوں کے بجائے خود انگریزوں کا اپنا منصوبہ یہ تھا کہ وہ اپنی حکومت و سلطنت کو وسط ایشیاء تک بڑھا کر لے جائیں اور تاشقند تک اسے پھیلا لیں۔ روس میں سابقہ اسلامی اور مذہبی باقی جذوی اثرات کی موجودگی میں ویسے بھی یہ مستبعد ہی تھا۔ (مشتاق احمد)

دراصل انگریز پوری مسلم اور ایشیائی دنیا کو اپنے زیر تسلط لے لینے کے ارادے رکھتا تھا۔ چنانچہ وسط ایشیاء کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اس نے 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اس طرف ایک خفیہ مشن بھی روانہ کر دیا تھا۔ جس کے سربراہ مشہور ادیب شمس العلماء محمد حسین آزاد مصنف کتاب "آب حیات" تھے۔

روسی خطرے کا جعلی شوشہ

انگریز اس علاقہ میں اپنی جارحیت کو آگے بڑھانے کے لیے مبینہ روسی خطرے کے بہانے کو ہی بطور جواز کے اختراع کر سکتے تھے چنانچہ "آرشی بالا" نے اپنی کتاب "رشیا اگینسٹ انڈیا" میں جوزف کوائل نے "ونجران کشمیر" میں چارلس بولگر نے "انگلینڈ اینڈ رشیا ان سنٹرل انڈیا" میں نیز دوسرے انگریز یوروپین مصنفین نے اسی وجہ جواز کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہی ہے کہ یہ خطرہ محض آگے بڑھنے کے ایک بہانے

کے طور پر تراشا گیا تھا۔ ورنہ زار روس کے زمانہ میں روس کی حالت اتنی پتلی ہو چکی تھی کہ وہ وسط ایشیا کے دشوار گزار راستوں کو طے کر کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا تصور ہی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے تو انیسویں صدی کے آخر میں جاپان جیسے چھوٹے سے ملک نے شکست فاش دے دی تھی۔

اشتراکی انقلاب کے بعد روس کی حیثیت

اشتراکی انقلاب کے بعد بھی 1940ء تک روس کسی باقاعدہ جنگ چھیڑنے کی پوزیشن میں نہیں آ سکا تھا۔ نومبر 1929ء میں جبکہ دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی اور مجلس احرار نے برطانیہ کے خلاف رویہ اختیار کیا تھا۔ مشتاق احمد۔ اپنے تحفظ کے لیے روس نے فن لینڈ جیسی چھوٹی سی حکومت سے جب تھوڑا سا علاقہ فوجی استحکام قائم کرنے کے لیے طلب کیا' تو فن لینڈ تک نے اس کا یہ مطالبہ رد کر دیا تھا اور جب روس نے فوجی طاقت کے ذریعہ وہ علاقہ لینا چاہا تو چودہ ہفتے تک فن لینڈ جیسے چھوٹے سے ملک نے روس جیسی عظیم طاقت کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور پھر یہ برطانیہ کے خفیہ سہاروں سے ممکن ہو سکا تھا کہ فن لینڈ کا وہ خطہ روس حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ (دیکھئے چرچل کی مرتبہ یادداشتیں)

1940ء تک اشتراکی روس کی بھی فوجی طاقت کا یہ حال تھا۔ اس طاقت کے بل پر کیا وہ اس زمانہ کی سب سے بڑی عالمگیر فوجی قوت اور ہمہ گیر ذرائع و وسائل رکھنے والی عالمی طاقت برطانیہ سے جنگ کر کے ہندوستان پر قبضہ کر سکتا تھا؟

کشمیر میں مرزائیوں کو انگریز کیوں بڑھانا چاہتا تھا؟

دراصل کشمیر کو ہندو حکمران کے قبضہ میں رہنے دینے سے لے کر آخر تک انگریزوں کا منشا یہ رہا کہ وہ خشکی کے اس راستے سے ترکی کے ساحل تک ایک مسلسل علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیں تاکہ اس طرح بحری و بری دونوں راستوں سے مشرق وسطی اور ایشیاء کا مسلم علاقہ ان کے تسلط میں گھرا رہے۔ لیکن جب ہندوستان کی بڑھتی ہوئی تحریک آزادی اور ہندو مسلم اتحاد کے نئے دور نے کشمیر پر ہندو راجہ کے تسلط کی اقامت کو مشکوک بنا دیا تو اب انگریز کو اس امر کی ضرورت ہوئی کہ کوئی اور زیادہ قابل اعتماد واسطہ تلاش کیا جائے۔ اور اس اعتبار سے قادیانی فرقہ نہایت سودمند نظر آیا۔ اس لیے کہ ایک تو وہ انہیں کا تیار کردہ تھا اور پوری امت مسلم سے باغیانہ طور پر علیحدہ ہو چکا تھا' مگر اسلام کا ظاہری لیبل اس پر اب بھی چسپاں تھا اور چونکہ اس فرقہ کے مفادات عالمگیر مسلم مفادات کے قطعی برعکس و مخالف تھے۔ اس لیے وہ آخری مرحلہ تک انگریزوں کے لیے قابل اعتماد ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے اگر ہندو مسلم اتحاد برقرار بھی رہے اور پورے ہندوستان کو سیاسی حقوق دینا بھی پڑ جائیں تو بھی کشمیر میں مرزائیوں کے اثر و غلبہ کی موجودگی سے کم از کم یہ علاقہ باقی ہندوستان سے علیحدہ رکھ کر بھی برطانوی مفادات کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

یہ ہی وہ اصل محرک تھا جو کشمیر کے مسئلہ پر مرزائیوں کے آگے بڑھانے کا موجب بنا' مگر

مجلس احرار نے انگریز کی اسکیم ناکام بنادی

یہ تو مجلس احرار کی بروقت تشکیل و اقدام نے انگریز کے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا اور ساری اسکیم دھری کی دھری رہ گئی۔ جس کی تفصیل بدلیل ذ قرون کی محتاج ہے۔

بہرحال اس امر کی کوئی حقیقت' اصلیت نہیں کہ شمال مغربی ہند کے علاقوں کو برطانوی حکومت اس لیے اپنے براہ راست کنٹرول میں لینا چاہتی تھی کہ اس علاقہ میں اشتراکیوں کا کوئی "انفلٹریشن" ہو رہا تھا اس سلسلہ کی ایک بھی مثال موجود نہیں ہے یہ سب بعد کی تاویلات ہیں تاکہ تحریک کشمیر کے دوران برطانوی حکومت کے طرز عمل سے جو شکوک و شبہات ملک اور بیرون ملک بالخصوص امریکہ میں جو ہندوستان کی آزادی کا ایک حد تک ہمدرد بن چکا تھا اور یہ لاحب علی بل بغض معاویہؓ کے طور پر تھا۔ مشاق احمد۔ پیدا ہوتے رہے' ان پر پردہ ڈالا جاسکے اور اشتراکی خطرہ کا عذر پیش کر کے اپنے اقدامات کو امریکہ ہندوستان اور مسلم دنیا کی نظروں میں درست باور کرایا جاسکے۔

مسلمانوں کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ برطانیہ وسط ایشیاء تک پیر نہیں پھیلا سکا۔ ورنہ اگر بحری اور بری ہر دو طرف سے مسلمان ممالک برطانیہ کے مکمل گھیرے میں آجاتے تو آج حالات کا نقشہ قطعی دوسرا ہوتا۔ ورنہ برطانیہ اپنے مفادات کی بھینٹ پوری مسلمان ملت کو چڑھا دینے کے جتن کر چکا تھا' اس طرح

کشمیر پر مرزائی اقتدار کا خواب پورا ہوتے ہوتے رہ گیا

اور کشمیر پر مرزائیوں کے غلبہ کا خواب بھی پورا نہ ہو سکا۔ اگرچہ انہیں ایک آخری اور بھرپور کوشش کا موقع 1947ء میں بھی دیا گیا۔ جبکہ پاکستان کے حصے میں آنے والی فوج میں ایک بڑی تعداد مرزائی افسران کی تھی۔ مرزائی "فرقان بٹالین" بنا کر آزاد شدہ کشمیر میں داخل ہو گئے اور ریاست کشمیر کی مرزائی جماعت کے صدر خواجہ غلام نبی گلکار آزاد کشمیر کی حکومت کے پہلے صدر بنا دیئے گئے تھے۔

لیکن بعد د شود سبب خیر گر خدا خواہد کے مطابق ہندوستان کی براہ راست فوجی مداخلت نے کشمیر کے معاملہ کی نوعیت بدل دی اور پاکستان کو براہ راست صورت حال اپنے کنٹرول میں لینا پڑ گئی۔ جس کے نتیجے میں یہ ضروری ہو گیا تھا کہ کشمیری عوام کو اعتماد میں لیا جائے۔ چنانچہ غلام نبی گلکار کو علیحدہ ہونا پڑا۔

مسئلہ کشمیر کا حقیقی پس منظر

حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو محض جزوی حیثیتوں سے سمجھنے کی کوشش کرنا غلط نتائج اخذ کرنے کا موجب بنتا ہے۔

اس مسئلہ کا جائزہ اسے ہندوستان کی انقلابی اور سیاسی تحریکات کے پہلو بہ پہلو رکھ کر اور ہندوستان کی ریاستوں میں انگریزوں کے عمل دخل کی مختلف حالتوں کا تعین کر کے ہی صحیح طور پر لیا جا سکتا ہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا جہاد کے لیے ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ کی سرحدات کو منتخب کرنا اور والی خراسان کو اس معرکہ جہاد میں شمولیت کی دعوت دینا بہت دوررس منصوبوں کا حامل پروگرام تھا۔ جسے انگریز جیسی شاطر قوت نظرانداز نہیں کر سکتی تھی' پھر شیخ الہندؒ کا اپنی تحریک انقلاب کا مرکز اس علاقہ کو بنانا بھی نہایت اہم معاملہ تھا۔ جسے انگریز معمولی واقعہ قرار نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ ضروری سمجھا کہ کشمیر کے علاقہ میں ایسی گہری سیاسی تبدیلیاں عمل میں لے آئی جائیں جس کے بعد ان اطراف میں مسلمانوں کی کسی جمعیتہ کو پیر جمانے کا موقعہ نہ مل سکے اور وہ یہاں سے جہاد انقلاب کی پیش قدمیاں نہ کر پائیں۔

کشمیر کا مسئلہ شمال مغربی سرحدات کے علاقہ میں جنوبی وزیرستان سے

لداخ تک انگریزی حکومت کی سیاسی دفوجی حکمت عملیوں کے ایک اہم اور بنیادی جزو کی حیثیت رکھتا تھا۔ جسے اس نے چلتے چلتے 1947ء میں بھی پیچیدہ تر بنا دینے کی ضرورت سمجھی۔ جس کو آج تک مسلمان محسوس کر رہے ہیں۔

بہرحال اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ——— ضروری ہے کہ شمال مغربی سرحدات کی طرف انگریزوں کی پہلی پیش قدمی اس علاقہ میں جڑ پکڑنے والی تحریک و تنظیم مجاہدین کے ختم کرنے کے لیے تھی اور افغانستان پر ان کے تمام حملوں کی غرض و غایت بھی تنظیم جہاد کو مضبوط نہ بننے دینے کے لیے تھی۔ چنانچہ مرزائیوں کے زیر اثر کشمیر کمیٹی کے قیام کا ڈھونگ بھی اسی مقصد کے حصول کی آخری کڑی تھا۔

انگریز شمال مغربی سرحدات کے وسیع علاقہ میں سو سال تک اس سیاسی و فوجی حکمت عملی پر عمل پیرا رہا کہ اس دشوار گزار خطہ میں مسلمانوں کی کوئی ایسی انقلابی و مجاہدانہ تنظیم جڑ نہ پکڑ جائے جو مستقبل میں نہ صرف اس کے ہندوستانی اقتدار کے لیے خطرہ ہو بلکہ کسی عظیم انقلاب کی زبردست اور طاقتور تحریک بن کر پوری دنیا کو اپنی زد میں لے لینے کی حیثیت میں نہ ابھر پڑے"۔

("مسئلہ کشمیر اور قادیانی" ص 6 تا 16 از مولانا ڈاکٹر احمد حسین کمال)

● رانا گل ناصر ندیم نے "انگریز' کشمیر' مرزائی" پمفلٹ میں کشمیر کے بارے میں قادیانیوں کے سازشی کردار کو بے نقاب کیا ہے۔

"1930ء میں روس نے ہندوستان میں اپنی اشتراکی سرگرمیوں کو اس قدر تیز کر دیا کہ تیسری انٹرنیشنل کی چھٹی کانگریس نے تو ہندوستان میں اشتراکی انقلاب کی صاف صاف پیشین گوئی بھی کر دی اور ہندوستانی کمیونسٹوں سے کہا کہ اب وہ پرولتاری طبقے کو ساتھ لے کر برطانوی استعمار

کے ساتھ ساتھ آزاد خیال قومی بورژوازی کے خلاف بھی جدوجہد شروع کر دیں۔ اس پس منظر میں برطانوی ہند کی حکومت نے برصغیر کو روسی اشتراکی حملے سے بچانے اور برصغیر میں اپنی حکومت کے استحکام کے لیے ضروری سمجھا کہ وہ شمالی مغربی ہند کے ان تمام علاقوں کو براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لے جو اشتراکی سرگرمیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ نیز سرحدی علاقوں میں ایسی وفادار جماعتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیں جو ایک طرف تو آزادی کی رو کو دبا سکیں اور دوسری طرف برطانوی حکومت کے خلاف کی جانے والی سرگرمیوں کی اطلاعات بھی اسے پہنچاتے رہیں۔

روس و چین سے ملحقہ علاقے جو ریاست جموں و کشمیر کی حدود میں تھے براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لینے میں مشکل یہ تھی کہ معاہدہ امرتسر کے تحت ریاستی علاقے کے انتقال کے لیے مہاراجہ کی رضامندی لازمی تھی اور مہاراجہ کشمیر اپنی ریاست کے ایک انچ علاقے سے بھی دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا۔

چنانچہ انگریزوں نے جو اس سے قبل' ریاست کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم تشدد سے اپنی بے نیازی کے لیے یہ جواز لاتے تھے کہ وہ قانوناً" ریاست کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے۔ 31ء کی تحریک حریت سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنایا۔ ان کی اسکیم یہ تھی کہ شمالی ہند کے علاقے میں مہاراجہ کی انتظامیہ کے خلاف محدود پیمانے پر ایک تحریک کا آغاز کیا جائے اور برطانوی ہند کی رائے عامہ کے دباؤ کا جواز پیدا کر کے اور ریاست کے داخلی معاملات میں مہاراجہ کو کمزور کر کے گلگت اور روس و چین سے ملحقہ دیگر سرحدی علاقے حاصل کر لیے جائیں۔ احرار کی تحریک قومی اور انقلابی نوعیت کی تھی اور انگریز احرار سے معاملہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ قادیانی ہی وہ مناسب ترین جماعت تھے۔ جنہیں اس

مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا اور مقصد پورا ہونے پر ان سے مہاراجہ کے خلاف یہ تحریک ختم بھی کرائی جا سکتی تھی۔ اگر اس تحریک کا آغاز کسی اور جماعت یا طبقے کی طرف سے ہوتا تو انگریز پوری طرح نہ تو اس کو کنٹرول کر سکتے تھے اور نہ اسے مناسب طور پر اپنے مقصد کے لیے استعمال کر سکتے تھے۔

اس پس منظر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قادیانیوں کا کشمیر کمیٹی قائم کرنا دراصل انگریزی کی شہ پر تھا۔

قادیانی جماعت انگریزی حکومت کی وفادار ترین جماعت رہی ہے۔ انہوں نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو ہندوستان کے انگریز حکمرانوں کی مرضی کے خلاف ہو۔ نہ صرف یہ کہ حمایت کی بلکہ اپنے عملی کارناموں سے ہندوستان میں اور پھر بیرون ہندوستان میں انگریزی حکومت کو تقویت پہنچانے کی کوشش بھی کیں۔

("مسئلہ کشمیر" از ممتاز احمد' ادارہ معارف اسلامیہ کراچی' صفحہ 54' 55' 56' 57)

اس ضمن میں قادیانی مذہب کے بانی مرزا غلام احمد کے اعترافات ملاحظہ ہوں۔

"میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریباً سات برس کی عمر تک پہنچا ہوں۔ اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیروں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کروں جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں"۔

(مرزا غلام احمد' "تبلیغ رسالت" جلد ہفتم' مطبوعہ فاروقی پریس' اگست 22ء' ص 10)

اسی کتاب میں آگے چل کر مرزا لکھتا ہے۔

"اور میں نے نہ صرف اس قدر کام کیا کہ برٹش گورنمنٹ انگلیہ کی

بھی اطاعت کی طرف جھکا دیا۔ بلکہ بہت سی کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں تالیف کر کے ممالک اسلامیہ کے لوگوں کو بھی مطلع کیا کہ ہم لوگ کیوں کر امن اور آزادی سے گورنمنٹ انگلشیہ کے سایہ عاطفت میں زندگی بسر کر رہے ہیں"۔

(ایضاً' ص 15)

"میں زور سے کہتا ہوں اور میں دعویٰ سے گورنمنٹ کی خدمت میں اعلان دیتا ہوں کہ باعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے گورنمنٹ کا اول درجہ کا وفادار اور جانثار یہی فرقہ ہے۔ جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لیے خطرناک نہیں"۔

(ایضاً' ص 16)

"قادیانیوں کا کشمیر میں انگریزی مفادات کے آلہ کار کی حیثیت سے کام کرنا اس طرز کی پہلی مثال نہیں' اس سے قبل بھی انگریزوں کے لیے جاسوسی کا کام انجام دیا ہے"۔

(حاشیہ "مسئلہ کشمیر" مصنف ممتاز احمد' ص 197 ادارہ معارف اسلامیہ کراچی)

"1889ء میں مہاراجہ سر پرتاپ سنگھ والی ریاست پر حکومت برطانیہ نے یہ الزام لگایا کہ وہ برطانیہ کے خلاف روسی حکومت' سے خفیہ خط و کتابت کر رہا ہے حکومت برطانیہ نے اس الزام کے پیش نظر مہاراجہ کے اختیارات کو سلب کر کے حکومت کا انتظام ایک کونسل کے سپرد کر دیا اور مہاراجہ کی سرگرمیوں پر کڑی نگرانی شروع کر دی۔ برطانوی حکومت نے مہاراجہ کی سرگرمیوں کی دیکھ بھال کے لیے متعدد افراد کو مامور کیا۔ ان میں مرزا غلام احمد کے دست راست' قادیانی تحریک کے اصل دماغ اور مرزا غلام احمد کی وفات کے بعد پہلے خلیفہ حکیم نورالدین بھی تھے۔ جو اس وقت مہاراجہ کشمیر کے طبیب خاص تھے۔ حکیم صاحب نے متعدد سالوں تک

انگریزوں کی جاسوسی کے فرائض انجام دیئے اور بالآخر مہاراجہ نے 1893ء یا 1894ء میں انھیں مشکوک قرار دے کر معزول کر دیا۔

(حاشیہ ایضاً' ص 58)

ہندوستان میں تو قادیانیوں کا انگریزوں کے لیے جاسوسی کرنا ایک معمولی بات تھی خود مرزا غلام احمد نے اور ان کے خلفاء نے متعدد مقامات پر صاف صاف اس کا اعتراف کیا ہے کہ جو لوگ حکومت انگلیشیہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے نام اور ان کی سرگرمیوں کی اطلاعات وہ انگریز افسروں کو خفیہ طور پر پہنچاتے رہتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی خود لکھتا ہے:

"چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لیے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کیے جائیں جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں ــــ لہٰذا یہ نقشہ اس غرض کے لیے تجویز کیا گیا کہ اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں جو ایسی باغیانہ سرشت کے آدمی ہیں ــــ لیکن ہم گورنمنٹ میں باادب اطلاع کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولیٹیکل راز کی طرح اس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں گے جب تک گورنمنٹ ہم سے طلب کرے ــــ ایسے لوگوں کے نام مع پتہ و نشان یہ ہیں" ــــ

(مرزا غلام احمد "تبلیغ رسالت" جلد پنجم' ص 11)

قادیانیوں نے بیرون ہندوستان بھی انگریزوں کی جاسوسی کا کام کیا افغانستان کی سرزمین بھی۔ جس نے کبھی کسی غیر مسلم حکمران کے قدم اپنے ہاں جمنے نہیں دیئے اور جہاں انگریز تین بڑی جنگیں لڑنے کے بعد بھی داخل نہیں ہو سکے' قادیانی سرگرمیوں سے محفوظ نہ تھی۔

"افغانستان گورنمنٹ کے وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے۔ کابل کے دو اشخاص ملا عبدالحکیم چہار آسیانی و ملا نور علی دکاندار قادیانی

عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تبلیغ کر کے انہیں اصلاح کی راہ سے بھٹکا رہے تھے ۔۔۔۔۔ ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکت افغانیہ کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے ہیں۔ جن سے پایا جاتا تھا کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے"۔

(اخبار "الفضل" بحوالہ امان افغان' مورخہ 3 مارچ 1925ء)

ایک کادیانی مبلغ محمد امین کا یہ بیان بھی ملاحظہ ہو:

"اوڈیسہ (روس) میں اگرچہ تبلیغ احمدیت کے لیے گیا تھا۔ لیکن چونکہ سلسلہ احمدیہ اور برٹش گورنمنٹ کے باہمی مفاد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اس لیے جہاں میں اس سلسلے کی تبلیغ کرتا وہاں لازماً مجھے گورنمنٹ انگریزی کی خدمت گزاری بھی کرنی پڑتی تھی"۔

(اخبار "الفضل" 28 ستمبر 1922ء)

کادیانی ابتداء ہی سے اسی بنا پر پاکستان کی تحریک کے خلاف تھے کیونکہ ان کے لیے مسلم اقتدار کی بہ نسبت غیر مسلم اقتدار زیادہ سازگار ہو سکتا تھا۔

"فی الواقع گورنمنٹ برطانیہ ایک ڈھال ہے' جس کے نیچے احمدی جماعت آگے ہی آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ اس ڈھال کو ذرا ایک طرف کر دو اور دیکھو کہ زہریلے تیروں کی کیسی خطرناک بارش تمہارے سروں پر ہوتی ہے۔ پس کیوں کہ اس گورنمنٹ کی تباہی ہماری تباہی ہے اور اس گورنمنٹ کی ترقی ہماری ترقی"۔

("الفضل" 19 اکتوبر 1915ء)

سلسلہ احمدیہ کا جو تعلق گورنمنٹ برطانیہ سے ہے۔ وہ باقی تمام جماعتوں سے زیادہ ہے۔ ہمارے حالات اسی قسم کے ہیں کہ گورنمنٹ اور ہمارے فوائد ایک ہو گئے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کی ترقی کے ساتھ ہمیں آگے بڑھنے کا موقع ملتا ہے اور اس کو

خدانخواستہ کوئی نقصان پہنچے تو اس صدمے سے ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔

("خلیفہ قادیان کا اعلان" اخبار "الفضل" 27 جولائی 18ء)

ایک اور تحریر ملاحظہ ہو:

"میں اپنے کام کو نہ تو مکہ میں رہ کر جاری رکھ سکتا ہوں' نہ مدینہ میں' نہ روم میں نہ ایران میں اور نہ کابل میں رہ کر' میں تو ہندوستان میں انگریزی راج کے دوام کا دعاگو ہوں"۔

(مرزا غلام احمد "تبلیغ رسالت" جلد ششم' ص 194)

پس قادیانی جماعت انگریزی اقتدار سے وفاداری کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اپنے وجود کی بقا اور اپنی تحریک کی ترقی کے لیے انگریزوں کے دست نگر تھے اور دوسری طرف اہم وجہ یہ بھی تھی کہ وہ انگریزوں کی خدمت بجا لا کر یہ توقع رکھتے تھے کہ ہندوستان کو آزادی دیتے وقت انگریز برصغیر کی سیاسی ہیئت میں یقیناً کچھ ایسا نظم پیدا کر جائیں گے جو ان کے سیاسی' مذہبی مفادات کی حفاظت کر سکے۔ ملاحظہ ہو:

"جب افق پر ملک کی تقسیم کے ذریعے مسلمانوں کے لیے جداگانہ وطن کے قیام کے مدھم سے امکانات ظاہر ہونے شروع ہوئے تو احمدیوں کو آنے والے واقعات سے تشویش ہوئی۔ ان کی 1945ء سے 1947ء کے اوائل تک کی بعض تحریروں میں انگریزوں کے جانشین بننے کی توقعات کی جھلک پائی جاتی ہے---- ان کی بعض تحریروں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تقسیم کے خلاف تھے اور ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر تقسیم معرض عمل میں آ بھی گئی تو وہ برصغیر کے دوبارہ اتحاد کے لیے جدوجہد کریں گے"۔

(منیر رپورٹ' ص 194)

پھر قادیانی یہ بھی چاہتے تھے کہ اگر ہندوستان کو بالآخر آزادی ہو ملنا ہو تو انگریزی اقتدار کے سہارے وہ فوج اور سول کے کلیدی مناصب پر قابض ہو جائیں اور

معاشرتی و معاشی نظام میں اپنی جڑیں اتنی مضبوط کر لیں کہ بعد کی آزاد حکومتوں میں وہ اپنی تحریک کو بے خطر پھیلا سکیں۔ ان کی اپنی حکومت کے قیام کی خواہش مرزا بشیرالدین کے اس خطبہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

"ہماری حکومت نہیں ہے کہ ہم قوت سے لوگوں کی اصلاح کریں اور ہٹلر اور مسولینی کی طرح ان سب لوگوں کو ملک بدر کر سکیں جو ہمارے احکامات کی تعمیل نہ کریں اور جو ہماری بات نہ سنیں یا نہ مانیں انہیں عبرت ناک سزا دے سکیں۔ اگر ہمارے پاس حکومت ہوتی تو ہم یہ نتائج ایک دن میں حاصل کر سکتے تھے"۔

(”الفضل“ 2 جون 1934ء)

"بے شک قادیان ہمارا مذہبی مرکز ہے لیکن اس وقت ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہماری قوت اور ہمارے وقار کا مرکز کون سے مقام پر قائم ہوگا۔ یہ مرکز ہندوستان کے کسی بھی شہر میں قائم ہو سکتا ہے"۔

(”الفضل“ 29 نومبر 1934ء)

کسی زمانے میں قادیانیوں کے نزدیک حیدر آباد دکن وہ مناسب جگہ تھی جہاں ان کی قوت و وقار کا مرکز قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد کشمیر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھے گئے۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد کشمیر کے ساتھ ساتھ بلوچستان پر بھی اپنی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ مرزا بشیرالدین محمود احمد نے 23 جولائی 1948ء کو کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار فرمایا کہ وہ بلوچستان کو ایک قادیانی صوبہ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تاکہ پورے پاکستان پر قبضہ کرنے کے لیے وہ ایک Base کے طور پر کام آئے۔ یہ خطبہ ”الفضل“ میں اس طرح شائع ہوا:

"برٹش بلوچستان جو اب پاک بلوچستان ہے' کی کل آبادی پانچ یا چھ لاکھ ہے۔ یہ آبادی اگرچہ دوسرے صوبوں کی آبادی سے کم ہے۔ مگر بوجہ ایک یونٹ ہونے کے اسے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔۔۔۔ اور اگر ریاستی

بلوچستان کو ملا لیا جائے تو اس کی آبادی 11 لاکھ ہے ـــــ زیادہ آبادی کو تو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن تھوڑے آدمیوں کو احمدی بنانا کوئی مشکل نہیں۔ پس جماعت اگر اس طرف پوری توجہ دے تو اس صوبے کو بہت جلدی احمدی بنایا جا سکتا ہے۔ یاد رکھو تبلیغ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ہماری Base مضبوط نہ ہو۔ پہلے بیس مضبوط ہو تو پھر تبلیغ پھیلتی ہے۔ پس پہلے Base مضبوط کر لو۔ کسی نہ کسی جگہ اپنی Base بنا لو ـــــ اگر ہم سارے صوبے کو احمدی بنا لیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہو جائے گا' جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں اور یہ بڑی آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے"۔

("الفضل" 13 اگست 1948ء)

مرزا بشیرالدین محمود کادیانی تحریک کے تمام افراد میں سب سے زیادہ سیاسی بصیرت رکھتے تھے۔ انہوں نے اوائل خلافت میں کئی بار کشمیر کا دورہ کیا۔ وہاں کے حالات کا بچشم خود جائزہ لیا اور کادیانی تحریک کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ کشمیر کی ناپختہ ذہن اور نئی ابھرنے والی قیادت کو اپنے ساتھ ملا کر اسے اس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ کادیانی مقاصد کی تکمیل میں ممد و معاون ہو اور ان کے لیے کارآمد ثابت ہو سکے۔ اس کے ساتھ ہی عام مسلمانوں میں بھی کادیانیت کا سلسلہ شروع کر دیا گیا"۔

(ممتاز احمد "مسئلہ کشمیر" ص 465 ادارہ معارف اسلامیہ' کراچی)

انگریز اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ برصغیر میں کادیانیوں کی وفاداری مسلم ہے۔ ان کی بھی یہ خواہش تھی کہ برصغیر سے جانے کے بعد بھی یہاں ایک جماعت تو کم از کم ایسی چھوڑی جائے جو اس علاقے میں ان کے مفادات کی حفاظت کرتی رہے۔

پھر کشمیر کا معاملہ تو یوں بھی ٹیڑھا تھا اور روس و چین اور افغانستان سے اپنے سرحدی ملحقات کی بناء پر اس کی اہمیت برطانوی حکومت کی نگاہ میں بہت زیادہ تھی۔

چنانچہ برطانوی حکومت کے لیے یہ صورت حال بے حد پسندیدہ اور خوشگوار تھی کہ ریاست میں کوئی ایسی جماعت سیاسی اقتدار پر قابض ہو جائے۔ جو ان کی ہم نوا ہو اور برصغیر سے ان کے چلے جانے کے بعد بھی جس کا سیاسی اثر و رسوخ اس علاقے میں ان کی عالمی پالیسیوں کی معاونت کا باعث ہو۔ یہ جماعت، ظاہر ہے کہ صرف قادیانی جماعت ہی ہو سکتی تھی۔ پس 1931ء کی تحریک میں قادیانیوں کی شمولیت قادیانیوں اور انگریزوں کے مفاد میں تھی۔

(ایضاً، ص 44)

1931ء میں جب ریاست میں تحریک حریت کا آغاز ہوا اور ریاستی مسلمانوں نے سیاسی آزادی کے حصول کے لیے باقاعدہ طور پر جدوجہد کا آغاز کیا تو۔

"حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ جو پہلے ہی مناسب موقع کے انتظار میں تھے، یکایک میدان عمل میں آ گئے"۔

("الفضل" 14 جون 1937ء)

25 جولائی 1931ء کو شملہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس میں علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ لیکن صدارت مرزا بشیرالدین محمود کے سپرد کی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کشمیر کمیٹی کے قیام کا منصوبہ بنانے والے دراصل مرزا صاحب ہی تھے اور پھر جو افراد شملہ میں جمع ہوئے تھے ان میں اکثریت احمدیوں کی ہی تھی۔۔۔۔۔ کشمیر کمیٹی ایک عرصے تک باقاعدگی سے کام کرتی رہی۔ اس دوران میں قادیانیوں کی سرگرمیاں بھی ریاست میں زور پکڑتی گئیں۔ اس دوران کمیٹی میں شامل ہونے والے مسلم زعماء کو اس امر کا اندازہ ہو چکا تھا کہ مرزا بشیرالدین محمود کمیٹی کو کشمیری مسلمانوں کے مفاد سے زیادہ اپنے جماعتی مفاد میں استعمال کر رہے ہیں۔ کمیٹی کا کوئی دستور نہیں تھا۔ صدر کو غیر معمولی اختیارات حاصل تھے۔۔۔۔۔ لاہور میں آل انڈیا کشمیر کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں مجلس احرار کے بعض رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔ اجلاس میں جب یہ مطالبہ کیا گیا کہ کمیٹی کا باقاعدہ دستور مرتب کیا جائے

تو کادیانی حضرات نے اس کی پرزور مخالفت کی۔۔۔۔ مرزا بشیرالدین محمود نے بطور احتجاج کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور علامہ اقبال کمیٹی کے نئے صدر منتخب کر لیے گئے۔ کادیانی ہی کشمیر کمیٹی کی روح رواں تھے۔ مرزا بشیرالدین محمود صاحب نے کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا تو دوسرے کادیانی حضرات نے بھی کمیٹی کے کاموں میں دلچسپی لینا بند کر دیا اور عملاً کمیٹی کا بائیکاٹ کر دیا۔ حتیٰ کہ جو کادیانی وکلاء ریاست میں مسلمانوں کے مقدمات لڑ رہے تھے' وہ مقدمات کو ادھورا چھوڑ کر واپس آ گئے۔

(امتیاز احمد "مسئلہ کشمیر" ص 67 - 68)

ظفراللہ کادیانی کا تحریک کشمیر میں کردار

اس کے بعد جب مرزا صاحب کشمیر کمیٹی سے مستعفی ہو گئے تو سر ظفراللہ خان بھی مقدمات کی پیروی چھوڑ چھاڑ کر واپس آ گئے۔ اس پر علامہ اقبال نے اپنے ایک اخباری بیان میں بڑا ہی دلچسپ تبصرہ فرمایا:

"بدقسمتی سے کمیٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مذہبی فرقہ کے سوا کسی دوسرے کا اتباع کرنا سرے سے گناہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ احمدی وکلاء میں ایک صاحب نے جو میرپور کے مقدمات کی پیروی کر رہے تھے۔ حال ہی میں اپنے ایک بیان میں واضح طور پر اس خیال کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے صاف طور پر کہا کہ وہ کسی کشمیر کو نہیں مانتے جو کچھ انہوں نے یا ان کے ساتھیوں نے اس ضمن میں کیا' وہ ان کے امیر کے حکم کی تعمیل تھی"۔۔۔۔

(رئیس احمد جعفری "اقبال اور سیاست ملی" صفحہ 159 - 160)

جب کمیٹی کے کاموں میں تعطل پیدا ہو گیا تو علامہ اقبال بھی کادیانیوں کے رویے سے بددل ہو کر صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ کشمیر کمیٹی کے خاتمے کے بعد کادیانیوں

نے ایک اور ادارہ "تحریک کشمیر" کے نام سے قائم کرنا چاہا اور علامہ اقبال سے درخواست کی کہ وہ اس کے صدر بنیں لیکن:

"ڈاکٹر صاحب اب قادیانی تحریک کے سخت مخالف بن چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تحریک کشمیر کے نام قادیانی حضرات اپنے عقاید کی نشرو اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس آفر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا"۔

(محمد احمد خان "اقبال کا سیاسی کارنامہ" ص 185)

"کشمیر کمیٹی کی وساطت سے قادیانیوں نے کشمیری سیاست میں جو سرگرم حصہ لیا۔ بعض وجوہات کی بنا پر جس میں علامہ اقبال کی دور اندیشی اور احرار کی بروقت تحریک کو بھی دخل تھا۔ قادیانی اس کمیٹی سے پوری طرح وہ فوائد حاصل نہ کر سکے جو ان کے پیش نظر تھے"۔

(امتیاز احمد "مسئلہ کشمیر" ص 70، 71)

فرقان فورس یا سرطان فورس

"پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے فوراً بعد بھارت نے پاکستان کو مٹانے "دبانے" جھکانے کی پالیسی پر عمل درآمد کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آزادی کے بعد 1948ء پاکستان اور بھارت کے درمیان پہلا معرکہ "جنگ کشمیر" کی صورت میں ہوا۔ تب پاکستان کی مسلح افواج کے انگریز کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس گریسی تھے۔ قادیانی جماعت انگریزی سامراج کی خودکاشتہ اور پروردہ تھی۔ کشمیر کے محاذ پر جب جنگ کا آغاز ہوا' تو قادیانی جماعت نے "فرقان بٹالین" کے نام سے ایک پرائیویٹ آرمی معراکے (سیالکوٹ) کے مقام پر بھجوائی۔ فرقان بٹالین قادیانیوں کی عسکری تنظیم تھی' جو جنگ میں حصہ لینے کے لیے جنرل گریسی کی معاونت سے بھیجی گئی۔

("تاریخ احمدیت" جلد ششم' ص677' دوست محمد شاہد)

کسی ملک کی مسلح افواج کی موجودگی میں سویلین فورس کو اپنے ساتھ میدان جنگ میں خدمات سرانجام دینے کی پیشکش اپنی نوعیت کی انوکھی مثال تھی۔ پھر ایسی جماعت کی فوجی تنظیم کا میدان جنگ میں جانا جو عقیدہ جہاد پر اعتقاد نہ رکھتی ہو ——— بڑی مضحکہ خیز بات تھی۔ یہ سبھی کچھ جنرل گریسی اور قادیانی جماعت کے باہمی گٹھ جوڑ کا نتیجہ تھا۔ یہ بات مشہور ہے کہ جنرل گریسی کشمیر کے محاذ پر پاکستان کی مسلح افواج کی بجائے پرائیویٹ فورس کے استعمال کرنے کے حق میں تھے۔ جنرل گریسی کے بارے میں یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے بعض خفیہ معلومات ہندوستان کے کمانڈر انچیف جنرل سر آکن تک پہنچائیں ——— قرین قیاس ہے کہ اس مقصد کے لیے جنرل گریسی نے اپنی قابل اعتماد پروردہ جماعت احمدیہ کی فرقان بٹالین کی خدمات مستعار لی تھیں۔ آخر انہیں مخبری اور جاسوسی کا جو ملکہ ورثہ میں ملا ہے' اس اعتماد پر کوئی اور پورا اتر نہیں سکتا تھا۔ فرقان بٹالین نے 1948ء کی جنگ کشمیر میں پینتالیس دن حصہ لیا اور اس کی تعداد 917 تھی۔ معراکے بارڈر پر بھجوائی گئی قادیانی فوج کے کرتا دھرتا میاں بشیر الدین محمود کے صاحبزادگان' مرزا ناصر احمد

کادیانی جماعت کے تیسرے سربراہ اور مرزا مبارک احمد تھے۔ یاد رہے کہ قادیانی جماعت کے تیسرے سربراہ مرزا ناصر احمد کا کوڈ نام عالم کباب تھا۔

(راوی صالح نور صاحب' سابق کادیانی)

○ فرقان بٹالین کی کارگزاری کے بارے میں جناب آفتاب احمد سیکرٹری جموں و کشمیر کانفرنس کا بیان حسب ذیل تھا۔

"اس فرقان بٹالین نے جو کچھ کیا اور ہندوستان کی جو خدمات سرانجام دیں' مسلم مجاہدین کا انھوں نے جس طرح سودا چکایا' اگر اس پر خون کے آنسو بھی بہائے جائیں تو کم ہیں۔ جو سکیم بنتی ہندوستان پہنچ جاتی۔ جہاں مجاہدین مورچہ بناتے' دشمن کو پتہ چل جاتا۔ جہاں مجاہدین ٹھکانہ کرتے' ہندوستان کے ہوائی جہاز پہنچ جاتے"۔

(بحوالہ ٹریکٹ کشمیر اور مرزائیت)

○ کادیانیوں کی خودساختہ فرقان فورس کیا تھی؟ اس کے بارہ میں تحقیقاتی کمیشن 1953ء منیر انکوائری رپورٹ کے ریمارکس حسب ذیل ہیں۔

"احمدی ایک متحد و منظم جماعت ہیں۔ ان کا صدر مقام ایک خالص احمدی قصبہ میں واقع ہے۔ جہاں ایک مرکزی تنظیم قائم ہے' جس کے مختلف شعبے ہیں۔ مثلاً شعبہ امور خارجہ' شعبہ امور داخلہ' شعبہ امور عامہ اور شعبہ نشرواشاعت' یعنی وہ شعبے جو باقاعدہ سیکرٹریٹ کی تنظیم میں ہوتے ہیں' وہ سب یہاں موجود ہیں۔

ان کے پاس رضاکاروں کا ایک جیش بھی ہے جس کو "خدام دین" (خدام دین نہیں بلکہ کادیانی جماعت کی نوجوانوں کی اس تنظیم کا نام "خدام الاحمدیہ" ہے) کہتے ہیں۔ "فرقان بٹالین" اسی جیش سے مرکب ہے اور یہ خالص احمدی بٹالین ہے جو کشمیر میں خدمت انجام دے چکی ہے۔

احمدی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور اپنی

لڑکیاں ان کو نکاح میں نہیں دیتے۔ یہ تمام حقائق شہادت سے ثابت ہو چکے ہیں اور انہی کی بنا پر غیر احمدی جماعتیں اپنے اس مطالبہ کو حق بجانب قرار دیتی ہیں کہ احمدیوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دیا جائے"۔

(منیر انکوائری رپورٹ' ص 211)

تمغہ کشمیر

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں پاکستان کی مسلح افواج نے اپنے سے پانچ گنا بڑے دشمن کے دانت کھٹے کر دیے۔ وطن عزیز کی مسلح افواج نے بہادری' جرات مندی اور پیشہ وارانہ فنی مہارت کے ایسے کارنامے سرانجام دیے' جنہیں تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ خالصتاً" جموں و کشمیر کے مسئلہ پر لڑی گئی اور اس کا آغاز بھی اسی محاذ سے شروع ہوا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ قادیانیوں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ اس میں قادیانی جرنیلوں نے اور جماعت احمدیہ نے جو کردار ادا کیا' اس کی تفصیل ہم 65ء کی پاک بھارت جنگ میں تفصیلاً" بیان کر چکے ہیں۔ 65ء کی جنگ کے بعد جب ہم "کیا کھویا کیا پایا" پر ابھی غور و خوض کر ہی رہے تھے کہ قادیانی جماعت کے ترجمان اخبار میں ایک چونکا دینے والا اشتہار شائع ہوا۔

"حکومت کی طرف سے 2 مئی 1948ء سے 31 دسمبر 1948ء کے درمیان ایک مدت معینہ تک جہاد کشمیر میں حصہ لینے والوں کے لیے "تمغہ دفاع کشمیر" 1948ء معہ کلاسپ منظور ہوا ہے۔ لہذا وہ مجاہدین جنہوں نے فرقان فورس کی ابتداء سے 31 دسمبر 1948ء کے درمیان جہاد میں حصہ لیا ہے وہ اپنی اپنی درخواست (مخاطب کرنے والی جگہ چھوڑ دیں)۔

یہ مطالبہ کرتے ہوئے مجھے بھجوا دیں کہ فلاں وجہ کی بناء پر خود راولپنڈی آ کر اپنا میڈل حاصل کرنے سے قاصر ہیں' لہذا بذریعہ ڈاک ان کو بھجوا دیا جائے۔ اپنے نام کے ساتھ ولدیت کا ذکر کریں تاکہ ریکارڈ میں نام تلاش کرنے

میں سہولت رہے۔ خاکسار محمد رفیق ملک دارالصدر غربی' ربوہ"۔

(الفضل اخبار' ربوہ' 5 دسمبر 1965ء)

○ اس کے بعد 23 مارچ 1966ء کو قادیانی جماعت کے آرگن اخبار میں حسب ذیل اعلان شائع ہوا۔

"کشمیر میڈل کے بارے میں دسمبر 1965ء میں اس سلسلہ میں جو چٹھ جات موصول ہوئے' اس کی اطلاع متعلقہ دفتر کو راولپنڈی کر دی گئی تھی۔ امید ہے کہ ان کی طرف تمغہ جات پہنچ چکے ہوں گے۔ جن احباب کو ابھی تک تمغہ جات نہیں ملے' اس کے حصول کے لیے تبدیل شدہ طریقہ کار اختیار کریں۔ اب اس کے مجاز مجاہدین یعنی جنہوں نے فائر بندی کی تاریخ 31 دسمبر 1948ء تک 45 دن فرقان فورس میں خدمت کی ہو' وہ مندرجہ ذیل نمونہ کے مطابق رسید تیار کر کے اور اس پر اپنے دستخط کر کے' نام وہی ہو جو فرقان بٹالین میں لکھوایا تھا' کی بیشی نہ ہو اور گواہ کے طور پر پریذیڈنٹ یا متعلقہ امیر مقامی کے دستخط ثبت کرا کے خاکسار کو بھجوا دیں۔ یہ رسیدات اکٹھی ہونے پر راولپنڈی بھجوا کر تمغہ جات یہاں ربوہ منگوائے جائیں گے۔ یہاں پہنچنے پر "الفضل" کے ذریعے سب کو اطلاع کر دی جائے گی۔ اس صورت میں احباب اپنے اپنے تمغہ جات یہاں سے حاصل کر سکیں گے۔ رسیدات بھجوانے کی وہی احباب تکلیف فرمائیں جنہوں نے 31 دسمبر 1948ء تک پورے 45 دن خدمت کی ہو۔ نیز ان رسیدات کے ساتھ کوائف بھجواتے وقت اپنے نمبر' ولدیت اور جہاں سے فرقان میں شامل ہوئے تھے' اس پتے پر ضرور اطلاع دیں۔ (نمونہ رسید درج ذیل ہے۔) ملک محمد رفیق دارالصدر غربی' ربوہ۔

("الفضل" ربوہ' مورخہ 23 مارچ 1966ء)

○ قادیانی جماعت کا 1948ء کے فرقان بٹالین کے نام نہاد مجاہدوں کو 18 برس کے بعد میڈل اور اعزازات دینے کا اہتمام خاص طور پر اس وقت کیا گیا' جب 1965ء

کی جنگ میں پاک فوج کے شہیدوں اور غازیوں کو دفاع وطن میں سرانجام دیے گئے کارناموں پر تمغے دیے جا رہے تھے' جماعت احمدیہ نے یہ سارا ڈرامہ اس لیے رچایا کہ وہ کشمیر جیسے حساس اور بین الاقوامی مسئلہ کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتی تھی۔ قادیانیوں نے ہمیشہ کشمیر کے معاملہ میں غیر معمولی دلچسپی وابستہ رکھی ہے۔

○ قادیانی جماعت کے نام نہاد مجاہدین کو میڈل اور اسناد سے نوازنا اس لیے بھی باعث حیرت تھا کہ قادیانیوں کی فرقان بٹالین کو 45 دن جنگ میں حصہ لینے کے بعد پاکستانی کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے بالآخر ختم کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ یکایک اٹھارہ برس کے بعد جنرل گریسی کی یاد کو تازہ کرنے کا مقصد محض پاکستان کی مسلح افواج کو (Degreat) کرنا تھا۔ قادیانیوں نے اپنے کوڑے مجاہدین کی خدمات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ حالانکہ کشمیر اور جہاد کشمیر سے ان کا دور کا واسطہ تک نہ تھا۔ کیونکہ حرمت جہاد کی منسوخی ان کا الہامی عقیدہ ہے۔

○ ۔ قادیانیوں کی عسکری تنظیم فرقان بٹالین نے جنرل گریسی کے حکم پر جہاد کشمیر میں حصہ لیا تھا' جیسا کہ حقائق سے معلوم ہوتا ہے ورنہ انہیں جہاد کشمیر سے کوئی سروکار نہ تھا۔ قادیانی جماعت اگر پاکستان کی وفادار اور کشمیر کے مسئلہ میں مخلص تھی' تو قادیانی جماعت نے 1965ء' 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں اپنی عسکری تنظیم فرقان بٹالین کی خدمات کی پیشکش کیوں نہ کی؟ اور کشمیر کی جنگ کی طرح دفاع وطن کی خاطر معرکہ آرا پاک بھارت جنگوں میں حصہ کیوں نہ لیا۔

● آغا شورش کاشمیری فرقان بٹالین کے پس منظر میں قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مرزائیوں نے اپنی جماعت کے 83 برس میں مسلمانوں کے کسی ابتلاء' کسی تحریک' کسی افتاد اور کسی مصیبت میں کبھی حصہ نہیں لیا ہمیشہ مسلمانوں سے الگ تھلگ اور انگریزوں کی مرضی کے تابع رہے۔ لیکن ریاست کشمیر کے مسلمانوں کی ہمدردی کے نام پر انہوں نے جولائی 1931ء میں آل انڈیا

کشمیر کمیٹی کا کھڑاگ رچایا اور آج تک صرف کشمیری کا ذکر چھیڑتے ہیں۔ کیا مسلمانوں کے مصائب کشمیر کے سوا اور کسی خطہ میں نہ تھے۔ کیا صرف کشمیر کے مسلمان ہی مسلمانان عالم میں ہمدردی کے مستحق تھے اور کیا ریاست کشمیر کی آزادی ہی عالم اسلام کی ویرانیوں کا مسئلہ اول ہے؟ اگر قادیانی کشمیر کے معاملہ میں اسلام اور مسلمانوں کی خاطر مخلص ہوتے تو اس کا اعتراف نہ کرنا بخل ہوتا بلکہ شقاوت کے مصداق' لیکن معاملہ دوسرا تھا۔ میرزائی کشمیری مسلمانوں کی سادہ فطرت سے واقف تھے کہ وہ مذہبی سٹہ بازوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ادھر قادیان اور جموں متصل علاقے تھے' ادھر میرزائی جس قادیانی ریاست کا خواب دیکھتے تھے اس کی تعبیر کے لیے جموں و کشمیر حسب حال تھے۔

پاکستان نے اپنی آزادی کے تیسرے مہینے اکتوبر 1947ء میں کشمیر کا مطالبہ کیا تو اس جنگ میں قادیانی امت فی الفور کود پڑی' اس نے فرقان بٹالین کے نام سے ایک بٹالین تیار کی' جو سیالکوٹ کے نزدیک جموں کے محاذ پر واقع گاؤں معراکے میں متعین کی گئی۔ اس نے وہاں کیا خدمات انجام دیں اس کے تذکرہ و انشاء کا محل نہیں' لیکن اس وقت پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس گریسی تھے' جن کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ وہ پاکستان کی فوج کو کشمیر میں استعمال کرنے کے خلاف تھے اور نہ مخصوص طور پر کشمیر کی لڑائی کے حق میں تھے بلکہ ان کی معرفت بعض معلومات ہندوستان کے کمانڈر انچیف جنرل سر آکن لیک تک پہنچتی گئیں۔ قائداعظم اس وقت سرطان کے مرض میں مبتلا تھے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا تو ان کا مرض شدید ہو گیا۔

کسی کمانڈر انچیف نے کسی "آزاد ادارے" کی ایسی بٹالین پر کبھی صاد نہیں کیا جیسا کہ فرقان بٹالین تھی۔ فرقان بٹالین کو یہ شرف بخشا گیا کہ جنرل گریسی نے بطور کمانڈر انچیف تحسین و ستائش کا خط و پیغام لکھا جو تاریخ

احمدیت' جلد ششم' مولفہ دوست محمد شاہد کے صفحہ 674 پر موجود ہے۔

بات معمولی ہے لیکن عجیب ہے کہ کشمیر کے محاذوں کی جنگ میں قادیان سے ملحق سرحدات کی کمان ہمیشہ میرزائی جرنیلوں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ چونکہ یہ ایک فوجی عمل ہے' لہٰذا اس کا ذکر مناسب نہیں' لیکن سوال ہے کہ فرقان بٹالین ہو یا اس کے بعد 1965ء کی جنگ' جو کشمیر سے شروع کی گئی کہ وہاں چھمب اور جوڑیاں کا محاذ پٹھان کوٹ اور قادیان کی طرف تھا۔ ابتدا ان محاذوں کی کمان جنرل اختر ملک اور بریگیڈیئر عبدالعلی ملک کے ہاتھ میں تھی' جو سگے بھائی ہونے کے علاوہ قادیانی العقیدہ تھے۔ جنرل اختر ملک ترکی میں وفات پا گئے۔ ان کی نعش وہاں سے ربوہ لائی گئی' جہاں بہشتی مقبرے سے باہر ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں۔ پنجاب میں پانچویں اور چھٹی جماعت کی تاریخ و جغرافیہ کے نصاب میں 1965ء کی جنگ کا ہیرو جنرل اختر ملک اور بریگیڈیئر عبدالعلی کو بتایا گیا اور اول الذکر کی سہ رنگی تصویر شامل کی گئی ہے۔

ایک دوسری تصویر جنرل ابرار حسین کی بھی ہے' لیکن 1965ء کی جنگ کو اس طرح محدود کرنا اور صرف جنرل اختر حسین ملک یا بریگیڈیئر عبدالعلی کا ذکر کرنا' میرزائی امت کا پنجاب میں نئی پود کو ذہنا" اپنی طرف منتقل کرنے کا جھگڑا ہے۔ عزیز بھٹی وغیرہ کو نظرانداز کرکے اور اس وقت کے آتش بجانوں کے سر سے گزر کے جنرل اختر ملک کو قومی ہیرو بنانا اور پڑھانا' قادیانی سیاست کی شوخی ہے' جو حصول اقتدار کی آئندہ کوششوں میں رنگ و روغن کا کام دے گی"۔

("عجمی اسرائیل" ص 30 تا 33 مرتبہ آغا شورش کاشمیری)

● 1948ء کی پاک بھارت جنگ نے پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس کا کردار مشکوک تھا۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم کے مطابق جنرل گریسی شخصی طور پر کشمیر کی لڑائی کے حق میں تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ پاکستان کی مسلح افواج کو شریک کیا

جائے۔ قادیانیوں کی عسکری تنظیم کے جوانوں کو کشمیر کی لڑائی میں شامل کرنے سے اس شبہ کو مزید تقویت ملتی ہے۔ قادیانیوں کی فرقان بٹالین کو کشمیر کی جنگ میں شامل کرنے کی کیا وجوہات تھیں؟ اس کا پس منظر کیا تھا؟ ان تمام حقائق کی تفصیلات علامہ اختر فتح پوری نے بیان کی ہیں۔ موصوف کی تحریر سے آغا صاحب کی باتوں کی تائید ہوتی ہے۔

"1947ء میں میاں محمود احمد صاحب نے رتن باغ لاہور میں ایک مجلس شوریٰ بلائی اور اس میں اعلان کیا کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد بالسیف کے التواء کا جو اعلان (ارشاد نبوی یضع الحرب کی تعمیل میں) فرمایا تھا' اب اس کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور جماعت کے افراد کو چاہیے کہ وہ جہاد بالسیف کے لیے تیاری کریں تا جب وقت جہاد آ جائے تو اس میں شمولیت کے قابل ہوں"۔

("تاریخ احمدیت" ج6' ص 446)

اس جماعت کی ساری عمر جہاد کو حرام اور منسوخ قرار دیتے گزری ہے۔ اب اس حرمت اور نسخ کے زمانے کا اختتام ہو رہا ہے' نام خدا' چوبے ڈھال اور تلوار باندھ کر شیر کے شکار کو نکلے ہیں۔ جہاد کو حرام قرار دینے کا مقصد بھی یہ تھا کہ مسلمان قوم پر انگریز کی گرفت مضبوط ہو جائے' محاذ کشمیر پر جب جنگ کا آغاز ہوا' تو قادیانیوں نے "فرقان بٹالین" کے نام سے ایک فوج سرا کے بارڈر پر بھجوائی' جس کے کرتا دھرتا میاں محمود احمد کے صاحبزادگان میاں ناصر احمد اور مبارک احمد تھے اور اس وقت افواج پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی تھے' جو انگریز تھے۔ اس فورس کے بھجوانے سے قبل میاں محمود احمد نے جو آزاد کشمیر حکومت کی تشکیل کی' اس میں مشہور احمدی خواجہ غلام نبی گلکار کو اس کا صدر مقرر کیا گیا۔ سردار گل احمد خاں کوثر' سابق چیف پبلسٹی آفیسر جمہوریہ حکومت کشمیر کا بیان ہے:

"یکم اکتوبر 1947ء کو جوناگڑھ میں عارضی متوازی حکومت کا اعلان کیا گیا اور نواب جوناگڑھ کو معزول کیا گیا۔ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب' امام جماعت احمدیہ' نے دیکھا کہ یہی وقت کشمیریوں کی آزادی کا ہے' تو آپ نے کشمیر لیڈروں اور ورکروں کو بلایا۔ میٹنگ میں فیصلہ ہوا کہ مفتی اعظم ضیاء الدین صاحب ضیاء کو عارضی جمہوریہ کشمیر کا صدر بنایا جائے۔ مگر انہوں نے انکار کیا اس کے بعد ایک اور نوجوان قادری صاحب کو کہا گیا' اس نے بھی انکار کیا۔ آخر میں قرعہ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار کے نام پڑا۔۔۔۔ 13 اکتوبر 1947ء کو بمقام پیرس ہوٹل متصل ریلوے پل راولپنڈی کے کارکنوں کی کئی میٹنگیں ہوئیں۔ آخر مسودہ پاس ہو کر خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور کے ہاتھ سے لکھ کر انور' بانی صدر "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کے نام سے ہری سنگھ کی معزولی کا اعلان ہوا' خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب نے یہ تار راولپنڈی صدر تار گھر سے غالباً چالیس روپیہ دے کر دے دیا۔ یہ پریس ٹیلی گرام ہندوستان اور پاکستان کے اخبارات کے علاوہ اے۔ پی۔ آئی کو دیا گیا۔۔۔ خواجہ غلام نبی گلکار انور صاحب بانی صدر "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کے بیان میں واضح کر دیا گیا کہ 4 اکتوبر 1947ء ایک بجے رات کے بعد ہری سنگھ کی معزولی کے بعد "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کا قیام بمقام مظفر آباد عمل میں آگیا ہے اور انور اس حکومت کا صدر ہے۔ اس حکومت نے جو وزراء مقرر کیے' ان میں کئی قادیانی شامل تھے۔ اس بات کو پوشیدہ رکھنے کے لیے یہ عیاری کی گئی کہ تمام وزراء کے اصل نام تبدیل کر دیئے گئے' تاکہ عوام کو قادیانیوں کے متعلق پتہ نہ چل سکے۔

راقم ان میں سے ایک کا ذاتی طور پر واقف ہے' جنہیں اس حکومت میں وزیر تعلیم مقرر کیا گیا تھا اور ان کا نام ڈاکٹر نذیر الاسلام کی بجائے مسٹر علیم رکھا گیا۔ تاریخ احمدیت کے مولف نے بھی ناموں کی تبدیلی کو تسلیم کیا ہے' مگر کمال بددیانتی کے ساتھ حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

اصلی نام مصلحتاً" پوشیدہ رکھے گئے اور ان کی بجائے ان کے متبادل نام رکھے گئے تاکہ ان کو کام کرنے میں آسانی ہو"۔

("تاریخ احمدیت" جلد 6' حاشیہ ص 657)

اس کو کہتے ہیں عذر گناہ بدتر از گناہ!

اس بات کا ثبوت کہ یہ سب کیا دھرا خلیفہ قادیان ہی کا تھا' اس کتابچے سے بھی ملتا ہے' جسے مسٹر زیدی نے "پاکستان کا بھانڈا چوراہے پر" کے نام سے لکھا ہے' کہتے ہیں:

"آزاد کشمیر حکومت کا قیام مرزا بشیر الدین محمود احمد' امام جماعت احمدیہ کے دماغ کا نتیجہ ہے' جس کا پروگرام انہوں نے رتن باغ لاہور میں بنایا تھا"۔

(بحوالہ "تاریخ احمدیت" جلد 6' ص 658)

اس کی مزید تائید لارڈ برڈوڈ کی کتاب "دو قومیں اور کشمیر" سے ہوتی ہے' لکھا ہے:

"حکومت آزاد کشمیر کی بنیاد 1947ء کو پڑی تھی اور اس کے پہلے صدر خواجہ غلام نبی گلکار تھے"۔

(بحوالہ "تاریخ احمدیت" جلد 6' ص 663)

خواجہ گلکار کو ڈوگرہ حکومت نے گرفتار کر کے جیل خانہ بھجوا دیا اور یوں یہ لوگ اپنے سیاسی عزائم میں ناکام و نامراد ہو گئے۔

ان تمام حوالہ جات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ فرقان بٹالین ملک و ملت کی خدمت یا جذبہ جہاد کے تحت کشمیر کے محاذ پر نہیں گئی تھی' بلکہ اس کا اصل مقصد ریاست جموں و کشمیر پر قبضہ کرنا تھا۔ ہم نے یہ نتیجہ یونہی نہیں اخذ کیا' اس استنتاج کے پیچھے مضبوط دلائل ہیں مثلاً:

1- مرزا محمود کا ریاست جموں و کشمیر میں احمدیوں کی حکومت قائم کرنا اور اس کا صدر ایک احمدی کو مقرر کرنا۔

2 تمام وزراء کے اصل نام تبدیل کر دینا تاکہ پتہ نہ چلے کہ یہ قادیانیوں کی حکومت ہے۔

3 فرقان بٹالین کے نام سے ایک فوج محاذ کشمیر پر بھیجنا تاکہ ریاست پر قبضہ کیا جا سکے۔

4- اس وقت ایک انگریز کا کمانڈر انچیف ہونا۔

آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ آئے ہیں کہ قادیانیوں اور انگریزوں کے مفادات باہم وابستہ ہیں۔ کیا ان تمام امور سے یہ بات ثابت نہیں ہو رہی کہ قادیانیوں کے عزائم کیا تھے؟"

("قادیانی تحریک کا پس منظر" ص 38 تا 41 از علامہ اختر فتح پوری)

● سیاسی حلقوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ پاکستانی افواج کے پہلے کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس من مانی پالیسیاں اختیار کرتے تھے۔ کشمیر کی 1948ء کی جنگ میں قائد اعظمؒ جنرل گریسی کی کارگزاری سے سخت نالاں تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ قائد اعظم کے حکم کے باوجود وہ کشمیر میں پاکستان کی مسلح افواج کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ چوہدری ظفر اللہ خان سے جب یہ سوال کیا گیا کہ آیا قائد اعظمؒ نے کشمیر میں فوجیں اتارنے کا حکم دیا تھا؟ تو چوہدری صاحب نے جواب میں کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔

(آتش فشاں لاہور' جلد 4' شمارہ 9' مئی 1980ء) چوہدری سر ظفر اللہ خان اس وقت وزیر خارجہ تھے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ "مسئلہ کشمیر" کا علمبردار اور داعی کہلوانے والا

پاکستان کا وزیر خارجہ ایک ایسے نازک اور حساس معاملہ میں لاعلم تھا۔ جس سوال کا جواب دینے سے حقیقت کا بھانڈہ پھوٹ جائے یا اپنی اصلیت کی قلعی کھل جائے' سیاسی لوگ اس سوال کا جواب یہی دیتے ہیں کہ "انھیں علم نہیں"۔

پیپلزپارٹی کے دور ثانی کے وزیر تعلیم جناب غلام مصطفیٰ شاہ نے اسلام آباد میں ہونے والے ایک سیمینار میں جنرل گریسی کے بارے میں کہا تھا کہ اگر قیام پاکستان کے وقت کمانڈر انچیف قائداعظم کا حکم مان لیتا تو آج کشمیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔ تقریر سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"اسلام آباد (پ پ الف) وفاقی وزیر تعلیم سید غلام مصطفیٰ شاہ نے کہا ہے کہ 1948ء میں اس وقت کے کمانڈر انچیف آف پاکستان آرمی کے بارے میں قائداعظم کے احکامات مان لیتے تو آج پاکستان کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی..... انھوں نے کہا ایک جرنیل کی جانب سے منتخب سول لیڈر کی خواہش کے خلاف اس اقدام نے پاکستان کے مستقبل کے لیے مارشل لاؤں کی راہ ہموار کی"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' ایڈیشن مورخہ 24 دسمبر 1989ء)

● معروف احرار راہنما ماسٹر تاج الدین انصاری فرقان بٹالین کی حقیقت اور جنرل گریسی کے کردار کو بے نقاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں---

"کشمیر میں گڑبڑ کے بعد مرزا محمود نے اپنی انفرادیت قائم رکھنے اور انفرادیت سے فائدہ اٹھانے کے لیے مرزائی نوجوانوں کی فرقان بٹالین فوجی محاذ پر پہنچا دی۔ ادھر "الفضل" نے فرقان بٹالین کا پراپیگنڈہ کیا' ادھر "احرار" نے خطرے کا آلارم کیا اور حکومت اور عوام کو خبردار کیا کہ دیکھو مرزا محمود کس طرح فوج کو متاثر کر رہا ہے۔ پراپیگنڈہ اس قدر تیز ہوا کہ احرار راہنماؤں نے پشاور سے لے کر کراچی تک وانڈے ملا دیے۔ مجبور ہو کر انگریز کمانڈر انچیف کو فرقان بٹالین توڑنا پڑی۔ مگر یہ مرزائی بٹالین اب تک یہ ثابت نہ کر سکی کہ

وہ سرکاری رائفلیں کہاں ہیں' جو فرقان بٹالین میں استعمال کرنے کے لیے دی گئی تھیں۔ ان رائفلوں کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوئیں مگر اس وقت کی حکومت ان اعتراضات کو ٹھنڈا شربت سمجھ کر پی گئی۔ بٹالین ربوے واپس آئی' تو اس کا استقبال ہوا اور اس کے بعد ربوے کی پہاڑیوں کی اوٹ میں فوجی پریڈ ہونے لگی۔ ان پریڈوں کے اثرات کا یہ نتیجہ ہوا کہ مرزا محمود صاحب کو بڑی مزے دار خواب آنے لگے"۔

(تحریک ختم نبوت' 1953ء ص 182' تحریر و ترتیب مولانا اللہ وسایا)

● کادیانیوں کی فوجی تنظیم فرقان بٹالین نے کشمیر کے محاذ پر جو گل کھلائے۔ کشمیری راہنماؤں بالخصوص آزاد کشمیر مسلم کانفرنس کے معروف راہنما جناب اللہ رکھا ساغر نے انہیں اخبارات کے ذریعہ بے نقاب کیا۔ جناب آفتاب احمد سیکرٹری جموں و کشمیر مسلم کانفرنس اور اللہ رکھا ساغر کے بیانات کے ذریعہ جب کادیانیوں کی فرقان بٹالین کی پراسرار خدمات کی تفصیلات منظر عام پر آئیں' تو حکومت اور فوجی افسروں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ فرقان بٹالین کی ساری قلعی کھل جانے کے بعد کادیانی جماعت نے محسن اور پاکستان مسلح افواج کے کمانڈر انچیف جنرل ڈگلس گریسی نے فرقان بٹالین کا بھرم رکھنے کے لیے اور کادیانیوں کا وقار بحال کرنے کے لیے 15 جون 1950ء کو فوری طور پر فرقان بٹالین کو سبکدوش کر دیا۔ 17 جون 1950ء کو فرقان کیمپ سرائے عالمگیر میں خصوصی تقریب کے ذریعہ اس کی سبکدوشی عمل میں آئی۔ فرقان بٹالین کو کالعدم قرار دیے جانے کی روئیداد بیان کرتے ہوئے دوست محمد شاہد رقم طراز ہیں ------

"فرقان بٹالین کی تقریب سبکدوشی

حکومت پاکستان نے نوری جھنڈے اور اقوام متحدہ کے نمائندوں کے کام میں مکمل تعاون کے پیش نظر بالآخر فیصلہ کیا کہ تمام رضاکار سپاہیوں کو آزاد کشمیر کے محاذ سے واپس بلا لیا جائے۔ چنانچہ اس تعلق میں 15 جون 1950ء کو فرقان بٹالین کی سبکدوشی کے احکام

جاری کیے گئے اور 17 جون 1950ء کو فرقان کیمپ (متصل سرائے عالمگیر) میں ایک خصوصی تقریب کے ذریعہ سے اس کی سبکدوشی عمل میں آئی۔ پاکستانی فوج کے بریگیڈیئر شیخ نے پریڈ کے معائنہ اور مارچ پاسٹ کے وقت سلامی لینے کے بعد پڑھ کر سنایا۔ اس موقعہ پر حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر کے بعض اعلیٰ اور فوجی افسر بھی تشریف فرما تھے"۔

کمانڈر انچیف پاکستان کا پیغام

کمانڈر انچیف پاکستان کے انگریزی پیغام کا ترجمہ یہ ہے:

"آپ کی بٹالین خاص رضاکار بٹالین تھی۔ جس میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ (پاکستانی افواج کے افسران فرقان بٹالین کے کیمپ کا مختلف اوقات میں معائنہ فرماتے رہے اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کے جذبہ قربانی کو دیکھ کر نہایت اچھا اثر لیتے رہے۔ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب (جو اس وقت پاکستانی افواج کے ایڈجوٹینٹ جنرل تھے) نے بھی اس بٹالین کا معائنہ فرمایا۔) اس میں کسان بھی تھے اور مزدور پیشہ بھی' کاروباری لوگ بھی تھے اور نوجوان طلباء و اساتذہ بھی۔ وہ سب کے سب خدمت پاکستان کے جذبہ میں سرشار تھے۔ آپ نے اس قربانی کے بدلے میں جس کے لیے آپ میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو بخوشی پیش کیا کسی قسم کے معاوضہ اور شہرت و نمود کی توقع نہ کی۔

آپ جس جوش اور ولولے کے ساتھ آئے اور اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے لیے تربیت حاصل کرنے میں جس بھرپور اشتیاق کا اظہار کیا اس سے ہم سب بہت متاثر ہوئے۔ ان تمام مشکل مراحل پر جو نئی چلتن کو پیش آتے ہیں' آپ کے افسروں نے بہت عبور حاصل کر لیا۔

کشمیر میں محاذ کا ایک اہم حصہ آپ کے سپرد کر دیا گیا اور آپ نے ان تمام توقعات کو پورا کر دکھایا' جو اس ضمن میں آپ سے کی گئی تھیں۔ دشمن

نے ہوا پر سے اور زمین پر سے آپ پر شدید حملے کیے لیکن آپ نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے اس کا مقابلہ کیا اور ایک انچ زمین بھی اپنے قبضہ سے نہ جانے دی۔ آپ کے انفرادی اور مجموعی اخلاق کا معیار بہت بلند تھا اور تنظیم کا جذبہ بھی انتہائی قابل تعریف!!!

اب جبکہ آپ کا مشن مکمل ہوچکا ہے اور آپ کی بٹالین تخفیف میں لائی جا رہی ہے' میں اس قابل قدر خدمت کی بناء پر جو آپ نے اپنے وطن کی انجام دی ہے' آپ میں سے ہر ایک کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا حافظ"۔

(یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ حکومت پاکستان نے فرقان بٹالین کے ان 917 مجاہدوں کو تمغات دفاع دیے ہیں جو 1949ء کی جنگ سے پیشتر کسی وقت 45 روز تک اس بٹالین میں خدمات بجالاتے رہے۔) (اردو ترجمہ)

("تاریخ احمدیت" جلد ششم' ص672 تا 674

مولفہ دوست محمد شاہد ادارۃ المصنفین ربوہ' ضلع جھنگ)

قادیانیوں کے عسکری جتھہ کی رحلت کے 18 برس بعد 1966ء میں قادیانی جماعت کو یکایک فرقان بٹالین میں شامل قادیانیوں کو میڈل دینے کا خیال کیوں آگیا۔ قادیانی جماعت کی اس ناپاک جسارت کا نوٹس لیتے ہوئے مدیر "لولاک" مولانا تاج محمود مرحوم نے "یہ فرقان فورس کیا بلا ہے؟" کے زیر عنوان ایک جاندار اداریہ سپرد قلم کیا۔

"قادیانی جماعت کے ترجمان "الفضل" میں ملک محمد رفیق صاحب کے یہ پراسرار اعلانات پڑھ کر سخت تعجب اور حیرت ہوئی کہ اٹھارہ برس کے بعد "فرقان فورس" کے قادیانیوں کو کشمیر میڈل ملنے کا آخر قصہ کیا ہے؟

فرقان فورس کے متعلق اس پراسرار اعلان کا تعلق ملک کے محکمہ دفاع سے ہے۔ محکمہ دفاع کی نزاکت اور تقدیس کے پیش نظر ہم اس بہت بڑے سکینڈل کی تفصیلات میں جانے سے قاصر ہیں۔

اس خطرناک سکینڈل کی تفصیلات میں جانا دراصل انجیل جیسی بیورو کا

کام ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ارباب ربوہ کا یہ اعلان محکمہ انٹیلی جینس کے نوٹس میں آیا ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ اعلان اس محکمہ کے کارپردازان تیز بین کے نوٹس میں آیا ہے' تو وہ اس پراسرار اعلان کے تہ منظر کو بھی سمجھ سکے ہیں یا نہیں۔ اسی طرح اگرچہ اس محکمہ کے سربراہ بھی ایک قادیانی افسر بتائے جاتے ہیں۔ تاہم ہمیں ان کی حب الوطنی پر کوئی شبہ نہیں ہے۔

ہم اس سکینڈل کو براہ راست مغربی پاکستان کے عظیم المرتبت گورنر جناب ملک امیر محمد خان' پاکستان کی قابل فخر فوج کے عظیم جرنیل خان محمد یحییٰ خان صاحب' پاک فوج کے مجاہد اعظم جنرل محمد موسیٰ خان اور ملک کے بیدار مغز صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے نوٹس میں لانا چاہتے ہیں کہ قادیانیوں کی یہ سرگرمیاں ملک کی قابل احترام فوج کے مقام و منصب کے منافی ہیں۔

ہمارا ملک ایک عرصہ تک سیاسی گندگی میں آلودہ رہا۔ گزشتہ 18 برس کے عرصہ میں مختلف قسم کے دور آئے لیکن ملک اور قوم نے ہمیشہ اپنی فوج کی تعلیم اور تقدیس دل و جان سے کی ہے۔ اگر سچ پوچھا جائے تو ہمارے ملک میں صرف فوج ہی ایک ایسا ادارہ ہے جس پر پوری قوم کو اعتماد اور فخر ہے اور اس کی تنظیم کی کوئی سی قدر قوم میں اختلافی نہیں ہے۔

قادیانیوں نے قبل ازیں مذہب اسلام کی اصطلاحات نبوت' رسالت' صحابہ' اہل بیت' ازواج مطہرات' سیدۃ النساء وغیرہ کو نہ صرف یہ کہ اختلافی امر بنایا بلکہ ان کو ذلیل اور رسوا کیا۔ ہمیں یہ بات لکھنے میں کوئی باک نہیں کہ حضور سرور کائنات فداہ ابی و امی کی جس قدر توہین اور بے ادبی اس فرقہ ضالہ نے کی ہے اور اسلام کے خلاف جتنی بڑی سازش اس ٹولے نے کر رکھی ہے' اتنی بڑی توہین اور سازش چودہ سو سال میں کبھی کسی نے نہیں کی ہے۔ جس کا احساس جس قدر تمام مسلمانوں اور خصوصاً ارباب اختیار کو ہونا چاہیے' نہیں

ہے۔ لیکن اب قادیانی دینی اصطلاحات کی غارت گری سے آگے بڑھ کر ملکی معاملات میں بھی پر پرزے نکالتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں اور ملکی معاملات میں سے خصوصاً فوج کے متعلق ایک خاص قسم کے معاملہ کو جس طرح ربوہ اور قادیانی نبوت کے ساتھ متعلق اور منسلک کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے' یہ فوج کی تنظیم و آداب اور غیر جانبداری کے بلند مقام کے قطعاً منافی ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ یہ فرقان فورس ہے کیا بلا؟ اگرچہ ربوہ کے متوازی حکمران یہی سمجھتے ہیں کہ عوام کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اور شاید اب کسی کو یاد نہیں ہو گا کہ اس "فرقان فورس" کی حقیقت کیا ہے۔ غالباً انہوں نے اب یہی سوچا ہے کہ فرقان فورس میں شریک قادیانیوں کو "مجاہد کشمیر" کا نام دے کر عوام میں مانوس کیا جائے اور جس قسم کی افواہیں ربوہ سے پھیلائی جا رہی ہیں' ان افواہوں کو ان پر رمز اعلانات سے تقویت پہنچائی جائے اور نبوت باطلہ کے مذہبی کاروبار کو چمکانے کے علاوہ کسی "اسرائیل" کو معرض وجود میں لانے کے لیے کسی دام ہم رنگ زمین کے تارو پود مہیا کیے جائیں۔

فرقان فورس نے 1948ء کے 45 دن جس "جہاد کشمیر" میں حصہ لیا تھا اور جو خدمات سرانجام دی تھیں' اس کی تفصیلات آزاد کشمیر کی "مسلم کانفرنس" کے رہنما جناب اللہ رکھا ساغر کے اس بیان میں درج ہیں' جو موصوف نے فرقان فورس کے متعلق ان دنوں اخبارات میں شائع کرایا تھا اور جس کے بعد قادیانیوں کے محسن اعظم جنرل گریسی نے فرقان فورس کو پراسرار اور فوری طور پر توڑ دیا تھا اور ان کی عزت بچانے کے لیے ایک خاص تقریب

میں انہیں سندات دے دی گئی تھیں۔ اس وقت ہم اس موضوع پر کچھ لکھنے سے قطعاً گریز کرنا چاہتے ہیں۔ کہ حالیہ جنگ میں مجاہدین کشمیر کے معروف الفاظ کو فرقان فورس کے قادیانیوں کے لیے 48 کی جنگ کا حوالہ دے کر کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ اس وقت ہم اپنے مذکورہ بالا قابل صد احترام اکابر کی خدمت میں نہایت خلوص اور ادب کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ قادیانیوں نے مملکت کے اندر مملکت اور فوج کے اندر فوج کا جو مشغلہ اختیار کر رکھا ہے' اس سکینڈل کی تحقیقات کرائی جائے اور ملک کی قابل تقدیس قدروں خصوصاً فوجی معاملات سے کسی کو کھلنے اور کھیل رچانے کی اجازت نہ دی جائے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" لائل پور' ج 3' ش 9' 10 مئی 1966ء)

● قادیانیوں کی فرقان بٹالین کو دیے جانے والے میڈل و اعزازات کے سکینڈل پر ہفت روزہ "المنبر" لائل پور کے مدیر نے قادیانیوں کی عسکری تنظیم۔۔ "فرقان بٹالین' تمغہ جات کی تقسیم ربوہ سے کیوں" کے زیر عنوان حسب ذیل نوٹ لکھا تھا:

"الفضل" مورخہ 5 دسمبر 1965ء میں حسب ذیل اعلان شائع ہوا ہے۔

"حکومت کی طرف سے 2 مئی 1948ء سے 31 دسمبر 1948ء کے درمیان ایک مدت معینہ تک جہاد کشمیر میں حصہ لینے والوں کے لیے "تمغہ دفاع کشمیر 1948ء "معہ کلاسپ" منظور ہوا ہے۔ لہٰذا وہ مجاہدین جنہوں نے فرقان فورس کی ابتداء سے 31 دسمبر 1948ء کے درمیان جہاد میں حصہ لیا ہے وہ اپنی اپنی درخواست (مخاطب کرنے والی جگہ چھوڑ دیں) یہ مطالبہ کرتے ہوئے مجھے بھجوا دیں کہ فلاں وجہ کی بنا پر خود راولپنڈی آکر اپنا میڈل حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ لہٰذا بذریعہ ڈاک ان کو بھجوا دیا جائے۔ اپنے نام کے ساتھ ولدیت کا ذکر کریں تاکہ ریکارڈ میں نام تلاش کرنے میں سہولت رہے۔

(خاکسار محمد رفیق (ملک) دارالنصر غربی' ربوہ)

اس کے بعد 23 مارچ 1966ء کو "الفضل" میں حسب ذیل اعلان شائع ہوا۔

"کشمیر میڈل کے بارہ میں دسمبر 1965ء میں الفضل میں اعلان کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں جو پتہ جات موصول ہوئے اس کی اطلاع متعلقہ دفتر کو راولپنڈی کر دی گئی تھی۔ امید ہے ان کی طرف سے تمغہ جات پہنچ چکے ہوں گے۔ جن احباب کو ابھی تک تمغہ نہیں ملا وہ اس کے حصول کے لیے تبدیل شدہ طریق کار اختیار کریں۔ اب اس کے مجاز مجاہدین یعنی جنہوں نے فائر بندی کی تاریخ 31 دسمبر 1948ء تک 45 دن فرقان فورس میں خدمت کی ہو وہ مندرجہ ذیل نمونہ کے مطابق رسید تیار کر کے اور اس پر اپنے دستخط کر کے (نام وہی ہو جو فرقان میں لکھوایا تھا کمی بیشی نہ ہو) اور گواہ کے طور پر پریذیڈنٹ یا متعلقہ امیر مقامی کے دستخط ثبت کرا کے خاکسار کو بھجوا دیں۔ یہ رسیدات اکٹھی ہونے پر راولپنڈی بھجوا کر تمغہ جات یہاں ربوہ منگوائے جائیں گے۔ یہاں پہنچنے پر "الفضل" کے ذریعہ سب کو اطلاع کر دی جائے گی۔ اس صورت میں احباب اپنے اپنے تمغہ جات یہاں سے حاصل کر سکیں گے۔ رسیدات بھجوانے کی وہی احباب تکلیف فرمائیں جنہوں نے 31 دسمبر 1948ء تک پورے 45 دن خدمت کی ہو۔ نیز ان رسیدات کے ساتھ کوائف بھجواتے وقت اپنے نمبر ولدیت اور جہاں سے فرقان میں شامل ہوئے تھے' اس پتہ سے بھی ضرور اطلاع دیں۔ نمونہ رسید درج ذیل ہے۔

(ملک محمد رفیق' دارالصدر غربی الف' ربوہ)

دسمبر کے اعلان میں تو بڑے محتاط انداز میں صرف اتنا ہی کہا گیا تھا کہ

(الف) درخواستوں پر مخاطب کرنے والی چھوڑ دیں۔

(ب) یہ وجہ بھی لکھیں کہ وہ کیوں براہ راست راولپنڈی جا کر اپنا تمغہ حاصل نہیں کر سکتے۔

لیکن 23 مارچ کے اعلان میں صرف ان دونوں محتاط باتوں کا ذکر نہیں بلکہ کئی

قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا گیا کہ

(الف) درخواستوں پر وہی نام ہو جو "فرقان" میں لکھوایا گیا تھا' کی بیشی نہ ہو۔

(ب) گواہ کے طور پر پریذیڈنٹ یا متعلقہ امیر مقامی (قادیانی جماعت) کے دستخط ثبت کرائے جائیں۔

(ج) درخواست براہ راست ملک محمد رفیق ربوہ کے نام بھیجی جائے۔

(د) تمغہ جات بھی ربوہ آئیں گے۔

(ہ) تمغہ جات کی اطلاع الفضل میں شائع ہوگی اور

(ز) "احباب" ربوہ ہی سے اپنے اپنے تمغہ جات وصول کر سکیں گے۔

معاملہ فوج کا ہے اور بے حد اہم ہے اور اس کے ساتھ مسئلہ ہے ملک و ملت کی سالمیت کا بھی اور حکمران طبقہ کی اپنی بہبودی کا بھی۔ اس لیے ہم اپنی طرف سے کچھ عرض کیے بغیر باخبر ذرائع سے حسب ذیل امور پر روشنی ڈالنے کی درخواست کرتے ہیں۔

1- پاکستان میں کسی بھی مذہبی گروہ (ہندوؤں' عیسائیوں' مسلمانوں میں سے احناف' شیعہ' اہل حدیث وغیرہ) کو یہ اجازت ہے کہ وہ فوج سے ایسے عظیم المرتبت اور انتہائی غیر جانبدار محکمے میں اپنے مذہب یا فرقے کی بنیاد پر کوئی بٹالین یا بریگیڈ منظم کر سکیں؟

2- کیا اب سے پہلے کوئی مثال اس قسم کی ریکارڈ پر ہے۔ یہ فوجی خدمات انجام دینے والے افراد کے اعزازات و تمغہ جات کسی سیاسی' نیم سیاسی' مذہبی جماعت یا کسی مسلم و غیر مسلم قوم یا کسی فرقے اور گروہ کے توسط سے تقسیم کیے گئے ہوں۔

3- کیا ایسی کوئی مثال اب سے پہلے عملاً قائم ہوئی ہے کہ حکومت کی عطا فرمودہ فوجی سندات و تمغہ جات حکومت کے دفاتر سے براہ راست طلب ہی نہ کی جا سکیں اور یہ اعلان کوئی فرقہ یا امت یا جماعت برسرعام کر دے۔ فوج کے فلاں

شعبہ کے افراد اپنے تمغہ جات صرف فلاں جماعت ہی سے حاصل کر سکیں گے۔ (جیسا کہ اس اعلان 23 مارچ میں یہ صراحت کہا گیا ہے)۔

تمغہ جات یہاں ربوہ منگوائے جائیں گے۔ یہاں پہنچنے پر "الفضل" کے ذریعے سب کو اطلاع دی جائے گی۔ اس صورت میں احباب اپنے تمغہ جات یہاں سے حاصل کر سکیں گے۔

ہم متوقع ہیں کہ ان سوالات کو مستحق التفات سمجھا جائے گا تاکہ الفضل کے مذکورہ اعلانات اور تحقیقات عدالت کی اس توثیق سے کہ "فرقان بٹالین" خاص "قادیانی بٹالین" ہے۔ جو سوالات ایک مخلص پاکستانی مسلمان کے دل میں ابھرتے ہیں' ان کا تشفی بخش جواب مل جائے اور فوج ایسی واجب الاحترام تنظیم کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو!

مزید بر آں ایک پہلو ارباب اختیار کے براہ راست سوچنے کا یہ بھی ہے کہ فوج کے جس حصے کو اپنے تمغہ جات ربوہ کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکیں گے ـــ کیا ان دلچسپیوں اور وفاداری کا مرکز فوج کا ہیڈ کوارٹر ہو گا یا ربوہ ـــ؟

(ہفت روزہ "المنبر" لائل پور' ص 5' ج 11' ش 2' 16 مئی 1966ء

مدیر مولانا عبدالرحیم اشرف)

- "ربوہ سازشوں کا سرچشمہ" کے عنوان سے ہفت روزہ "المنبر" میں قادیانیوں کی فرقان فورس کو جنگ کے دوران دیئے جانے والے اسلحہ کی تفصیل بیان کی گئی۔

"فرقان فورس" کے نام سے موسوم ہے پاکستان کا اسلحہ ڈوگرہ فوج کے سپاہیوں کو دے کر کشمیری مسلمانوں کا خون کرا رہی ہے' مرزائی فرقان سپاہی دشمن کے حملہ آور ہوائی جہازوں کو اشارہ کر کے مسلمان فوج کو تباہ کراتے ہیں' تو اس نے فرقان فورس کو خلاف قانون قرار دے کر کشمیر سے نکالنے کا حکم دے دیا۔

فرقان فورس کے ان غدار سپاہیوں نے مسلمانان کشمیر کے ساتھ کیا کیا

غداریاں کیں؟ اور محاذ کشمیر کا نہایت قیمتی اسلحہ کہاں گم کیا؟ اس کے متعلق محاذ کشمیر کے اندرونی اور بیرونی حالات سے پوری طرح واقف راولپنڈی کی ایک انجمن نے "قیمتی اسلحہ کہاں گیا؟" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کر کے اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ مرزائیوں نے وہ اسلحہ اپنے دارالسلطنت "ربوہ" کے اسلحہ خانہ میں جمع کرالیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

جہاد کے منکر مرزائی کشمیر میں "جہاد" کے نام پر جانے لگے کیا اب جہاد حلال ہو گیا تھا؟ نہیں! بلکہ اس فریب سے انہوں نے کشمیر کو ہتھیانا اور پاکستان کو لوٹنا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے مرزائیوں کو "فرقان فورس" (جس کا بعد میں 21 آزاد کشمیر بٹالین نام رکھا گیا) کے نام پر منظم کرنا شروع کیا اور ان کی تمام ضروریات پاکستان کے خزانے سے پوری ہونے لگیں۔ انہوں نے ایک طرف چالبازی سے کام لے کر آزاد محاذ پر مخلص اور بہادر مسلم نوجوانوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنانا شروع کیا' جس کے متعلق آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے سیکرٹری سردار آفتاب احمد خاں کے یہ الفاظ اظہار حقیقت کے لیے کافی ہیں کہ محاذ کشمیر پر "فرقان فورس" کی سرگرمیاں یہ قصہ اتنا دردناک ہے کہ اگر آپ سن پائیں تو آپ کی ہچکی بندھ جائے' آپ کی آنکھوں سے خون کے آنسو چل پڑیں۔ میں کیا کہوں کہ کیسے کیسے مخلص اور جانباز "فرقان فورس" کی عیاریوں کے نذر ہو گئے۔

اور دوسری طرف مسلمانوں کے خون پسینہ کی کمائی سے خریدا ہوا قیمتی اور اہم اسلحہ اور فوجی سامان چرا چرا کر "ربوہ" بھیجتے رہے اور اس طرح اس "موذی نگر" کے قلعہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوشش کی لیکن مثل مشہور ہے کہ "سو دن چور کا اور ایک دن سادھ کا"۔ آخر ان کی نمک حراموں کا بھانڈا پھوٹ گیا اور سردار ڈاکوؤں سے "فرقان فورس" کو توڑنے

بغیر کچھ بن نہ پڑی۔ لیکن اس کے باوجود یہ "فرقان فورس" کے نام پر حاصل کیا ہوا اسلحہ ہضم کر گئے۔ جس کی ایک مختصر فہرست بطور مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ ورنہ اگر حکومت پڑتال کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ فہرست تمام چرائے ہوئے اسلحہ کا ہزاروں حصہ بھی نہیں ہے۔

چھ سو مکمل فوجی وردیاں ادنیٰ سپاہی سے لے کر اعلیٰ افسروں تک '

تھری ناٹ تھری کی رائفلیں	599
مشین گن	20
سوورٹ بیز	226
گولیاں	21110
26 سائز کے گرینڈ (بم)	72

اس کے علاوہ گولہ بارود ' دستی بم ' سنگینیں اور بہت سا دوسرا نہایت قیمتی اور اہم سامان ' مثلاً وائرلیس سیٹ بمعہ چارجنگ انجن ' چارجنگ سیٹ اور بیٹری وغیرہ۔ نیز بے شمار وردیاں اور دیگر سامان جو کروڑوں روپے کی مالیت کا ہوتا ہے ' یہ ہضم کیے بیٹھے ہیں۔

ہم حکومت پاکستان کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ تمام سامان جس کی ادائیگی کا مطالبہ کئی بار حکومت کی جانب سے ہو چکا ہے اور جس کی فائلوں کو کلیدی عہدوں پر متمکن مرزائی افسروں نے اپنی روایتی نمک حرامی اور اسلام دشمنی کی وجہ سے دبا رکھا ہے ' سارے کا سارا ربوہ میں موجود ہے۔ ربوہ جہاں پاکستان کے اکثر فوجی ڈپوؤں کا مال چرا کر جمع کیا گیا ہے۔ "ربوہ" جہاں کے سازشی دماغ نے انگار ' شیر خاں اور لیاقت علی جیسے بہادر اور ہمدرد ملت بزرگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور جس کا سردار بشیر محمود ' سر ظفر اللہ کی وزارت خارجہ کے کھونٹے پر پاکستان پر قبضہ کے خواب دیکھ رہا ہے جو کبھی مسلمانان پاکستان کو یوں دھمکاتا ہے کہ:

"وہ وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ (مسلمان) مجرموں کی حیثیت میں ہمارے سامنے پیش ہوں گے"۔

(دسمبر 1951ء سالانہ کانفرنس ربوہ)

اور کبھی اپنے چیلوں کو یوں حکم کرتا ہے کہ:

"1952ء کو گزرنے نہ دیجئے' جب تک احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آ گرے"۔

("الفضل" 16 جنوری 1952ء)

اور جو کبھی اپنے چیلوں کو یوں تلقین کرتا ہے:

"جب تک سارے محکموں میں ہمارے آدمی موجود نہ ہوں' ان سے جماعت پوری طرح کام نہیں لے سکتی' مثلاً موٹے موٹے محکموں میں سے فوج ہے' فنانس ہے' پولیس ہے' ایڈمنسٹریشن ہے' ریلوے ہے' اکاؤنٹس ہے' کسٹمز ہے' انجینئرنگ ہے۔ یہ آٹھ دس موٹے موٹے صیغے ہیں' جن کے ذریعے سے جماعت اپنے حقوق محفوظ کرا سکتی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوان فوج میں بے تحاشا جاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہماری نسبت فوج میں' دوسرے محکموں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے اور ہم اس سے اپنے حقوق کی حفاظت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ باقی محکمے خالی پڑے ہیں۔ بیشک آپ لوگ اپنے لڑکوں کو نوکر کرائیں' لیکن وہ نوکری اس طرح کیوں نہ کرائی جائے کہ جس سے جماعت فائدہ اٹھا سکے۔ پیسے بھی اس طرح کمائے جائیں کہ ہر صیغہ میں ہمارے آدمی موجود ہوں اور ہر جگہ ہماری آواز پہنچ سکے"۔

(خطبہ مرزا محمود' مندرجہ "الفضل" 11 جنوری 1952ء)

اسلحہ اور دیگر جنگی سامان کی گمشدگی کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ یہ اتنا بڑا ملکی اور قومی حادثہ ہے جو کسی ملک کے لیے زندگی اور موت کا باعث بن سکتا ہے۔

تعجب اس بات پر ہے کہ ہماری اس آزاد اسلامی سلطنت پاکستان میں اس قدر قیمتی اسلحہ اور ایسا نایاب جنگی سامان گم ہوتا ہے لیکن ہمارے حکمران طبقہ کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

("ربوہ سازشوں کا سرچشمہ" ہفت روزہ "لولاک" لائلپور ج 18 ش 49 ص 4، 4 جنوری 1974ء)

● پاک بری فوج میں چالیس برس خدمت سرانجام دینے والے میجر (ریٹائرڈ) میر افضل خان' 1949ء کی کشمیر کے مسئلہ پر پہلی پاک بھارت جنگ کے پس پردہ چونکا دینے والی سازشوں سے 'پردہ اٹھاتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"لیکن سازش بہت گہری تھی۔ پاکستان بننے کے بعد سیالکوٹ کا پہلا ڈپٹی کمشنر غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد تھا۔ وہ طریقے کے ساتھ گورداسپور اور امرتسر سے قادیانیوں کو نکال رہا تھا۔

ڈسکہ میں ظفر اللہ کا خاندان ایک مرکز بنائے ہوئے تھا اور بھارت سے آنے والے "مظلوم" قادیانیوں کو ملک کے چپہ چپہ' خاص کر پنجاب میں ایک تجویز کے تحت پھیلایا جا رہا تھا کہ ہر جگہ ان کے منتظم اور اعلیٰ افسر مقرر تھے اور قادیانی ایک ٹریڈ یونین کے تحت پاکستان کے معاملات پر چھائے جا رہے تھے۔

راقم کے سامنے لوگوں نے ممتاز دولتانہ سے یہ شکایت کی کہ ایم ایم احمد کو سیالکوٹ سے تبدیل کیا جائے۔ ممتاز دولتانہ نے ایک ہفتہ کا وعدہ کیا لیکن وعدہ پورا نہ ہو سکا کہ لیاقت علی' ظفر اللہ' سکندر' کا تھوراں گروہ مرکز پر چھا چکا ہے اور قائداعظم کو بھی اندھیرے میں رکھا جا رہا ہے۔"

خان قیوم کھلی مجلسوں میں سینکڑوں دفعہ کہہ چکے تھے کہ جب سرحد کے مجاہدین وادی کشمیر میں داخل ہوئے تو پنجاب کے مجاہدین کو حکومت نے روک

لیا اور نواب ممدوٹ نے 54 میں ریل کے ایک سفر کے دوران راقم کے سامنے یہ تسلیم کیا کہ ایسا لیاقت علی کے حکم پر کیا گیا تھا۔ بلکہ اس کے دو وزیر ممتاز دولتانہ اور شوکت حیات بھی لیاقت علی کے ہم خیال تھے۔

یہ تو کچھ بڑی سطح پر تھا بلکہ اس زمانے میں سیالکوٹ سے فرنٹیئر فورس رجمنٹ کو نکال کر ایبٹ آباد لایا گیا اور اس کی جگہ انبالہ سے پندرہ پنجاب کو لانے میں دیر کردی گئی کہ سیالکوٹ چھاؤنی میں مسلمان فوجی صرف سولہ پنجاب کے تھے اور اس رجمنٹ کے ہندوؤں اور سکھوں کو جان بوجھ کر سیالکوٹ میں رکھا گیا اور اکتوبر' نومبر 1947ء میں بھارت بھیجا گیا۔ یہ لوگ اپنی رائفلیں اور بارود گولہ بارود ادارے میں اپنے ماتحت رکھے ہوئے تھے۔

ادھر ایم ایم احمد اور سولہ پنجاب کا کرنل ہوبرٹ کے ساتھ مل کر سرحد کی سخت دیکھ بھال کر رہے تھے کہ یہاں سے کشمیر جموں کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔ آخر اس میں کیا راز تھا۔

راز یہ تھا کہ ہماری فوج کے کئی افسر عشق رسولؐ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس چیز کو امریکن اور یہودی اخبارین بھی تسلیم کر چکی ہیں کہ پاکستانی فوج میں کئی لوگ عشق رسولؐ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ اکثر کہتے ہیں اور کچھ اپنے دل میں عزم لیے ہوئے تھے کہ سیالکوٹ محاذ سے جب آگے پیش قدمی ہوئی تو میرا ہدف قادیان ہوگا کہ اس سے میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں گے اور ہمیں دونوں جہان حاصل ہو جائیں گے۔

راقم اس پہلو کو ذاتی طور پر جانتا ہے اور اگر کسی زمانے میں بھی سیالکوٹ سے بھارت کی طرف پیش قدمی ہوتی تو نہ صرف کشمیر پاکستان کا حصہ بن گیا ہوتا بلکہ قادیان کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی ہوتی۔

سیالکوٹ سے جموں پر حملہ روک دینے کے بعد لیاقت علی نے کرنل

ہوپرٹ کی دعوت پر پاکستان آرمی کی جس رجمنٹ کا سب سے پہلے معائنہ کیا وہ کرنل ہوپرٹ کی سولہ پنجاب تھی۔ اس وقت تو ہم بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے لیکن یہ ایک چال تھی۔ لوگوں اور فوجیوں کی توجہ کشمیر کے محاذ سے ہٹانے کا ایک بہانہ تھا۔ کرنل ہوپرٹ نے فوجیوں کو لیاقت کے معائنے کے لیے پریڈ کی تیاری پر لگا دیا اور محاذ پر جانے کی بجائے فوجی امن کے زمانے کی صفائی اور چست وردیوں کے چکر میں پڑ گئے۔

سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد (غلام احمد کذاب کا پوتا) یہی کام سول کے لیے کر رہا تھا اور آخر نومبر 47ء میں لیاقت علی سیالکوٹ پہنچا۔ اس نے کرنل ہوپرٹ اور ایم ایم احمد کے ساتھ خفیہ کانفرنس کی جس میں کرنل ہوپرٹ نے استعفیٰ دے دیا کہ یہ کام اس کے بس کا نہ تھا۔

ادھر قائداعظمؒ حکم پر حکم دے رہے تھے کہ پکی اور لڑاکا فوج کو سرحد سے ہٹا کر سیالکوٹ بھیجا جائے تاکہ بھارت اگر حیدر آباد میں کوئی کارروائی کرے یا جیسے موقع ملے جموں' کٹھوعہ روڈ پر حملہ کیا جائے تو تقریباً ایک بریگیڈ فوج نومبر تک سیالکوٹ میں اکٹھا ہو جاتا تھی۔ لیکن ساتھ ہی لیاقت علی یہ نہیں چاہتا تھا کہ اوپر سے حملہ ہو' اس لیے جنرل گریسی کے ساتھ مل کر اس نے سیالکوٹ محاذ کے لیے بریگیڈیئر افتخار خان کو چنا۔ جو انہی دنوں تازہ تازہ ولایت سے کورس کر کے آیا تھا اور چند ماہ کرنل کے عہدہ پر رہ کر بریگیڈیئر بنا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز "بریگیڈ میجر" کو بھی "منسلک" کر دیا گیا تھا۔

سیالکوٹ پہنچ کر ان بریگیڈیئر صاحب نے جنگ کی تربیت کی بجائے' زیادہ تر اینٹوں کو چونا لگانے اور چھاؤنی میں باغات لگانے پر توجہ دی۔ دراصل جب لیاقت علی سیالکوٹ آیا تھا تو کچھ فوجی اور سویلین حضرات نے اس کو کھری کھری باتیں سنائیں کہ سیالکوٹ سے حملہ کیوں نہ کیا گیا۔ فوجی سویلین کپڑے پہن کر مجاہدوں کے ساتھ جاتے اور کٹھوعہ جموں روڈ کو کاٹ دیتے۔ اس لیے

لیاقت بریگیڈیئر افتخار کی مدد سے ایسے فوجیوں کے منہ بند کرنا چاہتا تھا۔ بریگیڈیئر افتخار نے لوگوں کو اتنا ڈرایا دھمکایا اور ایڑیوں پر چوتے اور صفائی کی غلطیاں نکالتے وقت وہ افسروں پر برس پڑتا تھا' اور لوگ ڈر گئے۔ چنانچہ دسمبر 47ء میں بریگیڈیئر افتخار نے چھاؤنی کے تمام افسروں اور سرداروں کو اکٹھا کیا۔ وہاں ایک لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی' جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کا منہ بند کیا جائے' جو کشمیر کے سلسلے میں کچھ کارروائی کرنے کے حق میں تھے اور اس نے یہاں تک کہہ دیا۔

"کچھ سرپھرے لوگ کہتے ہیں کہ بھارت کے ساتھ جنگ میں کوئی حرج نہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ بھارتی فوج ہم سے تین گنا زیادہ ہے۔ ہم ان کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے"۔

افسروں اور سرداروں پر سکوت چھا گیا لیکن اس گنہ گار سے نہ رہا گیا عرض کی کہ "فوج کو توڑ دیں اور ہمیں گھر چلے جانا چاہیے"۔

بریگیڈیئر صاحب بولے' "یہ کیا بکواس ہے؟" عرض کی' "جناب ایسی باتیں کہنا تو درست نہیں اور اس طرح اپنے آپ کو بے جان ثابت نہیں کرنا چاہیے"۔

بہرحال یہاں بھی مرزا صاحب کذاب والی چال تھی کہ جہاد کو بے جان کیا جا رہا تھا۔ راقم کو وہاں سے تبدیل کر کے "راہ والی" (گوجرانوالہ) بھیج دیا گیا۔ اور بریگیڈیئر افتخار نے سیالکوٹ کے علاقے میں فوج پر مکمل کنٹرول کر لیا اور سیالکوٹ کے اردگرد مرالہ تک مجاہدین کا ایسا صفایا کرایا گیا کہ اکھنور کے محاذ سے بھی مجاہدین کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ اور جنوری 48ء تک افتخار صاحب کو میجر جنرل بنا کر لاہور تعینات کر دیا گیا کہ پورا پنجاب ان کے ماتحت تھا اور ان کا انگریز مشیر اور بریگیڈیئر میجر انہی کے ساتھ لاہور چلا گیا' جہاں

اس کو کرنل اور جی ون بنا دیا گیا۔

سیالکوٹ' بریگیڈیئر محمد موسیٰ صاحب کو دیا گیا۔ جنہوں نے ستمبر 65ء میں رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ اور اس زمانے میں بھی افتخار یا انگریزوں یا قادیانیوں کی سب باتیں مانتے رہے۔ دراصل موسیٰ صاحب کو کمانڈ کا کوئی تجربہ تھا نہیں۔ اور آگے بھی زیادہ عرصہ بریگیڈیئر کی کمانڈ نہ کی اور ڈویژن کی کمانڈ بھی ایسی جگہ کی جہاں پر کوئی خاص فوجی کام نہ تھا کہ اس کو "لنگڑا ڈویژن" کہتے تھے کہ اس میں دو بریگیڈیئر تھے اور لوگ چھاؤنیوں میں پڑے رہتے تھے۔

ہماری بدقسمتی کہ یہی موسیٰ صاحب ہمارے کمانڈر بنے اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زیادہ نوکری انگریزوں کی خفیہ سروس میں کی تھی اور یہی بات ان کو پاکستان میں اتنا اونچا لے گئی۔ ان جنرل افتخار صاحب کے بارے میں بھی مشہور تھا کہ ان کو پاکستان میں پہلا کمانڈر انچیف بننا تھا لیکن وہ جہاز کے حادثہ میں ہلاک ہو گئے اور ایوب خان کمانڈر انچیف بن گیا اور اس نے جو چاند چڑھائے ان سے پھر بھی پردہ اٹھایا جائے گا۔ اور اگر افتخار صاحب کمانڈر انچیف بن جاتے تو وہ بھی انگریزوں کے آدمی تھے تو انہوں نے بھی وہی کرنا تھا جو بعد میں ایوب خان نے کیا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جس دن سیالکوٹ میں افتخار صاحب ہمیں ڈانٹ ڈپٹ دے رہا تھا' اسی دن راولپنڈی میں انگریز کمانڈر انچیف جی ایچ کیو کے افسروں کو یہی کچھ کہہ رہا تھا اور میجر جنرل اکبر خان جو بعد میں راولپنڈی سازش والے مقدمہ میں ملوث ہوئے اور اس زمانے میں کرنل تھا' انہوں نے لکھ کر انگریز کمانڈر انچیف کو وہی کچھ دیا جو راقم نے افتخار کو سیالکوٹ میں کہا تھا اور یہ بات راقم کو 1968ء میں پتہ چلی جب کشمیر کی سازش کے سلسلہ میں اکبر خان کی کتاب پڑھی۔

ظاہر ہے کہ دنیا کی کسی پیشہ ور فوج کے افسر ایسی تقریر نہیں کرتے جو ہم نے راولپنڈی اور سیالکوٹ میں سنی تھی۔ ہم دونوں پیشہ ور سپاہیوں کے ردعمل ایک جیسے تھے۔ ادھر ہر سازش کا زور تھا اور قائداعظم کو اندھیرے میں رکھا جاتا تھا۔ جب قائداعظمؒ نے حکم دیا کہ مجاہدین کی مدد کے لیے کچھ نہ کچھ فوج کشمیر میں بھیجی جائے تو اس فوج کے ساتھ ایک قادیانی بریگیڈیئر حیاء الدین کو پونچھ کے علاقہ میں بھیجا گیا۔ پونچھ پر مجاہدین قبضہ کرنے والے تھے لیکن ظفراللہ اور حیاء الدین نے تجرباتی "فائر بندی" کر کے بھارت کو اتنا موقع دیا کہ وہ پونچھ میں گھری ہوئی اپنی افواج کو اور کمک بھیج سکے۔

اور آخر مئی 1948ء میں جو افواج کشمیر میں داخل ہوئیں، وہ سب بھمبر جوڑیاں سے شمال یا شمال مغرب میں تھیں۔ لیکن نوشہرہ، راجوری یا اکھنور کے علاقوں میں کوئی فوج نہ بھیجی گئی اور جموں کٹھوعہ روڈ تو خیر بالکل محفوظ رہی۔ ادھر مجاہدین کو تو جانے ہی نہیں دیا جاتا تھا اور اس طرح بھارت والے کشمیر میں اپنی افواج کو کمک بھیجتے رہے۔

قائداعظمؒ کو یہ بتایا گیا کہ اگر بھارت نے حیدر آباد پر حملہ کیا تو پھر ہم لوگ جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دیں گے۔ اور سیالکوٹ کا دفاع 103 بریگیڈ کرے گا اور جہلم کے نزدیک سے قاضی باقر کے نمبر100 بریگیڈ تیار بیٹھا رہے گا اور ضرورت پڑنے پر جموں کٹھوعہ روڈ کو کاٹ دے گا۔ لاہور کا دفاع 614 بریگیڈ کرے گا اور چودہ پیرا بریگیڈ ریزرو کا کام کرے گا وغیرہ۔

یہ تجویز بڑی عمدہ نظر آتی تھی۔ راقم ان دنوں یونٹ کے انٹیلی جینس افسر کے طور پر کام کر رہا تھا اور سلیمانکی، قصور اور واہگہ تینوں جگہوں سے وابستہ رہ چکا تھا۔ ستمبر، اکتوبر 1948ء میں مشرقی پنجاب میں بھارتی افواج بریگیڈیئر نیڈو کے ماتحت اگلے محاذ پر تھیں اور بڑی کمزور قسم کی بٹالین تھیں، جن میں غیر لڑاکا لوگ تھے۔ سارا دفاع بکتر بند ڈویژن کی مدد سے کرنا تھا کہ اچھی بٹالین

کشمیر یا حیدر آباد کے علاقوں میں تھی اور ہمارا بکتر بند بریگیڈ بھی گجرات پہنچ چکا تھا۔ اس لیے جس دن بھارت نے حیدر آباد پر حملہ کیا اس دن تجویز کے مطابق اگر ہم جموں کٹھوعہ روڈ کاٹ دیتے تو کشمیر میں بھارتی افواج میں بھگدڑ مچ جاتی اور ساتویں اور نویں ڈویژن کی یونٹیں آگے بڑھ کر کشمیر پر قبضہ کر لیتیں۔ مشرقی پنجاب یا راجپوتانہ کے علاقہ میں خاطر خواہ قسم کی اتنی افواج موجود نہ تھیں جو مغربی پاکستان پر حملہ کر سکتیں۔

لیکن جو کچھ ہوا اس سے قوم آگاہ ہے۔ بھارتی افواج حیدر آباد کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور قائداعظمؒ کی وفات کے انتظار میں تھی کہ حیدر آباد پر دھاوا بولا جائے۔ یعنی سازش اتنی گہری تھی کہ بھارت والوں کو یہ بھی پتہ تھا کہ قائداعظمؒ کا وقت نزدیک آ پہنچا ہے۔ اس چیز سے لیاقت علی کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اور راقم نے 1979ء میں اخبار نوائے وقت میں متعدد مضامین لکھے' جس کی مدد سے بعد میں ہمارے موجودہ وزیر قانون مسٹر شریف الدین پیرزادہ نے کچھ مضامین لکھے اور لیاقت علی کے اس بھیانک کردار سے پردے اٹھائے گئے۔

حیدر آباد پر قبضہ کرنے کے بعد بھارتی افواج کو کشمیر لایا گیا اور اکتوبر 1948ء میں انہوں نے آگے بڑھ کر راجوری اور مینڈھر کے متعدد علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور پاکستان افواج تماشائی بن کر کشمیر کے چند علاقوں میں بیٹھی رہیں اور جب بھارت کے عزائم مکمل ہو گئے تو نومبر اور دسمبر 1948ء میں ہماری افواج کا گجرات کے شمال میں بھمبر اور کوٹلہ میں اجتماع کیا گیا کیونکہ فائر بندی کا ڈرامہ کرنا تھا۔ اب حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ایسا ڈرامہ سیالکوٹ کے علاقہ سے بہت دور کیا گیا کہ اپنا ایسا اجتماع دیکھ کر کوئی من چلا واقعی جموں کٹھوعہ روڈ پر قبضہ نہ کر لے یا قادیان میدان جنگ نہ بن جائے۔

تو اس ڈرامہ میں چونکہ راقم خود شامل تھا تو ذرا تفصیل سے سنئے۔

راقم چودہ بریگیڈ کی ایک بٹالین کا انٹیلی جینس افسر تھا اور اس بریگیڈ کو کبوتر گلہ' بھمبر کے علاقہ میں لایا گیا کہ یہ بریگیڈ بیٹری چھمب پر حملہ کرے گا۔ پاکستان فوج کے سارے توپ خانے اور متعدد پلٹنوں کو مثلاً 6 پنجاب فرسٹ ایف ایف اور 10- ایف ایف وغیرہ کو بھی ادھر لایا گیا۔ بڑی تجویز بنائی گئی کہ بیٹری چھمب پر قبضہ کر کے دریائے چناب تک کے علاقوں پر قبضہ ہو جائے گا وغیرہ۔

دراصل یہ سب کچھ مجھ جیسے "سرپھرے" لوگوں کی زبان بند کرنے کے لیے کیا جا رہا تھا کہ ہم کہتے تھے کہ بھارتی فوج دندناتی پھرتی ہے اور ہم بے غیرت ہیں کہ کچھ نہیں کرتے ورنہ حملہ کرنے کا وقت تو ستمبر تھا جب بھارتی افواج حیدر آباد پر حملہ کر رہی تھیں۔ اب تو بھارتی افواج مشرقی پنجاب اور کشمیر کے علاقوں میں آ چکی تھیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بیٹری چھمب پر حملہ کے لیے ریچھ اور ہاتھی جیسے پہاڑوں کے ساتھ سر پھوڑنے کی بجائے یہ حملہ جموں' کٹھوعہ روڈ پر کیوں نہیں کیا جاتا۔ تو ہمیں کہا جاتا تھا کہ ہم لوگ فوجی حکمت عملی کی باتوں کو نہیں سمجھتے۔

بہرحال دسمبر 1948ء کے آخری ہفتوں میں ایک دن توپوں کے منہ کھول دیے گئے۔ لیکن حملہ نہ کیا گیا کہ کسی عسکری تاریخ میں ایسے فضول فائر کی ساری دنیا میں مثال نہیں ملتی کہ اتنا فائر کیا جائے اور فوجیں آگے بڑھ کر حملہ نہ کریں۔ دراصل یہ فائر ان لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیے کیا گیا جو میری طرح یہ کہتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کر رہے۔ اور اس فائر کے بعد مشہور کر دیا گیا کہ بھارت کا بڑا نقصان ہوا ہے اور بھارت والے فائر بندی پر تیار ہو گئے ہیں' اب کشمیر میں رائے شماری ہوگی۔ یہ سارا کام اور یہ سارا ڈرامہ قادیان سے بہت دور رچایا گیا' جس کو پاکستانی فوج کا ایک انگریز میجر جنرل لاقس لاتھم کنٹرول کر رہا تھا۔ جس کو ایک طرف ہمارا انگریز کمانڈر انچیف جنرل گریسی

ہدایات رہا تھا تو دوسری طرف جنرل کا تصور ن جو لیاقت' ظفر اللہ اور سکندر مرزا کے ساتھ مل کر پاکستان کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے تھے اور اس کا ذکر اسی کتابچے میں ہو چکا ہے۔ اس کو بھی انگریزوں کی خفیہ سروس کا ماہر مانا جاتا تھا اور راقم اس کو ذاتی طور پر جانتا تھا کہ وہ میری پرانی رجمنٹ کا تھا۔

فائر بندی کرانے کے بعد انگریز کمانڈر انچیف نے ہماری فوج کو نہ صرف چھاؤنیوں میں محدود کر دیا بلکہ انھیں اینٹوں پر چونا لگانے' چھاؤنیوں میں پھول اور باغ لگانے اور یونٹوں کے سو سالہ جشن منانے کے کاموں پر لگا دیا۔ بڑے بڑے اجتماع ہوتے تھے' جہاں ہماری یونٹوں کو ان کارناموں پر فخر کرنا سکھایا جاتا تھا جو انھوں نے انگریزوں کے زمانے میں کیے اور یہ چیز ہمارے فوجیوں کے دماغوں میں اتنی پکی ہو چکی ہے کہ آج بھی ہماری افواج وہ جھنڈے اٹھائے پھرتی ہیں جو انھوں نے سرنگا پٹم میں سلطان ٹیپو کے خلاف کیا یا 1857ء میں دہلی میں کیا' یا افغانستان کی تین جنگوں یا پہلی اور دوسری عظیم جنگوں میں کیا۔ ساتھ ہی حکم ملا کہ فوجی تربیت انگریزوں کی پرانی تربیت پر ہوگی اور کشمیر کی جنگ میں افواج نے جو کوئی کام کیا ہے وہ اچھے اسباق نہیں کہ یہ معمولی قسم کی پہاڑی لڑائی تھی۔ انگریزوں کی اس سازش سے تنگ آ کر میجر جنرل اکبر خان نے حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جسے ہم راولپنڈی سازش کا مقدمہ کہتے ہیں۔ مجھے اکبر خان کے ساتھ اور اس کے ساتھیوں سے کئی اختلافات ہیں کہ وہ لوگ بھی اسلام سے کافی دور تھے اور بیچ میں فیض احمد فیض جیسے سرخے بھی تھے۔ لیکن کچھ اچھے لوگ بھی تھے کہ وہ انگریزوں کی سازشوں سے تنگ تھے اور بیشک اکبر خان فوجی معاملات کا ماہر تھا۔ ہمارے ایوب خان یا موسیٰ خان' اکبر خان کے مقابلے میں بونے تھے۔

لیکن کمال ہے' قادیانیوں کا کہ وہ لوگ اس سازش میں بھی شریک تھے کہ اگر اکبر خان کامیاب ہو جائے تو وہاں بھی ان کی نمائندگی ہوتی

چاہیے۔ وہاں ظفر اللہ کا ہم زلف میجر جنرل نذیر احمد تھا جسے اس مقدمے میں صرف ایک دن کی سزا ملی اور سویلین نوکری دے دی گئی۔ باقی سازش والے کئی سال جیلوں میں پڑے رہے۔

("سازش" از میجر ریٹائرڈ میر افضل خان' ص ۱۱۵ تا ۱۱۹)

1970ء کے انتخابات میں کادیانی جماعت کا کردار

کادیانی جماعت کا ہمیشہ یہ دعویٰ رہا ہے کہ وہ ایک دینی جماعت ہے' جس کا ملک کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ قبل ازیں ہم مختلف ابواب میں اس بات کے حقائق و شواہد پیش کر چکے ہیں کہ جماعت احمدیہ دینی جماعت کے روپ میں ایک ایسی خطرناک پولیٹیکل جماعت ہے جو ہر دور میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ملکی سیاست میں ملوث رہی ہے--- 1970ء کے پہلے عام انتخابات میں کادیانی جماعت اور اس کی جملہ تنظیموں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انتخابات میں عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان سے اور پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان سے ریکارڈ کامیابی حاصل کی--- مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے سوشلزم کی بنیاد پر انتخابات میں حصہ لیا۔ پیپلز پارٹی مغربی پاکستان میں واحد جماعت تھی جو بھاری اکثریت سے جیتی۔ اس موقع پر پیپلز پارٹی کے ترجمان اخبار روزنامہ "مساوات" لاہور نے یہ شہ سرخی لگائی تھی کہ "سوشلزم جیت گیا" جماعت احمدیہ نے انتخابات سے قبل ہی انتخابات میں حصہ لینے اور پیپلز پارٹی کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا تھا--- کادیانی جماعت اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان خفیہ ملاقاتوں کے بعد جماعت نے پیپلز پارٹی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ خبر ملاحظہ ہو:

"جماعت احمدیہ عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حمایت کرے گی۔

"سرگودھا۔ 7 جولائی (نمائندہ خصوصی) باوثوق سیاسی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جماعت احمدیہ نے آئندہ انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حمایت

کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان ذرائع کے مطابق جماعت احمدیہ نے یہ فیصلہ حال ہی میں ربوہ میں ہونے والے ایک خاص اجلاس میں پیپلز پارٹی کی طرف سے عام انتخابات میں حصہ لینے کے اعلان کے بعد کیا۔ معلوم ہوا ہے کہ امام جماعت احمدیہ نے یہ خاص اجلاس اس لیے طلب کیا تھا کہ عام انتخابات قریب آ رہے ہیں اس لیے جماعت اپنے سیاسی مستقبل کو کسی سیاسی پارٹی سے وابستہ کرنے کے بارے میں حتمی فیصلہ کرے۔ اجلاس کے شرکاء نے مختلف سیاسی پارٹیوں کے منشور اور پروگرام پر غور کیا اور یہ بات خاص طور پر زیر بحث آئی کہ کون سی سیاسی پارٹی جماعت احمدیہ کے وجود کو برداشت کر سکتی ہے۔ اجلاس میں کئی سیاسی پارٹیوں کی سابق پالیسیوں اور جماعت احمدیہ سے ان کے رویے کا جائزہ لیا گیا اور کافی بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ جماعت احمدیہ عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کی حمایت کرے۔ کیونکہ دوسری تمام سیاسی پارٹیاں جماعت احمدیہ کے وجود کی سخت مخالف ہیں اور ماضی میں انہوں نے جماعت احمدیہ کی شدید مخالفت کی تھی اور اگر ان سیاسی پارٹیوں سے کوئی ایک برسراقتدار آ گئی تو وہ اپنے ماضی کے مطابق پھر جماعت احمدیہ کی مخالفت کرے گی۔

ان ذرائع کے مطابق جماعت احمدیہ کے مقتدر اصحاب اور مسٹر بھٹو کے درمیان کئی مرتبہ خفیہ مذاکرات ہوئے۔ ان میں امام جماعت احمدیہ مرزا ناصر احمد بھی شامل ہوئے تھے۔ ان ذرائع کے مطابق مسٹر بھٹو نے جماعت احمدیہ کو یقین دلایا ہے کہ وہ اس ملک میں تمام مذہبی فرقوں کی آزادی کے حامی ہیں اور ان کی جماعت برسراقتدار آنے کے بعد کسی مذہبی فرقے کا استحصال نہیں کرے گی بلکہ ان کی پارٹی ملک کے اقتصادی مسائل کو حل کرنے پر پوری توجہ دے گی۔ مسٹر بھٹو کی اس یقین دہانی کے بعد ہی جماعت احمدیہ نے پاکستان پیپلز پارٹی کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔"

(روزنامہ مشرق لاہور 8 جولائی 1970ء)

مدیر "چٹان" آغا شورش کاشمیری "مشرق" کی خبر کے حوالہ سے پیپلز پارٹی اور قادیانی جماعت کے انتخابی پیکٹ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قادیانیوں اور بھٹو میں معاہدہ آج کا نہیں' 1965ء کی جنگ کے زمانے سے ہے۔ یہ معاہدہ کس نے کرایا؟ کیونکر ہوا؟ اور کون شریک تھا ایک کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ لیکن ملکی مصلحتوں کے پیش نظر ہم اس کو فی الحال اخفا ہی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ گزشتہ ڈیڑھ برس میں بھٹو چھ سات دفعہ قادیانی جماعت کے امام اور ان کے معتمدوں سے مل چکے اور ان کے مابین جمعیتہ العلماء کا رویہ بھی زیر بحث آ چکا ہے۔ بھٹو نے قادیانی جماعت کے امام کو یقین دلایا ہے کہ وہ جمعیت العلماء ہزاروی سے وہی کام لے رہے ہیں جو ان کا بھی مقصود ہے۔ اس کے سوا وہ ان سے کسی معاہدے یا شراکت کے متمنی نہیں اور نہ وہ انہیں اس قابل سمجھتے ہیں ——— آج پورے سات روز کے بعد بھٹو صاحب نے اس خبر کی تردید اس طرح کی ہے کہ:

"پیپلز پارٹی اور احمدی جماعت کے درمیان کوئی خفیہ سمجھوتہ نہیں ہوا۔ تاہم انتخابات میں کسی طبقے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"۔

(بحوالہ اے پی پی مشرق 15 جولائی 1970ء صفحہ اول)

سات جولائی کی سرگودھا کی محولہ بالا خبر پھر پڑھ لیجئے۔ اس میں خفیہ سمجھوتے کا لفظ نہیں خفیہ مذاکرات کا لفظ ہے اور بھٹو صاحب نے اس کی تصدیق اس طرح کی ہے کہ "انتخابات میں کسی طبقے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"۔ گویا مان گئے کہ مذاکرات ہوئے ہیں۔ بھٹو صاحب چونکہ جھوٹ بولنے میں معذور ہیں اس لیے انکار بھی کرتے تو خبر اپنی جگہ سچی تھی لیکن انہوں نے انکار نہیں کیا"۔

(ہفت روزہ "چٹان" ص 6' جلد نمبر 23' شمارہ نمبر 29' 20 جولائی 1970ء)

9 جنوری 1969ء ہفت روزہ لولاک کے مدیر مولانا تاج محمود نے روزنامہ نوائے ملت لاہور اور روزنامہ مشرق لاہور کے حوالہ سے شذرہ لکھا کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی کادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر سے کئی ملاقاتیں ہو چکی ہیں اور وہ آئندہ بھی ان سے ملاقات کریں گے۔ ان ملاقاتوں کا مقصد بظاہر انتخابات کی متوقع آمد تھی۔

"سندھ میں کادیانیوں کی وسیع علاقوں پر مشتمل تین ریاستیں موجود ہیں۔ بھٹو صاحب کو وہاں کے ووٹوں کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ بھٹو صاحب یہ بھی جانتے ہیں کہ ملک بھر کے کادیانیوں کے ووٹ مرزا ناصر احمد کی ہدایت کے مطابق کسی بھی سیاسی جماعت کو مل سکیں گے۔ اس لیے انہوں نے مرزا ناصر احمد سے ملاقاتیں کی ہیں ــــ اور آئندہ بھی ان سے ملنے کی تمنا کا اظہار کیا ہے۔ یہ بات بھی ہمارے نوٹس میں ہے کہ بعض نامختہ فکر کادیانی ضرور لیڈروں کا لبادہ اوڑھ کر لیبر پارٹیوں میں شامل ہیں اور لیبر پارٹیوں کی معرفت سوشلسٹوں کے کیمپ میں گھسے ہوئے ہیں۔ غالباً کادیانی یہ سوچتے ہیں کہ انھیں برطانوی سامراج کا خود کاشتہ پودا سمجھا جاتا ہے۔ اگر ملک میں سوشلسٹ انقلاب بپا ہو گیا تو اس صورت میں یہ لیبر پارٹیوں کا تعلق ذوالفقار علی بھٹو کی یہ ملاقاتیں ان کے لیے وسیلہ نجات اور ذریعہ فلاح بن سکیں گی"۔

(ہفت روزہ لولاک جلد نمبر 6 شمارہ نمبر 34، 9 جنوری 1969ء)

اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ 1970ء کے عام انتخابات کے موقع پر پیپلز پارٹی اور کادیانی جماعت کے درمیان خفیہ معاہدہ طے پایا تھا۔ جیسا کہ روزنامہ مشرق لاہور کی خبر سے مرزا ناصر قائد جماعت احمدیہ اور چیئرمین پیپلز پارٹی ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے درمیان مذاکرات اور ملاقاتوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ جب پیپلز پارٹی اور کادیانی جماعت کے گٹھ جوڑ کی باتیں زبان زد عام میں ہو گئیں تو ایک اخباری نمائندے نے ذوالفقار علی بھٹو سے سوال کیا کہ:

"پیپلز پارٹی عوام کے اس مطالبے کی حمایت کرے گی کہ احمدیوں کو غیر

مسلم اقلیت قرار دیا جائے"۔ اس پر مسٹر بھٹو نے جواب دیا کہ "یہ انتہائی نازک مسئلہ ہے جس پر ملک میں پہلے خون خرابہ ہو چکا ہے اور مارشل لاء لگ چکا ہے اور موجودہ حالات میں اگر اس مسئلے کو ہوا دی گئی تو مزید خون خرابہ ہونے کا خدشہ ہے۔ ہماری پالیسی یہ ہے کہ ملک میں سوشلسٹ نظام رائج کریں۔ جس میں ہندو' عیسائی وغیرہ تمام طبقوں کے عوام کے حقوق کا تحفظ کیا جاسکے۔ یہ قطعی غلط ہے کہ قادیانی فرقہ کی ہم حمایت کر رہے ہیں۔ ہماری جماعت ترقی پسند ہے۔ جس میں اس قسم کے مسئلوں کے لیے کوئی جگہ نہیں"۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 29 جولائی 1970ء)

یہ بولتی خبر جماعت احمدیہ اور پیپلز پارٹی کے خفیہ معاہدے کی عکاسی کرتی ہے اور بانی پیپلز پارٹی ذوالفقار علی بھٹو کے مرزائیوں کے بارے میں نرم گوشے کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ذوالفقار علی بھٹو نے 4 ستمبر 1970ء کو میجر عزیز بھٹی کے مقام شہادت پر شہدائے وطن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لیفٹیننٹ جنرل اختر ملک (قادیانی) کی یادگار قائم کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:

"لیفٹیننٹ جنرل اختر ملک قادیانی کی یادگار بننی چاہیے۔ اگر یہ اب نہ ہوا تو جب پیپلز پارٹی برسراقتدار آئے گی ان کی یادگار ضرور قائم کرے گی"۔

(پاکستان ٹائمز مس 11-8 ستمبر 1970ء)

پاکستان ٹائمز کی اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر چٹان نے وضاحت کی کہ عزیز بھٹی جنگ ستمبر کے شہید تھے۔ جب کہ لیفٹیننٹ جنرل اختر ملک کار کے حادثہ میں ہلاک ہوئے تھے۔

"بھٹو 1965ء کی جنگ کے ہر ہیرو پر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ جتنے جرنیل محاذ پر لڑتے رہے ان کی نگاہ میں جچتے نہیں۔ حتیٰ کہ اس 6 ستمبر کو عزیز بھٹی شہید کی قبر پر جا کر انہیں اپنے دوست اختر ملک کی یاد آئی ہے!

انہوں نے کہا:

"لیفٹیننٹ جنرل اختر ملک کی یادگار بنتی چاہیے۔ اگر یہ اب نہ ہوا تو جب پیپلز پارٹی برسراقتدار آئے گی ان کی یادگار ضرور قائم کرے گی"۔

("پاکستان ٹائمز" 8 ستمبر، صفحہ 11، کالم پانچ)

راویوں کا بیان ہے کہ بھٹو صاحب نے اختر ملک کا ذکر کرتے ہوئے انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا اور فرمایا کہ یہاں ان کا عظیم الشان مقبرہ بنایا جائے گا ۔۔۔ عزیز بھٹی کی لحد پر ان کا یہ کہنا شہداء کی توہین ہے۔ ہم اس کے مضمرات کو نظرانداز کرتے ہوئے بھٹو صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ انہیں اپنے اس دوست کی یاد اچانک کیوں آئی؟ اور یہیں کیوں آئی؟ جنرل اختر ملک عزیز بھٹی کی طرح جانباز نہیں تھے۔ وہ تو جنگ کے بعد ترکی چلے گئے۔ وہاں اپنی اہلیہ سمیت کار کے حادثے میں مارے گئے"۔

(ہفت روزہ "چٹان" لاہور 14 ستمبر 1970ء)

نصرت جہاں ریزرو فنڈ

1970ء کے عام انتخابات سے قبل کادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد یورپ اور افریقہ کے دورے سے واپس آئے تو انہوں نے آتے ہی بڑے ڈرامائی انداز میں "نصرت جہاں ریزرو فنڈ" کے لیے اپیل کی اور بتایا کہ یہ روپیہ نومبر 70ء تک درکار ہے۔ اس فنڈ سے افریقہ میں تعلیم و تبلیغ کا کام کیا جائے گا۔ مرزا ناصر احمد کی اپیل کادیانیوں کے ترجمان اخبار روزنامہ الفضل میں شائع ہوئی۔ مدیر لولاک نصرت جہاں ریزرو فنڈ کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"پچھلے دنوں مرزا ناصر احمد خلیفہ ربوہ افریقہ انگلستان اور دوسرے یورپی ممالک کے دورہ پر گئے تھے۔ وہاں سے آتے ہی انہوں نے ایک طویل خطبہ دیا اور جماعت سے چندوں کے علاوہ ایک نیا چندہ مانگا۔ اس کا نام ۔۔۔ "نصرت

جہاں "مرزو فنڈ" رکھا۔ اس کے لیے الگ شعبہ قائم کیا اور اعلان کیا کہ مجھے پانچ صد ایسے مخلصین درکار ہیں جو کم از کم پانچ ہزار روپے دیں۔ زیادہ دیں تو ان کی مرضی۔ پانچ صد مخلصین درکار ہیں جو کم از کم دو ہزار دیں۔ زیادہ دیں تو ان کی مرضی۔ پانچ صد ایسے افراد درکار ہیں جو کم از کم پانچ صد روپے دیں۔ زیادہ دیں تو ان کی مرضی اور پانچ صد سے کم دینے والوں کی کوئی تعداد نہیں جتنا مرضی دیں۔

ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ مقررہ لوگوں سے 19 لاکھ روپیہ اور غیر مقررہ لوگوں سے بے شمار روپیہ لینا مقصود تھا۔ الفضل کی رپورٹوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روپیہ دو ہفتہ کے اندر اندر جمع ہو چکا ہے۔

اگرچہ ہمارے بعض ذرائع (جن کا ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف ہے) کی رپورٹ کے مطابق کل پچاس لاکھ روپیہ جمع کیا گیا ہے اور یہ فنڈ دراصل پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم میں بہینہ طور پر امداد کے لیے جمع کیا گیا ہے۔

حالانکہ گزشتہ سال انہوں نے فضل عمر فاؤنڈیشن فنڈ کھولا تھا اور ہماری اطلاع کے مطابق اس میں ستر لاکھ روپیہ جمع ہو چکا ہے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" 18 ستمبر 1970ء جلد۔ 7 ش۔ 25)

بعض قومی اخبارات میں پاکستان قومی اتحاد کے راہنما اور تحریک استقلال کے سربراہ ائیر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان نے الزام لگایا کہ 1970ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی نے قادیانیوں سے 45 لاکھ روپے کی رقم لی تھی۔ یہ خبر ہفت روزہ المنبر کے حوالہ سے پیش خدمت ہے۔

"70ء کے انتخابات میں انہوں نے 45 لاکھ حنی سنز اور 45 لاکھ قادیانیوں سے لیے تھے (اصغر خان)

راولپنڈی 14 فروری پاکستان قومی اتحاد کے ممتاز رہنما تحریک استقلال

کے سربراہ ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان نے الزام لگایا ہے کہ الیکشن کمیشن نے قومی اتحاد کے امیدواروں کے لیے ہل کا جو نشان تیار کیا ہے اس کا ہل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مسٹر اصغر خان نے آج تیسرے پہر راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پروفیسر غفور کو دس دن پہلے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ کمیشن نے ہل کا جو نشان تیار کیا ہے وہ صحیح نہیں اور انہوں نے چیف الیکشن کمشنر کی توجہ اس طرف دلائی تھی لیکن انہیں جواب دیا گیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ جب قومی اتحاد کی طرف سے باضابطہ طور پر احتجاج کیا گیا تو چیف الیکشن کمشنر نے ایک اجلاس بلایا جس میں قومی اتحاد کا ایک نمائندہ بھی شریک نہ ہوا۔ اجلاس کی کارروائی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ الیکشن کمشنر کا عملہ اس سلسلہ میں کوئی معقول بات سننے کو تیار نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس نشان کو نہ بدلا گیا اور ہماری رائے کے مطابق ہل کا نشان بیلٹ پیپروں پر نہ چھاپا گیا تو الیکشن کمیشن کی غیر جانبداری مشکوک ہو جائے گی۔ یہ عذر تسلیم کرنے کے لائق نہیں کہ ہل کے نشان کا بلاک بن چکا ہے اور چھپائی شروع ہو چکی ہے۔ ایئر مارشل نے کہا کہ میں الیکشن کمشنر کو یہ دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ہل کا صحیح نمونہ تیار کر کے اور اسے بیلٹ پیپروں پر چھاپیں۔ انہوں نے پریس کانفرنس میں الیکشن کمیشن کا تیار کردہ نمونہ بھی پیش کیا اور بتایا کہ خود چیف الیکشن کمشنر یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ ہل کی شکل نہیں ہے۔ ایئر مارشل نے اخباری نمائندوں کے سوالوں کے جواب بھی دیئے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ پشاور اور ایبٹ آباد کی قومی اسمبلی کی نشستوں کے بارے میں قیوم مسلم لیگ کے ساتھ ان کی کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ میرے ایبٹ آباد کی نشست سے دستبردار ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اگر انتخابات آزادانہ ہوئے تو پیپلز پارٹی کو ایک بھی نشست نہیں ملے گی۔ انتخابات میں دھاندلی کی گئی تو اس کے

نتائج ہم قبول نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ اس وقت تک انتخابی مہم مناسب طریقے کے ساتھ جاری ہے تاہم تشدد کے کچھ اکا دکا واقعات ہوئے ہیں اور ان میں پہل پیپلز پارٹی کی طرف سے ہوئی ہے۔ اگر کوئی دھاندلی ہوئی ہے تو وہ کسی حد تک ہوگی۔ اس بات کا اندازہ آئندہ دس دن تک ہو جائے گا۔ ایئر مارشل نے انتخابی مہم کے بارے میں اپنے تاثرات بتاتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی کہ مسٹر بھٹو نے انتخابات کا اعلان کر کے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ جس کا احساس انہیں ہو چکا ہے۔ انہوں نے اس الزام کو قطعی طور پر بے بنیاد قرار دیا کہ انہیں سرمایہ داروں کی طرف سے کوئی مالی امداد مل رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ الزام لگانے والے یہ تصور بھی نہ کر سکے کہ مالی امداد کے بغیر بھی کوئی کام چل سکتا ہے کیونکہ انہوں نے پچھلے عام انتخابات میں 45 لاکھ روپے حنیف رامے سے اور اتنی ہی رقم قادیانیوں سے حاصل کی تھی"۔

(ہفت روزہ "لولاک" لائل پور ج 22 ش 28، 18 فروری 1975ء)

"قادیانیوں کے ساتھ سمجھوتہ

ملتان 25 ستمبر پیپلز پارٹی اور جماعت احمدیہ کے درمیان تعاون کا سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ یہ سمجھوتہ میاں محمود علی قصوری کی وساطت سے ہوا ہے۔ چنانچہ 23 ستمبر کو مسٹر بھٹو کے جلسہ عام کے انتظامات کے لیے جماعت احمدیہ کے چار سو خدام مصروف کار رہے۔ ربوہ سے یہاں ملتان کی جماعت احمدیہ کو ہدایات بھیجی گئی ہیں کہ :

پیپلز پارٹی کی زیادہ سے زیادہ امداد کی جائے۔ احمدیہ فرقے کے سربراہ کو یقین دلایا گیا ہے کہ مسٹر بھٹو کے برسر اقتدار آنے کی صورت میں جماعت احمدیہ کو اقلیت قرار نہیں دیا جائے گا۔ نیز اس فرقہ کے غیر ملکی مشن نہ صرف

یہ کہ کامیابی کے ساتھ چلتے رہیں گے بلکہ مسٹر بھٹو کی حکومت ان کی سرکاری سرپرستی بھی کرے گی"۔

جماعت احمدیہ کے سربراہ کی اس اپیل کے دو ہفتے بعد ہی قادیانی آرگن اخبار میں یہ نوید سنائی گئی کہ 50 لاکھ کا ٹارگٹ پورا ہو گیا ہے۔ قادیانی جماعت کے امیر مرزا ناصر کی فنڈ سے متعلق اپیل محض سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے کی ایک چال تھی۔ حقیقت حال اس کے برعکس تھی۔ پیپلز پارٹی اور جماعت احمدیہ کے خفیہ گٹھ جوڑ کے بعد پچاس لاکھ روپے کی رقم قادیانی جماعت کے خلیفہ کو پہنچادی گئی تھی اور انہوں نے نام نہاد قائم کردہ نصرت جہاں فنڈ کی امانت نصرت بھٹو کے شوہر ذوالفقار علی بھٹو کو پہنچادی تاکہ اسے پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم میں استعمال کیا جائے۔ اس کے بدلے متعدد مرزائی امیدواروں کو پیپلز پارٹی کے ٹکٹ دیئے گئے۔

"50 لاکھ روپے کی امداد" کے عنوان سے مدیر لولاک نے اداریہ تحریر کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی جماعت کے نام نہاد تبلیغی فنڈ کا حقیقی مصرف کیا تھا۔

"قادیانی جماعت کے امیر مرزا ناصر احمد افریقہ اور یورپ کے دورہ سے واپس آئے تو انہوں نے آتے ہی بڑے ڈرامائی انداز میں نصرت جہاں ریزرو فنڈ کے لیے اپیل کی اور بتایا کہ یہ روپیہ نومبر تک درکار ہے اور اس روپیہ سے افریقہ میں تعلیم اور تبلیغ کا کام کیا جائے گا۔ ہمارا اسی وقت ماتھا ٹھنکا تھا کہ یہ روپیہ افریقہ کے لیے نہیں بلکہ پیپلز پارٹی کے لیے اکٹھا کیا جارہا ہے۔ ایک دو ہفتہ کے بعد الفضل نے اعلان کر دیا کہ مطلوبہ رقم جمع ہو گئی ہے۔ ہم نے "استخارہ" کیا تو معلوم ہوا کہ پچاس لاکھ روپیہ جمع ہوا ہے اور واقعی انتخابی مہم کے لیے جمع ہوا ہے۔

اب معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ چندے کی اپیل تو محض ایک نظر بندی اور کارروائی تھی۔ اصل یہ ہوا کہ پچاس لاکھ روپیہ کی رقم دست غیب نے ایم۔ ایم احمد کی معرفت خلیفہ ربوہ کو پہنچائی اور خلیفہ ربوہ نے وہ امانت

نصرت جہاں ریزرو فنڈ کے نام سے نصرت بھٹو کے شوہر جناب ذوالفقار علی خان کو پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم میں خرچ کرنے کے لیے دے دی ہے۔

ہم خلیفہ ربوہ صاحب کے اباجی مرزا محمود اور بڑے باوا جی مرزا غلام احمد کے طرز کلام اور رمزو کنایہ میں بات کرنے کی تکنیک کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے نصرت جہاں ریزرو فنڈ کا لفظ بولتے ہی ہم ساری کہانی بھانپ گئے تھے اور ہمیں معلوم تھا کہ مرزائی امیدواروں کو بھٹو صاحب اپنی جماعت کے ٹکٹ دیں گے اور مرزائی اب اس چور دروازے سے قومی اسمبلی میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔

مرزائیوں اور پیپلز پارٹی کا گٹھ جوڑ اب کوئی راز نہیں ہے بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ مرزائی' دامے درمے قدمے سخنے پیپلز پارٹی کے لیے کام کر رہے ہیں اور اپنے روایتی انداز میں اندر ہی اندر بے پناہ کام کر رہے ہیں۔

متعدد مرزائی امیدواروں کو پیپلز پارٹی نے ٹکٹ عنایت کر دیئے ہیں اور ان مرزائیوں نے اپنے اپنے حلقوں میں انتخابی مہم شروع کر دی ہیں۔ ان امیدواروں کو مقامی پیپلز پارٹیوں اور ان کے کارکنوں کا تعاون حاصل ہے ربوہ کے پورے وسائل بھی ان کی پشت پر ہیں۔

لائلپور کے سرکل اپنی انتخابی مہم میں جو کچھ جھونک سکتے ہیں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ سے کھڑے ہونے والے مرزائی امیدواروں کو وہ سب وسائل بطور اولیٰ میسر ہوں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قوم اس پارٹی کے ان امیدواروں کے متعلق کیا فیصلہ دیتی ہے"۔

(ہفت روزہ لولاک' ص-3' جلد نمبر7' شمارہ نمبر31' 30 اکتوبر 1970ء)

کادیانیوں نے اس فنڈ کے جمع ہونے کے فوری بعد قومی اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوئیں کہ پشاور اور کراچی سے کروڑوں روپے کا اسلحہ پکڑا گیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے

ترجمان رسالہ کے شذرہ سے پتہ چلتا ہے کہ پکڑے جانے والا اسلحہ کا یہی منظر کیا تھا۔

"یہ اسلحہ کہاں سے آیا

اخبارات میں یہ خبریں شائع ہو چکی ہیں کہ پشاور اور کراچی سے کروڑوں روپیہ کا پراسرار اسلحہ پکڑا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کراچی کی بندرگاہ میں اسلحہ سے بھرا ہوا کوئی جہاز بھی پکڑا گیا۔

صدر ایوب خان کی سبکدوشی کے بعد کئی بار یہ افواہیں پھیلتی رہی ہیں کہ ملک میں خانہ جنگی ہونے والی ہے اور خون خرابہ ہونے والا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خانہ جنگی کیوں ہوگی۔ کس طرح ہوگی اور یہ افواہیں کون پھیلاتا ہے۔

خانہ جنگی اور خون خرابے کا سب سے اہم نشان انتخابات بتائے جاتے تھے۔ جو اب ہو رہے ہیں۔ بس چند دنوں کی بات رہ گئی ہے۔ خانہ جنگی نہ ہوئی اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس اسلحہ اور ان افواہوں میں کوئی جوڑ تھا۔

پہلے یہ سنتے تھے کہ بعض جماعتوں کو باہر سے روپیہ آتا ہے یہاں تک کہ صدر مملکت نے بھی یہ شبہ ظاہر کیا ہم نے اس وقت بھی لکھا تھا کہ روپیہ تو یقیناً آتا ہے لیکن چور پکڑا نہیں جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں کہ روپیہ کس کو آتا ہے اور کہاں سے آتا ہے۔ تین ہی ملک ہو سکتے ہیں جن کا روپیہ آئے۔ سیدھا آئے یا گھوم گھام کر آجائے۔ امریکہ، روس، چین ہماری حکومت کے بس کی بات نہیں کہ وہ یہ کہہ سکے کہ روس، چین یا امریکہ کی طرف سے فلاں جماعت کو روپیہ آ رہا ہے۔ جب وہ یہ نہیں کہہ سکتی تو پھر وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ روپیہ کس کو آ رہا ہے۔ یہی حال اس اسلحہ کا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلحہ انہی تین ملکوں میں سے کسی نے بھیجا ہے

اور کراچی کی بندرگاہ اور جہاز سے برآمدگی اس شبہ کو تقویت دیتی ہے کہ یہ اسلحہ امریکہ نے بھیجا ہے اور انہی پر پیچ اور پر اسرار طریقوں سے بھیجا ہے جن پر اسرار طریقوں سے وہ روپیہ بھیج رہا ہے۔

یہ انتہائی سنگین مسئلہ ہے۔ اس اسلحہ نے شکوک و شبہات کے کئی دروازے کھول دیئے ہیں۔ 1965ء سے یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ امریکہ پاکستان کی سالمیت کو تباہ کرنے کے درپے ہے اور اس اسلحہ کی ترسیل کو خواہ کتنے واسطوں اور پر پیچ راستوں سے کیوں نہیں ہوئی اگر امریکہ سے ہوئی ہے تو یہ بھی امریکہ کا ہمارے ملک کی سالمیت کے خلاف ایک اقدام ہے۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسے خطرناک جرائم کے پس منظر کو معلوم کرے اور قوم کو بروقت ان خطرات اور سازشوں سے آگاہ کرے جو ملک کی سالمیت کے خلاف ہو رہی ہیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ پاکستان ایک چھوٹا ملک ہے اور بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ لیکن قومی غیرت اور ملی حمیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسے معاملات میں اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے جرات اور مردانگی کا مظاہرہ کیا جائے اور دشمن کو آگاہ کر دیا جائے کہ وہ ہماری قومی یکجہتی اور ملکی سالمیت کو تباہ کرنے کی کوشش کر کے ہماری ہمدردی کھو رہا ہے۔

اس سلسلہ کے تمام حقائق بھی جلد از جلد عوام کے سامنے آنے چاہئیں۔

(ہفت روزہ "سرلاک" 30 اکتوبر 1971ء)

● جماعت احمدیہ نے 1970ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کو کیوں سپورٹ کیا؟ اس کا سادہ اور آسان جواب یہی ہے کہ قادیانیوں کی یہ پالیسی ان کے نظریہ ضرورت کا حصہ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ

○ سوشلزم کا نعرہ لگانے والی سیکولر پارٹی برسر اقتدار آنے کے بعد نہ صرف ان کی

ممنون احسان رہے گی بلکہ کادیانی جماعت کے مفادات کا تحفظ بھی کرے گی۔

○ پیپلز پارٹی کے بانی اور سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو ایک خالصتاً سیاسی لیڈر تھے جو کادیانی مسئلہ کو محض ملاؤں کا مخصوص مسئلہ سمجھتے تھے۔

○ جماعت احمدیہ کے حقیقی نمائندے پیپلز پارٹی کے تعاون سے ہی چور راستے سے قومی یا صوبائی اسمبلیوں تک پہنچ سکتے تھے۔

یہ الگ بات ہے کہ کادیانیوں کے سارے نظریے غلط ثابت ہوئے اور کادیانی جماعت اسی سیکولر جماعت کے ذریعے غیر مسلم اقلیت قرار دے دی گئی۔۔۔۔

● 1970ء کی انتخابی مہم میں ذوالفقار علی بھٹو نے ڈیرہ اسماعیل میں تردید کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ کادیانیوں نے انہیں کوئی فنڈز مہیا نہیں کیے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ کادیانی ان کی سپورٹ کر رہے ہیں۔

اس پر مجلس تحفظ ختم نبوت کے ترجمان ہفت روزہ لولاک نے لکھا تھا:

"بھٹو صاحب اور مرزائیوں کا گٹھ جوڑ بھی کچھ عجیب معمہ ہے۔ جب پہلے پہل لاہور کے اخبارات نے یہ خبر شائع کی کہ مرزائیوں اور بھٹو صاحب میں انتخابی معاہدہ طے ہو گیا ہے تو ربوہ کے اخبارات اور رسالوں نے تردید کی کہ یہ الزام تراشی ہے' بہتان طرازی ہے۔ اور جھوٹ سازی ہے اور مرزا ناصر احمد خلیفہ کے ایک تازہ خطبہ کا حوالہ دیا گیا جس میں مرزا صاحب نے سوشلزم کی پرزور مخالفت کی تھی اور اسے اسلام کے خلاف بتایا تھا۔ اسے کہتے ہیں ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔۔۔۔ اور مرزا ناصر احمد کہتے ہیں کہ سوشلزم کفر ہے' اسلام کے خلاف ہے۔ جماعت احمدیہ اس کی مخالف ہے۔ ربوہ کا سارا پریس کہتا ہے کہ جماعت احمدیہ اور پیپلز پارٹی کے معاہدہ یا سمجھوتے میں کوئی صداقت نہیں۔ یہ قول زور ہے' جھوٹ ہے۔ دوسری طرف بھٹو صاحب کہتے ہیں کہ قادیانیوں نے مجھے پیسے کی امداد نہیں دی۔ ویسے وہ میری سپورٹ کر رہے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ کس کو سچا اور کس کو جھوٹا سمجھیں۔

واقعہ ہے کہ دونوں جماعتوں کا گٹھ جوڑ ہے۔ پیپلز پارٹی نے متعدد مرزائی امیدواروں کو اپنی جماعت کے ٹکٹ عطا کیے ہیں۔ بھٹو صاحب ان حلقوں میں گئے ہیں۔ مرزائیوں نے دست غیب سے آیا ہوا پیسہ معتدبہ طور پر بھٹو صاحب اور ان کی پارٹی کو پہنچایا ہے"۔

(ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' صفحہ 3' جلد نمبر 7 شمارہ نمبر 31' 13 نومبر 1970ء)

پیپلز پارٹی اور قادیانی جماعت کے درمیان انتخابی معاہدہ کے بارے میں خدام الدین کا شذرہ

"چند روز ہوئے پاکستان میں اسلامی سوشلزم کے بارے میں داعی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں معاصر مشرق لاہور کے نمائندے نے یہ بات منسوب کر دی کہ ان کا بھی قادیانیوں کے ساتھ باقاعدہ انتخابی معاہدہ ہو گیا ہے۔

جب ان کی توجہ اس خبر کی طرف مبذول کرائی گئی تو انہوں نے بھی قادیانیوں کے ساتھ معاہدے کی تردید کرتے ہوئے یہ جملہ بھی فرما دیا کہ "انہیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا"۔

ممکن ہے وہ اس جملہ کی بھی تردید کر دیں۔ تردید د بہت کا یہ پہلو اس امر کا غماز ہے کہ کوئی بھی سیاسی رہنما نہ تو قادیانی گروہ سے کسی قسم کی وابستگی کی جسارت کر سکتا ہے اور نہ ہی عوام کسی قادیانی کو اپنے رہنما کی حیثیت سے برداشت کر سکتے ہیں۔

سیاسی رہنماؤں کا یہ معنی خیز تردیدی پہلو حقیقی صورت حال واضح نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ گزشتہ انتخابات میں بی۔ ڈی کے ایک قادیانی امیدوار نے عوام کے اجتماع میں اعلان کیا تھا کہ میں مرزا صاحب کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ انتخابات میں جب وہ کامیاب ہو گیا تو اس نے کہنا شروع کر دیا کہ میں نے تو "مرزا

صاحباں والے" کو جھوٹا کہا تھا۔

سیاسی رہنماؤں کی مصلحت آمیز پالیسی اور کذب بیانی کی موجودہ روش کے انسداد کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کی علمبردار جماعتیں اس قسم کی پابندی عائد کریں کہ کوئی بھی قادیانی ان کی جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔ کیونکہ موجودہ صورت یہ ہے کہ کوئی بھی سیاسی جماعت یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ کوئی قادیانی ان کی جماعت میں شامل نہیں ہے۔

مسلم لیگ سے لے کر پیپلز پارٹی تک اسلام کی نام لیوا تمام جماعتوں کو اپنے دستور اور منشور میں قادیانی مسئلہ کے بارے میں دینی جماعتوں کی طرح کوئی واضح پالیسی اختیار کرنی چاہیے اور گومگو کی موجودہ روش ترک کر کے کھل کر عوام کے سامنے آنا چاہیے اور اس بات کا برملا اعلان کریں کہ وہ برسر اقتدار آکر دوسرے مسائل حل کرنے کے ساتھ ساتھ سامراج کے پیدا کردہ قادیانی فتنہ کو بھی غیر مسلم اقلیت قرار دیں گے اور برسر اقتدار آکر قادیانی مسئلہ کے بارے میں کسی قسم کے گریز یا فرار کی راہ اختیار نہ کریں گے۔

اسی طرح عوام الناس کا بھی فرض ہے کہ وہ ان تمام سیاسی رہنماؤں سے قادیانیت کے متعلق اطمینان حاصل کر لیں کہ یہ رہنما واقعی عوامی جذبات اور اسلامی تقاضوں کا حقیقی احساس رکھتے ہیں"۔

(خدام الدین لاہور' ص 3' 7 اگست 1970ء' جلد 16' شمارہ 12)

● قادیانی جماعت کے ترجمان اور ایک رہنما شیخ محمد احمد ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ فیصل آباد سابقہ لائل پور نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا کہ پیپلز پارٹی نے انہیں سیاسی پناہ دی اور قادیانیوں نے کھل کر اس جماعت کی مدد کی۔

"مرزائی چونکہ اب کھل کر سیاسیات میں آگئے ہیں یہ خیر سے ان کی پہلی پریس کانفرنس ہوئی ہے۔ اس پریس کانفرنس میں انہوں نے حسب ذیل باتیں

گئی ہیں۔

○ مرزائیوں نے کونسل لیگ میں شامل ہونے کے لیے دولتانہ صاحب سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اتنا اعلان کردیں کہ مرزائی کونسل لیگ کے ممبر بن سکتے ہیں۔ لیکن دولتانہ صاحب نے چپ سادھ لی اور ہم مایوس ہوگئے۔

○ پیپلز پارٹی نے ہمیں سیاسی پناہ دی اور ہم نے اس کی امداد کی ہے اور ہمارے پانچ آدمی پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے لیے بطور ممبر کامیاب ہوئے ہیں"۔

(ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد ص ۶ جلد ۷ شمارہ ۴۱، 15 جنوری 1970ء)

● یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پنجاب اسمبلی کے ممبرٹیال سے منتخب ہونے والے رکن محمد اعظم نے اپنے آپ کو مرزائی تسلیم کیا تھا۔ جب کہ ان کے علاوہ کسی ممبر نے اپنے آپ مرزائی تسلیم نہیں کیا۔۔۔۔ البتہ دو ممبران مشکوک تھے۔ جن کے بارے میں تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ وہ قادیانی ہیں۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مولانا محمد علی جالندھری مرحوم نے پبلک پارک چنیوٹ منعقدہ 26 دسمبر 1970ء ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ قومی اسمبلی میں کوئی قادیانی امیدوار کامیاب نہیں ہوسکا۔ صوبائی اسمبلی میں آٹھ امیدوار کھڑے تھے۔ پانچ قادیانی امیدواروں کی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ضمانت تک ضبط کروادی۔ مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری مرحوم نے ناصر بھٹو اتحاد پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"حکومت پاکستان نے الیکشن کے انعقاد کا اعلان کیا تو میں نے ملک بھر کی تمام مجالس تحفظ ختم نبوت اور دیگر جماعتوں سے اپیل کی کہ جہاں جہاں سے مرزائی الیکشن میں کھڑے ہوں مجھے اطلاع دیں۔ مسلسل خطوط اور تاریں آئیں کہ فلاں جگہ مرزائی امیدوار کھڑے ہیں اور ان کو ٹکٹ پیپلز پارٹی نے دیا ہے۔ ہم نے کوشش کی۔۔۔۔ الحمدللہ ہماری کوشش اور محنت سے نیشنل اسمبلی میں کوئی بھی مرزائی کامیاب نہیں ہوسکا۔ صوبائی اسمبلی میں آٹھ مرزائی

کھڑے تھے۔ پانچ کی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ضمانت ضبط کروائی تین ہو گئے ہیں اور وہ تینوں پیپلز پارٹی کے نامزد امیدوار تھے۔

لوگوں نے بھٹو کو ووٹ دیا ہے مرزائیوں کو نہیں — اگر ہے ہمت تو آیئے ضمنی انتخابات باقی ہیں۔ کوئی مرزائی اگرچہ وہ ناصری کیوں نہ ہو بحیثیت مرزائی ہونے کے آزادانہ انتخاب لڑے' مقابلہ میں ہم ادنیٰ مسلمان کو کھڑا کریں گے جو کامیاب ہو گا اور مرزائیوں کی ضمانت ضبط کروائے گا۔ مسٹر بھٹو خود اعلان کریں کہ وہ مرزائی ہیں۔ غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔ پھر ملک کے کسی حصہ سے کھڑے ہوں میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ضمانت ضبط ہو گی"۔

(خطاب مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری' 26 دسمبر 1970ء' جلسہ پارک چنیوٹ

بحوالہ ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' ص 5' جلد 4' شمارہ 41' 15 جنوری 71ء)

● یہ امر واقعہ ہے کہ 1970ء کے عام انتخابات میں قادیانی جماعت نے کھل کر مسٹر بھٹو صاحب کی پارٹی کی کامیابی و کامرانی کے لیے کام کیا اور ہر طرح سے تعاون کیا۔ قادیانی جماعت کے رہنماؤں کو یقین تھا کہ باقی جماعتوں کے برعکس بھٹو صاحب کی پارٹی کامیابی کی صورت میں انہیں غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دلوائے گی۔ قادیانی جماعت کے آنجہانی رہنما سر ظفر اللہ خان نے ایک رسالہ کو انٹرویو دیتے ہوئے ان ہی باتوں کا اعتراف کیا تھا۔

س: بھٹو صاحب کے ساتھ آپ لوگوں نے 70ء کے الیکشن میں تعاون بھی بہت کیا تھا۔

ج: بھٹو کے پہلے الیکشن (70ء) میں پنجاب میں اس کی کامیابی تو غالباً" ہماری جماعت کی سپورٹ سے ہوئی بلکہ اس نے تو کہلا بھیجا تھا حضرت صاحب کو کہ اگر پنجاب میں سے چھ نشستیں بھی مجھے مل جائیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ بڑی کامیابی ہوئی۔ حضرت صاحب نے کہا نہیں تم ہر جگہ پہ امیدوار کھڑے کرو۔ ہم جو کر سکتے ہیں کریں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہماری تنظیم خدا کے

فضل سے ایسی ہے کہ ہم جس بات کے پیچھے پڑ جائیں وہ نہایت تندی سے کرتے ہیں۔

س : اس زمانے میں اشتہارات بھی آپ نے خوب بنائے؟

ج : ہاں جو کچھ بھی تھا اس میں یہ نہیں تھا جیسے عام الیکشن والے کرتے ہیں۔ فریب کی باتیں۔ ہمارے ورکرز تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ مولانا کوثر نیازی اس وقت جیل میں تھے۔ میرا بھتیجا حمید نصراللہ ان کے الیکشن ایجنٹ تھے۔ انتخاب کے بعد کی بات ہے مجھے یہاں ملنے آئے تھے یہ تو ان کے لیے تھا۔ ہم نے پوری مدد کی' بھرپور مدد کی۔ بھٹو صاحب کی ساری پارٹی کی' بلکہ جو ہمارا اندازہ تھا اور ہم ان سے کہتے بھی رہے کہ ہمارا یہ اندازہ ہے اس کے مطابق ہی یہ جیتے۔ ہمارے ورکرز ہوتے ہیں ہر جگہ۔ ایک تو یہ ہے کہ ہمیں گپیں مارنے کی عادت نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہمارے لوگ اچھا انتظام کرنے والے ہیں۔

س : بھٹو صاحب میں آپ کو اس وقت کیا بات نظر آئی۔

ج : باقی جتنی جماعتیں تھیں سب کے منشور میں یہ اعلان تھا کہ کامیابی کی صورت میں ہمیں کافر قرار دلوائیں گی۔ تو یہ ایک ہی پارٹی (پیپلز پارٹی) تھی جن کے منشور میں یہ نہیں تھا۔

س : لیکن کیا پھر انہی نے

ج : لیکن کیا پھر انہی نے

س : تو پھر یہ کیوں اتنے مخالف ہو گئے آپ کے

ج : ہماری مخالفت کی وجہ سے نہیں دراصل انہوں نے یہ موقف جو اختیار کیا یہ اس لیے تھا کہ وہ آئندہ کے لیے اپنے تئیں پاکستان کا غیر متنازعہ لیڈر بننا چاہتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر میں یہ بات کر دوں تو میری واہ واہ ہو گی۔ علماء بھی ساتھ ہوں گے تو اس سے مجھے پختگی ہو جائے گی۔ یہ نہیں تھا کہ ہماری

کسی شکایت کی وجہ سے یا دکھ کی وجہ سے وہ کر رہے تھے وہ اپنے منافع کی وجہ سے ہمیں قربان کر رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ چھوٹی سی بات ہے یوں تو انہوں نے حضرت صاحب کو ایک دفعہ ملاقات کے لیے بلایا اور باتوں کے دوران ادھر ادھر دیکھا اور کہا یہاں قرآن کریم نہیں ورنہ میں قرآن کریم ہاتھ میں لے کر قسم کھا کر سکتا ہوں کہ میں آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہوں۔

س : اچھا!

ج : ہاں اس کو کیا تھا۔

(بشکریہ "آتش فشاں" لاہور ، ص 12 جلد 9 شمارہ 9 ، مئی 1981ء)

(انٹرویو چودھری ظفر اللہ خان از منیر احمد منیر)

● چوہدری ظفر اللہ کے اس انٹرویو کا اقتباس بعد ازاں روزنامہ "جنگ" نے شائع کیا۔

" 1970ء کے عام انتخابات میں بھٹو کو جو کامیابی حاصل ہوئی تھی اس میں جماعت احمدیہ کا بڑا ہاتھ تھا۔ ہم نے اس زمانے میں ایسا اس لیے کہا تھا کہ 70ء کے عام انتخابات میں حصہ لینے والی کم و بیش ساری جماعتیں ہمیں کافر قرار دلوانے کی درپے تھیں۔ ماسوائے پاکستان پیپلز پارٹی کے ــــ جب کہ بعد میں اس پارٹی ہی نے ہمیں کافر قرار دیا۔ بھٹو نے اپنے مفاد کے لیے ہمیں قربان کیا۔ انہوں نے اس ضمن میں یہ دلچسپ بات بتائی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بعد بھٹو نے مرزا ناصر کو ملاقات کے لیے بلایا تھا اور دوران گفتگو ادھر ادھر دیکھ کر کہا یہاں قرآن نہیں ہے ورنہ میں قرآن کریم ہاتھ میں لے کر قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کو مسلمان سمجھتا ہوں"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور ، ایڈیشن 9 فروری 1982ء)

● قادیانی جماعت نے 1970ء کے انتخابات میں کھل کر پیپلز پارٹی کی حمایت کی۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے اپنے سالانہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے

اس امر کا اعتراف کیا اور اعلان کیا۔

"ہمارے فرقہ نے انتخابات میں پیپلز پارٹی کی حمایت کی ہے عوام نے بھوک کو ختم کرنے کے لیے ووٹ دیا ہے۔ مرزا ناصر احمد

ربوہ 28 دسمبر (پ پ ا) احمدی فرقے کے سربراہ ناصر احمد نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ موجودہ انتخابات میں پیپلز پارٹی کو احمدیوں کی حمایت حاصل تھی۔ اپنے فرقے کے سالانہ اجتماع کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کی جماعت نے بلاشبہ پیپلز پارٹی کی حمایت کی ہے۔ لیکن اسے کیونزم کی حمایت کہنا درست نہیں ہے۔ ایک لاکھ سے زائد پیروؤں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ حالیہ انتخابات میں عوام نے بھوک کو ختم کرنے کے لیے ووٹ دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان یا کسی اور جگہ اسلام خطرے میں ہے کا نعرہ موثر ثابت نہیں ہو سکا انہوں نے کہا کہ عیسائیت' یہودیت' بدھ مت اور ہندومت کو خطرہ ہو سکتا ہے لیکن اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ قبل ازیں عالمی عدالت کے صدر چودھری محمد ظفر اللہ خان نے بھی اجتماع سے خطاب کیا"۔

("ندائے ملت" لاہور ' 29 دسمبر 1970ء)

- انتخابات میں پیپلز پارٹی کی بھرپور حمایت اور مرزا ناصر کے اعتراف پر آغا شورش کاشمیری رقم طراز ہیں:

"پیپلز پارٹی کی بھرپور حمایت مرزا ناصر احمد نے اعتراف کر لیا

مرزائی فرقہ کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد نے اپنی جماعت کے سالانہ اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے الیکشن گزر جانے کے بعد نتائج سے مطمئن ہو کر

اعتراف کیا ہے کہ ان کی جماعت نے بلاشبہ اس انتخاب میں پیپلز پارٹی کی بھرپور حمایت کی ہے۔ (ملاحظہ ہو پ پ ا کی رپورٹ' 27 دسمبر)

مرزا ناصر احمد قادیانی امت کے پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے کھل کے کسی سیاسی جماعت سے اپنے سیاسی رشتہ کا اقرار و اظہار کیا ہے۔ ورنہ آج تک اس جماعت کو جو پاکستان میں صیہونیت کی طرح پرورش پا رہی ہے یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اپنے سیاسی ناطہ کا اعلان کرے۔ حتیٰ کہ پاکستان بنتے وقت بھی ان کا رویہ دوغلہ تھا۔ وہ نہرو اور قائد دونو کو خوش کر رہے تھے۔ یہ شرف مرزا ناصر احمد کو حاصل ہوا ہے کہ وہ بھٹو کے طرف دار ہو کر پیپلز پارٹی کے ہم نواؤں میں شامل ہوئے ہیں۔

مرزا ناصر کے دادا مرزا غلام احمد مسیح موعود کہلانے کے باوجود سیاست سے اتنے خوف زدہ تھے کہ ڈپٹی کمشنروں سے معافی مانگتے رہے بلکہ یہاں تک فرمایا کہ میں نے انگریزی حکومت کی وفاداری میں اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ ان سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب پنجاب میں کاسہ لیسی کا نادرہ روزگار مجسمہ تھے۔ مرزا محمود احمد نے اپنے والد کی روایت کو پروان چڑھایا اور دل و دماغ کی تمام صلاحیتیں' حکومت انگریزی کے چمن کی آبیاری میں صرف کیں۔ ان سے پہلے خلیفہ اول حکیم نورالدین نے بھی سیاست سے پرہیز کی۔

مرزا محمود احمد سیاسی طور پر بہت بڑے شاطر تھے لیکن شطرنج بچھانے کے باوجود چوپال میں بیٹھنے سے ہمیشہ احتراز کیا۔ وہ کرنل لارنس کی طرح ڈھکی چھپی سیاست برتتے تھے۔ مرزا ناصر اتنے زیرک نہیں ہو سکتا ہے اس اعلان سے ان کے ذہن میں کوئی خواہش ہو۔ کیونکہ پنجاب اور سندھ ان کے لیے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ سرحد اور بلوچستان میں ان کا وجود آٹے میں نمک سے بھی کم ہے۔ وہاں ان کی بیل منڈھے نہ چڑھی۔ یہاں وہ لبس کانٹا ہو کر

نکلے۔ پانسہ ان کے حق میں رہا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ مرزا ناصر احمد نے اس اقرار و اعتراف سے اپنی جماعت کو فائدہ نہیں پہنچایا۔ اب نقصان کیا ہوا؟ یا ہوگا تو یہ انہیں جلد معلوم ہو جائے گا۔

جرأت کا یہ حال ہے کہ جب تک نتائج نہیں نکلے مرزا صاحب منقار زیر پر رہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ مرزا ناصر احمد نے اپنی بھرپور حمایت کا اقرار کیا۔ اب انہیں یہ شکایت نہ ہونی چاہیے کہ لوگ ان کی جماعت کو سیاسی ترازو میں تولتے اور سیاسی سان پر کستے ہیں۔ ان سے محض اس لیے تو صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ وہ پس منظر میں رہتے یا ان کے مہرے بہت دور تک لگے ہوئے ہیں۔ قادیانی امت نے اب تک "مذہبی اقلیت" کی آڑ میں بہت سے تحفظات حاصل کیے اور مسلمانوں میں اپنے وجود کو جادوگر یا لنا بنا کے رکھا ہے۔ ان کو خوشی ہوگی کہ ان کی ٹکسال کا سکہ خوب چلا' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' میاں ممتاز دولتانہ' نواب زادہ نصراللہ خان' مولانا عبدالستار نیازی' ڈاکٹر جاوید اقبال وغیرہ ہار گئے۔ تھانوی اور سیالوی گروپ بھی تحفظ ہو گیا لیکن جو زبان ان کے خلاف استعمال ہوئی ہے وہ نیوٹ ہے جس حوصلہ سے نیوٹ ان لوگوں نے قبول کیا آپ بھی اسی حوصلہ کا ثبوت دیں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ پیپلز پارٹی یا اس کا "محبوب قائد" کسی طرح بھی آپ کو مسلمانوں کے ضمیر میں اتار نہیں سکتا ہے"۔

(ہفت روزہ "چٹان" ص 3 شمارہ 1 جلد 24' 4 جنوری 1971ء)

● قادیانی جماعت کے سیاسی کردار پر جناب شاہد تسنیم لکھتے ہیں:

"اہل نظر تو ابتداء ہی سے جان چکے تھے کہ قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ لیکن اس منافق جماعت نے کسی بھی جگہ کھل کر اعلان نہ کیا اور عوام کو گومگو کی حالت میں چھوڑ دیا۔ انتخابات سے چند ماہ قبل

جب قادیانی گماشتے پیپلز پارٹی کے جلسوں میں آنے اور ان کی رونقیں دوبالا کرنے لگے تو اس وقت کچھ کھٹکا محسوس ہوا۔

درون پردہ پیپلز پارٹی کو ہر قسم کی مالی و جانی امداد دے رہے تھے۔ لیکن بظاہر اپنی سابقہ روش کے تحت اپنے آپ کو غیر سیاسی جماعت قرار دیتے رہے۔ پاکستان میں جماعت اسلامی کے خلاف جو گند اچھالا گیا ان ملت فروشوں نے اپنے اپنے علاقوں میں وارڈ کمیٹیاں قائم کروائیں یا ان کی سرپرستی کر کے اسے سہارا دیا اور نئی پود کے اخلاق تباہ کرنے میں موثر کردار ادا کیا۔ دوسری طرف یہ تمام ریکارڈ جمع کر لیا گیا ہے جو آئندہ سالوں میں جب تاریخ احمدیت کی بارھویں اور تیرھویں جلد چھپے گی تو اس میں شامل کیا جائے گا اور مسلمانوں کو ان کی تحریرات کی روشنی میں ان کے ماضی سے متعارف کرایا جائے گا۔

انتخابات سے تقریباً دو ماہ قبل قادیانیوں نے پیپلز پارٹی سے مکمل اشتراک کر لیا۔ ان کے درمیان جو مبینہ معاہدہ ہوا ہے اس کی تفاصیل حاصل نہیں ہو سکیں۔ البتہ مرزا ناصر احمد کے جمعے کے خطبوں اور "الفرقان" کی تحریرات سے اتنا واضح ہے کہ قادیانی بہت بوکھلائے ہوئے تھے اور انہیں خطرہ تھا کہ یہ عوامی سیلاب ان کو بہا نہ لے جائے اس لیے انہوں نے جو معاہدہ کیا ہے لازمی ہے کہ اس میں ایک تو اپنے مفادات کا تحفظ ہو گا دوسرے پاکستان کے اندر قائم ہونے والی اسٹیٹ ربوہ کی حفاظت ہو گی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے اقلیت قرار دیے جانے کا سدباب کیا ہو گا اور اسرائیل میں اپنے مشن پر قائم رہنے اور زرمبادلہ کی سہولیات ملنے کا عہد کیا ہو گا۔ ایوبی دور میں انہوں نے انہی خطوط پر اپنی تنظیم استوار کی۔

یہ ایک الم ناک داستان ہے کہ قادیانیوں نے کس طرح سے اسلامی آئین کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ انہوں نے ہر مرحلے پر اسلامی انقلاب کی مخالفت کی اور اپنے پورے مادی وسائل اس کام میں صرف کیے۔ انہوں نے

مسلمانوں کے سیاسی مفادات کو سبوتاژ کیا اور نئی نبوت کے نام سے اپنے کاروبار کو پھیلا کر کئی معاشرتی مسائل پیدا کیے۔ مسلمانوں کے ملازمتوں کے کوٹے پر مسلمان بن کر چھاپہ مارا اور مسلمانوں ہی کے خزانے سے روپیہ لے کر پاکستان میں ان کو قادیانی بنانے اور بیرونی ممالک میں مرزا غلام احمد کی نبوت کا پرچار کرنے کے لیے صرف کیا۔ کیا پیپلز پارٹی ان کے لیے ڈھال کا کام دے گی اور انہیں پھلنے پھولنے کے مواقع بہم پہنچائے گی؟

قادیانی نوجوانوں کی جماعت خدام الاحمدیہ نے پیپلز پارٹی کے لیے بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ انہوں نے نوجوانوں میں اثر و رسوخ پیدا کر کے ان کے جلسوں کی سرپرستی کی۔ جماعت سے نان و نفقہ لے کر کچھ تو خود اڑایا کچھ پیپلز پارٹی کے جھنڈے' بلے' تلوار کے نشان وغیرہ خریدنے پر صرف کیا۔

پیپلز پارٹی کی وارڈ کمیٹیوں میں خدام الاحمدیہ کے کارکن کپڑے کے پلندے پہنچاتے ہوئے دیکھے گئے اور قادیانی عورتوں نے اپنے گھروں میں ہزاروں جھنڈے سی سی کر لوگوں کو مہیا کیے۔ قادیانی عورتوں کی تنظیم لجنہ اماءاللہ جس میں بارہ برس کی دوشیزاؤں سے لے کر بوڑھی عورتیں شامل ہیں سب نے بڑی جانفشانی سے پیپلز پارٹی کے لیے ان تھک جدوجہد کی۔ قومی انتخابات سے دو تین دن قبل لجنات کی ٹولیاں سڑکوں پر گھومتی دکھائی دیتی رہیں۔ انہوں نے گھر گھر جا کر عورتوں کو پیپلز پارٹی کے لیے ووٹ دینے پر مجبور کیا اور بذات خود پارٹی کا لٹریچر خواتین تک پہنچایا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی نبوت کا پرچار کرنے والے تنخواہ دار مبلغین نے لوگوں میں یہ تاثر پھیلایا کہ ان کی جماعت سوشلزم کی سخت مخالف ہے۔ اس ذیل میں انہوں نے مرزا قادیانی کے الہام اور مرزا بشیرالدین کا سوشلزم کی مخالفت میں طویل لیکچر اور سابق ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کے والد مرزا بشیراحمد کی تصانیف پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیا۔ حال ہی میں موجودہ

قادیانی خلیفہ کے جمعہ کے خطبات کا مجموعہ شائع کیا گیا ہے جو سوشلزم کی بھرپور مخالفت میں ہے لیکن دوسری طرف اس منافق سامراج نواز اور اسلام دشمن جماعت نے سوشلزم کے لیے ہر ممکن اعانت کی اور اس کی محض یہ وجہ تھی کہ جماعت اسلامی برسر اقتدار نہ آئے۔ انتخابات سے ایک ہفتہ قبل انجمن تحفظ پاکستان' پیپلز فیڈریشن اور ایسی وضعی تنظیموں کے نام سے لاکھوں پوسٹر شائع کروا کے پاکستان کے طول و عرض میں لگوائے۔ قائداعظم کے نام نامی کو ایکسپلائٹ کر کے "احمدی مسلمان ہیں" والے پوسٹر چھپوا کر خدام سے لگوائے تاکہ رائے عامہ پھیلائی جا سکے۔

1- کیا پیپلز پارٹی اس سامراج نواز پارٹی کا محاسبہ کرے گی؟

2- کیا اس جماعت کو پیپلز پارٹی زرمبادلہ سروسوں میں معتدبہ حصہ اور دیگر معاشی مراعات سے نوازے گی یا انہیں ختم کرنے کا عزم اٹھائے گی۔

3- کیا پارٹی اس تیسویں بڑے سرمایہ دار کے کروڑوں روپے کا حساب لے گی جو تبلیغ کے نام پر جمع کیا گیا ہے اور جس کی بدولت ملکی دولت کو لوٹا جا رہا ہے؟

4- کیا پارٹی اس مذہبی اجارہ داری اور سیاسی آمریت کو توڑ کر عوامی احساسات کا احترام کرے گی اور اسرائیل میں ان کے مشن اور قادیان کے 313 درویشوں کی گتھی سلجھائے گی۔

ہمیں امید نہیں کہ ایسا ہو کیونکہ پیپلز پارٹی خود سرمایہ داروں کی پشت پناہی کے نتیجے میں سیاسی بالادستی حاصل کر رہی ہے اور وہ انہیں کے درپے نہیں ہو سکتی"۔

(جلد نمبر 24' شمارہ نمبر 1' 4 جنوری 1971ء "چٹان" ص 18)

● پیپلز پارٹی اور جماعت احمدیہ کے تعلقات کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ پیپلز پارٹی کے آرگن اخبار "مساوات" کا لندن کا وقائع نگار قادیانی مقرر کیا گیا۔ اس

پھر مدیر "چٹان" لکھتے ہیں:

"پیپلز پارٹی کے روزنامہ مساوات کا لندنی وقائع نگار

عبدالحمید غازی کادیانی تھا۔ یہ بات ہم کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کہ تل ابیب (اسرائیل) میں قادیانی مشن قائم ہے۔ آج کی ایک دوسری اہم چیز نوٹ کر لیجئے۔ پیپلز پارٹی کے آرگن "مساوات" لاہور میں اردن کی موجودہ خانہ جنگی پر ایک طویل مکتوب عبدالحمید غازی کے قلم سے چھپا ہے۔ یہ صاحب سکہ بند قادیانی ہے۔ اپنے طویل مکتوب میں انہوں نے فلسطین زندہ باد یا سر عرفات کی بڑی ہوشیاری سے تنقیص کی ہے۔ الفتح پر عرب حکومتوں کے عزائم سے چلنے کا الزام لگایا۔ لیکن حبش (عیسائی + اشتراکی) کے عوامی محاذ کا نتیجہ ہے اور حبش اور اس کے نائب حداد (یہ بھی عیسائی ہے) کو انتہا پسند محب وطن اور حد درجہ ایماندار قرار دیا ہے۔

عبدالحمید غازی نے لیلیٰ خالد کے مسلمان ہونے کو بھی تصدیق طلب بیان کیا ہے۔ ان عیسائیوں کو خواتی کے تحت ان صاحب نے شاہ فیصل اور شاہ حسین کی چھتاڑ کی ہے۔ شاہ فیصل سے قادیانی بغض کی وجہ سے ظاہر ہے کہ چار سال ان کی حکومت نے قادیانی امت پر حجاز کا داخلہ بند کر دیا ہے۔"

("چٹان" جلد 23' شمارہ 40' 15 اکتوبر 1970ء)

● قادیانی جماعت کے انتخابات میں حصہ لینے پر مولانا عبدالرحیم اشرف نے "قادیانیوں کا پہلا کامیاب شب خون" کے عنوان سے پرمغز اداریہ سپرد قلم کیا' جس میں قادیانیوں کی سازشوں' ریشہ دوانیوں اور ان کے ناپاک عزائم سے پردہ ہٹایا گیا ہے۔ 1970ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کی ملی اور اخلاقی امداد کا مقصد مخصوص مفادات کا حصول اور تحفظ تھا۔ جس میں انہوں نے مرزائیوں کے تاریخی پس منظر اور حقائق کی روشنی میں قادیانیوں اور سوشلسٹوں کے درمیان انتخابی معاہدے کی تفصیل بیان کی ہے۔

"قادیانیوں کا پہلا کامیاب شب خون

"حالیہ انتخابی نتائج کے اثرات ہمہ گیر ہیں۔ ان کا ایک پہلو یہ ہے کہ مرزا غلام احمد کے امتی پہلی مرتبہ مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ پر شب خون کے ذریعہ تاخت و تاراج کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ قادیانیوں نے انتخابی مہم میں خوب خوب حصہ لیا۔ اپنے روایتی اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ جس "دیانت" کے یہ لوگ حامل ہیں' اس کا ثبوت وسیع پیمانے پر مہیا کیا۔ مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں انہیں جو مسرت حاصل ہوتی ہے' اس کا مشاہدہ متعدد مقامات پر کیا گیا اور آخری اطلاعات کے مطابق متعدد نشستوں پر قادیانی امیدوار کامیاب ہوئے اور ان کی ایک ٹیم' مجلس دستور ساز میں جا گھسی۔

قادیانی نبوت کے بارے میں' ہمارا بارہا کا دہرایا ہوا الزام یہ ہے کہ اس کا خمیر سیاست ہی سے اٹھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی صد فی صد دنیا دار' سیاست باز اور حریص اقتدار انسان تھے۔ ان کے خاندان کا ہر فرد' اپنی کھوئی ہوئی ریاست کے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے دادا اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد نے اپنی ریاست کے قیام کے لیے سکھوں کی فوج میں بھرتی گوارا کی' انگریزوں کا ساتھ دیا۔ 1857ء میں مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے میں انگریزی فوج کی مدد

گھوڑوں اور سپاہیوں سے کی۔ مرزا غلام احمد نے محض انگریز کی رضا طلبی کے لیے' جہاد کو منسوخ کرنے کا کھیل کھیلا۔ برصغیر ہندو' بیرون ہند مسلمانوں کو انگریز کا غلام بنانے کی کوشش میں رات دن کام کیا اور ذلت نفس کی حد یہ کہ اپنی نبوت اور اپنی امت سبھی کو انگریز سے سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لیے "جاسوسی کا محکمہ" بنا کر رکھ دیا۔ اور اپنے ہی الفاظ میں انہوں نے برصغیر میں ایسے مسلمانوں کی جاسوسی اپنے فرائض منصبی میں شامل کی جو انگریزی استعمار کے مخالف تھے۔

یہی نہیں' مرزا احمد کا دائرہ انگریز کی سرپرستی سے جوں جوں وسیع ہوتا گیا' اسی نسبت سے اسلامیان عالم کے خلاف ان کی سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ افغانستان میں' انگریزوں کے لیے جاسوسی اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے جرم کی پاداش میں دو قادیانیوں پر مقدمہ چلا اور ثبوت جرم کے بعد انہیں سنگسار کیا گیا۔ اور بقول مرزا محمود آنجہانی کے بہت سے ممالک میں قادیانی امت' انگریزوں کے جاسوس کی حیثیت سے معروف ہوئی۔

قیام پاکستان کی تحریک کے آغاز سے قادیانی اس تحریک کے مخالف رہے۔ مرزا غلام احمد نے مسلم لیگ کی ابتدائی تاسیس کو صرف اس وجہ سے ناپسند کیا کہ آگے چل کر یہ جماعت' انگریز کی مخالفت کر سکتی ہے۔

تحریک پاکستان کے دوران' قادیان' پنڈت جواہر لال نہرو کی آؤ بھگت اور مسلم لیگ کے خلاف سازشوں کا مرکز بنا رہا۔ 45ء کے انتخابات میں' قادیانیوں نے' جہاں بس چلا مسلم لیگ کے امیدوار کے بالمقابل اپنا نمائندہ کھڑا کیا ——— لیکن چونکہ قادیانیت کا تانا بانا جاسوسی' نفاق اور وقتی مصلحتوں سے بنایا گیا ہے' اس لیے قادیانیوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلم لیگ کامیاب ہو رہی ہے' تو اپنے افراد مسلم لیگ میں چھوڑ دیے۔ اس سے قبل "تحریک کشمیر" میں مرزا محمود' سازش کا ایک بہت بڑا کھیل کھیل چکے تھے اور علامہ اقبال علیہ الرحمۃ "کشمیر کمیٹی" کے ایک قائد کی حیثیت سے قادیانیوں کے نفاق اور مسلم دشمنی کا مشاہدہ کر کے' قادیانیوں کے خلاف صف آراء

ہو چکے تھے۔ بایں ہمہ سر ظفر اللہ' مسلم لیگ کی جانب سے باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش ہوئے مگر بقول جسٹس منیر' یہ بات انتہائی تعجب کا باعث ہوئی کہ سر ظفر اللہ تو مسلم لیگ کا کیس پیش کر رہے ہیں۔ مگر قادیانیوں کا وکیل' قادیانیوں کا میمورنڈم بغل میں دبائے باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش ہوا' جس کے نتیجہ میں پٹھان کوٹ کا ضلع پاکستان سے کٹا' اسی باعث کشمیر کا مسئلہ الجھا اور انگریز' ہندو و قادیانی سازش' کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

قادیانیوں نے متعدد بار' اس عقیدے کا اظہار کیا کہ جو ریاست' اس دور کے مامور من اللہ ـــــ مرزا غلام احمد ـــــ کے نائب ـــــ جسے قادیانی امیر المومنین کے سیاسی منصب سے تعبیر کرتے ہیں ـــــ کی سربراہی کے بغیر ہوگی۔ وہ اسلامی حیثیت نہیں ہو سکتی' اس عقیدے کا نتیجہ تھا کہ جس قائداعظمؒ نے' سر ظفر اللہ خان کو سیاسی اعزاز بخشا تھا' انہی کی وفات پر یہی سر ظفر اللہ ان کے جنازے کے پاس کھڑے ہونے کے باوجود' شریک نماز جنازہ نہیں ہوئے اور ـــــ انہوں نے یہ صراحت بھی کی کہ اس نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے کا باعث ان کا عقیدہ ہے۔

قادیانی بحالت مجبوری' پاکستان میں آئے۔ انہوں نے ربوہ کو فوجی نقطہ نظر سے اپنا مرکز بنایا' وہ اسلحہ ساز فیکٹریوں کے مالک ہیں۔ ٹرانسپورٹ کا بیشتر حصہ ان کے تصرف میں ہے۔ پاک فوج میں قادیانی فوجیوں کا ایک یونٹ' باقاعدہ منظم اور "فرقان فورس" کے نام سے فعال ہے۔ اس فوجی یونٹ کی باگ دوڑ' ربوہ کے خلیفہ کے ہاتھ میں ہے' اور جسارت کا یہ عالم ہے کہ 48ء میں کشمیر کے محاذ پر "فرقان فورس" کے جن سپاہیوں کو تمغے دیئے جانے کا فیصلہ ہوا' وہ تمغے علی الاعلان پاک فوج کی انتظامیہ کے بجائے ربوہ کے سیکرٹریٹ کے ذریعہ تقسیم ہوئے۔

اندرون ملک قادیانی اہم ترین کلیدی آسامیوں پر فائز ہیں' تمام سرکاری رازوں سے آگاہ ہیں۔ بیرون ملک ان کے تعلقات تمام استعماری قوتوں سے استوار ہیں۔ سر ظفر اللہ عالمی عدالت کی رکنیت کو' قادیانیت کے فروغ کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

سابق صدر کے سائنسی امور کے مشیر مسٹر عبدالسلام' دنیا کی سائنسی تجربہ گاہوں' سائنس دانوں اور اصحاب سیاست سے رابطہ رکھتے ہیں اور وہ مرزا ناصر احمد کے غلام بے دام ہیں۔ مرزا غلام احمد کے پوتے اور مرزا ناصر احمد' قادیانی امیرالمومنین کے چچا زاد بھائی ایم۔ ایم احمد پاکستان منصوبہ بندی کے ڈپٹی چیرمین ہونے کے باعث پاکستانی خزانہ کے سیاہ و سپید پر کارفرما ہی نہیں' دنیا بھر کی استعماری قوتوں اور پاکستان کے مابین رابطہ حاصل کرنے کے بعد صدر مملکت کے مشیر خاص ہیں۔ سابق صدر کے زمانہ میں ایم۔ ایم احمد کو سعودی عرب اور پاکستان کے مابین دوستی بڑھانے والی کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا' جس کا ایک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ سعودی عرب میں' قانونی طور پر قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہونے کے باوجود' پاکستانی قادیانیوں کی ایک اہم تعداد "مسلمان" کا سرٹیفیکیٹ لیے' حرمین کو اپنی سازشوں کا ہدف بنائے ہوئے ہے۔

ادھر 47ء سے 70ء تک قادیانیوں نے متعدد کوششیں کیں کہ اولاً تو پورے پاکستان کو قادیانی ریاست بنا لیا جائے اور اگر یہ نہ ہو تو کم از کم

(الف) کوئی علاقہ قادیانی اکثریت کا علاقہ ہو۔

(ب) پاکستان کا دستور قانون نظم و نسق اور سیکرٹریٹ' قادیانیوں کے زیر اثر ہو۔

پہلے مقصد کے لیے قادیانیوں نے' کمیونسٹوں سے اشتراک عمل کر کے مسلح بغاوت کا پلان بنایا۔ چنانچہ پاکستان کے پہلے وزیراعظم خان لیاقت علی خان کو قتل کرنے کی سازش کی گئی' جس کے ہیرو کیمونسٹ قائد جنرل اکبر خان اور قادیانی جنرل تھے اور یہ دونوں فوجی عدالت میں مجرم قرار دیے گئے اور انہیں جیل جانا پڑا۔

اس پنڈی "سازش" میں ناکام ہونے کے بعد قادیانیوں نے ایک "سہ طرفہ" سیاسی سکیم پر عمل کی داغ بیل ڈالی۔ ایک جانب پاکستان کے جنوبی سرحدی صوبہ "بلوچستان" کو خالصاً" قادیانی صوبہ بنانے کے لیے جدوجہد کا آغاز کیا گیا' دوسری طرف ضلع گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کو اس طرح مرکز خاص بنایا گیا کہ اس علاقہ میں قادیانی اپنے اہم ادارے قائم کریں اور ان کی حدود کشمیر سے متصل ہوں۔ تیسری جانب

سرگودھا ٹی وی ٹیشن کو "قادیانی ٹی وی ٹیشن" بنانے کی کوششوں پر توجہ مبذول کی گئی۔

اس سازشی تک و دو کے تذکرے کو ادھورا چھوڑتے ہوئے اور اس خلا کے مابعد انتخابی سیاست میں قادیانیوں کی معرکہ آرائی کا جائزہ لیجئے۔

اس محاذ کی تفصیلات سے قبل ضروری ہے کہ قادیانیوں کے اخلاق' کردار اور نفاق کا صحیح نقشہ اپنے سامنے رکھا جائے۔ یہ حضرات اپنے اعلانات' خلیفہ کے خطبات اور لٹریچر میں اشتراکیت کے سخت دشمن دکھائی دیتے ہیں۔ روس کو یاجوج ماجوج ثابت کرتے ہیں ـــــ لیکن عملاً پاکستان میں' پہلی سازش کے ہیرو بھی قادیانی ہی تھے اور اشتراکیوں کے ساتھ شریک کار بھی۔ اب جب کہ پھر سے "اسلام پسند عناصر" کی غفلتوں' کوتاہیوں اور غلطیوں کی وجہ سے اشتراکی عناصر کو افراتفری پھیلانے اور اقتدار پر قابض ہونے کا موقع میسر آیا' تو قادیانیوں نے موقع کو غنیمت جانا اور "اشتراکیوں" سے اشتراک عمل کیا۔

مسلمانوں نے اسی برس کے وسط میں "قادیانی سوشلسٹ محزوم" کی نشان دہی کی' تو قادیانیوں نے اپنی روایات کے مطابق اعلان کیا کہ ہم "مذہبی جماعت" ہیں' ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں' ہم کسی بھی سیاسی جماعت کے حلیف نہیں ہیں۔

جن لوگوں کو قادیانیوں کے مذہبی اور سیاسی کردار سے آگہی ہے' انہوں نے اس اعلان کو حسب سابق "جھوٹ" قرار دیا اور وہ اس میں حق بجانب تھے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ انہی صفحات میں یہ "انکشاف" کیا گیا کہ قادیانیوں کا ایک "مشن" اسرائیل میں موجود ہے۔ قادیانیوں نے اس سے انکار کیا تو ہم نے اس کا ثبوت خود قادیانیوں کی مطبوعات سے پیش کر دیا۔ قادیانیوں نے جھوٹ بولا کہ ہاں قادیانی مشن تو اسرائیل میں موجود ہے' لیکن اس کا تعلق ربوہ سے نہیں' قادیانیوں کے بھارتی مرکز' قادیان سے ہے۔

ہم نے بھرے کو اس کے گھر پہنچانے کے لیے "ربوہ کی انجمن احمدیہ" کے خفیہ بجٹ کے اس صفحہ کا عکس شائع کر دیا' جس میں اسرائیل میں قادیانی مشن کے سالانہ

آمد و خرچ کا اندراج تھا اور یہ ربوہ کی انجمن احمدیہ کے سالانہ بجٹ میں شامل تھا۔

اس طرح قادیانیوں نے پاکستانی سوشلسٹوں سے اپنے انتخابی معاہدے کی تردید کی' مگر شیخوپورہ اور بعض دوسرے شہروں میں قادیانیوں نے سوشلسٹوں کے متعدد جلسوں کا اہتمام جس انداز سے کیا اور جس طرح ان کے مصارف ادا کیے' اس کا تذکرہ ہوا تو قادیانیوں نے چپ سادھ لی۔

مگر اب جو انتخابی معرکہ اپنے آخری مراحل میں داخل ہے' ان انتخابات میں قادیانیوں نے سب سے پہلے سوشلسٹوں کی حمایت اور اسلامی آئین کے حامیوں کی مخالفت خفیہ طور پر شروع کی۔ پوسٹر لکھے' چھپوائے' چسپاں کیے' کرائے اور دوسرا لٹریچر تقسیم کیا' اس کے ساتھ خوب خوب اشتعال انگیزی کی اور بلا استثناء تمام "اسلام پسند" جماعتوں کے خلاف زہر اگلا۔

دوسرے مرحلے میں' سوشلسٹوں کے جلسوں کا اہتمام کیا۔ ان کے مصارف برداشت کیے۔ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمان ووٹوں کو سوشلسٹوں کے حق میں ہموار کیا۔

تیسرے مرحلے میں' کلمہ گدائی لیا اور سوشلسٹ جماعت سے ٹکٹ حاصل کیے۔

جب چوتھا مرحلہ شروع ہوا تو جہاں جہاں قادیانیوں کا زور چلا' انتخابات اور پولنگ کی صاف ستھری فضا کو مکدر کیا' دھاندلی کی' قادیانیوں نے اپنی عورتوں کو خواتین کے پولنگ سٹیشنوں پر بھیجا۔ انہوں نے مسلمان عورتوں کو ورغلایا بھی اور ان کی پرچیاں لے کر زبردستی اپنی پسند کے امیدواروں کے نشانات پر مہریں لگائیں اور یوں مارشل لاء کی حکومت کی غیر جانبداری کو داغ دار کیا۔

انتخابات میں قادیانیوں کی یہ مداخلت' پاکستان کے 12 کروڑ مسلمانوں کے لیے ایک عظیم چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے اثرات انتہائی دور رس اور فساد انگیز ہیں۔ اس عنوان پر آئندہ مجلس میں' تفصیلی گزارشات پیش کی جائیں گی"۔

(ہفت روزہ "لولاک" ص 3 ج 15 ش 41' 18 دسمبر 1970ء)

● بیروت میں مقیم نوائے وقت کے وقائع نگار نے بغداد کے اخبار کے حوالہ سے بتایا کہ سابق میجر جنرل اکبر کو پیپلز گارڈ کا سربراہ بنانے میں عالمی کیمونسٹ تحریک کی مرضی شامل تھی۔ خبر کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

"خوفناک منصوبے' خطرناک تیاریاں

معاصر عزیز نوائے وقت نے اپنے وقائع نگار خصوصی جناب اقبال سہیل مقیم بیروت کے حوالے سے ذیل کی خبر شائع کی ہے۔

بغداد کے روزنامہ "الثورۃ" نے ماسکو کے اخبار "ازوستا" کے حوالے سے یہ خبر شائع کی ہے کہ عالمی کیمونسٹ تحریک کی منشا کے مطابق پاکستان میں سابق میجر جنرل اکبر خاں نے پیپلز گارڈ بنانے کی جو تحریک شروع کی ہے وہ پرولتاری انقلابی پروگرام کے عین مطابق ہے۔

"باخبر ذرائع نے اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جس طرح مصر پر اسرائیل کے حملے کے وقت کیمونسٹ خفیہ تنظیم نے محب وطن عناصر کا خاتمہ کر کے اسے اسرائیل کے سر ڈال دیا تھا۔ اس کا قطعی امکان ہے کہ اگر بھارت نے پاکستان پر اس دفعہ حملہ کیا' تو مغربی پاکستان میں پیپلز گارڈ شہری دفاع کے نام پر محب وطن عناصر کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرے گی اور اسے بھارتی مداخلت کاروں کے سر ڈال دے گی۔ مصر میں چیف آف سٹاف جنرل ریاض کو اسی طرح قتل کیا گیا تھا کہ انہیں اس خفیہ تنظیم کا علم ہو گیا تھا۔ بھارت کے اخبارات یہ لکھ رہے ہیں کہ پیپلز گارڈ' اکھنڈ بھارت کے دشمنوں کا صفایا کر سکتا ہے۔ بلٹنر نے لکھا ہے کہ پیپلز گارڈ کو سب سے پہلے فوج اور پولیس کے سامراجیوں سے نمٹنا ہوگا' اس کے بعد سیاسی پارٹیوں اور ممتاز

صحافیوں کو راستہ سے ہٹا دینے کا موثر پروگرام بنانا ہوگا۔ پیپلز گارڈز میں فرانس کے ایک مبصر کے مطابق زیادہ تر معاشرے کے پیشہ ور مجرم بھرتی کیے جا رہے ہیں۔ "لا ایکسپریس" کے مبصر نے لکھا ہے کہ یہ ملک میں خطرناک لاقانونیت اور گھناؤنے نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ یہ بات بہت ہی حیرت سے کہی جا رہی ہے کہ پچھلے دنوں روسی محکمہ جاسوسی کے سربراہ اندروپوف کا ایک خصوصی ایلچی لندن سے کراچی میجر جنرل اکبر خاں کو ملنے آیا تھا؟"

اقبال سہیل نے آخر میں سوال کیا ہے کہ اس سوال کا جواب پاکستان کا انٹیلی جینس بیورو ہی دے سکتا ہے۔

اول تو یہ خبر اتنی واضح اور جامع ہے کہ اس سے پاکستان میں اشتراکیت یا فسطائیت کے گماشتوں کی ذہنیت بکمال و تمام بے نقاب ہوتی ہے' جس شخص نے "پرولتاری انقلاب" کی راہیں صاف کرنے والوں کے طریق کار کا مطالعہ کیا اور مستند تحریروں سے اس انقلاب کی تگ و دو کے خطوط سے آگاہی حاصل کی ہے' وہ اس بارے میں دو رائیں قائم نہیں کر سکتے کہ پاکستان میں یہی حالات پیدا کیے جا رہے اور کمیونسٹوں نے بھٹو کے دامن میں پناہ لے کر پرولتاری انقلاب کی تجرباتی یا منطقی مشقوں کے لیے بال و پر پیدا کر لیے ہیں۔

پہلا سوال حکومت سے ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اس سے بے خبر ہے لیکن باخبر ہونے کے باوجود اس قسم کے تجربوں کو پنپنے کا موقع دینا ہمارے نزدیک سخت خطرناک ہے؟ مغربی پاکستان میں مشرقی پاکستان کے سے حالات پیدا نہیں ہوئے' تو اس کی وجہ فسطائیوں یا اشتراکیوں کی امن پسندی نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے ابھی حالات سازگار نہیں' وہ

مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں لیکن کر نہیں سکتے۔ انہیں رد عمل کا اندازہ بھی ہے اور خوف بھی' اگر مارچ میں لائل پور اور لاہور ان کے نعرہ ہائے دستخط پر لبیک کہتے' یا پروگریسو پیپرز لمیٹڈ ہی پر ان کا قبضہ ہو جاتا' تو وہ امرتسل کی طرح پھیلتے اور ان عناصر سے بھی رعایت نہ کرتے جن کے متعلق اقبال سہگل کے خط میں اشارات موجود ہیں۔ شیخ رشید احمد سے احکامات حاصل نہ کیے گئے یا وہ احکامات جاری نہ کر سکے' یا عوام نے ان کے تخریبی مقاصد پر لبیک نہ کہا اور لوگوں سے وہ امداد نہ مل سکی جس کے متعلق انہیں بعض جلوسوں یا جلسوں سے غلط فہمی لاحق ہوئی تھی کہ عوامی لیگ کے ادھر کی فضا' پیپلز پارٹی ادھر بھی پیدا کر سکتی ہے' تو یہ مغربی پاکستان کے نظریاتی معتزلات کا نتیجہ تھا۔ لیکن اشتراکیوں اور قسطانیوں کے نزدیک اس قسم کے تجربے مسلسل ناکامیوں کے باوجود جاری رہتے ہیں اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پیپلز گارڈز ان تجربوں کو پروان چڑھانے کا مقدمہ الجیش ہے' بلکہ ایک ایسا منصوبہ ہے جو پاکستان کے آڑے وقت میں دایاں بازو کی طاقتوں کو تہس نہس کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ جنرل اکبر خاں خود ایک نفسیاتی معمہ ہیں' بھٹو کی امراہی انہیں پناہ دے رہی ہے' ورنہ راولپنڈی کی ابتدائی سازش سے لے کر کراچی میں انتخاب ہار جانے تک' وہ اس قسم کے احساسات میں ڈھلتے رہے ہیں کہ اب انہیں موجودہ حالات سے فائدہ اٹھانے کی چیٹک لگی ہوئی ہے۔

حوصلہ حکومت کا ہے کہ اس نے نور خان' اصغر خان وغیرہ کو تو کسی مرحلے میں گوارا نہیں کیا' لیکن ایک ایسا شخص جو اول اول پاکستان کی فوج میں نقب لگانے کی تگ و دو کے جرم کا مرتکب ہوا تھا' وہ کھلے بندوں پیپلز گارڈ کا ہیولا تیار کر رہا ہے۔ کیا حکومت اس وقت نوٹس لے گی جب فتنہ کا ظہور ہوگا اور حکومت سے باہر سیاسی اور دینی شخصیتیں اس کے کھلو کھارا کا

شکار ہو جائیں گی۔

ع صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

دایاں بازو کے مختلف عناصر جسم واحد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن یہ لوگ حکومت کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں' اس غرض سے نہیں کہ انہیں حکومت سے باہر بھی فسطائیوں اور اشتراکیوں کی جارحیت کا مقابلہ کرنا ہے۔ اگر ان کے ہاں ایسا کوئی پروگرام ہے تو زبانی کلامی ہے' یہ لوگ یا ان میں اکثر غلط خطوط پر سوچ رہے اور استرداد کے مستحق تھے جو چار سالہ انتخاب میں ان کے مقدر کا نوشتہ ہو کر سامنے آیا۔ مسٹر نور الامین کی آمد پر جمہوری پارٹی کے ایک نوجوان عہدے دار رانا نذیر الرحمان نے انہیں افطار پارٹی پر مدعو کیا' لیکن ہمیں حیرت ہوئی کہ جو لوگ عوامی تحریک پر سینہ سپر ہو کر ڈٹے رہے' وہ نیچے کی عام نشستوں پر بیٹھے تھے اور احمد سعید کرمانی جس کا رول عوامی تحریک میں نہایت درجہ شرمناک تھا' اوپر کی خاص نشستوں میں مسٹر نور الامین' نواب زادہ نصر اللہ خان وغیرہ وغیرہم کی صف میں فروکش تھا۔ کیا اس اتحاد کو لے کر صورت حال کا مقابلہ کیا جائے گا' یہ تو بڑی شرمناک بات ہے؟

معاف کیجئے دس خواجہ سرا جمع ہو کر بھی ایک مرد نہیں بن سکتا۔ فسطائیت اور اشتراکیت جن لوگوں کی وجہ سے پیدا ہوئی' انہیں جمع کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے مخنثوں کو دولہا بنانا۔

جنرل اکبر خان کے مقابلے میں متوازی تنظیم بنانی ہے تو نظریہ پاکستان پہ یقین رکھنے والے کسی سبکدوش جرنیل کو سامنے آنا چاہیے۔ اس حالت میں نہ صرف مقابلہ کی طاقت تیار ہو گی بلکہ عین ممکن ہے کہ فسطائی یا اشتراکی اپنے خوفناک منصوبے سے دستبردار ہو جائیں یا نظرثانی کریں۔ اس صورت میں حکومت بھی حرکت میں آئے گی۔ اب وہ ہو گئے ہیں۔

آخر جنرل فضل مقیم یا جنرل امراؤ خان کس مرض کی دوا ہیں۔ وہ تقریبات کا افتتاح ہی کر سکتے ہیں۔ ان میں اسلامی گارڈ بنانے کی ہمت نہیں۔ وہ نکلیں تو پھر دیکھیں انہیں فوج ظفر موج کیونکر ملتی ہے۔

(ہفت روزہ "چٹان" لاہور' س 5' ج 24' ش 46' 15 نومبر 1971ء)

● 1970ء کے عام انتخابات سے قبل جنرل اکبر خان کو پیپلز گارڈ کا انچارج بنایا گیا۔ بانی پیپلز گارڈ نے کراچی کے جلسہ عام میں علماء کے خلاف بدزبانی کی' تو آغا شورش کاشمیری کا قلم شعلہ جوالہ بن گیا۔ انھوں نے راولپنڈی کیس کے ہیرو کے عنوان سے اداریہ سپرد قلم کیا کہ:

"آپ 7 جون کو کورنگی (کراچی) میں بھٹو کے جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے ان جنرل اکبر خان نے بڑے دون کی لی ہے۔ فرمایا:

"چونکہ ہمیں ملا مودودی' ملا شیر علی' ملا کوثر نیازی اور ملا تھانوی کو ٹھیک کرنا ہے' اس لیے جماعت اسلامی کے ایک ایک ممبر کے پیچھے پیپلز پارٹی کے دو دو رضاکار لگے رہیں"۔

مزید فرمایا کہ:

"ان رضاکاروں کو میں خود تربیت دوں گا جو مار مار کر ان تمام لوگوں کا چمڑا اتار دیں گے"۔

پیپلز پارٹی کا اجتماعی مزاج ہی تشدد پر ہے' خود بھٹو صاحب تشدد کے سوا کوئی بات نہیں کرتے۔ ہم نے ایوب خاں کے خلاف اجتماعی تحریک کے دنوں میں اس پارٹی کے ارکان کو خود دیکھا ہے کہ وہ تشدد کے منصوبے باندھتے اور خون خرابے کی سکیمیں سوچتے تھے۔ اب بھی ان کی انتہائی خفیہ مجلسوں میں اسی پر غور ہوتا ہے۔ جنرل اکبر خاں نے جو کچھ کہا ہے' وہ بجائے خود اس کا بین ثبوت ہے۔

یہ کہنا کہ بھٹو تشدد سے باز آئیں گے ناممکن ہے' وہ برسر اقتدار آئے

کے خواب دیکھ رہے ہیں' ان کی زبان پر ایک ہی کلمہ ہے کہ میں اقتدار میں آ کے رہوں گا۔ ایک تو ان کا مشن ہی یہی ہے کہ ہر قیمت پر انہیں حکومت مل جائے۔ دوسرے بار بار ان کا یہ کہنا ہمارے اس شبہ کو یقین میں بدلتا ہے کہ ان کی پشت پناہی ضرور کوئی بیرونی طاقت کر رہی ہے۔ ہمارے ذاتی علم کے مطابق وہ بیرونی اشاروں پر حصول اقتدار کے پیچھے لگانے کی علامت کا شکار ہیں۔ دوسرے اپنی حکومت کے بننے کا اعلان کر کے وہ عوام کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں کہ میرے ساتھ مل جاؤ' میں ناگزیر ہوں۔ تیسرے وہ صنعت کاروں کو پکارتے ہیں کہ میری پارٹی کے لیے مال نکالو' آج مال نہ دو گے تو کل اقتدار میں آنے کے بعد تمہیں سیدھا کر دوں گا اور یہ سب تہدیدی فضا ہے' جو بھٹو اور ان کے ساتھی پیدا کر رہے ہیں۔ بھٹو صاحب کسی دوست کی غلط بخشی سے کبھی وزیر ہو جائیں تو الگ بات ہے' لیکن وہ اس ملک کے ماؤ کبھی نہیں ہو سکتے۔ اول تو انہیں ماؤ سے کوئی نسبت نہیں' ماؤ چین کا عظیم لیڈر اور بھٹو اس ملک کا یتیم لیڈر ہے۔

انہیں مشرقی پاکستان میں کوڑی کی حیثیت حاصل نہیں' بلوچستان میں ان کا سکہ نہیں' سرحد میں وہ اپنا پکا راگ چھیڑ کر بھی پٹھانوں کو مسحور نہیں کر سکتے۔ رہ گیا پنجاب' تو یہاں "نوجوانوں" کی ایک خاص جماعت میں ان کی آواز کا چرچا ضرور ہے لیکن یہ چرچا نور جہاں کی آواز کی طرح ہے۔ بھٹو یہاں سے سیاسی طاقت حاصل نہیں کر سکتے' پنجاب میں اپنی پارٹی کے ارکان ہی سے اندازہ کر لیں کہ ان کی حیثیت کیا ہے؟ اور وہ کس کینڈے کے لوگ ہیں؟

لیکن یہ بات ہم ضرور جانتے ہیں کہ انہوں نے ہر ضلع' ہر شہر' ہر قصبہ میں ان لوگوں کی اکثریت کو اپنے ساتھ ملا رکھا ہے' جو اپنے علاقے یا بازار میں اپنی قبیح عادتوں کے باعث عوام کی نگاہ میں ساقط الاعتبار ہیں' ان

نوجوانوں کو گالیاں بکنے میں تو کمال حاصل ہے۔ لیکن ان سے کسی سیاسی تنظیم کی آبرو کا قائم رہنا ناممکن ہے اور نہ یہ کسی سیاسی تحریک کے لیے سودمند ہو سکتے ہیں۔

جنرل اکبر خاں اس کیمپ کو ساتھ ملا کر پیپلز گارڈ بنانا چاہتے ہیں تو شوق سے بنا لیں۔ ہمارے پاس اس امر کی اطلاعات موجود ہیں کہ پیپلز پارٹی کے بزرجمہر ان تمام لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی سازش کرتے رہے اور کر رہے ہیں' جن کا ذکر جنرل اکبر نے کیا اور جو ان کی گالی گلوچ کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ لیکن جنرل اکبر خاں اپنے فوجی تجربے کے باوجود شاید اس حقیقت سے آشنا نہیں کہ فوج کے جوانوں کا جنرل ہونا اور بات ہے' عوام کی سیاسی کیمپ کا راہنما ہونا بالکل دوسری بات! اور وہ یہ بوجھ اٹھانا بھی چاہیں تو اٹھا نہیں سکتے۔ پیپلزپارٹی والے گالی خوب دے سکتے ہیں' گولی نہیں چلا سکتے' اور جس دن اس ملک میں اس کی نیو رکھی گئی وہ دن اس ملک کے لیے بدنصیبی کا آخری دن ہوگا اور ہم سمجھیں گے کہ جنرل اکبر خاں نے جو خواب راولپنڈی سازش کے ایام میں دیکھا تھا' اس کی تعبیر بہت دنوں بعد انہیں مل گئی ہے۔

اور اگر جنرل اکبر خاں نے کچھ سو گوریلے تیار کر لیے' جو ان لوگوں سے متعاقب رہے جن کا ذکر اکبر خاں نے بڑے کرب سے کیا ہے' تو اس کا نتیجہ ــــــ ایک طویل لیکن خونیں کشمکش ہوگا۔

کیا مودودی' نصر اللہ' تھانوی' شیر علی اور گورمانی کا سر اتارنے والے اپنے شانے پر سر رکھ سکیں گے۔ــــ ناممکن ـــــ

اکبر خاں بھولیں نہیں کہ جن لوگوں کی وہ چمڑی اتروانا چاہتے ہیں' انہوں نے چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں' ان کی یہ زندگی بیوی نہیں کہ ایک کو طلاق دی' دوسری کر لی ــــ زندگی ایک ہی دفعہ ملتی ہے' اور جو لوگ

اسلام کا نام لے رہے ہیں' وہ زندگی کو ہر کڑی افتاد میں گزارنا جانتے ہیں۔ وہ پہلے بھی طوفانوں سے گزرتے رہے اور اب بھی طوفانوں سے گزر سکتے ہیں' ان کے لیے صرف اللہ کی رضا کافی ہے"۔

(ہفت روزہ "چٹان" لاہور)

● "پیپلز پارٹی کے موسس و قائد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی "قادیانی دوستی" کی تاریخ بھی پرانی ہے۔ وہ جب وزیر خارجہ تھے تو یہ "انکشاف" اس وقت کی قومی اسمبلی میں ہوا کہ قادیانیوں کو سوا گیارہ لاکھ روپے کا زرمبادلہ دیا گیا ہے' جس سے وہ بیرون ملک مسلمانوں کو مرتد کرنے اور غیر مسلموں کو مسلمان بنا کر اپنے دائرے میں داخل کرنے کی مہم شروع کیے ہوئے ہیں۔

اس پر ملک بھر میں احتجاج ہوا' قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے خارج از اسلام ہونے کا مسئلہ اٹھا' لیکن وزارت خارجہ ٹس سے مس نہ ہوئی اور جہاں لاکھوں عازمین حج برسوں سے درخواستیں دینے کے باوجود زرمبادلہ کی کمی کے بہانے محروم حج کیے جا رہے تھے' وہاں قادیانیوں کو لاکھوں روپے زرمبادلہ دے دیا گیا۔

● مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ہی کی وزارت خارجہ کے زمانہ میں' یہ مسئلہ اٹھا کر حکومت پاکستان نے تو "اسرائیل" کو نہ تسلیم کیا اور نہ ہی اس ناپاک ریاست سے حکومت کا کسی بھی نوع کا تعلق ہے' بلکہ متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ کسی بین الاقوامی تقریب میں اگر اسرائیل کے کسی نمائندے نے شرکت کی تو پاکستان نے اس کا بائیکاٹ تک کر دیا۔ مگر چراغ تلے نہیں سورج تلے یہ اندھیرا کہ قادیانیوں کا ایک "مشن" اسرائیل میں موجود ہے اور اس کا تعلق "ربوہ سٹیٹ" سے ہے"۔

(ہفت روزہ "المنبر" ص 3' ج 15' ش 46' 25 دسمبر 1970ء)

● 1970ء کے انتخابات کے نتائج پر قادیانی جماعت نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ کیونکہ جس سیاسی پارٹی کو انہوں نے سپورٹ کیا' اسے بلاشبہ تاریخی کامیابی ہوئی لیکن یہ کامیابی صرف قادیانی جماعت کی مرہون منت نہ تھی بلکہ یہ عوامی سیلاب اور

رجحان کا نتیجہ تھا۔ البتہ کادیانی جماعت نے اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر پیپلز پارٹی کی کامیابی کے لیے حصہ لیا۔ کادیانیوں نے عام انتخابات میں اپنی من پسند سیاسی جماعت کی کامیابی پر فخر و غرور کا جو مظاہرہ کیا۔ کادیانی رسائل و اخبار اس کے گواہ ہیں۔ مولانا عبدالرحیم اشرف نے اس کامیابی پر کادیانیوں کی تحریروں اور تقریروں کے حوالہ جات یکجا کر کے یہ ثابت کیا کہ کادیانیوں نے اس کامیابی پر کس قدر خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

۱۳ انتخابات میں کامیابی پر کادیانیوں کا فخر و غرور

"پیپلز پارٹی" کے موسس و قائد' مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے' ایوبی حکومت سے علیحدگی کے بعد قادیانیوں سے رشتہ مستحکم کر لیا۔ انہوں نے 70ء کے اوائل میں کادیانی امیر المومنین سے ملاقات کی اور جب اخبار نویسوں نے سوالات کیے تو انہوں نے برملا کہا کہ کادیانی سربراہ سے ملاقات ہوئی اور آئندہ بھی ملاقاتوں کا ارادہ ہے۔۔۔۔۔۔۔ یہی نہیں' چیئرمین بھٹو صاحب نے' پیپلز پارٹی میں میاں محمود علی قصوری صاحب کی شرکت کے موقع پر دو باتیں بہت کھل کر کہیں۔

ایک تو یہ کہ:

○ انہیں عقیدے کے اعتبار سے سوشلسٹ ہوں اور بندوق کی نالی کے ذریعہ کوئی بھی اس عقیدے کو بدل نہیں سکتا اور میرا پختہ یقین ہے کہ پاکستان کے اقتصادی اور زرعی مسائل کو حل کرنے کے لیے یہاں سوشلسٹ نظام لانا اور آزاد خارجہ پالیسی اختیار کرنا از بس ضروری ہے۔

("نوائے وقت" 29 جولائی 70ء)

اس سوال کے جواب میں کہ کیا پیپلز پارٹی' قادیانیوں کو "غیر مسلم

اقلیت" قرار دے گی؟ انہوں نے فرمایا:

○ "ہماری جماعت پیپلز پارٹی "ترقی پسند" ہے۔ جس میں "اس قسم کے مسئلوں" کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے"۔

("نوائے وقت" 29 جولائی 70ء)

اور اس کے ساتھ عملاً انہوں نے

❑ بارہا اس کی مذمت کی کہ مسلمان کہلانے والوں کو کافر قرار دیا جائے۔

❑ پیپلز پارٹی نے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ٹکٹ قادیانیوں کو بھی دیے۔ چنانچہ متعدد قادیانی کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔

بحیثیت مجموعی' پیپلز پارٹی کی پیش از توقع کامیابی اور چند نشستوں پر قادیانیوں کا فائز ہونا' قادیانیوں کے نزدیک ایک ایسا واقعہ ہے' جو نہ صرف پاکستان کے علماء دین' اسلام پسند پارٹیوں اور قادیانی امت سے اختلاف رکھنے والوں کی شکست فاش کی حیثیت سے اہم ہے بلکہ قادیانی حسب معمول' پیپلز پارٹی کی کامیابی کو مرزا غلام احمد قادیانی کی صداقت کی دلیل بھی تصور کرتے ہیں اور اس باب میں' ربوہ کی جارحیت پسند جماعت (جو تمام دنیا کے مسلمانوں کو علی الاعلان کافر کہتی اور تمام مسلمان حکومتوں کو نامسلم حکومتیں قرار دیتی ہے) اور لاہور جماعت دونوں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں ہیں۔ چنانچہ لاہور جماعت کے ترجمان (پیغام صلح" نے انتخابی نتائج پر اظہار رائے کرتے ہوئے "17 دسمبر 1970ء کے دن پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے" کے زیر عنوان کہا:

○ 17 دسمبر 1970ء کے دن پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے' جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان لوگوں کو جو کلمہ گو اور خدام اسلام مسلمانوں کو کافر قرار دے کر اقتدار حاصل کرنا چاہتے تھے' ایسا

نیچا دکھایا کہ جس کی بظاہر حالات امید نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک طرف 313
مولویوں کے فتوے کہ پیپلز پارٹی کے سربراہ جناب ذوالفقار علی بھٹو اور ان
کے حامی کافر ہیں اور ان کا ساتھ دینا اپنے کفر پر مہر لگاتا ہے اور دوسری
طرف وہ پارٹیاں جن کے سربراہ اپنی وجاہت اور اثر و رسوخ کی وجہ سے
عوام میں زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ اپنے آپ کو "اسلام پسند" کہہ کر اور
"اسلام خطرے میں ہے" کے نعرے لگا کر عوام کو جناب بھٹو کے خلاف
مشتعل کر رہے تھے اور اس ضمن میں انہیں احمدیوں سے مدد لینے کا
مرتکب قرار دے کر اس نام نہاد خطرے کو اور زیادہ بھیانک بنا رہے تھے'
وہ ایسی ذلیل و خوار ہوئیں کہ قدرت خداوندی کے آگے خواہ مخواہ سر جھک
جاتا ہے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ جماعت اسلامی کے سربراہ مولانا مودودی جو
حصول اقتدار کے لیے تیس سال سے مسلسل جدوجہد کر رہے تھے اور
انتخابات میں فتح حاصل کرنے کے لیے تحریر و تقریر اور سیم و زر کے ذریعہ
سے عوام کے دلوں کو جیتنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے اور انہیں یقین
تھا کہ جماعت اسلامی کے تمام امیدوار اپنے حلقوں میں بھاری اکثریت سے
ووٹ حاصل کر لیں گے۔ انہیں اپنے ہی حلقہ کے نائب امیر میاں طفیل محمد
سمیت تمام جگہ ۔۔۔۔ ایسی زبردست ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جس کی نظیر ملنی
مشکل ہے' کون کہہ سکتا تھا کہ جمعیت العلمائے پاکستان اور جمعیت العلماء
اسلام کی دو زبردست پارٹیاں جو اپنے دینی علوم کی وجہ سے عوام میں خاص
اثر رکھتی تھیں اور جن کے فتاویٰ کفر جلتی پر تیل کا کام دے سکتے تھے'
نہایت بری طرح ناکامی کا منہ دیکھیں گے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ ڈاکٹر سر محمد
اقبال کا صاحبزادہ جاوید اقبال جو اپنی وجاہت و قابلیت کے علاوہ اپنے والد
ماجد کے نام پر کاسہ گدائی لے کر ووٹوں کی بھیک مانگ رہا تھا اور ساتھ ہی
احمدیوں کو کافر اور مرتد کہہ کر اور ان کی وجہ سے پاکستان کو خطرہ میں قرار

دے کر عوام کو مشتعل کر رہا تھا۔ تمام پارٹیوں کی حمایت کے باوجود ناکام ہو کر رہ جائے گا۔

جہاں یہ صورت حال ہو اور تمام جماعتیں اور انتخابی پارٹیاں مل کر نہ صرف مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو کافر و مرتد ٹھہرا کر اسے شکست دینے کے درپے ہوں بلکہ اس ضمن میں جماعت احمدیہ کے متعلق بھی اس قسم کے ناپاک ارادے رکھتے ہوں جیسا کہ مودودی جمعیت العلماء اور جمعیت اہلحدیث کے بیانات سے ظاہر ہے' وہاں کسے توقع ہو سکتی تھی کہ ان تمام جمعیتوں اور تمام انتخابی پارٹیوں کے مقابلہ میں ایک اکیلا ذوالفقار علی بھٹو تمام انتخابی حلقوں میں سب پر فوقیت لے جائے گا۔ اور اسے پنجاب' سندھ اور سرحد کی سیٹوں میں غالب اکثریت حاصل ہوگی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ محض اس بات کا نتیجہ ہے کہ اس شخص نے کسی پارٹی اور کسی جمعیت کے فتویٰ کفر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تمام کلمہ گوؤں کو مسلمان سمجھنے کا اعلان کر دیا تھا۔ خدا کو اس کی یہ ادا پسند آگئی اور نہ صرف بچہ بچہ کی زبان پر مسٹر "بھٹو" کا نام ایک وظیفہ آسمانی کی طرح جاری تھا' بلکہ حق و باطل کے اس معرکہ میں جو 7 دسمبر کو پیش آیا تمام کفرباز پارٹیوں کو ان کی ہر قسم کی جدوجہد کے باوجود عبرتناک ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ایسی شاندار کامیابی حاصل ہوئی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے کون کہہ سکتا تھا کہ مولوی مودودی اور اس کی جماعت اسلامی کو بایں نام و نمود اور لکھو کھا روپیہ صرف کرنے کے باوجود قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ مرکزی جمعیت العلماء اسلام جس کے 313 مولویوں نے مسٹر بھٹو پر کفر کے فتوے دیئے؟ عوام پر اپنا اتنا اثر کھو دے گی کہ پنجاب میں اس کو ایک بھی سیٹ نہ مل سکی اور کس کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ علامہ اقبال کا فرزند بایں نام و نمود

اور تمام پارٹیوں کی حمایت کے باوجود مسٹر بھٹو کے مقابلہ میں بری طرح شکست کھا جائے گا اور ایسا ہی جمعیت اہل حدیث کی خواہیں اضغاث و احلام بن کر رہ جائیں گی۔

آج ان نتائج کو دیکھ کر مامور الٰہی کا وہ الہام ہمارے سامنے آ گیا جس میں اس آنے والی حقیقت کا اظہار پہلے سے کر دیا گیا تھا کہ سب مولوی ننگے ہو گئے۔ اور یہ بھی اطلاع دی گئی تھی کہ

قادر کے کاروبار نمودار ہو گئے

کافر جو کہتے تھے وہ گرفتار ہو گئے

فی الواقعہ یہ قادر کے کاروبار ہیں' جس نے تمام کافر کہنے والوں کو گرفتار بلا کر دیا اور کفر کو مولویوں کے جبہ و دستار عوام کے سامنے اس طرح اتر گئے کہ وہ کھلا ننگے ہو کر رہ گئے اور معلوم ہو گیا کہ ان کا علم و فضیلت عوام کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ کاش وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے نظریات اور کردار کو سنوار کر اور کلمہ گوؤں کی تکفیر سے توبہ کر کے اپنی کھوئی ہوئی پوزیشن کو دوبارہ حاصل کر سکیں۔

(پیغام صلح" 23 نومبر 1970ء)

اہل ربوہ کا ترجمان روزنامہ "الفضل" انتخابات میں اسلام پسندوں کی شکست کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

○ "احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے کا دعویٰ بھی ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ نے اس پر سخت برا منایا اور اس کو ہدف اعتراض بنایا۔ یہاں تک کہ اس جماعت کے امیر کی قیادت ان کے نزدیک سخت مجروح ہو گئی اور یہاں تک بھی کہا گیا' جس کو غالب دہلوی نے نہایت فصیح و بلیغ طریقے سے مندرجہ ذیل شعر میں بیان کیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

غالب کساں ز جہل حکیمش گرفتہ اند

بے دانشے کہ طعنہ بر اہل کتاب بود

یعنی اے غالب بعض لوگوں نے جہالت سے ایسے بے وقوف کو جس نے اہل کتاب پر طعنہ کیا ہے' حکیم قرار دے رکھا ہے۔

بے شک یہ تفرقہ بڑی حد تک اسلام پسندوں کی شکست کا باعث ہے مگر یہ تو ظاہر اور واضح بات ہے جس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر جو بات اسلامی قانون کی داعی جماعتوں کی ہزیمت کی فی الواقعہ بنی ہے' وہ یہ ہے کہ جس جماعت کے خلاف یہ نام نہاد محاذ بنایا گیا ہے' اس کا منشور واضح تھا اور وہ تھا معاشی مسئلہ' جس کا جواب اسلام پسندوں کے پاس کوئی نہیں تھا۔

"پاکستان کے لوگ خواہ کتنے بھی مسلمان ہوں مگر وہ اس دور کے تلخ حقائق سے بے حس نہیں ہو سکتے۔ آج تمام دنیا میں معاشی مسئلہ تمام مسائل سے زیادہ اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ اور جو سیاسی پارٹی اس مسئلے کے حل کے لیے کوئی واضح اور ایسا ٹھوس پروگرام نہ پیش کر سکے جو مزدور اور غرباء کی سمجھ میں آ سکے' یہ ممکن نہیں ہے کہ صرف مذہب کے نام پر ان سے کامیاب اپیل فائدہ دے سکے"۔

("الفضل" 19 دسمبر 1970ء)

○ ہفت روزہ "لاہور" ہفت روزہ "پیغام صلح" روزنامہ "الفضل" کے طویل اقتباسات آپ ملاحظہ فرما چکے' ماہنامہ "الفرقان" ربوہ کے مختصر مگر معنی خیز "اعتراف" اور انبساط کی ایک جھلک دیکھئے' مدیر "الفرقان"

لکھتے ہیں۔

"موجودہ انتخاب کے نتائج پر اللہ تعالٰی کی خاص قدرت نمائی تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اہل کے تمام اندازے' مولوی صاحبان کے تمام منصوبے اور سرمایہ داروں کی تمام کوششیں سراسر بیکار ہو کر رہ گئیں اور اللہ تعالٰی نے ملک کے عوام کے دلوں پر خاص تصرف فرمایا اور انہیں مستقبل کی بہتری کی خود رہنمائی فرمائی ہے"۔

متعصبانہ اعتراض

ان حالات میں مدیر "زندگی" کا یہ بیان سراسر تعصب پر مبنی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

○ "ہر بڑے اور چھوٹے مقام پر دیکھا گیا ہے کہ جماعت احمدیہ ایک منظم سازش کے ذریعے پیپلز پارٹی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا رہی ہے۔ احمدیہ جماعت کو اس ملک میں سیاسی حقوق حاصل ہیں"۔

(صفحہ 5)

ہم پوچھتے ہیں کہ جب جماعت احمدیہ کو بھی سیاسی حقوق حاصل ہیں تو اس نے پیپلز پارٹی کی حمایت کی تو مدیر "زندگی" کو اس میں "منظم سازش" کس طرح دکھائی دیتی ہے؟ یہ تو محض "قلم در کف دشمن" والی بات ہے۔ لگے ہاتھوں ان سب سے زیادہ مستند شخصیت مرزا غلام احمد کے پوتے' قادیانی امت کے امیر المومنین مرزا ناصر احمد' جو مسند خلافت پر متمکن ہونے کے معاً بعد سے اب تک "قادیانی عالمی حکومت" کا خواب مسلسل دیکھ اور بیان کر رہے ہیں۔ انہوں نے انتخابی نتائج پر ایک زوردار تقریر کی'

جس کی مفصل رپورٹ تو کسی دوسرے وقت پیش کی جائے گی' اس وقت اس تفصیلی تقریر کے چند جملے پیش خدمت ہیں۔ مرزا ناصر احمد نے فرمایا:

○ "انتخابات میں پاکستان کی نئی نسل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہماری مدد کی اور ہمارے جو مخالف عنصر جماعت احمدیہ کے لیے مشکلات پیدا کرنا اور ہمارے لیے اس ملک میں زندگی بسر کرنا دوبھر بنانا چاہتے ہیں ان کے منصوبوں کو ناکام بنا دیا ہے"۔

(تقریر 26 دسمبر' جلسہ سالانہ ربوہ "مشرق" 27 دسمبر ص 8)

انہوں نے "فاتحانہ" جوش و خروش سے فرمایا:

○ انتخابات میں ملک کے عوام نے اس بات کا فیصلہ دے دیا ہے کہ وہ پاکستان کے فرقہ وارانہ اختلافات کی بنا پر جنگی کیمپوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کو برداشت نہیں کریں گے۔ مختلف گروہوں کی جانب سے احمدیوں کو مشکلات اور مصائب میں ڈالنے کی کوشش سے ہم ہرگز بددل نہیں ہوں گے اور خدا کی جانب سے ہم پر جو فرائض عائد ہیں ان کی انجام دہی کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے۔

انہوں نے فاخرانہ انداز میں کہا:

"احمدی فرقہ کو خدا کی خوشنودی اور حمایت حاصل ہے' اس لیے دنیا کی کوئی طاقت یا تمام طاقتیں مل کر بھی ہماری تحریک کو ختم نہیں کر سکتیں"۔

("مساوات" 27 دسمبر 70ء ص 8)

مدیر "الفضل" سے خلیفہ ناصر تک' کی یہ لن ترانیاں اور انتخابات میں منافقانہ سازشوں سے' ایک ادنیٰ سی کامیابی پر یہ اظہار فخر و غرور' اہل خرد

اور بالخصوص "قادیانیت" کو ارتداد یقین کرنے والوں اور قادیانی امت کو استعمار کی خوفناک بین الاقوامی' سازش سمجھنے والوں کے لیے بہت بڑا عبرت انگیز واقعہ ہے ـــــ لیکن کیا یہ لوگ عبرت پکڑیں گے؟.....

(بہ شکریہ ہفت روزہ "المنبر" لائل پور' ص 3-4' ج 15' ش 43' یکم جنوری 1971ء)

● مولانا موصوف قادیانیوں کے مزید حوالے پیش کر کے تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قادیانی امت ایک سیاسی جماعت کے قالب میں!

ربوہ کے سالانہ جلسہ میں' قادیانیوں نے پیپلز پارٹی کی فتح اور "اسلام پسند" جماعتوں کی شکست پر جس طرح اظہار مسرت کیا ہے' اس کی تفصیلات کا تو یہ موقع نہیں' اجمالاً اتنا عرض کر دینا کافی ہو گا کہ تاریخ قادیانیت میں پہلی مرتبہ' یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ اس امت نے عملی سیاست میں حصہ لیا ہے۔ اس اظہار کی جرات تو اس لیے ہوئی ہے کہ پیپلز پارٹی کامیابی سے ہمکنار ہو چکی تھی۔ رہا اس کامیابی پر فخر اور اسے مرزا غلام احمد قادیانی کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرنا تو یہ ایک ایسی دلیل ہے جو قادیانیوں کے خمیر میں رچ گئی ہے۔ اگر مرزا غلام احمد اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے "ہندوؤں" کی لن ترانیوں اور لالہ کیوڑا مل کی شہادتوں پر انحصار کر سکتے ہیں' تو مرزا ناصر کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے لیے تو یہ بڑے اعزاز کی بات ہو گی کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کی کامیابی کو اپنے دادا کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کریں اور "پیغام صلح" کا فر جو سکتے تھے گرفتار ہو گئے' کی قادیانی آیت کی سرخی جمائے۔

"قادیانی آیت" صرف ایک محاورہ ہی نہیں' اس کی ایک واقعیت بھی ہے۔ "پیغام صلح" نے پارٹی کی فتح اور "اسلام

پسندوں" کی شکست پر "ادارتی نوٹ" کی سرخی مرزا غلام احمد
کے ایک شعر کے مذکورہ بالا مصرعے کی جمائی۔ ازاں بعد جنوری
71ء کے شمارہ میں لکھا کہ ایک سابقہ اشاعت میں ہم نے کفر
کی احمدیوں کے خلاف پیہم کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے
انتخابات میں ان کی شکست کے پیش نظر حضرت مسیح موعود کا یہ
"الہامی شعر" نقل کیا تھا۔

قادر کے کاروبار نمودار ہو گئے
کافر جو کہتے تھے گرفتار ہو گئے

ایک دوست کا کہنا ہے کہ اس شعر کی ایک ... بھی
... ہے

قادر کے کاروبار نمودار ہو گئے
کافر جو کہتے تھے نگونسار ہو گئے

("پیغام صلح" 6 جنوری 71ء ص 4)

○ مرزا ناصر احمد نے اپنی طویل ترین تقریر میں "انتخابات اور سیاسیات کے عنوان پر بہت کچھ کہا۔ ان کے "چند جملے یہ تھے" ایک تحریک میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خواہش کو پورا کرنے کے لیے جماعت کے سامنے یہ رکھی تھی کہ کوئی احمدی بھوکا نہ رہے..... حال ہی میں ملک میں جو انتخابات ہوئے ہیں ان میں پاکستان کی نوجوان نسل نے بھی میری اس سکیم کو جو میں نے کئی برس پہلے جاری کی تھی، پورا کرنے کا اعلان کر دیا ہے اور اپنی خواہش کا اظہار کر دیا ہے کہ پاکستان کا نظام حکومت ایسا ہونا چاہیے، جس میں کوئی شخص بھوکا نہ رہے۔

("الفضل" 7 جنوری 71ء ص 8)

گویا پیپلز پارٹی کے حق میں جن لوگوں نے ووٹ دیے ہیں، انہوں نے

مرزا ناصر احمد کی تحریک کو کامیاب بنانے میں اہم پارٹ ادا کیا ہے یا بالفاظ دیگر پیپلز پارٹی کی کامیابی، مرزا ناصر احمد کی اس تحریک اور تنظیم کی کامیابی ہے، جو انہوں نے "کئی برس پہلے جاری کی تھی"۔

کادیانی امت کی شاخ، ضلع لائل پور کے امیر، محمد احمد ایڈووکیٹ نے 2 جنوری کو ایک پریس کانفرنس میں فرمایا۔

"انتخابات سے قبل، جماعت احمدیہ کے ارکان نے کونسل لیگ میں شامل ہونے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں میاں ممتاز خان دولتانہ سے کہا ہے کہ وہ صرف یہ اعلان کر دیں کہ احمدی کونسل لیگ کے ممبر بن سکتے ہیں۔ لیکن وہ مسلسل خاموش رہے۔ ان سے مایوس ہونے کے بعد ہمیں کسی سہارے کی ضرورت تھی، اس لیے ہم نے پیپلز پارٹی کے رہنماؤں سے رابطہ پیدا کیا، تو انہوں نے ہمیں مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ اس بناء پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں احمدیوں نے پیپلز پارٹی کا بھرپور ساتھ دیا"۔

("مشرق" 3 جنوری 1971ء صفحہ آخر)

○ کادیانی جماعت کے "مذہبی گروپ" کے ایک قائد، مدیر "الفرقان" ربوہ ابو العطاء اللہ دتہ جالندھری فرماتے ہیں۔

"پاکستان قومی اسمبلی کے انتخابات مکمل ہو چکے ہیں۔ جملہ نتائج سامنے آ چکے ہیں، ان نتائج کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ کی عجیب شان نظر آتی ہے۔

"موجودہ انتخاب کے نتائج پر اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت نمائی تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہ جاتا، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اہل سیاست کے تمام اندازے مولوی صاحبان کے

منصوبے اور سرمایہ داروں کی تمام کوششیں سراسر بیکار رہ گئیں
اور اللہ تعالیٰ نے ملک کے عوام کے دلوں پر خاصا تصرف فرمایا
اور انھیں مستقبل کی بہتری کی خود راہنمائی فرمائی ہے"۔

("الفرقان" ربوہ' دسمبر 1970ء' ص 2)

○ مزید ارشاد ہوتا ہے ___ عنوان ہے ___ "کرشمہ قدرت" اور
فرماتے ہیں:

"قومی اسمبلی کے انتخابات بخیر و خوبی ہو گئے ہیں' نتیجہ یہ
ہے کہ پیپلز پارٹی کو غیر معمولی اکثریت کے ساتھ شاندار اور خیرہ
کن فتح حاصل ہوئی ہے"۔

("الفرقان" ربوہ' ص 5)

انکوائری رپورٹ کی توثیق

قادیانیوں کی روش' اسلامی ممالک سے دشمنی اور برطانوی حکومت کے
مظالم کی حمایت' اتنی واضح ہے اور مسلم ممالک کے برطانیہ کے علاقہ جات
بنائے جانے پر قادیانیوں کا اظہار مسرت' اتنا سنگ دل اور مسلمانوں کے
لیے موجب اشتعال ہے کہ فسادات پنجاب کی تحقیق کرنے والے' جج
قادیانیوں کی بے جا حمایت کے باوجود اس پر خاموش نہ رہے اور انھیں
مجبوراً کہنا پڑا۔

"جب پہلی جنگ عظیم میں (جس میں ترکوں کو شکست ہو گئی
تھی) بغداد پر 1918ء میں انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور قادیان میں
اس فتح پر جشن مسرت منایا گیا تو مسلمانوں میں شدید برہمی پیدا
ہوئی اور احمدی انگریزوں کے پٹھو سمجھے جانے لگے"۔

(انکوائری رپورٹ' ص 205 تا 208)

ان تفصیلات سے یہ بات دلائل و حقائق اور واقعات و شواہد سے ثابت ہو گئی کہ جنگ عظیم اول میں قادیانیوں نے

1 گورنمنٹ برطانیہ کے لیے جاسوسی کا فرض انجام دیا۔

2 مسلم ممالک پر برطانوی استعمار کے تسلط کے لیے' خاندان نبوت کاذبہ تک کے افراد نے برطانوی فوج میں بھرتی کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔

3 خطہ عرب کے جملہ ممالک' عراق' مصر' شام' شرق اردن اور سعودی عرب پر برطانوی استیلا اور وہاں کے مسلمانوں کے قتل عام کی قادیانیوں نے پرزور حمایت کی۔

4 جب ان ممالک اور اسلامی بلاد پر ملعون برطانوی حکومت کا قبضہ مکمل ہوا اور صلیبی پرچم ان ملکوں پر لہرایا' تو قادیان میں اس پر مسرت کا اظہار کیا گیا' چراغاں کیا گیا اور جشن ہائے مسرت منائے گئے۔

بعینہ یہی صورت' پاکستان میں انتخابات کے موقعہ پر مشاہدے میں آئی ہے۔ انتخابات سے قبل قادیانی امت' "اسلامی سوشلزم" کی علمبردار "پیپلز پارٹی" کی حمایت میں جوش عمل کرتی ہے۔ پیپلز پارٹی کے جلسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے' کارکن مہیا کیے جاتے ہیں اور دامے درمے قدمے اور سخنے ہر پہلو سے پیپلز پارٹی کی حمایت کی جاتی ہے۔ انتخابات شروع ہوئے تو مسلم ممالک پر یورش کے مرحلے میں قادیانی امت نے انگریزوں کی مدد' فوجی بھرتی اور پراپیگنڈے سے کی' اس طرح انتخابی پولنگ سٹیشنوں پر قادیانی کارکنوں' بالخصوص قادیانی عورتوں نے جوش عمل یا قادیانی اصطلاح کے مطابق' وقار عمل کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ حد یہ ہے کہ انتخابی قوانین پامال اور یہاں تک دھاندلی کی کہ لائل پور اور متعدد دوسرے مقامات پر عورتوں کے پولنگ سٹیشن کئی گھنٹے تک معطل رہے اور جب پیپلز پارٹی کو فتح حاصل ہوئی

تو 1917ء کی طرح ہی جشن فتح منایا گیا اور اس کی جھلکیاں ربوہ کے سالانہ جلسہ میں ہزاروں سینوں پر آویزاں پیپلز پارٹی کے بیجز اور متعدد کاروں پر پیپلز پارٹی کے جھنڈوں کی صورت میں دیکھی گئیں۔

ادھر برطانوی استعمار کی یہ ایجنسی اور اس طرح اسلامی سوشلزم کی یہ دلالی قادیانیوں کے استعماری خمیر کی کس طرح عکاسی کرتی ہے۔ اہل دانش کے لیے سوچنے کا ایک عنوان ہے۔ اے کاش کہ کوچہ سیاست کی خاک چھاننے والے ان عمیق اشاروں کو سمجھیں اور انتخابات کے بعد بیکنگ ریڈیو نے پیپلز پارٹی اور اس کے معزز قائد ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں جو حیرت انگیز مداحی اختیار کی ہے' اس کی روشنی میں صورت حال کا جائزہ لیں۔"

(ہفت روزہ "المنبر" لائل پور' ص 3-4' ج 15' ش 44' 15 جنوری 1971ء)

مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور قادیانی جماعت

وطن عزیز کو دو لخت کرنے میں قادیانی جماعت نے گھناؤنا کردار ادا کیا۔ مشرقی پاکستان سے لے کر بنگلہ دیش کے قیام تک کی المناک داستان بڑی طویل ہے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ پاکستان کے خلاف ایک گہری اور بھیانک بین الاقوامی سازش تھی۔ صدر محمد ایوب خان مرحوم کا دس سالہ دور بلاشبہ اقتصادی ترقی اور زرعی خوشحالی کا تابناک دور تھا۔ فوجی حکمران ہونے کے ناطے صدر ایوب خان نے پاکستان کو جنگی اور دفاعی لحاظ سے مضبوط کیا۔ عالمی طاقتوں نے بھارت کو اپنے ساتھ ملا کر ہمسایہ ملک چین کے خلاف محاذ بنانا چاہا' لیکن ہندوستان نے یہ موقف اور استدلال اختیار کیا کہ وہ خود مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ عالمی طاقتیں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئیں کہ پاکستان کے دونوں بازوؤں میں سے ایک بازو کاٹ کر ہی چین کے گرد حصار بنایا جا سکتا ہے۔ بڑی طاقتوں' بالخصوص' امریکہ اور روس نے صدر ایوب خان پر

پاکستان اور بھارت کے مشترکہ دفاع پر زور ڈالا' لیکن پاکستان نے یہ تجویز ماننے سے انکار کر دیا۔ 1965ء کی جنگ انہی سپر طاقتوں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ مقصود یہ تھا کہ مغربی حصہ کی سالمیت کو نقصان پہنچنے کے بعد مشرقی حصہ خود بخود علیحدہ ہو جائے گا۔ منصوبہ یہ تھا کہ مغربی پاکستان کی وحدت کو کمزور کیا جائے تاکہ مشرقی پاکستان پر حکومت اور انتظامیہ کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے اور پھر مشرقی پاکستان میں انکی پشت پناہ عناصر اور عوامل کو کھل کر کام کرنے کا موقع میسر آئے۔ پاکستان کو دو لخت کرنے میں بڑی طاقتوں نے کیا کیا حربے استعمال کیے اور وطن عزیز کے نظریاتی دشمنوں سے کس طرح کام لیا؟ اس پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ متحدہ پاکستان سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب اور واقعات پر مشتمل چند ایک تصنیفات منظرعام پر آ چکی ہیں' جن میں ایک اہم دستاویز حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ ہے' جو عوام کے پرزور اصرار کے باوجود ابھی تک منظرعام پر نہیں آ سکی۔ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دور سے لے کر ان کی بیٹی بیگم بے نظیر بھٹو کے دور تک مختلف سیاسی حلقوں کی جانب سے "وقتاً فوقتاً" یہ مطالبہ کیا جاتا رہا کہ حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ شائع کی جائے تاکہ عوام اصل حقائق سے آگاہ ہو سکیں اور پاکستان کو دو لخت کرنے والے حقیقی مجرموں کے چہرے بے نقاب ہو سکیں۔

تاہم یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان کی علیحدگی میں پاکستان کے نظریاتی دشمنوں نے غیر ملکی آقاؤں کے اشاروں پر منظم طریقے سے اپنا کردار ادا کیا۔ پاکستان کے نظریاتی دشمنوں میں جماعت احمدیہ سرفہرست ہے' جس کے مذموم کردار کو کسی طور پر بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔ مشرقی پاکستان میں کادیانی جماعت اور اس کے ممبروں نے غلط اقتصادی پالیسی اور ناقص منصوبہ بندی کے ذریعہ بنگالیوں میں احساس محرومی پیدا کیا' جسے بعد میں ایکسپلائٹ کیا گیا' جس کے نتیجہ میں بنگلہ دیش معرض وجود میں آیا۔

- مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی اصل بنیاد معاشی ناہمواری اور اقتصادی بے

انصافی تھی' جیسا کہ مولانا عبدالحکیم ایم۔ این۔ اے نے قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"مشرقی پاکستان والوں کی ناراضگی اقتصادی تھی۔ ان کے سامنے پراپیگنڈہ کیا گیا کہ ان کے صنعتوں اور کارخانوں میں حقوق مارے گئے' جس سے نفرت پیدا ہوگئی اور زبان کا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ اسے الیکشن سٹنٹ بنا لیا گیا' مظاہرے ہوئے' جلوس نکالے گئے۔ جو شہید ہوئے ان کی یادگاریں قائم کی ہیں۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی پاکستان کو اس ملک سے جدا کر دیا گیا"۔

(ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور' جلد 15' شمارہ 45' 8 دسمبر 1972ء)

● مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب حسب ذیل تھے:

○ ناقص اقتصادی پالیسیاں

○ غلط منصوبہ بندی

○ ہندو لابی کا منظم پراپیگنڈہ

○ اقتدار کی منتقلی میں رکاوٹ

○ شکوک و شبہات

1965ء کی پاک بھارت جنگ بڑی طاقتوں کی عدم دلچسپی کے نتیجہ میں ہوئی' جس کے بعد مشرقی پاکستان میں علیحدگی کی تحریک کو پوری شدومد سے پروان چڑھایا گیا۔۔۔۔ بنگالیوں میں اس تاثر کو بانٹا اور عام کیا گیا کہ مغربی پاکستان ہی ہمارے استحصال کا ذمہ دار ہے۔ مشرقی پاکستان میں پیدا شدہ احساس محرومی اور ان کی شکایات کا ذمہ دار قادیانی جماعت کا سرغنہ ایم۔ ایم۔ احمد تھا' جو پاکستان کی اقتصادی پالیسیوں کی تراش خراش کا بے تاج بادشاہ تھا۔ ایم۔ ایم۔ احمد نے اپنے سامراجی آقاؤں کے تشکیل منصوبہ بندی کمیشن میں ڈپٹی چیئرمین کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کے لیے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ بنگالی عوام معاشی بدحالی اور مہنگائی کے ہاتھوں بیزار ہو کر ہمارے

دشمن ہوگئے ۔۔۔ مشرقی پاکستان کی ہندو اور قادیانی لابی نے بنگالیوں کو اکسانے اور ابھارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کی حیثیت سے ایم۔ ایم۔ احمد سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا۔ ایم۔ ایم۔ احمد نے من مانی کی پالیسی اختیار کی اور

○ مشرقی پاکستان کے سیلاب زدگان و مصیبت زدگان کو سرکاری امداد سے محروم رکھ کر حکومت اور مغربی پاکستان کے عوام کو معتوب کیا۔

○ دفاعی لحاظ سے مشرقی پاکستان کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہ کی' بلکہ ہمارے مشرقی بازو کو دفاعی طور پر اپاہج بنا دیا۔

○ مشرقی پاکستان بحریہ کے لیے جدید اسلحہ' آبدوزیں اور دوسرا متعلقہ سامان خریدنے سے ارادتاً گریز کیا گیا' حالانکہ ان کی خریداری کے لیے رقم مخصوص کرائی گئی تھی۔

○ مشرقی پاکستان سمیت مغربی پاکستان کے مختلف یونٹوں میں منافرت اور بداعتمادی پیدا کر کے ون یونٹ کو ناکام بنایا گیا۔

قادیانی جماعت کی لابی اور حکومت میں اقتصادی شعبہ کے سربراہ ایم۔ ایم۔ احمد نے شروع سے ہی یہ پراپیگنڈہ جاری رکھا کہ مشرقی پاکستان ہمارے لیے بوجھ ہے اور اس کی علیحدگی ہماری ترقی کا ذریعہ ہے۔

● جمعیت علماء پاکستان کے پارلیمانی قائد مولانا شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں:

"20 مارچ 1971ء کو آرام باغ کے جلسہ میں میں نے اعلان کیا تھا کہ اس ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش تیار ہو چکی ہے۔ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور ایم۔ ایم۔ احمد قادیانی باقاعدہ یہ کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان ہمارے لیے بوجھ ہے' اس کا علیحدہ ہونا ہی ہمارے لیے ترقی کا ذریعہ ہوگا ورنہ ہم اسی طرح تباہ ہو جائیں گے"۔

(ماہنامہ "تنظیم اہلسنت" اگست 1972ء)

● امریکہ پاکستان کو اقتصادی اور فوجی امداد دینے کے پیش نظر اسے اپنا طفیلی

ملک سمجھتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ہر حکومت میں اس کا مہرہ امریکہ کے مفادات کے لیے سرگرم عمل دیکھا گیا ہے۔ ایم۔ ایم۔ احمد بلاشبہ امریکی سامراج کا پٹھو اور مہرہ تھا' اس لیے اس کو منصوبہ بندی کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے تعینات کیا گیا' حالانکہ اہلیت اور کارکردگی کے لحاظ سے مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد کی خدمات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ایم۔ ایم۔ احمد پاکستان کی کسی جماعت کا نمائندہ نہ تھا' اسے فقط قادیانی جماعت کا اعتماد حاصل تھا یا پھر وہ وفاداری بشرط استواری کے تحت امریکی حکومت کے اشاروں پر کام کرتا تھا۔ مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد کا کردار ڈھکا چھپا نہ تھا' وہ امریکی حکومت کی ہدایات اور جماعت احمدیہ کے سربراہ کے حکم پر جو کچھ کرتا رہا' وہ سبھی کچھ شیخ مجیب الرحمٰن کے علم میں تھا۔ اسی بنا پر شیخ مجیب الرحمٰن نے کھلے بندوں ایم۔ ایم۔ احمد کو اس بڑی ذمہ داری سے الگ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ 1970ء کے انتخابات کے موقع پر مشرقی پاکستان کی اکثر جماعتوں کے رہنماؤں نے مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد کو ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کے عہدے سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ کیا تھا' کیونکہ مشرقی پاکستان میں ان کے خلاف نفرت اور اشتعال پایا جاتا تھا۔

> "مشرقی پاکستان کی متعدد جماعتوں کے رہنماؤں نے ایم۔ ایم۔ احمد ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کو موجودہ عہدہ سے علیحدگی کا مطالبہ کیا ہے۔ ان رہنماؤں نے ایم۔ ایم۔ احمد پر کئی الزامات عاید کیے ہیں اور مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف جو نفرت اور غلط فہمی پائی جاتی ہے' اس کا مجرم ایم۔ ایم۔ احمد کو گردانا ہے۔۔۔۔"

(ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' ص 3' جلد 7' شمارہ 9' 29 مئی 1970ء)

ایم۔ ایم۔ احمد کی ترقی

یحییٰ خان کا دور بلاشبہ سازشوں کا ہولناک دور تھا۔ تاریخ میں ان کا نام سیاہ حروف سے لکھا جائے گا کیونکہ یحییٰ خان کے دور میں ملک دولخت ہوا۔ مشرقی پاکستان

سے بنگلہ دیش معرض وجود میں آیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے مطالبہ پر رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے ایم۔ ایم۔ احمد کو ان کے کلیدی عہدے سے علیحدہ کر دیا جاتا۔ ستمبر 1970ء کے اوائل میں ایک روز اخبارات میں خبر آئی کہ صدر محمد یحییٰ خان نے ایم۔ ایم۔ احمد کو ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن کے عہدے سے سبکدوش کر دیا ہے۔ ملک بھر میں اس خبر سے خوشی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ ایم۔ ایم۔ احمد کادیانی کی علیحدگی کا مطالبہ بڑے زور شور سے کیا جا رہا تھا' خصوصاً مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کا پرزور مطالبہ تھا کہ انہیں فی الفور اس منصب سے علیحدہ کیا جائے۔ یہ مطالبہ تحریک کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا کیونکہ ایم۔ ایم۔ احمد کو مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان غلط فہمیاں اور دوریاں پیدا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا۔ صدر صاحب کے اعلان پر مبارکبادوں اور تحسین کا سلسلہ شروع ہوا ہی تھا کہ اچانک اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ایم۔ ایم۔ احمد کو صدر کا اقتصادی مشیر مقرر کر دیا گیا۔ ستم ظریفی یہ کہ اس مقصد کے لیے ایک خصوصی محکمہ تشکیل دیا گیا اور اعلان میں بتایا گیا کہ ان کا عہدہ وزیر کا ہوگا اور ایم۔ ایم۔ احمد کو وہ تمام مراعات حاصل ہوں گی جو ایک وزیر کے لیے مخصوص ہوتی ہیں۔

احساس محرومی بلاشبہ بغاوت کو جنم دیتی ہے' یحییٰ خان کا یہ اقدام امریکہ کو خوش کرنے کے لیے تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بڑی سرکار کے حکم پر ایم۔ ایم۔ احمد کو اور بڑا منصب دے کر نوازا گیا ہو ۔۔۔ لیکن صدر کا اقتصادی مشیر اور اعزازی وزیر بنانے کا نقصان یہ ہوا کہ اہل مشرقی پاکستان کے زخموں پر نمک پاشی کی گئی۔ مشرقی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں کے مطالبہ کے برعکس ایم۔ ایم۔ احمد کو ترقی دے کر انہیں مشتعل کیا گیا۔ یہ درحقیقت مشرقی پاکستان کے خلاف ایک گہری سازش تھی تاکہ بنگالیوں کو احساس محرومی کا شکار کر کے اور ان کے جذبات کو انگیخت کر کے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے عمل کو آسان بنایا جا سکے۔

● ایم۔ ایم۔ احمد کی خدمات کے عنوان سے مولانا زاہد الراشدی رقم طراز

ہیں:

"مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے ایم۔ ایم۔ احمد کے بارہ میں عوامی حلقہ میں کبھی اس بات میں شک نہیں رہا کہ وہ انہی خطوط پر کام کر رہے ہیں جو مرزائی گروہ کے لیے برطانوی سامراج نے وضع کیے تھے۔ نہ صرف ایم۔ ایم۔ احمد' بلکہ اس ٹولہ سے متعلق دوسرے افسران بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر برطانوی سامراج کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد کے مشن کی تکمیل میں سرگرم ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد 53ء میں عوامی تحریک کا مقصد یہی تھا کہ کسی طرح قوم ان "پیران تسمہ پا" سے نجات حاصل کر لے مگر افسوس کہ ایوان اقتدار نے آنکھیں بند کر لیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کی گردن پر ان کے تسموں کی گرفت اور زیادہ سخت ہو گئی۔ اس وقت کسی نے دھیان نہ دیا اور آج جب اس غفلت کے ثمرات خبیثہ اپنی تمام تر ہولناکیوں کے جلو میں نمودار ہو رہے ہیں تو ہر ایک انگشت بدنداں ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ عالمہ انتخابات سے قبل مشرقی پاکستان کے متعدد سیاسی رہنماؤں نے ایک مشترکہ بیان میں مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد کو اقتصادی منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کے عہدے سے برطرف کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ماضی میں اقتصادی طور پر مشرقی پاکستان کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی ہیں' ان کے ذمہ دار مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد ہیں اور انہوں نے اقتصادی منصوبہ بندی میں مشرقی پاکستان کو ثانوی حیثیت دی ہے اور یہ بات ذکر کرنے کی شاید ضرورت نہیں کہ شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات' جو آج سیاسی بحران کا باعث بنے ہوئے ہیں' اسی ناانصافی اور ترجیحی سلوک کی صدائے بازگشت ہیں۔ صدر مملکت نے مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد کو ڈپٹی چیئرمین کے عہدہ سے تو ہٹا دیا مگر اس سے زیادہ اہم پوسٹ ان کو دے کر اپنا اقتصادی مشیر (گویا وزیر) مقرر کر لیا اور صدر کے مشیر کی حیثیت سے ان

صاحب نے جو خدمات سرانجام دیں' وہ پاک فضائیہ کے سابق ڈپٹی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور سابق گورنر مغربی پاکستان جناب نور خان سے دریافت کیجئے جنہوں نے 2 مارچ کو اپنی ہنگامی پریس کانفرنس میں قومی اسمبلی کے اجلاس کے التواء پر تبصرہ کرتے ہوئے اس طرف اشارات کیے ہیں۔ روزنامہ "آزاد" لاہور 3 مارچ کے مطابق جناب نور خان نے مشرقی پاکستان کے ساتھ ناانصافیوں کا ذمہ دار نوکر شاہی' خصوصاً ایم۔ ایم۔ احمد کو قرار دیا اور الزام لگایا کہ موصوف صدر مملکت کو غلط مشورے دے کر ملک کے دونوں حصوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو وسیع کر رہے ہیں۔ جناب نور خان نے یہ بھی بتایا کہ موجودہ سیاسی بحران پیدا کرنے کے لیے مسٹر احمد اور ان کے ساتھی افسروں نے اور بھی خفیہ سازشیں کی ہیں۔

گویا اقتصادی اور سیاسی دونوں میدانوں میں ایم۔ ایم۔ احمد اور ان کا ٹولہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کو آپس میں لڑانے کے لیے پوری منصوبہ بندی سے کام کر رہا ہے۔ خدا نہ کرے کہ یہ منصوبہ بندی کسی منطقی نتیجے تک پہنچے۔ اگر خدانخواستہ خدانخواستہ خاکم بدہن ایسا ہوا تو اس کی ذمہ داری نہ صرف نوکر شاہی' ایم۔ ایم۔ احمد اور ان کے رفقاء پر ہوگی' بلکہ وہ افراد بھی اس قومی جرم میں برابر کے شریک ہیں' جنہوں نے 53ء میں عوامی مطالبہ پر قوم کو ان "پیران تسمہ پا" سے نجات دلانے کے بجائے قوم کے ہزاروں نونہالوں کے خون سے پاک سرزمین کو رنگ دیا"۔

(بہ شکریہ "ترجمان اسلام" لاہور ص 11 جلد 14 شمارہ 10 '12 مارچ 1971ء)

- ایسٹرن کمانڈر جناب باقر صدیقی نے انکشاف کیا کہ مغربی و مشرقی پاکستان کو جدا کرنے میں کادیانی ایم۔ ایم۔ احمد کا ہاتھ ہے۔
- راؤ فرمان علی مشرقی پاکستان کے سابق گورنر کے مشیر بھی تھے۔ انہوں نے ایک بیان میں کہا تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ایک بڑی وجہ عظیم تر کادیانی

ریاست کے قیام کا نظریہ تھا:

"میجر جنرل راؤ فرمان علی نے انکشاف کیا ہے کہ پاکستان کو دولخت کرنے میں دو بڑے عوامل کام کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک قادیانیوں کا وہ نظریہ تھا جس کے تحت وہ پاکستان کے اندر ایک عظیم تر ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرا پاکستان کی تخلیق سے پہلے کا آزاد بنگال کا منصوبہ تھا۔ اپنے خیالات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے سابق وفاقی وزیر' جو مشرقی پاکستان کے گورنر کے مشیر بھی تھے' نے کہا کہ غربت' تعلیم کے فقدان' پسماندگی' مواصلات کے فقدان اور مختلف جیو پولیٹیکل عوامل بھی سقوط ڈھاکہ میں کارفرما تھے۔ وہ آج راولپنڈی پریس کلب کے پروگرام "میٹ دی پریس" میں مقامی اخبار نویسوں سے بات چیت کر رہے تھے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ایک موقع پر مسٹر سہروردی نے بھی قائد اعظم محمد علی جناح کو ایک خودمختار بنگال کی تجویز پیش کی تھی' جسے قائد اعظم نے مسترد کر دیا تھا۔ انہوں نے آزاد بنگال کے زندہ رہنے کے امکانات کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا یہ تمام سیاسی عوامل' جنہوں نے پاکستان کی تخلیق سے قبل ہی آزاد بنگال کے لیے راہ ہموار کر دی تھی' فوجی ایکشن پر ختم ہوئے' جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش وجود میں آ گیا"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ایڈیشن 23 جولائی 1984ء)

● بنگلہ دیش کے قیام اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے پس منظر کے عوامل کا تجزیہ کیا جائے تو قادیانیوں اور ان کی جماعت کے سرغنہ ایم۔ ایم۔ احمد کے بھیانک کردار کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ملک کے نامور سیاست دان اور سابق ایم۔ این۔ اے مولانا ظفر احمد انصاری نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:

"مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں ایم۔ ایم۔ احمد کا سب سے بڑا ہاتھ تھا'

جبکہ بھٹو اور یحییٰ خان نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مشرقی پاکستان کو ختم کرنا ہے' سو وہ ختم ہو گیا۔ ایک ہفت روزہ جریدے میں شائع ہونے والے انٹرویو میں انہوں نے کہا: ہم گفت و شنید پر آ گئے تھے' مگر ایسا نہیں ہونے دیا گیا کیونکہ وہ جان بوجھ کر فوج کو گندا کرنا چاہتے تھے' جو کیا گیا ------ بیرونی طاقتوں کا تو مقصد ہی یہ تھا اور اب بھی ہے کہ مسلمان کمزور ہو جائیں"۔

(روزنامہ "جنگ" کراچی ایڈیشن' 10 جولائی 1984ء)

● مشرقی پاکستان کے معروف سیاست دان پروفیسر فرید احمد مرحوم کے صاحبزادے نے بھی یہ انکشاف کیا تھا کہ مرزائی بھارت کے ایجنٹ اور آلہ کار ہیں اور انہی کی سازشوں سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی معرض وجود میں آئی تھی---

"مشرقی پاکستان کے معروف سیاست دان پروفیسر فرید احمد مرحوم کے صاحبزادے اور بنگلہ دیش ڈیموکریٹک پارٹی کے نائب صدر ظہیر احمد فرید نے کہا ہے کہ سقوط ڈھاکہ کی ذمہ داری سابق مشرقی پاکستان کے اساتذہ اور قادیانیوں پر عاید ہوتی ہے ------ ان خیالات کا اظہار انہوں نے مقامی بار روم میں وکلا سے تبادلہ خیالات کے دوران کیا"۔

(روزنامہ "جنگ" لاہور' 28 مارچ 1988ء)

● حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے ایک بیان میں سوال اٹھایا تھا کہ "یحییٰ خان اور مجیب الرحمٰن کے درمیان 23 روز تک کیا مذاکرات ہوتے رہے۔ کیا ان مذاکرات میں ایم۔ ایم۔ احمد اور چوہدری ظفر اللہ بھی شریک ہوئے تھے اور کیا ایم۔ ایم۔ احمد نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی حمایت کی تھی"۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور' 28 دسمبر 1971ء)

لیکن یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کے دولخت ہو جانے کے بعد کادیانی جماعت نے

سب سے پہلے بنگلہ دیش کو تسلیم کیا۔

● ایئر مارشل نور خان کا بیان

جماعت احمدیہ نے نہایت عیاری اور مکاری کے ساتھ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا بیج بویا۔ منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کی حیثیت سے ایم۔ ایم۔ احمد نے نوکر شاہی سے مل کر ناقص اقتصادی پالیسیاں وضع کیں' پھر صدر کے اقتصادی مشیر کی حیثیت سے غلط مشورے دیے' تاکہ بنگالیوں کے اندر احساس محرومی' نفرت اور انتقام کی آگ سلگ اٹھے۔ کونسل مسلم لیگ کے مقتدر رہنما' پاکستانی فضائیہ کے سابق کمانڈر انچیف ایئر مارشل نور خان نے قومی اسمبلی کے اجلاس میں التوا کے موقع پر ایک بیان دیتے ہوئے کہا:

> "صدر کے بعض مشیروں پر الزام لگایا کہ وہ انہیں غلط مشورے دیتے ہیں۔ انہوں نے نوکر شاہی کے بعض عناصر' بالخصوص مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد کے بارے میں کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے غلط حکمت عملی سے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے دور کیا ہے"۔

(روزنامہ "آزاد" 3 مارچ 1971ء)

یہ الفاظ کسی اینٹی مرزائی تحریک کے مخالف مولوی کے نہیں ہیں' نہ ہی کسی احراری لیڈر یا ختم نبوت محاذ کے کسی رہنما کے ہیں' بلکہ یہ تاثرات اس شخصیت کے ہیں جو مملکت پاکستان کے بلند ترین منصب پر فائز رہی ہے' جن کی مستند اور ثقہ معلومات کی کوئی تردید نہیں کر سکتا--- ایئر مارشل نور خان کی طرح جنرل شیر علی صاحب نے بھی ایم۔ ایم۔ احمد کے متعلق کچھ انہی جذبات کا اظہار کیا تھا۔ ہفت روزہ "لولاک" میں مولانا تاج محمود نے اداریہ سپرد قلم کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "چوہدری ظفر اللہ خان نے ہمارے مقدر کی جس بربادی کا آغاز کیا تھا اور اپنے مخصوص عقاید و نظریات کی روشنی میں جن تباہیوں کی نیو رکھی

تھی' ایم۔ ایم۔ احمد نے اس بہادری اور جانی کی تکمیل کر دی ہے۔ ہماری آنے والی نسلوں کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ چوہدری ظفر اللہ خان اور مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد نے بڑے مرزا صاحب اور ان کے فرزند مرزا محمود کی بعض پیش گوئیوں کو پورا کر دکھایا تھا۔ ان دونوں نے جہاں اسلام اور مسلمانوں سے نمک حرامی کی' وہاں اپنی جماعت اور عقیدہ کی وفاداری کا حق ادا کر دیا ہے۔

افسوس کسی صاحب دل اور صاحب فکر نے ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔ خدا کرے اب ایر مارشل نور خان اور جنرل شیر علی نے ایم۔ ایم۔ احمد کے متعلق جو کچھ کہا ہے' اسے ارباب اقتدار درخور اعتنا سمجھتے ہوئے کوئی نصیحت اور عبرت حاصل کریں"۔

(ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد' ص 3' جلد 7' شمارہ 47' 12 مارچ 1971ء)

● ایم۔ ایم۔ احمد کی کارستانیاں

ایم۔ ایم۔ احمد اپنے مرزائی افسروں کا خیال کس طرح رکھا کرتے تھے' اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جو مدیر "لولاک" نے اپنے رسالہ میں لکھا۔

"شیخ منظور الٰہی سی۔ ایس۔ پی صوبہ سندھ (آج کل نگران وزیر اعظم پاکستان) کے سابق چیف سیکرٹری' جو کبھی بورڈ آف ریونیو کے ممبر تھے' ان کے پاس محکمہ ایکسائز اور ٹیکسیشن تھا۔ پہلے چوہدری ظفر اللہ خاں اور اب ایم۔ ایم۔ احمد قادیانی ملازمین کی زبردست پشت پناہ ہیں۔ تمام قاعدے' قانون اور ضابطے توڑ کر وہ اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کی ہر طرح دیکھ بھال' امداد اور تعاون کرتے ہیں۔ ہم اس کی یہاں ایک مثال عرض کرتے ہیں۔ شیخ منظور الٰہی سی۔ ایس۔ پی' جو صوبہ سندھ کے چیف سیکرٹری تھے اس عہدہ سے پہلے ممبر بورڈ آف ریونیو تھے' ان کے پاس محکمہ ایکسائز اور

ٹیکیشن تھا۔ چنیوٹ کے ایکسائز سب انسپکٹر نے ربوہ کے قرب سے فائدہ اٹھایا۔ مبینہ طور پر مرزائی ہوئے یا مرزائی نما ہو گیا۔ ایم۔ ایم۔ احمد صاحب نے شیخ منظور الٰہی بڑے سخت مزاج کے دیانتدار افسر ہیں۔ سفارش اپنے کسی بڑے سے بڑے دوست یا رشتہ دار کی بھی نہیں مانتے۔ یہ بات ان کے متعلق سب کو معلوم ہے۔ ایم۔ ایم۔ احمد کی سفارش بھی انہوں نے حسب عادت نہیں مانی۔ ایک ہفتہ بعد ایم۔ ایم۔ احمد صاحب نے انہیں پھر فون کیا اور بڑے کرخت لہجے سے کہا کہ شیخ صاحب' میں نے فلاں شخص کی سفارش کی تھی' آپ نے ابھی تک اس کا کام نہیں کیا۔ آپ اس کا کام کر دیں ورنہ اب میں آپ کو اس کے متعلق نہیں کہوں گا اور اسے میں اپنے پاس انسپکٹر ایکسائز تو کیا چیز ہے' کلاس II افسر کی گزٹیڈ پوسٹ دے دوں گا اور یہ کہہ کر شیخ صاحب کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔ شیخ صاحب کو اپنا اصول توڑنا پڑا اور مجبوراً اس شخص کا کام کرنا پڑا"۔

(لولاک" 18 ستمبر 1970ء جلد 7 شمارہ 25)

● مشرقی پاکستان کے معروف سیاسی رہنما مولوی فرید احمد مرحوم قادیانی افسروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قادیانی افسر اسلام دشمن طاقتوں کے ایجنٹ ہیں اور انہوں نے اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب میں پاکستان کو ختم کرنے کی سازش کی ہے"۔

(از مولانا فرید احمد شہید -- The Sun Behind the Clouds)

● مشرقی پاکستان کے معروف رہنما مولوی فرید احمد کے صاحبزادے ظہیر احمد فرید نے الزام عاید کیا کہ سقوط ڈھاکہ کے ذمہ دار پاکستان کے اساتذہ اور قادیانی تھے۔

"ساہیوال (نمائندہ جنگ) بنگلہ دیش کی ڈیموکریٹک پارٹی کے نائب صدر اور مولوی فرید احمد کے صاحبزادے ظہیر احمد فرید نے کہا ہے کہ سقوط

شیخ منظور الٰہی اکتوبر 1933ء کے عام انتخابات کے لئے پنجاب کے نگران وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔

ڈھاکہ کی ذمہ داری سابق مشرقی پاکستان کے اساتذہ اور قادیانیوں پر عاید ہوتی ہے' لیکن اگر اگرتلہ سازش کیس میں شیخ مجیب الرحمٰن کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا تو پاکستان دو ٹکڑے نہ ہوتا۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے مقامی بار روم میں وکلاء سے تبادلہ خیالات کے دوران کیا۔ اجلاس کی صدارت بار کے سابق سیکرٹری افتخار احمد خاور نے کی۔ ظہیر احمد فرید نے کہا کہ سابق مغربی پاکستان کے سیاستدانوں' میاں ممتاز دولتانہ' نوابزادہ نصراللہ خان' ذوالفقار علی بھٹو' ولی خان اور اصغر خان نے شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کرا کے بہت بڑی سیاسی غلطی کی' جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑا۔ ون یونٹ کا خاتمہ خودکشی کے مترادف تھا۔ پاکستان کے عام لوگوں سے ملنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ بنگلہ دیش اور پاکستان کے عوام ایک ہیں' لیکن لیڈرشپ سے ملنے کے بعد دوری کا احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے دونوں ملکوں کے مابین کنفیڈریشن کی طرز پر اتحاد کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش میں عوامی لیگ کے سوا تمام جماعتیں اور عوام محسوس کرتے ہیں کہ بنگلہ دیش کا قیام ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ انہوں نے کہا: مجیب کے دور میں ملکی معیشت تباہ ہو گئی تھی' جبکہ اب صورت حال کافی بہتر ہو چکی ہے۔ انہوں نے بعد میں اخبار نویسوں کو بتایا کہ دونوں ممالک کے عوام کو قریب تر لانے اور غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے دونوں ملکوں کے درمیان ویزا سسٹم ختم ہونا چاہیے اور سیاستدانوں اور صحافیوں کے وفود کو ایک دوسرے ملک کا دورہ کرنا چاہیے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جنرل ارشاد نے اگر اس سال انتخابات نہ کرائے تو تمام سیاسی جماعتیں آئندہ برس ان کے خلاف تحریک چلائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش کے عوام فوج کو زیادہ عرصہ اقتدار میں نہیں رہنے دیں گے"۔

(24 مارچ 83ء "جنگ" لاہور)

● مدیر "چٹان" نے روزنامہ "مشرق" کی خبر کے حوالہ سے شذرہ لکھا کہ بھارت کے قادیانی بنگلہ دیش کے حامی ہیں اور وہ حکومت سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔۔۔۔

"روزنامہ "مشرق" لاہور 11 ستمبر صفحہ اول' کالم دوم میں سرخی کے ساتھ کہ "بھارت کے قادیانی بنگلہ دیش کے حامی ہیں" ذیل کی خبر چھپی تھی:

"نئی دہلی 10 ستمبر۔ آل انڈیا ریڈیو نے آج رات اردو خبروں کے بلیٹن میں کہا ہے کہ بھارت کے قادیانی فرقہ کے لوگ بنگلہ دیش کے حامی ہیں اور وہ اس سلسلہ میں حکومت سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ ریڈیو کے مطابق گزشتہ روز قادیان میں اس فرقہ کا ایک جلسہ ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت کی حمایت اور مشرقی پاکستان آنے والے پناہ گزینوں کے لیے امداد دینے کا اعلان کیا گیا"۔

اس خبر کو تادم تحریر پورا ہفتہ ہوگیا ہے' لیکن اس کی تردید نہیں ہوئی۔ ہم "الفضل" بالاستیعاب پڑھتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ "الفضل" جو قادیانی جماعت کا سرکاری ترجمان ہے' اس بارے میں ضرور روشنی ڈالے گا' لیکن اس کی خاموشی ظاہر کرتی ہے کہ اس کی جماعت کے بھارتی ارکان نے وہی کہا ہے جو اس خبر کا لب لباب ہے۔

ہمارے نزدیک قادیانیت بالطبع" ایک سیاسی تحریک ہے اور ہم اسے ہر حالت میں ایک سیاسی تنظیم ہی گردانتے ہیں۔ ہمیں اس کے "دینی پہلو" سے کوئی دلچسپی نہیں' نہ ہم اس بحث میں حصہ لیتے' نہ ہمارا یہ مسلک ہے۔ ہمارے لیے مذہبی بحثیں خارج از بحث ہیں۔ اس محاذ پر مدافعت یا مزاحمت علماء کے فرائض کا حصہ ہے لیکن جس طرح ہم دوسری سیاسی

جماعتوں کی سیادت و سیاست کا جائزہ لیتے ہیں' اس طرح ایک ایسی جماعت کے دور رس مضمرات کا تجزیہ و احتساب بھی"۔

("چٹان" شمارہ 41' جلد 24' 11 اکتوبر 71ء)

"ایم۔ ایم۔ احمد کو ملک سے فرار ہونے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے

● 16 اگست 1972ء کے اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی ہے' جس میں بتایا گیا ہے کہ

"ایم۔ ایم۔ احمد (مرزا مظفر احمد) اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے ہیں اور عنقریب وہ عالمی بنک میں ایگزیکٹو ڈائریکٹر کا عہدہ سنبھال لیں گے"۔

یہ اطلاع اپنے نتائج و عواقب کے لحاظ سے بڑی تشویشناک ہے۔ ایم۔ ایم۔ احمد کا اس طرح ایکا ایکی ملک سے جانا موجود حکومت کے لیے اچھا نہ ہوگا۔ بعض حلقوں کی طرف سے اس شخص کے خلاف مملکت پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بین الاقوامی یہودی سازش میں حصہ لینے کا سنگین الزام اور ناقابل معافی جرم عاید کیا جاتا ہے اور عوام میں اس شخصیت کی بابت طرح طرح کے شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ محب وطن سیاسی حلقے' صحافی' وکلاء اور ملک کا دانشور طبقہ ایم۔ ایم۔ احمد کے خلاف نہایت سنگین الزامات عاید کرتا ہے اور یہی نہیں بلکہ ملک کے انتہائی ذمے دار حلقے اور بعض واقف راز درون سے خانہ قسم کے لوگ بارہا اس امر کا مطالبہ کر چکے ہیں کہ ایم۔ ایم۔ احمد کے خلاف ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے الزام میں کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

خود راقم الحروف چونکا دینے والے حقائق و واقعات اور ٹھوس شواہد و

دستاویزات کی موجودگی میں اپنے پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ مرزا مظفر احمد کے خلاف یہ چارج لگاتا ہے کہ اس نے عالم اسلام کے مضبوط حصار "پاکستان" کے خلاف ہونے والی بین الاقوامی یہودی سازش میں انتہائی حیا سوز اور شرمناک کردار ادا کیا اور اب "ورلڈ بینک" جا رہا ہے۔

اندریں حالات میں موجودہ حکومت سے اس بات کا پرزور مطالبہ کروں گا کہ وہ ایم۔ ایم۔ احمد کو ملک سے باہر جانے کی ہرگز اجازت نہ دے اور عوام کے دیرینہ مطالبہ کو شرف پذیرائی بخشتے ہوئے ہائیکورٹ یا سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ایک تحقیقاتی بورڈ قائم کرے۔ ایم۔ ایم۔ احمد کے خلاف درج ذیل الزامات کی چھان بین کرائے۔

اول یہ کہ اس کا (اور صرف اس کا ہی نہیں بلکہ اس کی پوری جماعت کا) یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ پاکستان کا وجود عارضی ہے۔ جلد یا بدیر ہندوستان ایک ہو کر رہے گا اور یہ اکھنڈ بھارت کے قیام کی خاطر کام کریں گے۔

دوم یہ کہ اسلام' پاکستان اور مسلمانوں کے ازلی اور ابدی دشمن اسرائیل کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات و روابط موجود ہیں اور یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے باضابطہ طور پر اسرائیل میں اپنے مشن بھی کھول رکھے ہیں۔

سوم یہ کہ اس (یعنی ایم۔ ایم۔ احمد) نے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت غلط پلاننگ کی اور اس طرح بھائی کو بھائی سے جدا کر کے اکھنڈ بھارت کے قیام کی راہ ہموار کر دی۔

چہارم یہ کہ اس نے پاکستان کی بہادر افواج کو کمزور کرنے کی شرمناک کوشش کی اور ملک کے دفاع کی اس آہنی دیوار میں زبردست دراڑیں پیدا

کر دیں۔

فی الحال یہ چار الزامات ہیں جو کہ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ مرزا غلام احمد کادیانی کے پوتے مرزا بشیر احمد کے بیٹے اور مرزا محمود کے بھتیجے مرزا مظفر احمد المعروف ایم۔ ایم۔ احمد پر عاید کر رہا ہوں اور جنہیں میں دنیا کی کسی بھی عدالت اور تحقیقاتی کمیشن میں ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر حکومت ملک و ملت کے اس غدار اور عوام کی انتہائی ناپسندیدہ شخصیت کے خلاف مقدمہ چلائے تو اور بھی کئی ایک خوفناک حقائق منظر عام پر آ سکتے ہیں"۔

(جناب ابن الفضل نوشاہی کا مراسلہ، مطبوعہ ہفت روزہ "چٹان" لاہور، جلد 25، شمارہ 37، 11 ستمبر 1972ء)

● معروف دینی جریدہ ہفت وار "خدام الدین" نے "ایم۔ ایم۔ احمد کی علیحدگی کا مطالبہ" کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ لکھا:

"ایک اخباری اطلاع کے مطابق پاکستان کے لیے بیرونی امداد سے متعلق صدارتی مشیر ایم۔ ایم۔ احمد کو اندرون ملک کے بجائے بیرون ملک مقرر کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔ اس اطلاع کے مطابق ایم۔ ایم۔ احمد کو امریکہ یا کسی دوسرے ملک میں مامور کیا جائے گا، جہاں وہ پاکستان کے لیے حصول امداد کی کوشش کریں گے۔ ایم۔ ایم۔ احمد کی ذات ان دنوں عوامی تنقید کا زبردست ہدف بنی ہوئی ہے۔

گزشتہ دنوں راولپنڈی کے ایک اجتماع میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام نے پاکستان کے حالیہ بحران کا ذکر کرتے ہوئے سابق صدر یحیٰی خان کے ساتھ ایم۔ ایم۔ احمد کو برابر کا ذمہ دار قرار دیا۔

علماء کرام نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایم۔ ایم۔ احمد کو اس کے عہدہ سے الگ کر کے کسی ایسے محب وطن اور صحیح مسلمان افسر کو اس کی

جگہ مقرر کیا جائے' جس پر عوام کو اعتماد ہو اور جس کی ذات کی وجہ سے ارباب حکومت کے خلاف عوامی نفرت کے جذبات نہ ابھریں۔ اس کی وجہ سے ملک کی شہرت و عظمت میں اضافہ ہو اور اس کی سالمیت محفوظ!

موجودہ حکومت نے سابق صدر یحییٰ خاں کے دور کی منحوس یادیں ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور عوامی حلقوں میں اس کا زبردست خیرمقدم کیا گیا ہے' لیکن نامعلوم ایم۔ ایم۔ احمد کو اب تک کیوں نظرانداز کیا گیا ہے۔ حالانکہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے محرکات میں ایم۔ ایم۔ احمد کا بڑا دخل ہے۔ بعض سابق ارباب حکومت اور شیخ مجیب الرحمٰن نے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔

ہم صدر مملکت جناب بھٹو صاحب سے متوقع ہیں کہ وہ عوامی جذبات و احساسات کا خیال رکھیں--- اور ایم۔ ایم۔ احمد یا کسی دوسرے مرزائی افسر کو چینے سے لگا کر اپنی روز افزوں مقبولیت کو نقصان نہ پہنچائیں اور اپنے مخالفوں کے ہاتھ میں کم از کم یہ حربہ نہ آنے دیں کہ سامراج دشمن بھٹو نے سامراجیوں کے ایجنٹوں کی سرپرستی اختیار کر لی ہے اور ان کی خوشنودی کی خاطر اپنے ملکی و ملی مفادات نظرانداز کرنے شروع کر دیے ہیں"۔

(ہفت روزہ "خدام الدین" ص 3 '4' جلد 17' شمارہ 43' 17 مارچ 1972ء)

قادیانی جانور

● ملک کے معروف صحافی ڈاکٹر سبطین لکھنوی مختلف اخبارات کے حوالہ جات کے ذریعہ ایم۔ ایم۔ احمد کے کردار اور کارناموں کے عزائم سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

شیخ مجیب الرحمٰن مرحوم نے ایم۔ ایم۔ احمد پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد

نورانی (ایم۔ این۔ اے) کو بتایا:

"دیکھیے ایم۔ ایم۔ احمد ڈھاکے میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ اس کا کوئی کام نہیں اور کوئی مقصد نہیں۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا' لیکن بعد میں اس کی درخواستوں پر ملاقات ہوگئی۔ ساتھ ہی مجیب الرحمن نے کہا کہ یہ قادیانیت اور مرزائیت مغربی پاکستان کا بہت بڑا مسئلہ ہے اور میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں یہ قادیانی جانور نہیں ملا"۔

(ماہنامہ "ترجمان اہل سنت" کراچی' ختم نبوت نمبر' اشاعت ستمبر 1972ء)

● جمعیت علماء پاکستان کے اسی قائد نے 20 مارچ 71ء کو آرام باغ کراچی کے ایک جلسہ عام میں انکشاف فرمایا تھا:

"اس ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش تیار ہو چکی ہے۔ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور ایم۔ ایم۔ احمد (قادیانی) باقاعدہ یہ کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان ہمارے لیے ایک بوجھ ہے۔ اس کا علیحدہ ہونا ہی ہمارے لیے ترقی کا ذریعہ ہوگا ورنہ ہم اس طرح تباہ ہو جائیں گے"۔

(ایضاً' شمارہ ایضاً)

● ایم۔ ایم۔ احمد کے اس شرمناک کردار پر' مغربی پاکستان کے سیاسی رہنما چیخ اٹھے۔ خود حکومتی ٹیم کے ایک رکن اور سابق گورنر مغربی پاکستان ریٹائرڈ ایئر مارشل نور خان نے فرمایا:

"قومی اسمبلی کے اجلاس کے التوا کا فیصلہ الم انگیز ہے۔ صدر مملکت کے مشیر انہیں غلط مشورے دے رہے ہیں۔ نوکر شاہی کے بعض عناصر' بالخصوص ایم۔ ایم۔ احمد نے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے دور کر دیا ہے"۔

(روزنامہ "آزاد" لاہور' مطبوعہ 1 مارچ 76ء)

"قادیانیت کی یہ سازشیں رنگ لائیں اور مشرقی پاکستان کی وہ "سونار" سرزمین' شیخ مجیب الرحمن کے الفاظ میں جہاں یہ (قادیانی) جانور نہیں ملتے تھے' بزور شمشیر و سازش ہم سے علیحدہ ہو گئی۔ مغربی پاکستان کے مسلمان دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے لیکن یہودی استعمار نے مرزا غلام احمد قادیانی کے ایم۔ ایم۔ احمد نامی اس پوتے کو' پانچ ہزار ڈالر ماہانہ وظیفے پر "عالمی بینک" نے مقرر کر دیا۔ راقم الحروف کی معلومات کے مطابق ایم۔ ایم۔ احمد کادیانی کے اس ناپاک ارادوں کے بہت سے اہم اور مخفی پہلو بے نقاب کرنے کے لیے مولانا لال حسین اختر نور اللہ مرقدہ' حمود الرحمن کمیشن کے سامنے پیش ہونا چاہتے تھے لیکن انہیں بعض وجوہ کی بنا پر روک لیا گیا اور یہی صدمہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ لیکن سیالکوٹ کے معروف سماجی کارکن جناب نوشاہی کا ایم۔ ایم۔ احمد کادیانی کے بارے میں یہ مطالبہ فضاؤں میں گونج رہا ہے"۔

(ہفت روزہ "المنبر" جلد 21' شمارہ 50/49' 3 دسمبر 1976ء)

بنگالیوں کی دلجوئی

لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو جدا جدا صوبے بنا دیے۔ مغربی بنگال' جس کا صدر مقام کلکتہ تجویز ہوا اور مشرقی بنگال' جس کا صدر مقام ڈھاکہ مقرر ہوا۔ اس تقسیم کو بنگالیوں نے بہت برا سمجھ کر کوشش کی کہ یہ تقسیم منسوخ کی جائے اور دونوں صوبوں کا گورنر ایک ہی ہو مگر گورنمنٹ کی طرف سے اس کا جواب نفی ہی میں ملتا رہا۔ اس پر ہوا کا رخ دیکھ کر مرزا صاحب کادیانی نے ایک الہام شائع کیا کہ:

"پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا' اب ان کی دلجوئی

ہوگی"۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے اپنی آخری کتاب "حقیقت الوحی" میں اس کی تشریح یوں کی ہے:

"11 فروری 1906ء کو بنگالہ کی نسبت ایک پیش گوئی کی تھی' جس کے یہ الفاظ تھے: "پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا' اب ان کی دلجوئی ہوگی"۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ سب کو معلوم ہے' گورنمنٹ نے تقسیم بنگالہ کی نسبت حکم نافذ کیا تھا اور یہ حکم بنگالیوں کی دل شکنی کا باعث اس قدر ہوا تھا کہ گویا ان کے گھروں میں ماتم پڑ گیا تھا اور انہوں نے تقسیم بنگالہ کے رک جانے کی نسبت بہت کوشش کی مگر ناکام رہے' بلکہ برخلاف اس کے یہ نتیجہ ہوا کہ ان کا شور و غوغا گورنمنٹ کے افسروں نے پسند نہ کیا اور ان کی نسبت ان افسروں کی طرف سے جو کچھ کارروائیاں ہوئیں' ہمیں اس جگہ ان کی تفصیل کی بھی ضرورت نہیں' خاص کر فلر لیفٹیننٹ گورنر کو انہوں نے اپنے لیے ملک الموت سمجھا اور ایسا اتفاق ہوا کہ ان ایام میں کہ بنگالہ لوگ اپنے افسروں کے ہاتھ سے دکھ اٹھا رہے تھے اور سر فلر کے انتظام سے جاں بلب تھے' مجھے مذکورہ بالا الہام ہوا یعنی یہ کہ پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا' اب ان کی دلجوئی ہوگی۔ چنانچہ میں نے اس پیش گوئی کو انہی دنوں میں شائع کر دیا۔ سو یہ پیش گوئی اسی طرح پوری ہوئی کہ بنگالہ کا لیفٹیننٹ گورنر فلر صاحب' جس کے ہاتھ سے بنگالی لوگ تنگ آ گئے تھے اور اس قدر شاکی تھے کہ ان کی آہیں آسمان تک پہنچ گئی تھیں' ایک دفعہ مستعفی ہوگیا۔ وہ کاغذات شائع نہیں کیے گئے' جن کی وجہ سے استعفیٰ دیا گیا مگر فلر صاحب کے استعفیٰ پر جس قدر خوشی کا اظہار بنگالیوں نے کیا ہے' جیسا کہ بنگالی اخباروں سے ظاہر ہے' وہ سب سے بڑھ کر گواہ اس بات پر ہے کہ بنگالیوں نے فلر کی علیحدگی

میں اپنی دلجوئی محسوس کی ہے اور قلر کے استعفیٰ دینے سے ان کے خوشی کے جلسے اور عام طور پر خوشی کے نعرے اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ درحقیقت قلر کی علیحدگی سے ان کی دلجوئی ہوئی ہے' بلکہ پورے طور پر دلجوئی ہو گئی ہے اور یہ کہ انہوں نے قلر کی علیحدگی کو اپنے لیے گورنمنٹ کا بڑا احسان سمجھا ہے' پس قلر کے استعفے میں' جس غرض کو کہ گورنمنٹ نے اپنی کسی مصلحت سے پوشیدہ رکھا ہے' وہ غرض بنگالیوں کی بے حد خوشیوں سے ظاہر ہو رہی ہے اور اس سے بڑھ کر پیش گوئی کے پورا ہونے کا اور کیا ثبوت ہو گا کہ بنگالیوں نے اپنی دلجوئی اس کارروائی میں خود مان لی ہے اور گورنمنٹ کا بے انتہا شکر کیا ہے اور یہ میری پیش گوئی صرف ہمارے رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" میں ہی شائع نہیں ہوئی تھی' بلکہ پنجاب کے بہت سے اخباروں نے اس کو شائع کیا تھا۔ یہاں تک کہ خود بنگالہ کے بعض نامی اخباروں نے اس پیش گوئی کو شائع کر دیا تھا"۔

(صفحہ 296 - 298)

اس اقتباس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ اس پیش گوئی کا مصداق مرزا صاحب کے نزدیک سرقلر گورنر مشرقی بنگال کی تبدیلی ہے اور بس۔

اس منقولہ اقتباس از "حقیقتہ الوحی" میں مرزا صاحب نے جس رسالہ "ریویو" کا ذکر کیا ہے اور جس کا حوالہ یہ کہہ کر دیا ہے کہ "ہمارے رسالہ "ریویو" میں درج تھی" اس کی عبارت درج ذیل ہے:

"بنگالہ کی نسبت جو پیش گوئی آج سے چھ سات ماہ پہلے شائع کی گئی تھی' اس پر غور کرو کہ کس صفائی سے پوری ہوئی۔ پیش گوئی کے شائع ہونے کے وقت بنگالیوں کی شورش اور فساد حد درجہ تک پہنچی ہوئی تھی اور ادھر سرقلر کی گورنمنٹ اس بات پر تلی ہوئی تھی کہ اس تمام فساد کو زور سے دبایا جائے۔ ایسے وقت میں دو قسم کی امیدیں تو لوگوں کے دلوں میں

ضرور تھیں' یعنی بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ شاید گورنمنٹ بنگالیوں کی شورش وغیرہ سے دب کر تقسیم بنگال کو منسوخ کر دے گی' چنانچہ بعض نجومیوں نے ایسی پیش گوئیاں اپنی جنتریوں میں شائع بھی کر دی تھیں۔ دوسری طرف سے جو لوگ اس امر سے واقف تھے کہ سر فلر کیسا مستعد اور کسی سے نہ دبنے والا حاکم ہے' ان کا یہ خیال تھا کہ گورنمنٹ اس تمام شورش کی کوئی پرواہ نہیں کرے گی اور قانون کے منشاء کے مطابق اس شورش کو (مناسب ذرائع عمل میں لا کر) فرو کرے گی' لیکن ان دو خیالوں کے سوا اور کوئی خیال اس وقت کسی نے ظاہر نہیں کیا۔ انہیں حالات کے نیچے 11 فروری 1906ء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پا کر حضرت مسیح موعود (مرزا) نے اس امر کا اعلان کیا کہ اس حکم کے متعلق جو ہو چکا ہے' اب گورنمنٹ صرف ایسا طریق اختیار کرے گی' جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہو۔ جس کا یہ صاف مفہوم ہے کہ جو خیال لوگوں کے دلوں میں ہیں' وہ دونوں پورے نہیں ہوں گے بلکہ ایک ایسا طریق اختیار کیا جاوے گا جس سے تقسیم بھی منسوخ نہ ہو اور اہل بنگال کی دلجوئی بھی ہو جائے۔ اب جس وقت تک نئے صوبہ کی حکومت سر فلر کے ہاتھ میں تھی' اس وقت تک کسی بات سے بنگالیوں کی دلجوئی کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ایک طرف تو سر فلر بھی ایک زبردست حاکم تھا اور دوسری طرف بنگالیوں کو اس سے اس کی بعض کارروائیوں کے سبب سے خاص عناد تھا اور بظاہر پانچ سال تک جب تک سر فلر کا زمانہ حکومت خود بخود ختم ہو جاتا' گورنمنٹ کی پالیسی بنگالیوں کی نسبت بدل نہیں سکتی تھی مگر وہ علیم خدا' جس نے اپنے بندہ پر پیش از وقت یہ ظاہر کیا تھا کہ اب بنگالیوں کی دلجوئی ہوگی' وہ خوب جانتا تھا کہ کس طرح پر واقعات پیدا ہونے والے ہیں جن سے دلجوئی کی جلوے گی' چنانچہ یک بیک جب کسی کو خیال بھی نہ تھا' سر فلر نے استعفیٰ

پیش کیا اور گورنمنٹ نے اسے منظور کیا۔ یہ بات کہ اس استعفیٰ نے بنگالیوں کی دلجوئی کی' ایسی صاف ہے کہ ایک سخت سے سخت دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا' جو خوشیاں بنگالہ میں سر فلر کے استعفیٰ پر ہوئی ہیں اور جس طرح پر بنگالی اخباروں نے خوشی کے نعرے بلند کیے ہیں اور کالموں کے کالم اسی خوشی میں سیاہ کیے ہیں' ان سے بہت سے لوگ ناواقف ہوں گے اور یہ سب باتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ بنگالیوں نے گورنمنٹ کی اس دلجوئی کو خوب محسوس کیا ہے"۔

("ریویو" بابت ماہ ستمبر 1906ء' ص 347)

یہ عبارت بقلم مولوی محمد علی ایم۔ اے ایڈیٹر "ریویو" اور بتصدیق مرزا صاحب شائع ہوئی ہے' کیونکہ آپ نے اس رسالہ کو اپنا رسالہ کہا ہے' جو درحقیقت ہے بھی انہی کا اور اس عبارت کا خود حوالہ بھی دیا ہے۔ اس لیے یہ عبارت مرقومہ مولوی محمد علی مصدقہ مرزا صاحب' اس عبارت میں صاف طور پر اظہار کیا ہے کہ پیش گوئی سے یہ مراد ہے کہ تقسیم بنگال منسوخ نہ ہوگی' بلکہ اور کوئی صورت دلجوئی کی کی جاوے گی۔ یعنی صوبہ کے لاٹ سر فلر کا استعفیٰ قبول کیا جائے گا۔ بہت خوب۔ پھر کیا ہوا؟ کہ 11 دسمبر 1911ء کو جارج پنجم قیصر ہند شاہ انگلستان نے دہلی میں آکر دربار کیا اور اس میں بالفاظ ذیل اعلان کیا:

"ملبدولت (بادشاہ) اپنی رعایا پر اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اپنے وزراء کی اصلاح پر' جو ہمارے گورنر جنرل باجلاس کونسل سے مشورہ لے کر پیش کی گئی تھی' ملبدولت نے گورنمنٹ آف انڈیا کا صدر مقام کلکتہ سے قدیم دارالسلطنت دہلی میں بدلنے اور اس تبدیلی کے نتیجہ پر جس قدر جلد ممکن ہوسکے' الگ گورنری احاطہ بنگال کے لیے قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جیسے ہمارے گورنر جنرل باجلاس کونسل ہمارے سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا باجلاس کونسل کی طرف سے مناسب طریقہ پر قرار دیں"۔

(روزنامہ "پیسہ اخبار" 15 دسمبر 1911ء ص 2)

اس اعلان سے تقسیم بنگال منسوخ ہوگئی' چنانچہ اب سارا بنگال ایک ہی گورنر کے (لاٹ) ماتحت ہے اور یہی ان کو مطلوب تھا۔ اعلان شاہی سے بنگالیوں کو جو مسرت ہوئی' وہ مندرجہ ذیل خبر سے ثابت ہوتی ہے:

"دہلی میں جب بنگالیوں نے منسوخی تقسیم کا اعلان سنا تو ان کو اس قدر خوشی ہوئی کہ جب حضور شہنشاہ (جلسہ سے) تشریف لے گئے تو انہوں نے نہایت ادب سے تخت کو جھک جھک کر سلام کیے اور بوسے دیئے"۔

(روزنامہ "پیسہ اخبار" 16 دسمبر 1911ء ص 8)

(بہ شکریہ ہفت روزہ "لولاک" لائل پور)

مدیر لولاک کے نام میجر (ریٹائرڈ) ملک محمد اکبر خان کا مکتوب

اٹک چھاؤنی
30 اپریل 1985ء
ٹیلیفون نمبر 2584

بخدمت مکرم و محترم مولانا صاحبزادہ طارق محمود صاحب

سلامت۔ اسلام علیکم۔ آپکے فرمان کے مطابق احمدی افسروں کی جو فہرست کتاب دی پارٹیشن آف پنجاب 1974ء کمپلیشن آف آفیشل ڈاکومنٹس والیم 1 صفحہ 464 سے 469 تک نام درج ہیں۔ جنکو میں اپنی فوجی ملازمت کی وجہ سے ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ انکے نام جن سیریل نمبر پر درج ہیں وہ لکھ رہا ہوں۔

(1) جرنیل ہونے کے بعد کاسپری کیس میں ملوث رہا اور فوج سے برخاست کیا گیا تھا۔ اب سنا ہے فوت ہو چکا ہے۔ جب یہ حیدر آباد ڈسٹرکٹ میں زیر حراست رہا تھا تو انکی بیگم و بیٹے سر ظفر اللہ قادیانی کے گھر لاہور چھاؤنی میرے ہمسائے تھے۔

(4) جرنیل ہو کر ریٹائرڈ ہوا اور اب سنا ہے فوت ہو گیا ہے۔

(6) جرنیل ہو کر ریٹائرڈ ہوا ترکی حادثہ میں مر کر ربوہ دفن ہوا۔

(8) مرزا قادیانی کے خاندان کا فرد تھا۔

(21) جرنیل ہو کر مارا گیا۔

(27) جرنیل ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب معلوم نہیں کدھر ہے۔

(31) میجر ریٹائرڈ ہو کر مر گیا۔

(39) کرنل ریٹائرڈ ہو کر مر گیا۔

(49) بریگیڈیر ہو کر ریٹائرڈ ہوا سنا ہے آجکل اسلام آباد ہے۔

(60) کرنل ہو کر ریٹائرڈ ہوا اور مر چکا ہے۔

(78) کرنل ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب معلوم نہیں کدھر ہے۔

(82) میجر ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب نائب ہو کر راولپنڈی ہے۔

(96) بریگیڈیر ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب معلوم نہیں کدھر ہے۔

(99) بریگیڈیر ہو کر ریٹائرڈ ہوا چند سال پہلے شاہ نواز لمیٹڈ میں تھا۔

(100) میجر ہو کر ریٹائرڈ ہوا اور سنا تھا کینیڈا مبلغ چلا گیا۔

(106) کرنل ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب معلوم نہیں شاید کراچی ہو۔

(110) کرنل ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب راولپنڈی اور مکان اٹک بھی ہے۔

(145) میجر ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب سنا ہے مرچکا ہے۔

(159) بریگیڈیر ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب معلوم نہیں کدھر ہے۔

(160) کرنل ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب معلوم نہیں کدھر ہے۔

(177) ایئر مارشل ہو کر ریٹائرڈ ہوا اب معلوم نہیں کدھر ہے۔

(178) سول میں جا کر سیکرٹری ریٹائرڈ ہوا اب معلوم نہیں کدھر ہے۔

(194) میجر ہو کر ریٹائرڈ ہو کر مرچکا ہے۔

(198) ایئر مارشل کے بارے تفصیلات کا ذکر ہو چکا ہے۔

(199) افسروں کو جو فہرست دی گئی ہے۔ گذشتہ حالات اور معلومات کے مطابق کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ ویسے کائنات کا خدا مالک ہے۔ اور انسانوں کے دین اور دلوں کے حالات خود جانتا ہے۔ ظاہر جو معلومات میسر ہو سکیں گی۔ ضرور انشاء اللہ مجلس امارت تک پہنچاؤں گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو دین اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسی مقصد کے لئے زندگی اور صحت دے تاکہ سمندر میں قطرہ کی شکل تو ثابت ہو سکیں۔

اس فہرست میں ایئر فورس کے صرف 15 افسران کے نام ہیں۔ امید ہے اسکے بارے مزید معلومات ایئر کموڈور ریٹائرڈ نثار احمد ڈوگر صاحب کچھ بتا سکتے ہوں۔ 184 فوجی افسر ہیں جن میں کافی ڈاکٹری پیشہ والے ہیں۔

جناب سے مزید درخواست ہے کہ ہفت روزہ "لولاک" سالانہ بدل اشتراک 55 روپے کی وی پی ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

الفضل 1965ء کے اگر پرچے مل سکیں تو شاید جو بات خاندانی حکیم عبدالکریم صاحب بمقام چیچاں ریلوے روڈ ضلع میانوالی نے کی تھی شاید اس میں کچھ معلومات مل سکیں۔

امید ہے آپ مہربانی فرما کر بعد اپنے احباب کی دعا فرمائیں گے تاکہ ذات باری تعالیٰ ہم کو دین اسلام و پاکستان کی مزید خدمت کی توفیق اور ہمت دے اور دار فانی سے ایمان کے ساتھ اٹھائے۔ کار لائقہ سے ضرور یاد فرمانا۔

آپ کا دعا گو خیر اندیش۔ اکبر

میجر حاجی ملک محمد اکبر خان (ریٹائرڈ) سابق چیئرمین ضلع کونسل اٹک

مکان نمبر6 سید افضل شہید روڈ۔ اٹک چھاونی۔

185. Capt. Zia-ud-din
186. Major Mohd Abdullah
187. Capt. Shah Nawaz
188. Lt. Ghulam Qadir
189. Capt. Muzaffar Ali
190. " Mohd Iqbal M.C.
191. " M.Sharif Ahmad
192. Lt. Abdul Salam
193. " Akram Ahmad
194. Capt. Akbar Ali Khan
195. " Abdul Rashid Khan Ghaury
196. " Azizullah Khan
197. Major Sirfraz Khan
198. F/Lt. Nur Khan
199. Capt. Mohd Ibrahim

241

Mirza Bashir Ahmad to the Chairman, Punjab Boundary Commission, requesting correction of certain mistakes in their Memorandum[1]

RCP B File 80-Polit Genl./47

Qadian, *29th July, 1947*

Sir,

In the memorandum submitted to the Punjab Boundary Commission by the Ahmadiyya Community, Qadian, there have occurred some clerical mistakes which I am sorry, could not be corrected before submission. It is respectfully submitted that these mistakes may kindly be corrected as follows :—

(1) In the printed memorandum, page 7, line 5 of paragraph 2 Muslim percentage in tahsil Shakargarh has been shown as being "53.14%". This should read "51.32%".

(2) In the printed memorandum, page 8, line 13, Muslim-Christian population has been shown as having a majority of 53%. This should read as "58%".

[1] *No. 240 supra.*

142. Lieut. Nasir Ahmad
143. " Syed Nasir Ahmad Shah
144. " Ch.Nasir Ahmad
145. " Nasrullah Khan
146. " Mohd Yaqub
147. " Mohd Aslam Chaudhri
148. " Mohd Ishaq
149. " Nawabzada Mohd Hasham
150. " Mansoor Ahmad
151. " Mumtaz Ahmad of Gujrat
152. " Mukhtar Ahmad
153. " Mumtaz Ahmad
154. " M.S. Sadiq
155. " Syed Masud Ahmad
156. " Manzoorul Hasan
157. " Muzaffar Ahmad
158 " Mohd Abdur Rahman
159. 2nd Lt. Ijaz Ahmad
160. " Bashir Ahmad
161. " Khan Hamayun Mirza
162. " Khalil-ur-Rahman
163. " Talib Hussain
164. " Aga Abdul Latif
165. " Feroz Khan
166. " Abdul Salam
167. Fl/Lt. Bashir Ahmad Malik
168. " Abdul Mannan Khan
169. " Abdul Hye
170. " M.M. Latif
171. " M.N. Akhtar
172. " Hamidullah Bhatti
173. F/Offr. Anwar Ahmad Malik
174. " Salahud Din Fateh
175. " Mohd Syed
176. " Ghulam Ali
177. " Zafar Ahmad Chaudhri
178. " M.M. Ahmad
179. " Mansoor Ahmad
180. P/Offr. Sadullah Khan
181. Lt. Nawab Ali
182. Capt. Mahmud Shafqat
183. " Asmatullah Khan
184. Major M.A. Latif

99. Lieut. Iqbal Ahmad
100. " Abul Khair Bajwa
101. " Altab Ahmad
102. " Anwar Ahmad Chaudri
103. " Ikramullah
104. " Bashir Ahmad Talabpuri
105. " O.B. Orchard
106. " Syed Bashir Ahmad
107. " Hamidullah Chaudhri
108. " Rahmatullah Bajwa
109. " Syed Said Hasan
110. " Satar Bux Malik
111. " Mirza Sharif Ahmad
112. " Syed Ahmad I.A.M.C.
113. " Sahib Din
114. " Sabhu Sadiq
115. " Dr. Zafar Iqbal
116. " Aziz Ahmad Chaudhri
117. " Araf Zaman
118. " Abdul Mughni
119. " Aziz-ul-Rahman
120. " Abdul Latif Mirza
121. " Dr. Abdul Karim
122. " Qazi Ata-ur-Rahman
123. " Abdul Hye Khan
124. " Ghulam Mohd Iqbal
125. " Ch. Aziz Ahmad
126. " Syed Abdul Hamid
127. " Abdul Mannan
128. " Abdul Hafiz
129. " Abdur Rahman
130. " Gul Hasan
131. " Kamal Mustafa
132. " Mohd Yusuf Khan
133. " Mohd Nawaz
134. " Qazi Manzurul Huq
135. " Syed Maqbul Ahmad
136. " Mahmud Ahmad Dar
137. " Mohd Safdar Bajwa
138. " Mobarak Ahmad
139. " Syed Mahmud Ahmad
140. " M.A. Said
141. " Mohd Yusuf Shah

56. Capt. Anayatullah
57. " Gul Akbar Shah
58. " F.U.Khan
59. " Mohd Yusuf
60. " Mohd Zafrullah Khan
61. " Mohd Tufail
62. " Mohd Mused Ahmad
63. " Dr. Mohd Sharif
64. " Mohd Abdullah Bajwa
65. " Mohd Hiyat Qasarani
66. " Ch. Muzafar Ali
67. " Mohd Tufail Chaudhri
68. " Dr. Mohd Ji I.M.S
69. " Mahmud Ahmad Bhelolpuri
70. " Mohd Sadiq Malik
71. " Mohd Ismajl
72. " Mohd Abdullah Mohar
73. " Mirza Mohd Shafi
74. " Mahmud Ahmad
75. " Mohd Abdur Rahman
76. " Mohd Sharif Ahmad
77. " Khan Manzoor Ahmad
78. " Mohd Aslam
79. " Ch. Nasrullah Khan
80. " Noor-ud-Din I.M.S.
81. " Niamtullah Khan
82. " Nizamud Din
83. " Nazir Ahmad
84. " Sh. Nawab Din
85. " Mohd Iqbal
86. " Mohd Nazir
87. " Dr. Mohd Shah
88. " Munir Ahmad Khalid
89. " Mohd Ali Malik
90. " Mohd Mohsan
91. " Mohd Khan I.A.M.C.
92. " S.M. Ahmad
93. " Mumtaz Ahmad Syed
94. " Mohd Ibrahim
95. " Mohd Amin Dhurani
96. " Waqiuz Zaman
97. " Wahabud Din
98. " Khurshid Ahmad Chisti

13. Major Abdul Haque Malik
14. " Ghulam Ahmad I.M.S.
15. " Feroze Din
16. " Qazi Mahmud Ahmad I.M.S.
17. " Mohd Ashraf
18. " Mohd Ramzan
19. " Ata Ullah I.M.S.
20. Capt. Iqbal Ahmad Shamim
21. " Iftikhar Ahmad Janjua
22. " Ahmad Khan Janjua
23. " Aziz Ahmad Chaudhri
24. " Syed Iftikhar Hussain
25. " Ahmad Khan Iyaz
26. " Akhtar Mahmud I.A.M.C.
27. " Aftab Ahmad
28. " Ahmad Mohyud Din
29. " Ahmad Beg Mirza
30. " Bashir Ahmad of Bhagowal
31. " Bashir Ahmad of Dulmial
32. Major Sultan Mohd Khan Malik
33. Capt. Bashir Ahmad Butt
34. " Badrud Din I.A.M.C.
35. " Bashir Ahmad
36. " Bashir Ahmad Chaudhri
37. " Bashir Ahmad
38. " Bashir Ahmad Sheikh of Bhera
39. " Habib Ahmad
40. " Khurshid Ahmad
41. " Hamid Ahmad Kaleem
42. " Sher Mohd Khan O.B.I.
43. " Sher Wali Khan O.B.I.
44. " Zahirul Haq
45. " Syed Ziaul Hasan
46. " Ghulam Ahmad Chaudhri
47. " Azizullah Chaudhri
48. " Abdul Hamid
49. " Abdul Ali Malik
50. " Ata Ullah Chaudhri
51. " Umar Hiyat Khan
52. " Ghulam Mohd Khokhar
53. " Abdul Aziz Bashiri
54. " Dr. Umar Din
55. " Ata Ullah Zahur Ahmad Khan

528. Mymensingh
529. Rekabibazar
530. Dacca City
531. Narayanganj
532. Tejgaon
533. Rajshahi
534. Rongpur
535. Bogra
536. Natore
537. Gaibandha
538. Shampur
539. Dinajpur
540. Patuakhali
541. Chittagong
542. Sharushuna (Jessore)
543. Bharatpur (Murshidabad)
544. Bhatgao (Dinajpur)
545. Diggair (Bogra)
546. Baragoa (Sylhet)

SARGODHA CIRCLE (SUPPLEMENT)

547. Chak 97-99 N

APPENDIX NO. III

AVAILABLE LIST OF AHMADI OFFICERS HOLDING KING'S COMMISSION DURING WORLD WAR

1. Brig. Nazir Ahmad Malik
2. Col. I.D.Ahmad
3. " Mohammad Ata Ullah
4. " Ahyyaud Din
5. Lt.Col. Manzur Ahmad
6. Major Akhtar Husain Malik
7. " Habibullah
8. " Daud Ahmad Mirza
9. " Sharif Ahmad Bajwa
10. " Shamim Ahmad
11. " Dr. Sirajul Haq
12. " Zahur-ul-Hasan

491. Noorabad Estate
492. Sharifabad Farm
493. Jamalpur
494. Karandi
495. Chak 74 Azimdari
496. Riaz Estate
497. Chak Radatyani
498. Goth Imambakhsh
499. Dhamakhand Maulabakhsh
500. Chhapat
501 Chak 21 Doh
502. Ahmadnagar
503. Chak 151

BALUCHISTAN CIRCLE

504. Quetta
505. Sibi

BENGAL AND ASSAM CIRCLE

506. Maulvipara
507. Ahmadipara
508. Morail-Puniouz
509 Bhadughar
510. Chatura-Harinadi
511. Sarail
512. Tarna
513. Krora
514. Bishnupur
515. Shahbazpur
516. Jambura
517. Dharmanagar
518. Kharampur-Dewagram
519. Basharuk
520. Kalishima
521. Khudrabrahmanbaria
522. Tatarkandi
523. Bajitpur
524. Teraghati
525. Premarchar
526. Birpaiksha
527. Bugapula

451. Dara Sherkhan
452. Hariparigam
453. Zuramanko
454. Mandojan
455. Kohanpura
456. Hafardah
457. Bhabara
458. Hamusan
459. Baramula
460. Mohrian

SINDH CIRCLE

461. Hyderabad
462. Sukkur
463. Karachi
464. Goth Mehr Muhammadbuta Chak 270
465. Kamaldehra
466. Ahmadabad Estate
467. Suba Dera
468. Kot Ahmadian
469. Mirpur Khas
470. Mahmudabad Estate
471. Nasirabad Estate
472. Bashirabad
473. Muhammadnagar
474. Belukarnah
475. Massan Baora
476. Muhammadabad Estate
477. Bandi Goth Muhammadalikhan
478. Tanori Nawabshah
479. Nusratabad Estate
480. Kunri
481. Nasimabad Mirza Farm
482. Sindh Cement Rohri
483. Nawankot Ahmadian
484. Goth Maulvi Abdussalam
485. Dadu
486. Estate Akra
487. Chak 200
488. Zafar Estate A
489. Goth Nathe Khan
490. Zafar Estate B

411. Nowshera Cantt.
412. Mardan
413. Malakand
414. Kohat
415. Bannu
416. Dera Ismail Khan
417. Data
418. Balakot
419. Charsadda
420. Tarangyai
421. Ismaila
422. Topi
423. Serai Naurang
424. Sheikh Muhammadi
425. Bazidkhel
426. Khalil Markaz
427. Thal
428. Surkhatki

JAMMU & KASHMIR CIRCLE

429. Jammu
430. Srinagar
431. Gilgit
432. Budhanon
433. Charkot
434. Kalaban Kotli
435. Taimankot
436. Salwah & Salwat
437. Poonch
438. Yaripura
439. Rishinagar
440. Shurat
441. Nasnaur
442. Bindipura
443. Ladhraun
444. Jabbowal
445. Rathal
446. Indaura
447. Datyal Nagyal
448. Bhadarwaha
449. Kotli
450. Goc Mangot

376. Chak 9 Abdussatarwala
377. Chak 183
378. Mandi Burewala
379. Kabirwala
380. Mandi Yazman
381. Chak 66 & 68 / Murad
382. Shujaabad
383. Rehana Sahu
384. Mailsi
385. Chak 213/9R
386. Kot Kammun Shah
387. Mid Nooro
388. Chak 145/10R
389. Shahr Sultan
390. Chak 216/EB
391. Chak 19/AL
392. Jamalwala Punjabi
393. Chak 30/3R

MONTGOMERY CIRCLE

394. Montgomery
395. Pakpattan
396. Chak 6/11L
397. Chak 5 Mahmudabad
398. Sadr Gogera
399. Okara
400. Chak 30/11L
401. Arifwala
402. Haveli Lakha
403. Renala Estate
404. Chak 96/12L
405. Chak 93 Nurpura
406. Kasowal

MALERKOTLA

407. Malerkotla

N.-W.F.P. CIRCLE

408. Abbottabad
409. Mansehra
410. Peshawar

336. Shadan Lund
337. Kot Qasarani
338. Rajanpur
339. Hiro Gharbi
340. Basti Buzdar
341. Basti Mandrani
342. Umarkot

MULTAN CIRCLE

343. Multan City
344. Uchh
345. Chak 76/4R
346. Kahror Pakka
347. Chak 163/WB
348. Chak 184/7R
349. Lodhran
350. Chak 161 and 167
351. Bahawalnagar
352. Alipur Multan
353. Chak 106/P
354. Qatalpur
355. Dewasinghwala
356. Hassanpura
357. Chak Ahmadianwala
358. Chak 168/7R
359. Chak 160/7R
360. Chak 549/543/EB
361. Ahmadpur Sharqia
362. Vehari Mandi
363. Chak 93/6R
364. Chak 103/6R
365. Chak 65/P
366. Chak 59/4R
367. Chak 19/WB
368. Bangle Kachhriala
369. Chak 122/6R
370. Jhahut
371. Chak Mahmudabad 91/6R
372. Dunyapur
373. Chak 491/EB
374. Alipur Muzaffargarh
375. Chak 120/P

303. Kalra Dewan Singh
304. Maktana Bhalesar
305. Dudhrai
306. Pindi Lala Marala
307. Naurang
308. Lange Gora Jattan
309. Bara Musa

JHELUM CIRCLE

310. Jhelum City
311. Ratto Chhe
312. Chakwal
313. Pind Dadan Khan
314. Mahmudabad
315. Dulmial
316. Bhuchal Kalan
317. Hisola
318. Kala Gujran
319. Khewra

RAWALPINDI CIRCLE

320. Rawalpindi
321. Murree
322. Changa Bangial
323. Thikrian
324. Taxila

CAMPBELLPORE CIRCLE

325. Campbellpore City
326. Kot Fateh Khan
327. Sukh Chand
328. Mianwali
329. Kundian
330. Pindori
331. Mandowal
332. Sangral

DERA GHAZI KHAN CIRCLE

333. Dera Ghazi Khan
334. Jampur
335. Basti Rindan

262. Shahpur Sadar
263. Hujka
264. Roda
265. Chak 88 N
266. Mithalak Station
267. Bhabra
268. Chah Chuggiwala

GUJRAT CIRCLE

269. Gujrat
270. Mandi Bahuddin
271. Malakwal
272. Khokhar Gharbi
273. Sheikhpur
274. Nassowali
275. Kariazwala
276. Bhawa
277. Dhirke Kalan
278. Shadiwal Khurd
279. Kunjah
280. Jassoke
281. Goleki
282. Saadullapur
283. Rajoa
284. Mong Rasul
285. Deona Majra
286. Fatehpur
287. Dinga
288. Chak Sikandar
289. Puranwala Ismaila
290. Lala Musa
291. Kahor
292. Kakrali
293. Thahal
294. Serai Alamgir
295. Bhimla
296. Balani
297. Golariala
298. Kharian
299. Siddoke
300. Sivakkalan
301. Alamgarah
302. Mamdana

225. Lodi Nangal 209
226. Chaudhriwala 108
227. Thatha Kaloo 646
228. Chak 283 and 288
229. Toba Tek Singh
230. Jaranwala
231. Tahra 58/3
232. Chak Jhumra
233. Samundri
234. Chak 433 Dhirki

JHANG CIRCLE

235. Jhang City
236. Chiniot
237. Shorkot
238. Lalian
239. Jhang Maghiana
240. Chak 1 Darkhana

SARGODHA

241. Sargodha
242. Khushab
243. Bhera
244. Ghoghiat
245. Chak 86-87 N
246. Chak 98 N
247. Chak 46 N
248. Majoka
249. Chak 49 S
250. Chak 43 S
251. Chak 37 S
252. Chak 32-33 S
253. Chak 35 S
254. Chak 116 S
255. Seth Yusuf
256. Chak 78 S
257. Chak 11 Dhirke
258. Chak 9 Panyar
259. Kot Moman Haveli Bahadur Khan
260. Midh Ranjha
261 Adrehma

184. Sohawa
185. Tirigri
186. Gajjo Chak
187. Talwandi Khajoorwali
188. Laweriwala
189. Akalgarh
190. Hafizabad
191. Kalsian Bhakabhattian
192. Pirkot
193. Kaulo Tarar
194. Paremkot
195. Khanki Head
196. Khewewali
197. Madarsa Chattha
198. Pilloke
199. Tatle Aali
200. Mangat Oonche
201. Ghakhar
202. Jhatanwali
203. Ferozewala
204. Aminabad
205. Qiyampur
206. Mahentoleke
207. Mohalanke
208. Jalab Bhiri Shah Rehman

LYALLPUR CIRCLE

209. Lyallpur
210. Gojra Chak 415
211. Khutluwali Chak 312
212. Dhunnidev Chak 332
213. Gokhuwal 276
214. Kalyanpur Chak 243
215. Ahmadabad Chak 559
216. Behlolpur Chak 127
217. Khewa Chak 126
218. Bharat Chak 438
219. Chak 285
220. Chak 278 Sherka
221. Talwandi 180
222. Chak 565 GB
223. Gokhuwal 121
224. Rakh Jandanwala

LAHORE CIRCLE

148. Ganj Moghalpura
149. Mozang
150. Lahore Cantt.
151. Chak 6 Alipur Shamasabad
152. Hando
153. Kot Muhammad Amir
154. Pattoki Mandi
155. Raewind
156. Shahdara
157. Sultanpura
158. Muslim Town
159. Jaura
160. Ladheke Neewen
161. Barapur
162. Baghbanpura

SHEIKHUPURA CIRCLE

163. Sheikhupura
164. Pindichiri
165. Bhaini Sharaqpur
166. Karampura
167. Chak Chahur 117
168. Kot Rehmat Khan
169. Sayyadwala
170. Muridke
171. Dostpur
172. Shah Miskin
173. Amba
174. Nankana
175. Kirto
176. Bodadpur
177. Nanudogar
178. Chak 58/6
179. Chak Dhindo

GUJRANWALA CIRCLE

180. Gujranwala
181. Wazirabad
182. Talwandi Musekhan
183. Baqapur

103. Qilla Subasingh
104. Maloke Bhugat
105. Datazedka
106. Ghatalian
107. Chawinda
108. Changrian Manga
109. Bhagowal
110. Mundeke Berian
111. Raepur Qadarabad
112. Tharoh
113. Chahur
114. Zafarwal
115. Bhagobhartl
116. Behlolpur
117. Bubak Marali
118. Maloke Tatle
119. Ainowali
120. Narowal
121 Derianwala
123. Dhunidev[1]
124. Nangal Randhir
125. Rangepur
126. Dhragmiana
127. Daiwala Sayyadan
128. Badomali
129. Chandarke Mangole
130. Khanawali Mianwali
131. Head Marala Chokpur
132. Miadi Dogran
133. Jampur Dhindsa
134. Korli Harnarayan
135. Ehdipur
136. Bhadyar
137. Miadi Nano
138. Kot Agha
139. Dhepaice Kolli Loharan
140. Kot Karim Bakhsh
141. Chhannian
142. Giddian Kot Padda
143. Sahowal
144. Sambrial
145. Raoke
146. Korowal
147. Jabhowal

[1] No. 122 missed in numbering.

63. Chaudhriwala
64. Diwaniwal Kalan
65. Dhariwal
66. Dalhousie
67. Allarpindi
68. Fezullah Chak
69. Rehimabad
70. Chachriala
71. Chhina Bet
72. Chhina Retwala
73. Qilla Tek Singh
74. Qadian Rajpootan
75. Bhatian
76. Mirzajan
77. Bhagowal Bet Phaorian
78. Kotla Gujran
79. Muradpur
80. Bahadur Nawanpind
81. Ghanienki Bangar
82. Khokhar
83. Dhindse
84. Mokal
85. Ghaman Pindori
86. Tatle
87. Bavidchak
88. Darapur
89. Bhaini Paswal

SIALKOT CIRCLE

90. Sialkot City
91. Sialkot Cantt.
92. Durganwali
93. Aura Bhagubhatti
94. Bhartanwala
95. Daska
96. Mousawala
97. Ghanoke Jajja
98. Bhadal
99. Azizpur Dugri
100. Pasrur Noshehra
101. Khewa Kalaswala
102. Ban Bajwa

20. Bahbal Chak
21. Talwandi Jhanglan
22. Sikhwan
23. Harsian
24. Dialgarh
25. Gillanwali
26. Basranwan
27. Kallu Sohl - Gul Manj
28. Sarchaur
29. Chattah
30. Kathala Mian Mitha
31. Shikar
32. Dharamkot Randhawa
33. Dera Baba Nanak
34. Theh Ghulam Nabi
35. Beri
36. Phero Chechi
37. Ghorewaha
38. Bagol
39. Bhaini Melwan
40. Kiri Afghanan
41. Serhyali
42. Kahnuwan
43. Lamin Karal
44. Ojla
45. Talibpur Bhangwan
46. Ghaznipur
47. Behlolpur
48. Mari Buchian
49. Bahadur Hussain Masanian
50. Thikriwala
51. Meadi Shera
52. Peroshah
53. Deriwala Daroghian
54. Parowal
55. Satkoha
56. Pakiwan
57. Dalla
58. Dher
59. Bhabara
60. Nadaun
61. Langarwal
62. Khokhar Khajurwali

APPENDIX NO. I

A SET OF FIVE MAPS[1]

1. The Punjab (Tehsil as unit).
2. Gurdaspur District (Tehsil as unit).
3. Gurdaspur District (Thana as unit).
4. Gurdaspur District (Qanungo Circle as unit).
5. Gurdaspur District (Zail as unit).

APPENDIX NO. II

LIST OF LOCAL AHMADIYYA CENTRES IN PAKISTAN

QADIAN CIRCLE

1. Qadian
2. Bhaini Bangar
3. Nangal Khurd
4. Khara
5. Qadirabad
6. Nangal Kalan
7. Ahmadabad
7A. Karimpur

GURDSAPUR CIRCLE

8. Gurdaspur
9. Batala
10. Daulatpur - Pathankot
11. Dharamsala
12. Dharamkot Bagga
13. Shahpur - Amargarh
14. Wanjwan
15. Athwal
16. Khan Fatah
17. Lodhi Nangal
18. Tej Kalan
19. Qilla Lal Singh

[1] Not included.

line between two countries, every time it changes its course, or floods the countryside, disputes arise as to the ownership of strips of territory affected. Great difficulty is also experienced when the question of erecting local dams arises. Fishing and navigation rights are some of the other factors which often breed long drawn out feuds. We therefore recommend that if and where a river is decided to be the boundary line then, instead of being partitioned lengthwise, it should be apportioned breadthwise, for this would minimise the chances of disputes of this kind.

Finally, we pray to God Almighty that He be pleased to guide the members of the Boundary Commission to a decision that should satisfy all sections of the population of the areas concerned; and that He should also be pleased to guide all those, including ourselves who are trying to help the Commission by placing their views before it. God grant that the aim of all of us in this crisis be to win the approbation of God, to establish peace, and to serve mankind. A M E N

1. Mirza Bashir Ahmad, M.A.
   Chief Secretary
   Ahmadiyya Community
   Qadian

2. A. R. Dard, M.A.
   (Ex Imam London Mosque)
   Secretary for Education
   Ahmadiyya Community
   Qadian

3. Mirza Aziz Ahmad, M.A.
   Secretary for Missionary Work
   Ahmadiyya Community
   Qadian

4. S. Zainulabadin
   (Late of Ayyubia College, Jerusalem)
   Secretary for Home & Foreign Affairs
   Ahmadiyya Community
   Qadian

5. Abdul Bari, B.A. (Hons.)
   Secretary for Finance
   Ahmadiyya Community
   Qadian

6. M. Abdullah, B.A.
   Secretary for Entertainment of Guests,
   Ahmadiyya Community
   Qadian

7. Sher Ali, B.A.
   Secretary for Publication of Literature
   Ahmadiyya Community
   Qadian

8. F. Mohammad Sial, M.A.
   Joint Secretary for Missionary Work,
   Ahmadiyya Community
   Qadian

MEMBERS OF THE CENTRAL AHMADIYYA ASSOCIATION
QADIAN

only would Eastern Punjab be able to maintain strong garrisons almost at the throat of Lahore, and therefore of the whole of Western Punjab, but also have elbow room for them in the adjoining territory of Gurdaspur district; and this would constitute a military threat to Western Punjab which would be well able to paralyse its entire defensive system. Therefore, Gurdaspur being a Muslim majority district (and this majority is desirous of being included in Western Punjab) Western Punjab has a right to insist upon getting this territory which is essential for its defensive system against an attack from the east.

It is an accepted canon of justice in the settlement of boundary disputes that where a disputed territory happens to be so situated as to have strategic value in the defensive plan of one claimant to its possession on the one hand, and a similar importance for offensive purposes in the case of the other community claiming it, 'other factors' being equal, the claim of the community is given preference in the case of which it has a value for defensive purposes.

2. Among the Gurdaspur Muslims, the majority are Jats, of which tribe the greater portion lives in the Western districts like Sialkot, Sheikhupura, Lyallpur and Lahore. Gurdaspur Muslims therefore should not be cut off from areas inhabited by the larger body of the tribe to which these Muslims belong. Jats are no doubt to be found in the Ambala Division as well, but, for the greater part, they are Hindu Jats; and they have, moreover, no connection with the Jats of the Gurdaspur district. Thus, to cut off Gurdaspur from Western Punjab would raise insurmountable difficulties in the social life of the Gurdaspur Muslims.
3. The dialect spoken in Gurdaspur closely resembles the one spoken in Lahore, Sialkot and adjoining parts of Sheikhupura and Gujranwala districts ; while it does not at all resemble the one spoken in the eastern districts. As the larger number of people using this dialect would be living in Western Punjab, the Gurdaspur Muslims too should be apportioned to the same side.

At the end we wish to say something in regard to the advantages and disadvantages of natural boundaries. For, whereas they constitute natural barriers and can be easily held, in many cases experience has also shown them to be a constant source of awkward disputes. For instance, when a river forms the boundary

If such agreement be impossible District Gurdaspur could be directly connected with Pakistan by constructing a few miles of Railway line from Batala to Derababa Nanak which is already connected with Western Punjab through Narowal.

Next we wish to take up the question that in addition to the right of Gurdaspur District being placed in Western Punjab on the basis of the majority of its population, there are other factors as well which support the same view.

1. For one thing the principle of natural boundaries has been ignored to place Amritsar in Eastern Punjab. There can be only one reason on the basis of which this has been done, and that is consideration for the wishes of the majority of population of the District. But this has given to Eastern Punjab an opportunity to push its military organisation beyond the river Beas—*i.e.* into an area which rightfully belongs to Western Punjab. In case Gurdaspur too or portions of it, are handed over to Eastern Punjab, inspite of the fact that the majority of the population is Muslim it would not only involve a sacrifice of the wishes of the majority, but also secure the flank of the spring-board of Eastern Punjab, *viz.* Amritsar, against Western Punjab. All this would be tantamount to Western Punjab being delivered to Eastern Punjab bound hand and foot.

   Of course both Hindustan and Pakistan are proclaiming their intention to live like peaceful neighbours; but there can be no guarantee against future complications between the two. The possibility of war between them should not, therefore, be ignored or overlooked. If Gurdaspur District, or any portion of it, be apportioned to Eastern Punjab, then, in the case of hostilities between the two, Amritsar would be a big centre of military activity; and the tip of its territory being about 18 miles from the capital of Western Punjab, it would be admirably placed for exerting pressure against Western Punjab. For the proper defence of Lahore from this point of view and of Western Punjab of which this town is the capital, it is necessary that Gurdaspur District should be placed in Western Punjab. Should Gurdaspur belong to Western Punjab, portions of Eastern Punjab lying this side of the Beas would not be left free to attack Western Punjab any time they liked. But the situation would change radically from the military point of view if Eastern Punjab should also hold Gurdaspur District in addition to Amritsar. In that case not

of the Boundary Commission. This Commission has not been appointed as a guardian over backward populations to decide what are their proper needs: it has been appointed to demarcate the boundary line by ascertaining contiguous majority areas of Muslims and non-Muslims. If this results in any inconvenience to the people of the district it is for the majority Community in Gurdaspur District to decide whether they are prepared to put up with the inconvenience involved in having its arteries of communications passing through foreign territory. In case they are prepared to put up with it, no one else has any right to object, or to deny their right to be placed where they desire to be placed. Besides, this is by no means an insurmountable difficulty, as has been demonstrated in a number of countries where it has been successfully overcome. A similar problem had to be tackled by the Boundary Commission appointed by the League of Nations to demarcate the boundary between Syria and Iraq because part of the projected railway line of Iraq had perforce to pass through portions of Syria. Iraq at that time was held by the British while Syria was under the French. The solution proposed by this Commission was the following :—

> "In the event of the tract of the British railway being compelled for technical reasons to enter in certain places into the territory under French mandate, the French Government will recognise the full and complete extra-territoriality of the sections thus lying in the territory under the French mandate, and will give the British Government and its technical agents full and easy access for all railway purposes."

After quoting this paragraph Mr. Stephens B. Jones writes in his book "*Boundary Making*" :—

> "This paragraph shows that the problem of preserving the circulating unity can be met by other means than boundary changes. Transit rights for various kinds of traffic, including migratory herds, have been arranged by treaty."

Thus, should Western Punjab take the railway line from Lahore to Nagrota, or should Eastern Punjab take it from Amritsar to Nagrota, or each hold portions of the railway passing through its respective territory, the difficulty can be solved, in any case, by agreement between the two. There is absolutely no need to ignore the wishes of the majority Community merely on the basis of this difficulty, and throw the area into the other part of the Punjab.

and Kharijah, Ahmadiyya Community, Qadian :

"I gratefully acknowledge the invaluable services rendered by you in connection with the recruitment of technical personnel. You have taken a keen interest in the War Effort and produced a large number of technicians, clerks and War Trainees etc. and exercised a personal influence over the public and also given your whole hearted co-operation to the Recruiting Staff. I also appreciate the help given by your local secretaries and assistants everywhere in my area. About seven thousand recruits have been enrolled for the Fighting services as a result of your efforts.

"I shall be obliged if you please issue instructions to your assistants to redouble their efforts so that we may succeed in securing twice the number of recruits in an equal time.

"I certainly hope you will continue to give your help in future." [D.O. No. JM/14/2936, Technical Recruiting Office, Jullundur, dated 2nd April 1943].

This letter refers only to Ahmadi recruits in one Division of the Punjab upto April 1943. If figures for other Divisions as well as later figures are added the total number will far exceed 15,000.

It seems to us, therefore, that if services rendered by Sikhs entitle them to any kind of consideration in the division of the Punjab, the Ahmadiyya Community is similarly entitled on account of services rendered by Ahmadis. It must be remembered that services of the Sikhs have always been rewarded in different ways, but Ahmadiyya Community has never asked for any reward in return of its services.

11. Qadian is a town and the claims of a town should have priority over the claims of a village or a group of villages surrounding it.

To sum up there are so many other factors, in addition to the factor of the contiguity of population, in favour of Qadian being placed in Western Punjab that no contrary claim can under any circumstances be entertained.

We also deem it necessary to refute another point on the basis of which it is said that it is impossible to place Gurdaspur in Western Punjab. It is being said in certain official circles that keeping in view the economic life of this District and its means of communication, Gurdaspur should be placed in Eastern Punjab. This view, however, is not correct, for, to overlook the basic factor of majority population is beyond the scope and authority

8. About 90% of the property of the community is situated in Western Punjab and Pakistan. If Qadian is joined on to Eastern Punjab the financial resources of the Ahmadiyya Centre will very materially suffer.

9. Qadian contains the only Science Research Institute established by Muslims in India. If Qadian is joined on to Eastern Punjab, it will be disastrous for Muslims in general, and for Ahmadis in particular.

10. From certain declarations of responsible British authorities, it appears that the words 'other factors' have been used to benefit the Sikhs specially, who have rendered great services for the British Government. We admit that the Admadiyya Community is very small in numbers compared with the Sikhs, but in respect of services unselfishly rendered by the Community in World Wars it is in no way behind the Sikhs taking into consideration the proportional strength of the two communities. Qadian with its population of about 14 thousand supplied more than 1400 recruits to the Army which fought on behalf of the Allied Nations in World War II. The Ahmadiyya Community is still a very small community, yet more than two hundred Ahmadis attained the King's Commission (See Appendix No. III) and in this respect the community undoubtedly occupies the first place among all Indian Communities taking into consideration the proportional strength of the communities concerned.

Scores of Ahmadi parents enlisted all their adult sons for service in the war under the command of their revered Head. With regard to war services rendered by Ahmadis the following two quotations bear eloquent testimony :—

"I would also bring to your notice the excellent work done by His Highness the Maharaja Sahib of Patiala and his officials Kanwar Jasjit Singh, Syed Zainulabdin Waliullah Shah, Nazir Umoor Ama and Kharijah, Ahmadiyya Movement, Qadian, and S. Kartar Singh Dewana in connection with the Technical Recruiting. I would have recommended them very strongly for the award of Gold Watches but, as they are very big personalities I would only request that the Director of Recruiting may be pleased to express his appreciation for their most valuable services and assistance." (Extract from Confidential Letter No. . . . dated 26.10.42 from the A.T.R.O. Jullundur to the D.T.R.O. Sub Area No. 2, Lahore).

Again Captain Sujan Singh, Assistant Technical Recruiting Officer, Jullundur Cantt. writes to the Secretary, Umoor Amma

in Urdu. Some of his books are in Arabic and Persian. The dominion of Hindustan has already declared its intention to put an end to Urdu. The language which the Hindustan Radio employs is already becoming incomprehensible to an ordinary Muslim. After a time this language will become utterly foreign to Urdu speaking people. If Qadian is joined on to Eastern Punjab it would mean one of two things: either Qadian will continue to cultivate and promote Urdu among Ahmadis and thus deprive its youth from obtaining employment under the Government and its enterprising members progressing in trade and commerce, or, Qadian will drop the use of Urdu which is the language in which the religious literature of Ahmadis has been written and thus commit suicide in terms of its religious future. Neither of these alternatives is possible for the Ahmadiyya Movement to adopt. Nor can any sensible person propose their adoption. Moreover there are scores of Ahmadiyya branches outside India and all these would naturally like to develop close relationship with Pakistan.

Before passing on to the next point it may be noted that whereas the Sikh Community demands the safeguarding of their solidarity against the accepted principle of contiguous majority basis, our claim under this head is auxilliary to that principle.

4. The only College of the Ahmadiyya Community is situated in Qadian. If Qadian is joined on to Eastern Punjab, it would mean that majority of students belonging to one dominion will have to study in a college situated in another dominion. It will be very injurious and might prove positively detrimental to the interests of the students and the Institution.

5. The Holy Founder of the Ahmadiyya Movement laid it down that the Headquarters of the Ahmadiyya Community should always be Qadian. It is not possible, therefore, for the Community or its present Head to transfer the Headquarters of the Community from Qadian to any other place.

6. The body of the Holy Founder of the Movement is buried in Qadian. Under arrangements which it is not necessary here to describe bodies of prominent members of the community in different parts of India are brought to Qadian for burial. It is impossible, therefore, for Ahmadis to move their Headquarters from Qadian to anywhere else.

7. A number of sacred buildings and monuments are to be found in Qadian. For this reason also Ahmadis cannot change their Headquarters.

different from that on which the sanctity of Ahmadiyya Headquarters is based. This is why no other Community is drawn to its centre as Ahmadiyya Community is drawn to Qadian.

The present strength of Ahmadiyya Community in India is about half a million, but the number of Ahmadis who assemble in Qadian during our annual gathering is proportionately far greater to that flocking to the shrines of other communities so much so that Railway Administration has to run special trains for four days to meet the incoming and outgoing rush of visitors. People from far off places continue migrating to Qadian and making it their home with the result that whereas in the beginning of the century the population of Qadian was only a few souls, it is now no less than 14,000 people drawn from all parts of India as well as foreign countries and people belonging to all classes of society are eager to dedicate their lives to the service of Islam and settle in Qadian. People from all parts of the world come here for religious and spiritual training. True, that Hindus number about 300 millions and Sikhs about 5 millions, but there are no conversions among them from outside India. Branches of the Ahmadiyya Community are established in the U.S.A., Canada, Argentine, England, France, Spain, Italy, Syria, Palestine, Iran, Afghanistan, China, Ceylon, Mauritius, Burma, Malaya, Indonesia, Kenya, Tanganyika, Uganda, Abyssynia, the Sudan, Nigeria, Gold Coast, and Sierra Leone. In some of the foreign countries there are hundreds of local branches. In the U.S.A. thousands of American citizens owe allegiance to the Ahmadiyya Creed. Even at the present time there is a British ex-Lieutenant and a Syrian barrister staying at Qadian for religious instruction. A German ex-Military officer is also expected in Qadian shortly to get training as a muslim missionary. Similarly, converts from the U.S.A. as well as the Sudan and Iran intend to come to Qadian for religious instruction. Before this, students from Indonesia, Afghanistan, China and parts of Africa have visited our Headquarters. Hence the position of Qadian among religious centres is very high. If shrines are included in 'other factors' Qadian undoubtedly takes the first place.

2. The Ahmadiyya Movement has 745 local centres in India out of which 547 branches *i.e.* about 74% lie in Pakistan (See Appendix No. II). To separate Qadian from Western Punjab, therefore, would be highly prejudicial for its future.

3. The Holy founder of the Ahmadiyya Movement was born in Qadian. Most of the books he wrote to expound his teachings are

there is a Muslim majority of over 90 per cent. It stands to reason, therefore, that a village with an excess of only 24 non-Muslims cannot be regarded as an interruption between Qadian with about 14 thousand Muslims and the rest of the contiguous Muslim majority areas. Besides we have already urged that the village is not at all a suitable unit, but if it is treated as a unit then this unit will have to be used all over the Punjab. The adoption of this, however, cannot but result in the worst possible fragmentation of the province. (Five sets of maps based on the units of tehsil, thana, Qanungo circle and Zail respectively are herewith attached as Appendix No. I for ready reference).

We have already urged that 'other factors' should be taken into consideration only when the minor details of the boundary line are being settled. The slight and brief breach in the contiguity of Qadian, in case village is taken to be the unit, will therefore rightly bring the principle of 'other factors' into operation. In our opinion several 'other factors' can be cited in support of our contention that Qadian should remain a part of Western Punjab.

1. Qadian is the centre and Headquarters of the Ahmadiyya Community and possesses much more importance than ordinary shrines. The shrines of the Sikhs and Hindus have acquired sanctity through communal traditions, but the sanctity and greatness of Qadian is based on the word of the Almighty God as well as several prophecies of previous prophets. To the members of the Ahmadiyya Community the sancthy of Qadian ranks next to the sanctity of Mecca and Madina. In fact there is no sacred place except those of the Muslims whose sanctity is based on religious books and the word of God. Just as Mecca and Medina acquired everlasting sanctity through the Master Prophet Mohammad (Peace be on him), so has Qadian acquired it through his spiritual disciple and Successor Ahmad, the Holy Founder of the Ahmadiyya Movement to serve the cause of Islam. The Founder of the Ahmadiyya Movement who declared Qadian to be the Headquarters of the Movement is according to Ahmadis the Great Reformer of the latter days fulfilling in his person the prophecy regarding the second advent of Jesus Christ. He is also the spiritual disciple and God-appointed Khalifa of the Holy Prophet of Islam and fulfills in his person the prophecies of all previous prophets of the world relating to the latter days. No other Indian shrine therefore can compare with the sanctity of Qadian. Other communities are of course at present greater in number but the principle on which they base the sanctity of their shrines is entirely

conducive to law and order. It will only multiply the difficulties of living on the border.

A slightly larger unit is the Zail. A Zail consists of about fifty to sixty villages. This unit serves only as a unit convenient for the purpose of communicating information and Government notifications to villages. The Zaildar is not a Government official but only a Zamindar who works as Zaildar in an honorary capacity. His function is to render general help to the police and revenue officers. Even the Zail is an unsuitable unit. But if the Boundary Commission agrees to treat the Zail as a unit, then in the Dalla Zail in which Qadian is situated, Muslims are in a majority of 61.10%. In fact to the east of Qadian right up to the river Beas and to the west of Qadian right up to town of Batala, all Zails are Muslim majority areas. In short, even if the zail is taken to be the unit of division, Qadian must remain with Western Punjab.

A unit larger than the Zail is the Qanungo circle. This unit contains about seventy to eighty villages. If this unit is accepted as the unit of division, even then Qadian must remain with Western Punjab, for the Qadian Qanungo Circle holds a Muslim majority of 54.24%. In fact from Beas to Batala all such circles have a clear majority of Muslims.

The unit larger than the Qanungo circle is the Thana. This is an administrative not a revenue unit. To the common man the adoption of this as the unit of division will occasion no end of difficulties. But if the Thana must be used as the unit of division, even then Qadian must remain with Western Punjab. For, in Thana Batala in which Qadian is situated, Muslims constitute a majority of 55.98%. In the Thana to the north east of Thana Batala also, Muslims have a majority. Only in the Thana of Sri Gobindpur, situated to the south-east of Thana Batala there is a non-Muslim majority. Qadian, therefore, must remain with Western Punjab, whether the unit of division is the district, tehsil, Thana, Qanungo circle or Zail. To separate it from Western Punjab would be unjust and unwise in the extreme.

If, however, the unit of division is the village the position of Qadian becomes slightly different. Starting from Batala, village by village we have contiguous Muslim majority areas; only in one village to the north of Qadian there are 24 more non-Muslims than there are Muslims. Then proceeding to Qadian, we have one exclusively Muslim village. We then have the town of Qadian, the population of which according to the 1941 Census was over 10 thousand, and which at present is over fifteen thousand. In Qadian

three millions of people in the Western Punjab including Hindus and Sikhs. It is therefore quite in the fitness of things that the interests of three million people should not be sacrificed for a population having an excess of only 35,000. The case of Pathankot is therefore an exceptional one which has no parallel in any other part of the Province. The tehsil therefore deserves, really a special consideration and is a fit case to be treated under the principle of 'other factors'. Incidentally, it may also be mentioned that parts of this tehsil really belong to Chamba State and these parts are predominantly populated by Hindus. If these parts are separated the excess of Hindu population in the remaining part will be materially reduced. If in the final award of the Commission any of the predominantly Muslim majority tehsils which in the tentative division have been placed in the Eastern Punjab are not transferred to the Western Punjab then the question of Pathankot tehsil will not arise.

4. The next question is, 'If the unit of division is decided to be one smaller than the tehsil, how will it affect Qadian and the areas around about it?'

In this connection we wish to submit that the unit of division should be either the district or the tehsil. A unit smaller than the tehsil will not serve the purpose because:

(a) If the unit of division is smaller than the tehsil, defence and control of inter traffic will become more difficult.

(b) In the Viceroy's announcement the census figures for 1941 have been accepted as authoritative, and in the Census Reports there are no figures for areas smaller than the tehsil. It stands to reason, therefore, that as the Census Report is to be used as a basis for population figures then the unit of division also should be the district or tehsil, figures of which are available in the printed Census Report.

(c) If, for the sake of argument, we assume that the Boundary Commission decides to use a unit of division smaller than the tehsil, then such a unit could only be a Thana or a Qanungo circle or a *Zail* or a village. If the unit of division is taken to be the village, the Muslim areas will spread through Amritsar, Ferozepur, Jullundur, Hoshiarpur, Ludhiana and Ambala districts like so many claws of a crab. Similarly non-Muslim areas will dovetail into the districts of Gurdaspur and Lahore. Such a division is not

treat the pro-Pakistan attitude of the Christian community as anti-Pakistan. Even if we exclude Christians the Muslim population of Gurdaspur still has an excess of 2.28%. This clear excess of the Muslim Population should undoubtedly have the importance which is its due.

2. We must also remember that if the Muslim majority in the district of Gurdaspur is slight it is because one of its tehsils viz. Pathankot, has a Muslim population of only 38.88%. If we look at the other three tehsils, we find that the tehsil Batala has 55.07% Muslims, tehsil Gurdaspur 52.15% and tehsil Shakargarh 53.14%[1] [Census Report, 1941]. According to these figures, it is evident that even if we bracket Batala tehsil Christians with Hindus and Sikhs, Muslims in tehsil Batala have an excess of 10.14%, in tehsil Gurdaspur an excess of 4.30%, in tehsil Shakargarh an excess of 6.28%. If the number of Christians is added to the number of Muslims then those who wish to live in Pakistan in tehsil Batala have a majority of 60.53%, the percentage of those wishing to go into Hindustan is reduced to 39.47. In tehsil Gurdaspur, the collective Muslim-Christian population acquires a majority of 59.24% and the rest become reduced to a minority of 40.76%. In tehsil Shakargarh, Muslim-Christian population rises to 54.84% and the rest drop to 45.16%. If we keep these figures in view and leave Pathankot out of consideration for the present, it becomes obvious that there can be no question of separating any part of the remainder of Gurdaspur and joining it on to Eastern Punjab. Taking the three tehsils together the Muslim-Christian population has a majority of 53[2]. It follows that according to the Viceroy's declaration none of the three tehsils (Batala, Gurdaspur and Shakargarh) can be separated from Western Punjab and joined on to Eastern Punjab. It would be utterly unjust and unconstitutional to do so.

3. As for tehsil Pathankot our view is that it should be joined on to Western Punjab in spite of its being a Muslim minority area. The position of Pathankot is indeed peculiar. The principle of 'other factors' applies to it fully. The River Ravi passes through this tehsil and then runs into Western Punjab and from this river canals have been dug out having their headworks at Madhopur. These canals mainly serve areas belonging to Western Punjab. If this tehsil (in which non-Muslims have an excess of 35,000 souls over Muslims) is separated from Western Punjab and joined on to the Eastern Punjab it will have a most disastrous effect on about

[1] *Should be read as 51.32% cf. p. 469 infra.*

[2] *Should be read as 53% cf. ibid.*

After submitting these general considerations we turn to the question in which the Ahmadiyya Community is specially interested, the question which relates to the special circumstances attaching to Qadian and areas around, which should be taken into consideration while settling the boundary line between Eastern and Western Punjab. We beg to submit the following points in this connection :—

1. Qadian is situated in Thana Batala, Tehsil Batala, District Gurdaspur. We submit that the claim that the district of Gurdaspur should form part of Western Punjab is so clear and well founded as to make a discussion of it virtually outside the scope of the Boundary Commission. There is no doubt that at the Press Conference the Viceroy said that in this district Muslims had a majority only of 0.8% and that therefore parts of Gurdaspur would necessarily have non-Muslim majorities. We submit, however, that the Viceroy is not correctly informed on the point. In the 1941 Census Report, the Muslim population of the District of Gurdaspur is 51.14% of the total. This gives it an excess of 2.8% and not 0.8% over the rest.

Muslims have this excess of 2.8% over non-Muslims, only if we assume that Scheduled Castes and Indian Christians are in political alliance with Hindus and Sikhs. We should remember, however, that the Christian leader Mr. S.P. Singha (who belongs to Batala in the Gurdaspur District) has declared unambiguously that his community will prefer to live in Pakistan. The Central Christian Association has since expressed confidence in Mr. Singha's leadership. Christians in the district of Gurdaspur are 4.46%. If we add the Christian to Muslim population, then those of the Gurdaspur District who wish to go into Pakistan rise to a percentage of 55.60. This difference is indeed very considerable. In the H.M.G. Plan, the district of Jullundur has been included in Eastern Punjab even though Jullundur has a non-Muslim majority only of 54.74%. Is it not strange that the District of Gurdaspur having a majority of 55.60% in favour of Pakistan should be considered to be a disputed area? If it is said that the views of Christians cannot alter the decision to bracket Christians with Hindus and Sikhs, then we should submit that nothing can alter facts. If Christians declare that they wish to go into Pakistan, no one can say that Christians do not wish to go into Pakistan. The Government can no doubt say that they do not care where Christians wish to go, that in determining the boundary between the two Dominions, no regard will be paid to the views of Christians; but it does not stand to reason that the Government should

the question is, how many Muslims will count for how much land, commerce, incometax or colleges? After all we should be told how many Muslims in Western Punjab will lose their freedom on account of non-Muslim land in Lyallpur, non-Muslim colleges in Rawalpindi and non-Muslim factories in Sialkot. Until the price of freedom is settled, we cannot proceed to divide Punjab on the principle of property. We live in an age of freedom. We cannot believe that anybody can hold his head high and say that he would take away so many members of community 'A' and push them, against their wish, into areas belonging to community 'B', only because community 'B' has more land and more colleges and pays more income tax than community 'A'. This is nothing but slave traffic and that also of the worst kind.

In short, the truth is that :

(i) the function of the Boundary Commission is not to divide the Punjab, but to determine the minor details of the boundary line of an already divided Punjab, and make such slight modifications in it as may be just and necessary.

(ii) in making these modifications the Commission has been instructed to take into account such other factors as may be necessary subject to its main function of drawing the boundary line on the basis of population.

(iii) the words 'other factors' relate to the boundary line, between West and East Punjab and not to the rest of the province.

(iv) the Viceroy's announcement in the Press Conference makes it clear that the function of the Commission is confined to seeing that when a district situated on the border belongs, on the whole, to a certain community by reason of numerical majority, such parts of the district as have considerable area and hold majorities of another communnity may be separated from that district and joined on to the contiguous majority areas of their own community. It does not at all appear from this declaration that a majority area of one community will be joined onto a majority area of another community.

(v) the claim put forward by non-Muslims that 'other factors' include wealth, property etc. is contrary to the declaration of the Viceroy. It is also contrary to reason and human conscience.

this area we again have contiguous majority area belonging to the same community. In that case a small interruption in the contiguity of a large population cannot be taken very seriously. There is a third example. It is possible that right on the border-line there is a town in dispute. Then we suggest that in such a case the majority of the population of the town should be the deciding factor. It has been commonly accepted by Boundary Commissions that a town is the instrument of educational and social advance. When the interests of a town conflict with the interests of the adjoining rural area, then the claims of the town are superior to the claims of the country around. A fourth and last example of factors other than the factor of population which the Boundary Commission may take into account, is that a certain community may have its contiguity of population come to an end by the emergence of a not too large area of another community, but just beyond this area, the larger community has an important religious centre. In such a case it would be wrong to isolate this centre from the community to which it belongs, only because of a small intervening area belonging to another community. In this connection it may also be noted that in fairness to the majority community such considerations (envisaged in the above mentioned examples and other similar ones) should not be made a pretext for cutting off large slices of areas from the territory belonging to the majority community. Such adjustment should be confined to the smallest possible area to meet the requirements of the situation.

By 'other factors', therefore, can be meant only such factors as mentioned above. They can never imply that parts of border districts like Gurdaspur and Lahore should be joined on to East Punjab simply because in some other parts of Western Punjab Hindus possess larger share in trade, or Sikhs have more land in their possession. The Viceroy's announcement is quite clear on this point. This assurance by the Viceroy applies to all communities — Hindus, Sikhs and Muslims.

We wish here to raise another point. Let us assume that 'other factors' mean what non-Muslims seem to take them to mean. The question then would be, what is the exact value which we should attach to claims other than the claim of population? We will have to devise a measure for these claims. If a part of the Western Punjab can be joined on to Eastern Punjab, because in Western Punjab, Hindus and Sikhs own more lands, more commercial houses and more colleges, or pay more income tax, then

used as a basis for a new one. For, it is being said that the land which passed into Hindu hands through their indefensible money-lending activities entitles them to get more territory from Muslims.

In short, any claims which Eastern Punjabis may make on Western Punjab on the basis of their landed interests and educational superiority, constitute a contradiction of the very idea which has led to the acceptance of the division of India into Hindustan and Pakistan. The function of the Boundary Commission is not to attempt a reversal of this idea, but to implement the idea in a fair and just manner.

A question may be asked, if 'other factors' do not include property and other similar qualifications then what do they include and what do they mean? According to us for a meaning of the expression 'other factors' we have to turn to the terms of reference given to the Commission. In the terms of reference it is clearly said that :

> "The Boundary Commission is instructed to demarcate the boundaries of the two parts of the Punjab on the basis of ascertaining the contiguous majority areas of Muslims and non-Muslims. In doing so it will also take into account other factors".

From the above words it is obvious that 'other factors' refer only to such factors as will emerge when the Commission sits down to draw the boundary line and determine community-wise majority areas. 'Other factors', therefore, cannot possibly mean property or other qualifications of this kind. Nor can they entail a denial of majority rights. They pertain only to such claims and considerations as may be taken into account while settling minor details of the boundary line. We have some examples in view. It may turn out, for instance, that a large majority area belonging to a certain community is surrounded by a narrow ring of villages belonging to another community. It would then be legitimate for the Commission to rule that although a certain population has put a ring round another large population, this narrow ring will not prevent this large majority area from being joined on to areas holding the larger population of the other Community. If, however, the ring is wide then in fairness the pocket should go to the community which has contiguous majority area around it. To take another example, It is also possible that a large stretch of contiguous area in which a certain community is in majority is interrupted by a small area of another community. But beyond

tration. In the economic and educational fields, Muslims were left behind as a result of Government policy and political exigency. It is time they were rescued from these deprivations and disabilities. Instead of this, it is being proposed that whatever is left in their possession should also be snatched away from them on this or that pretext.

There is a Sikh claim to additional territory based on their superior possessions in the canal colonies of the Punjab. To this also our reply is the same. Canal colonies are situated in Sargodha, Lyallpur, Montgomery, Sheikhupura and Multan. Before the canals were dug in these parts, hardly five percent of those who had settled in these districts were non-Muslims. These parts, therefore, belonged to Muslims. But as their numbers were not large, they used their lands as pasture grounds for their cattle. Owing to the scarcity of water the land could not all be put under cultivation. On the introduction of canals the Government took possession of these lands, declaring that as they had become desolate they were now Government property; and some of these lands were gifted away to the Sikhs in return of services rendered by them to the Government. Some lands were sold away to private buyers. Thus a large part of the land went to the Sikhs. Injustice worse than this, is hard to imagine inasmuch as land which originally belonged to Muslims was made over to non-Muslims and now Muslims are being deprived of their rightful share in the territory because non-Muslims have more land in their possession! We wish also to point out that these land grants were made in return of services rendered to the Central Government, for they were made mostly in return of Military services. Now that India has been divided, Western Punjab has the right to demand cash compensation from Hindustan for these land grants.

The lands which are today in the possession of Hindus, they owe largely to their money-lending activities and the exorbitant rates of interest they have been charging on their loans to agriculturists. Punjab Courts will testify to our claim that in many cases a small loan of Rs. 40-50/- ultimately resulted in dispossessing an agriculturist of landed property worth many thousand rupees. To remove these disabilities of the landed classes, the Punjab Government and in its wake other Provincial Governments, have adopted, Land Alienation Acts. These Acts were without any retrospective effect,however. Therefore, the lands which had already passed into the hands of Hindu money-lenders could not be restored to their owners. But now the old injustice is being

on the basis of which Muslims have been granted the right to live in separate majority areas cannot be used to snatch away parts of those areas. If the idea of Pakistan was to give Muslims a chance to make up their losses in political and economic life and if this idea of division (which has been accepted by the British Government and the Congress) is legitimate, then any attempt to partition the Muslim areas on the basis of property or superior economic status is to nullify the very idea of Pakistan, and will have to be rejected as fundamentally wrong.

The Congress is the largest contending party to the present issue. But the Congress has already accepted the view that in the determination of political rights, property is no qualification. In all Congress-governed provinces, the old Zamindari system is being abolished. In U.P., Madras and Bihar, legislation is being put through which amounts to confiscating the landed interests of big Zamindars. If landed interests could also be regarded as a measure of political rights, then the Congress should have granted proportionately greater rights to Zamindars living in U.P., Madras and Bihar. Instead, Congress Governments are legislating for the abolition of the Zamindara System.

In Bengal the greater part of the land belongs to Hindus. As such the province of Bengal should have been handed over to Hindus. But this has not been done. In the tentative division the major part of Bengal has been handed over to Muslims.

If in the impossible event and we stress the word impossible of property qualifications, commercial interests, income tax, educational advance being included in 'other factors', we should have to ask, how and by what means did non-Muslims acquire these superior interests in land, trade and education? As we have said, this superiority of non-Muslims is due to the fact that on the advent of the British in India, non-Muslims took possession of all the Governmental instruments and institutions for acquiring wealth and economic advantage. The Muslims were rulers in India before the British. The British took over the country from Muslims. Right up to the time of Lord Curzon the policy of the British Government in India was to weaken the Muslims. Lord Curzon for the first time, raised the question whether it was correct or just to do so. No doubt, Lord Curzon had to pay heavily for raising his voice, but he proved that in the interest of truth and justice, and even at the risk of their personal reputation and career, there were Englishmen who were capable of disregarding their own long-established policy and traditions of adminis-

contiguous to it and join it on to any other area and that if any departure from the tentative division takes place, it will be determined by contiguous majority areas. In the Viceroy's declaration, therefore, 'other' factors' do not include qualifications like property. The declaration also lays it down that the Boundary Commission will not add an area in which a community is in majority to an area in which it does not constitute a majority.

We must also remember that if in solving the Indian problem, and settling the disputes between the communities, 'other factors' are to include property and similar other qualifications, then why is it that when Bengal and Punjab Assemblies met to elect their representatives to the Constituent Assembly, and to decide whether they would join the Hindustan or the Pakistan Constituent Assembly, the European members of the two legislatures were debarred from their normal right of voting? Is it not because European members owe their seats in the legislatures largely to their property and commercial and industrial interests? That is why when the time came for the settlement of fundamental political rights, the European members who had been given weightage on the basis of their property and economic interests were debarred from exercising their right of vote in the decision relating to joining one or the other Constituent Assembly.

Similarly, if it is correct to divide a country on a property basis, then we should have also to divide the province of Sind. In this province there is a majority of Hindus among big landlords. We can go even further and say that if property is a legitimate basis of division, then we need not have taken the trouble to divide the Punjab — we should have made it over entirely to Hindus and Sikhs. For, trade, industry, education, etc. in the Punjab are almost entirely in their possession; Musalmans in that case could not lay claim even to a single district. The truth is that the question of the division of India or of its parts, has arisen because Muslims had had the legitimate grievance that their political rights were not safe in the hands of non-Muslims. Even in provinces in which Muslims are in a majority, lands, contracts, and educational grants go to non-Muslims. Muslims have no avenues for progress left to them. It was necessary, therefore, in the Muslim view to separate their majority areas from the rest of the country to enable them to plan their own advancement and determine their own destiny. After many years of conflict and controversy the British Government and the Hindu Congress have accepted this claim of the Muslims. Now the very argument

tinguity of one by the presence of another is so slight that the interruption cannot be regarded as a serious one.

If 'other factors' were intended as being equal in importance to the factor of population, then they should have been kept in view even in the tentative division of the province. Instead, they have been included only in the reference to the Commission, and that also as a factor subordinate to the factor of population. This shows that 'other factors' pertain only to small matters which may have to be taken into account while shaping the boundary line, it being understood that the question of population will always have a priority of consideration. The Commission is concerned primarily with the question of population and its contiguity. To ignore this question or for that matter to give any other factor equal importance is beyond the powers and scope of the Commission.

At the press conference the Viceroy clearly declared that:

> "His *Majesty's* Government could hardly be expected to subscribe to a partition on the basis of landed property, not at all events this British Government". (*TRIBUNE*, June 5; & *DAWN*, June 6, 1947).

At the same press conference the Viceroy was asked:

> "In your broadcast yesterday you said that the ultimate boundaries of the partitioned provinces would be 'almost certainly not identical with those which have been provisionally adopted'. Why?"

in reply to which the Viceroy said:

> "For the simple reason that in the district of Gurdaspur the population ratio is 50.4% Muslims and 49.6% non-Muslims. The difference is 0.8%. You will see at once that it is unlikely that the Boundary Commission will place the whole of the district in the Muslim majority areas. Similarly in a district in Bengal the reverse is the case. I do not want the inhabitants of those districts to assume that it is a foregone conclusion that they will be going into an area in which their community is not in a majority". (*CIVIL & MILITARY GAZETTE*, June 5, 1947).

Apart from the fact that the population figures quoted by H.E. the Viceroy are not correct (see the Punjab Census Tables, 1941), it is evident from this question and answer that the Boundary Commission will not separate a majority area from the areas

parties. For safeguarding their legitimate rights, therefore, the Ahmadiyya Community deem it necessary to submit their views before the Boundary Commission.

Before, however, we give an account of the special circumstances in which our community (vis-a-vis their Headquarters in the Gurdaspur district) is placed, we wish to put before the Commission some basic points, bearing on the demands which we propose to submit hereunder.

We believe that the function of this Commission is to divide areas on the basis of Communal populations of the Punjab. It is not among its functions to attempt a political or economic division of the province. If that were so, then among its terms of reference we should have had a special emphasis laid on natural boundaries and economic resources; or we should have had a stress laid on the administrative division of the province. But neither in the tentative division which has already been made; nor in the reference made to the Commission, is there any mention of any primary factor other than the factor of population. In the tentative division, the unit of division is the district. Districts in which Muslims are in a majority have been put in the Western Punjab, while districts in which non-Muslims are in a majority have been put in the Eastern Punjab. If administrative factors had been in view, the district of Amritsar would have gone to Western Punjab. For in the tentative division Amritsar is the only district west of the river Beas which has been placed in the East Punjab Section in spite of the fact that in administrative divisions natural boundaries such as rivers and hills must have a preponderating importance. Similarly, if economic factors had been in view, the district of Kangra would have gone to Western Punjab. The Railway connects Kangra with Western Punjab. Its trade also is connected with Western Punjab. The fact that both Amritsar and Kangra districts have been placed in East Punjab shows that in the division of Punjab the factor of population is the major factor in view.

There is no doubt that the Commission's Terms of Reference contain the words 'other factors'. But these 'other factors' clearly occupy a place subordinate to the factor of population. They do not constitute a second or a parallel factor, but only a factor subordinate to the first. These 'other factors' can become relevant only when Muslim and non-Muslim populations are evenly balanced, or when the contiguity of the population of one community is interrupted by the emergence of a small area of population of another community, when the interruption in the con-

240

Memorandum of the Ahmadiyya Community presented to the Punjab Boundary Commission

BCP B File 80-Polit.Genl./47

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ ھوالناصر

MEMORANDUM ON BEHALF OF THE AHMADIYYA COMMUNITY, WITH HEADQUARTERS AT QADIAN, TEHSIL BATALA, DISTRICT GURDASPUR AND BRANCHES ALL OVER THE WORLD

Main Features

Being the Headquarters of the Ahmadiyya Community, Qadian should be placed in the Western Punjab, because :

1. It is the living centre of the world-wide Ahmadiyya Movement in Islam.
2. Its sanctity is greater than that of any other shrine in India.
3. People flock to it from all over the world seeking religious instruction and missionary training.
4. Most of the basic Ahmadiyya literature written by the Holy Founder of the Ahmadiyya Movement is in Urdu which is the language of Pakistan and which is being discarded in Hindustan.
5. 74% of the branches of the Ahmadiyya Community lie in Pakistan.
6. Most of the financial assets of the Community lie in Pakistan.
7. The District in which Qadian lies has a clear Muslim majority and is contiguous to Western districts.
8. The services of the Community in Peace and War are second to none. Its interests, therefore, should not be sacrificed to those of any other community.

The Headquarters of the Ahmadiyya Community, an important religious section of Muslims having branches all over the world, is situated in the district of Gurdaspur. In the tentative division between West and East Punjab this district is situated on the frontier between the two parts of the province. In the controversy over the boundary line this district is being claimed by both

اغلاط نامہ باب اول

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط الفاظ	صحیح الفاظ
10	2	دے رہے ہیں	دے دیئے ہیں
10	9	ای تحریک	اس تحریک
50	6	راز	رازا
50	7	مستشرقان	مستشرقون
60	1	شرلی	کی شرلی
72	1	ی دلول	ی دونوں
75	12	عیسائی بدھ	عیسائی تہ بدھ
84	16	کذب باپاتے	کذب بات
86	4	اولیک ہم	اولنک ہم
86	10	اولیک ہم	اولنک ہم
87	5	اولیک ہم	اولنک ہم
87	20	اولیک ہم	اولنک ہم
89	10	یکن احد	یکن احد
89	16	جو تک	جب تک
89	19	جو تک	جب تک
97	13	تیعت	بیعت
112		اوکذ بے	اوکذب
113	16	ہام بھی	ہان بھی

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط الفاظ	صحیح الفاظ
233	19	کتنی معاہد	مذہبی معاہد
244	19	سرکاری ہرائز	سرکاری دوائر
262	22	انغانستان	افغانستان
264	5	سے فرمایا	سے مسرور فرمایا
269	3	اترترک	اتاترک
272	2	سورۃ حجرت	سورۃ حجرات
274	12	حرول	ترول
274	12	دوسرے جنگ	دوسرے سے جنگ
274	16	اسلامی ایک	اسلام ایک

باب سوم

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط الفاظ	صحیح الفاظ
292	21	مقاصد برآری	مقاصد براری
375	19	مجبر رپورٹ	مخبر رپورٹ
380	7	جمل	حمل
387	10	لے	لیے
389	14	بھوسا	بھوسہ
390	10	جرات	جرأت
391	9	تعلق	تعلق
392	1	میں	میاں
392	12	میں	میاں
400	21	شاخشلہ	شنشلہ
402	1	لے غیر جانبدار	کے غیر جانبدار
436	5	دونوں کے ساتھ	دونوں ان کے ساتھ
436	6	رنجہ	رنجیدہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
613	3	انیس	اسی
614	2	تحقیق کرے	تحقیق کرتے
620	23	موقع پر پیش	اصل عبارت یہ ہے
628	18	دوسروں کی قید کو	دوسروں کو قید کی
628	23	پی آئی اے کا منیجر	پی آئی اے کا منیجر
630	1	ہوئے کہتے	ہوئے کہے
630	16	بھارتی حکومت پالیسی	بھارتی حکومت کی پالیسی
630	3	جنگ 1956ء	جنگ 1965ء
632	9	لا الہ الا	لا الہ الا اللہ
635	9	بھارتی تعداد	بھارتی شہداء
640	5	بری فوقل	بری فوج
641	2	کرنش	کورنش
641	4	13 اگست	17 اگست
641	8	کرنش	کورنش
641	17	ساہوکار	ساہوکارے
642	10	پیں منظر کا حامل	پس منظر کا حامل
642	11	غفلی	[illegible]
642	12	کرنش	کورنش
647	17	مسلو	مسلح
647	11	محمد الرسول اللہ	محمد رسول اللہ
647	21	پاؤ پیلے	پاپڑ بیلے
655	10-15-47	مجھے	مجھ
655	20-23	مجھے	مجھ
656	3-6	مجھے	مجھ
657	16	ذمن	ضمن
657	19	پاک بھارت کے	پاک بھارت جنگ کے
664	18	کیا وہاں	وہاں
666	5	کر آرمی چیف	کر کے آرمی چیف

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
668	14	کیا گیا	کیا گیا
668	18	مشاہدات میں	مشاہدات میں جو
669	20	1616	1626
671	12	صداقت دلیل	دلیل صداقت
672	18	اگر جنگ کا زمانہ ہوتی	اگر جنگ کا زمانہ نہ ہوتی
675	4	لے کر قلمدان	کر قلمدان
677	11	افرقہ	افریقہ
680	4	اس کے خلافت	اس کے خلاف
685	11	سلمان	سلطان
686	10	سات سو سال	چار سو سال
702	16	10931	931
704	17	اعتراضات	اعترافات
707	3	6 اگست 5	6 اگست 1935ء
724	6	ساقرا کیڈمی	ساگر اکیڈمی
725	1-6	مجاہد	مجاہدین
725	20	مقالہ	مقابلہ
726	12	رتن باغ	رتن باغ
728	22	ریشہ دوانیوں	ریشہ دوانیاں
728	22	ارادہ	ارادے
733	13	مسٹر اجلی	مسٹر اٹیلی
739	6	اجاز	آزاد
739	8	ہوں گی	ہو گی
742	11	اخر	آخر
745	6	سے اعلان کے بعد	بعد
745	12	مستحق	مستحق
746	4	کو رد و تمیم	کو رد و ترمیم
750	16	ہاؤس بوٹ	ہاؤس بوٹ
751	8	ہاؤس بوٹ	ہاؤس بوٹ

859	7	تاکہ دو تو	تاکہ دونوں
862	7	خدام الاحمدیہ	خدام الاحمدیہ
864	13	چار سال ان کی	چار سال سے ان کی
865	5	پس نظر	پس منظر
866	7	مرزا احمد	مرزا غلام احمد
872	12	تسلطائیت	قسطائیت
872	15	چار بجے	چار بجے تھے
873	4	طرے	طرح
880	12	پاکسان	پاکستان
884	17	دے تکے	دے سکے
889	16	خر	خبر
903	8	امیر مارشل	ایئر مارشل
903	15	وزیر اعظم پاکستان	وزیر اعلیٰ پنجاب
903	16	ربو	ربوہ
904	3	لے گئے	لے کر گئے
905	2	تکمیل اگر اگر	تکمیل اگر
912	7	بینک نے	بینک میں
804	24	1983ء	1993ء
859	20	سیات	سیاست

صدائے محراب
از صاحبزادہ طارق محمود
مقررین، خطباء کیلئے راہنمائے خطابت
سال بھر کے ۵۴ خطبات کا مجموعہ
عنوانات
توحید و رسالت • فضائلِ صحابہؓ و اہلبیت •
غزوات نبویؐ • ہجرت • جہاد کی فضیلت
معراج النبیؐ • فضائلِ درود پاک
ختم نبوت • موت کی یاد • فلسفہ حج و قربانی
کے علاوہ
سیرت النبیؐ کے ۱۲ ایمان پرور خطبات
قیمت: 150 روپے
• صفحات ۶۱۶
• عمدہ طباعت
• خوبصورت تین رنگا لیمینیشن ٹائٹل
ڈاک پتہ: مکتبہ لولاک جامعہ مسجد محمودیہ ریلوے کالونی فیصل آباد 624700
★ دینی مدارس کے طلباء کے لئے خصوصی رعایت
+ ڈاک خرچ بذمہ خریدار۔
خریدنے کا پتہ: شمع گرافکس پرنٹنگ پریس نزد جامع مسجد اہلحدیث امین پور بازار فیصل آباد فون ۶۱۰۲۲۶